فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب مُستطاب

مسمّٰی بہ

السِّقَايَة عَلٰى شَرْحِ الْوِقَايَة

مؤلفہ: خادم العلوم والدین محمد غریب اللہ مسرور اسلام آبادی فاضل دیوبند

مع مُفید اضافات

(۱) مکمل تاریخ علم الفقہ از مفتی سید محمد عمیم الاحسان صاحب۔

(۲) ذکر طبقات الفقہاء الحنفیۃ ودرجاتہم۔ من عمدۃ الرعایۃ للعلامۃ عبد الحی لکھنوی۔

(۳) مکمل تفصیلی حالات صاحب وقایہ وشارح وقایہ
تالیف: محمد حنیف گنگوہی

جملہ ۶۸ صفحات پر نادر اور مفید اضافات شامل کر دیئے ہیں۔

میر محمد کُتب خانہ آرام باغ کراچی

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب مستطاب

مسمّٰی بہ

جلد دوم

السقاية على شرح الوقاية

مؤلفہ: حضرت العلام مولانا عبید الحق صاحب جلال آبادی دام مجدہم

صدر المدرسین مدرسہ عالیہ ڈھاکہ (خطیب بیت المکرم)۔

مع مفید اضافات

① مکمل تاریخ علم الفقہ از مفتی سید محمد عمیم الاحسان صاحب۔

② ذکر طبقات الفقهاء الحنفية ودرجاتهم۔ من عمدة الرعاية للعلامة عبد الحی لکھنوی۔

③ مکمل تفصیلی حالات صاحب وقایہ وشارح وقایہ۔ تالیف، محمد حنیف گنگوہی۔

جملہ ۶۸ صفحات پر نادر اور مفید اضافات شامل کر دیئے ہیں۔

میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

بحمد اللہ" السقایہ" شرح اردو شرح وقایہ کی جلد دوم ہدیۂ ناظرین ہے، اس جلد کی ترتیب بھی جلد اول کے موافق ہے کہ ہر صفحہ کے بالائی حصہ میں جلی قلم سے اصل عربی کتاب اس کے نیچے اردو ترجمہ اور اخیر میں حل طلب مقامات کی مختصر تشریح دی گئی، تشریحی نوٹ تقریباً تمام تر حاشیہ عمدۃ الرعایہ مؤلفہ مولانا عبدالحی لکھنوی سے منتخب اور اس کی تلخیص واختصار ہے جلد اول کی بہ نسبت اس جلد میں اختصار کا پہلو زیادہ ملحوظ رکھا گیا، عربی حواشی میں مذکور حدیثی مباحث، اختلاف ائمہ اور ان کے ادلہ کی تفصیلات اس میں لانے سے عموماً احتراز کیا گیا ہے کیونکہ یہ سب تحقیقات علیہ اس دور کے طلبۂ مدارس کے معیار استعداد سے بالاتر ہیں۔ اساتذہ اور علماء محققین کے لئے اصل عربی شروح وحواشی کافی ووافی ہیں۔

واضح رہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی ہدایت کے لئے جس شریعت کو لے کر تشریف لائے اس کے چار حصے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، اور اخلاق۔ عقائد کا مضمون علم کلام کا موضوع ہے، اخلاق کی تفصیل علم تصوف میں ہے اور علم فقہ عبادات و معاملات پر مشتمل ہے، شرح وقایہ جلد اول میں عبادات کا بیان تھا اور اس دوسری جلد سے معاملات کا بیان شروع ہوتا ہے جس کا سلسلہ تین جلدوں (دوم، سوم، چہارم) تک پھیلا ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت میں معاملات کے مباحث و مسائل سب سے زیادہ وسیع اور دوررس ہیں۔ علاوہ ازیں عبادات کی صورت و کیفیت میں زمان و مکان کے تغیر سے کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات میں جس شکل اور ہیئت پر عبادات کی تعلیم دی تھی آج بھی بلکہ قیامت تک انہیں اسی شکل اور ہیئت پر ادا کرنی لازمی ہے اس لئے عبادات کے متوارث احکام و مسائل کو ہر دور اور مقام کی عملی زندگی سے منطبق کرنا اور ان کو سمجھنا نسبتہً آسان ہے اس کے برعکس معاملات کی نوعیت و کیفیت میں قوم و ملک اور زمان و مکان کے اختلاف کے باعث بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں، اس لئے آئے دن سینکڑوں قسم کے تغیر پذیر معاملات پر احکام اسلام کو منطبق کرنا اور ہر نو بہ نو جزئی واقعہ کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنا نہایت دقیق امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاملات ہی کے میدان فقہاء کی فقاہت اور مجتہدین کے اجتہاد کی شان اور امتیازی رتبہ پوری طرح نمایاں ہوتا ہے۔ اور جو شخص حوادث زمانہ اور حالات اقوام و ممالک سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا فقہاء کی نظر میں وہ منصب افتاء و قضاء کا اہل اور لائق شمار نہیں ہوتا۔

بنا بریں یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام کا حصۂ معاملات کے احکام و مسائل کو پوری طرح بصیرت کے ساتھ سمجھنے اور برتنے کے لئے صرف کتابی علم کافی نہیں بلکہ اپنے زمانہ اور ملک کے مروجہ معاملات کی نوعیت اور ان کی عملی کیفیتوں سے بھی واقفیت حاصل کرنی ضروری ہے، اور زیادہ واضح لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ فقہ اسلامی کے حصۂ معاملات کا، نصف علم، کتابوں میں ہے اور دوسرا نصف، سماجی اور اجتماعی زندگی کے موجودہ حالات اور روزمرہ واقعات کی واقفیت سے وابستہ ہے

مگر یہ انتہائی افسوسناک واقعہ ہے کہ آج فقہ کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے عموماً اپنے زمانہ کے معاشرتی واجتماعی معاملات کی نوعیتوں اور موجودہ معاشی وثقافتی راہ ورسوں سے بالکل بے خبر اور بے شعور ہیں، جس کے نتیجہ میں علماء دین اور مدارس کے تعلیم یافتہ، قومی وملی زندگی سے اس قدر دور جا پڑے ہیں کہ اس درمیانی خلیج کو پاٹنا — موجودہ بے حسی کی حالت برقرار رہتے ہوئے — تقریباً ناممکن ہے۔

علاوہ ازیں اس کا ایک انتہائی نقصان دہ اور تباہ کن پہلو یہ ہے کہ ملکی وقومی زندگی سے عام بے خبری اور بے شعوری کی بناپر معاملات سے متعلق اسلامی احکام کو عملی زندگی کے ساتھ تطبیق دینے، اور ان کے مطابق معاشرہ کی تشکیل وتنظیم عمل میں لانے کا جذبہ اور ولولہ اب ان کے اندر باقی نہیں، جس کا لازمی ثمرہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ معاملات کے احکام ومسائل کو پوری طرح سمجھنے اور سمجھانے اور قابل فہم وعمل، طریقہ پر ان کا حل تلاش کرنے سے، عام بے توجہی اور بے اتفاقی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ مدارس دینیہ سے اعلی تعلیم پاکر فارغ ہونے والوں میں سے اکثر کو اس کا بھی پتہ نہیں ہوتا، کہ انسانی باہمی معاملات میں دو ایک شعبوں کے علاوہ اور سینکڑوں شعبوں کے بارے میں اسلام نے کچھ اصول وضوابط بھی مقرر کئے ہیں یا نہیں؟ اور شریعت میں ان کے متعلق کچھ آئین وقوانین بھی موجود ہیں یا نہیں؟

جمود وبے حسی کے اس قعر مذلت سے نجات پانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ معلمین ومتعلمین، فقہ اسلامی کے حصۂ معاملات کی تعلیم وتعلم کو صرف کتابی حدود میں محدود نہ رکھیں، بلکہ دور حاضر کے متنوع معاشی وسماجی اور آئینی وثقافتی مروجہ طور وطریقہ کے بارے میں بھی براہ راست واضح معلومات اور بصیرت حاصل کریں۔ جیسا کہ علماء سلف اور ائمہ مجتہدین کا شیوہ تھا۔ تاکہ اپنے اندر عملی زندگی میں احکام اسلام کی تطبیق وتنفیذ کی پوری استعداد اور صلاحیت پیدا ہو۔ اور فقہ اسلامی کے اس اہم اور وسیع ترحصہ کی تعمیل واجراء کے خیر وبرکات سے ہماری حیات اجتماعی پھر سے سرسبز وشاداب ہو سکے۔ وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

سراپا خطا عبید الحق غفرلہ
مدرس اول مدرسۂ عالیہ۔ ڈھاکہ
۷، اکتوبر ۱۹۸۲ء

فہرس مسائل شرح الوقایۃ المجلد الثانی

کتاب العتاق

کتاب الایمان

بسم الله الرحمن الرحيم

كتاب النكاح

هو عقد موضوع لملك المتعة اى حل استمتاع الرجل من المرأة فالعقد هو ربط اجزاء التصرف اى الايجاب والقبول شرعا لكن هنا اريد بالعقد الحاصل بالمصدر وهو الارتباط لكن النكاح هو الايجاب والقبول مع ذلك الارتباط وانما قلنا هذا لان الشرع يعتبر الايجاب والقبول اركان عقد النكاح لا امورا خارجة

نکاح کا بیان

ترجمہ:۔ نکاح ایک عقد ہے جو ملک متعہ حاصل ہونے کے لئے وضع کیا گیا ہے. یعنی اس نفع کے حلال ہونے کے واسطے وضع کیا گیا ہے جو مرد کو عورت سے حاصل ہوتا ہے. تو عقد نام ہوا اجزاء تصرف یعنی ایجاب وقبول کے شرعی طور پر جوڑنے کا لیکن اس مقام میں عقد سے مراد وہ معنی ہیں جو حاصل مصدر ہے یعنی ربط کے ذریعہ جو ارتباط حاصل ہوتا ہے. البتہ نکاح ایجاب وقبول اور اس ارتباط کے مجموعہ کا نام ہے. اور یہ ہم نے اس لئے کہا کیونکہ شریعت نے ایجاب وقبول کو عقد نکاح کے ارکان میں سے شمار کیا ہے ان کو امور خارجی قرار نہیں دیا ہے۔

تشریح:

۱؎ قولہ کتاب النکاح. یعنی یہ احکام نکاح کا بیان ہے. لفظ نکاح کے لغوی معنی وطی اور مجامعت کے ہیں اور شرعاً عقد نکاح پر بولا جاتا ہے اور کبھی کبھی وطی کے معنی پر بھی بولا جاتا ہے، اس لئے شرعاً حقیقی معنے میں اختلاف ہے مگر مشہور یہ ہے کہ عقد میں حقیقی طور پر اور وطی کے معنی میں مجازاً استعمال ہوتا ہے ۱۲ ۲؎ قولہ ہو عقد الخ اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہاں نکاح سے مراد عقد ہے وطی مراد نہیں کیونکہ مصنف کا منشا احکام عقد بیان کرنا ہے احکام وطی بیان کرنا پیش نظر نہیں ہے ۱۲ ۳؎ قولہ المتعۃ الخ بضم المیم، یہ اسم ہے اس کے لئے جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور استمتاع مصدر کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں دونوں معنے کا احتمال ہے. چنانچہ بدائع میں ہے کہ "احکام نکاح میں سے ملک متعہ ہے یعنی شوہر کو اپنی بیوی کے محل خاص اور تمام اعضاء سے نفع حاصل کرنے کا خصوصی حق حاصل ہو جاتا ہے یا تو اس کی ذات ہر نفع اٹھانے کی حد تک ملک ثابت ہو جاتی ہے ۱۲ ۴؎ قولہ استمتاع الخ یعنی نفع طلب کرنا اور نفع حاصل کرنا خواہ جس شکل میں ہو بشرطیکہ شرع نے اُسے منع نہ کیا ہو مثلاً لواطت کہ یہ بنص حدیث ممنوع ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے " ملعون من اتی امرأۃ فی دبرھا " جو عورت کی دبر میں مجامعت کرے وہ ملعون ہے ۱۲ ۵؎ قولہ الرجل الخ اس تخصیص پر اگر شبہ ہو کہ جس طرح مرد عورت سے فائدہ حاصل کرتا ہے اسی طرح عورت بھی تو مرد سے فائدہ حاصل کرتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اگرچہ طرفین سے حصول فائدہ ہوتا ہے مگر مرد کا ذکر یا تو اس کے اشرف ہونے کی بنا پر اور یا تو اس لئے کہ مرد کا حق مقدم اور مؤکد ہے یہی وجہ ہے کہ وہ عورت کو مباشرت پر مجبور کر سکتا ہے جبکہ عورت کسی شرعی رکاوٹ کے بغیر اس سے انکار کرے، اور اگر مرد ایک بار وطی کر لے تو پھر عورت کو حق نہیں کہ وہ اسے وطی پر مجبور کرے ۱۲ ۶؎ قولہ ای الایجاب والقبول الخ ایجاب لغۃً ثابت کرنے اور قبول مان لینے کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً عاقدین میں سے پہلے کے کلام کو ایجاب اور دوسرے کے کلام کو قبول کہا جاتا ہے ۱۲ ۷؎ قولہ لکن ہنا الخ یعنی عقد اگرچہ دراصل ربط مصدری کے مفہوم میں ہوتا ہے لیکن نکاح کی تعریف میں اس سے مراد حاصل بالمصدر ہے یعنی وہ خاص ارتباط جو عقد کرنے والوں کے باہم کلام (ایجاب وقبول) کے ربط سے حاصل ہوتا ہے ۱۲ ۸؎ قولہ لان الشرع الخ اس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر ایجاب وقبول پر مرتب ہونے والے صرف اس ربط کا نام ہی شریعت کی رو سے نکاح ہوتا تو حقیقت نکاح سے ایجاب وقبول خارج ہو جاتے حالانکہ شرع میں ایجاب وقبول کو ارکان نکاح میں سے شمار کیا جاتا ہے اور رکن شئ داخل شئ اور اس شئ کا حصہ ہوتا ہے اس بحث سے معلوم ہوا کہ نکاح دراصل ایجاب وقبول اور ارتباط سے مرکب ہے، محض ارتباط یا محض ایجاب وقبول کا نام نکاح نہیں ۱۲

كالشرائط ونحوها وقد ذكرت في شرح التنقيح في فصل النهي كالبيع فان الشرع يحكم بان الايجاب والقبول الموجودين حسًّا يرتبطان ارتباطاً حكمياً فيحصل معنىً شرعيٌ يكون ملك المشتري اثراً له فذلك المعنى هو البيع فالمراد بذلك المعنى المجموع المركب من الايجاب والقبول مع ذلك الارتباط الشرعي لان البيع هو مجرد ذلك المعنى الشرعي والايجاب والقبول آلة له كما توهم البعض لان كونهما اركاناً ينافي ذلك فلا شك ان له عللاً اربعاً فالعلة الفاعلية هو المتعاقدان والمادية الايجاب والقبول والصورية هو الارتباط المذكور الذي يعتبر الشرع وجوده والغاية المصالح المتعلقة بالنكاح۔

ترجمہ:۔ جس طرح شرائط وغیرہ ہوا کرتی ہیں چنانچہ میں نے (اصول فقہ کی کتاب) تنقیح کی شرح (توضیح) میں فصل نہی کے اندر (وجود شرعی کی وضاحت کرتے ہوئے) بتلایا ہے: "اس کی مثال بیع ہے اس لئے کہ شرع کا حکم ہے کہ حسی طور پر پائے جانے والے ایجاب و قبول میں ایک حکمی ارتباط ہو جاتا ہے جس سے ایک ایسا مفہوم شرعی حاصل ہوتا ہے کہ اس کے زیر اثر مبیع پر خریدار کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور بیع کا یہی مطلب ہے. پس (ایجاب و قبول کے ارتباط کے بعد حاصل ہونیوالا یہ شرعی مفہوم در اصل ایجاب و قبول اور ان کے درمیان شرعی ربط کے مجموعہ مرکب کا نام ہے، محض اس معنی شرعی کا نام بیع نہیں کہ ایجاب و قبول اس کے آلات ہوں، جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے. کیونکہ ایجاب و قبول کا ارکان ہونا اس کے منافی ہے. پس اس سے ثابت ہو گیا کہ عقد نکاح کے لئے بھی چار دں علتیں ہیں. (۱) علت فاعلی یعنی عقد کرنے والے دونوں مرد و عورت (۲) علت مادی یعنی ایجاب و قبول (۳) علت صوری یعنی ایجاب و قبول کا وہ حکمی ارتباط جو بحکم شرع موجود مانا جاتا ہے (۴) علت غائی یعنی وہ مصالح جو نکاح کے ساتھ وابستہ ہیں.

تشریح

سلہ قولہ کالشرائط الخ یعنی شرائط وہ ہیں جن پر مشروط کا وجود موقوف ہوتا ہے. اور حقیقت مشروط سے خارج ہوتی ہیں ۱۲ سلہ قولہ کالبیع الخ توضیح کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حسیات سے مراد وہ ہیں جن کا وجود صرف حسی طور پر ہو اور شرعیات سے مراد وہ ہیں جن کا حسی وجود کے ساتھ ساتھ شرعی وجود بھی ہو مثلاً خرید و فروخت کا ایک حسی وجود ہے کہ حسی طور پر اس میں ایجاب و قبول پائے جاتے ہیں اور اس حسی وجود کے علاوہ دوسرا ایک شرعی وجود بھی ہے اس لئے کہ شرع کا حکم ہے کہ حسی طور پر پائے جانے والے ایجاب و قبول کا ایک حکمی ارتباط ہے جس سے ایک شرعی مفہوم حاصل ہوتا ہے! ور اس کے نتیجہ میں مبیع پر خریدار کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ اس مفہوم کا نام بیع ہے چنانچہ اگر غیر محل میں ایجاب و قبول پایا جائے تو شریعت وہاں بیع کا اعتبار نہیں کرتی ہے اور اگر بیع بالخیار ہو تو شرع کا حکم یہ ہے کہ بیع تو پائی گئی مگر اس پر ملکیت کا حکم ثابت نہیں. اس تفصیل سے وجود حسی کے علاوہ وجود شرعی ثابت ہوتا ہے ۱۲ سلہ فالمراد الخ: پس جس طرح عقد بیع میں محض ایجاب، قبول یا محض ارتباط بیع نہیں کہلاتا ہے ایسے ہی نکاح کا مسئلہ ہے کہ یہ بھی ان میں سے ایک چیز کا نام نہیں بلکہ تینوں کے مجموعہ کا نام نکاح ہے لہذا ایجاب و قبول بھی حقیقت عقد میں داخل ہیں اور نکاح کا شرعی وجود ان دونوں پر موقوف ہے اس وضاحت کے بعد ایجاب و قبول کا عقد نکاح کے آلہ یا وسیلہ ہونے کا گمان باطل ہو گیا کیونکہ آلہ اور وسیلہ خارج شئ ہوا کرتا ہے اور یہ دونوں حقیقت نکاح میں داخل ہیں اور ان کو ارکان عقد میں سے شمار کیا گیا ہے ۱۲ سلہ قولہ فلا شک الخ یعنی جب ثابت ہو گیا کہ نکاح صرف اُس ربط ہی کا نام نہیں بلکہ یہ مجموعہ مرکب سے عبارت ہے اور ایجاب و قبول اس کی ماہیت کے حصے ہیں تو متعین ہو گیا کہ عقد نکاح میں چاروں علتیں موجود ہیں اور اگر محض اس معنی ہی کا نام نکاح ہوتا تو اس کی کوئی مادی یا صوری علت نہ ہوتی کیونکہ یہ دونوں مرکب حقائق کے خواص میں سے ہیں ۱۲ شہ قولہ فالعلۃ الخ علت فاعلی وہ ہے جس سے فعل صادر ہوتا ہے. علت مادی: وہ چیزیں ہیں جن کی ترکیب سے کوئی نئی چیز بننے کی صلاحیت آجائے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وانما قلنا عقد موضوع لان البیع والهبة ونحوهما یثبت به ملك المتعة لکن غیر موضوع له فلهذا یصحّ البیع ونحوه فی محل لا یحل الاستمتاع فیه بخلاف النکاح هو ینعقد بایجاب وقبول لفظهما ماضٍ کزوّجت وتزوّجت او ماضٍ ومستقبلٌ کزوّجنی فقال زوّجتُ وان لم یعلما معناه الانعقاد هو الارتباط الشرعی المذکور والمراد بالمستقبل الامر وقوله زوجنی حذف مفعوله نحو زوجنی بنتك او نفسك واعلم ان قوله زوجنی لیس فی الحقیقة ایجابًا بل هو توکیل.

ترجمہ:- اور ہم نے جو (نکاح کی تعریف میں) عقد موضوع (یعنی جس کی وضع ملک متعہ کے لئے ہو) کہا ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع اور ہبہ وغیرہ سے بھی ملک متعہ ثابت ہوتی ہے مگر یہ عقود اس غرض کے لئے وضع نہیں ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ بیع وغیرہ ایسے محل میں درست ہیں جہاں استمتاع حلال نہیں، بخلاف نکاح کے (کہ یہ اس محل میں صحیح نہیں جس میں حصول متعہ جائز نہ ہو) اور نکاح منعقد ہوتا ہے ایجاب و قبول سے کہ دونوں الفاظ ماضی ہوں جیسے کہے "میں نے تمہارے نکاح میں دیا اور میں نے تجھ سے نکاح کیا" یا ایک لفظ ماضی کا ہو دوسرا مستقبل کا جیسے کہے "مجھ سے نکاح کر تو دوسرے نے کہا میں نے نکاح کیا" اگرچہ دونوں ان لفظوں کے معنی نہ جانتا ہوں، انعقاد سے مراد وہ ارتباط شرعی ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اور مستقبل سے مراد صیغۂ امر ہے اور (عاقد کا) قول زوجنی میں فعل کا مفعول محذوف ہے مثلاً "زوجنی بنتک" یا تو "زوجنی نفسک" (یعنی تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کردے یا خود اپنے کو میرے نکاح میں دیدے) اور جاننا چاہیئے کہ عاقد کا قول "زوجنی" فی الحقیقۃ ایجاب نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے دوسرے کو وکیل بنانے کے حکم میں ہے (گویا کہ یہ کہا کہ میری جانب سے وکیل بن کر نکاح کردے)

تشریح (بقیہ صـ گذشتہ) علت صوری وہ ہے جس سے شئی بالفعل موجود ہو جائے، یہ علت صوری درحقیقت علت مادی کے ساتھ قائم رہتی ہے اور مرکب ان دونوں کے ساتھ قائم رہتا ہے ۱۲

(حاشیہ صـ ہذا) لـه انما قلنا الخ یعنی نکاح کی تعریف میں "عقد موضوع للملک المتعہ کہا" "عقد مفید" نہیں کہا تاکہ وہ تمام عقود خارج ہو جائیں جن سے اگرچہ بسا اوقات تمتع حلال ہو جاتا ہے مثلاً لونڈی خریدنا یا ہبہ میں قبول کرنا مگر شرعاً یہ عقود اس غرض کے لئے وضع نہیں ہوئے ہیں اسی لئے کہا ہے ان سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے اور عقد نکاح تو اسی منفعت کے لئے شرعاً وضع ہی کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ بیع ایسے محل میں درست ہے جہاں یہ منفعت نہ ہو مثلاً غلام یا دوسرے اموال مگر نکاح اس محل میں صحیح نہیں جس میں حصول متعہ جائز نہ ہو جیسے مرد کے ساتھ نکاح کرنا ۱۲

لـه قولہ لفظہما الخ یہ جملہ صفت ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ تلفظ ضروری ہے چاہے جانبین میں سے ایک ہی سے ہو جائے، طرفین سے محض کتابت کافی نہیں نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ لفظ میں تعدد ضروری نہیں اب اگر چھوٹوں کے ولی نے یا جانبین کے وکیل نے یہ کہا کہ میں نے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا تو بھی کافی ہوگا (جامع المضمرات) ۱۲ سے قولہ ماض الخ صیغۂ ماضی اگرچہ لغۃً خبر دینے کے لئے موضوع ہے لیکن بضرورۃ عقد شرعاً اسے انشاء کے لئے قرار دیا گیا ہے اور ماضی کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ وجود اور ثبوت شئی پر زیادہ دلالت کرتا ہے ۱۲ سے قولہ وان لم یعلما الخ اس مسئلہ کے اندر دو قول ہیں سے یہ ایک قول ہے جسے مصنفؒ نے اختیار کیا چنانچہ ظہیریہ میں ہے کہ ایک آدمی عربی زبان میں یا ایسے الفاظ کے ساتھ کسی عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ اس کے معنی نہیں جانتا اور عورت بھی اپنے کو اس کی زوجیت میں دیدے تو اگر یہ دونوں اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے تو سب کے نزدیک نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر اتنا بھی نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے تو بھی نکاح صحیح قرار دینا مناسب ہے جیسا کہ طلاق و عتاق کا حکم ہے کہ معنی نہ جاننے سے بھی نافذ ہو جاتا ہے کیونکہ مفہوم لفظ جاننے کا اعتبار وہاں ہوتا ہے جہاں قصد و ارادہ ثابت کرنا ہو اور جن امور میں قصد و ارادہ کی ضرورت نہیں بلکہ ان میں ہزل و متانت برابر ہوں تو وہاں مفہوم جاننے کی شرط نہیں ہوگی بخلاف بیع وغیرہ کے جن میں قصد و ارادہ کا تحقق ضروری ہے اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے لفظ کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا جس کے معنے زوجین نہ جانتے ہوں، صاحب خزانہ اور شیخ الاسلام کے نزدیک یہی مختار ہے، صاحب عمدہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے ۱۲

(باقی صـ آئندہ پر)

ثم قوله زوجت ايجاب وقبول فان الواحد يتولّى طرفي النكاح بخلاف البيع فانه اذا قال بعني هٰذا الشئ فقال بعت لا ينعقد البيع الا ان يقول الأخر اشتريت فان الواحد لا يتولّى طرفي البيع وذٰلك لان حقوق العقد ترجع الى العاقد في باب البيع واما في النكاح فحقوقه ترجع الى الزوج والزوجة لا الى العاقد فانّ العاقد ان كان غيرهما فهو سفير محض وقولهما

دادو پزيرفت بلا ميم بعد دادي وپذيرفتي اي اذا قيل للمرأة خويشتن را بزني بفلان دادي فقالت داد ثم قيل للأخر پذيرفتي فقال پذيرفت بحذف الميم يصح النكاح۔

ترجمہ:۔ پھر جب دوسرے نے جواب میں کہا، "زوّجتُ" (یعنی میں نے نکاح کر لیا) تو ایجاب وقبول دونوں پورے ہو گئے کیونکہ عقد نکاح میں ایک ہی شخص دونوں طرف کا متولی ہو سکتا ہے (گویا اس نے زوجین کے نائب کی طرف سے وکالۃً ایجاب کیا اور اپنی طرف سے اصالۃً قبول کیا) بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں اگر خریدار نے کہا اس چیز کو میرے ہاتھ بیچ دے اور بائع نے کہا میں نے بیچی تو اس طرح کہنے سے بیع منعقد نہ ہو گی ہاں اگر خریدار پھر کہے کہ میں نے خریدی (تب بیع منعقد ہو گی) کیونکہ عقد بیع میں ایک ہی شخص دونوں طرف کا متولی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس لئے کہ بیع کے معاملہ میں کل حقوق عاقد سے متعلق ہوتے ہیں (تو ایک شخص حق کا مطالبہ کرنے والا اور حق ادا کرنے والا کس طرح ہو سکتا ہے!) لیکن عقد نکاح میں نکاح کے کل حقوق میاں اور بیوی سے متعلق ہوتے ہیں عقد کرنے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں رہتی، کیونکہ میاں بیوی کے علاوہ کسی (ولی یا وکیل) نے اگر عقد انجام دیا ہو تو اس کی حیثیت سفیر محض کی ہے (ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوتی اس لئے دونوں جانب کا متولی ہو جانے میں کوئی حرج نہیں) اور (اسی طرح نکاح منعقد ہو جاتا ہے) ان دونوں کے اس قول سے کہ زوجیت میں دیدیا اور قبول کر لیا، بغیر ضمیر متکلم کے جبکہ اس (سوال) کے بعد کہا گیا ہو کہ کیا تم اپنے کو زوجیت میں دیتی ہو؟ اور کیا تم قبول کرتے ہو؟ یعنی جب کسی عورت سے کہا جائے کہ تم نے اپنے کو فلاں کی زوجیت میں دیا؟ اور اس نے کہا دیدیا، پھر دوسرے سے پوچھا جائے تم نے قبول کیا؟ اور اس نے کہا، قبول کیا اور ضمیر متکلم ذکر نہیں کیا (جو کہ فارسی زبان میں حرف میم ہے یعنی یوں نہیں کہا دادم و پذیرفتم۔ کہ میں نے اپنے کو دیدیا اور میں نے قبول کر لیا۔) تو بھی نکاح درست ہو جائے گا۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) ۵ قولہ الامر الخ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضارع کے صیغہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا حالانکہ محیط وغیرہ کی تصریحات اس کے برخلاف ہیں تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ مستقبل کا امر پر عمل کرنا بطریق حصر نہیں بلکہ بطور مثال ہے کیونکہ امر محض مستقبل ہے جو حال پر دلالت کرتا ہے بخلاف صیغۂ مضارع کے کہ یہ حال واستقبال دونوں پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوتا ہاں اگر صرف ارادہ حال معین ہو جائے تو درست ہے (کما فی فتح القدیر) ۱۲

لـه قولہ لیس لی الحقیقۃ الخ. اس میں اختلاف ہے کہ عقد کرنے والوں میں سے جس کی طرف سے لفظ امر بولا جائے تو کیا یہ ایجاب ہے اور جواب میں دوسرے کا قول قبول ہے یا تو امر کو وکیل بنانے پر محمول کیا جائے گا اور جواب میں دوسرے کا قول ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہو گا۔ یعنی ایک ہی قول ایجاب ہے وکالۃً، قبول ہے اصالۃً، صاحب بحر نے اول کو راجح قرار دیا ہے اور مصنفؒ نے دوسرے شق کو اختیار کیا ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہٰذا) ؎ قولہ اما فی النکاح الخ. حاصل فرق یہ ہے کہ عقد بیع سے متعلقہ حقوق مثلاً بیع پر قبضہ کرنا، ثمن ادا کرنا، ثمن لینا، خیار عیب کے سبب سے واپس کرنا وغیرہ ان تمام باتیں عقد سے متعلق ہیں یعنی ایجاب کرنے والے اور قبول کرنے والے سے وابستہ ہیں اب اگر ایک ہی شخص دونوں طرف کا وکیل ہو تو باہمی حقوق میں تضاد واقع ہو گا۔ کہ خود ہی مالک بننے اور مالک بنانے، مطالبہ کرنے اور مطالبہ پورا کرنے، مدعی اور مدعیٰ علیہ کی متضاد ذمہ داری انجام دے جو کسی طرح ممکن نہیں، بخلاف عقد نکاح کے کہ اس میں تمام حقوق کا تعلق زوجین سے رہتا ہے عقد انجام دینے والا وکیل یا ولی واسطہ محض ہوتا ہے۔ عقد کے بعد ان کی کوئی مسئولیت نہیں رہتی ۱۲

ـلـه قولہ وقولہما الخ. فارسی میں دادن مصدر (بمعنی دینا) ہے ماضی کا صیغہ داد ہے یعنی دیدیا اور پذیرفتن مصدر (بمعنی قبول کرنا) ہے ماضی کا صیغہ پذیرفت ہے یعنی قبول کیا ان کے ساتھ فارسی ضمیر متکلم "میم" ملانے سے دادم یعنی میں نے دیدیا (باقی صہ آئندہ پر)

کبیع وشراء ای اذا قیل للبائع فروختی فقال فروخت ثم قیل للمشتری خریدی
فقال خرید یصح البیع لا بقولهما عند الشهود ما زن وشوئیم ویصح بلفظ نکاح و
تزویج وهبة وتملیك وصدقة وبیع وشراء لا بلفظ الاجارة والاعارة والوصیة
لفظ المختصر هذا ویصح بلفظ نکاح وتزویج وما وضع لتملیك العین حالاً هذا هو
الضابطة فلا یصح بلفظ الاجارة والاعارة لانهما لم توضعا لتملیك العین و لا

ترجمہ:۔ جس طرح بیع وشراء (درست ہیں) یعنی جب بائع سے پوچھا جائے تم نے بیچا؟ تو اس نے کہا بیچا۔ پھر خریدار سے پوچھا گیا تم نے خریدا؟ اس نے کہا خریدا۔ تو بیع صحیح ہو جائے گی (کیونکہ متکلم کی ذات مراد ہونے پر دلالت حال قرینہ ہے خواہ لفظوں میں صراحۃً مذکور نہ ہو) البتہ گواہوں کے سامنے ان دونوں کے اس قول سے کہ "ہم دونوں میاں بیوی ہیں" نکاح منعقد نہیں ہوگا، اور عقد نکاح صحیح ہوتا ہے لفظ نکاح تزویج، ہبہ، تملیک، صدقہ، بیع اور شراء سے، لفظ اجارہ، اعارہ اور وصیت سے درست نہیں ہوتا، مختصر الوقایہ کی عبارت اس طرح ہے کہ "نکاح درست ہے لفظ نکاح، تزویج اور ہر اس لفظ سے جو فی الحال تملیک عین کے لئے موضوع ہو۔ یہی قاعدہ کلیہ ہے پس نکاح صحیح نہ ہوگا لفظ اجارہ اور اعارہ سے کیونکہ یہ دونوں لفظ ملک عین کے لئے موضوع نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اور پذیرفتم یعنی میں نے قبول کیا، اسی طرح فروختن (بیچنا) مصدر سے فروخت ماضی ہے اور خریدن (مول لینا) مصدر سے خرید ماضی ہے تو ایجاب وقبول کے موقعہ میں ضمیر متکلم نہ لگانے سے بھی عقد درست ہو جائے گا کیونکہ حالِ مخاطبت بالعقد میں متکلم مراد ہونا متعین ہے فلا حاجۃ الی التصریح ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) ۱؎ قولہ لا بقولہما الخ یعنی اگر گواہوں کے سامنے مرد وعورت باہمی زوجیت کا اقرار کریں کہ "ہم "زن وشوہر" ہیں تو اس اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو نکاح سابق کی خبر ہے انشاء نکاح پر دلالت کرنیوالا کوئی لفظ نہیں ہے اور سابقہ نکاح کی خبر میں دونوں جھوٹے ہیں اس لئے شاہدوں کے سامنے اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور فتاویٰ قاضیخاں میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کچھ تفصیل سے جواب دیا جائے کہ اگر ان دونوں کے اقرار کا منشاء ہو ماضی کے عقد کی خبر دینا حالانکہ ان کے درمیان کوئی عقد نہیں ہوا ہے تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا اور اگر ان کا منشاء اظہار زوجیت ہو، گویا مرد کہتا ہے کہ ابھی سے وہ اس عورت کا خاوند ہے اور عورت اقرار کرتی ہے کہ ابھی سے وہ اس کی بیوی ہے، تو نکاح صحیح ہوگا اور دونوں کے اس اقرار کو انشاء نکاح پر متضمن سمجھا جائے گا ۱۲

۲؎ قولہ ویصح الخ فتح میں مسئلہ کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ "لفظ صریح (نکاح وتزویج) سے نکاح منعقد ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور غیر صریح الفاظ چار طرح کے ہیں (۱) جن سے ہمارے نزدیک انعقاد نکاح میں کوئی اختلاف نہیں (۲) ہمارے نزدیک بھی اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ منعقد ہو جاتا ہے (۳) اختلاف ہے اور عدم انعقاد ہی صحیح ہے (۴) نکاح منعقد ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، پہلی قسم میں ہبہ، صدقہ، تملیک اور جعل کے الفاظ ہیں دوسری قسم "بعت نفسی منک بکذا یا اشتریت" اسی طرح سلم، صرف، قرض اور صلح کے الفاظ ہیں۔ تیسری قسم اجارہ اور وصیت کے الفاظ ہیں اور چوتھی قسم میں "اباحت، احلال، اعارہ، رہن، تمتع، اقالہ اور خلع کے الفاظ ہیں ۱۲

۳؎ قولہ العین الخ یہ منفعت کے بالمقابل ہے اور اس سے مراد ذات شئ ہے اس قید سے اجارہ کی صورت نکل گئی کہ یہ تملیک منفعت کے لئے موضوع ہے اور حالاً کی قید سے وصیت خارج ہو گئی کہ اس سے فی الحال ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور تملیک کے لفظ سے دو صورتیں مستثنیٰ ہو گئیں جنمیں سرے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی جیسے "امانت اور رہن"، یا ملکیت تو حاصل ہوتی ہے مگر نا مکمل جیسے الفاظ شرکت ۱۲

۴؎ قولہ الضابطۃ الخ یعنی صحت نکاح کے سلسلہ میں مذکورہ اصل ہی قاعدہ کلیہ ہے کہ جو الفاظ حالاً تملیک عین کے لئے موضوع ہیں ان سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور جو ایسے نہوں اُن سے نکاح صحیح نہیں ہوتا ۱۲

بلفظ الوصیۃ لانہا وضعت لتملیک العین لا فی الحال فاللفظ[1] الذی وضع لتملیک

بل بعد موت الموصی ۱۲ عمدہ

العین حالا اذا اُطلق وتکون القرینۃ دالۃ علیٰ ان الموضوع لہ غیر مراد بان تکون

ای لذلک اللفظ ۱۲ عمدہ

الزوجۃ حرّۃ فیثبت[2] المعنی المجازی وھو ملک المتعۃ فان[3] ملک العین سبب لملک

فانہ اذا قال بعت ہذہ او وہبت ہذہ واشار الی الامۃ یثبت المعنی الحقیقی ۱۲ عمدہ

المتعۃ فیکون اطلاق لفظ السبب علی المسبب وعند[4] الشافعیؒ لا ینعقد بہذہ الالفاظ

ای ملک العین ۱۲ عمدہ ای ملک المتعۃ ۱۲ عمدہ

وانعقاده[5] بلفظ الھبۃ مختص بالنبی علیہ السلام لقولہ تعالیٰ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ

خبر لقولہ انعقادہ ۱۲ عمدہ

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ولنا ان قولہ تعالیٰ اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ الآیۃ مجاز[6] والمجاز لا

جواب لما ادعاہ الشافعی من الاختصاص وانبات لمذہبنا ۱۲ عمدہ

یختص بحضرۃ الرسالۃ وقولہ تعالیٰ خالصۃ لک فی عدم وجوب المہر۔

یعنی معناہ خالصۃ لک فی عدم المہر ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اسی طرح لفظ وصیّت سے بھی درست نہیں اس لئے کہ لفظ وصیّت گو موضوع ہے تملیک عین کے لئے مگر فی الحال نہیں (بلکہ موت کے بعد) پس وہ لفظ جو فی الحال تملیک عین کے لئے موضوع ہو جب (تعیین مراد پر دال کسی قید کے بغیر) مطلقاً بولا جائے اور ایسا قرینہ موجود ہو جو اس پر دلالت کرے کہ اس لفظ سے معنی حقیقی مراد نہیں ہے مثلاً وہ عورت آزاد ہے (جس کے حق میں یہ الفاظ استعمال کیا گیا ہے) تو معنی مجازی ثابت ہو جائیں گے یعنی ملک متعہ ثابت ہو گی کیونکہ ملک عین سبب ہے ملک متعہ کا تو گویا سبب کا لفظ بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے (مجاز ابسببیت کی مناسبت سے) اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہو گا اور لفظ ہبہ سے نکاح منعقد ہونا تو یہ خاص ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "خالصۃً لک من دون المؤمنین" (آپ کے لئے خاص ہے نہ اور مؤمنین کے لئے) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ارشاد "ان وھبت نفسہا للنبی الآیۃ" میں ہبہ سے نکاح مراد ہونا معنی مجازی ہیں اور مجاز کا استعمال حضرت رسالت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول "خالصۃ لک" عدم وجوب مہر پر دال ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ فاللفظ الخ مثلاً بیع، ہبہ، جعل، سلم، صرف، صلح، قرض، عطیہ وغیرہ، نہر میں بتایا ہے کہ صرف قرض صلح اور رہن میں دو قول ہیں۔ لیکن قاعدہ کلیہ کا تقاضا ہے کہ "صرف" میں انعقاد نکاح کو ترجیح ہو اس لئے کہ یہ ملک عین کا فائدہ دیتی ہے اور قرض کے لفظ میں صیرفیہ نے انعقاد کو ترجیح دی ہے اور صاحب کشف نے عدم انعقاد کو اور سرخسیؒ نے صلح اور عطیہ میں منعقد ہونے کا حکم دیا ہے ۱۲

[2] قولہ فیثبت الخ اس لئے کہ حقیقی معنی مراد لینا متعذر ہے اور مجازی معنی پر دلالت کرنے والا قرینہ موجود ہے ۱۲

[3] قولہ فان ملک العین الخ۔ یہ معنی حقیقی اور مجازی کے درمیان مناسبت اور علاقۂ صحت مجاز کا بیان ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحت مجاز کے علاقوں میں سے سببیت بھی ایک علاقہ ہے اور وہ یہاں موجود ہے اس لئے کہ لونڈی کی ملکیت میں ملک عین ملک متعہ کا سبب ہے اب تملیک عین کے لئے وضع کردہ لفظ کو نکاح پر بولنا گویا سبب بول کر مسبب مراد لینا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ اگر تملیک پر دلالت کرنے والا نہ ہو یا تملیک نفع پر دلالت کرتا ہو یا تملیک غیر حالی پر دلالت کرتا ہو تو ان تمام صورتوں میں اس سے نکاح صحیح نہ ہو گا کیونکہ علاقۂ مجاز مفقود ہے ۱۲

[4] قولہ وعند الشافعیؒ الخ۔ ان کے مذہب کے خلاصہ یہ ہے کہ نکاح پر دلالت کرنے والا صریح لفظ کے علاوہ کسی لفظ سے نکاح صحیح نہ ہو گا اور نکاح و تزویج ہی کے الفاظ جو کہ قرآن حکیم کے متعدد مواقع میں مذکور ہیں صریح فی النکاح ہیں۔ چنانچہ فرمایا "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" اور فرمایا۔ "زوجنکہا" اور فرمایا "وزوجناھم بحور عین" وغیرہا من الآیات، تو ان کے نزدیک دوسرے الفاظ سے نکاح صحیح نہ ہو گا ۱۲

[5] قولہ وانعقادہ الخ۔ یہ امام شافعیؒ پر وارد ہونے والا اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ تھا کہ لفظ ہبہ سے نکاح ہونا قرآن حکیم کی اس آیت سے ثابت ہے "وامرأۃ مؤمنۃ ان وھبت نفسہا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحہا"۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح صحیح ہونا نبی علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے جس کی دلیل آیت کا آخری حصہ ہے "خالصۃ لک من دون المؤمنین" اس لئے غیر نبی کا نکاح اس لفظ سے منعقد نہ ہو گا ۱۲ [6] قولہ مجاز الخ امام شافعیؒ کی دلیل کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ہبہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بلاشبہ بطریق حقیقت نہیں بلکہ بطریق مجاز ہے اور حضور کے ساتھ معنی مجازی کی خصوصیت ایک غیر معقول بات ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اوا حللنا هن خالصةً لك اى لا يحل لاحد نكاحهن وشرط سماع كل واحد منهما

لفظ الآخر وحضور حرين او حر وحرتين خلافاً للشافعی اذ عنده لا یصح الا بشهادة

الرجال مكلفين مسلمين سامعين معاً لفظهما فلا یصح ان سمعا متفرقين كما

اذا نكحا بحضور واحد ثم غاب هو وحضر اخر فاعادا بحضوره۔

ترجمہ:۔ یا تو (اس پر محمول ہے کہ) ہم نے ان عورتوں کو خاص آپ ہی کے لئے حلال کیا ہے دوسرے کسی کے لئے ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں۔ اور شرط ہے سننا ہر ایک کو دوسرے کا لفظ اور دو آزاد مردوں کا یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کا حاضر رہنا، اس میں خلاف ہے امام شافعیؒ کا کہ ان کے نزدیک مردوں کی گواہی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے کہ وہ دونوں مکلف (یعنی عاقل بالغ) ہوں، مسلمان ہوں، ایک ساتھ دونوں عاقدین کے الفاظ سننے والے ہوں۔ پس اگر ان دونوں نے علیحدہ علیحدہ ان کا کلام سُنا تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً ان دونوں نے عقد نکاح پڑھا ایک گواہ کی موجودگی میں پھر وہ چلا گیا اور دوسرا گواہ آیا اور اس کے سامنے پھر ان کلمات کو دہرایا۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کیونکہ خصوصیات ثبوت احکام میں ہوتے ہیں نہ کہ الفاظ کے استعمالات اور معنی حقیقی و مجازی کے ارادہ کرنے میں یہ بات تو سب کے لئے عام ہے ۱۲ ۵ قولہ (قولہ تعالیٰ الخ) یہ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ہے کہ خالصۃً سے مراد یا تو (۱) یہ کہ بغیر مہر کے بطور ہبہ نکاح کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے کما اخرجہ ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق وغیرہما اور یا تو (۲) سابق میں ذکر کردہ احلال کے ساتھ اس کا تعلق ہے یعنی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاص کر آپ کے لئے خاص ہیں آپ کے بعد اور کسی کے لئے حلال نہیں کیونکہ وہ امہات المؤمنین ہیں ۱۲

(حاشیہ صہ ہٰذا) ۱ قولہ سماع الخ خواہ حکمی طور پر سماع ہو مثلاً غائبانہ تحریر ہو اس لئے کہ تحریر بھی خطاب کے قائم مقام ہیں۔ اسی طرح گونگے کی طرف سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے جبکہ اس کا اشارہ معلوم ہو ۱۲

۲ قولہ (حضور الخ) سماع الفاظ کی شرط اس لئے ہے تاکہ رضامندی معلوم ہو جائے اور قبول کا ایجاب کے ساتھ ربط ہو جائے اور دو گواہوں کی موجودگی کی شرط اس حدیث کی بنا پر ہے "لا نکاح الا بولی و شاهدی عدل" یعنی ولی اور دو عادل گواہ کے بغیر نکاح معتبر نہیں۔ ابن حبان نے صحیح میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "جو عورتیں اپنا نکاح بلا بینہ (گواہ کے) کر لیتی ہیں وہ زناکار ہیں" اور مؤطا میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایسا مرد لایا گیا کہ جس کے نکاح میں صرف ایک مرد اور ایک عورت شاہد بنے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ مخفی نکاح ہے اور ہم اسے جائز قرار نہیں دیتے اگر میں پہلے اس کا اعلان کر چکا ہوتا تو اس واقعہ پر رجم کا حکم دیتا، اس شرط سے عقد نکاح باقی تمام عقود سے جدا ہو گیا کہ وہ بغیر گواہوں کے منعقد ہو جاتے ہیں البتہ ان میں بھی گواہ بنانا مستحب یا سنت ہے مگر نکاح بغیر گواہ کے نہ قضاءً درست ہے اور نہ دیانۃً ۱۲

۳ قولہ حرین الخ اس سے عدد (دو) کی شرط کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت سے ماخوذ ہے "واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان" اور شرط یہ ہے کہ دونوں عاقل بالغ ہوں کیونکہ شہادۃ میں ایک طرح کی ولایت ہے اور غیر مکلف کو مکلفین پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ نیز یہ شرط ہے کہ دونوں آزاد ہوں اس لئے کہ غلام کو آزاد پر ولایت حاصل نہیں، نیز مسلمان ہونا شرط ہے اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔ لقولہ تعالیٰ "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" ۱۲

۴ قولہ خلافاً للشافعیؒ الخ ان کا استدلال اس حدیث کے ظاہر سے ہے کہ "لا نکاح الا بولی و شاهدی عدل" کیونکہ شاہدین کا لفظ مذکر پر بولا جاتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ باب شہادت میں مذکر اور مؤنث کا کوئی فرق نہیں۔ نیز حدیث مذکور میں شاہدین کا لفظ مذکر اور مؤنث سے قطع نظر مطلق گواہ کے لئے استعمال ہوا ہے ۱۲

۵ قولہ سامعین الخ۔ پس نکاح منعقد نہ ہوگا ایسے دو آدمی کی موجودگی سے جو سو رہے ہوں یا بہرے ہوں اس لئے کہ جب یہ عاقدین کی بات نہیں سن رہے ہیں تو موجود ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اور احادیث میں محض حاضر ہونے کی شرط نہیں بلکہ واقعہ کی شہادت کی شرط ہے اور یہ بات بغیر سنے ہوئے نہیں ہو سکتی اسی طرح بے سمجھے بھی گواہی نہیں ہو سکتی۔ (باقی صہ آئندہ پر)

وصحّ عند فاسقين او محدودين في قذفٍ وعند اعميين وابني الزوجين او ابني احدهما لكن لا يظهر بهما ان ادعى القريب اي اذا نكحا بحضور ابني الزوج فان ادعى هو لم تقبل شهادة ابنيه له اما اذا ادعت المرأة تُقبل شهادتهما لها وان نكحا عند ابني الزوجة فان ادعت لا تقبل شهادتهما لها وان ادعى الزوج تقبل له كما صحّ نكاح مُسلم ذمية عند ذميين ولم يظهر بهما ان جحد فان شهادة الكافر على المسلم لا تقبل وان ادعى المسلم تقبل له امر اٰخر ان يُنكح صغيرته فنكح عند فردٍ ان حضر ابوها صحّ والّا فلا۔

ترجمہ:۔ اور صحیح ہے نکاح اگر نکاح کے وقت موجود دونوں گواہ فاسق ہوں یا دونوں محدود فی القذف ہوں یا دونوں اندھے ہوں یا دونوں میاں بیوی کے یا کسی ایک کے بیٹے ہوں لیکن ان دونوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہوگا اگر قریب کی طرف سے دعویٰ ہو یعنی جب زوج کے دو بیٹوں کے سامنے نکاح ہوا اور اس زوج نے دعویٰ کیا (اور عورت نکاح کا انکار کرتی ہے) تو اس کے بیٹوں کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں ہاں اگر عورت دعویٰ کرنے والی ہو (اور مرد نکاح کا انکار کرتا ہے) تو اس کے بیٹوں کی شہادت عورت کے حق میں مقبول ہے اور اگر زوجہ کے دو بیٹوں کے سامنے نکاح ہوا اور عورت نے مرد پر دعویٰ کیا (نکاح یا مہر وغیرہ کا) تو ان لڑکوں کی گواہی اپنی ماں کے حق میں مقبول نہ ہوگی ہاں اگر شوہر مدعی ہو تو بیوی کے لڑکوں کی گواہی اس کے حق میں مقبول ہوگی جیسا کہ صحیح ہے نکاح مسلمان کا ذمیہ کے ساتھ دو ذمی گواہوں کے سامنے مگر ان کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہوگا اگر وہ مسلمان انکار کر جائے۔ کیونکہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف مقبول نہیں، اور اگر مسلمان مدعی ہو (اور ذمیہ نکاح کا انکار کرے) تو اس کے حق میں ذمیوں کی شہادت مقبول ہوگی۔ باپ نے کسی کو حکم دیا کہ اس کی چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دے اور اس نے ایک آدمی کی موجودگی میں نکاح کر دیا اگر اس عقد نکاح میں باپ بھی موجود تھا تو نکاح صحیح ہو گیا ورنہ نہیں۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) اسی لئے بکر وغیرہ میں اسے راجح بتایا کہ گواہ کے لئے ایجاب وقبول کا سمجھنا بھی ضروری ہے چنانچہ عقد اگر عربی زبان میں ہو اور گواہ ہندی یا بنگالی ہیں جو کہ عربی نہیں سمجھتے تو یہ نکاح جائز نہ ہوگا البتہ اگر لفظی معنی نہ سمجھتے ہوئے بھی اتنی بات جانتے ہوں کہ یہ عقد نکاح ہے اور ایجاب وقبول ہو رہا ہے تو اصح مذہب کے مطابق نکاح ہو جائے گا کذا فی الخلاصہ ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱؎ قولہ فاسقین الخ. فاسق ہونے کے باوجود بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنے اوپر ولایت حاصل ہے تو اسے غیر پر بھی ولایت حاصل ہوگی اگرچہ بوجہ فسق یہ ولایت ناقص ہی ہے۔ تاہم انعقاد نکاح کے لئے یہی کافی ہے خواہ قاضی کے سامنے یہ کافی نہ ہو کہ فاسق عند القاضی مردود الشہادۃ ہے ۱۲ ۲؎ قولہ محدودین فی قذف الخ یعنی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے حد قذف (اسّی کوڑے) قائم کی گئی تو ایسا شخص بنص قرآن "فلا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا" مقبول الشہادۃ نہیں ہے مگر انعقاد نکاح کے لئے ان کی موجودگی کافی ہے کیونکہ ان کو اپنے اوپر ولایت حاصل ہے چاہے حد کی بنا پر قاضی کے دربار میں ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے جس طرح اندھے یا بیوی کے بیٹوں کے سامنے نکاح درست ہے حالانکہ قاضی کے یہاں ان کی شہادت مقبول نہیں ۱۲ ۳؎ قولہ لکن لا یظہر الخ. اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے دو حکم ہیں (۱) حکم انعقاد (۲) حکم ثبوت بوقت تنازع اور شہادت دونوں کے لئے شرط ہے بخلاف دوسرے عقود کے کہ ان میں صرف دوسرے حکم کے لئے گواہی لازم آتی ہے پہلے کے لئے ضروری نہیں تو اب ثبوت واظہار کے موقع پر دوسرے معاملات میں جس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، نکاح میں بھی قبول نہیں کی جائے گی یہی وجہ ہے کہ مذکورہ دو گواہوں کے سامنے نکاح منعقد تو ہو جائے گا مگر زوجین میں سے کسی کے انکار پر ان کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہوگا ۱۲ ۴؎ قولہ ان ادعی القریب الخ اور اگر دوسرا دعویٰ کرے اور قریب انکار کرے تو قریب کے خلاف ان کی گواہی مقبول ہوگی اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے کہ بیٹے کی شہادت ماں باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاتی کہ اس میں طرفداری کی تہمت ہو سکتی ہے اور ان کے خلاف قبول ہوگی کہ اس صورت میں طرفداری کی تہمت منتفی ہے۔

(باقی صہ آئندہ پر)

فان الاب اذا کان حاضرا ینتقل[۱] عبارة الوکیل الی الاب فصار کان الاب عاقد والوکیل مع ذٰلك الفرد شاھدان کاب ینکح بالغة عند فرد ان حضرت صح فصار کان البالغة عاقدة[۲] والاب وذٰلك الفرد شاھدان وعبارة المختصر ھٰذا او الوکیل شاھدان حضر موکله کالولی ان حضرت مولیته[۳] بالغة وحرم علی المرء[۴] اصله فرعه واخته وابنتها وبنت اخیه وعمته وخالته وبنت زوجته ان وطئت[۵] وام زوجته وان لم توطا وزوجة اصله وفرعه۔

ترجمہ:- کیونکہ باپ کی موجودگی میں وکیل کی بات باپ کی طرف منتقل ہوگی تو گویا باپ ہی نے عقد پڑھایا اور وکیل اس ایک آدمی کے ساتھ مل کر دو گواہ ہوگئے اسی طرح اگر باپ اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح کرے ایک شخص کے سامنے، اگر وہ لڑکی حاضر ہے تو نکاح جائز ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں گویا وہ بالغہ عاقدہ ہو جائے گی اور باپ اور وہ شخص مل کر گواہ ہو جائیں گے (اس مقام میں) مختصر الوقایہ کی عبارت یوں ہے "اور وکیل گواہ ہو جائے گا اگر مؤکل (مجلس عقد میں) موجود ہو جس طرح ولی (گواہ ہو جاتا ہے اگر اس کی تولیت کی بالغہ لڑکی حاضر (مجلس) ہو۔ اور حرام ہے مرد پر اس کی اصل اور فرع اور اس کی بہن، بھانجی، بھتیجی، پھوپھی اور خالہ اور اپنی بیوی کی بیٹی اگر اس بیوی سے صحبت کی ہو اور بیوی کی ماں اگرچہ بیوی سے صحبت نہ ہوئی ہو اور اپنی اصل کی بیوی اور فرع کی بیوی۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) ۵ه قولہ نکاح مسلم الخ۔ یہاں ذمیہ سے مراد کتابیہ ذمیہ ہے اس لئے کہ مسلمان کو کتابیہ سے نکاح کرنا حلال ہے اور یہودیہ ونصرانیہ کے علاوہ دوسری غیر کتابیہ ذمیہ سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں اور حربیہ کتابیہ کا حکم بھی ذمیہ کتابیہ کی طرح ہے جب کوئی مسلمان دار الحرب میں اس سے نکاح کرلے تو درست ہے اگرچہ اس سے نکاح مکروہ ہے ۱۲ ۶ه قولہ ذمیین الخ لفظ ذمی کے اطلاق سے اس طرف اشارہ ہے کہ غیر کتابی مثلاً مجوسی وغیرہ کافر کی موجودگی سے بھی نکاح ہو جائے گا، نیز اس طرف اشارہ ہے کہ گواہ اور منکوحہ کے مابین دینی توافق کی بھی شرط نہیں اب اگر عورت یہودیہ ہو اور گواہ نصرانی تو بھی صحیح ہوگا۔ البتہ حربی سے استثناء ہے اس لئے کہ حربی کی ذمی کے خلاف گواہی مقبول نہیں ۱۲ ۷ه قولہ امر آخر الخ خلاصہ یہ ہے کہ باپ نے ایک آدمی کو اپنی نابالغہ لڑکی کے نکاح کا حکم دیا کہ کسی آدمی سے کر دے اس مامور نے ایک شخص کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا تو اب اگر اس مجلس میں باپ موجود تھا تو نکاح صحیح ہوگا اس لئے کہ نصاب شہادت پایا گیا اور اگر باپ غائب تھا تو نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں نصاب شہادت نہیں پایا گیا کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوتی ہیں ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱ه قولہ ینتقل الخ اس کی وضاحت یہ ہے کہ نکاح میں وکیل محض ایک سفیر اور تعبیر کرنیوالا ہوتا ہے جو کہ مؤکل کی عبارت نقل کرتا ہے اب جب مؤکل حاضر ہوگا اور وکیل کی عبارت حکماً اس کی طرف منتقل ہوگی تو گویا باپ خود ہی عقد کرنے والا ہوا اور وکیل جو اس کی جانب سے صرف تعبیر کرنے والا ہے۔ ایک شاہد ہوگا اور دوسرا شخص اور ایک شاہد اور دو شاہدوں کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے لیکن اگر باپ غائب ہو تو اگرچہ عبارت وکیل حکماً اس کی طرف منتقل ہوگی مگر غیر حاضر ہونے کی وجہ سے اس کو عاقد مباشر قرار نہیں دیا جا سکتا عاقد مباشر وہی ہو سکتا ہے جو حاضر مجلس ہو اس لئے وکیل ہی عاقد قرار پائے گا اور اس کے علاوہ شاہد چونکہ ایک ہے تو عدد شہادت پوری نہ ہونے سے نکاح صحیح نہ ہوگا ۱۲

۲ه قولہ عاقدة الخ یعنی بالغہ لڑکی کی موجودگی میں باپ کے الفاظ اس کی طرف منتقل ہو گئے اب حکماً یہ عورت مباشرہ عقد بن گئی اور باپ اور وہ شخص آخر دو گواہ ہو گئے لیکن جب وہ عورت مجلس عقد میں حاضر نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا ہے ۱۲

۳ه قولہ مولیتہ الخ۔ اسم مفعول کا صیغہ ہے "ولی" سے مولیتہ وہ عورت کہ ولی اس کے کام کا انجام دینے والا ہو ۱۲

۴ه قولہ وحرم علی المرء الخ کشف الوقایہ میں ہے کہ محرمات کی کئی اقسام ہیں۔ (۱) محرمات نسب (۲) محرمات مصاہرت اور اس کی چار قسمیں ہیں (۳) محرمات رضاعت (۴) حرمت جمع (۵) حرمت بحق الغیر یعنی دوسرے کی منکوحہ یا معتدہ ہونے کے سبب سے (۶) آسمانی دین نہ رکھنے کی وجہ سے حرمت (۷) منافات نکاح کے باعث حرمت مثلاً مالکہ کا اس کے غلام سے نکاح کرنا، متن کتاب کے اندر ان میں سے ہر قسم کی وضاحت عنقریب آ جائے گی ۱۲

۵ه قولہ ان وطئت الخ۔ ان مذکورہ صورتوں میں تحریم کی اصل دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان (باقی صہ آئندہ پر)

لفظ المختصر هٰذا وحرُم اصله وفرعُه وفرع اصله القريب وصُلبيّة اصله البعيد فالاصل القريب الابُ والامُ وفرعهما الاخوة والاخوات وبنات الاخوة والاخوات وان سفلت فيحرم جميع هٰؤلاء والاصل البعيد الاجدادُ والجدّاتُ فتحرم بناتُ هٰؤلاء الصلبية اى العمّات والخالات لابٍ وامٍ اولابٍ اولامٍ وكذا عمات الاب والام وعمات الجد والجدة لكن بنات هٰؤلاء ان لم تكن صلبية لاتحرم كبنت العم والعمّة وبنت الخال والخالة وكلّ هٰذه رضاعًا۔

ترجمہ: مختصر کی عبارت اس طرح ہے "اور حرام ہے نکاح کرنے والے پر اُس کی اصل اور فرع اور اصل قریب کی فرع اور اصل بعید کی صلبیہ اولاد، پس اصل قریب باپ، ماں ہیں اور ان کی فرع بھائی اور بہنیں ہیں اور بھائی بہنوں کی بیٹیاں اگرچہ نیچے درجے کی ہوں، یہ سب حرام ہوں گی۔ اور اصل بعید دادا دادیاں۔ نانا نانیاں ہیں۔ پس ان کی صرف صلبی لڑکیاں حرام ہیں۔ یعنی پھوپھیاں اور خالائیں خواہ حقیقی ہوں یا اخیانی یا علاتی ہوں، ایسے ہی ماں باپ کی پھوپھیاں اور دادا دادی کی پھوپھیاں (حرام ہیں) لیکن اصول بعیدہ کی بیٹیاں اگر ان کی صلبی اولاد نہ ہوں تو حرام نہیں مثلاً چچا اور پھوپھی کی بیٹی، ماموں اور خالہ کی بیٹی (کہ یہ دادا اور نانا کی صلبی نہیں بلکہ بالواسطہ اولاد ہیں) اور مذکورہ تمام رشتے رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہیں۔

تشریح: (بقیہ گذشتہ) "حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة وامھات نسائکم وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان اللہ کان غفورا رحیما والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پہلے فرمایا" ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء۔ اس آیت میں امہات کے اندر دادیاں اور نانیاں سب اصول داخل ہیں اجماعًا۔ اور بنات کے اندر صلبی بیٹیاں اور بیٹی کی بیٹیاں بالکل نیچے تک سب فروع شامل ہیں، پھوپھیوں اور خالاؤں میں ماں باپ اور دادا دادی کی پھوپھیاں اور خالائیں شامل ہیں۔ اور اخوات، عمات وخالات مطلقاً وارد ہونے کی بنا پر ان میں حقیقی، اخیانی اور علاتی سب داخل ہیں اور حرمت سب کو عام ہے۔ بیوی کی ماں (ساس) کی حرمت کے لئے دخول شرط نہیں ہر حال میں حرام ہیں اور بیوی کی لڑکی (پروردہ) کی حرمت کے لئے بی بی کے ساتھ دخول ہونا شرط ہے اور بیوی کی ماں کے اطلاق میں تمام اصول داخل ہوگئے۔ محصنات سے دوسروں کی بیویاں مراد ہیں۔ اور جو عورتیں دوسرے شوہر سے جدائی کے بعد عدت گذار رہی ہوں وہ بھی محصنات کے حکم میں ہیں۔ یہ تمام تفصیلات تو مرد کے لحاظ سے تھیں اور عورتوں کے حق میں بھی بعینہٖ ان ہی رشتوں کا اعتبار ہوگا۔ چنانچہ عورت پر اپنا اصل اور فرع، بھائی کا بیٹا، رضاعی باپ اور رضاعی بھائی حرام ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ وکل ہذہ رضاعًا الخ یعنی جن رشتوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ تمام رضاعت (دودھ شریک ہونے) کے اعتبار سے بھی حرام ہیں چنانچہ رضاعی ماں، بیٹی، بہن، بھانجی، پھوپھی، خالہ، ساس، پروردہ لڑکی، منکوحۂ اب اور لڑکے کی بہو سب حرام ہیں اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان وامھاتکم التی ارضعنکم الخ اصل ہے اور اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے" یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب"، کہ جو نسب سے حرام ہو وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے (طبرانی معجم کبری) اس بحث کی مزید تفصیل کتاب الرضاع میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲

هٰذا يشمل عِدّة اقسام كبنت الاخت مثلاً تشمل البنت الرضاعية للاخت النسبية والبنت النسبيّة للاخت الرضاعية والبنت الرّضاعيّة للاخت الرّضاعية وفرع مزنية وممسوسة وماسّة ومنظورة الى فرجها الدّاخل بشهوة واصلهنّ المسّ بشهوة عِندَ البَعْض ان يشتهي بقلبه ويتلذذ به ففي النساء لا يكون الا هٰذا واما في الرّجال فعند البعض ان ينتشر الته او يزداد انتشارا هو الصحيح و ما دون تسع سنين ليست بمشتهاة وبه يُفتى اعلم ان بنت تسع سنين او اكثر قد تكون مُشتهاة وقد لا تكون وهٰذا يختلف بعظم الجثّة وصِغرها۔

ترجمہ:۔ یہ حکم متعدد صورتوں کو شامل ہے مثلاً بہن کی بیٹی (یعنی رضاعی بھانجی ہونے کا رشتہ) شامل ہے (۱) نسبی بہن کی رضاعی بیٹی اور (۲) رضاعی بہن کی نسبی بیٹی کو اور (۳) رضاعی بہن کی رضاعی بیٹی کو (اسی طرح دوسرے رضاعی رشتوں میں بھی ایسی ہی صورتیں نکلیں گی) اور حرام ہے مرد پر فرع اس عورت کی جس سے زنا کی ہو یا چھوا ہو (شہوت سے) یا عورت نے (مرد کو) مس کیا ہو (شہوت سے) یا مرد نے اس کی فرج داخل پر نظر کی ہو بہ شہوت اور (اسی طرح حرام ہے) اصل ان عورتوں کی، مس بہ شہوت کے معنی بعضوں کے نزدیک یہ ہیں کہ دل سے اشتہا کرے اور اس (مس) سے لذت پاوے عورتوں میں تو صرف یہی ہو سکتا ہے اور مردوں میں بعضوں کے نزدیک یہ (بھی شرط) ہے کہ آلت منتشر ہو جاوے یا انتشار میں اور زیادتی ہو وے اور یہ قول صحیح ہے۔ اور نو برس سے کم کی عورت مشتہاة (شہوت والی شمار) نہیں ہوتی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ عورت نو برس کی یا زیادہ کی کبھی مشتہاة ہوتی ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتی اور یہ امر جسم کے چھوٹے اور بڑے پن سے مختلف ہو جاتا ہے۔

(تشریح) لہ قولہ وفرع مزنیۃ الخ صحابہ کرام اور بعد کے ائمہ مجتہدین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اور یہ چار قسم کی حرمات ہیں، وطی کرنے والے کی حرمت موطوءہ کے اصول و فروع پر، موطوءہ کی حرمت وطی کرنے والے کے اصول و فروع پر، تو ایک گروہ نے اس حرمت کا انکار کیا ہے اور ہمارے اصحاب ثبوت حرمت کے قائل ہیں اور یہی قول حضرت عمرؓ، ابن عباس اور ابن مسعود وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ امام مالکؒ کا ایک روایت میں اور امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ وجہ اس حرمت کی یہ ہے کہ وطی سے باہمی جزئیت کا تعلق پیدا ہوتا ہے جس کا ظہور بسا اوقات اولاد کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے عورت کے اصول کو مرد کے اصول کی طرح اور عورت کے فروع کو مرد کے فروع کی طرح قرار دیا گیا اور اپنے جز کے ساتھ شہوت رانی حرام ہے سوائے موقع ضرورت کے اور ضرورت صرف موطوءہ کے حق میں پائی جاتی ہے کیونکہ ایک بار کی وطی سے اگر موطوءہ حرام ہو جائے تو اس سے سخت حرج واقع ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وجہ حلال وطی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حرام وطی میں بھی پائی جاتی ہے چنانچہ حیض، نفاس اور روزے میں وطی حرام ہے تاہم اگر کوئی اس حالت میں اپنی بیوی سے وطی کرے تو بھی بالاتفاق حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے نفس وطی کا اعتبار ہے چاہے یہ حلال صورت میں ہو یا حرام صورت میں (کذا فی الفتح القدیر وغیرہ) یہ توجیہ نہایت قوی ہے۔ نص صریح کے بغیر اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے مذہب کی تائید ابن ابی شیبہ کی مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "جو کسی عورت کے فرج کی طرف شہوت سے دیکھے اس کی بیٹی اور ماں اس پر حرام ہو گئی" اب اگر تم کہو کہ حرمت مصاہرت ایک نعمت ہے اور ممنوع فعل کے ذریعہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مغالطہ ہے کیونکہ نعمت تو صرف مصاہرت (ازدواجی رشتہ کی قرابت) ہے جو زنا سے حاصل نہیں ہوتی اور اس پر مرتب ہونے والی تحریم نعمت نہیں بلکہ یہ تو تنگی اور پابندی ہے اور زنا میں اس کی علت موجود ہے ۱۲

لہ قولہ وممسوسۃ الخ. جب زنا سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو اس کے دواعی سے بھی ثابت ہو گی مثلاً مس کرنا اور اندرونی شرمگاہ کو دیکھنا اس لئے کہ شرع نے اکثر وطی کے دواعی کو بھی وطی کے حکم میں شمار کیا ہے اور "مس" سے مراد ہے بغیر کسی حائل کے چھونا، اگر ایسے حائل کے ہوتے ہوئے چھوا ہے جس سے بدن کی حرارت محسوس نہ ہو تو پھر حرمت ثابت نہ ہو گی۔ اور فرجہا الداخل کی قید سے دوسرے اعضاء نکل گئے کہ ان کی طرف دیکھنے سے حرمت لازم نہیں آتی ۱۲

(باقی صد آئندہ پر)

اما قبل ان تبلغ تسع سنين فالفتوى على انها ليست بمشتهاة والجمع بين الاختين نكاحًا[۱]
وعدةً ولو من بائن ووطيًا بملك يمين وبين امرأتين ايتهما فرضت ذكرًا لم[۲]
تحل له الاخرى عبارة المختصر هذا ويحرم نكاح امرأة وعدتها نكاح امرأة
ايتهما فرضت ذكرًا لم تحل له الاخرى ووطيها ملكًا وكذا وطيها ملكًا ووطيها
نكاحًا وملكًا لا نكاحها فان نكحها لا يطأ واحدةً حتى يحرم الاخرى اي كون
المرأة في نكاح رجل او في عدته ولو من طلاق بائن يحرم نكاح امرأة ايتهما
فرضت ذكرًا لم تحل له الاخرى۔

ترجمہ: مگر نو برس کی عمر میں پہنچنے سے پہلے فتوی اسی پر ہے کہ وہ مشتہاۃ نہیں۔ اور (حرام ہے) جمع کرنا درمیان دو بہنوں کے نکاح میں یا (ایک کی) عدت میں (دوسری بہن سے نکاح کرنا) اگرچہ طلاق بائن کی عدت ہو اور (حرام ہے جمع کرنا) وطی بملک یمین میں (دو بہنوں کو) اور (جمع کرنا) درمیان ان دو عورتوں کے کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری عورت اس کو حلال نہ ہو۔ مختصر الوقایہ کی عبارت یوں ہے "ایک عورت کا نکاح میں یا عدت میں ہونا حرام کر دیتا ہے ایسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کو" کہ ان میں سے کسی کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو دوسری عورت اس کو حلال نہ ہو اور تطلبور ملک یمین (لونڈی) کے بھی اس (دوسری عورت) سے وطی کرنے کو (حرام کر دیتا ہے) اسی طرح (حرام کر دیتا ہے) وطی کرنا اس عورت کا از روئے ملک کے دوسری عورت سے وطی کرنے کو بذریعہ نکاح ہو یا بطور ملک ہو مگر (وطی از روئے ملک کے) دوسری عورت کے نکاح کو حرام نہیں کرتی، تو اگر اس سے نکاح کر لیا تو (نکاح صحیح ہے مگر) دونوں میں سے کسی ایک سے بھی ہم بستر نہ ہو جب تک کہ دوسری کو حرام نہ کرلے" یعنی عورت کا کسی مرد کے نکاح یا عدت میں ہونا۔ اگرچہ یہ عدت طلاق بائن سے ہو۔ ایسی عورت سے نکاح کرنے کو حرام کر دیتا ہے کہ ان دونوں سے جس کو بھی مرد مان لیا جائے دوسری اس پر حلال نہ ہوگی۔

تشریح: (بقیہ صد گذشتہ) [۱۲] قولہ وبہ یفتی الخ۔ معراج الدرایہ میں ہے کہ پانچ سال کی لڑکی بالاتفاق مشتہاۃ شمار نہیں ہوتی اور نو برس یا اس سے بڑی عمر کی لڑکی بالاتفاق مشتہاۃ شمار ہوتی ہے پانچ اور نو برس سے درمیانی عمر والی کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ اس عمر میں حرمت ثابت نہیں ہوتی ۱۲

(حاشیہ صد ہٰذا) [۱] قولہ نکاحًا وعدةً الخ۔ یہ دونوں لفظ، والجمع سے تمیز واقع ہیں، اور عدت میں حرمتِ جمع کا سبب یہ ہے کہ عدۃ خواہ طلاق بائن ہی سے ہو ایک لحاظ سے نکاح کا حکم رکھتی ہے اور نکاح میں ہونے کی صورت میں جمع بین الاختین حرام ہے ۱۲

[۲] قولہ لم تحل لہ الاخری الخ۔ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان "وان تجمعوا بین الاختین" اصل ہے، نیز پھوپھی اور اس کے بھائی کی بیٹی اور ایسے ہی خالہ اور اس کی بہن کی بیٹی کو جمع کرنے کی ممانعت حدیث میں آئی ہے، جو کہ صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد، معجم طبرانی اور صحیح بخاری میں بالفاظ مختلفہ متعدد صحابہ سے مروی ہے، طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ سو اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے اپنے ارحام کو منقطع کر دیا، اس زیادتی سے جمع کی ممانعت کا منشا معلوم ہوا کہ اس طرح کرنے سے قطع رحم تک بات جا پہنچتی ہے جو سوکنوں کے باہمی تنافس اور تنازع سے پیدا ہوتی ہے۔ جمع کی ممانعت کے ان نصوص سے فقہاء نے مسئلہ جمع کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ کا استنباط کیا ہے اور وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جن دو عورتوں میں سے کسی ایک کو مرد فرض کرنے سے باہم نکاح حرام ہو ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے۔ بعض صحابہ نے بھی اس قاعدہ کو بیان کیا ہے جیسا کہ ابن عبد البرؒ نے روایت کی ہے، وجہ استنباط یہ ہے کہ ہر دو عورتیں جن کے جمع کی ممانعت حدیث میں وارد ہے ان میں یہ صفت پائی جاتی ہے پس اس قاعدہ کلیہ میں جمع بین الاختین کے علاوہ جمع کی مندرجہ ذیل صورتیں بھی شامل ہوں گی (۱) پھوپھی اور اس کے بھائی کی بیٹی۔

باقی صد آئندہ پر)

وایضاً یحرم وطی ھٰذہ المرأۃ بملک یمینٍ واما وطی احدھما بملک یمینٍ فیحرم وطی الاخری نکاحاً وملک یمین لکن لا یحرم نکاحھا حتی اذا نکحھا لا یطأ واحدۃ حتی یحرم علیہ الاخری وھٰذا معنی ما قال المصنف فان تزوج اخت امۃٍ وطیھا لا یطأ واحدۃ حتی یحرم احدٰھما علیہ امّا بازالۃ الملک عن کلھا او بعضھا اوبالتزویج فان تزوجھما بعقدین ونسی الاولیٰ فُرّق بینہ وبینھما

ترجمہ:- اور اسی طرح اس دوسری عورت سے صحبت حرام ہوتی ہے اگرچہ اس کا مالک ہو جائے۔ البتہ اُن میں سے ایک کی وطی بوجہ ملک کے دوسری کی وطی کو حرام کر دیتی ہے نکاح سے ہو یا ملک یمین سے لیکن نکاح کو حرام نہیں کرتی۔ یہاں تک کہ اگر اس سے نکاح کر لیا تو دونوں میں سے کسی سے بھی ہم بستر نہ ہو جب تک دوسری کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے۔ اور یہی مطلب ہے مصنف کے اگلے قول کا، پس اگر نکاح کر لیا اپنی اس لونڈی کی بہن سے جس سے وطی کی ہو تو نہ وطی کرے ایک سے بھی جب تک ان دونوں سے ایک کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے۔ اس طرح پر کہ اس کو کلاً اپنی ملک سے نکال دیوے یا البعض حصے کو (یعنی آزاد کر دے یا فروخت کر دے) یا کسی دوسرے مرد سے نکاح کر دیوے اور اگر نکاح کیا دو بہنوں سے دو عقدوں میں اور بھول گیا کہ اول کس سے عقد کیا تھا تو خاوند اور ان دو بہنوں کے درمیان جدائی کرا دی جائے دیانۃً خود جدا کر دے ورنہ قاضی تفریق کرا دے)

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) (۱) خالہ اور اسکی بہن (۲) ماں اور اسکی بیٹی خواہ نسبی ہو یا رضاعی (۴) اسی طرح دو پھوپھیوں یا دو خالاؤں کا جمع کرنا جس کی صورت ہے مثلاً دو مرد ہوں اور ہر مرد دوسرے کی ماں سے نکاح کرے اور ہر ایک کے ہاں لڑکی پیدا ہو اب یہ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کی پھوپھی ہوں گی یا مثلاً ہر مرد دوسرے کی لڑکی سے نکاح کرے پھر ہر ایک کے ہاں لڑکی پیدا ہو تو یہ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کی خالہ ہوں گی اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب دو بہنوں کے درمیان جمع کرنا اس کلیہ کے اندر داخل ہے تو مصنف نے اسے جدا کیوں ذکر کیا اس کا جواب یہ ہے۔ چونکہ قرآن حکیم میں اس کا ذکر صراحۃً موجود ہے اس لئے مہتم بالشان ہونے کی بنا پر اس کو مستقلاً ذکر کیا پھر قاعدہ کلیہ کے ذریعہ حکم کو عام کر دیا جس سے حدیث میں وارد شدہ صورتیں اور دوسری تمام شکلیں اس کے اندر آگئیں ۱۲

سے قولہ اینہما فرضت الخ یہ جملہ امرأۃ کی صفت ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حرمت کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ ہر دو جانب مرد فرض کرنے سے حرمت متحقق ہو اور اگر ایک ہی جانب سے ہو تو پھر حرمت نہ ہوگی مثلاً عورت اور اس کے خاوند کی بیٹی یا اس کے بیٹے کو جمع کرنا جائز ہے کیونکہ اگر عورت یا بیٹے کی بیوی کو مرد فرض کیا جائے تو ایک دوسرے سے نکاح حرام نہیں ہوتا ہے البتہ اس کے برعکس صورت میں حرام ہوتا ہے ۱۲ درمختار۔

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ وایضاً یحرم الخ یعنی جن دو عورتوں کے درمیان ایسی قرابت ہو اور ایک پہلے سے اس کے نکاح میں ہے اب دوسری اس کی لونڈی بن گئی تو اس لونڈی سے وطی کرنا حرام ہے ۱۲ سلہ قولہ واما وطی احدہما الخ یعنی ایسی قرابت والی دو عورتوں میں سے ایک سے اگر بحیثیت اپنی باندی ہونے کے وطی کی ہو تو دوسری سے وطی حرام ہے خواہ بذریعہ نکاح ہو یا لونڈی بنا کر ہو لیکن اس دوسری سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے بلکہ وطی حرام ہے اب اگر اس نے دوسری سے نکاح کر لیا تو نکاح باطل نہ ہوگا۔ ہاں اب وہ کسی سے وطی نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ ایک کو وہ اپنے اوپر حرام نہ کرلے ۱۲۔

سے قولہ یحرم احدہما الخ مثلاً منکوحہ کو طلاق دیدے یا اس سے خلع کرلے یا باندی کو فروخت کر دے یا آزاد کر دے۔ کل باندی کو یا اس کے بعض حصے کو یا ہبہ کر کے موہوب لہ کے حوالہ کر دے یا نکاح صحیحہ کے ذریعہ دوسرے آدمی سے اس کا نکاح کر دے ۱۲

سلہ قولہ ونسی الاولی الخ۔ اولی کی قید اس لئے لگائی کہ اگر اول نکاح کس سے ہوا یہ معلوم ہو تو وہ صحیح ہے اور دوسری کا نکاح باطل ہے ۱۲ بنایہ۔

ھہ قولہ فرق الخ۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی اس پر واجب ہے کہ ان دونوں کو جدا کر دے اور اگر خود جدا نہ کرے تو قاضی پر واجب ہے کہ گناہ سے بچانے کے لئے ان دونوں میں تفریق کر دے۔ یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی اب اگر دخول سے پہلے تفریق ہوگئی تو اسے حق ہے کہ ان میں سے جس ایک سے چاہے فوراً نکاح کرے اور اگر دخول کے بعد تفریق ہوئی تو جب تک دونوں کی عدت نہ گذرے کسی ایک سے بھی نکاح درست نہیں، البتہ اگر ایک کی عدت پوری ہوگئی اور دوسری کی باقی ہے تو جس کی عدت باقی ہے اس سے نکاح کر لے سکتا ہے (باقی صہ آئندہ پر)

ولهما نصف المهر[1] لان النكاح الاخير باطل غير موجب للمهر والنكاح الاول صحيح وقد فارق الاولى قبل الوطى فيجب نصف المهر ولا يدرى لمن هو فينصّف بينهما وانما قال بعقدين حتى لو تزوجهما بعقد واحد يبطل نكاحهما فلا يجب[2] شئ من المهر لابين امرأة وبنت زوجها[3] لان بنت الزوج لو فرضت ذكرا كان ابن الزوج وهو حرام امّا المرأة الاخرى لو فرضت ذكرا لا تحرم عليه تلك المرأة

ترجمہ:۔ اور ان دونوں کو آدھا مہر ملیگا اس واسطے کہ دوسرا نکاح تو باطل ہے اس کا مہر واجب نہیں، اور پہلا نکاح صحیح ہے اور آپ اس نے قبل وطی کے چھوڑ دیا تو آدھا مہر واجب الادا ہوا اور یہ نہیں معلوم کہ یہ نصف کس کا حق ہے تو یہ آدھا دونوں میں تقسیم کر دی جائیگی اور یہ جو کہا کہ دو عقدوں میں نکاح کیا ہو اس لئے کہ اگر ایک ہی عقد میں دونوں کا نکاح کیا تو دونوں کا نکاح باطل ہوگا اور کچھ مہر واجب نہ ہوگا، حرام نہیں ہے جمع کرنا درمیان عورت کے اور اس کے خاوند کی دختر کے (درصورتیکہ وہ دختر اس عورت سے نہ ہو) اس واسطے کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کیا جائے تب نکاح اس کا اس عورت سے حرام ہے کیونکہ وہ باپ کی بیوی ہے لیکن اگر اس عورت کو مرد فرض کیا جائے تو یہ لڑکی اس پر حرام نہیں (بوجہ اجنبی ہونے کے)

تشریح:۔ (بقیہ صگذشتہ) اور جس کی عدت پوری ہوگئی اس سے نہیں کر سکتا ہے ورنہ جمع فی العدۃ لازم آئے گا۔ اور اگر ایک کے ساتھ دخول کے بعد تفریق واقع ہوئی ہو تو اس کے ساتھ فی الحال نکاح جائز ہے کیونکہ غیر مدخول بہا پر عدت نہ ہونے کی وجہ سے جمع فی العدۃ لازم نہیں آئے گا۔ ہاں جس سے دخول نہیں ہوا اس سے فی الحال نکاح نہیں کر سکتا ہے کیونکہ پہلی تو عدت میں ہے۔ نیلزم الجمع بینهما فی عدۃ ۱۲ فتح القدیر۔

(حاشیہ صہذا) [1] قولہ ولهما النصف المهر الخ یعنی خاوند پر لازم ہے کہ عقد کے وقت مقرر کردہ ایک مہر کا نصف دونوں عورتوں کو دے اور اس نصف مہر کو دونوں پر برابر سرابر تقسیم کر دیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعاً ایک کا نکاح یعنی جو آخری نکاح تھا وہ باطل ہے اور باطل نکاح میں خاوند پر کچھ لازم نہیں اور اول نکاح صحیح ہے مگر قبل الدخول تفریق ہو جانے کی وجہ سے خاوند پر نصف مہر لازم ہے اور جبکہ پہلی کون سی تھی یہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے اس نصف مہر کا اصل مستحق معلوم نہیں تو لا محالہ اس نصف کو دونوں میں علی السویہ تقسیم کر دیا جائے گی ۱۲ عمدہ۔

[2] قولہ فلا یجب شئ من المهر الخ۔ یہ حکم تب ہے کہ جب دخول سے پہلے تفریق ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ بھول جانے کی صورت میں پہلا نکاح صحیح ہے اور دوسرا نہیں۔ اور پہلا نکاح معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تفریق متعین ہوئی اور جس کا نکاح صحیح ہے دخول سے پہلے تفریق ہونے کی بنا پر اس کیلئے نصف مہر واجب ہے اور جب صحیح نکاح کا مصداق معلوم نہیں تو یہ نصف مہر دونوں میں منقسم ہو گیا لیکن اگر دونوں سے ایک ساتھ ایک ہی وقت میں نکاح کرے تو دونوں نکاح باطل ہو جائیں گے۔ اس صورت میں اگر دخول سے پہلے تفریق ہوئی تو کسی کو کچھ مہر نہ ملے گا اور نہ ہی دونوں پر عدت ہوگی اور اگر دونوں سے دخول کر لیا تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے عقد میں مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہی لازم ہوگا اور دونوں پر عدت ہوگی ۱۲ بحر الرائق۔

[3] قولہ لابین امرأۃ وبنت زوجها الخ یعنی ایک عورت اور اس کے خاوند کی بیٹی میں جو دوسری بیوی سے ہو جمع کرنا حرام نہیں، امام زفرؒ اسے منع فرماتے ہیں۔ اس بنا پر کہ خاوند کی بیٹی کو اگر مرد فرض کیا جائے تو اس کے لئے اس عورت سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ منکوحۂ اب ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ حرمت کی شرط یہ ہے کہ دونوں جانب میں قرابت محرمہ متحقق ہو اور یہاں دوسری جانب میں یہ بات مفقود ہے کہ اس عورت کو مرد فرض کرنے سے خاوند کی بیٹی اس کے حق میں اجنبی ہے اس لئے ان میں جمع جائز ہے۔ چنانچہ صحیح روایت سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن جعفر نے حضرت علیؓ کی بیوہ اور ان کی دوسری طرف کی بیٹی میں جمع کیا ہے (بخاری) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کی بیوی اور اس کی دوسری طرف کی بیٹی میں جمع کیا ہے (دار قطنی) جبلہ نامی مصری صحابی سے بھی اس طرح کا جمع منقول ہے ۱۲ بنایہ۔

وصح نکاح الکتابیۃ والصابیۃ المؤمنۃ بنبیٍّ المقرۃ بکتابٍ لاعابدۃ کواکب لا کتابَ لها اعلم ان نکاح الصّابیۃ یحل عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ لا عندهما فقیل هٰذا الخلاف بناء علٰی تفسیر الصّابی فابو حنیفۃ رحمہ اللہ زعم ان الصّابی من اهل الکتاب فان کان کذالک یجوز نکاح الصّابیۃ وهما زعما انه من عبدة الکواکب ولا کتاب لهم فلو کان کذلک لا یحل نکاحها ثم عطف علٰی نکاح الکتابیۃ قولہ ونکاحُ المحرِمِ والمحرمۃ والامۃ المسلمۃ والکتابیۃ وفیہ خلاف الشافعی رحمہ اللہ۔

ترجمہ:۔ اور جائز ہے نکاح زن کتابیہ اور صابیہ جب کسی نبی پر ایمان رکھتی ہو اور آسمانی کتاب مانتی ہو، ستارہ پرست اور بے کتاب والی نہ ہو۔ واضح رہے کہ صابیہ عورت سے نکاح کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہے اور صاحبین کے نزدیک درست نہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ خلاف مبنی ہے "صابی" کی تفسیر پر امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ صابی اہل کتاب میں سے ہے تو اگر ایسا ہو تو صابیہ کا نکاح جائز ہوگا اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ ستارہ پرست ہیں اور ان کی کوئی کتاب نہیں اور اگر ایسا ہو تو صابیہ کا نکاح حلال نہ ہوگا پھر مصنفؒ نے نکاح کتابیہ پر عطف کیا۔ اپنے اس قول کو (اور جائز ہے) نکاح محرم اور محرمہ کا اور نکاح لونڈی سے مسلمان ہو یا کتابی، اس مسئلہ میں امام شافعیؒ نے خلاف کیا ہے۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ وصح نکاح الکتابیۃ والصابیۃ الخ۔ کتابیہ سے مراد یہودیہ، نصرانیہ اور ان کے علاوہ وہ عورتیں جو کسی آسمانی دین اور کتاب سماوی پر عقیدہ رکھتی ہیں۔ مثلاً صحف ابراہیم وشیث علیہما السلام یا زبور داؤد علیہ السلام پر ایمان رکھتی ہوں (زیلعی)، اور مطلقاً بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ حکم حربیہ، ذمیہ، آزاد، لونڈی سب پر شامل ہے اس لئے کہ آیت اباحت " والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" مطلق ہے نیز اس طرف اشارہ ہے کہ کتابیہ کے ساتھ نکاح جائز ہے چاہے وہ ثالث ثلثہ پر عقیدہ رکھتی ہو، البتہ مستصفی میں یہ قید لگائی کہ ایسا عقیدہ نہ رکھے بلکہ اپنے دین اصلی پر ہو، اور اسی کے مطابق مبسوط شیخ الاسلام میں ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہرگز نہ کھائیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کریں جبکہ ان کا یہ عقیدہ ہو کہ مسیح علیہ السلام الٰہ ہیں یا عزیر علیہ السلام الٰہ ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے نکاح جائز ہے اور ان کا ذبیحہ بھی مطلق طور پر جائز ہے (فتح، بنایہ) اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اہل کتاب ثالث ثلثہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ وعزیر علیہما السلام کو ابن اللہ کہتے تھے جیسا کہ خود قرآن کریم میں جابجا اس کا تذکرہ آیا ہے اس کے باوجود مطلق طور پر ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا شرک اس معاملہ میں مانع نہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان " ولا تنکحوا المشرکات " دراصل غیر کتابیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور صابیہ صَبَأَ سے ماخوذ ہے یعنی جو اپنا دین ترک کر کے دوسرا دین اختیار کرلے اور صابی وہ فرقہ ہے جو کہ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔

۲؎ قولہ ونکاح المحرم والمحرمۃ الخ۔ یعنی جو حج یا عمرہ کا احرام باندھے اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک حالت احرام میں محرم اور محرمہ کے لئے نکاح جائز نہیں، اس لئے کہ اصحاب سنن اربعہ اور مسلم وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ " محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کیا جاوے "، اور امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کیا کہ طریف نے حالت احرام میں ایک عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کا نکاح رد کر دیا اور ہمارے اصحاب نے جائز قرار دیا ائمہ ستہ وغیرہم کی روایت کی بنا پر کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کیا "، اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے اس لئے کہ نکاح دوسرے اُن تمام عقود کی طرح ہے جن میں تلفظ کیا جاسکتا ہے اور محرم کے حق میں ان میں سے کوئی بھی ممنوع نہیں۔ حتی کہ اسے لونڈی خریدنے کی بھی اجازت ہے زیادہ سے زیادہ یہ پابندی ہوگی کہ اس کے لئے چھونا، بوسہ لینا وغیرہ جو امور حالت احرام میں ممنوع ہیں ان کی اجازت نہ ہوگی ۱۲ عمدہ مختصراً۔

بناءً على ان التخصيص بالوصف يوجب نفي الحكم عما عداه عنده لا عندنا فقوله تعالىٰ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ينفي جواز نكاح الكتابية عنده ولو مع طول الحرة المراد بطول الحرة القدرة على نكاحها بان يكون له مهر الحرة ونفقتها و فيه خلاف الشافعيؒ بناءً على ان التعليق بالشرط يوجب العدم عند عدم الشرط فقوله تعالىٰ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا الآية دلّ على انه لو كان له طول الحرة لم يجز له نكاح الامة امّا عندنا فهو ساكت عن هذا الحكم فبقي الحكم على تقدير طول الحرة على الحلّ الاصلي وكذا في الامة الكتابية۔

ترجمہ:۔ اس بنا پر کہ حکم کو کسی وصف سے مخصوص کر دینا ان کے نزدیک اس کے ماسوا سے حکم کو منتفی کرنے کا موجب ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک نہیں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قول "من فتیاتکم المؤمنات" سے ان کے نزدیک کتابیہ کے ساتھ نکاح کے جواز کی نفی ہو گئی اور (ہمارے نزدیک جائز ہے) اگرچہ قدرت رکھتا ہو آزاد سے نکاح کرنے پر یعنی اس کے مہر اور نفقہ پر قادر ہو اس مقام میں "طول حرہ" سے قدرۃ علی النکاح مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آزاد عورت کے لائق مہر اور نفقہ پر قدرت ہوتے ہوئے۔ اس میں بھی امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اس بنا پر کہ ان کے نزدیک شرط کے ساتھ حکم معلق ہونے سے شرط نہ پائی جانے کی صورت میں حکم منتفی ہو جاتا ہے۔ تو ارشاد الٰہی "ومن لم یستطع منکم طولا الآیہ" اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کی قدرت ہو تو لونڈی سے نکاح کرنا اس کے لئے درست نہیں۔ مگر ہمارے نزدیک آیت مذکورہ اس حکم سے ساکت ہے۔ پس آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہونے کی صورت میں، حکم حلت اصلی پر باقی رہ گیا اسی طرح...

تشریح:۔ [1] قولہ بناءً علی ان التخصیص الخ اس مقام میں اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں فرمایا "ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات الآیۃ" اس آیت میں لونڈیوں کو نکاح کی اجازت دی اور مؤمنات کے لفظ سے ان کی صفت بیان کی اور اس حکم کو آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی قدرت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ معلق فرمایا اب امام شافعیؒ نے غیر مؤمنہ لونڈی سے نکاح کو ناجائز قرار دیا، اسی طرح جو آزاد عورت کے نکاح پر قادر ہو اس کے لئے باندی سے نکاح ناجائز بتلایا، پہلی بات اس لئے کہ حکم کی تخصیص کسی وصف کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ جس میں وہ وصف نہ پایا جائے اس سے حکم منتفی ہے اب جب اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں سے نکاح کی اجازت کو وصف ایمان کے ساتھ مخصوص فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر مؤمنہ لونڈی سے نکاح جائز نہیں اور ہمارے نزدیک تخصیص بالوصف اس کے ماسواء سے نفی حکم پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ وصف کا ذکر اتفاقاً بھی ہو سکتا ہے۔ عادت جاریہ کا لحاظ کرتے ہوئے یا اہمیت جتانے کے لئے کہ یہ وصف قابل قدر ہے یا اور کسی غرض کے لئے بھی ہو سکتا ہے لہٰذا مؤمنات کی قید کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مؤمنہ لونڈی سے نکاح جائز نہیں اور دوسری بات یوں ہے کہ حکم کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دینا ان کے نزدیک اس پر دلالت کرتا ہے کہ شرط کے عدم سے حکم بھی معدوم ہو جائے گا تو جب اللہ تعالیٰ نے لونڈی سے نکاح کا جواز، آزاد عورت سے نکاح کی قدرت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ معلق فرمایا تو اس سے پتہ چلا کہ جو اس کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لئے لونڈی سے نکاح ناجائز ہے اور ہمارے نزدیک تعلیق بالشرط صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس جزاء کا مذکورہ شرط کے ساتھ خصوصی ربط و تعلق ہے یہ بات نہیں کہ شرط کے عدم سے جزاء ہمیشہ کے لئے بالضرور منتفی رہے گا اس لئے ہمارے نزدیک لونڈی سے نکاح جائز ہے خواہ آزاد سے نکاح کی قدرت ہو۔ ومن اراد التفصیل المزید فلیراجع المطولات من کتب الاصول ۱۲ عمدہ۔

[2] قولہ علی الحل الاصلی الخ یعنی محرمات کے بیان کے بعد اللہ کا فرمان "واحل لکم ما وراء ذٰلکم" (ان کے علاوہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں) اور "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" وغیرہ مطلق آیتوں سے جو حل ثابت ہوتا ہے اس پر حکم باقی رہے گا الغرض ان آیتوں سے سب عورتوں کی حلت ثابت ہوتی ہے سوائے ان عورتوں کے جن کی حرمت پر دلیل دلالت کرتی ہے اور چونکہ آیت طول حرمت پر دلالت نہیں کرتی اس لئے ثابت شدہ حلت منتفی ہوگی اس مقام میں حلت اصلی سے اباحت اصلیہ مراد نہیں تاکہ یہ اعتراض وارد ہو کہ صاحب کشف الاسرار نے تو تصریح کی ہے کہ، باب نکاح میں اصل حرمت ہے اور محض ضرورت

والحرۃ علی الامۃ[1] واربع من حرائر واماء فقط وللعبد نصفہا[2] وحبلٰی من زنا ولا توطأ[3]
(ای الاکثر من اربع ۱۲ عمدہ)　(ولو کان عبدا ۱۲ عمدہ)

حتی تضع حملہا موطوءۃ سیدہا اوزان ای یجوز نکاح امۃ وطئہا سیدہا ولا یجب[4]
(عطف علی سیدہا ۱۲ عمدہ)　(الجملۃ صفۃ لامۃ ۱۲ عمدہ)

علی الزوج الاستبراء وکذا النکاح من وطئہا رجل بالزنا ولا یجب علی الزوج

الاستبراء ومن ضُمّت الی محرّمۃ ای اذا تزوج امرأتین بعقد واحد واحدہما
(اشارۃ الی ما ہو المراد بالضم فی المتن ۱۲ عمدہ)

محرّمۃ علیہ صحّ[5] نکاح الاخرٰی

ترجمہ:۔ اور جائز ہے نکاح آزاد عورت سے جبکہ اس کے نکاح میں پہلے سے لونڈی ہو، اور جائز ہے نکاح فقط چار عورتوں سے آزاد ہوں یا لونڈیاں (اور زیادہ سے درست نہیں) اور غلام کو اس کا نصف (کہ وہ فقط دو سے نکاح کر سکتا ہے) اور جائز ہے نکاح اس عورت سے جو زنا سے حاملہ ہوئی ہو اور وطی نہ کرے اس سے جب تک وہ وضع حمل نہ کرے اور جائز ہے نکاح ایسی لونڈی سے جس سے اس کے مالک نے وطی کی ہو اور ایسی عورت سے جس سے زانی نے وطی کی ہو یعنی ایسی باندی سے نکاح درست ہے جس سے اس کے مولی نے وطی کی ہو اور خاوند پر استبراء واجب نہیں اسی طرح نکاح درست ہے ایسی عورت سے جس سے کسی مرد نے وطی کی ہو زنا سے اس صورت میں بھی خاوند پر استبراء واجب نہیں۔ اور جائز ہے نکاح اس عورت کا جو (ایک ہی عقد میں) محرمہ کے ساتھ ملادی گئی ہو یعنی اگر دو عورتوں سے نکاح کیا ایک ہی عقد کے ساتھ اور ایک ان دو عورتوں میں نکاح کرنے والے پر حرام ہے تو دوسری کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔

تشریح:۔ [1] قولہ واربع من حرائر الخ. اس حکم پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے اور بعض شیعہ کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں جو کہ نو کی تعداد کی اباحت کے قائل ہیں اس آیت سے تمسک کر کے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع" انہوں نے دو تین اور چار کو جمع کر کے نو بنالیا، اسی طرح بعض خوارج کے قول کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو ان اعداد کو مکرر (دو دو، تین تین، چار چار) ان کو جمع کر کے اٹھارہ کی اباحت کے قائل ہو گئے۔ کیونکہ اس آیت سے ہرگز یہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ مطلب صرف وہی آدمی لے سکتا ہے جو محاورۂ عرب سے بالکل نابلد اور پرلے درجے کا احمق ہو، فاضل یمن محمد بن شوکانی نے ان ظاہر پرست بے وقوفوں کے شور میں اضافہ کرتے ہوئے یہاں تک کہدیا کہ نکاح کی تعداد بلا حصر مباح ہے (صاحب عمدہ مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں) میں نے ان تمام ہفوات کو اپنے ایک رسالہ "تذکرۃ الراشد" میں رد کیا ہے۔ ان شئت الاطلاع فلترجع الیہا، اور قرآن و حدیث سے بلاشبہ جمہور کا مذہب ثابت شدہ ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ، ابن ابی شیبہؒ، احمدؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ وغیرہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا اس وقت ان کی دس بیویاں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ "ان میں سے چار کو منتخب کرلے اور باقیوں کو جدا کر دو"، اسی طرح ابن ابی شیبہؒ وغیرہ قیس ابن حارث اسدیؓ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ جب وہ اسلام لائے تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے اس کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا "ان میں سے چار کو منتخب کرلو اور باقیوں کو چھوڑ دو۔ اسی طرح کے اور بھی متعدد واقعات کتب حدیث میں مذکور ہیں، ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع" کی تفسیر میں نقل کیا کہ ایک مرد صرف چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے"۔ سعید ابن جبیرؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے ۱۲

[2] قولہ وحبلٰی من زنا الخ حاملہ کے ساتھ زنا کی قید اس لئے لگائی کہ اگر بغیر زنا کے حاملہ ہو تو اس سے نکاح درست نہیں کیونکہ وہ تو عدت میں ہوگی لقولہ تعالیٰ "واولات الاحمال اجلہن ان یضعن حملہن"، اور عدت میں نکاح ممنوع ہے لقولہ تعالیٰ "ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ"، البتہ حاملہ بالزنا سے نکاح جائز ہونے کے باوجود اس سے وطی حرام ہے اور امام ابو یوسفؒ نے حرمت وطی کا لحاظ کرکے جواز نکاح ہی میں اختلاف کیا ہے مگر یہ کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ وطی کی ممانعت اس لئے ہے کہ کہیں دوسرے کی کھیتی اپنے پانی سے سیراب کر کے نسب خراب کرنے کا باعث نہ ہو اور حرمت وطی سے حرمت نکاح ضروری نہیں چنانچہ محرمہ یا حیض و نفاس والی عورت سے نکاح جائز ہے مگر اس حالت میں وطی حرام ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ نکاح کرنے والا خود زانی نہ ہو لیکن اگر اسی کے زنا کا حمل ہو تو بالاتفاق نکاح درست ہے اور وطی بھی

[3] قولہ ولا یجب علی الزوج الخ. اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ استبراء اگرچہ واجب نہیں مگر مستحب ضرور ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

لا نكاح امته وسيدته والمجوسية والوثنية وخامسة في عدة الرابعة هذا للحر

واما للعبد فلا يجوز الثالثة في عدة الثانية وامة على حرة او في عدتها وحامل من

سبي وحامل ثبت نسب حملها ولو هي ام ولد حملت من سيدها۔

ترجمہ:۔ اور نہیں جائز ہے نکاح اپنی لونڈی سے اور نہ غلام کو اپنی مالکہ سے، اور نہیں جائز ہے نکاح مجوسیہ سے اور بت پرست عورت سے اور نہ پانچویں عورت سے اگرچہ چوتھی عدت میں ہو اور یہ حکم آزاد مرد کے لئے ہے اور غلام کے واسطے تیسری عورت جائز نہیں دوسری بیوی کی عدت میں اور جائز نہیں نکاح لونڈی سے جبکہ آزاد عورت اس کے نکاح میں ہو یا آزاد عورت کی عدت میں اور جائز نہیں نکاح اس حاملہ عورت سے جو دار الحرب سے قید ہو کے آئی ہے اور اس حاملہ سے جس کے حمل کا نسب ثابت ہے اگرچہ وہ ام ولد ہو کہ اپنے مالک سے حاملہ ہوئی ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) جیسا کہ امام محمدؒ نے فرمایا اور اس میں احتیاط ہے (بنایہ) اور استبراء یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک حیض گذر جانے کا انتظار کیا جائے تاکہ فراغ رحم کے بارے میں اطمینان ہو جائے ورنہ احتمال رہے گا کہ شاید حاملہ ہو اس صورت میں غیر کی کھیتی سیراب کرنا لازم آئے گا، احادیث میں استبراء کا حکم صراحۃً مذکور ہے ۱۲

سلہ قولہ صح نکاح الاخری الخ کیونکہ اس کے حق میں جواز نکاح کا کوئی مانع نہیں ہے، بخلاف اس صورت کے کہ اگر کسی شخص نے ایک حرہ اور ایک غلام ایک ہی عقد بیع میں خرید کئے کہ اس صورت میں غلام کی بیع بھی صحیح نہ ہوگی اس واسطے کہ دونوں کو ایک ہی عقد میں جمع کرنے سے غلام کی بیع میں حرہ کو قبول کرنے کی شرط ہوگئی اور یہ شرط فاسد ہے اور بیع شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے اور نکاح شرائط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا اس لئے غیر محرمہ سے نکاح درست ہے اور جو مہر قرار پایا ہے وہ کل اس کو ملے گا اور اگر اس عورت سے جو حلال نہیں، صحبت کر لی تو اس کو جو اس کا مہر مثل ہے دینا پڑے گا اور جو مہر عقد نکاح کے وقت مقرر ہوا ہے وہ سب اس عورت کو ملے گا جس کا نکاح حلال ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ لا نکاح امتہ الخ یعنی آقا کا اپنی باندی سے نکاح درست نہیں چاہے وہ اپنی باندی کے بعض حصہ کا مالک ہو کیونکہ نکاح اس لئے مشروع ہوا ہے کہ اس پر وہ ثمرات مرتب ہوں جو زوج اور زوجہ میں مشترک ہیں، بعضے ثمرات اس قسم کے ہیں کہ زوجہ ان کی مالک ہوتی ہے مثلاً نفقہ، سکنیٰ، حق قسم علی السویہ جبکہ شوہر کی اور بیویاں ہوں اور عزل سے منع کرنا اور بعضے ایسے ہیں کہ زوج ان کا مالک ہے مثلاً زوجہ شوہر کو اپنے اوپر دسترس دیوے، اس کے گھر میں ٹھہرے، گھر کے سامان کی حفاظت کرے اور غیر سے بچے، اور بعضے مشترک ہیں مثلاً مجامعت ومباشرت سے منتفع ہونا اور اولاد کی تربیت کرنا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مملوکیت اور مالکیت میں تضاد ہے اس لئے مملوکہ باندی کو منکوحہ یعنی مالکہ بنانا درست نہیں (فتح القدیر) قولہ وسیدتہ۔ یعنی غلام کو اپنی مالکہ آقا سے نکاح کرنا درست نہیں اس میں بھی وہی وجہ ہے کہ مملوکیت، مالکیت کے منافی ہے — قولہ والمجوسیۃ۔ جو آگ کی پرستش کرتے ہیں انہیں مجوس کہتے ہیں ان سے نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم میں سے صرف اہل کتاب سے نکاح جائز ہے دیگر کفار سے نکاح جائز نہیں، جمہور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے، داؤد ظاہری اور ان کے بعض متبعین کا یہ قول شاذ ہے کہ "مجوس بھی اہل کتاب ہیں اس لئے ان سے نکاح جائز ہے۔ وہ بروایت امام شافعیؒ حضرت علیؓ کے اس قول سے تمسک کرتے ہیں کہ "ان المجوس کانوا من اھل الکتاب" اول تو یہ روایت ہی ضعیف ناقابل استدلال ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے پھر اگر ثابت بھی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگلے زمانہ میں وہ اہل کتاب تھے بعد میں آسمانی کتاب کو پس پشت ڈال کر آتش پرستی وغیرہ شرکیات میں کھلم کھلا مبتلا ہو گئے اب ان کا شمار مشرکوں میں ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے جو حسن بن محمد بن علی سے مرسلاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ہجر کے بارے میں تحریری فرمان بھیجا کہ" جو ان میں سے مسلمان ہو جائیں ان کا اسلام قبول کیا جائے اور جو مسلمان نہ ہوں ان پر جزیہ مقرر کیا جائے مگر ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے۔ قولہ والوثنیۃ۔ یہ وثن کی طرف نسبت ہے جسم والے بت کو وثن کہتے ہیں یعنی لکڑی، پتھر وغیرہ کی بنی ہوئی مورتی، اس سے بت پرست مراد ہیں، ستارہ پرستوں، دوسری اشیاء کے پوجنے والوں اور تمام کافروں کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔ اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن" الآیہ عمدہ ۱۲

سلہ قولہ وخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ الخ یعنی جب اس کی چار بیویاں ہوں پھر ان میں سے ایک کو طلاق دیدے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

تزوج مَسْبِيَّةً[1] حاملا لايجوز النكاح لان حملها ثابت النسب وانما[2] افردها بالذكر وان كانت داخلة تحت قوله وحامل ثبت نسب حملها لانه قد يشتبه ان ولدها ثابت النسب ام لا فلا يعلم حكم نكاحها فافردها بالذكر وقوله ولو هي ام ولد انما قال كذلك ومثل هذا الكلام يستعمل في مقام يحتاج الى المبالغة لان[3] الحامل التي ثبت نسب حملها اما منكوحة او مستولدة والمنكوحة هي الفراش[4] القوى فلدفع توهم اختصاص هذا الحكم بالفراش القوى قال.

ترجمہ: یعنی کسی شخص نے قیدی حاملہ عورت سے نکاح کیا تو اس کا نکاح درست نہیں کیونکہ اس کا حمل ثابت النسب ہے۔ اگرچہ مصنف کے قول "وحامل ثبت نسب حملها" میں یہ صورت بھی داخل ہے تاہم اس کو اس لئے علیٰحدہ ذکر کیا کہ کبھی اس امر میں شبہ ہوسکتا ہے کہ دارالحرب سے قید کردہ حاملہ عورت کے حمل کا نسب ثابت مانا جاتا ہے یا نہیں تو اس اشتباہ کی وجہ سے اس کے نکاح کا حکم بھی معلوم نہیں ہوسکتا ہے بنابریں اس کو مستقل طور پر ذکر کردیا (تاکہ یہ شبہ دور ہو) اور مصنف نے "ولو هي ام ولد" اس لئے فرمایا۔ اور اس طرح کا کلام ایسے مقام میں استعمال کیا جاتا ہے جہاں مزید مبالغہ کی حاجت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ حاملہ عورت جس کا ولد ثابت النسب ہو منکوحہ بھی ہوسکتی ہے۔ یا ام ولد ہوسکتی ہے اور منکوحہ عورت (ثبوت نسب میں) فراش قوی ہے (کہ بغیر دعویٰ اور انکار حمل کی صورت میں بھی نسب ثابت ہوتا ہے) اب اس وہم کو کہ یہ حکم فراش قوی کے ساتھ مختص ہوسکتا ہے، دفع کرنے کے لئے فرمایا۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) تو پانچویں عورت سے نکاح درست نہ ہوگا جب تک کہ چوتھی کی عدت نہ گذر جائے کیونکہ عدت میں نکاح من وجہ باقی ہے اب اگر چوتھی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرلے تو چار سے زائد عورتوں سے نکاح لازم آئے گا جو کہ باطل ہے بنص القرآن ۱۲
[3] قولہ او فی عدتہا الخ یعنی جب آزاد بیوی کو طلاق دیدے تو اس کی عدت میں کسی لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ مدت عدت حکم نکاح میں داخل ہے تو اس طرح آزاد پر لونڈی سے نکاح لازم ہوگا جو کہ ممنوع ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۲ عمدہ۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ مسبیۃ الخ۔ یہ مَرْمِیَّۃٌ کے وزن پر ہے یعنی معرکۂ جہاد میں جو عورت کفار کے ہاتھوں سے گرفتار کرکے لائی جائے ۱۲
[2] قولہ وانما افرد با الخ۔ اس میں دراصل اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ "حامل من سبی" کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ مابعد کی عبارت "وحامل ثبت نسب حملها" ہی اس مقصد کے لئے کافی تھی، کیونکہ قیدی عورت اگر حاملہ ہو تو اس کے حمل کا نسب سابقہ شوہر سے ثابت ہے بنابریں اس کا نکاح جائز نہیں، حاصل جواب یہ ہے کہ مصنف نے اس صورت کو اس لئے علیٰحدہ بیان کیا کیونکہ یہاں یہ گمان ہوسکتا تھا کہ قیدی عورت چونکہ کفار کے قبضہ سے آئی ہے اس لئے غالباً اس کے حمل کا نسب غیر ثابت ہو اور اس سے نکاح جائز ہو تو مصنف نے واضح کردیا کہ مسبیہ کے حمل کا نسب بھی بحکم شرع ثابت ہے اور اس سے نکاح جائز نہیں ۱۲
[3] قولہ لان الحامل الخ حاصل اس کا یہ ہے کہ جس حاملہ کا نسب کسی سے ثابت ہے وہ یا تو غیر کی منکوحہ ہوگی یا ام ولد ہوگی یعنی جس کے ساتھ اس کے مولیٰ نے وطی کی اور اس کی اولاد کو اپنی اولاد ہونا تسلیم بھی کیا اور ان دونوں میں منکوحہ کا فراش بنسبت ام ولد کے قوی ہے اس لئے یہاں اس شبہ کی گنجائش تھی کہ شاید نکاح کا بطلان فراش قوی کے ساتھ خاص ہو اس وہم کو دور کرنے کے لئے مصنف نے فراش ضعیف کا حکم بھی صراحۃً بتا دیا کہ یہ بھی جواز نکاح کا مانع ہے ۱۲
[4] قولہ ہی الفراش القوی الخ۔ درمختار اور اس کے حواشی میں مذکور ہے کہ فراش کے چار درجات ہیں (۱) ضعیف۔ یہ لونڈی کا فراش ہے کہ اس کے حمل کا نسب مولیٰ سے ثابت نہیں ہوتا ہے جب تک کہ مولیٰ اپنی اولاد ہونے کا دعویٰ نہ کرے (۲) متوسط۔ ام ولد کا فراش ہے کہ ایک بار ام ولد ہو چکنے کے بعد اب اس کے حمل کا نسب بلا دعویٰ ثابت ہوتا ہے البتہ نفی سے اس کی نفی بھی ہو جاتی ہے (۳) قوی یہ منکوحہ اور طلاق رجعی کی عدت والی کا فراش ہے کہ اس میں انکار سے بھی نسب کی نفی نہیں ہوتی ہاں صرف لعان کی صورت
(باقی صفحہ آئندہ پر)

بطل نكاح حامل ثبت نسب حملها وان كان الفراش غير قوي وايضاً قد ذكر ان نكاح موطوءة السيد صحيح فهذا المعنى اوهم صحة نكاح الحامل من السيد فانها موطوءة السيد فقال بطل نكاح حامل ثبت نسب حملها وان كانت هذه الحامل موطوءة السيد فان هذا المعنى يوجب صحة النكاح فمع ذلك بطل نكاحها باعتبار ثبوت نسب حملها ونكاح المتعة والموقت صورة المتعة ان يقول اتمتع بك كذا مدة بكذا من المال وصورة الموقت ان يقول تزوجتك بكذا الى شهر او عشرة ايام۔

ترجمہ:۔ باطل ہے نکاح اس حاملہ عورت سے جس کا نکاح ثابت النسب ہو اگرچہ فراش قوی نہ ہو (یعنی ام ولد ہو) نیز چونکہ مصنفؒ نے پہلے ذکر کیا ہے کہ جو لونڈی اپنے مالک کی موطوءہ ہو اس سے نکاح صحیح ہے تو اس بات سے وہم ہو سکتا ہے کہ جو باندی اپنے مالک سے حاملہ ہو اس سے بھی نکاح صحیح ہوگا اس لئے کہ حاملہ بھی موطوءہ مالک ہی ہے۔ تو (اس وہم کو دفع کرنے کے لئے واضح طور پر) بتا دیا کہ "باطل ہے نکاح اس حاملہ سے جس کا حمل ثابت النسب ہے اگرچہ یہ حاملہ مالک کی موطوءہ ہو، پس محض یہ بات کہ موطوءہ مالک ہے صحت نکاح کا موجب ہونے کے باوجود اس کا نکاح باطل ہے اس اعتبار سے کہ اس کا حمل ثابت النسب ہے (اپنے مالک سے) اور باطل ہے نکاح متعہ اور نکاح موقت، متعہ کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ میں تجھ سے نفع حاصل کروں گا اتنی مدت تک اتنے مال کے بدلے میں اور نکاح موقت کی صورت یہ ہے کہ کہے میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اتنے مال کے معاوضہ میں ایک ماہ یا دس دن کے لئے۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) میں نفی ہو سکتی ہے (مہ) اتوی۔ یہ طلاق بائنہ کی عدت والی کا فراش ہے کہ اس میں قطعاً اولاد کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ منکوحہ کے حمل کی نفی لعان پر موقوف ہے اور لعان کی شرط یہ ہے کہ علاقۂ زوجیت موجود ہو اور طلاق بائن کی صورت میں یہ علاقہ منقطع ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ وایضاً الخ۔ یہ دوسری توجیہ ہے "ولو ھی ام ولد" کہنے کی حاصل اس کا یہ ہے کہ مصنفؒ نے پہلے بتایا کہ آقا کی موطوءہ سے نکاح درست ہے اور اس صورت میں شوہر پر استبراء بھی واجب نہیں تو اس سے اندیشہ ہوا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ آقا سے حاملہ ہونے پر بھی نکاح درست ہوگا کیونکہ اس پر آقا کی موطوءہ ہونا تو صادق آتا ہے اس وہم کو دور کرنے کے لئے "ولو ھی ام ولد" کے ذریعہ اس کا حکم بیان کر دیا ۱۲

سلہ قولہ ونکاح المتعۃ الخ۔ یعنی نکاح متعہ جائز نہیں، اگرچہ یہ ابتداء اسلام میں جائز تھا لیکن بعد میں ممانعت کر دی گئی پھر رخصت ملی پھر دوبارہ ممانعت ہو گئی، چنانچہ بخاری و مسلمؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع میں عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کے گوشت کھانے کی ممانعت فرما دی، غزوۂ خیبر ۷ھ کو ہوا، اور مسلمؒ نے حضرت سبرہؓ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی اجازت دی پھر فتح مکہ کے روز اس کی ممانعت کر دی، یہ ۸ھ کا واقعہ ہے ایک روایت میں انہوں نے اس طرح بیان کیا کہ ہم نے حضور صلعم کے ہمراہ جہاد کیا تو آپ نے ہمیں فتح مکہ کے سال جب ہم مکہ میں داخل ہوئے تو متعہ کی اجازت دی پھر آپؐ نے وہاں سے نکلنے سے پہلے ہی ہمیں اس کی ممانعت کر دی اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اب اللہ نے روز قیامت تک اس کو حرام کر دیا، لہذا جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو وہ اس کو الگ کر دے اور جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، مسلم کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اوطاس کے سال تین روز کے لئے متعہ کی اجازت دی پھر آپ نے اس کی ممانعت فرما دی، غزوۂ اوطاس اور فتح مکہ ایک ہی سال میں ہوا، بہرحال حرمت متعہ کے بارے میں صحاح و مسانید کے اندر بکثرت روایات مذکور ہیں۔

(باقی صہ آئندہ پر)

بابُ الوليّ والكفوء

نفذ نكاح حرّة مكلّفة ولو من غير كفوء بلا وليّ وله الاعتراض هنا اي للولي الاعتراض في غير الكفوء وروى الحسن عن ابي حنيفة عدم جوازه اي عدم جواز النكاح من غير كفوء وعليه فتوى قاضيخان اعلم ان الحرّة العاقلة البالغة اذا زوجت نفسها فعند ابي حنيفة وابي يوسف ينعقد وفي رواية عن ابي يوسف لا ينعقد الا بولي وعند محمّد ينعقد موقوفا على اجازة الولي وعند مالك والشافعي لا ينعقد بعبارة النّساء۔

یہ باب ولی اور کفو کے بیان میں ہے

ترجمہ:۔ جائز ہے نکاح آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا اگرچہ غیر کفو سے ہو بغیر حاضر ہونے ولی کے اور یہاں ولی کو اعتراض کا حق ہے یعنی غیر کفو میں نکاح بیٹھنے سے ولی کو حق اعتراض حاصل ہے اور حسنؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے اس کے جائز نہ ہونے کی روایت کی ہے۔ یعنی (ولی کے بغیر) غیر کفو سے نکاح جائز نہیں اور اسی پر قاضیخان کا فتویٰ ہے واضح رہے کہ آزاد عاقلہ، بالغہ عورت جب اپنا نکاح خود کرلے تو امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ بغیر ولی کے نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جائے گا مگر موقوف رہے گا ولی کی اجازت پر اور امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک عورتوں کے الفاظ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صگذشتہ) اب اس کے بعد جواز کی کوئی دلیل کس کے پاس نہیں خواہ وہ کسے باشد ۱۲ ؎ قولہ والمؤقت الخ شیخ الاسلام نے نکاح متعہ اور نکاح موقت میں یہ فرق کیا ہے کہ "موقت میں لفظ نکاح اور تزویج کے ساتھ وقت کا ذکر ہوتا ہے اور متعہ میں بجائے لفظ نکاح کے اتمتع یا استمتع کا لفظ استعمال ہوتا ہے یعنی جو لفظ متعہ کے مادہ پر مشتمل ہو یا اس کے ہم معنی لفظ پر اس کے علاوہ متعہ میں گواہ اور مدت کا تعین نہیں ہوتا اور موقت میں گواہ ہوتے ہیں اور مدت

(حاشیہ صہٰذا) ؎ قولہ باب الولی والکفو الخ ولی لغۃً دوست کو کہتے ہیں اور ایسے مقام میں ولی وہ ہے جس کا قول غیر پر نافذ ہو خواہ راضی ہو یا نہ ہو۔ ولی کے لئے عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے، ولایت کی دو قسمیں ہیں (۱) ولایت مذہب: جو کہ عاقلہ، بالغہ مکلفہ پر ہوتی ہے (۲) ولایت اجبار جو صغیرہ مجنونہ اور باندی پر ہوتی ہے۔ ولایت اجبار کے اسباب چار ہیں قرابت، ملک، ولاء اور امامت (در مختار) اور کفو مثل و مساوی کو کہا جاتا ہے یہ مکافاۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مساوات، اور یہاں کفو سے مراد وہ مخصوص مساوات ہے جو شرع کی رو سے معتبر ہے ۱۲ ؎ قولہ لا ینعقد الا بولی الخ۔ امام ابو یوسفؒ کے اس قول میں اور امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے قول میں فرق یہ ہے کہ ان دونوں کے نزدیک عورتوں کے الفاظ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا چاہے وکیل بن کر ہوں یا اصل کی حیثیت سے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ان کا ولی اپنے الفاظ میں ان کا نکاح کردے، اب اگر عورت نے خود اپنا نکاح کرلیا تو کسی طرح صحیح نہیں خواہ ولی اس کی اجازت دے یا نہ دے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ولی کی اجازت و رضا ہی شرط ہے لہٰذا عورت کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا جبکہ ولی کے سامنے اور اس کی رضا ؎ قولہ لا ینعقد بعبارۃ النساء الخ۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ لانکاح الا بولی" (ولی کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں۔) جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل الخ" (جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے الخ) اخرجہا ابو داؤد والترمذی وغیرہا، ہمارے اصحاب کی طرف سے جواب یہ ہے۔

(باقی صآئندہ پر)

واما مسألۃ الکفوء ففی ظاہر الروایۃ النکاح من غیر کفوء ینعقد لکن للولی الاعتراض ان شاء فسخ وان شاء اجاز وفی روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃؒ لا ینعقد ولا یجبر ولیٌّ بالغۃً ولو بکرًا اعلم ان ولایۃ الاجبار ثابتۃ علی الصغیرۃ دون البالغۃ عندنا وعند الشافعیؒ ثابتۃ علی البکر دون الثیب فالبکر الصغیرۃ تجبر اتفاقا لا الثیب البالغۃ اتفاقا والبکر البالغۃ لا تجبر عندنا وتجبر عندہ والثیب الصغیرۃ تجبر عندنا لا عندہ ثم عندنا کل ولی فلہ ولایۃ الاجبار وعند الشافعیؒ الولی المجبر لیس الا الاب والجد

ترجمہ:۔ لیکن کفوء کے مسئلہ کے بارے میں ظاہر روایت کے اندر ہے کہ غیر کفوء سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے مگر ولی کو اعتراض کا حق ہے یعنی اسے اختیار ہے اس نکاح کو فسخ کرادے اور چاہے اس کی اجازت دیدے البتہ امام ابوحنیفہؒ سے حسنؒ کی روایت میں ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اور بالغہ لڑکی پر ولی کو جبر کا حق نہیں پہونچتا اگرچہ وہ باکرہ ہو۔ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک ولی کو صغیرہ پر جبر کا حق پہونچتا ہے بالغہ پر نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک باکرہ پر حق جبر ہے ثیبہ پر نہیں تو باکرہ نابالغہ پر بالاتفاق ولی جبر کرسکتا ہے اور ثیبہ بالغہ پر بالاتفاق جبر نہیں کرسکتا ہے ہاں اگر بالغہ باکرہ ہو تو ہمارے نزدیک جبر نہیں کرسکتا ہے (کیونکہ یہ صغیرہ نہیں ہے) اور ان کے نزدیک کرسکتا ہے (اس لئے کہ باکرہ ہے) اور اگر ثیبہ نابالغہ ہو تو ہمارے نزدیک جبر کرسکتا ہے (صغیرہ ہونے کی وجہ سے) اور ان کے نزدیک نہیں کرسکتا ہے (اس لئے کہ ثیبہ پر ان کے نزدیک حق اجبار نہیں ہے) پھر ہمارے نزدیک ہر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فقط باپ اور دادا کو ولایت اجبار حاصل ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) کہا دگا تو ان کی سندوں میں کلام ہے اگر اسے نظرانداز کر دیا جائے تو بھی ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورتوں کے الفاظ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ولی کی رضا اور اذن ضروری ہے اسی وجہ سے امام ابویوسفؒ و محمدؒ نے اسے شرط قرار دیا ہے کیونکہ نکاح کی مشروعیت خاص مقاصد کے پیش نظر ہے اور ناقص العقل عورتوں پر بالکل سونپ دینا نقصان دہ ہے چنانچہ امام ابویوسفؒ نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے ولی کے بغیر نکاح منعقد ہونے کی نفی کی ہے اور امام محمدؒ نے اس طرف نظر کی کہ ولی کی اجازت سے نقصان کا اندیشہ دور ہو سکتا ہے تو انہوں نے ولی کی اجازت پر موقوف رکھ کر نکاح منعقد ہونے کا حکم دیا، اور امام ابوحنیفہؒ نے ان آیتوں سے استدلال کیا ہے جن میں نکاح کی نسبت براہ راست عورتوں کی طرف کی گئی جیسے قولہ تعالیٰ "حتی تنکح زوجا غیرہ"، وقولہ تعالیٰ "فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن"، علاوہ ازیں نکاح خالص اپنے حق میں تصرف کا نام ہے اور عورت عاقلہ بالغہ ہونے پر اس کی اہل ہے اور اسی اہلیت ہی کی بنا پر بالاتفاق وہ اپنے مال میں تصرف کرسکتی ہے شوہر کا انتخاب کرسکتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کے الفاظ سے نکاح منعقد نہ ہو یا ولی کی موجودگی صحت نکاح کے لئے شرط ہو، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوسکتی ہے کہ اگر عورت غیر کفو یا مہر مثل سے کم میں نکاح کرکے کوتاہی کرے تو ولی کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔ اور مذکورہ احادیث امام صاحب کے نزدیک یا تو محمول ہیں غیر مکلفہ اور باندی وغیرہ پر یا ان سے نفی کمال ونفی لزوم مراد ہے خود راوی حدیث حضرت عائشہؓ کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی بھتیجی کی شادی اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی غیر حاضری میں جیسا کہ مؤطا مالکؒ میں مذکور ہے ۱۲ عمدہ، اختصار۔

وصمتها[1] وضحکها وبکاؤها بلا صوت اذنٌ ومعه ردٌ حين استيذانه او بعد
بلوغ الخبر اليها بشرط تسمية الزوج[2] لا المهر فيهما هو الصحيح الضمير في صمتها
راجع الى البکر البالغة فاذا استاذنها[3] الولی فسکتت او ضحکت کان رضاءً واذا ابلغ
اليها خبر نکاحها فسکتت فهو رضاء لکن تشترط تسمية الزوج حتی لو لم يذکر
الزوج فسکوتها لا يکون رضاءً ولا يشترط ذکر المهر۔

(حواشی: الضمير يعني السکوت ۱۲ عده — الاذن متعلق بالاذن او متعلق بالصمت والبعده ۱۲ عده — حال من الاستيذان والبلوغ ۱۲ عده — اى سکوتها وضحکها ۱۲ عده — علی وجه تقع به المعرفة ۱۲ عده — اى فی الاستيذان وبلوغ الخبر ۱۲ عده)

ترجمہ :۔ اگر بکر بالغہ سے نکاح کا اذن طلب کیا جائے یا اسے یہ خبر دی جائے (کہ تیرا نکاح فلاں سے ہوگیا) اور زوج کا نام بھی بتلادیا جائے اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا بدون آواز کے رونے لگی تو یہ اس کی طرف سے اذن و قبول ہے اور اگر رونا آواز کے ساتھ ہو تو اذن نہیں ہوگا بغیر ذکر کرنے مہر کے ان دونوں میں (شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کی عبارت "صمتها" میں "ها" ضمیر "بکر بالغہ" کی طرف راجع ہے، یعنی کنواری بالغہ سے جب ولی اذن طلب کی تب وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی تو یہ اس کی رضا اور قبول ہے۔ اسی طرح جب کہ اس کے پاس اپنے نکاح کی خبر پہنچی تب وہ چُپ رہی تو یہ اس کی رضا ہے۔ البتہ ان دونوں صورتوں میں) شرط یہ ہے کہ (اس کے سامنے) خاوند کا نام لیا جائے، چنانچہ اگر خاوند کا نام نہ لیا تو اس کا چُپ رہنا رضا نہ ہوگا۔ اور مہر کا ذکر کرنا شرط نہیں۔

تشریح :۔ [1] قولہ اذنٌ الخ یعنی کے ساتھ خبر ہے صمتها مبتدا کی، اور خاموشی کو اذن قرار دینا حدیث سے ثابت ہے کہ جب ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ باکرہ سے اجازت کس طرح لی جائے حالانکہ وہ عمومًا ایسے موقع پر شرما کر خاموش رہتی ہے تو آپ نے فرمایا "اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے" (رواہ الشیخان) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باکرہ کو طبعًا غلبۂ شرم کے باعث کلام کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ ایسی علامت کافی ہے جس سے اس کی رضا معلوم ہو جائے تو اس کی ہنسی اور رونا بھی اذن شمار ہوگا کیونکہ ان میں رضا کی دلالت ہے البتہ سکوت میں شرط یہ ہے کہ وہ اختیاری ہو اگر مثلاً جمائی لینے یا کھانسی آنے کے باعث اضطرارًا خاموش رہی تو اس خاموشی کا اعتبار نہیں اسی طرح اگر قرینہ سے معلوم ہو کہ اسکی ہنسی بطور استہزاء ہے تو وہ اذن شمار نہ ہوگی اور رونے میں بھی بلا آواز رونا شرط ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ خاندان سے جدائی کے غم میں رو رہی ہے اور آواز سے رونا رد و انکار کی علامت ہے۔ البتہ صاحب فتح القدیر نے کہا ہے کہ "اصل اعتبار رونے اور ہنسنے میں قرائن وعلامات کا ہے اگر قرائن میں تعارض یا اشکال ہو تو احتیاط بہتر ہے"، یہ قول معتدل ترین ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں میں اختلاف عرف کے باعث حکم بدل جاتا ہے چنانچہ ہمارے دیار میں ہلکی آواز سے رونا بھی عرف عام میں اذن شمار ہوتا ہے۔ کما لا یخفی علی من لہ خبرۃ علی عرف دیارنا عدہ باختصار۔

[2] قولہ بشرط تسمية الزوج الخ یعنی اس کا تعین اس طرح ہو کہ عورت اُسے پہچان لے کیونکہ بے پہچانے صرف نام ذکر کر دینا کافی نہیں اور مصنف کا قول فیهما تسمیہ سے متعلق ہے اور "هما" ضمیر استیذان اور بلوغ الخبر کی طرف راجع ہے یعنی ان صورتوں میں زوج کا نام لینا شرط ہے، مہر کا ذکر کرنا شرط نہیں اور "هو الصحيح" میں اشارہ ہے متاخرین فقہاء کے قول سے احتراز کی طرف وہ کہتے ہیں کہ اذن کے وقت مہر کا ذکر کرنا بھی شرط ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ وغیرہ نے شرط نہ ہونے کے قول کو صحیح قرار دیا ہے"۔

[3] قولہ استاذنها الولی الخ. خواہ یہ طلب اذن عقد سے پہلے ہو یا بعد میں البتہ اگر طلب اذن عقد سے پہلے ہو تو اذن دینا جس طرح بھی ہو یہ وکیل بنانے کے حکم میں ہوگا بشرطیکہ ولی ایک ہی شخص ہو اور اگر نکاح دینے والے ولی متعدد ہوں تو اس کا سکوت اذن شمار نہ ہوگا اور اگر عقد کے بعد اذن لیا جائے تو یہ اجازت شمار ہوگی"۔

ولو استاذنھا غیر ولی اقرب فرضاؤھا بالقول کالثیب ای لو استاذنھا الاجنبی او ولی بعید فالرضاء لا یکون الا بالقول کما فی الثیب والزائل بکارتھا بوثبۃ او حیض او جراحۃ او تعنیس او زنا بکر حکما ای لھا حکم البکر فان سکوتھا رضاء وقولھا رددت اولی من قولہ سکتت ای اذا قال الزوج للبکر البالغۃ بلغک خبر النکاح فسکتِ وقالت لا بل رددت فالقول قولھا وتقبل بینتہ علی سکوتھا ولا تحلف ھی ان لم یقم البینۃ وھذا عند ابی حنیفۃ بناء علی انہ لا یحلف فی النکاح وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولو ثیبا ھذا احتراز عن قول الشافعی کما مر

ترجمہ:۔ اور اگر اذن لیا اس سے قریب تر ولی کے علاوہ اور کسی شخص نے تو اس کی رضا، زبان سے کہنے پر موقوف ہے جیسا کہ ثیب کی رضا زبان سے کہے بغیر نہیں ہوتی، یعنی اگر اجنبی یا ولی بعید نے اذن مانگا تو رضا نہ ہوگی یہاں تک کہ زبان سے کلام کرے جیسا کہ ثیب کی رضا زبان سے کہے بغیر نہیں ہوتی، اور جو عورت کہ اس کی بکارت کودنے سے یا حیض سے یا زخم سے یا زیادہ عمر ہو جانے سے یا زنا سے زائل ہو جائے تو وہ حکما باکرہ ہے یعنی شرعاً یہ بھی حقیقی باکرہ کے حکم میں ہے کہ اس کا سکوت رضا ہے۔ اور عورت کا یہ قول کہ "میں نے انکار کیا تھا" مرد کے اس دعویٰ کے مقابلہ میں معتبر ہے کہ "تو چپ رہی تھی" یعنی زوج نے بکر بالغہ سے کہا کہ جب تجھ کو نکاح کی خبر پہنچی تھی تب تو چپ رہی تھی اور زوجہ کہتی ہے کہ نہیں بلکہ میں نے رد و انکار کر دیا تھا تو زوجہ کا قول معتبر ہے اور مرد کے گواہ ان لئے جاویں گے اگر زوجہ کے سکوت پر وہ گواہ قائم کرے، اور اگر مرد نے گواہ پیش نہ کئے تو اس عورت کو حلف دلائیں گے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اس بنا پر کہ ان کے نزدیک نکاح کے معاملہ میں حلف نہیں لیا جاتا ہے۔ اور ولی کو جائز ہے نکاح کر دینا اپنے نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا اگرچہ ثیب ہو۔ اس لفظ ثیب کے ذریعہ امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہو گیا کہ ان کے نزدیک ثیب کا نکاح بلا اذن جائز نہیں، جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ فرضاؤہا بالقول الخ یعنی ولی اقرب کے علاوہ اگر کوئی بالغہ باکرہ سے اجازت طلب کرے تو اس کا رونا یا ہنسنا، رضا یا اجازت شمار نہ ہوگی بلکہ قولی اجازت ضروری ہوگی البتہ ایسی بات جو قول کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے وہ قولی اجازت ہی کے حکم میں ہے مثلاً مہر و نفقہ کا طلب کرنا، بخوشی وطی یا دخول کا موقع دینا اور شادی کی مبارکبادی قبول کرنا وغیرہ امور بمنزلہ اجازت قولی کے ہیں ۱۲ تنویر۔

؎۲ قولہ فالقول قولہا الخ۔ یہ عبارت مسائل دعویٰ میں منکر ہونے کی طرف اشارہ ہے پس فقہا جہاں "القول قولہا" کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ منکر ہے اور دوسرا مدعی ہے تو اوّلاً مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں گے اگر گواہ پیش کر دے تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا ورنہ منکر پر قسم عائد ہوگی اگر قسم کھائے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور اس سے یہ مراد نہیں کہ بلا دلیل ہی اس کا قول قبول کر لیا جائے گا، بہرحال جب خاوند اور بیوی میں نکاح کے بعد نزاع پیدا ہو جائے، خاوند کہے نکاح کی خبر پہنچنے کے وقت تم نے سکوت اختیار کیا اور سکوت بکر بالغہ رضا ہے اس لئے نکاح مکمل ہے اور بیوی کہے کہ نہیں، میں نے تو اس وقت انکار کر دیا تھا اس لئے میرے اور تمہارے درمیان نکاح منعقد نہیں ہوا۔ اب بظاہر دونوں مدعی ہیں خاوند عورت کے سکوت کا مدعی ہے اور عورت انکار کا دعویٰ کرتی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاوند ہی مدعی ہے کیونکہ مدعی وہ ہوتا ہے جو غیر پر اپنا حق ثابت کرے اور منکر وہ ہے جو اپنے اوپر دوسرے کا حق لازم ہونے کا انکار کرے اور یہاں یہ بات واضح ہے کہ خاوند کا مقصد عورت پر اپنی ملکیت اور حق انتفاع ثابت کرنا ہے اور عورت اس ثبوت کا دفاع کر رہی ہے تو وہ منکر ہوئی، اس لئے خاوند سے سکوت پر بینہ طلب کیا جائے گا اگر وہ لے آیا تو قبول ہوگا اور نکاح ثابت ہو جائے گا ورنہ عورت کا قول معتبر ہوگا اگر دونوں نے بینہ پیش کر دیا، خاوند نے سکوت پر اور عورت نے انکار پر تو بھی عورت کا بینہ قابل ترجیح ہوگا کیونکہ جو کسی زائد بات کو بذریعہ دلیل ثابت کرے اس کی دلیل راجح ہوتی ہے اور انکار امر زائد ہے سکوت پر (باقی صفحہ آئندہ پر)

ثم ان زوجهما الاب او الجد لزم و فی غیرهما فسخ الصغیر ان حین بلغا او علما بالنکاح بعدہ ای ان کانا عالمین بالنکاح فلهما الفسخ عند البلوغ فان لم یکونا عالمین فلهما الفسخ حین علما بعد البلوغ و فیه خلاف الشافعیؒ فان تزویج غیر الاب والجد قبل البلوغ لا یصح عندہ لما ذکرنا ان الولی المجبر عندہ لیس الا الاب والجد و سکوت البکر رضاء هنا ای عند البلوغ او العلم بالنکاح بعد البلوغ و لا یمتد خیارها الی اخر المجلس و ان جهلت به ای بالخیار فان البکر اذا سکتت بعد البلوغ او العلم بناءً علی انها لم تعلم ان لها الخیار یبطل خیارها فان سکوتها رضاءٌ ولا تعذر بالجهل والجهل لیس بعذر فی حقها۔

ترجمہ:۔ پھر اگر ان کا نکاح باپ نے یا دادا نے کردیا تو یہ نکاح لازم ہوگیا (بالغ ہونے کے بعد ان کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں) اور اگر باپ دادا کے سوا اور کسی ولی نے نکاح دیا تو صغیر اور صغیرہ کو فسخ نکاح کا اختیار ہے جبکہ وہ بالغ ہوں یا بالغ ہونے کے بعد جس وقت ان کو نکاح کی خبر ہو یعنی اگر وہ نکاح کو پہلے سے جانتے تھے تو ان کو فسخ نکاح کا اختیار ہے بالغ ہونے کے وقت اور اگر نکاح کو وہ پہلے سے نہ جانتے ہوں تو بالغ ہونے کے بعد جس وقت نکاح کی خبر ہوئی اس وقت بھی فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ البتہ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک بالغ ہونے سے پہلے باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کا نکاح کردینا درست ہی نہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے۔ کہ اُن کے نزدیک فقط باپ اور دادا ہی ولی مُجبر ہیں (کہ بلا اذن خود سے نکاح کردے سکتے ہیں۔) اور اس موقع پر بھی باکرہ کا چپ رہ جانا رضا ہے یعنی (مذکورہ اختیار فسخ کی صورت میں باکرہ لڑکی) جب بالغ ہوئی اور چپ رہی یا جب خبر پہنچی بعد بلوغ کے تب وہ چپ رہی تو اس کا سکوت نکاح پر رضامندی کی دلیل ہے۔ اور باکرہ لڑکی کا یہ خیار بلوغ آخر مجلس تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اس بات کو نہ جانتی ہو کہ بالغ ہونے کے بعد اس کو خیار حاصل ہوتا ہے لہٰذا باکرہ بالغ ہونے کے بعد یا بعد البلوغ نکاح کی خبر ملنے کے بعد اگر اس بنا پر خاموش رہے کہ اسے اختیار حاصل ہونے کا علم ہی نہیں تب بھی اس کا خیار باطل ہوجائے گا اور اس کا سکوت رضا قرار دیا جائے گا اور جہل کا عذر مقبول نہ ہوگا اس لئے کہ جہل اس کے حق میں کوئی عذر نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) لہٰذا انکار سابینہ راجح ہوگا ۱۲ ۔سلہ قولہ وللولی نکاح الصغیر الخ یعنی ولی کو نابالغ لڑکا اور لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہے اور ہمارے نزدیک حدیث "لا نکاح الا بولی" اسی صورت پر محمول ہے تاکہ دلائل میں باہمی تطبیق ہوجائے، اور مصنفؒ اگر صغیر کی بجائے غیر المکلف فرماتے تو بہتر ہوتا، کہ پاگل اور آدھ پاگل مرد و عورت چاہے بڑی عمر کے ہوں وہ بھی شامل ہوجاتے کیونکہ ان پر بھی ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ لزم الخ یعنی باپ یا دادا نے جب نابالغ لڑکا یا لڑکی یا جن پر ان کو ولایت اجبار حاصل ہے ان کا نکاح کردیا تو یہ نکاح مطلقاً لازم ہوگا خواہ غیر کفو میں یا مہر کے اندر غبن فاحش سے نکاح کردیں کیونکہ چھوٹوں پر ان کی شفقت تمام اجانب اقارب سے زیادہ ہوتی ہے بخلاف اس بات کے کہ جب ان دو کے علاوہ اور کسی نے نکاح کردیا تو بالغ ہونے کے بعد ان دونوں کو اختیار ہوگا کہ نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کردیں کیونکہ ان میں شفقت کی کمی ہے اس لئے مقاصد نکاح میں کوتاہی کرنے کا اندیشہ رہتا ہے ۱۲

سلہ قولہ فسخ الصغیران الخ۔ یہ جب ہے کہ باپ دادا کے علاوہ دوسرا کوئی کفو میں نکاح دے اور مہر مثل مقرر کرے لیکن اگر غیر کفو میں یا مہر کے اندر غبن فاحش سے نکاح دیا تو نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں نہ لازماً نہ موقوفاً اس لئے فسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر شارح نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے جیسے عنقریب ذکر ہوگا عمدہ ۔سلہ قولہ وسکوت البکر رضاء الخ یعنی وہ عورت جس کا نکاح باپ یا دادا کے غیر نے کیا تھا جب وہ بالغ ہوجائے اور اسے پہلے سے نکاح کا علم ہو پھر بلوغ کے وقت خاموش رہی یا علم تو نہ تھا لیکن بلوغ کے بعد نکاح کی خبر پانے کے وقت خاموش رہی اور نکاح رد نہیں کیا اور نہ فسخ کیا تو اس کی یہ خاموشی رضا کی دلیل ہوگی اب اس کا اختیار باطل ہوگیا کیونکہ یہ حالت نکاح کی ابتدائی حالت کی طرح تھی تو جس طرح اس موقع پر باکرہ کی خاموشی رضا سمجھی جاتی ہے یہاں بھی خاموشی رضا کی دلیل ہوگا اس لئے کہ سکوت دلیل رضا ہونے کی وجہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

بخلاف المعتقۃ[1] ای اذا اعتقت الامۃ ولہا زوج ثبت لہا الخیار فان لم تعلم ان لہا الخیار فجہلہا عذر لانہا لا تتفرغ للتعلم بخلاف الحرائر فان طلب[2] العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ وبالتقصیر لا تعذر فان قیل[3] کلامنا فی البکر حال بلوغہا وہی قبل البلوغ غیر مکلفۃ بالشرائع قلنا اذا راہق الصبی والصبیۃ فاما ان یجب علیہما تعلم الایمان واحکامہ او یجب[4] علی ولیہما التعلیم۔

ترجمہ:۔ بخلاف آزاد کردہ لونڈی کے یعنی شوہر والی لونڈی کو جب مالک آزاد کر دے تو اس کو اپنے خاوند سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے لیکن اگر اسے یہ بات معلوم نہ ہو کہ اختیار ملتا ہے تو اس کا یہ جہل عذر شمار کیا جائے گا کیونکہ باندی کو تو (اپنے مولی کی خدمت میں مشغولیت کی بنا پر) علم دین سیکھنے کی فرصت نہیں ملتی بخلاف ان عورتوں کے جو آزاد ہیں کیونکہ طلب علم فرض ہے ہر مسلمان مرد اور عورت پر، تو اگر اپنی کوتاہی سے جاہل رہے تو اس کا جہل عذر نہ ہوگا۔ اگر کوئی کہے کہ (تحصیل علم فرض ہے جب عورت بالغ ہو اور) کلام ہمارا بکر نابالغہ میں ہے جبکہ وہ بالغ ہو اور بالغ ہونے سے پہلے وہ احکام شریعت کے مکلف نہیں تھی۔ تو جواب میں ہم کہیں گے کہ لڑکا اور لڑکی جب قریب البلوغ ہو جائیں تو اُن پر واجب ہے ایمان اور احکام ایمان کا سیکھنا.

تشریح:۔ یعنی دو بکر کے باعث کلام سے حیا کرنا ۱۲

[1] قولہ الی آخر المجلس الخ. فتح القدیر میں ہے کہ مجلس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کہ بالغ ہوئی مثلاً ایک جگہ پر اُسے حیض آیا اور اُسے نکاح کی اطلاع پہلے سے تھی یا نکاح کی اطلاع کی مجلس جبکہ وہ باکرہ بالغہ تھی اور امام خصافؒ نے خیار بلوغ کو آخر مجلس تک ممتد مانا ہے لیکن یہ مبسوط کی روایت کے خلاف ہے اس روایت کی رو سے جوں ہی عورت خونِ حیض دیکھے فوراً فسخ نکاح کا مطالبہ کر دے" اگر رات کو خون دیکھے تو رات ہی کو زبان سے فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور صبح کو اپنی بات دوبارہ ظاہر کرے ۱۲

(حاشیہ صہٰذا) [1] قولہ المعتقۃ الخ. تا پر زبر کے ساتھ یعنی جس کو آقا نے آزاد کیا ہو اور آزادی سے پہلے چھوٹی یا بڑی عمر میں اس کا نکاح کر دیا تھا تو اُسے خیار عتق حاصل ہے کہ آزادی کے بعد سابق نکاح قائم رکھے یا توڑ دے اور یہ اختیار کئی امور میں خیار بلوغ سے مختلف ہے (۱) خیار عتق صرف باندی کو حاصل ہے غلام کو نہیں بخلاف خیار بلوغ کے کہ وہ مرد و عورت دونوں کو حاصل ہے (۲) خیار عتق سکوت سے باطل نہیں ہوتا ہے (۳) اس میں قضاء قاضی کی شرط نہیں (۴) یہ خیار آخر مجلس تک ممتد رہتا ہے (۵) اس میں خیار سے ناواقفی عذر ہے (۶) اعراض پر دلالت کرنے والی باتوں سے یہ خیار باطل ہو جاتا ہے بخلاف خیار بکر ثیب کے، کذا فی النہر ۱۲ عمدہ۔

[2] قولہ طلب العلم الخ. یہ مرفوع حدیث کے الفاظ ہیں جیسے ابن ماجہ، بیہقی، بزاز اور ابن عبد البر نے کتاب العلم میں روایت کیا ہے اس کے بیشتر طرق معلول ہیں البتہ بعض ائمہ نے بعض طرق کی تصحیح کی ہے. مزی کا قول ہے کہ اس کے طرق درجہ حسن تک پہنچتے ہیں "زین الدین عراقی" "تخریج احادیث احیاء العلوم" میں اس تفصیل سے بحث کی ہے اس حدیث میں علم سے مراد بقدر ضرورت علم ہے، اگر اس پر یہ شبہ ہو کہ "کل مسلم ومسلمۃ" کے عموم میں تو غلام اور لونڈی بھی شامل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ان دونوں پر بھی بقدر ضرورت فرض ہے لیکن اگر ان سے طلب علم میں کوتاہی ہو جائے تو انھیں معذور سمجھا جائے گا کیونکہ یہ آقا کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں مگر آزاد مرد و عورت کو معذور نہ سمجھا جائے گا ۱۲

[3] قولہ فان قیل الخ. حاصل ایراد یہ ہے کہ جس طرح آزاد کی جانے والی لونڈی کے لئے جہالت عذر ہے اسی طرح بکر بالغہ اور بالغ کے حق میں بھی جہل کو عذر ماننا چاہیے کیونکہ طلب علم تو مکلف پر فرض ہوگا اور تکلیف بلوغ کے بعد آتی ہے اس لئے چھوٹے بچے یا بچی پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا۔ بنا بریں ان دونوں کی خیار بلوغ سے ناواقفی کوتاہی شمار ہونی چاہیے ۱۲

[4] قولہ او یجب علی ولیہما الخ. یعنی جب بچہ سن بلوغ کے قریب پہنچ جائے تو بچے کے ولی پر واجب ہے کہ بالغ ہونے کے بعد کے متعلق علوم ضروریہ اُسے سکھائے اور ایسا بے کار رہنے نہ دے کہ دین کے احکام کچھ بھی نہ جانتا ہو۔ (باقی صہ آئندہ پر)

ولا ينبغي ان يترك سدىً قال النبي عليه السلام مُروا صبيانكم بالصلوٰة اذا بلغوا سبعًا واضربوهم اذا بلغوا عشرًا وخيار الغلام والثيب لا يبطل بلا رضاءٍ صريحٍ او دلالته الصريح ان يقول رضيت والدلالة ان يفعل ما يدل على الرضاء كالقُبلة واللمس واعطاء الغلام المهر وقبول الثيب المهر ولا بقيامهما عن المجلس وشرط[2] القضاء لفسخ من بلغ لا من عتقت فان في الاول الزام الضرر على الزوج بخلاف فسخ المعتقة فانه[3] منع زيادة الملك للزوج عليها فان اعتبار الطلاق عندنا بالنساء فاذا اعتقت صار الملك عليها بثلث تطليقات بعد ما كان بتطليقتين ويكون الفسخ امتناعًا عن هذا فلا يحتاج الى قضاء القاضي۔

ترجمہ:۔ یا لا محالہ ان کے ولی پر واجب ہے کہ انھیں تعلیم دلائیں اور یہ جائز نہیں کہ ان کو بے کار چھوڑ دیا جائے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم اپنے بچوں کو حکم کرو نماز کا جب وہ سات برس کو پہونچ جاویں اور مارو ان کو (ترک صلوٰۃ پر) جب وہ دس برس کو پہونچ جاویں"۔ اور لڑکے کا خیار اور ثیبہ لڑکی کا خیار (بلوغ کے وقت) باطل نہیں ہوتا جب تک وہ صراحۃً یا دلالۃً راضی نہ ہو جائیں۔ صراحۃً راضی ہونا یہ ہے کہ وہ زبان سے کہیں کہ ہم راضی ہوں اور دلالۃً رضا یہ ہے کہ وہ ایسا فعل کریں جس سے انکی رضا معلوم ہو۔ مثلاً ایک دوسرے کا بوسہ لے یا لمس کرے یا لڑکا مہر دے اور ثیبہ اس کو قبول کرے۔ اور باطل نہیں ہے خیار لڑکے اور ثیبہ کا مجلس سے کھڑے ہو جانے پر اور جب لڑکا لڑکی بالغ ہو جائیں تو نکاح فسخ کرنے کے واسطے قاضی شرط ہے اور جو لونڈی آزاد ہو تو اس کو نکاح فسخ کرنے کے لئے قاضی شرط نہیں کیونکہ پہلی صورت میں شوہر پر ضرر لازم کرنا پایا جاتا ہے (اور کسی پر ضرر لازم کر دینا بدون قضائے قاضی کے ممکن نہیں) بخلاف آزاد کردہ لونڈی کے فسخ نکاح کے کہ اس صورت میں لونڈی اپنے اوپر شوہر کی زیادتی ملک ثابت ہونے کو روکتی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک طلاق کا اعتبار عورتوں سے ہے تو جب لونڈی آزاد ہو گئی تو خاوند اس پر تین طلاق کا مالک ہوتا ہے حالانکہ اس سے پہلے جب لونڈی تھی تو دو ہی طلاق کا مالک تھا تو ہو جائے گا یہ فسخ نکاح زیادتی ملک کے ثبوت سے اپنے آپ کو بچانا، اور ایسی صورت میں (کہ دوسرے پر ضرر عائد نہ ہو) قضائے قاضی کی ضرورت نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ ص گذشتہ) چنانچہ عموماً بچوں کے ولی انہیں جاہلِ مطلق نہیں رہنے دیتے ہیں اس لئے بچے کا جہل عذر نہیں ہوگا ۱۲۔

(حاشیہ ص ہذا) [1] قولہ لا یبطل الخ۔ اس باب میں اصل بات ابتدائے نکاح کی حالت کا اعتبار ہے چنانچہ باکرہ لڑکی جب بالغہ ہو اور اس سے اذن لینے کے موقع پر وہ خاموش رہی تو اس کی خاموشی رضا ہے اسی طرح جب اس کو خیار بلوغ حاصل ہوا اور بالغ ہونے کے بعد خاموش رہی تو اس کی یہ خاموشی بھی رضا ہے علی ہذا القیاس لڑکا یا ثیبہ سے ابتدائے نکاح میں جب اذن لیا جائے تو ان کی خاموشی رضا نہیں ہوتی بلکہ رضائے قولی ضروری ہے۔ تو خیار بلوغ کے موقع پر بھی ان کا سکوت رضا نہ ہوگا۔ (بنایہ) ۱۲

[2] قولہ وشرط القضاء الخ۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی مرد یا عورت جو بھی ہو خیار بلوغ کی بنا پر نکاح فسخ کرنے کے لئے قاضی کے فیصلہ کی شرط ہے، فسخ نکاح پر باہم رضامند ہو جانے سے نکاح فسخ نہیں ہوگا لیکن آزاد کردہ باندی کے لئے فسخ نکاح کے بارے میں قضائے قاضی کی شرط نہیں ہے، وہ اپنا نکاح فسخ کرنے میں خود مستقل ہے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ۱۲

[3] قولہ فانہ منع زیادۃ الملک الخ۔ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک طلاق کا اعتبار عورتوں سے متعلق ہے چنانچہ خاوند چاہے آزاد ہو یا غلام جبکہ اس کی بیوی آزاد ہو تو شوہر تین طلاق کا مالک ہوتا ہے اور تیسری طلاق کے بعد ہی حرمت مغلظہ ثابت ہوگی جس کے بعد بغیر حلالہ کے بیوی حلال نہیں ہوتی اس کے برخلاف اگر بیوی لونڈی ہو تو شوہر خواہ آزاد ہو یا غلام وہ دو ہی طلاق کا مالک ہے اور دو طلاق کے بعد وہ قطعی طور پر بائنہ ہو جائے گی۔ اس تمہید سے ظاہر ہو گیا کہ آزاد کردہ باندی کو شرعاً جو خیار ملا ہے اس کا منشاء اپنے اوپر سے اس ضرر کو دفع کرنا ہے۔ (باقی ص آئندہ پر)

وان مات احدھما قبل التفریق بلغ او لا ورثہ الاٰخر لصحۃ النکاح بینھما والولی العصبۃ المراد العصبۃ بنفسہ ای ذکر یتصل بالمیت بلا توسط انثیٰ اما العصبۃ بالغیر کالبنت اذا صارت عصبۃ بالابن فلا ولایۃ لھا علیٰ امھا المجنونۃ وکذا العصبۃ مع الغیر کالاخت مع البنت لا ولایۃ لھا علیٰ اختھا المجنونۃ علیٰ ترتیب الارث والحجب ای قدم الجزء وان سفل.

ترجمہ:- اور اگر لڑکا یا لڑکی کوئی ان میں سے قاضی کے تفریق کرنے سے پہلے مرگیا تو دوسرا اس کا وارث ہوگا برابر ہے کہ بالغ ہونے کے بعد موت ہو یا بالغ ہونے سے پہلے اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان نکاح صحیح تھا۔ اور ولی وہ شخص ہے جو عصبہ ہو یہاں عصبہ سے مراد عصبہ بنفسہٖ ہے یعنی وہ مرد جو متصل ہو میت کے بغیر واسطہ عورت کے، لیکن عصبہ بالغیر (یعنی جو دوسرے کے سبب سے عصبہ بن جائے) مثلاً بیٹی جبکہ عصبہ ہو جائے بیٹے کی موجودگی کے سبب سے تو اس بیٹی کو اپنی دیوانہ ماں پر ولایت نکاح نہیں ہے، اسی طرح عصبہ مع الغیر کا حکم ہے (یعنی جو عورت دوسری عورت سے ملکے عصبہ ہو جائے) جیسے بہن، بیٹی کے ساتھ (ہونے کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہے) کہ اس بہن کو اپنی دیوانہ بہن پر ولایت نکاح نہیں ہے (غرض ولایت حاصل ہے عصبات کی) وراثت اور حجب کی ترتیب پر یعنی اولاً جزء مقدم ہے اگرچہ سلسلہ نیچے تک چلا جائے (مثلاً بیٹے، پوتے اور نیچے تک)

تشریح:- (بقیہ صہ گذشتہ) جو آزاد ہونے کے بعد خاوند کی زیادتی ملکیت سے اس پر عائد ہوتا ہے حالانکہ آزاد ہونے سے پہلے اس پر شوہر کو تیسری طلاق کی ملکیت حاصل نہیں تھی، تو اسے اختیار دیا گیا چاہے اس شوہر کے ماتحت رہنا مان لے اور تیسری طلاق کی زیادتی کو گوارا کر لے یا نکاح فسخ کر دے پس اس خیار سے فسخ نکاح میں شوہر پر کوئی حق لازم نہیں آتا بلکہ محض اپنے اوپر سے دفع ضرر ہے اور اس قسم کے معاملات میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہوتی ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ وان مات احدھما الخ یعنی زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے خواہ بوقت نکاح دونوں نابالغ ہوں یا ایک نابالغ ہو۔ خیار بلوغ کی بنا پر عقد نکاح فسخ کرنے سے پہلے تو دوسرا وارث ہوگا یعنی ان میں سے جو زندہ ہے وہ وارث ہوگا چاہے پہلے کی موت بلوغ سے پہلے ہو جائے یا بلوغ کے بعد ہو۔ کیونکہ نکاح سابق تو صحیح تھا اس لئے وراثت کی بنیاد موجود ہے باقی رہ گیا خیار فسخ کا حق حاصل ہونا در حقیقت یہ فسخ نکاح نہیں بلکہ صحت نکاح پر مبنی ہے کیونکہ اگر نکاح ہی صحیح نہ ہوتا تو خیار کس بات میں ہوتا بہرحال یہ حکم ہے تفریق واقع ہونے سے پہلے اگر موت ہو لیکن اگر تفریق کے بعد کسی کی موت واقع ہو تو دوسرا اس کا وارث نہ ہوگا کیونکہ موت کے وقت موجب وراثت (زوجیت کا قائم ہونا) متحقق نہیں ۱۲

سلہ قولہ لصحۃ النکاح بینھما الخ یعنی نکاح تو قطعی طور پر ثابت ہے اگرچہ لازم نہیں بخلاف نکاح فضول کے کہ اگر فضولی نکاح دے یعنی جو شخص ولی نہیں ہے وہ اگر کسی مرد و عورت کے درمیان بغیر ان کے اذن کے نکاح کر دے پھر ان دونوں میں سے کوئی ایک اجازت سے پہلے مر جائے تو دوسرا اس کا وارث نہ ہوگا کیونکہ نکاح فضولی منعقد نہیں ہوتا بلکہ موقوف رہتا ہے اس لئے اجازت سے قبل موت واقع ہونے سے باطل ہو جاتا ہے ۱۲

سلہ قولہ العصبۃ الخ عین و صاد دونوں پر فتحہ ہے۔ عصبہ وراثت کی تین اقسام میں سے ایک قسم ہے کیونکہ وراثت کا حصہ یا تو شروع میں مقرر اور فرض ہوتا ہے جیسے خاوند، بیوی، ماں، اخیافی بھائی وغیرہ ان سب کو ذوی الفروض کہا جاتا ہے، اور وہ وارث جو ذوی الفروض سے بچے ہوئے حصے لیتے ہیں اور تنہا ہونے کی صورت میں تمام مال حاصل کر لیتے ہیں انہیں عصبہ کہا جاتا ہے جیسے بیٹا، پوتا وغیرہ اور جو وارث نہ ذوی الفروض میں سے ہو اور نہ عصبہ میں سے اسے ذوی الارحام کہا جاتا ہے جیسے بہن کا بیٹا وغیرہ۔ کبھی ایک ہی وارث اختلاف احوال کے اعتبار سے ایک ہی ساتھ عصبہ اور ذوی الفروض میں سے ہو جاتا ہے مثلاً باپ میت کے بیٹے کے ساتھ ذوی الفروض میں سے ہے کہ اس کا چھٹا حصہ مقرر ہے اور میت کی بیٹی کے ساتھ وہ صاحب فرض یعنی چھٹے حصے کا حقدار اور عصبہ بھی ہے یعنی بیٹی کے نصف سے جو بچے گا وہ بحیثیت عصبہ پا جائے گا۔ بہرحال باب نکاح میں ولی وہ ہے جو عصبہ ہو سکتا ہے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

ثمّ الاصل وان علا ثمّ جزء الاصل القريب كالاخ ثم بنوه وان سفلوا ثم جزء الاصل البعيد كالعم ثم بنوه وان سفلوا ثمّ عمّ ابيه ثمّ بنوه وان سفلوا ثم عم جده ثم بنوه الاقرب فالاقرب ثمّ الترجيح بقوة القرابة اى قُدّم الاعياني على العلّاتي بشرط حُرّية وتكليف واسلامٍ في وليٍّ مسلم دون كافر ثم الام ثمّ ذو الرحم الاقرب فالاقرب ثم مولى الموالاة اى مَن لا وارث له والى غيره على انه ان جنى فارشه عليه وان مات فميراثه له ثم قاضٍ في منشوره ذلك اى كُتب في منشوره ان له ولاية التزويج۔

ترجمہ:۔ اس کے بعد اصل کا رتبہ ہے اگرچہ سلسلہ اوپر تک چلا جائے (یعنی باپ، دادا، پر دادا اور اوپر تک) پھر اصل قریب کے جزء کا رتبہ ہے مثلاً بھائی پھر بھائی کے بیٹے اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔ پھر اصل بعید کے جزء کا درجہ ہے مثلاً چچا پھر ان کے بیٹے نیچے تک، پھر باپ کا چچا پھر ان کے بیٹے نیچے تک، پھر دادا کا چچا پھر ان کے بیٹے نیچے تک، غرض قریب تر کے بعد دوسرا قریب تر ولی ہوگا پھر ترجیح ہوگی قوت قرابت کے اعتبار سے یعنی عینی مقدم ہوگا علاتی پر (اور عصبات کی ولایت کے لئے) شرط یہ ہے کہ ولی آزاد ہو، مکلف ہو اور مسلمان ہو جبکہ اولاد بھی مسلمان ہوں مگر کافر اولاد کے نکاح کے لئے ولی کا مسلمان ہونا شرط نہیں، پھر ان سب کے بعد ماں ولیہ ہے پھر ذوی الارحام ولی ہیں قریب تر کے بعد دوسرا قریب تر کے اصول پر پھر معاہدۂ دوستی کی رو سے جو دوست ہے وہی ولی ہے یعنی ایک شخص جس کا کوئی وارث نہیں اور اس نے دوسرے کے ساتھ اس شرط پر دوستی قائم کی کہ اگر مجھ سے جنایت ہو تو تم اس کا تاوان دوگے اور اگر میں مرگیا تو تم میرا وارث ہوگے ان سب کے بعد وہ قاضی ولی ہے جس کے فرمان قضا میں اس کا ذکر ہو یعنی بوقت تقرر فرمان شاہی میں اس کو ولایت نکاح کا اختیار دیا گیا ہو۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) خواہ وہ کسی حال میں ذوی الفروض میں سے نہ ہو جیسے بیٹا اور خواہ صاحب فرض ہونے کے باوجود عصبہ بھی ہو جیسے باپ ۱۲
سے قولہ والحجب الخ۔ لغت میں اس کے معنی منع اور رکاوٹ کے ہیں اور فرائض کی اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی معین شخص کو اس کے کل میراث یا بعض سے روکدینا دوسرے ایک شخص کی موجودگی کی وجہ سے تو اگر کل میراث سے روکدے تو اس کو حجب حرمان کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ بیٹا کی موجودگی پوتے کے حق میں اور باپ کی موجودگی بھائی کے حق میں مانع ارث ہے اور اگر بعض میراث سے روکدے تو اُسے حجب نقصان کہا جاتا ہے جیسا کہ ماں ثلث کا مستحق ہے لیکن بیٹے یا دو بھائی یا بہن کی موجودگی میں چھٹے حصے کی مستحق ہوتی ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہٰذا) ۱ے قولہ ثم الترجیح الخ۔ یعنی درجات برابر ہونے پر قوت قرابت کے لحاظ سے ترجیح دیجائے گی چنانچہ ایک قرابت والے کے مقابلہ میں دو قرابت والا زیادہ مستحق ہوگا، تو عینی بھائی۔ جو ایک ہی ماں باپ سے ہو۔ علاتی بھائی پر۔ جو صرف باپ شریک ہو اور ماں دوسری ہو، مقدم ہوگا جس طرح باب میراث میں عینی بھائی علاتی بھائی پر مقدم ہوتا ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اعیانی بھائی ہوتے ہوئے علاتی بھائی وارث نہیں ہوں گے (ابن ماجہ و ترمذی) ۱۲ عمدہ۔
سے قولہ بشرط حریۃ الخ۔ یعنی ولی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہو تو نہ غلام ولی بن سکتا ہے نہ صغیر اور نہ مجنون کیونکہ انہیں تو اپنے اوپر ہی ولایت حاصل نہیں تو دوسروں پر بدرجۂ اولیٰ ولایت نہ ہوگی اس لئے کہ دوسروں پر متعدی ہونے والی ولایت شاخ ہوتی ہے: اُس اصل ولایت کی جو اپنے اوپر ہوتی ہے جب یہ نہیں ہے تو وہ بھی نہیں ہو سکتی، نیز اس ولایت کا منشاء یہ ہے کہ جس پر ولایت ہو اس کی مصلحت و مفاد کا لحاظ رکھا جائے اور ان لوگوں کو ولایت ملنے سے یہ منشا حاصل نہیں ہو سکتا، اور کافر اس لئے ولی نہیں ہو سکتا کہ مسلمان مرد و عورت پر اس کو ولایت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا“ (اللہ تعالیٰ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر غالب نہیں کرے گا) (باقی صہ آئندہ پر)

والابعدُ یزوج بغیبۃ الاقرب مالم ینتظر الکفوُ الخاطبُ الخبرَ منہ وعلیہ الاکثر ومدۃ السفر عند جمع من المتأخرین اعلم ان للابعد ولایۃ التزویج عند غیبۃ الاقرب غیبۃً منقطعۃً وتفسیرھا عند الاکثر ما ذُکِر وھو قولہ مالم ینتظر ای مدۃ لم ینتظر الکفوُ الخاطب ثم عطف علی قولہ مالم ینتظر قولہ ومدۃ السفر عند جمع من المتأخرین وعلیہ الفتوی وولی المجنونۃ ابنہا ولو مع ابیہا بناءً علی ما ذکر ان الابن مقدم فی العصوبۃ علی الاب۔

ترجمہ:۔ اور ولی قریب غائب ہونے کی صورت میں ولی بعید کو نکاح دینے کا اختیار ہے جبکہ کفو کی طرف سے نکاح کا پیغام دینے والا ولی قریب کی واپسی کی خبر کا انتظار کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اکثر مشائخ کا یہی مسلک ہے اور فقہاء متاخرین کے ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ جب ولی قریب مسافت سفر کی دوری پر ہو تو ولی بعید نکاح دے سکتا ہے (واضح رہے کہ ولی بعید کو نکاح کی ولایت حاصل ہے جبکہ ولی قریب ایسا غائب ہو جس کو "غیبتِ منقطعہ" کہتے ہیں جس کی تفسیر اکثر مشائخ کے نزدیک وہی ہے جو مصنفؒ نے " مالم ینتظر" سے بیان کیا ہے۔ یعنی ولی قریب اتنی مدت کی مسافت میں ہو کہ نکاح کا خطبہ دینے والا کفو اس کے آنے کا انتظار کرنے کے لئے تیار نہ ہو، پھر مصنفؒ نے عطف کیا ہے اپنے قول " مالم ینتظر" پر " ومدۃ السفر عند جمع من المتاخرین" کے جملہ کو (یعنی مدت انتظار کا اعتبار نہیں بلکہ مدت سفر کی دوری کا اعتبار ہے) اور اسی پر فتوی ہے۔ اور دیوانہ عورت کا ولی اس کا بیٹا ہے اگرچہ اس کا باپ بھی موجود ہو۔ اس بنا پر کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ " عصبہ کی ترتیب میں بیٹا مقدم ہے باپ پر"

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) یہی وجہ ہے کہ مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان دونوں کے درمیان سلسلۂ وراثت چلتا ہے ۱۲

شلہ قولہ فی ولد مسلم الخ۔ یہ " اسلام" کی قید سے متعلق ہے یعنی مسلم اولاد کے نکاح میں ولی کا مسلم ہونا شرط ہے لیکن اولاد اگر کافر ہو تو اس کے کافر ولی کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالی نے فرمایا " والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض" کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ والابعد یزوج الخ۔ ہدایہ اور بنایہ میں ہے کہ جب ولی اقرب ایسا غائب ہو کہ اس کی واپسی کی خبر وغیرہ کا سلسلہ بالکل منقطع ہو تو ولی بعید کو حق حاصل ہے مثلاً باپ غائب ہونے کے موقع پر دادا نکاح کر دے سکتا ہے کیونکہ منوبیہ کی مصلحت دیکھنے ہی کے لئے یہ ولایت ہے اور اس میں مصلحت کی رعایت نہیں ہے کہ اس پر حق ولایت سپرد رکھا جائے جس کی رائے سے نفع مند ہونا ناممکن ہے اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے تو جس طرح ولی اقرب مرجانے سے بعید کو حق ولایت حاصل ہوتا ہے ویسے ہی غیبتِ منقطعہ میں بعید کو حق حاصل ہوگا لیکن اگر اقرب کی موجودگی میں ابعد نکاح کر دے تو یہ نکاح موقوف رہے گا اقرب کی اجازت پر ۱۲ عمدہ۔

٢ہ قولہ ولو مع ابیہا الخ۔ واو وصلیہ ہے۔ اس میں امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجنونہ کے نکاح کے معاملہ میں اگر اس کا بیٹا اور باپ جمع ہو جائے تو اس کا باپ ولی ہے۔ کیونکہ بیٹے کے مقابلہ میں باپ کو اپنی بیٹی پر شفقت زیادہ ہوتی ہے اور شیخین فرماتے ہیں کہ بیٹا بہ نسبت باپ کے عصبہ ہونے میں مقدم ہے اور یہ ولایت ترتیب عصبہ پر مبنی ہے اس لئے باپ ہوتے ہوئے بیٹا ولی ہوگا ۱۲

وتعتبر الکفاءۃ فی النکاح نسبًا فقریش بعضہم کفؤ لبعض والعرب بعضہم کفؤ لبعض ای العرب الذین لم یکونوا من قریش بعضہم اکفاء لبعض اعلم ان کل من ہو من اولاد نضر بن کنانۃ قریش واما اولاد من ہو فوق النضر فلا وانما خص الکفاءۃ فی النسب بالعرب لان العجم ضیعوا انسابہم وفی العجم اسلامًا فذوا ابوین فی الاسلام کفؤ لذی اباء فیہ ومسلم بنفسہ غیر کفوء لذی اب فیہ ولاذواب فیہ لذی ابوین فیہ وحریۃ فلیس عبد او معتق کفؤ الحرۃ اصلیۃ۔

ترجمہ:۔ اور نکاح میں کفارۃ (یعنی برابری) کا اعتبار ہے نسب کے لحاظ سے (اہل عرب کے حق میں) پس قریش کفو (یعنی برابر) ہیں ایک دوسرے کے اور عرب کفو ہیں ایک دوسرے کے، یعنی وہ عرب جو قریش خاندان میں سے نہیں ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں، یہ بات معلوم رہے کہ قریش وہ ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہے، لیکن جو لوگ کہ نضر سے اوپر لوگوں کی اولاد میں ہیں وہ قریش نہیں۔ اور نسب کی کفارت عرب میں اس واسطے خاص ہوئی کہ عجم کے لوگوں نے اپنے نسب ضائع کر دیئے اور اہل عجم میں کفارت باعتبار اسلام کے ہے، تو جس کے باپ اور دادا فقط مسلمان تھے وہ کفو ہے اس عورت کا جس کے باپ دادا پردادا وغیرہ بھی مسلمان تھے اور جو شخص کہ خود اسلام لایا ہے وہ کفو نہیں اس کا جس کا باپ مسلمان ہے اور جو شخص کہ اس کا فقط باپ مسلمان تھا وہ کفو نہیں اس کا جس کا باپ اور دادا بھی مسلمان تھے اور کفارت معتبر ہے باعتبار آزادی کے تو غلام یا آزاد کردہ شخص اس عورت کا کفو نہیں جو اصل سے آزاد ہے۔

تشریح:۔ لہ قولہ وتعتبر الکفارۃ الخ۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ خاوند اور بیوی میں تب ہی انتظام مصالح ہو سکتا ہے جبکہ دونوں میں باہم موافقت اور الفت ہو اور یہ بات عمومًا برابری میں ہوتی ہے کیونکہ جو عورت حسب ونسب میں شریف ہو اس کی طبیعت گوارا نہیں کرے گی کہ وہ کسی رذیل کی بیوی بن جائے اس لئے شارع نے بھی اس کا اعتبار کیا اور فرمایا "اپنے نطفوں کے لئے چن کر جوڑ حاصل کرو اور کفو میں نکاح کرو" (ابن ماجہ وحاکم) اس باب میں بکثرت روایات وارد ہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں مرد کی جانب کفارت کی رعایت بالاتفاق معتبر ہے۔ لیکن عورت کی جانب اس کی رعایت ضروری نہیں کیونکہ مرد تو فراش حاصل کرتا ہے اور فراش کی خساست عمومًا ناگوار نہیں ہوتی یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک عورت کی جانب بھی کفو کا اعتبار ہے "ظہیریہ" میں اسی طرح مذکور ہے مگر بدائع، نہر اور بحر میں اس کی تردید کی گئی ہے کہ عورت کی جانب کفو کا اعتبار نہ ہونا اتفاقی مسئلہ ہے اس میں ہمارے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ۱۲

سلہ قولہ نسبًا الخ یعنی خاندان کے لحاظ سے، دنیوی احکام میں اس کا اعتبار ہے کیونکہ اس کے ذریعہ باہمی فخر ومباہات ہوتا رہتا ہے اس لئے شریف عورت کسی رذیل کے ماتحت جانے سے عادۃً نفرت کرتی ہے اگرچہ محض یہ شرف آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ نفع مند نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی زیادہ عزت والا ہے جو زیادہ متقی ہے) اور حدیث میں ہے "جو عمل کے لحاظ سے پیچھے رہ گیا اسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا (مسلم)

سلہ قولہ لان العجم الخ۔ اس سے مراد جو عرب کے قبائل سے منسوب نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر موجودہ زمانے میں ہمارے شہر اور گاؤں میں بسنے والے لوگ ہیں خواہ وہ عربی بولتے ہوں یا نہ بولتے ہوں البتہ جن کا خاندان عرب کے قبائل سے منسوب ومعروف ہیں مثلاً خلفاء راشدین یا انصار وغیرہ سے ان کی خاندانی نسبت مشہور ہو تو اس کا اعتبار ہوگا۔ الحاصل چونکہ عجمیوں نے اپنا نسب ضائع کر دیا ہے اور ان کے یہاں شرافت نسب باقی رکھنے اور حاصل کرنے کا اتنا اہتمام نہیں ہے جتنا عرب میں پایا جاتا ہے اس لئے ان میں محض نسب کی برابری کا اعتبار نہیں بلکہ دوسرے اوصاف کے لحاظ سے برابری معتبر ہے ۱۲ عمدہ مختصرًا۔

ولا معتقٌ ابوہ کفوٌ لذات ابوین حُرین ودیانۃً[1] فلیس فاسق کفوًا لبنت الصالح وان لم یُعلِن فی اختیار الفضلی وعند بعض المشایخ الفاسق اذا لم یُعلن یکون کفوًا لبنت الرجل الصالح ومالًا[2] فالعاجز عن المھر المعجّل والنفقۃ لیس کفوًا للفقیرۃ وانّما[3] قال للفقیرۃ لدفع وھم مَن توھم ان الفقیر یکون کفوًا للفقیرۃ وکذا للغنیۃ بالطریق الاولی لانّ العجز عن اداء المھر والنفقۃ الواجبین متحقق فیہ مع زیادۃ التعییر والقادرُ علیھما کفوٌ لذات[4] اموال عظیمۃ ھو الصحیح۔

ترجمہ:۔ اور اسی طرح جس شخص کا فقط باپ آزاد کردہ غلام تھا وہ کفو نہیں جس کے باپ اور دادا دونوں آزاد تھے اور (کفارت معتبر ہے) باعتبار دینداری کے تو مرد فاسق اس عورت کا کفو نہیں جو نیک بخت شخص کی بیٹی ہے اگرچہ وہ فاسق اپنے فسق کو ظاہر نہ کرے اور یہی مختار ہے شیخ فضلی کا اور بعض مشائخ کے نزدیک فاسق اگر اپنے فسق کے کاموں کو ظاہر نہ کرتا ہو تو کفو ہو جائے گا مرد صالح کی بیٹی کا۔ اور (کفارت معتبر ہے) باعتبار مال کے تو جو شخص عاجز ہے مہر معجل کے ادا کرنے سے اور نان نفقہ دینے سے تو وہ کفو نہیں اس عورت کا بھی جو فقیرہ ہو اور مصنفؒ نے فقیرہ کی تصریح اس وہم کو دفع کرنے کے لئے کی ہے کہ کوئی خیال کر سکتا ہے کہ عورت جب فقیرہ ہو تو فقیر مرد اس کا کفو ہو جائیگا۔ (پس اس تصریح کے بعد) غنیہ عورت کا حکم بطریق اولی معلوم ہو گیا (کہ فقیر مرد کسی طرح اس کا کفو نہیں ہوگا) کیونکہ واجب مہر اور نفقہ کی ادائیگی سے عاجزی پائی جانے کے ساتھ (مالدار عورت کے حق میں) مزید برآں موجب عار و شرم ہے (کہ قلاش مرد سے شادی بیٹھ گئی) اور جو شخص کہ قادر ہے مہر معجل اور نفقے پر تو وہ کفو ہے اس عورت کا بھی جو مالدار ہے، یہی صحیح قول ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ ودیانۃ الخ یعنی دیانت کے اعتبار سے کفو معتبر ہوگا۔ یہ لفظ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد صلاح وتقوی اور مکارم اخلاق ہیں اس میں امام محمدؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ تدین ایسے امور میں سے ہے کہ جن کا ثمرہ آخرت میں ظاہر ہوگا اس لئے احکام دنیا کو اس پر مبنی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر خاوند کو فسق کے سبب سے ٹھٹھا مسخرہ کیا جاتا ہو یا وہ بدمست ہو کر بازار دن گھومتا پھرتا ہو تو وہ کفو نہ ہوگا اور شیخین فرماتے ہیں کہ تقوی تو اعلی درجہ کے قابل فخر امور میں سے ہے۔ اللہ تعالی کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے۔ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" اور عورت کو خاوند کے فسق کی بنا پر نسب عیب سے زیادہ عار دلائی جاتی ہے اس لئے اس کا اعتبار ضروری ہے، یہی صحیح قول ہے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے یہ تو عجمیوں کے بارے میں ہے۔ عرب کے بارے میں ایک قول کے مطابق دیانت کی کفارت کا اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ گذر چکا لیکن صحیح مذہب کے مطابق دونوں میں اس کا اعتبار ہوگا (ایضاح، نہر، بحر)

[2] قولہ ومالا الخ۔ یہ مصنفؒ کا قول "اسلاما" پر عطف ہے جیسا کہ مذکورہ "دیانۃ" اور "حرنۃ" اور سامنے کا "حرفۃ" کے الفاظ اس پر معطوف ہیں۔ مصنفؒ کے ظاہر کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان امور میں کفارت کا اعتبار عجمیوں کے ساتھ خاص ہے بعض فقہاء کا یہی قول ہے مگر صاحب بدائع، صاحب بحر وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ عرب کے حق میں بھی مال کی کفارت کا اعتبار ہے۔

[3] قولہ وانما قال الخ۔ یہ دفع دخل مقدر کے لئے ہے جس کی وضاحت یہ ہے کہ للفقیرۃ کہہ کر فقیر کی عدم کفارت کی قید لگانا لغو ہے کیونکہ وہ غنیہ کا کا بھی کفو نہیں بلکہ اس قید سے تو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ غنیہ کا کفو ہوگا حالانکہ حکم ایسا نہیں ہے۔ حاصل دفع یہ ہے کہ یہ قید اس لئے لگائی گئی کہ کوئی یہ وہم کر سکتا تھا کہ فقیر اور فقیرہ میں فقر کے اندر برابری ہونے کی وجہ سے باہمی کفارت ہوگی تو اس قید سے واضح کر دیا کہ فقر میں برابری ہونے کے باوجود ان میں کفارت نہیں ہوگی اس سے خود بخود بطریق اولی یہ معلوم ہو گیا کہ فقیر غنیہ کا کفو نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں برابری نہ ہونے کے علاوہ

[4] قولہ لذات اموال عظیمۃ الخ۔ یعنی ادائے مہر اور نفقہ پر قدرت ہونے کے بعد مقدار غنا میں مساوات کا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ کم مالدار آدمی بھی زیادہ مالدار کا کفو ہوتا ہے کیونکہ مال ایک ہاتھ میں ہمیشہ نہیں رہتا کتنے ایسے آدمی ہوتے ہیں کہ صبح کو غنی اور شام کو فقیر ہو گئے اور صبح کو فقیر شام کو غنی بن گئے اس لئے بڑا مالدار نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہاں اگر ادائے واجب سے بھی عاجز ہو تو اس کا اعتبار ہوگا۔

لان المال غادٍ ورائحٌ فلا يعتبر بعد ما الا ان يكون بحيث لا يقدر على اداء الواجب وهو المهر والنفقة وحرفةً فحائكٌ او حجام او كناس او دباغ ليس بكفوٍ لعطار او بزازٍ او صراف وبه يفتى وان نكحت باقل من مهرها اى من مهر مثلها فللولى الاعتراض حتى يتم او يفرق ووُقف نكاح فضولى وفضوليين على الاجازة اى يجوز ان يكون من جانب الزوج فضولى ومن جانب المرأة فضولى فيتوقف على اجازتهما ويتولى طرفي النكاح واحد ليس بفضولى من جانب.

ترجمہ:۔ کیونکہ مال تو آنے جانے والا ہے تو اس کے نہونے کا اعتبار نہیں مگر جب اتنا بھی نہ ہو کہ واجب مہر و نفقہ ادا کر سکے، اور درکفاءت معتبر ہے، باعتبار پیشے کے تو جولاہہ یا حجام یا جھنگی یا چمار کفو نہیں ہے عطر فروش یا پارچہ فروش یا ساہوکار کا اور اسی پر فتوی ہے اور اگر عورت نے اپنا نکاح کیا کم مہر سے۔ یعنی اپنے مہر مثل سے کم میں تو ولی کو حق اعتراض ہے یہاں تک کہ شوہر مہر پورا کرے یا تفریق کرادی جائے۔ اور نکاح ایک فضولی کا یا دو فضولی کا موقوف رہے گا اجازت پر (اس شخص کی جس کی طرف سے وہ فضولی ہے، یعنی ولایت و وکالت کے بغیر کسی کا نکاح کردینے والا "فضولی"، جس طرح ایک کی جانب سے ہو سکتا ہے اسی طرح) جائز ہے کہ شوہر کی جانب سے ایک فضولی ہو اور عورت کی جانب سے دوسرا فضولی ہو تو اس صورت میں دونوں کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔ اور ایک ہی شخص نکاح کی دونوں جانب کا متولی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی طرف سے فضولی نہ ہو۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ لیس بکفوٍ الخ. ملتقی الابحر اور اس کی شرح میں ہے کہ جولاہا یا حجام یا جھاڑو دار یا دباغت دینے والا یا نائی یا طبیب حیوانات یا لوہار یا ظروف ساز جیسے حرفت والے عطار، بزاز، یا صراف کے کفو نہیں ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حرفتوں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم کے حرفت والے دوسری قسم کے کفو نہیں ہیں مگر ایک نوع کے حرفت والے باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں اور اس پر فتوی ہے (زاہدی) چنانچہ بحر میں مذکور ہے کہ دونوں کا ایک ہی حرفت والا ہونا ضروری نہیں بلکہ قریب قریب ہونا کافی ہے پس جولاہا، حجام کا کفو ہے اور چمڑا رنگنے والا، جھاڑو دار کا کفو ہے اور کانسی تانبے کا ظروف ساز لوہار کا کفو ہے اسی طرح دوا فروش، کپڑا فروش کا کفو ہے، فتح القدیر میں ہے کہ عرف عام میں کسی پیشے کو دوسرے کے مقابلہ میں ناقص سمجھنا اس کا سبب ہے چنانچہ اسکندریہ وغیرہ میں جولاہا عطار کا کفو ہو سکتا ہے کیونکہ وہاں جولاہے کے پیشہ کو شریف سمجھا جاتا ہے البتہ دوسرا کوئی حقارت آمیز سبب ہو تو الگ بات ہے اور بنایہ میں ہے کہ جھاڑو دار، حجام، رنگریز، پہرہ دار، سائیس، چرواہا اور نہلانے والا۔ یہ سب کفو نہیں ہیں۔ درزی کی بیٹی کے لئے اور درزی کفو نہیں ہے پارچہ فروش اور تاجر کی بیٹی کے لئے، اور یہ دونوں عالم اور قاضی کی بیٹی کے لئے کفو نہیں ہیں اسی طرح جولاہا کفو ہے کسان کی بیٹی کے لئے اگرچہ وہ فقیرہ ہو۔

۲؎ قولہ حتی یتم الخ. یہ معروف کا صیغہ اتمام سے ہے ضمیر زوج کی طرف راجع ہے یعنی زوج مہر مثل مکمل کردے اور ممکن ہے کہ مجہول کا صیغہ ہے تو ضمیر راجع ہوگی لفظ "مہر" کی طرف، اور یفرق کا لفظ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے یعنی تفریق کردی جائے گی اور بصیغہ معروف بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر ولی کی جانب ہوگی یعنی ولی خاوند اور بیوی کے درمیان تفریق کردے۔ اور اس کی جانب اس لئے نسبت ہے کہ وہی اس کا باعث ہوا اور نہ حقیقت میں قاضی ہی تفریق کرنے والا ہوتا ہے اور جب تک قاضی تفریق کا فیصلہ نہ کردے تو طلاق، ظہار، ایلاء اور میراث کا حکم باقی رہتا ہے (سراج الوہاج) اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر زوج کی جانب ہو یعنی خاوند ہی اس عورت اور اپنے درمیان تفریق کردے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یفرق کا صیغہ ثلاثی مجرد کا ہو اور ضمیر زوج کی طرف ہو یعنی خاوند اس عورت سے جدا ہو جائے۔

۳؎ قولہ فضولی الخ. یہ فضول کی طرف نسبت ہے، بحر میں ہے کہ یہ وہ ہے جو بغیر ولایت اور وکالت کے دوسرے کے لئے کوئی تصرف کرتا ہے یا اپنے ہی کے لئے کرتا ہے لیکن وہ اس کا اہل نہیں ہے اور ہم نے اس کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ غلام کا نکاح بغیر اذن مولی کے اس میں داخل ہو جائے، یعنی وہ بھی اہلیت نہ ہونے کے سبب فضولی ہے ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ حکم میں وہ فضولی کے ساتھ ملحق ہے۔

۴؎ قولہ لیس بفضولی الخ. یہ جملہ صفت ہے واحد کی یعنی ایک شخص کا طرفین نکاح کے لئے ذمہ دار ہونا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ای یتولّی واحدُ الایجابَ والقبول ولایشترط ان یتکلم بهما فان الواحد اذا کان وکیلا منهما فقال زوّجتُها ایاہ کان کافیًا وهو علی اقسام اما ان یکون اصیلا وولیًّا کابن العم یزوّج بنت عمّه الصغیرة او اصیلا ووکیلا کما اذا وکلت رجلا بان یزوجها نفسه فزوجها من نفسه او ولیا من الجانبین کالجد یزوّج لابن ابنه بنتَ ابنه الآخر ولیس لهما ابوان او وکیلا من الجانبین او ولیا من جانب ووکیلا من جانب ولا یجوز ان یکون الواحد فضولیًّا کما اذا کان اصیلا وفضولیًّا او ولیًّا من جانب وفضولیا من جانب او وکیلًا من جانب وفضولیا من جانب او فضولیا من الجانبین وصحّ نکاح امةٍ زوّجها من اُمر بنکاح امرأة لآمره ای ان وکل ان یزوّجه امرأة فزوّجه امتهٖ صحّ۔

ترجمہ:۔ یعنی ایک ہی شخص ایجاب وقبول دونوں انجام دے سکتا ہے اور اس کی کوئی شرط نہیں کہ دونوں لفظ علیحدہ علیحدہ بولے لہذا جب کوئی شخص دونوں کی طرف سے وکیل ہو اور وہ یوں کہے کہ "میں نے اپنی موکلہ کا فلاں مرد سے نکاح کر دیا" تو یہ کافی ہے اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) ایک ہی شخص اصیل (یعنی خود نکاح کرنے والا) اور ولی دونوں ہوں، مثلاً چچا کا بیٹا اپنے ساتھ نکاح کرے اپنے چچا کی نابالغ بیٹی کا (۲) ایک ہی شخص اصیل اور وکیل دونوں ہو، جیسا کہ کسی عورت نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ اس عورت کو اپنے ساتھ نکاح کرے اور اس نے اپنے ساتھ نکاح کیا۔ (۳) ایک ہی شخص دونوں طرف سے ولی ہو جیسے دادا اپنے ایک بیٹے کی لڑکی کا نکاح دوسرے بیٹے کے لڑکے سے کر دے جبکہ دونوں کے باپ موجود نہ ہو (۴) ایک ہی شخص دونوں کی طرف سے وکیل ہو (۵) یا ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو۔ اور فضولی ہونے کی صورت میں ایک ہی شخص کا طرفین نکاح کے متولی ہونا درست نہیں. مثلاً (۱) ایک طرف سے اصیل اور دوسری طرف سے فضولی ہو یا (۲) ولی ہو ایک طرف سے اور فضولی ہو دوسری طرف سے یا (۳) ایک طرف سے وکیل ہو اور دوسری طرف سے فضولی ہو یا (۴) دونوں طرف سے فضولی ہو۔ اور صحیح ہے نکاح کر دینا باندی کا اس شخص کے ساتھ جس نے کسی کو حکم کیا کہ تو کسی عورت سے میرا نکاح کر دے اور اس نے باندی سے اس کا نکاح کر دیا یعنی کسی نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ تو کسی عورت سے میرا نکاح کر دے، وہ اس نے باندی سے اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اور ایک ہی کلام سے ایجاب وقبول کا انجام پانا اسی وقت معتبر ہے جبکہ وہ شخص کسی جانب سے بھی فضولی نہ ہو اگر کسی ایک کے حق میں بھی فضولی ہوا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اس کی احتمالی صورتیں چار ہو سکتی ہیں جن کی تفصیل خود کتاب میں وضاحۃً موجود ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ او فضولیا من الجانبین الخ یعنی اگر بیوی کسی کی طرف سے نہ وکیل ہے اور نہ ہی ولی ہے بلکہ بحیثیت فضولی نکاح دے ان تمام صورتوں میں عدم جواز نکاح کا سبب یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی شخص کے کلام سے مکمل ہونا اس پر مبنی ہے کہ وہ شخص یا تو دونوں طرف سے مامور ہو یا ایک طرف سے مامور ہو اور دوسری طرف کی ولایت اُسے حاصل ہو اور جب یہ بات نہ ہوگی تو نکاح بھی منعقد نہ ہوگا ۱۲

۲؎ قولہ وصح نکاح امۃ الخ یعنی بغیر توقف کے نافذ ہوگا۔ یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ آمر کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہ ہوگا کیونکہ کلام مطلق عرف عام مراد ہوتا ہے اور وہ کفو کے ساتھ نکاح کرنا ہے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ وکیل بنانے کا لفظ تو مطلق ہے اور اصل یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہے، اور صاحبین کا قول دلیل استحسان پر مبنی ہے امام ابو اللیث اور طحاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے، اس مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبین کے نزدیک عورت کی جانب سے کفاءت کا اعتبار ضروری ہے (ہدایہ) ۱۲ (بقیہ صفحہ ۵)

وانکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المهر اومن غیر کفوٍ لا لغیرهما ای لا یصح لغیر الاب والجد انکاح الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المهر اومن غیر کفوٍ اتفاقاً وجواز انکاحهما للاب والجد بالغبن الفاحش اومن غیر کفوٍ مذهب ابی حنیفۃ خلافاً لهما ای لو فعل الاب والجد عند عدم الاب لا یکون للصغیر والصغیرۃ حق الفسخ بعد البلوغ وان فعل غیرهما فلهما ان یفسخا بعد البلوغ ولا نکاح واحدۃٍ من اثنتین زوجهما المامور بواحدۃ للامر ای امرا خران یزوجه امرأۃ فزوجه امرأتین بعقد واحد لا یصح نکاح کل واحدۃ منهما اما اذا زوج بعقدین فالاول صحیح دون الثانی۔

ترجمہ:۔ اور درست ہے نکاح کردینا باپ کا اور باپ نہ ہونے کی صورت میں دادا کا اپنے نابالغ لڑکا یا لڑکی کو مہر کے اندر غبن فاحش (انتہائی نقصان) گوارا کرکے یا غیر کفو سے لیکن ان کے سوا دوسرے اولیا کو یہ حق نہیں یعنی باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی اگر نابالغ لڑکا یا لڑکی کا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو سے نکاح کریں تو بالاتفاق یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور باپ دادا کے لئے نابالغ اولاد کا غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو سے نکاح کردینے کا جواز امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، صاحبین کا اس میں اختلاف ہے، بہر حال (امام صاحب کے نزدیک) اگر باپ نے یا دادا نے باپ کی عدم موجودگی میں ایسا نکاح کردیا تو بالغ ہونے کے بعد اس لڑکا یا لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر دوسرے کسی ولی نے اس طرح نکاح کردیا ہو تو بالغ ہونے کے بعد ان کو نکاح فسخ کرنے کا حق رہے گا۔ اور اگر کسی نے ایک شخص کو حکم کیا کہ کسی ایک عورت سے میرا نکاح کردے اور اس نے دو عورتوں سے نکاح کردیا تو ایک کا بھی نکاح صحیح نہیں ہوا یعنی کسی نے حکم دیا دوسرے کو کہ اس کا نکاح کسی عورت سے کردے اور اس نے ایک ہی عقد میں دو عورتوں سے اس کا نکاح کردیا تو دونوں میں سے کسی کا بھی نکاح درست نہیں ہوا، ہاں اگر دو عقدوں میں دو عورتوں سے نکاح کیا تو اول عقد درست ہے اور دوسرا صحیح نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) ۱۵ قولہ بنکاح امرأۃ الخ یعنی مطلق عورت سے نکاح کردینے کا حکم کیا کسی مقررہ عورت سے نہیں، اور اگر اس نے ایک متعینہ عورت یا آزاد عورت یا باندی سے نکاح کا حکم دیا تھا پھر اس نے اس کے خلاف کیا یا کسی عورت نے نکاح کا حکم دیا تھا اور متعین نہیں کیا اب اس نے غیر کفو سے نکاح کردیا یا تو کسی مرد ہی نے ایک مطلق عورت کے ساتھ نکاح کا اسے وکیل بنایا تھا اور اس نے اپنی چھوٹی سی بچی سے اس کا نکاح کردیا، ان تمام صورتوں میں بالاتفاق نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ امر کے خلاف ہوا یا تہمت پائی گئی یا جو کفاءت بالاتفاق معتبر ہے وہ نہیں پائی گئی (در مختار) ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱ے قولہ وانکاح الاب والجد الخ "نکاح امۃ" پر اس کا عطف ہے یعنی چھوٹے لڑکے لڑکی کا نکاح باپ کرے تو درست ہے اسی طرح باپ نہ ہونے کی صورت میں اگر دادا کرے تو بھی درست ہے خواہ مہر میں غبن فاحش ہو۔ لڑکے کے حق میں غبن فاحش یہ ہے کہ مہر حد سے زیادہ مقرر کرے اور لڑکی کے حق میں غبن فاحش یہ ہے کہ مہر مثل سے بہت کم مہر میں نکاح دیدے جسے عام طور پر لوگ گوارا نہ کرتے ہوں، بہر صورت نکاح صحیح اور لازم ہوگا حتی کہ دونوں کو بالغ ہونے کے بعد بھی فسخ کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ باپ، دادا دونوں رائے میں کامل اور پوری شفقت والے ہوتے ہیں اس لئے جیسے بھی نکاح کردیں ان کا نکاح لازم ہوگا، ہاں اگر وہ فسق یا جنون کے باعث بداختیاری میں معروف ہوں تو بالاتفاق ان کا اس طرح نکاح دینا درست نہ ہوگا، اسی طرح چھوٹے غلام لڑکے یا لڑکی کا نکاح اگر ان کا آقا کردے پھر وہ ان کو آزاد کردے تو بالغ ہونے کے بعد ان کو خیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ مولیٰ کی ولایت کامل ہوتی ہے ۱۲

۲ے قولہ لا لغیرہما الخ۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ باپ، دادا کے علاوہ مثلاً بھائی اپنے نابالغ بھائی کا نکاح اگر غیر کفو سے کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔

(باقی صہ آئندہ پر)

بابُ المهر

اَقلہ عشرۃ دراھم ھٰذا عندنا واما عند الشافعیؒ کل مایصلحُ ثمنا یصلحُ مھرا سواء کان عشرۃ دراھم او اقلّ منہا او ما فوقہا وتجب ھی ان سُمّی دونہا وان سُمّی غیرہ
ای زاد علیہا ۱۲ عمدہ ای کانا دخل بہا فان طلقہا قبل الدخول تجب نصفہ ۱۲ عمدہ
ای غیر دون عشرۃ دراھم.

یہ باب مہر کے بیان میں ہے

ترجمہ: ــــــ مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے یہ ہمارا مذہب ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہے نکاح میں وہ مہر ہو سکتی ہے خواہ دس درہم ہوں یا اس سے کم یا اس سے زیادہ، اور اگر دس درہم سے کم مہر باندھا تو دس درہم دینا پڑیں گے اور اگر اس کے علاوہ کوئی مقدار مقرر کیا یعنی دس درہم سے کم نہیں۔

تشریح: (بقیہ صگذشتہ) اس پر شرنبلالی نے شبہ کیا ہے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مرد کے حق میں کفارت کا اعتبار نہیں ہے تو پھر مذکورہ صورت میں کیوں نکاح درست نہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مرد کے حق میں کفارت معتبر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد اگر خود سے اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے تو ولی کو اعتراض کا حق نہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ولی نابالغ لڑکے کا نکاح غیر کفو سے بھی کر سکتا ہے اس لئے یہ نکاح ناجائز ہے ۱۲

ﷺ قولہ فلہما ان یفسخا الخ. یہ بحث طالب مسئلہ ہے جسے علامہ تفتازانی نے تلویح میں اور ابن الکمال نے ذکر کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مصنفؒ کی اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ دوسرا کوئی اگر چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح غیر کفو میں یا غبن فاحش سے کر دے تو صحیح ہوگا البتہ لازم نہ ہوگا حالانکہ کتب معتبرہ کی تصریح کے مطابق ایسا نکاح مطلقاً صحیح نہ ہوگا نہ لزوماً نہ موقوفاً. پس اس مقام میں شارح سے وہم ہوا ہے منشار وہم یہ ہے کہ باپ، دادا کے نکاح دینے کے مسئلہ میں متن کتاب کے اندر "حکم صحت" کو شارح نے لزوم پر محمول کیا ہے اور "لالغیرہما" میں جو نفی واقع ہے اس کو نفی لزوم پر محمول کیا ہے، حالانکہ محیط اور فتاوی ابو اللیث وغیرہ معتبر کتب فقہ میں تصریح ہے کہ غیر کفو اور غبن فاحش سے اگر غیر اب وجد نکاح دے تو سرے سے صحیح ہی نہیں ہوگا کافی وغیرہ میں اسی قول کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے اس لئے مصنف کے کلام کو قول ضعیف پر محمول کرنا مناسب نہیں، حق بات یہ ہے کہ متن کی نفی دراصل مطلقاً صحت کی نفی پر محمول ہے نہ کہ نفی لزوم پر ۱۲

ﷺ قولہ ولانکاح واحدۃ الخ. یہ اس صورت میں ہے جبکہ موکل نے وکیل کو کسی معین عورت کی نسبت نہیں کہا، اور اگر موکل نے کسی معین عورت سے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا مگر اس نے وہ معین عورت اور دوسری ایک عورت ایک ہی عقد میں نکاح کر دیتی تو اس معینہ عورت میں نکاح نافذ ہوگا اور اگر دو عورتیں دو عقدوں میں نکاح کیں تو اول کا نکاح لازم ہوگا اور دوسری کا نکاح موقوف رہے گا اس واسطے کہ اس کے نکاح میں وہ شخص فضولی ہے

(حاشیہ صفحہ ہذا) ﷺ قولہ باب المہر الخ. یہ میم کے فتحہ سے، مہر سے مراد وہ شئی ہے جو کہ خاوند کی طرف سے بیوی کو اس کے منافع بُضعہ کے حصول کے عوض دیا جاتا ہے ہمارے نزدیک مہر، مال یا ایسی چیز ہونی ضروری ہے جو مال کے حکم میں داخل ہو لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مال ہونا ضروری نہیں بلکہ قرآن مجید پڑھا دینا اور اس قسم کی چیز بھی مہر بن سکتی ہے، امام شافعیؒ نے بعض ان روایتوں سے دلیل پکڑی ہے جن میں تعلیم قرآن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر قرار دیا ہے (بخاری ومسلم) اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم الآیۃ" تو اللہ تعالیٰ نے ابتغاء یعنی عقد نکاح کو مال کے ساتھ وابستہ کیا ہے کیونکہ باموالکم کے باء الصاق کے لئے ہے اس سے معلوم ہوا کہ مال سے خالی عقد صحیح نہیں۔ اور امام شافعیؒ کے استدلال کا تدرے جواب سامنے آئے گا، تفصیل جوابات مطولات میں ہیں ۱۲

ﷺ قولہ ہذا عندنا الخ. صاحب ہدایہ نے فرمایا ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس درہم سے کم مہر نہیں ہے جسے دار قطنی اور بیہقی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے اسی طرح حضرت علی سے موقوفاً مروی ہے کہ "چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا دس درہم سے کم میں اور مہر نہیں ہوگا کم میں دس درہم سے"، اس مضمون کی اور بھی روایتیں ہیں. اگرچہ ان کی سندیں ضعیف ہیں مگر متعدد ضعیف روایتیں اکٹھی ہو جانے سے حدیث حسن شمار ہوتی ہے جو کہ قابل استدلال ہے ۱۲

ﷺ قولہ ان سمی دونہا الخ. یہ تسمیہ سے ہے یعنی اگر عقد کے وقت دس درہم سے کم مہر ذکر کیا جائے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وهو اما العشرة او ما فوقها فالمسمّى[1] عند الوطی او موت احدهما و نصفه[2] بطلاق قبل وطی و خلوة صحت ای الخلوة الصحیحة و سیجیٔ تفسیرها فان قلت لِمَ لم یکتف بقوله قبل خلوة صحت فانه اذا کان قبل الخلوة الصحیحة کان قبل الوطی قلت لا نسلم فانه یمکن ان یکون قبل الخلوة الصحیحة و لا یکون قبل الوطی بان وطی بلا خلوة صحیحة نحو ان وطی مع وجود المانع الشرعی کصوم رمضان و نحوه و صح النکاح بلا ذکرهٖ[3] و مع نفیه و بخمر و خنزیر و بهذا الدن من الخل فهو خمر و بهذا العبد فهو حر۔

ای یجب کل المسمی ۱۲ ع ای الزوج او الزوجۃ ۱۲ عمدہ بلا صفۃ للخلوۃ ۱۲ ای الخلوۃ الصحیحۃ ۱۲ عمدہ ای الطلاق ۱۲ عمدہ ای الطلاق ۱۲ عمدہ سبو چہ ۱۲ عمدہ ای الذی اشار الیہ ۱۲ عمدہ ای المشار الیہ بهذا العبد ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ بلکہ دس درہم یا دس سے زیادہ تو جتنا معین کیا اتنا دینا پڑے گا صحبت کرنے سے یا خاوند اور جورو میں سے کسی ایک کے مرجانے سے، اور نصف مہر واجب ہے اگر طلاق دیدے وطی سے پہلے یا خلوت صحیحہ سے پہلے، اور خلوت صحیحہ کا بیان سامنے آئے گا۔ اگر تم کو شبہ ہو کہ اس مقام میں مصنفؒ نے "قَبْلَ خِلْوَةٍ صَحَّتْ" ہی پر کیوں نہ اکتفا کیا۔ اس لئے کہ طلاق جب خلوت صحیحہ سے پہلے ہوگی تو لازمی طور پر وطی سے پہلے ہوگی (پس قبل وطی کا لفظ بڑھانا لاحاصل ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الزام ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ممکن ہے کہ خلوت صحیحہ سے پہلے ہو مگر وطی سے پہلے نہ ہو یعنی بلا خلوت صحیحہ وطی کا تحقق ہو جائے اس کی صورت یہ ہے کہ مانع شرعی ہوتے ہوئے مثلاً رمضان کا روزہ وغیرہ مانع کی موجودگی میں وطی کرلے تو وطی پائی گئی مگر خلوت صحیحہ نہیں پائی گئی کیونکہ صحت خلوت کے لئے مانع شرعی نہ ہونا شرط ہے اور صحیح ہے نکاح بغیر ذکر کرنے مہر کے یا اس شرط سے کہ مہر نہیں ہے یا بدلے میں شراب کے یا بدلے میں سور کے یا اس سرکے کے مٹکے سے (اور اس کی طرف اشارہ کیا) اور وہ شراب نکلی، یا اس غلام کے بدلے (اور اس کی طرف اشارہ کیا) اور وہ آزاد نکلا۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) تو دس درہم ہی لازم ہوگا اور کم کا ذکر لغو ہو جائے گا کیونکہ شریعت نے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے کم نہیں ہو سکتا اب مجموعہ دس کو تجزیہ کرنے سے بھی کل ہی معتبر ہوگا جیسے نکاح کی نسبت بعض اجزاء بدن کی طرف کرنے سے کل ہی پر صحیح ہوتا ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ عند الوطی الخ۔ واضح رہے کہ مہر عقد کے ساتھ واجب ہوتا ہے اگر متعین کیا تب معینہ مقدار ورنہ بحکم شرع مہر مثل واجب ہے پھر تین اشیاء میں سے کسی ایک سے مہر مؤکد اور پختہ ہوتا ہے (۱) دخول (۲) خلوت صحیحہ (۳) زوجین میں سے کسی ایک کی موت، اس سے معلوم ہو گیا کہ وطی سے مہر واجب نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہر عبارت سے وہم ہوتا ہے بلکہ پختہ ہوتا ہے ۱۲

[2] قولہ و نصفہ الخ۔ یہ "مسمی" پر عطف ہے اور اس کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی اگر مرد نے وطی سے پہلے طلاق دیدی تو نصف مہر واجب ہے۔ کیونکہ حق تعالٰے کا ارشاد ہے "وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم" اور مہر وغیرہ معاملات میں خلوت بھی شرع میں وطی کا حکم رکھتی ہے اور نصفہ کی ضمیر میں اس کا بھی احتمال ہے کہ دوسرے مسئلہ میں مذکور "مسمی" اور پہلی صورت کا "عشرہ" ہر ایک کی طرف راجع ہو کیونکہ دس سے کم ذکر کرنے سے بحکم شرع دس لازم ہے تو گویا اس صورت میں بھی حکمی طور پر "مسمی" دس بن گیا اب وطی سے پہلے طلاق دینے سے اس کا نصف (پانچ) واجب ہوگا ۱۲

[3] قولہ بلا ذکرہ الخ۔ یعنی عقد کے وقت، اس صورت اور عقد کے موقع پر نفی مہر کی صورت میں نکاح صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نکاح منعقد ہونے کے لئے ذکر مہر شرط نہیں ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے "لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة" جو فرضیت مہر سے پہلے طلاق کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے اور نکاح منعقد ہوئے بغیر طلاق ممکن نہیں تو معلوم ہوا کہ مہر کے ذکر اور تعیین کے بغیر بھی نکاح درست ہے جو مطلقاً عدم ذکر اور نفی مہر دونوں کو شامل ہے اور جب ان دونوں صورتوں میں نکاح صحیح ہے تو اس صورت میں بھی نکاح صحیح ہوگا جبکہ مہر میں ایسی چیز کا ذکر کیا جس کی کچھ قیمت نہیں ہوتی مثلاً "شراب، خنزیر وغیرہ جو شرعاً متقوم نہیں۔ (باقی صہ آئندہ پر)

وبثوب وبدابة لم يبين جنسهما وبتعليم القرآن وبخدمة الزوج الحر لها سنة وانما قيد بالحر لانه لو كان عبداً تجب الخدمة وسيجئ وفي تزويج بنته او اخته منه على تزويج بنته او اخته منه معاوضةً بالعقدين اي صح النكاح في صورة تزويج بنت منه وقوله معاوضةً يمكن ان يكون تمييزاً او حالاً عن التزويج اي حال كون التزويج تعويضاً لهذا العقد بذلك العقد ولذلك العقد بهذا و لزم مهر مثلها في الجميع عند وطي او موت۔

ترجمہ:۔ یا ایک کپڑے یا ایک جانور کے بدلے اور ان کی صفت بیان نہ کی یا تعلیم قرآن کے بدلے یا اس بات پر کہ خاوند آزاد، اس کی ایک سال خدمت کرے، آزاد کی قید اس لئے لگائی کہ خاوند اگر غلام ہو تو خدمت مہر ہو سکتی ہے اور خدمت بجالانی اس پر واجب ہے یہ مسئلہ سامنے آجائے گا. یا کسی سے اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح کر دیا اس شرط پر کہ وہ بھی اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کردیوے اس طور پر کہ ایک عقد بدلا ہو جائے دوسرے عقد کا یعنی اپنی لڑکی اس سے نکاح کر دینے کی شرط پر نکاح کرنا درست ہے اور مصنف کا قول " معاوضۃ" لفظ تزویج کی تمیز واقع ہے یا تو حال ہے یعنی تزویج اس حال پر ہو کہ یہ عقد اس عقد کا معاوضہ قرار دیا جائے اور وہ عقد اس عقد کا بدلہ قرار پائے۔ اور ان تمام صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا جبکہ وطی پائی جائے یا دونوں میں ایک مرجائے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اسی طرح جس کی قیمت معلوم نہ ہو مثلاً مطلق کپڑا یا چوپایہ کا نام لیا اور متعین نہیں کیا، ویسے ہی اگر ایسی چیز کا ذکر کیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو جیسے کہ قرآن مجید کی تعلیم کیونکہ یہ تو مال نہیں ہے اور مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے ۱۲۔

سلہ قولہ وبہذا الدن الخ. دال مہملہ کے زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ کچی مٹی یا ٹھیکرے کا گھڑا، اس کا ذکر اتفاقی ہے منشا یہ ہے کہ مہر کا ذکر تو کرے مگر شئی حرام کی طرف اشارہ کرے تو بھی نکاح صحیح ہے اور اگر ایسی چیز کا ذکر کیا جو مہر بننے کے قابل نہیں مگر جس کی طرف اشارہ کیا وہ مہر بننے کے صالح ہے مثلاً کہا اس آزاد کے بدلے میں پھر معلوم ہوا کہ یہ مشار الیہ آزاد نہیں بلکہ غلام ہی ہے تو قول اصح میں یہ غلام مہر میں دینا پڑے گا. اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) مشار الیہ اور مذکور دونوں ہی حرام ہوں (۲) دونوں حلال اور مختلف ہوں (۳) مذکور حرام ہو اور مشار الیہ حلال ہو (۴) مذکور حلال اور مشار الیہ حرام ہو اب جس صورت میں کہ دونوں حرام ہوں یا مشار الیہ حرام ہو تو مہر مثل واجب ہے اور باقی دونوں صورتوں میں تسمیہ صحیح ہوگا ۱۲ بحر و نہر۔

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ وفی تزویج الخ. اس نکاح کو نکاح شغار کہا جاتا ہے یہ لفظ شین کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کے معنی خالی ہونا چنانچہ " بلدۃ شاغرۃ" کہا جاتا ہے جبکہ وہ شہر بادشاہ سے خالی ہو جاوے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی محرم عورت کا نکاح اس سے کر دیگا اور یہی معاوضہ مہر ہوگا ۱۲۔ مغرب۔

سلہ قولہ صح النکاح الخ. فتح القدیر میں ہے کہ ہمارے نزدیک اس عقد کا حکم یہ ہے کہ نکاح صحیح ہے اور تسمیہ فاسد ہے اس لئے مہر مثل واجب ہوگا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ عقد سراسر باطل ہے دلیل نقلی اور عقلی دونوں کی رو سے نقلی دلیل یہ ہے کہ (۱) صحاح ستہ میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ بھی اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کر دیگا اور دونوں میں اس کے علاوہ کوئی مہر نہ ہو اور نہی کا تقاضا یہ ہے کہ منہی عنہ فاسد ہو (۲) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا " لا شغار فی الاسلام"، (اسلام میں شغار کی کوئی گنجائش نہیں ہے) اور نفی کا مفہوم یہ ہے کہ شرع کی رو سے اس کا وجود معتبر نہیں. اور عقلاً اس لئے باطل ہے کہ مذکورہ صورت میں ہر " بضع"، مہر بھی ہے اور منکوحہ بھی تو بضع میں دونوں خاوند کی شرکت ثابت ہوگی اور مہر کا استحقاق بھی اور اس کا باطل ہونا ظاہر و باہر ہے. پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نفی اور نہی کا تعلق دراصل مسمی شغار سے ہے اور اس بات سے جو اس کے مفہوم میں داخل ہے یعنی عقد کا مہر سے خالی ہونا اور ملک بضع کو مہر قرار دینا (باقی صہ آئندہ پر)

اکتفیٰ[۱] بذکر الوطی ولم یذکر الخلوۃ لانہ اراد الوطی حقیقۃ اودلالۃ ففی الخلوۃ دلالۃُ الوطی اقامۃً للداعی مقام المدعو وقولہ اوموتٍ ای موت الزوج او الزوجۃ وعبارۃ المختصر ھٰذا وصحّ النکاح بلاذکرمھرٍ ومع نفیہ وبشیٔ[۲] غیر مالٍ متقومٍ وبمجہول جنسُہ ویجب مھر المثل کما مرّ اوصفتُہ فالوسط اوقیمتہ ای صحّ النکاح بمجہول صفتہ فیجب الوسط اوقیمتہ ومتعۃ[۳] لاتزید علی نصفہ ولاتنقص عن خمسۃ ای لاتزید علی نصف مھر المثل ولاتنقص من خمسۃ دراھم وتعتبر[۴] بحالہ فی الصحیح۔

اى المصنف ۱۲ عمده — اى من لفظ الوطى ۱۲ عمده — فان الخلوة داعية الى الوطى ومفضية اليه غالبا ۱۲ عمده — اشار الى مرجع ضمير نصفه ۱۲ عمده

ترجمہ:۔ اس مقام میں مصنفؒ نے صرف وطی کے ذکر پر اکتفا کیا اور خلوت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہاں وطی سے معنی عام مراد لیا ہے حقیقۃً ہو یا دلالۃً تو خلوۃ میں دلالۃ وطی متحقق ہے اس لئے کہ خلوت میں وطی کا داعیہ پایا جاتا ہے اور بسا اوقات داعیہ (یعنی سبب مفضی) مدعو (یعنی مسبب) کے قائم مقام ہوا کرتا ہے اور مصنفؒ کا قول "او موت" سے خاوند یا بیوی میں کسی ایک کی موت مراد ہے اور مختصر کی عبارت یوں ہے "صحیح ہے نکاح بدون ذکر مہر کے اور مہر نفی کر دینے سے بھی اور ایسی چیز کے بدلے میں جو مال متقوم نہیں ہے اور مجہول الجنس چیز کے بدلے میں اور ان صورتوں میں مہر مثل واجب ہے جیسا کہ متن میں گذرا، اور اگر صفت مجہول ہو تو متوسط لازم ہے یا اس کی قیمت" یعنی اگر جنس معلوم ہو مگر صفت معلوم نہ ہو تو نکاح صحیح ہے اور وہی چیز واجب ہوگی متوسط درجہ کی یا اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اور (مذکورہ صورتوں میں اگر وطی اور خلوت سے پہلے طلاق دیدے تو متعہ لازم ہوگا جو اس کے نصف سے زیادہ نہ ہو اور پانچ سے کم نہ ہو۔ یعنی زائد نہ ہو مہر مثل کے نصف سے اور نہ پانچ درہم سے کم ہو۔ اور صحیح یہ ہے کہ متعہ میں خاوند کے حال کا اعتبار ہوگا۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) اور ہم بھی اس ماہیت کی اور شرعا جس ماہیت پر شغار صادق آتا ہے اس کی نفی کرتے ہیں یعنی اس طرح کا نکاح ثابت نہیں ہوگا بلکہ ہم اس کو باطل قرار دیتے ہیں اب (شغار کی حقیقت باطل قرار دے چکنے کے بعد) ایسا نکاح باقی رہ جائے گا جس میں اس چیز کو مہر بنایا گیا جو مہر بننے کے لائق نہیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا جس طرح اس نکاح کا حکم ہے جس میں خمر یا خنزیر کو مہر بنائے خلاصہ یہ ہے کہ نہی کا تعلق جس حقیقت سے ہے ہم اس کو ثابت نہیں کرتے اور ہم جس کو ثابت مانتے ہیں اس کے ساتھ نہی کا تعلق نہیں بلکہ بعدم تسمیہ مہر یا مہر بننے کے قابل نہیں ایسی چیز کے نام لینے سے مہر مثل کے ساتھ نکاح صحیح ہونے کے جو دلائل ہیں ان کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ یہ نکاح بھی صحیح ہو اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ شرکت فی البضع کا باطل ہونا ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم نے اسے ثابت بھی نہیں کیا کیونکہ جب ہم نے اس کا مہر ہونا باطل قرار دیا تو اس کا استحقاق نہیں رہا اور بدون استحقاق شرکت ثابت نہیں ہوتی ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱؎ قولہ اکتفی بذکر الوطی الخ۔ یہ اشکال مقدر کا جواب ہے اشکال یہ ہے کہ جیسے وطی اور موت سے مہر مثل واجب ہوتا ہے اسی طرح خلوت صحیحہ سے بھی واجب ہوتا ہے کہ مسائل مہر میں یہ بھی وطی کے حکم میں ہے تو پھر مصنفؒ نے یہاں خلوت کا ذکر کیوں نہیں کیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا تھا جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مصنفؒ نے وطی سے مفہوم عام مراد لیا ہے خواہ حقیقی وطی ہو خواہ حکمی اور حکمی میں خلوت شامل ہے اس لئے صرف وطی کے ذکر پر اکتفا لیا ۱۲

۲؎ قولہ وبشیٔ غیر مال متقوم الخ یعنی شرع میں جس کی قیمت نہ ہو تو اس میں شامل ہے شراب وخنزیر کا نام لینا، حرام کی جانب اشارہ کرنا، آزاد خاوند کی خدمت اور تعلیم قرآن کا نام لینا، نیز اس میں نکاح شغار بھی داخل ہے ۱۲

۳؎ قولہ ومتعۃ الخ۔ اس کا عطف مصنفؒ کا قول "مہر مثلہا" پر ہے یعنی مذکورہ صورتوں میں متعہ لازم ہے جبکہ وطی اور خلوت سے پہلے طلاق دیدے حاصل کلام یہ ہے کہ جب مہر مقرر ہو اور تسمیہ صحیح ہو تو موت اور وطی کے بعد خواہ وطی حقیقۃً ہو یا دلالۃً مہر مسمی واجب ہے (باقی صہ آئندہ پر)

لقوله تعالیٰ علی الموسع قدرہٗ الآیة وعند الکرخی تعتبر بحالها وهی درعٌ وخمار وملحفة بطلاق قبل الوطی والخلوة ای فی الصور المذکورة وهی قوله بلا ذکر المهر الی اٰخره وفی خدمة الزوج العبد لها هی ای تجب هی یعنی الخدمة فی النکاح بخدمة الزوج العبد لها وللمفوضة ما فرض لها ان وطیت او مات عنها والمتعة ان طلقت قبل الوطی المفوضة هی التی نکحت نفسها بلا ذکر المهر او علیٰ ان لا مهر لها ثم ان تراضیا علیٰ مقدار فلها ذلک المفروض ان وطیها او مات عنها والمتعةُ ان طلقها قبل الوطی وعند ابی یوسفؒ وهو قول الشافعیؒ لها نصف المفروض.

ترجمہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ" (مالدار مرد پر اپنی قدرت کے مطابق اور تنگدست مرد پر اپنی طاقت کے موافق) اور امام کرخیؒ کے نزدیک عورت کا حال معتبر ہے اور وہ متعہ (تین کپڑے) پیراہن، اوڑھنی اور چادر ہیں جبکہ وطی اور خلوت سے پہلے طلاق دیدے یعنی مذکورہ تمام صورتوں میں جنکا بیان "بلا ذکر مهر" سے شروع ہوکر آخری صورت تک گذرا ہے اور اگر غلام نے نکاح کیا اس امر پر کہ خدمت کرے بیوی کی تو یہی واجب ہوگی یعنی خدمت واجب ہوگی بیوی کی اس صورت میں جبکہ زوج غلام ہو اور بیوی کی خدمت کرنی مہر قرار دے۔ اور "مفوضہ" عورت کے لئے وہ مقدار واجب ہے جو بعد میں اس کے لئے طے پائی اگر اس سے وطی کی گئی ہو یا زوج اس کا مرگیا ہو۔ اور متعہ دینا ہوگا اگر وطی سے پہلے طلاق دیدے مفوضہ وہ عورت ہے جس نے اپنا نکاح کیا بغیر ذکر مہر کے یا اس بات پر کہ اسکو مہر نہیں پھر اگر دونوں کسی مقدار پر راضی ہو گئے تو یہی مقررہ مقدار لازم ہے اگر شوہر نے اس سے وطی کی یا شوہر مرگیا اور متعہ لازم ہے اگر وطی سے پہلے بیوی کو طلاق دیدے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے کہ اس کے لئے مقررہ مقدار کا نصف ہے۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) اور اگر وطی سے پہلے طلاق دیدی تو نصف مہر لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہ کیا یا تسمیہ مہر فاسد ہو یعنی ایسی چیز کو مہر مقرر کیا جو مہر بننے کے صالح نہیں تو وطی اور موت کے وقت مہر مثل لازم ہوگا اور وطی سے پہلے طلاق دینے پر متعہ واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وللمطلقات متاع بالمعروف" اور فرمایا "لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضة ومتعوهن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ" غرض متعہ صرف ایک خاص صورت میں واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ جب شوہر بیوی کو وطی سے پہلے طلاق دیدے اور مہر مقرر نہ ہو یا مقرر تو کرے مگر وہ تقرر ہر طرح سے فاسد ہو۔ باقی تمام صورتوں میں متعہ مستحب ہے البتہ ایک صورت ہے جس میں متعہ بالکل نہیں ہے (لا وجوبا ولا استحبابا) جبکہ مہر مقرر ہو اور دخول سے پہلے طلاق دیدے کہ صرف نصف مہر واجب ہے اور متعہ کا لفظ میم کے ضمہ سے ہے چونکہ یہ اس غرض سے دلایا جاتا ہے کہ عورت کو کس قدر نفع اور نشاط طبعی حاصل ہو اس لئے اس کا نام متعہ رکھا گیا۔

قولہ وتعتبر بحالہ الخ یعنی متعہ ادا کرنے میں زوج کی حیثیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر غنی ہے تو قیمتی جوڑا دینا چاہئے اور فقیر ہے تو اپنی استطاعت کے مطابق ادا کریگا اور امام کرخی نے بیوی کی حیثیت کا اعتبار کیا ہے کیونکہ اس کا منشا یہ ہے کہ جدائی کے موقع میں بیوی کو وحشت کی بجائے انسیت اور سرور حاصل ہو اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس کی حیثیت کی رعایت کی جائے اور امام خصاف نے فرمایا کہ دونوں کی حیثیت کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اگر دونوں غنی ہوں تو اعلیٰ درجہ کے کپڑے دینے ہوں گے اور دونوں فقیر ہیں تو ادنیٰ درجہ کے اور اگر ایک فقیر اور دوسرا غنی تو متوسط درجہ کے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎۱ قولہ او مات عنہا الخ۔ اگر مصنف اس کے بجائے "او مات احدہما" فرماتے تو بہتر ہوتا کیونکہ عورت کی موت کا حکم بھی مرد کی موت کی طرح ہے۔

؎۲ قولہ لہا نصف المفروض الخ یعنی اگر وطی سے پہلے مفوضہ کو طلاق دی جائے تو عقد کے بعد جس رقم پر جانبین راضی ہوں اس کا نصف عورت کو ملیگا کیونکہ عقد کے بعد مفروض کی حیثیت عقد کے موقع پر مسمّٰی کی طرح ہے تو جس طرح مہر مسمّٰی وطی سے پہلے طلاق ہونے پر نصف ہوجاتا ہے اسی طرح مفروض بھی نصف ہوگا اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ ایسی صورت کے عقد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر فرض نہ کیا جائے تو وطی یا موت کے بعد مہر مثل ہی واجب ہے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

وما زيد على المهر يجب ويسقط بالطلاق قبل الوطي وصح حطها عنه اي حط المرأة عن الزوج ولم يذكر مفعول الحط ليدل على العموم كما في قوله فلان يعطي و يمنع فيدل على حط كل المهر وبعضه والزيادة في صورة الزيادة على المهر و خلوة بلا مانع وطي حسا او شرعا او طبعا كمرض يمنع الوطي هذا نظير المانع الحسي وصوم رمضان واحرام بفرض او نفل هذا نظير المانع الشرعي وحيض ونفاس هذا نظير المانع الطبعي ولا يضر ان يكون المانع الشرعي موجودا فيهما تؤكده اي تؤكد المهر فخلوة مبتدأ وتؤكده خبره۔

ترجمہ:۔ اور جو شئی معین مہر پر بڑھائی جائے وہ واجب الادا ہوگی اور ساقط ہو جائے گی وہ زیادتی اگر وطی سے پہلے طلاق دیدی اور عورت کے لئے درست ہے کہ مرد کے ذمہ سے مہر ساقط کر دے۔ اور مصنف "حط" (ساقط کرنے) کا مفعول ذکر نہیں کیا تاکہ مفہوم عام رہنے پر دلالت کرے، جیسا کہ (کسی کی سخاوت بیان کرنے کے موقع پر) کہا جاتا ہے "فلاں آدمی دیتاہے (یعنی ضرورت اور نفع کی ہر چیز) اور روکتاہے (نقصان پہونچانے والی ہر چیز کو) پس اسی طرح یہاں بھی "حط" شامل ہے تمام صورتوں کو یعنی کل مہر ساقط کرے یا بعض مہر ساقط کرے یا مہر میں زیادتی کی صورت پر زائد مقدار کو ساقط کر دے سب جائز ہے۔ اور خلوت ہو مانع وطی سے خالی ہو خواہ مانع حسی ہو یا شرعی یا طبعی، جیسے مرض، یہ مانع حسی کی مثال ہے اور رمضان کا روزہ اور احرام چاہے فرض حج کا ہو یا نفل حج کا، یہ مانع شرعی کی مثال ہے اور حیض ونفاس یہ مانع طبعی کی مثال ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حیض ونفاس میں مانع شرعی بھی پایا جائے (کیونکہ ان میں باہم کوئی تضاد نہیں اس لئے بعض حالتوں میں دونوں مانع جمع ہو سکتے ہیں بہر حال ایسی خلوت جو بغیر مانع کے ہو) پورے مہر کو ثابت کر دیتی ہے پس "خلوت" کا لفظ مبتدا ہے اور "تؤکدہ" اس کی خبر ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) تو اب عقد کے بعد کا مفروض اس کے قائم مقام شمار ہوگا اور یہ بات اپنی جگہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ شرع میں مہر مثل کی تنصیف نہیں ہوتی لہذا اس کے قائم مقام کی بھی تنصیف نہیں ہوگی۔

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ ویسقط بالطلاق الخ یعنی جب وطی سے پہلے طلاق دی تو صرف اصل کا نصف واجب ہوگا، زائد کی تنصیف نہ ہوگی البتہ اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے، ان کے قول اول کی رو سے، ہماری دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے "فنصف ما فرضتم" جو دخول سے پہلے طلاق کے بارے میں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ فرض سے مراد عقد کے موقع کا فرض ہے کیونکہ عادۃً فرض اسی پر محمول ہوتاہے اس لئے عقد کے بعد جو زیادہ کیا گیا اس کی تنصیف نہ ہوگی"

[2] قولہ وصح حطها عنہ الخ۔ حا پر فتح اور طا پر تشدید کے ساتھ اس کے معنی ساقط کرنا یعنی جب عورت عقد کے بعد خاوند کے ذمہ سے مہر ساقط کر دے تو یہ فعل صحیح ہے اور ساقط کردہ مقدار ساقط ہو جائے گی اگرچہ شوہر کے ذمہ سے تمام ہی مہر ساقط کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فان طبن لکم عن شئ منہ نفسا فکلوہ هنيئا مريئا" البتہ اگر شوہر اس اسقاط کو یا بری کر دینے کو رد کر دے تو مسترد ہو جائے گا اور دوبارہ اس کے ذمہ میں لازم ہو جائے گا۔ کما فی القنیۃ والبحر۔

[3] قولہ وخلوة بلا مانع الخ۔ یہ اس امر کا بیان ہے جو وطی کے بغیر بھی مہر کو مؤکد بنا دیتاہے اور اس باب میں اصل اللہ تعالیٰ کا قول ہے "وکیف تاخذونہ وقد افضى بعضکم الى بعض" اور افضا کی تفسیر خلوت سے کی گئی ہے، اور حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے عورت کی اوڑھنی کھولی اور اس کی طرف دیکھا تو مہر واجب ہو گیا چاہے اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو" (دار قطنی، ابو داؤد) حضرت عمرؓ بلکہ خلفاء اربعہ سے اسی طرح منقول ہے (موطا، دار قطنی وغیرہ) اس کا سبب یہ ہے کہ عموماً خلوت مفضی الی الوطی ہوتی ہے اور وطی فی الحقیقۃ پائی گئی یا نہیں یہ امر مخفی ہے اس لئے سبب مفضی کو اصل کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے جس طرح وضو توڑنے کے مسئلہ میں نیند کو حدث کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں جبکہ عورت نے مرد کے ساتھ خلوت کی اور مبدل پیش کر دیا اور موانع نہیں ہیں تو اس نے اپنی وسعت کے مطابق اپنے کو پورا حوالہ کر دیا۔ (باقی صہ آئندہ پر)

واعلم ان المراد بالخلوۃ اجتماعھما بحیث لا یکون معھما عاقلٌ[1] فی مکان لا یطلع علیھما احد بغیر اذنھما او لا یطلع علیھما احد للظلمۃ ویکون الزوج عالماً بانھا امرأتہ کخلوۃ مجبوب او عنینٍ او خصیٍّ او صائمٍ قضاءً فی الاصح ونذرًا فی روایۃ ومع احدی الخمسۃ المتقدمۃ لا والصلوۃ کالصوم[2] فرضًا ونفلًا ای لا تکون الخلوۃ صحیحۃ مع الصلوۃ المفروضۃ کما فی الصوم المفروض وتکون صحیحۃ مع صلوۃ النفل کما فی صوم النفل وتجب العدۃ[3] فی الکل احتیاطًا ای فی جمیع ما ذکر من اقسام الخلوۃ سواءٌ وجد المانع کالمرض ونحوہ او لم یوجد۔

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ یہاں خلوت سے مراد شوہر اور بیوی کا جمع ہونا ایسے مکان میں کہ وہاں ان کے ساتھ سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی اور شخص موجود نہ ہو اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی اچانک ان کے پاس نہ پہنچ سکے یا تاریکی کی وجہ سے کوئی ان کی حالت نہ دیکھ سکے اور شوہر جانتا ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ مثلاً خلوت عضو تناسل کٹے ہوئے کی یا نامرد کی یا خصی کی یا قضا روزہ رکھنے والے کی صحیح مذہب میں اور نذر کا روزہ رکھنے والے کا حکم بھی یہی ہے ایک روایت میں (کہ ان حالتوں میں خلوت معتبر ہے) اور جو پانچ امور پہلے مذکور ہوئے (یعنی مرض، صوم رمضان، احرام حج، حیض اور نفاس) ان کے ساتھ خلوت معتبر نہیں اور نماز کا حکم روزے کی مانند ہے خواہ فرض ہو یا نفل یعنی فرض نماز کی حالت میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی جس طرح فرض روزے میں اور نفل نماز کی حالت میں خلوت صحیحہ ہوگی جس طرح نفل روزے میں البتہ تمام صورتوں میں احتیاطاً عدت واجب ہے یعنی خلوت کی جتنی قسمیں مذکور ہوئیں ان میں عدت واجب ہوگی چاہے مرض وغیرہ کا مانع موجود ہو یا نہ ہو۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) پس بدل بھی کامل واجب ہوگا اسی بنا پر خلوت مؤکدہ کے لئے مانع وطی نہ ہونے کی شرط ہے کیونکہ مانع کی موجودگی میں اگر خلوت ہو تو وہ مطلق الی الوطی نہ ہوگی اور نہ ہی وطی کی قائم مقام ہوگی ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ عاقل الخ. اس قید سے غیر عاقل خارج ہوگیا مثلاً دیوانہ کہ اس کی موجودگی خلوۃ واقع ہونے سے مانع نہیں اسی طرح غیر انسان کا موجود ہونا بھی مانع نہیں، اس عبارت سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عاقل بچہ اگر وہاں موجود ہو تو یہ خلوت متحقق ہونے میں مانع ہوگا البتہ غیر عاقل بچہ کی موجودگی مانع نہیں ۱۲

[2] قولہ والصلوۃ کالصوم الخ. بحر الرائق میں ہے بلا شبہ کسی عذر کے بغیر نماز توڑنا حرام ہے چاہے نماز فرض ہو یا نفل ہو اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ نماز مطلقاً مانع ہوتی۔ حالانکہ فقہاء نے یہ بھی بتایا کہ واجب نماز مانع نہیں ہوتی جس طرح نفل نماز مانع نہیں اگرچہ اس کے ترک پر گناہ ضرور ہوگا اور اس سے بھی عجیب تر بات محیط میں ہے کہ "نفل نماز مانع نہیں سوائے ظہر سے پہلے کی چار رکعت کے" اور رد المحتار میں ہے اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء نے حج کے احرام میں خواہ فرض حج ہو یا نفل کوئی فرق نہیں کیا کیونکہ قضا لازم ہونے اور دم واجب ہونے میں دونوں مشترک ہیں لیکن نماز اور روزے کے اندر ان دونوں میں فرق کیا ہے روزے میں تو وجہ فرق ظاہر ہے کہ فرض روزے میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں بخلاف نفل اور اس سے ملحق قضا و نذر روزے کے کیونکہ ان میں افطار کے باعث جو ضرر لازم آتا ہے وہ نہایت معمولی ہے یعنی قضا کے علاوہ اور کوئی بات لازم نہیں (کما فی الجوہرۃ) البتہ نماز میں فرق کرنا مشکل ہے کیونکہ اس کے فرض میں گناہ اور وجوب قضا سے زائد کوئی اور ضرر نہیں ہے اور یہ بات نوافل اور قضا نماز میں بھی پائی جاتی ہے ہاں البتہ فرض توڑنے کا گناہ بڑھا ہوا ہے ۱۲

[3] قولہ وتجب العدۃ الخ. قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ عدت واجب نہ ہو کیونکہ خلوت صحیحہ نہیں پائی گئی مگر استحساناً عدت واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت در اصل حق شرع اور حق ولد ہے اس لئے یہ دونوں اسے ساقط نہیں کر سکتے تو احتیاط اسی میں ہے کہ عدت واجب ہو پس خلوت فاسدہ اور موانع پائے جانے کی صورت میں بھی عدت واجب ہونے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ عورت کے رحم میں مرد کے مادہ کے وجود کا شبہ ہو گیا۔ (باقی صہ آئندہ پر)

وتجب المتعة لمطلقةٍ[1] لم توطأ ولم يُسمّ لها مهر وتستحبّ لمن سواها الا لمن

(مجهول من التسمية اي لم يذكر ولم تقدر لها مهر ١٢ عمدة — اي المتعة ١٢ عمدة)

سُمّي لها مهر وطُلقت قبل وطي المطلقاتُ اربعٌ مطلقة لم توطأ ولم يسم لها

مهر فتجب لها المتعة ومطلقة لم توطأ وقد سمّي لها مهر فهي التي لم تستحبّ[2]

(بصيغة المجهول ١٢ عمدة)

لها المتعة ومطلقة قد وُطيت ولم يُسمّ لها مهر ومطلقة قد وُطيت وسمّي

لها مهر فهاتان[3] تستحب لهما المتعة فالحاصل[4] انه اذا وطيها تستحب لها المتعةُ

سواء سمي لها مهرا ولا لانه[5] اوحشها بالطلاق بعد ما سلمت اليه المعقود عليه

(امن من الايحاش ١٢ عمدة)

وهو البُضع فيستحبّ ان يعطيها شيئا زائدا على الواجب وهو المسمّى في صورة

(اي الفرج ١٢ عمدة)

التسمية۔

ترجمہ:۔ اور متعہ واجب ہے اس عورت کے لئے جسے وطی سے قبل طلاق دیدی گئی ہو اور اس کا کوئی مہر مقرر نہ ہو اور اس کے سوا اور عورتوں کو متعہ دینا مستحب ہے مگر جس کا مہر مقرر ہوا اور وطی سے پہلے طلاق دیدے (اسے متعہ دینا مستحب بھی نہیں) جاننا چاہئے کہ جو عورتیں طلاق دیکا دیں وہ چار قسم پر ہیں پہلی وہ مطلقہ جس سے وطی نہ کی ہو اور نہ اس کا مہر معین ہو تو اس کے واسطے متعہ واجب ہے۔ دوسری وہ مطلقہ جس سے وطی نہیں کی گئی لیکن اس کا مہر معین تھا یہی وہ عورت ہے جس کے لئے متعہ مستحب نہیں، تیسری وہ مطلقہ جس سے وطی کی گئی لیکن اس کا مہر معین نہیں ہوا، چوتھی وہ مطلقہ جس سے وطی گئی اور مہر بھی معین ہوا ہو۔ پس یہی آخری دو صورتیں ہیں جنمیں عورت کو متعہ دینا مستحب ہے۔ تو حاصل یہ ہے کہ جب عورت سے وطی کرے تو اس کو متعہ دینا مستحب ہے۔ برابر ہے کہ اس کا مہر معین ہوا ہو یا نہو اس لئے کہ عورت نے تو عقد نکاح کا معقود علیہ یعنی بضع (اندام نہانی) اس کے حوالہ کر دیا جس کے بعد مرد نے طلاق دے کر اسے متوحش اور ناراض کیا اس لئے مستحب یہ ہے کہ طیب خاطر کے لئے قدر واجب سے زیادہ کچھ عطا کرے اور واجب مقررہ مقدار ہے جبکہ مہر معین ہو۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور عدت اس لئے شروع ہوئی ہے تاکہ رحم کا خالی ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے اور ایک کا نطفہ دوسرے کی کھیتی سے مختلط نہ ہو جائے لیکن مہر تو مال ہے اس کے واجب کرنے میں احتیاط نہیں بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب خلوت کامل صحیح ہو تب ہی واجب ہو اور خلوت فاسدہ میں واجب نہو۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ لمطلقۃ الخ۔ اس سے وہ عورت خارج ہو گئی جس کا شوہر فوت ہو گیا کہ اس کے لئے متعہ نہیں ہے خواہ موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ کیونکہ موت سے کل مہر واجب ہے اگر معین ہو ورنہ مہر مثل واجب ہو گا کما مر ۱۲

[2] قولہ لم تستحب لہا المتعۃ الخ۔ اس کی ایک دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول ہے کہ "ہر عورت کے لئے متعہ ہے سوائے اس عورت کے جس کا مہر مقرر ہوا ہو اور دخول نہیں ہوا اس کے لئے نصف مہر ہی کافی ہے (اخرجہ الشافعی والبیہقی وغیرہما) ۱۲

[3] قولہ فہاتان تستحب لہما الخ۔ بوجہ قول اللہ تعالیٰ کے " وللمطلقات متاع بالمعروف " اور امام شافعیؒ نے ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب قرار دیا ہے سوائے اس عورت کے جو موطوءہ نہ ہو اور اس کا مہر مقرر ہو چکا ہو، غرض اس مذکورہ عورت کے سوا ان کے نزدیک ہر عورت کے لئے متعہ واجب ہے اور ہمارے نزدیک صرف ایک عورت (جسے — قبل الوطی طلاق دی گئی اور مہر مقرر نہیں) اس کے لئے متعہ واجب ہے اور باقیوں کے لئے مستحب ہے سوائے صورت مذکورہ (غیر موطوءہ وسمی لہا مہر) کے کہ اس کو متعہ دینا مستحب بھی نہیں ۱۲

[4] قولہ فالحاصل الخ۔ یعنی چاروں مذکورہ اقسام کے احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ متعہ اسی صورت کے ساتھ خاص ہے کہ جب عورت موطوءہ ہو چاہے مہر مقرر ہو یا نہ ہو تو اگر مہر مقرر ہو گا تو کامل مہر واجب ہو گا اور اگر مقرر نہ ہو تو مہر مثل واجب ہو گا اور دونوں صورتوں میں متعہ مستحب ہو گا اور متعہ واجب ہے اس صورت میں جبکہ موطوءہ نہ ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہو اور متعہ نہ ہی واجب ہے اور نہ ہی مستحب ہے اس صورت میں جب مہر مقرر ہو لیکن وطی سے قبل طلاق دیدی ۱۲

[5] قولہ لانہ اوحشہا الخ۔ یہ متعہ کی مشروعیت کی حکمت کا بیان ہے یعنی عورت کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھانے کے بعد طلاق دیکر مرد اس کے دل میں نفرت

(باقی صفحہ آئندہ پر)

ومهرُ المثل فی صورۃ عدم التسمیۃ وان لم یطأها ففی صُورۃ التسمیۃ تأخذ نصف المسمّٰی من غیر تسلیم البُضع فلا یستحب لها شئ اٰخر وفی صُورۃ عدم التسمیۃ تجب المتعۃ لانها لم تأخذ شیئًا وابتغاء البُضع لا ینفکّ عن المال وان قبضت الفًا سُمّی ثم وهبته له فطلقت قبل وطی رجع علیها بنصفه لانها قبضت تمام المسمّٰی ولم یجب الا النصف فتردّه النصف والالف الذی وهبته له لم یتعین انه الف المهر لان الدراهم والدنانیر لا تتعین فی العقود والفسوخ وان لم تقبضه او قبضت نصفه ثم وهبت الکل او ما بقی او وهبت عرض المهر قبل قبضه او بعده لا۔

ای تقبض ذلک العرض الذی جعل مہرا ۱۲ عمدہ

ترجمہ:- اور مہر مثل ہے جبکہ مہر معین نہ ہو. اور اگر اس سے وطی نہیں کی تو جس صورت میں مہر مقرر ہے عورت شرمگاہ حوالے کئے بغیر ہی نصف مہر لے لیگی اس لئے اس سے زائد کچھ دینا مستحب نہیں ہوگا اور اگر مہر مقرر نہیں تو متعہ اس بنا پر واجب ہوگا کہ عورت نے تو کوئی چیز نہیں لی ہے اور ملک منافع بضع کا حصول معاوضۂ مالی سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا، اگر کسی عورت نے ہزار روپے اپنے مقررہ مہر کے خاوند سے لے کر اپنے قبضہ میں کیا پھر وہی ہزار روپے خاوند کو ہبہ کر دیا پھر وطی سے پہلے اسے طلاق دیدی گئی تو خاوند نصف مہر یا پانچسو روپے اس عورت سے واپس لے لیگا کیونکہ اس نے پورا مہر قبضہ کر لیا تھا اور شوہر پر تو صرف نصف ہی واجب ہوا تھا اس لئے اب عورت شوہر کو نصف مہر واجب کر دے اور وہ ہزار روپے جو عورت نے خاوند کو ہبہ کر دیا تھا مہر کے ہزار روپے کی واپسی کی حیثیت سے متعین و محسوب نہ ہوگا کیونکہ انعقاد عقد یا فسخ عقد میں دراہم و دنانیر متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے. اور اگر عورت نے قبضہ نہیں کیا تھا اس ہزار کا یا نصف مہر کا قبضہ کیا تھا پھر ہبہ کر دیا کل مہر یا باقی نصف کا ہبہ کر دیا یا مہر میں دیکائے نقود کے کوئی سامان تھا اور اسکو ہبہ کر دیا قبضہ کرنے سے پہلے یا قبضہ کرنے کے بعد تو ان تمام صورتوں میں خاوند عورت سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا ہے.

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) پیدا کرنے کا باعث ہوا ہے لہذا اس کی تلافی کے لئے ندب واجب ہے کچھ زائد عطا کرنا مناسب ہے جس سے اس کو فرحت اور خوشی حاصل ہو ۱۲

(حاشیہ صد ہذا)

سلہ قولہ ففی صورت التسمیۃ الخ یعنی جب مہر مقرر ہوا اور شوہر نے منافع بضع حاصل کئے بغیر طلاق دیدی تو اس پر نص قرآن کی رو سے نصف مہر واجب ہے اور چونکہ اس صورت میں منافع بضع حوالہ کرنے کے بعد طلاق دیگر نفرت و وحشت پیدا کرنے کا باعث نہیں پایا گیا کہ ندبًا واجب ہے کچھ زائد دینا مستحب قرار دیا جائے اس لئے اس صورت میں متعہ دینا مستحب نہیں۔

سلہ قولہ وفی صورۃ عدم التسمیۃ الخ یعنی جب مرد طلاق دے اور عورت کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور اس سے وطی بھی نہیں کی تو متعہ واجب ہوگا کیونکہ تسمیہ نہ ہونے کی وجہ سے نصف مہر واجب کرنا ممکن نہیں اور مہر مثل بھی واجب کرنے کی صورت نہیں۔ اس لئے کہ مہر مثل تو وطی یا موت کے بعد ہی واجب ہوتا ہے اور نہ مہر مثل کے نصف کو واجب کر سکتے ہیں کیونکہ تنصیف کا حکم مہر مسمی کے ساتھ خاص ہے اور شرعًا مہر مثل کی تنصیف نہیں ہوتی اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی واجب نہ ہو کیونکہ شریعت نے طلب منفعت بضع کو مال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے لقولہ تعالیٰ "ان تبتغوا باموالکم" نتجب المتعۃ لا محالہ ۱۲

سلہ قولہ والالف الذی وہبتہ الخ یعنی اگر کوئی شبہ کرے کہ اس صورت میں شوہر کو واپس لینے کا حق کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ اس نے جو مہر دیا تھا وہ پورا اس کو واپس مل چکا ہے اگر عورت نے پورے ہزار کا ہبہ کیا ہو یا نصف مہر واپس مل چکا ہے اگر نصف کا ہبہ کیا ہو. کیونکہ مسئلہ کی صورت یہ قرار دی گئی ہے کہ مہر کے جو ہزار درہم ملے تھے بعینہ وہی ہبہ کر دیئے ہیں. لہذا شوہر کو اپنا حق مل گیا ہے اب پھر نصف کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت نے جو ہزار ہبہ کیا ہے وہ معین طور پر مہر کا ہزار نہیں ہے کیونکہ اگر مطلقا ہزار کا ہبہ کرے تب تو مہر کا ہزار نہ ہونا ظاہر ہے لیکن اگر بعینہ وہی ہزار ہبہ کرے جو اس نے مرد سے مہر میں لیا تھا تو بھی حکما مہر کا ہزار قرار نہیں دیا جا سکتا ہے کیونکہ دراہم و دنانیر (یعنی نقد سکے) متعین کرنے سے بھی معین نہیں ہوتے (باقی صد آئندہ پر)

ای لا یرجع علیہا بشیٔ وصور المسائل انہا ان لم تقبض شیئا ثمّ وھبت الکل ای حطتہ عن ذمۃ الزوج ثمّ طلقہا قبل الوطی فلا شیٔ علیہا لان حکم الطلاق قبل الدخول ان یسلم لہ نصف المھر وقد حصل بل زیادۃٌ والمرأۃ لم تاخذ شیئا لتردہ الیہ بخلاف المسألۃ الاولی وھی التی قبضت الفا سمّی ثمّ وھبت لہ و طلقت قبل وطیٍ وان قبضت نصف المھر ثمّ وھبت الکل لہ او وھبت الباقی ثمّ طلقہا قبل الوطی فانہ لا شیٔ علیہا لما ذکرنا ولو کان المھر عرضا فقبضتہ ثم وھبتہ لہ او لم تقبضہ فحطتہ عن ذمتہ ثم طلقہا قبل الوطی فلا شیٔ علیہا اما فی صورۃ عدم القبض فلما مرّ واما فی صورۃ القبض

ترجمہ:۔ ان مسائل مذکورہ کی تفصیلی صورتیں یوں ہیں کہ (۱) عورت نے مہر میں سے کچھ بھی قبضہ نہیں کیا بلکہ کل مہر خاوند کو ہبہ کر دیا یعنی شوہر کے ذمہ سے حق مہر ساقط کر دیا پھر اس نے وطی سے پہلے طلاق دیدی تو اب عورت پر کچھ بھی واجب نہیں کیونکہ وطی سے پہلے طلاق کا حکم تو یہ ہے کہ شوہر کے لئے نصف مہر بچا ہے اور اس صورت میں اسے آدھا بلکہ اور زیادہ مل چکا ہے اور عورت نے تو کچھ لیا ہی نہیں کہ واپس کرنا پڑے بخلاف پہلے مسئلہ کے جبکہ اس نے پورے ہزار مہر پر قبضہ کرنے کے بعد پھر وہ ہزار شوہر کو ہبہ کر دیا اب اگر اس نے وطی سے پہلے طلاق دیدی تو نصف مہر واپس کرنا پڑے گا اس لئے کہ قبل الوطی طلاق کی صورت میں شوہر ادا کردہ مہر میں سے نصف واپس پانے کا مستحق ہے اور ہبہ کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے) (۲) اور اگر عورت نے نصف مہر پر قبضہ کر لیا پھر اس نے شوہر کا کل مہر ہبہ کر دیا یعنی جو انصف بھی دیا اور زوج کے ذمہ میں جو نصف باقی رہ گیا تھا وہ بھی بخشدیا یا جو باقی رہ گیا تھا وہ ہبہ کر دیا پھر شوہر نے وطی سے پہلے اس کو طلاق دیدی تو عورت کے ذمہ کچھ بھی لازم نہیں جس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ قبل الدخول طلاق دینے سے شوہر کے ذمہ کا نصف مہر بچا رہنا چاہئے اور مذکورہ دونوں صورتوں میں یہ بات متحقق ہے بلکہ پہلی صورت میں مع زیادۃ النصف علی النصف) (۳) اور اگر مہر بجائے نقود کے سامان ہو اور عورت نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد شوہر کو ہبہ کر دیا یا قبضہ نہیں کیا اور شوہر کے ذمہ سے ساقط کر دیا پھر شوہر نے اس کو وطی سے پہلے طلاق دیدی تو ان دونوں حالتوں میں عورت کے ذمہ کچھ بھی لازم نہیں، (قبضہ نہ کرنے کی صورت میں تو کچھ لازم نہ ہونے کی وجہ پہلے بتائی جا چکی ہے (کہ شوہر کا نصف بلکہ زیادہ ہی اس کے پاس رہ گیا ہے)

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) غرض ہبہ کا تعلق ہزار کے ساتھ ہے جو عورت نے مرد کو دیا ہے اور مرد کا حق نصف واپس پانے کا وہ اپنی جگہ باقی ہے ۱۲ سکہ قولہ فی العقود والفسوخ الخ یعنی معاملات شرعی میں مثلاً خرید و فروخت اور معاملات توڑنے میں مثلاً اقالہ بیع وغیرہ یعنی اگر کوئی چیز مقررہ دس درہم کے عوض فروخت کرے تب بھی یہ عقد ان مقررہ دراہم سے متعلق نہیں ہوتا چنانچہ خریدار اگر دوسرے دراہم دیدے تو بھی جائز ہے اسی طرح اگر بائع و مشتری بیع فسخ کر دیں اور مشتری خرید کردہ چیز بائع کو واپس کر دے تو بائع پر بعینہ وہی دراہم واپس کرنا ضروری نہیں ہیں جو اس نے خریدا ہے لئے تھے بلکہ ان کے مشابہ اتنی رقم واپس کرنی کافی ہے۔ ہر کیلی اور وزنی چیز کا حکم بھی ایسا ہی ہے ہاں دوسری چیزیں عقد و فسخ میں متعین رہتی ہے بدلنے کی گنجائش نہیں۔ البتہ غصب اور امانت کے باب میں نقود اور کیلی و موزون بھی متعین ہوتے ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص کسی سے ایک درہم غصب کر لے تو اسے ٹھیک وہی درہم واپس کرنا واجب ہے ۱۲

شہ قولہ عرض المھر الخ۔ یہ اضافت بیانیہ ہے اور عرض بفتح العین والراء سامان کو کہا جاتا ہے اور مراد اس سے وہ اسباب و سامان ہے جو عقد اور فسخ عقد میں متعین کرنے سے معین ہوتا ہے مثلاً کسی نے ایک جانور کو مہر مقرر کر کے نکاح کیا اور عورت نے قبضہ کرنے کے بعد یا قبضہ سے پہلے شوہر کو ہبہ کر دیا پھر شوہر نے دخول سے پہلے اسے طلاق دیدی اس صورت میں مرد کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا ۱۲

حاشیہ صہ ہذا سلہ قولہ فحطتہ عن ذمتہ الخ۔ اس میں قبضہ اور عدم قبضہ کے فرق کی جانب اشارہ ہے۔ پہلی صورت میں لفظ ہبہ اور دوسری صورت میں لفظ حط (ساقط کرنے) سے تعبیر کیا گیا کیونکہ ہبہ دراصل قبضہ اور ملک کے بعد ہوا کرتا ہے تو غیر مملوکہ اور غیر مقبوضہ کا ہبہ کہنے کا مطلب ذمہ سے ساقط کرنا اور سبکدوش کرنا ہے

فکذلك لانها وهبت العرض له فانتقض[۱] قبض المهر لان العروض متعینة بخلاف[۲] المسألة الاولی فان الدراهم غیر متعینة وان نکح بالف علی ان لا یخرجها ولا یتزوج علیها او بالف ان اقام بها و بالفین ان اخرجها فان وفی ای فیما نکحها علی ان لا یخرجها ولا یتزوج علیها واقام ای فیما نکحها بالف ان اقام بها و بالفین ان اخرج فلها[۳] الالف والا فمهر مثلها هذا عند ابی حنیفة فعنده الشرط الاول صحیح دون الثانی وعندهما الشرطان صحیحان وعند زفر کل منهما[۴] فاسد۔

ترجمہ:۔ اور قبضہ کر چکنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ جب اس نے شوہر کو وہ سامان ہبہ کر دیا تو سابقہ قبضہ مہر باطل ہو گیا اس لئے کہ عقود میں سامان بعینہ متعین رہتا ہے (توجب اس نے ہبہ کر دیا تو گویا شوہر نے دیا ہوا مہر واپس پا لیا) بخلاف پہلے مسئلہ کے کیونکہ دراہم متعین نہیں ہوتے (تو ہبہ کرنے سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ شوہر کو اپنا دیا ہوا مہر واپس مل گیا بلکہ ایک نئی رقم عطیہ میں ملی۔ اور اگر کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا ہزار درہم پر اس شرط سے کہ اس کو گھر سے باہر کسی دوسری جگہ میں نہیں لیجائے گا۔ یا اس پر دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا یا شرط کی کہ اگر گھر سے باہر نہ لیجاوے تو مہر ہزار درہم ہیں اور اگر باہر لیجاوے تو دو ہزار درہم پھر اپنا عہد پورا کیا یعنی اس صورت میں کہ نکاح کیا تھا اس شرط پر کہ باہر نہیں لے جائے گا اور اس کو گھر سے نہیں نکالا یا اس شرط پر کہ اس پر نکاح نہیں کرے گا اور اس پر دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اور گھر میں مقیم رکھا یعنی اس صورت میں جبکہ نکاح کیا تھا اس شرط پر کہ گھر میں سکونت کرنے سے مہر ایک ہزار درہم ہیں اور باہر لے جانے سے دو ہزار تو عورت ایک ہزار درہم کی مستحق ہوگی اور اگر شرط پوری نہ کی تو عورت کے لئے اس کا مہر مثل ہے یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے تو ان کے نزدیک شرط اول صحیح ہے۔ دوسری شرط صحیح نہیں اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرط صحیح ہیں اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں فاسد ہیں۔

تشریح:۔ [۱] قولہ فانتقض الخ۔ حاصل یہ کہ عقود و فسوخ میں اسباب متعین ہوتے ہیں چنانچہ اگر کسی نے معین غلام کو مہر قرار دے کر نکاح کیا تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ معین غلام روک رکھے اور دوسرا کوئی غلام مہر میں ادا کرے تو اب اگر اس نے معین غلام مہر میں ادا کر دیا پھر عورت نے مرد کو بعینہ وہی غلام ہبہ کر دیا تو سابق قبضہ ٹوٹ گیا اور ہبہ کے طور پر بعینہٖ وہی چیز مرد کو واپس مل گئی۔ لہذا نصف مہر بلکہ مع زیادہ اس کو صحیح سالم مل گیا ہے۔ اب عورت سے کسی چیز کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا ۱۲

[۲] قولہ بخلاف المسألة الاولی الخ۔ اور وہ یہ ہے کہ مقررہ ہزار یا جو متعین کرنے سے بھی معین نہ ہو اس پر قبضہ کرنے کے بعد اگر عورت مرد کو ہبہ کر دے تو اس صورت میں خاوند نصف کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ دراہم وغیرہ عقود میں متعین نہیں ہوتے اس لئے عورت کے ہبہ کرنے سے مرد کو اس کا بعینہ حق نہیں ملا ہے اگرچہ مرد نے جتنی مقدار دی تھی اتنی مقدار اس کو مل گئی اور یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ سامان معین رہتا ہے اس لئے ہبہ کرنے سے مرد کو اس کا عین حق پہنچ گیا اب اسکو رجوع کرنے کا حق نہ رہا ۱۲

[۳] قولہ فلها الالف الخ۔ پہلی صورت میں اس لئے کہ ایسی چیز کو مہر مقرر کیا گیا جو اس کے قابل ہے۔ یعنی ایک ہزار رہی یہ بات کہ اسے نہ نکالا جائے یا اس پر نکاح ثانی نہ کیا جائے تو اس میں عورت کا فائدہ ہے اور اس کی رضامندی اس پر مبنی ہے اب اگر شرط پوری کرے تو ہزار واجب ہے ورنہ مہر مثل واجب ہے اور دوسری صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ شرط پوری کرنے سے ہزار واجب ہوگا ورنہ مہر مثل واجب ہے فساد تسمیہ کی بنا پر ۱۲

[۴] قولہ کل منهما فاسد الخ۔ تو ان کے نزدیک ہزار واجب ہے اگر عورت کے ساتھ اس شہر میں ٹھہرے اور نہ دو ہزار واجب ہے اگر اسے وہاں سے نکالے بلکہ دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہے جو ہزار سے کم نہ ہوگا اور نہ دو ہزار سے زیادہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد نے شئ واحد یعنی بضع کے عوض بطور تردید ہزار اور دو ہزار کا نام لیا تو جہالت کے باعث تسمیہ فاسد ہو گیا اب مہر مثل لازم آئے گا جیسا کہ فاسد صورتوں کا حکم ہے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ہر دو شرط میں ایسی تقیید پائی جاتی ہے جن میں کوئی جہالت نہیں۔ (باقی صد آئندہ پر)

لکن فی الثانیۃ لایزاد علی الفین ولا ینقص عن الف المراد بالثانیۃ المسألۃ الثانیۃ

وھی قولہ او بالف ان اقام بھا و بالفین ان اخرجھا فانہ ان اخرجھا یجب مھر المثل

لکن ان کان مھر المثل اکثر من الفین لا تجب الزیادۃ وان کان اقل من الف

یجب الالف ولا ینقص منہ شئ لاتفاقھما علی ان المھر لا یزید علی الفین ولا

ینقص عن الف وان نکح بھذا او بھذا فلھا مھر المثل ان کان بینھما والاخس

لو دونہ والاعز لو فوقہ ای ان نکح بھذا العبد او بذلک واحدھما اکثر قیمۃ من

الاٰخر یجب مھر المثل ان کان بین قیمتی العبدین۔

ترجمہ :۔ لیکن دوسری صورت میں دو ہزار سے زیادہ نہ ہوگا اور ایک ہزار سے کم بھی نہ ہوگا، دوسری صورت سے مسئلہ کی دوسری شکل مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر گھر میں سکونت کرے تو مہر ایک ہزار درہم ہیں اور اگر گھر سے باہر لے جائے تو دو ہزار تو اگر (شرط کے خلاف کرے اور) اسکو باہر لے جائے تو مہر مثل واجب ہوگا لیکن مہر مثل اگر دو ہزار سے زیادہ ہو تو زیادتی واجب نہ ہوگی اور اگر مہر مثل ہزار سے بھی کم ہو تو پورا ہزار دینا پڑے گا اس سے کم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس بات پر تو دونوں کا اتفاق پایا جاتا ہے کہ مہر دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوگا اور نہ ایک ہزار سے کم ہوگا۔ اور اگر نکاح کیا اس چیز کے عوض میں یا اس چیز کے عوض میں (اور دونوں کی قیمتوں میں بڑا فرق ہے) تو عورت کو مہر مثل ملیگا بشرطیکہ اس کی مقدار ان دونوں کی قیمتوں کے درمیان ہو۔

اور کم قیمت شئ ملے گی اگر مہر مثل اس سے کم ہو اور زیادہ قیمت والی چیز ملے گی اگر مہر مثل کی مقدار اس سے بھی زیادہ ہو یعنی اگر کسی نے نکاح کیا اِس غلام پر یا اُس غلام پر (کسی کو معین نہیں کیا) اور ان میں سے ایک کی قیمت دوسرے سے زیادہ ہے تو مہر مثل واجب ہے اگر مہر مثل ان دونوں کے

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) اس لئے دونوں صحیح ہیں اب شرط اول کے مطابق اگر وفا کی تو ہزار واجب ہوگا اور اگر دوسری شرط پوری کی تو دو ہزار واجب ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پہلی شرط صحیح ہے اس لئے کہ اس میں جہالت نہیں (کیونکہ ایک ہزار واجب ہونا تو یقینی ہے) اور دوسری شرط میں جہالت پیدا ہو گئی ہے (مشکوک ہونے کی بنا پر) اس لئے وہ فاسد ہوگی، البتہ نکاح نہ ٹوٹے گا کیونکہ شرط فاسد کی بنا پر نکاح فاسد

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ بہذا او بہذا الخ۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ دو مختلف قیمت کی چیزوں کا نام لے خواہ ان کی جنس ایک ہو یا جدا جدا ہو اور " بہذا او بہذا " کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ان کی مختلف صورتیں بن سکتی ہیں مثلاً یوں کہے اس غلام یا اُس غلام پر نکاح کیا یا اس ایک ہزار یا دو ہزار پر یا اس غلام یا ان دو ہزار درہم پر وغیرہ جونسی دو چیزوں کا نام لے حرف تردید " او " (یا) کے ساتھ یا تو تردید کی مفہوم کے کسی لفظ کے ساتھ مثلاً یوں کہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک پر ان تمام صورتوں میں حکم برابر ہے ۱۲

سلہ قولہ فلہا مہر المثل الخ۔ یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ مہر مثل اس صورت میں واجب ہوتا ہے جبکہ مہر مسمّٰی کی ادائگی مشکل ہو اور ناقص واجب کرنے سے یہ بات یہاں ممکن ہے کیونکہ اقل کا واجب ہونا تو یقینی ہے اس کی مثال ایسی ہوئی جیسے کہ ہزار یا دو ہزار پر خلع ہوا ہو۔ اور ہزار یا دو ہزار پر آزاد کیا ہو۔ اور کسی کے حق میں ہزار یا دو ہزار کا اقرار کیا ہو، ان تمام صورتوں میں بالاتفاق اقل واجب ہوتا ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں اصل چیز مہر مثل ہے اور مہر مسمّٰی کو اختیار کیا جاتا ہے جبکہ تسمیہ صحیح ہو اور یہاں جہالت کے باعث تسمیہ فاسد ہو گیا اس لئے اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا بخلاف مذکورہ مسئلہ خلع وغیرہ کے کیونکہ ان میں کوئی ایسی اصل نہیں ہے کہ تسمیہ فاسد ہو جانے سے اس کی طرف رجوع کیا جائے اس لئے لامحالہ اقل مقدار لی جائے گی۔ یہ تمام تفصیل جب ہے کہ کسی کے لئے خیار کی تصریح نہ ہو لیکن اگر عورت کو اختیار دیدے کہ ان دونوں چیزوں میں سے تم جسے اختیار کرو اس پر یا اپنے لئے اختیار رکھے کہ میں جسے چاہوں تمہیں دوں گا تو

ويجب العبد الاقل قيمةً اذا كان مهر المثل دون قيمة هٰذا العبد ويجب العبد

ای انزل من قیمۃ قلیلۃ ۱۲ عمدہ — ای قلیل القیمۃ ۱۲ عمدہ

الاكثر قيمةً ان كان مهر المثل فوق قيمته ويُعلم منه انه اذا كان مهر المثل مساويا

ای الاکثر قیمۃ ۱۲ عمدہ — ای من بیان المصنف واشارتہ ۱۲ عمدہ — سلہ

لقيمة احدهما يجب هٰذا العبد ولو طُلّقت قبل وطی فنصف الاخسّ اجماعا و

ای اصر الامرین الذین ردد بہما ۱۲ عمدہ — المساوی لمہر المثل ۱۲ عمدہ — ای فی الصورۃ المذکورۃ ۱۲ عمدہ

ان نكح بهٰذين العبدين واحدهما حرٌّ فلها العبد فقط ان ساوى عشرة وان

الواو حالیہ ۱۲ عمدہ — سلہ

شرط البكارة ووجدها ثيّبًا لزمه الكل وصح امهارُ فرس وثوب هرويّ بالغ

ای الزوجۃ ۱۲ عمدہ — سلہ ای کل المسمیٰ ۱۲ — بالکسر اسم من المہر ۱۲ عمدہ — نسبۃ الی ہراۃ قریۃ ۱۲ عمدہ

فی وصفه اولا ومكيلٍ اوموزونٍ بيّن جنسه لا صفته۔

من الجودۃ والرداءۃ ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ —— لیکن اگر مہر مثل کی مقدار کم قیمت والے غلام سے بھی کم ہو تو کم قیمت غلام ہی واجب ہوگا اور زیادہ قیمت والا غلام واجب ہوگا۔ اگر مہر مثل کی مقدار اس سے بھی زیادہ ہو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب مہر مثل ان دونوں غلاموں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر ہو تو وہی غلام واجب ہوگا جس کی قیمت مہر مثل کے برابر ہے، اور اگر مذکورہ صورتوں میں وطی سے پہلے بیوی کو طلاق دیدی تو بالاتفاق کم قیمت والی شئی کا نصف واجب ہوگا اور اگر نکاح کیا بدلے میں ان دو متعینہ غلاموں کے اور ایک ان میں سے آزاد نکلا تو عورت کے واسطے وہی ایک غلام ہے اگر اس کی قیمت (کم از کم) دس درہم کے برابر ہو۔ اگر نکاح میں شرط کی تھی کہ عورت باکرہ ہوگی اور پھر اس کو ثیب پایا تو کل مہر دینا پڑیگا اور صحیح ہے مہر مقرر کرنا گھوڑا یا ہروی کپڑا خواہ اس کے اوصاف بھی بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اسی طرح کسی کیلی چیز یا وزنی چیز کو جن کی نوع تو بیان کیا مگر صفت نہیں بتائی۔

تشریح: سلہ قولہ فنصف الاخس اجماعا الخ. یعنی ان دونوں میں قیمت کے لحاظ سے اقل کا نصف بالاتفاق واجب ہے اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ تمام حالات میں نصف اخس واجب ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس صورت میں اصل حکم متعہ مثل کا ہے جیسے کہ وطی کے بعد طلاق کی صورت میں مہر مثل کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ طلاق قبل الدخول میں وجوب متعہ ہی اصل ہے جس طرح دخول کے بعد طلاق میں مہر مثل اصل ہے اور چونکہ متعہ عموماً نصف انقص سے نہیں بڑھتا اس لئے نصف انقص ہی کا حکم دیا گیا ورنہ اگر نصف سے بڑھ جائے تو متعہ ہی واجب ہوگا البتہ اگر متعہ اعلیٰ کے نصف سے بھی بڑھ جائے تو پھر اس کے نصف سے زیادہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ عورت تو اعلیٰ پر پوری طرح راضی ہو چکی ہے (کذا فی حواشی الہدایہ) ۱۲

سلہ وصح امہار فرس الخ. کشف الوقایہ میں ہے کہ مہر مسمی کی تین قسمیں ہیں (۱) نوع اور وصف دونوں مجہول ہوں مثلاً نکاح کرے کسی ایک کپڑے یا چوپائے یا گھر پر تو اس صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا یہی حکم ہے جبکہ نکاح کرے اس پر کہ اس کی لونڈی کے بطن میں جو بچہ ہے وہ مہر ہوگا یا اس کی بکری کے پیٹ کا بچہ یا اس سال اس کے کھجور باغ میں جو پھل آئے گا وہ مہر ہوگا (۲) نوع تو معلوم ہو اور وصف مجہول ہو مثلاً ایک غلام یا ایک گھوڑے یا گائے یا بکری یا ہراتی کپڑے کو مہر بنا کر نکاح کیا تو ان صورتوں میں مذکورہ نوع میں سے متوسط درجے کا واجب ہوگا اب اُسے اختیار ہے بعینہ موسومہ چیز ادا کرے اور چاہے اس کی قیمت ادا کرے (کذا فی الظہیریہ) البتہ یہ جب ہے کہ غلام یا کپڑا مطلقاً ذکر کرے لیکن اگر اپنی طرف نسبت کرکے ذکر کرے مثلاً یوں کہے کہ اپنے غلام کے بدلے میں نکاح کیا تو اُسے قیمت ادا کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ بعینہ وہی غلام ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اشارہ کی طرح اضافت سے بھی شئی معین ہو جاتی ہے (۳) نوع اور وصف دونوں معلوم ہوں مثلاً صفت بتلا کر کسی کیلی یا وزنی چیز مہر مقرر کر کے نکاح کیا تو یہ تسمیہ درست ہوگا اب وہی چیز ادا کرنی اس پر واجب ہے ۱۲

سلہ قولہ بین جنسہ الخ. فقہاء اور اصولیین کے نزدیک جنس بولا جاتا ہے جس کا اطلاق ایسی اشیاء پر ہو جو اغراض اور احکام میں مختلف ہیں. ماہیت کے لحاظ سے خواہ مختلف یا متحد ہوں مثلاً حیوان، چوپایہ اور انسان، اور یہاں جنس بول کر نوع مراد ہے یعنی ایسا لفظ جو متفق الاغراض افراد کثیرہ پر صادق آئے مثلاً غلام، گھوڑا، گندم وغیرہ ۱۲

ویجب الوسطُ او قیمتُه وان بیّن جنسَ المکیل او الموزون ووصفه فذلك ولا یجب شیٔ بلا وطی فی عقد فاسد وان خلا فان وطی فمهر المثل ولا یزاد علی ما سمّی ای ان کان مهر المثل مساویًا للمسمّٰی او اقل فمهر المثل واجبٌ وان کان اکثر لا تجب الزیادة ویثبت النسب ومُدّتُه من وقت الدّخول عند محمدٌ وبه یفتی ای ان کان من وقت الدخول الی وقت الوضع ستة اشهر یثبت النسب وان کان اقل لا وعند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ یُعتبر من وقت النکاح کما فی النکاح الصحیح ومهر مثلها مهر مثلها من قوم ابیها وقت العقد ای یثبت مهر مثلها ثمّ بیّنه بقوله مهر مثلها فیُراد بالاول المعنی المصطلح شرعا وبالثانی المعنی اللغوی ای مهر امرأة مماثلة لها وهی من قوم ابیها ثمّ بیّن ما به المماثلة بقوله.

ترجمہ:- تو وہ چیز درمیانی درجہ کی واجب ہوگی یا اس کی قیمت واجب ہوگی، اور اگر کیلی یا وزنی چیز کی نوع کے ساتھ صفت بھی بیان کر دی (یعنی اعلیٰ یا ادنیٰ یا متوسط) تو جو مقرر کیا ہے وہی لازم ہوگا اور نکاح فاسد میں بغیر وطی کے کچھ واجب نہیں ہوتا اگرچہ اس کے ساتھ خلوت کی ہو، اور اگر وطی کی تو مہر مثل لازم آوے گا بشرطیکہ مہر معین پر زیادہ نہ ہو۔ یعنی مہر مثل اگر مقرر کردہ مہر کے برابر یا اس سے کم ہو تو مہر مثل واجب ہے اور اگر زیادہ ہو تو مقرر سے زائد مقدار واجب نہ ہوگی اور اس عورت کے ولد کا نسب (نکاح فاسد میں) اس مرد سے ثابت ہوگا اور (ثبوت نسب میں) مدت حمل کا اعتبار امام محمدؒ کے نزدیک دخول کے وقت سے ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی اگر دخول کے وقت سے وضع حمل تک چھ مہینے گذرے ہوں تو نسب ثابت ہوگا اور اگر اس سے کم گذرے ہوں تو نسب ثابت نہ ہوگا، اور امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک مدت نسب کا اعتبار وقت نکاح سے ہوگا جیساکہ نکاح صحیح میں۔ اور مہر مثل عورت کا بوقت عقد اس کے باپ کی قوم کی ہمسر عورت سے اعتبار کیا جائے گا یعنی (نکاح فاسدہ وغیرہ میں) عورت کا مہر مثل لازم ہوگا، پھر مصنفؒ نے مہر مثل کی وضاحت کی " مہر مثلها" فرماکر، تو پہلے لفظ (مہر مثل) سے معنی اصطلاحی شرعی مراد لئے اور دوسرے سے معنی لغوی مراد لئے، یعنی مہر مثل سے مراد اس عورت کا مہر ہے جو اس کے باپ کی قوم میں سے اس کے ہمسر اور مشابہ ہے پھر آگے مصنفؒ نے ان باتوں کو بیان کیا جن میں ہمسری اور مشابہت کا اعتبار ہے، اپنے اس قول سے۔

تشریح: ــلہ قولہ فی عقد فاسد الخ. عقد فاسد یہ ہے کہ شرائط صحت نکاح میں سے کوئی شرط مفقود ہو مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح، دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا، چوتھی بیوی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا، عدت میں عورت سے نکاح کرنا وغیرہ (کذا فی البحر)

ــلہ قولہ وبه یفتی الخ. اس کی وجہ یہ ہے کہ نسب ثابت کرنے کے سلسلہ میں نکاح دخول کے قائم مقام ہے کیونکہ عقد داعی الی الوطی ہے تو اس امر کی طرف پہنچانے والی چیز (عقد) کو اس (وطی) کا قائم مقام بنا دیا گیا اور نکاح فاسد داعی الی الوطی نہیں ہے کیونکہ یہ تو حرام ہے جسے توڑنا اور ختم کرنا ضروری ہے اس لئے ایسا عقد وطی کے قائم مقام نہیں بن سکتا پس مدت نسب کا اعتبار تحقق وطی ہی کے وقت سے ہوگا۔

ــلہ قولہ مہر مثلها الخ. سابقہ کلام سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں مہر مثل واجب ہوتا ہے مثلاً جس نکاح میں تسمیہ ہی نہ ہو یا جبکہ جہالت فاحشہ کی حد تک ایک مجہول چیز کو مہر بنا دیا گیا ہو یا ایسی چیز کو جو شرعاً حرام ہے یا مہر بننے کے قابل نہیں ہے مہر مقرر کیا گیا ہو، یا نکاح فاسد ہو چلا ہے اس میں مہر مقرر کیا ہو یا نہ کیا ہو تو اب مصنفؒ اس مہر مثل کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ فرمایا " ومهر مثلها" یہ مبتدا ہے اور دوسرا لفظ " مهر مثلها" خبر ہے۔ اور " من قوم ابیها" متعلق ہے دوسرے لفظ مثل کے ساتھ اور اس سے لغوی مماثلت مراد ہے، اس میں لغوی معنی مراد لینے سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ مبتدا اور خبر متحد ہونے کے باعث اخبار الشئ بنفسه لازم آرہا ہے۔ (باقی برآئندہ)

سنًّا وجمالًا ومالًا وعقلًا ودينًا وبلدًا وعصرًا وبكارةً وثيابةً فان لم توجد منهم فمن الاجانب لا مهر امّها وخالتها الا اذا كانتا من قوم ابيها اي اذا كانت امّها بنت عمّ ابيها وصحّ ضمان وليها مهرها ولو صغيرة وتطالب ايًّا شاءت ولو ادّى رجع على الزوج ان ضمن بامره والا فلا انما قال ولو صغيرة لانها اذا كانت صغيرة فمطالب المهر ليس الا وليها فيوهم انه لا يجوز الضمان لانه باعتبار الضمان يكون مطالبًا فيكون الشخص الواحد مطالِبًا ومطالَبًا

ترجمہ :- عمر میں اور حسن میں اور مال میں اور عقل میں اور دین میں اور شہر میں اور زمانہ میں اور بکارت میں اور ثیب ہونے میں پس اگر باپ کی قوم سے کوئی ان صفتوں کے ساتھ نہ ملا تو دوسری اجنبی عورتوں سے اعتبار کریں گے اور ماں اور خالہ کے مہر سے مہر مثل کا اعتبار نہ کیا جائے گا مگر جب ماں اور خالہ اس کے باپ کی قوم سے ہوں، یعنی جب اس کی ماں اس کے باپ کے چچا کی بیٹی ہو۔ اور اگر ولی خاوند کی طرف سے مہر کا ضامن ہو جائے تو درست ہے اگرچہ وہ عورت نابالغہ ہو اور عورت کو اختیار ہے کہ ولی یا خاوند جس سے چاہے مہر طلب کرے۔ اور اگر ولی نے مہر ادا کر دیا تو خاوند سے وصول کرلے بشرطیکہ خاوند کے حکم سے ضامن ہوا تھا اور اگر بلا حکم ادا کر دیا تو وصول نہیں کر سکتا ہے۔ اور مصنفؒ نے یہ جو فرمایا کہ "اگرچہ عورت نابالغہ ہو" اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت جب نابالغہ ہوتی ہے تو اس کی طرف سے ولی ہی مہر طلب کرنے والا ہوتا ہے، تو اب کسی کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں ولی کے لئے مہر کا ضامن ہونا درست نہیں ہوگا کیونکہ ضامن ہونے کے لحاظ سے وہ مہر کے ادا کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ایک ہی شخص مہر طلب کرنے والا بھی اور مہر ادا کرنے کا ذمہ دار بھی ہو (یعنی خود ہی مدعی اور خود ہی مدعیٰ علیہ جو سراسر باطل ہے)

تشریح :- (بقیہ صـ گذشتہ) کیونکہ اول "مہر مثل" جو مبتدا ہے اس سے شرعی اصطلاح مراد ہے اور دوسرا "مہر مثل" کہ خبر ہے اس سے لغوی مفہوم مراد ہے جو کہ "من قوم ابیہا" کی قید سے مقید ہے لہٰذا امراد کے لحاظ سے اتحاد نہ رہا ۱۲

(حاشیہ صـ ہذا) لہ قولہ وبلدا وعصرا الخ: یعنی اگر برابر کی عورت باپ کی قوم سے تو ہو لیکن جگہ یا زمانہ کا اختلاف ہو تو اس کے مہر کو مہر مثل قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اختلاف مقام اور زمانہ سے عادۃً مہر کی مقدار اور معیار کی کثرت و قلت میں بھی اختلاف ہو جایا کرتا ہے ۱۲

۲ے قولہ وصح ضمان ولیہا الخ: یعنی شوہر کی طرف سے اگر عورت کا ولی مہر کا ضامن ہو جائے تو یہ درست ہے بشرطیکہ وہ عورت بھی اس ضامن ہونے کو قبول کرے جبکہ وہ بالغہ ہو اور اگر وہ صغیرہ ہو اور خاوند کا ولی ضامن بنے تو اس مجلس میں صغیرہ کی طرف سے کسی دوسرے کا قبول کرنا شرط ہے اور اگر خود صغیرہ کا ولی ضامن بنے تو اس کا ایجاب نکاح قبول کے قائم مقام ہو جائے گا علیحدہ قبول شرط نہیں ۱۲

۳ے قولہ ان ضمن بامرہ الخ: یعنی ولی اگر خاوند کے حکم سے مہر کا ضامن ہونے کے بعد مہر ادا کر دے تو خاوند سے وصول کرے گا اس مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر باپ اپنے چھوٹے بیٹے کے مہر کا ضامن ہو کر اپنی طرف سے مہر ادا کر دے تو بیٹے سے وصول نہیں کر سکتا ہے کیونکہ چھوٹے بچوں کے مہروں کی ادائیگی کی ذمہ داری عرفاً باپ ہی برداشت کرتا ہے ہاں اگر ضامن ہونے کے موقع ہی میں اس بات پر وہ گواہ بنالے کہ بیٹے کے مال سے وصول کرنے کی شرط پر وہ مہر ادا کرنے والا ہے تو ایسی صورت میں بیٹے سے رجوع کر سکتا ہے۔ اور یہ مسئلہ جدا ہے کہ باپ جب اپنے چھوٹے بیٹے کا کسی عورت سے نکاح کر دے تو آیا اس سے بیٹے کے مہر کا مطالبہ ہو سکتا ہے یا نہیں! اس میں کچھ تفصیل ہے کہ اگر بیٹا مالدار ہے تو بالاتفاق باپ سے مطالبہ نہیں ہو سکتا، ہاں بیٹے کے مال سے مہر ادا کرنے کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر بیٹا فقیر ہے تو ایک قول کے مطابق باپ سے مطالبہ ہو گا خواہ وہ ضامن ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور معتمد قول یہ ہے کہ باپ سے مطالبہ نہیں ہو سکتا جبکہ اس نے ضمانت نہ دی ہو۔ غرض اگر خاوند کے حکم کے بغیر ضامن ہوا ہو یا بغیر ضمانت یوں ہی تبرعاً ادا کر دے پھر اس سے وصول کرنے کا حق نہیں ہو گا کیونکہ کتاب الکفالہ کا یہ طے شدہ ضابطہ ہے کہ ضامن اصیل سے اسی وقت رجوع کر سکتا ہے جبکہ اس کے حکم سے ضامن ہو ورنہ نہیں ۱۲

لکن لا اعتبار لهذا الوهم لان حقوق العقد هنا راجعة الی الاصیل فالولی[۱] سفیر ومعبِّر بخلاف البیع فانه اذا باع الاب مال الصغیر لا یجوز ان یضمن الثمن لان الحقوق راجعة الی العاقد ولها[۲] منعه من الوطی والسفر بها والنفقة لو منعت ای لها النفقة علی تقدیر المنع ولو بعد وطی او خلوة برضاها احتراز عن قولهما فانه اذا وطیها او خلا بها مرة برضاها لا یبقی لها حق المنع لانها سلمت الیه المعقود علیه فلا یکون لها حق الاسترداد ولابی حنیفة ان کل وطیة معقود علیها فتسلیم البعض لا یوجب تسلیم الباقی قبل اخذ[۳] ما بیّن تعجیله کلًّا او بعضًا.

ترجمہ: لیکن یہاں اس وہم کا اعتبار نہیں اس لئے کہ نکاح کے معاملہ میں عقد کے حقوق واجبہ اصل صاحب معاملہ (الزوجین) پر ثابت ہوتے ہیں اور ولی تو محض ایک واسطہ اور پیغام رساں ہوتا ہے، بخلاف عقد بیع کے، یعنی باپ جبکہ نابالغ کا مال بیچے تو اس کی قیمت کا ضامن ہونا باپ کے لئے درست نہیں کیونکہ عقد بیع میں حقوق عقد اصل مالک کی بجائے عاقد پر عائد ہوتے ہیں اور عورت کو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ خاوند کو منع کرے جماع سے اور اس سے کہ خاوند اس کو اپنے ساتھ سفر میں لیجائے البتہ خاوند پر نفقہ واجب ہے اگر منع کرے، یعنی منع کرنے کے باوجود خاوند پر عورت کا نفقہ واجب ہے اگرچہ یہ منع اس کے بعد ہو کہ مرد نے اس سے پیشتر اس کی رضامندی سے اس سے وطی کی ہو یا خلوت کی ہو اس میں صاحبین کے قول سے احتراز ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اگر خاوند اس سے پیشتر اس کی رضامندی سے ایک بار بھی اس سے وطی یا خلوت کر چکا ہے تو اس کے بعد عورت کو منع کا اختیار باقی نہیں رہے گا کیونکہ وہ تو معقود علیہ (یعنی منافع بضع) شوہر کو حوالہ کر چکی ہے۔ تو اب اُسے واپس لینے کا حق نہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ہر دفع کی وطی مستقل معقود علیہ ہے پس بعض معقود علیہ کو حوالہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ما باقی بھی ضرور حوالہ کرے اس مقدار مہر کے وصول کر لینے سے پہلے جس کا معجل ادا کرنا طے ہو چکا ہو خواہ کل مہر ہو یا بعض مہر ہو۔

تشریح: [۱] قولہ فالولی سفیر ومعبر الخ یعنی معاملہ نکاح میں ولی کا کام صرف اس کی سفارت اور ایجاب یا قبول کا انجام دینا ہے جس کا وہ ولی ہے اور نکاح سے متعلقہ باقی حقوق مثلاً زوجہ سپرد کرنا، مہر طلب کرنا اور ادا کرنا یہ سب زوجین میں سے کسی ایک کی طرف راجع ہوں گے، باقی ولی کو جو مطالبہ مہر کا حق پہنچتا ہے تو یہ اس بنا پر نہیں کہ وہ عقد کرنے والا ہے بلکہ باپ ہونے کی حیثیت سے ہی وجہ ہے کہ عورت کے بالغ ہونے کے بعد ولی کو مہر قبضہ کرنے کا حق نہیں ہے جبکہ عورت منع کر دے بخلاف بیع کے کہ بیٹا بالغ ہونے کے بعد بھی باپ کو بحیثیت عاقد ثمن قبضہ کرنے کا حق ہے۔ (کذا فی الفتح) ۱۲

[۲] قولہ ولها منعه من الوطی الخ۔ یہی حکم دواعی وطی کا بھی ہے۔ یعنی زوجہ کے لئے جائز ہے کہ مہر معجل ادا کرنے سے پہلے خاوند کو وطی سے روک دے اور شوہر کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ مجبور کر کے عورت سے وطی کرے جبکہ وہ طلب مہر کی وجہ سے مرد کو منع کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر خاص کر معجل منافع بضع کا عوض ہے تو جس طرح بیع میں قبض ثمن سے پہلے مبیع روکنے کا حق ہے اسی طرح یہاں قبض مہر سے پہلے منافع بضع روک سکتی ہے ۱۲

[۳] قولہ قبل اخذ ما بین الخ۔ یعنی عورت کو اس مقدار مہر لینے سے قبل منع کرنے کا حق ہے کہ جو مقدار نکاح کے وقت معجل قرار دی گئی چاہے یہ مقدار تمام مہر ہو یا مہر کا کچھ حصہ ہو یعنی نکاح کے وقت یہ شرط کی گئی تھی کہ اتنا مہر فوری طور پر بغیر کسی تاخیر کے ادا کر دیا جائے گا اور اگر مصنف "لاخذ ما بین" فرماتے تو بہتر تھا تاکہ یہ سمجھ میں آتا کہ یہ ممانعت مہر پر قبضہ کرنے کے باعث ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مہر کی ادائیگی مقدم ہے منافع بضع سپرد کرنے پر چاہے مہر معین شئ ہو یا لازم فی الذمہ ہو بخلاف بیع کے جبکہ قیمت شئ معین ہو تو ایک دوسرے کو ایک ساتھ ثمن اور مبیع حوالہ کرنا لازمی ہے کیونکہ یہاں ایک ساتھ تبض وتسلیم محال ہے اور بیع میں ممکن ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مہر عورت کا خود قبضہ کرنا شرط نہیں بلکہ اگر عورت کا وکیل یا قاصد قبضہ کر لے تو بھی کافی ہے، اور اگر عورت خاوند سے مہر قبضہ کرنے کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص پر حوالہ کر دے تو جب تک وہ شخص مہر پر قبضہ نہ کر لے اُسے حق ہے کہ خاوند کو استمتاع سے روکے، اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ نکاح میں تمام یا بعض مہر فوری ادا کرنا شرط نہیں، البتہ مستحب ضرور ہے ۱۲

الظرف وهو قبل متعلق بقوله ولها منعه ثم عطف[1] على قوله ما بين تعجيله قوله او قدر ما يعجّل لمثلها من مثل مهرها عرفا غير مقدر بالربع والخمس ان[2] لم يبيّن لفظ المختصر هذا والمعجّل والمؤجل ان بيّنا فذاك والا فالمتعارف والسفر والخروج للحاجة وزيارة اهلها بلا اذنه قبل قبضه اى ولها السفر الى اخره قبل قبض المعجّل لا بعده ولا لها المنع لقبض الكل في المختار اى ان لم يبيّن المعجل والمؤجل لا يكون لها ولاية منع النفس لاخذ كل المهر فهذا الحكم قد فهم مما تقدم فانه اذا قال او قدر ما يعجّل الى قوله ان لم يبين تقييده ولاية المنع بقدر المعجل يدل بطريق[3] المفهوم۔

(حواشی بین السطور: اى المصنف ۱۲ عمده — اشارة الى ما كتب بعده ۱۲ عمده — اى من بيتها ۱۲ عمده — اى الزوج ۱۲ عمده — اى بعد قبض المعجل ۱۲ عمده — اى تسليم المهر ۱۲ عمده — اى من الوطى وغيره ۱۲ عمده — اى عدم المنع لقبض الكل ۱۲ عمده — اى المصنف ۱۲ عمده — اى منع المرأة زوجها من الوطى وغيره ۱۲ عمده)

ترجمہ: ظرف یعنی "قبل" کا لفظ یہ مصنف کی عبارت "ولها منعه" سے متعلق ہے (یعنی وصول مہر سے پہلے تک منع کا حق ہے) پھر مصنف نے "ما بين تعجيله" پر اگلی بات کو عطف کیا ہے یا اگر مہر معجل کی مقدار طے نہ ہو تو اس قدر وصول کرنے سے پہلے (تک جماع اور سفر سے منع کر سکتی ہے) جتنی اس جیسی عورت کو اتنی مقدار کے مہر میں سے معجل ادا کیا جانا معروف و مروج ہو مہر کا ایک چوتھائی یا پانچواں حصہ ہونے کی کوئی کٹر بندی نہیں ہے ـ مختصر الوقایہ کی عبارت اس طرح پر ہے "مہر معجل اور مؤجل کی مقدار اگر طے شدہ ہو تو وہی لازم ہے ورنہ عرف کا اعتبار ہوگا" اور حق پہنچتا ہے عورت کو کہ قبل لینے اس مہر کے خاوند کی اجازت کے بغیر ہی سفر کرے یا کسی حاجت کو یا اپنے اقارب کی ملاقات کو جاوے۔ یعنی مہر معجل کے قبضہ کرنے سے پہلے عورت کو حق ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر سفر وغیرہ کرے۔ اور بعد قبضہ کر لینے اس مہر کے یہ حق نہیں اور نہ اُسے یہ حق ہے کہ جب تک پورا مہر نہ پالے اس وقت تک وطی یا سفر سے منع کرے یہی مذہب مختار ہے۔ یعنی اگر معجل یا مؤجل کا بیان نہ ہو تو عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ کل مہر لینے کے واسطے وطی یا سفر وغیرہ سے منع کرے، یہ حکم البتہ پہلی عبارت ہی سے سمجھ میں آجاتا ہے اس لئے کہ مصنف نے جب یہ بتایا کہ "یا اتنی مقدار ادا کرنے سے پیشتر منع کر سکتی ہے جتنی معجل ادا کرنا متعارف ہے اگر مقدار معجل کا بیان نہ ہوا ہو" تو صرف معجل مقدار کے ساتھ حق منع کو مقید کرنے کا مفہوم مخالف اسی پر دلالت کرتا ہے۔

تشریح: [1] قوله او قدر ما يعجل الخ۔ یعنی اگر تمام یا بعض کی فوری ادائیگی کی تصریح نہ ہو تو عرف کے اعتبار سے جتنی مقدار کو معجل سمجھا جاتا ہے اس قدر لینے تک عورت کو منع کرنے کا حق حاصل ہے، صیرفیہ میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے کہ تہائی یا چوتھائی کی بجائے زوجین کے شہر کے رواج کا اعتبار کیا جائے گا، اور خانیہ میں ہے کہ عرف عام کا اعتبار ہوگا کیونکہ جو بات عرفاً ثابت ہوتی ہے وہ شرعاً ثابت شدہ کی طرح ہے ۱۲

[2] قوله ان لم يبين الخ۔ یعنی کل یا بعض کی فوری ادائیگی کی تصریح نہیں کی اسی طرح کل مؤجل رکھنے کی بھی تصریح نہ ہو کیونکہ اگر اس نے کل کا مؤجل ہونا یا کل کا معجل ہونا یا بعض کا معجل ہونا اور بعض حصہ مؤجل ہونا بیان کیا تو اس صورت میں عرف کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ صریح دلالت سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اور صراحت نہ پائے جانے کی حالت ہی میں دلالت عرف وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ۱۲

[3] قوله بطريق المفهوم الخ۔ یعنی مفہوم مخالف اور مفہوم قید سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ جب یہ ذکر ہوا کہ جس مہر کا معجل ہونا مذکور ہو خواہ کل مہر ہو یا بعض مہر ہو، اُسے لینے سے پہلے عورت کو منع کی ولایت ثابت ہے اور جب مہر معجل کا بیان نہ ہو تو عرف میں مہر معجل کی جو مقدار ہوتی ہے اسے لینے سے پہلے تک عورت کو منع کا حق ہے تو دوسری صورت میں مقدار مہر معجل کے ساتھ حکم منع کو مقید کر دینے سے معلوم ہوا کہ جب اس قید کی نفی ہوگی حکم کی بھی نفی ہو جائے گی، اب خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کہ مہر معجل کے بیان نہ ہونے کی صورت میں سارا مہر لینے کے لئے عورت کو منع کرنے کا حق حاصل نہیں اسی کو مفہوم مخالف کہتے ہیں ۱۲

على ان ليس لها المنع لقبض الزائد على هذا المعجل ولاخلاف[١] فی ان التخصيص بالذكر فی الروايات يدل على نفی الحكم عما عداه لكن اراد التصريح بهذا ليدل على انه مختلف فيه والمختار هذا فان المتاخرين اختاروا هذا بناء على المتعارف وان كان اصل المذهب ان لها ولاية المنع لاخذ كل المهر اذ لم يبين مقدار المهر المعجل والمؤجل لان[٢] المهر عوض البضع فما لم تقبض كل العوض لا يجب عليها تسليم البضع لا لو اجل كله فانه لو اجل الكل فقد[٣] سقط حقها فلا يكون لها منع النفس لاخذه وله السفر بها بعد ادائه فی ظاهر الرواية۔

ترجمہ:۔ کہ اس معجل مقدار سے زائد وصول کرنے کے لئے عورت اپنے آپ کو نہیں روک سکتی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ فقہی عبارتوں میں کسی حکم کو خاص قید یا شرط کے ساتھ ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قید یا شرط نہ پائے جانے کی صورت میں یہ حکم بھی منتفی ہے، تاہم مصنفؒ نے اس مسئلہ کو اس لئے صریح طور پر بتانے کا قصد کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم مختلف فیہ ہے اور راجح وہی ہے جو کہ بتایا گیا کیونکہ متاخرین نے عرف عام کی بنا پر اسی قول کو اختیار کیا ہے اگرچہ اصل مذہب تو یہ ہے کہ جب مہر معجل اور مؤجل کی کوئی مقدار بیان نہ کیا گیا ہو تو عورت کو کل مہر کے واسطے منع کرنے کا حق حاصل ہوگا اس لئے کہ مہر درحقیقت منافع بضع کا عوض ہے تو جب تک پورا عوض وصول نہ پائے، عورت پر منافع بضع کا حوالہ کرنا واجب نہ ہوگا۔ اور اگر کل مہر مؤجل ہو تو عورت کو حق منع نہیں ہے کیونکہ جب یہ طے پا گیا کہ کل مہر مؤجل رہے گا تو عورت کا حق منع ساقط ہو گیا۔ اب مہر وصول کرنے کے لئے اپنے آپ کو حوالہ کرنے سے روکنے کا حق بھی نہیں رہے گا۔ اور مہر کے ادا کر دینے کے بعد خاوند کو حق پہنچتا ہے کہ عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے ظاہر روایت کی رو سے۔

تشریح:۔ [١] قولہ ولا خلاف الخ. یہ اس شبہ کا جواب ہے جو مصنفؒ کے قول "بطریق المفہوم" سے پیدا ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک تو مفہوم مخالف مفہوم قید، مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا اعتبار نہیں البتہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک حجت ہے جیسا کہ علماء اصولیین اپنی کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے تو پھر شارح نے کس طرح بیان اعتبار کیا ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کے معتبر ہونے میں ہمارے اور شوافع کے درمیان جو اختلاف ہے وہ نصوص شرعیہ اور قرآن و سنت کے احکام منصوصہ کے اندر ہے (کہ وہ ان میں مفہوم مخالف کو حجت مانتے ہیں اور احناف نہیں مانتے ہیں) مگر کتب فقہ کی عبارت اور فقہی تصریحات خاص کر مختصر متون فقہ کے مسائل میں بالاتفاق مفہوم مخالف معتبر ہے ۱۲

[٢] قولہ لان المہر عوض الخ. یہ اصل مذہب کی دلیل ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ مہر دراصل منافع بضع کا عوض ہے اس لئے جب تک عورت تمام مہر حاصل نہ کر لے تب تک اُسے منافع بضع سپرد کرنے سے باز رہنے کا حق ہوگا جیسے بائع کو حق ہے کہ جب تک قیمت میں سے ایک درہم بھی باقی رہے تب تک بیچی ہوئی چیز کو روکے رکھے، اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ اس دلیل کا تقاضا تو یہ ہے کہ عورت کو ہر حال میں پورا مہر لینے کے لئے منع کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں بات تو ایسی ہی ہے لیکن تمام یا بعض مہر کو مؤجل قرار دینے کی صورت میں عورت خود ہی مقدار معجل حاصل کر چکنے کے بعد اپنا حق منع ساقط کرنے پر راضی ہو چکی ہے۔ مگر جہاں مہر معجل کا بیان نہ ہو وہاں حق ساقط کرنے پر رضامندی نہیں ہے۔ فافترقا ۱۲

[٣] قولہ فقد سقط حقہا الخ. یعنی خاوند کو منع کرنے کا حق ساقط ہو گیا کیونکہ جب عورت سارا مہر مؤجل رکھنے پر راضی ہو گئی اور یہ بات معلوم ہے کہ نکاح اس لئے ہوتا ہے کہ مرد جب بھی چاہے اس سے استمتاع کرے تو گویا وہ حق منع ساقط کرنے پر بھی راضی ہو چکی ہے ۱۲

ای بعد اداء ما بین تعجیلہ او قدرِ ما یُعجّل لمثلھا فی ظاھر الروایۃ وقیل لا وبہ افتی الفقیہ ابو اللیث ولہ ذٰلک فیما دون مدتہ ای لہ نقلھا فیما دون مدۃ السفر

وان اختلفا فی المھر ففی اصلہ یجب مھر المثل اجماعا ای ان اختلفا فقال احدھما لم یسم مھر وقال الاٰخر قد سمّی فان اقام البینۃ لا شک فی قبولھا وان لم یُقم فعندھما یُحلّف فان نکل ثبت دعوی التسمیۃ وان حلف یجب مھر المثل واما عند ابی حنیفۃ ینبغی ان لا یُحلّف لانہ لا یُحلّف فی النکاح عندہ فیجب مھر المثل۔

ترجمہ :۔ یعنی ظاہر روایت میں یہ ہے کہ بیان کردہ مہر معجل یا اس جیسی عورت کو جتنی مقدار معجل دینے کا دستور ہے جب خاوند ادا کر دے تو عورت کو اپنے ہمراہ سفر میں لے جا سکتا ہے) اور بعضوں کے نزدیک نہیں لے جا سکتا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو اللیث نے، اور خاوند کے لئے جائز ہے کہ عورت کو لے جائے ایسی جگہ پر جس کی مسافت مدت سفر سے کم ہو، یعنی اتنی دور تک منتقل کرنا درست ہے جو سفر کی مدت سے کم ہو۔
اگر زوج اور زوجہ نے مہر میں اختلاف کیا پس اگر یہ اختلاف اصل مہر میں ہو تو بالاجماع مہر مثل واجب ہوگا۔ یعنی دونوں میں اختلاف ہوا، ایک نے کہا مہر مقرر نہیں ہوا اور دوسرے نے کہا کہ مہر مقرر ہوا ہے اور اس نے مقرر ہونے پر گواہ پیش کیا تو بلا شبہ اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے اور اگر گواہ پیش نہ کرے تو مہر معین ہونے کے منکر کو قسم دلائی جائے گی اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مہر معین ہونے کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اگر اس نے قسم کھالی تو مہر مثل واجب ہوگا (یہ تفصیل صاحبین کے قول کے مطابق ہے) لیکن امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا تقاضا یہ ہے کہ قسم نہ دلائی جائے اس لئے کہ ان کے نزدیک نکاح کے امور میں قسم نہیں دی جاتی ہے پس مہر معین ہونے پر گواہ قائم نہ کرنے کی صورت میں ان کے نزدیک بلا حلف ہی مہر مثل واجب ہوگا۔

تشریح :۔ ۱؎ قولہ فیما دون مدتہ الخ۔ چاہے یہ منتقل کرنا شہر سے گاؤں کی طرف ہو یا اس کا برعکس ہو یا ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب ہو جن کے درمیان تین دن اور تین رات کی مسافت سفر نہ ہو اور تاتارخانیہ میں یہ قید لگائی ہے کہ اتنی دور بستی کی طرف جہاں سے آدمی رات سے پہلے گھر واپس آ سکتا ہو لیکن کافی میں اس حکم کو واپسی کی قید سے مطلق رکھا ہے اور بتایا کہ اسی پر فتویٰ ہے ۱۲

۲؎ قولہ وان اختلفا الخ یعنی اگر زوجین کے اندر مہر کے بارے میں اختلاف ہو جائے اور اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یہ اختلاف یا تو مقدار مہر میں ہوگا مثلاً عورت زیادہ کا دعویٰ کرے اور مرد اس زیادتی کا انکار کرے (۲) یا اصل مہر ہی میں اختلاف ہو جائے (۳) پھر ہر دو صورت میں یہ اختلاف زوجین کی زندگی میں واقع ہو یا دونوں کی وفات کے بعد یعنی دونوں کے ورثاء میں اختلاف ہو جائے (۴) یا ایک کی موت کے بعد اختلاف واقع ہو یعنی زوجین میں سے ایک اور دوسرے کے ورثاء کے درمیان اختلاف ہو جائے (۵) پھر پہلی دونوں صورتوں کا اختلاف دخول سے پہلے ہو یا دخول کے بعد واقع ہو، آگے ان تمام صورتوں کے احکام بیان ہوں گے ۱۲

۳؎ قولہ اجماعا الخ یعنی ہمارے ائمہ احناف کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کیونکہ تسمیہ مہر میں شک پیدا ہو جانے کی وجہ سے مہر مسمی پر فیصلہ دینا ممکن نہیں اس لئے رفع اختلاف کی خاطر مہر مثل کی طرف رجوع کیا جائے گا جو کہ اصل ہے اور مہر مسمی قوی ہونے کی بنا پر ہی اسے ترک کیا جاتا ہے پس جب مہر مسمی ثابت نہ ہو تو اس کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے ۱۲

۴؎ قولہ یحلف الخ یعنی تسمیہ کے منکر پر حلف ہوگی کیونکہ مدعی پر بینہ لازم ہے اور اگر وہ بینہ پیش نہ کر سکے تو منکر پر حلف لازم آتی ہے اس لئے قاضی تسمیہ کے انکار پر اُسے حلف اٹھانے کا حکم دے گا۔ اب اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو دعویٰ تسمیہ لازم ہو جائے گا کیونکہ منکر کا قسم سے انکار گویا اس بات کا اقرار ہے جس کا مدعی دعویٰ کرتا ہے ۱۲

وفی قدرہ حال قیام النکاح القول لمن شھد لہ مھر المثل مع یمینہ ای ان کان مھر المثل مساویاً لما یدعیہ الزوج او اقل منہ فالقول لہ مع الیمین وان کان مساویاً لما تدعیہ المرأۃ او اکثر منہ فالقول لھا مع الیمین وای اقام بینۃ قبلت شھد مھر المثل لہ او لھا وذلک لان المرأۃ تدعی الزیادۃ فان اقامت بینۃ قبلت وان اقام الزوج وحدہ تقبل ایضاً لان البینۃ تقبل لدفع الیمین کما اذا اقام المودع بینۃ علی رد الودیعۃ الی المالک تقبل وان اقاما فبینتھا ان شھد لہ وبینتہ ان شھد لھا۔

ترجمہ:۔ اور اگر مقدار مہر میں اختلاف ہو تو بحالت قیام نکاح اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے جس کے موافق مہر مثل گواہی دے یعنی شوہر جس مقدار کا دعویٰ کرتا ہے اگر مہر مثل اس کے برابر یا کم ہو تو اس کا قول معتبر ہے یمین کے ساتھ۔ اور اگر مہر مثل عورت کے دعویٰ کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا حلف کے ساتھ اور خاوند اور بیوی میں سے جو بھی گواہ پیش کرے اس کی گواہی مقبول ہوگی مہر مثل خواہ شوہر کے موافق ہو یا بیوی کے موافق، اس لئے کہ عورت زیادہ کا دعویٰ کرتی ہے اب اگر وہ گواہ پیش کرے تو قبول کئے جائیں گے کہ مدعی کے ذمہ ہے گواہ قائم کرنا۔ اور اگر عورت کے بجائے مرد ہی گواہ پیش کرے تو اس کے گواہ بھی قبول کئے جائیں گے کیونکہ دفع یمین کے لئے بھی بینہ مقبول ہوتا ہے جیسا کہ امین کی طرف سے بینہ مقبول ہے۔ جبکہ وہ امانت مالک کو ادا کر دینے پر گواہ پیش کرے۔ اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو عورت کے گواہ مقبول ہوں گے اگر مہر مثل مرد کے موافق ہو اور مرد کے گواہ مقبول ہوں گے اگر مہر مثل عورت کے موافق ہو۔

تشریح:۔ [1] قولہ او اکثر منہ فالقول الخ یعنی اگر مثلاً خاوند دعویٰ کرے کہ مہر ایک ہزار ہے اور عورت دو ہزار کا دعویٰ کرے اور مہر مثل ایک ہزار یا اس سے کم ہو تو چونکہ ظاہر حال خاوند کے حق میں گواہ ہے اس لئے اس کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مستحق مہر مثل سے کم نہ ہو بلکہ اس کے برابر ہو یا زیادہ ہو اور ضابطہ یہ ہے کہ ظاہر جس کے موافق ہو اس کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہوتا ہے گویا اسے منکر شمار کیا جاتا ہے اور دوسرے کو مدعی۔ اور اگر مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہو تو ظاہر حال عورت کے حق میں گواہ ہے کیونکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ عورت اپنا مہر اتنا مقرر کرنے پر راضی ہو سکتی ہے جو مہر مثل کے برابر ہو یا اس سے معمولی کم ہو بہت زیادہ کمی پر راضی ہونا بالکل خلاف ظاہر ہے اس لئے اس صورت میں عورت کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہوگا۔

[2] قولہ شہد مہر المثل الخ یعنی چاہے مہر مثل خاوند کے موافق ہو مثلاً مرد کے دعویٰ کے برابر یا اس سے کم ہو یا عورت کے موافق ہو یعنی عورت کے دعویٰ کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اور یہی حکم ہے جبکہ مہر مثل مرد کے موافق ہو نہ عورت کے موافق، مثلاً مرد اور عورت دونوں کے دعویٰ کے درمیان مہر مثل کی مقدار ہو۔ اس صورت کو اگرچہ مصنف نے متن میں ذکر نہیں کیا ہے مگر شارح نے مسئلہ تحالف میں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، بہرحال ان تینوں صورتوں میں جو بھی بینہ پیش کرے گا وہ قبول کیا جائے گا۔

[3] قولہ لان البینۃ تقبل الخ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ زوج اگرچہ عورت کے دعویٰ کا منکر ہے اور قاعدہ کے مطابق مدعی بینہ پیش کرنے سے عاجز ہونے کی صورت میں منکر پر قسم لازم ہونی چاہیے تاہم شوہر کا بینہ اس لئے مقبول ہوگا کہ کبھی کبھی رفع یمین کے لئے بھی بینہ قبول کر لیا جاتا ہے کہ اس بینہ کے ذریعہ اس نے جو دعویٰ کیا تھا وہ ثابت اور اس کے اوپر سے قسم ساقط ہو جاتی ہے البتہ یہ بات تب ہی ہو سکتی ہے جبکہ منکر کی جانب بھی من وجہ اثبات کا پہلو موجود ہو محض رد و انکار نہ ہو۔

لان البيناتِ شُرعت لاثبات ما هو خلاف الظاهر واليمينُ شُرعت لِابقاء الاصل على اصله قال النبي عليه السلام البيّنة على المدعى واليمين على من انكر والاصل في النكاح ان يكون بمهر المثل فالذی یدعی خلاف ذلك فبينته اقوى وان كان بينهما تحالفا اي ان كان مهر المثل بين ما يدّعيه الزوج والمرأة ولا بينة لِاحدهما تحالفا فان حلفا او اقاما قضي به اي بمهر المثل فان حلفا قضي بمهر المثل كذا ان اقام كل منهما البينة وان اقاما احدهما فقط تقبل بينته ولم يذكر هذا القسم لظهوره وهذا الذی ذكرناه هو فی حال قيام النكاح فاراد ان يُبين الاختلاف بعد وقوع الطلاق فقال۔

ترجمہ: کیونکہ گواہ ان امور کے اثبات کے لئے مشروع ہیں۔ جو ظاہر حال کے خلاف ہوں اور قسم اس واسطے مشروع ہے کہ اصلی حالت کو اصل پر باقی رکھے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ مدعی پر ہے (جو اصل حالت سے زائد بات کا دعویٰ کرے) اور قسم اس شخص پر ہے جو (زائد بات کا) انکار کرے اور نکاح میں اصل یہ ہے کہ مہر مثل ہو تو جو اس کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے گواہ دوسرے کے گواہ کے مقابلہ میں قوی تر ہوں گے اور اگر مہر مثل بیان ہوئی کے دعویٰ کے درمیان میں ہو تو دونوں پر قسم آ دیگی یعنی اگر مہر مثل مرد اور عورت کے دعویٰ کے بیچ میں ہو اور کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو دونوں پر قسم عائد ہو گی۔ پس اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہ پیش کی تو اس پر فیصلہ ہو گا یعنی مہر مثل پر فیصلہ ہو گا۔ غرض اگر دونوں نے قسم کھائی تو مہر مثل لازم ہو گا اسی طرح اگر دونوں نے گواہ قائم کئے تو بھی مہر مثل ہی لازم آئے گا، اور اگر دونوں میں سے صرف ایک نے گواہ قائم کئے تو اس کے گواہ مقبول ہوں گے اور مصنفؒ نے اس آخری صورت کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس کا حکم بالکل ظاہر ہے اب تک جتنی صورتیں ہم نے بتائیں وہ جب تھیں کہ نکاح قائم ہو (اور مہر میں اختلاف واقع ہو) اب آگے مصنفؒ اس اختلاف کا حکم بتانا چاہتے ہیں جو طلاق کے بعد واقع ہو چنانچہ فرمایا

تشریح: [1] قولہ لان البینات الخ۔ یہ عورت اور مرد کے گواہوں کے درمیان وجہ فرق کا بیان ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بینہ دراصل شریعت کی رو سے اس شئی کو ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ جس پر ظاہر کی دلالت نہ پائی جاتی ہو، اس لئے ہر وہ شخص جس کی بات ظاہر کے مخالف ہو اس کا بینہ دوسرے کے بینے کے مقابلہ میں قابل قبول ہو گا ۱۲

[2] قولہ بین ما یدعیہ الخ۔ مثلاً شوہر دعویٰ کرے کہ مہر ایک ہزار ہے اور عورت دعویٰ کرے کہ دو ہزار ہے اور مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہے اور کسی کے پاس اپنے دعوی کے حق میں بینہ نہ ہو۔ یہ بات اس لئے کہی کہ اگر کسی کے پاس بینہ ہو تو پھر دونوں سے قسم لینے کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ جو بھی گواہ پیش کر دے اس کے موافق فیصلہ ہو جائے گا۔ اور تحالف کی صورت میں اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کے خلاف دو ہزار کا فیصلہ دیا جائے گا اور عورت انکار کرے تو ایک ہزار واجب ہو گا ۱۲

[3] قولہ وان اقام احدہما الخ۔ یعنی اس صورت میں جبکہ مہر مثل دونوں کے دعوی کے درمیان میں ہو، مرد و عورت کسی کے دعوی کے موافق نہ ہو۔ اور مصنفؒ نے متن کتاب میں اس صورت کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس کا حکم بالکل ظاہر و باہر ہے کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی جبکہ بینہ پیش کرے تو اس کے بالمقابل کوئی بینہ نہ ہونے کی بنا پر اس کا مقبول ہونا اس قدر واضح ہے کہ بتانے کی حاجت نہیں، علاوہ ازیں سابق مسئلہ سے بھی اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جہاں یہ بتایا کہ مرد یا عورت میں سے مہر مثل جس کے دعوی کی تائید کرے اس کا قول معتبر ہو گا کیونکہ وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ زوجین میں سے جو کوئی بینہ پیش کر دے وہ مقبول ہو گا چاہے مہر مثل اس کے موافق ہو یا دوسرے کے موافق ہو تو اس صورت میں بھی جبکہ مہر مثل کسی کے موافق نہیں اور ان میں سے ایک بینہ پیش کرے تو اس کا قبول ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوتا ہے ۱۲

وفی الطلاق قبل الوطی حُکِّمَ[1] متعة المثل ای ان کان متعة المثل ساویة لنصف
ما یدّعیه الزوج او اقلّ منه فالقول له وان کانت مساویة لنصف ما تدّعیه
المرأة او اکثر منه فالقول لها وایٌّ اقام بینة قبلت وان اقاما فبینتها اولی
ان شهدت له وبینته ان شهدت لها وان کانت بینهما تحالفا فان حلفا
تجب متعة المثل وموت احدهما کحیاتهما فی الحکم وبعد موتهما[2] ففی القدر القول
لورثته وفی اصله لم یقض بشیء وقالا قضی بمهر المثل وبه یفتی وان بعث الیها
شیئا فقالت هو هدیة وقال هو مهر فالقول له الا فیما هیّئ للاکل کالخبز بخلاف
الحنطة فان نکح ذمیٌّ ذمیة او حربیٌّ حربیة ثمّه ای فی دار الحرب بمیتة او بلا مهر
وذا جائز عندهم۔

ترجمہ:۔ ——— "اور وطی سے پہلے طلاق دے چکنے کی صورت میں اگر مقدار مہر کے اندر اختلاف ہو تو اس جیسی عورت کے متعہ کو فیصل بنایا جائے گا یعنی شوہر جس مقدار کا دعویٰ کرتا ہے اگر متعۂ مثل اس کے نصف کے برابر ہو یا نصف سے کم ہو تو شوہر کا قول معتبر ہے یمین کے ساتھ اور اگر عورت جس مقدار کا دعویٰ کرتی ہے متعۂ مثل اس کے نصف کے برابر ہو یا اس کے نصف سے زیادہ ہو تو عورت کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہے اور ان میں سے جو بھی گواہ پیش کر دے اس کے گواہ مقبول ہوں گے اور اگر دونوں گواہ لائیں تو عورت کے گواہ کو ترجیح ہوگی جبکہ متعۂ مثل مرد کے دعویٰ کے موافق ہو اور مرد کے گواہ کا اعتبار ہوگا اگر متعۂ مثل عورت کے دعویٰ کے موافق ہو اور اگر متعۂ مثل دونوں کے دعویٰ کے درمیان میں ہو تو دونوں پر قسم آئے گی۔ اب اگر دونوں نے قسم کھائی تو متعۂ مثل واجب ہوگا۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا پھر اصل مہر یا مقدار مہر میں اختلاف ہوا تو حکم اس کا بعینہ ایسا ہے جیسے حالت حیات میں تھا۔ اور اگر دونوں مر گئے اور نزاع پڑی مقدار مہر میں تو خاوند کے وارثوں کے قول کا اعتبار ہوگا اور اگر اصل مہر میں نزاع پڑی (کہ مہر معین ہوا تھا یا نہیں ہوا تھا) تو کچھ بھی لازم نہ آئے گا (یہ امام صاحب کا قول ہے) اور صاحبین کے نزدیک مہر مثل لازم آئے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اگر خاوند نے عورت کو کوئی چیز بھیجی بعد اس کے اختلاف ہوا، عورت نے کہا یہ ہدیہ اور تحفہ تھا اور خاوند نے کہا وہ مہر تھا تو خاوند کا قول ساتھ حلف کے معتبر ہوگا مگر جب وہ چیز ایسی ہو جو کھانے میں آتی ہے (جمع کر کے رکھنے کی نہ ہو) جیسے روٹی وغیرہ برخلاف گندم وغیرہ کے (جو جمع کر کے رکھی جاتی ہے) اگر نکاح کیا ایک ذمی نے کسی ذمیہ سے یا حربی نے حربیہ سے وہاں پر یعنی دار الحرب میں، بدلے میں مردے کے یا بغیر مہر کے اور یہ ان کے دین میں جائز ہو۔

تشریح:۔ [1] قولہ حکم متعۃ المثل الخ: یہ تحکیم مصدر سے مجہول کا صیغہ ہے جس کے معنی حکم بنانا یعنی جب دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے اور مقدار مہر میں اختلاف ہو تو اس صورت میں مہر مثل کو حکم نہیں بنایا جا سکتا ہے کیونکہ قبل الوطی طلاق کی صورت میں مہر مثل کا استحقاق ہی نہیں بلکہ متعہ کا استحقاق ہے تو متعۂ مثل کو فیصل بنایا جائے گا اور متعۂ مثل اس عورت کے برابر اوصاف کی عورت کے متعہ کو کہتے ہیں۔

[2] قولہ وبعد موتہما ففی القدر الخ: یعنی زوجین کے مرنے کے بعد اگر ان کے وارثوں کے درمیان اختلاف ہو جائے قدر مہر میں تو زوج کے وارثوں کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور مہر مثل کو فیصل نہیں بنایا جائے گا کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں کے مر جانے سے مہر مثل کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے ہاں ایک زندہ ہے تو مہر مثل کا اعتبار باقی رہتا ہے اور اگر اصل مہر میں اختلاف ہو تو تسمیہ کے منکر یعنی خاوند کے وارث کا قول معتبر ہوگا اور جب تک تسمیہ پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے تب تک کسی چیز کا فیصلہ نہ ہوگا کیونکہ زوجین کے مرنے کے بعد امام صاحب کے نزدیک (باقی صفحہ آئندہ پر)

ای والحالُ ان النکاح بلامهر یجوز عندهم فلا یجب شئ وانما قال هذا لانّه ان لم یُجز هذا فی دینهما او یجب المهر عندهم لا یکون حکم المسألة عدمَ وجوب المهر

فوُطئت او طُلّقت قبله او مات فلا مهر لها وان نکحها بخمر او خنزیرٍ عینٍ ثم اَسلما[1] او اسلم احدهما فلها ذلک وفی غیر عینٍ فقیمة الخمر فیها ومهر المثل فی الخنزیر

لان الخمر عندهم مثلی کالخلّ عندنا ولا یحلّ اخذها فایجاب القیمة یکون اعراضًا عن الخمر واما الخنزیر[2] فمن ذوات القیم عندهم کالشاة عندنا فایجاب القیمة لا یکون اعراضًا عنه فیجب مهر المثل اعراضًا عن الخنزیر۔

ترجمہ:۔ یعنی واقع میں نکاح بلامہر ان کے نزدیک جائز بھی ہو تو کچھ مہر لازم نہ ہوگا۔ اور یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر ان کے دین میں یہ بات جائز نہ ہو یا واجب ہو مہر ان کے نزدیک تو اس مسئلہ میں عدم وجوب مہر کا حکم نہ ہوگا۔ پھر بیوی سے وطی کی گئی یا وطی سے پہلے اسکو طلاق دی گئی یا شوہر مرگیا تو بیوی کو کچھ مہر دینا نہ پڑے گا۔ اور اگر نکاح کیا انہوں نے شراب معین یا کسی سور معین پر پھر زوج اور زوجہ دونوں اسلام لائے یا ایک ان میں سے اسلام لایا تو عورت کو جو معین تھا وہی ملے گا۔ اور اگر انہوں نے معین نہ کیا تھا تو شراب مہر ٹھہرانے کی صورت میں شراب کی قیمت لازم ہوگی اور سور مہر ٹھہرانے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا اس لئے کہ شراب کفار کے نزدیک مثلی شی ہے جیسے ہمارے نزدیک سرکہ۔ اور مسلمان کے لئے شراب کا لینا حلال نہیں تو قیمت کا واجب کرنا گویا شراب سے احتراز ہے لیکن خنزیر چونکہ غیر مسلم کے نزدیک ذوات القیم میں سے ہے جس طرح ہمارے نزدیک بکری پس اس کی قیمت کا واجب کرنا خنزیر سے احتراز نہیں ہوگا۔ (بلکہ اسی کے لینے کے ہم معنی ہو جائے گا) اس لئے مہر مثل واجب ہے تاکہ خنزیر سے اعراض ہو جائے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) مہر مثل کو معیار نہیں بنایا جا سکتا ہے اس لئے کہ دونوں کی موت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے معاصر و اقران ختم ہوگئے تو اب قاضی کے لئے مہر مثل کا اندازہ کرنا نا ممکن ہو جاتا ہے کیونکہ طویل زمانہ گذر جانے سے مہر کی مقدار میں بڑا فرق آ جاتا ہے البتہ اگر زمانہ قریب تر ہو تو مہر مثل کا فیصلہ ہوگا جیسا کہ قاضی خان نے ذکر کیا ہے (کذا فی البحر)۔

[2] قولہ بعث الیہا شیئًا الخ۔ یعنی نقد یا سامان بھیجا یا ایسی چیز جو شب زفاف سے پہلے یا بعد کھائی جاتی ہے (کذا فی النہر) اس سے مراد یہ ہے کہ خاوند نے بابت بتائے بغیر بھیجا پھر دونوں میں اختلاف ہو گیا لیکن اگر بھیجتے وقت مرد نے مہر کے علاوہ دوسری کوئی بابت (ہدیہ، تحفہ، بخشش وغیرہ) بتائی پھر بعد میں دعویٰ کیا کہ یہ مہر میں سے ہے تو اب مرد کا قول قبول نہ ہوگا کیونکہ جو چیز ہدیہ کے طور پر دی جائے وہ بدل کر مہر نہیں بن سکتی (کذا فی القنیہ)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] قولہ فلہا ذلک الخ۔ یعنی نکاح کے وقت مقرر کردہ خنزیر یا شراب اس کو ملے گی پوری مقدار اور اگر قبل الدخول طلاق دیدے تو نصف ملے گا۔ کیونکہ اگرچہ مسلمان کے لئے شراب اور خنزیر دونوں حرام ہیں لیکن یہاں تو اس حالت میں مہر مقرر کیا گیا جبکہ وہ ان کے نزدیک جائز تھا البتہ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ان سے براہ راست نفع نہیں اٹھا سکتا ہے بلکہ واجب ہے کہ شراب کو یا سرکہ بنا ڈالے یا تو بہا دے اور خنزیر کو بھگا دے۔

[2] قولہ واما الخنزیر الخ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ مثلی شیٔ میں مثل کا لینا اور قیمت والی شیٔ میں قیمت کا لینا عین شیٔ لینے کے حکم میں ہے اور مثلی میں قیمت کا لینا عین شیٔ لینے کے حکم میں نہیں ہے۔ اب جبکہ شراب مثلی ہے تو اس کا مثل لینا ممکن نہیں اس لئے کہ اس سے عین خمر لینا لازم آئے گا جو کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں تو عین خمر سے بچنے کے لئے خمر کی قیمت واجب ہے اور خنزیر چونکہ مثلی نہیں بلکہ قیمت والی چیز ہے تو اس کی قیمت لینے سے حکمًا عین خنزیر لینا لازم آتا تھا اس لئے اس صورت میں خنزیر کے لینے سے بچنے کی ایک ہی صورت رہ گئی کہ مہر مثل واجب ہو چنانچہ مہر مثل واجب ہوگا۔

بَابُ نِكَاحِ الرَّقِيقِ وَالْكَافِرِ

نكاح القِنِّ والمكاتَبِ والمُدبَّرِ والامةِ وامِّ الولدِ بلا اذن السيّد موقوف ان
اجاز له نفذ وان ردّ بطل فان نكحوا بالاذن فالمهر عليهم وبيعَ القِنّ
فيه لا الأخران اى المكاتب والمدبّر بل يسعيان وقولُهُ طلِّقها رجعيةً
اجازةٌ لا طلِّقها او فارِقها اى اذا تزوج عبدٌ بغير اذن مولاهُ فقال
المولى طلِّقها رجعيةً فهو اجازة لان الطلاق الرجعى يقتضى سبقَ النكاح

غلام اور کافر کے نکاح کا بیان

ترجمہ: نکاح غلام کا اور مکاتب کا اور مدبر کا اور لونڈی کا اور ام ولد کا مالک کی اجازت کے بغیر موقوف ہے اگر وہ اجازت دیدے تو نافذ ہوگا اور اگر رد کر دے تو باطل ہو جائے گا، اب اگر مالک کی اجازت سے نکاح کیا تو مہر طورت کا انہی اوپر ہی لازم ہوگا اور غلام مہر کے قرضے میں بیچا جائے گا نہ کہ وہ دونوں یعنی مکاتب اور مدبر نہیں بیچے جائیں گے بلکہ یہ سعی کر کے مہر ادا کریں گے اور مالک کا غلام سے یہ کہنا کہ تو اپنی زوجہ کو طلاق رجعی دیدے تو اس سے اجازت ثابت ہو جائے گی اور اگر مولی نے اتنا ہی کہا کہ اس کو طلاق دیدے یا جدا کر دے تو اس سے اجازت ثابت نہ ہوگی یعنی جب کوئی غلام اپنے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے پھر مولی سے اجازت طلب کرنے پر وہ کہے اس کو طلاق رجعی دیدے تو اس قول سے اجازت ثابت ہو جائے گی اس لئے کہ طلاق رجعی کا تقاضہ ہے کہ پہلے سے نکاح قائم ہو (تو گویا اس نے کہا جو نکاح تو نے کیا وہ صحیح ہوا اب اسے طلاق دیدے)

تشریح: [1] قولہ باب نکاح الرقیق الخ جن میں نکاح کی اہلیت پائی جاتی ہے ان کے احکام بتانے کے بعد اب مصنف ان کے نکاح کا حکم بتانا چاہتے ہیں جن میں نکاح کی اہلیت نہیں ہے اس باب میں کافر کے نکاح کے مسائل بھی درج کر دیئے باہمی تناسب کی وجہ سے کیونکہ غلامی تو دراصل کفر کی سزا ہے، کافر کے لفظ کو عام رکھا تاکہ مشرک، یہودی اور عیسائی وغیرہ سب کو شامل رہے اسی طرح رقیق کو بھی مطلق ذکر کیا جس میں اس کی تمام قسمیں آگئیں یعنی (۱) قن جو کہ پورا مملوک ہے (۲) مکاتب، جو کہ اس کے آقا کہدے کہ میں نے تجھے اتنی رقم پر مکاتب بنایا کہ جب یہ ادا کر دے گا تب تو آزاد ہے چنانچہ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ رقم ادا کرنے کے بعد اسے آزادی مل جائے گی (۳) مدبر جس کو آقا یہ کہدے کہ جب میں مروں تو تو آزاد ہے (۴) ام ولد وہ لونڈی ہے جس کے ساتھ آقا نے وطی کی اور اس کا بچہ ہوا جس کا آقا نے اپنا ہونے کا دعوی کیا اس لونڈی کا حکم یہ ہے کہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی ۱۲

[2] قولہ موقوف الخ یہی موقوف ہونا مراد ہے ان لوگوں کے قول کا جنہوں نے کہا ہے کہ "ان کا نکاح مولی کی اجازت کے بغیر جائز نہیں" باطل ہونا ان کی مراد نہیں ہے اور اس بارے میں اصل دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضور نے فرمایا ہے کہ "جس غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ حرام کار یعنی زانی ہے" (ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ)

[3] قولہ بیع الخ یعنی مہر کا قرض ادا کرنے کے لئے مالک سے کہا جائے گا کہ اس کو بیچ کر ادا کرے کیونکہ مالک کی اجازت سے اس کے ذمہ میں یہ قرض ثابت ہوا ہے، اب اگر مالک بیچنے پر راضی نہ ہو تو قاضی کو حق ہے کہ مالک کی موجودگی میں اسے بیچ کر مہر ادا کر دے ہاں اگر مالک اس پر راضی ہو جائے کہ وہ اپنی طرف سے قدر ثمن غلام ادا کر دے گا تب غلام کو نہیں بیچا جائے گا البتہ مکاتب اور مدبر کو ان کے مہروں کے عوض فروخت نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کو ایک کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں، ہاں مکاتب اگر عاجز آجائے تو دین مہر پر اسے فروخت کیا جا سکتا ہے ۱۲

بخلاف طلّقها اذ یمکن ان یکون المُراد ترکها وهذا المعنٰی الیَقُ بالعبد
المتمرّد واما فارقها فهو اظهر فی هذا المعنٰی واذنُه لعبده بالنکاح یعمّ
جائزه وفاسده فیُباع العبد لمهر من نکحها فاسدًا بعد اذنه فوطئها
وان لم یطأ العبد فی النکاح الفاسد لایجب المهر ولو نکحها ثانیًا او اخرٰی
بعدها صحیحًا وُقف علی الاجازة ای لو نکحها نکاحًا ثانیًا صحیحًا او نکح
امرأة اخرٰی بعد تلك المرأة نکاحًا صحیحًا توقف علی الاجازة لان
الاجازة قد انتهت بذلك النکاح الفاسد ولو زوّج عبدًا مدیونًا
ماذونًا له صح وسَاوت غرماؤه فی مهر مثلها۔

ترجمہ: بخلاف اس صورت کے جب کہ کہے کہ اس کو طلاق دیدے تو اجازت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ ممکن ہے اس سے اس کی مراد لغوی معنے چھوڑ دینے کے ہوں۔ اور جس غلام نے مالک کی اجازت کے بغیر بطور سرکشی شادی کی ہے اس کے حق میں یہی معنی مراد ہونا زیادہ مناسب ہے اور " فارقہا " (اس کو جدا کردے) کا لفظ تو چھوڑ دینے کے معنی میں بالکل ظاہر دیا ہے۔ اور اگر مولی نے غلام کو اذن دیا نکاح کا تو یہ اذن نکاح صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہوگا تو اگر اذن کے بعد اس نے نکاح فاسد کیا اور عورت سے وطی کی تو وہ غلام مہر میں بیچا جائے گا اور اگر وطی نہیں کی تو نکاح فاسد میں مہر لازم نہ ہوگا اور اگر جس عورت سے نکاح فاسد کیا تھا پھر اسی سے دوسری بار نکاح صحیح کرے یا اس نکاح فاسد کے بعد کسی اور عورت سے نکاح صحیح کرے تو یہ نکاح مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ یعنی اگر اس عورت سے نکاح دُھرا کر صحیح طور پر عقد کرے یا جس عورت سے نکاح فاسد کیا تھا اس کے علاوہ دوسری عورت سے نکاح صحیح کرے تو یہ دوسرا نکاح مولی کی اجازت پر موقوف رہے گا اس لئے کہ پہلی اجازت نکاح فاسد پر ختم ہوگئی اب دوسری بار نکاح کے لئے اجازت کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر مولی نے اپنے عبد ماذون کا نکاح کیا اور وہ قرضدار تھا تو نکاح صحیح ہے اور عورت اس کی مہر مثل میں اور قرض خواہوں کے برابر ہوگی۔

تشریح: لـه قولہ یعم جائزہ الخ۔ یعنی جب آقا نے غلام کو نکاح کی اجازت دی اور صحیح و فاسد کی قید نہ لگائی اور فاسد وہ ہے جس میں شرائط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔ تو یہ اذن دونوں کو شامل ہوگا۔ چنانچہ اگر غلام نے اذن آقا کے بعد نکاح فاسد بھی کرلیا تو چونکہ آقا کے اذن سے اس پر قرض ہوگیا ہے اس لئے اُسے دین مہر کی ادائیگی کیلئے فروخت کردیا جائے گا۔ لیکن اگر آقا نے نکاح صحیح کی قید لگادی تو ایسا نہ ہوگا اور اس مسئلہ میں صاحبین کو اختلاف ہے، ان کے نزدیک چاہے مطلق اذن ہو وہ نکاح فاسد کو شامل نہیں اس لئے نکاح فاسد کی صورت میں دین مہر کے عوض اُسے فروخت نہیں کیا جائے گا بلکہ انتظار کرنا ہوگا آزاد ہونے کے بعد مطالبہ کیا جائے گا۔۱۲

سلـه قولہ لایجب المہر الخ۔ کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نکاح فاسد میں حقیقی وطی کے بعد ہی مہر واجب ہوتا ہے اگر اس سے پہلے طلاق دیدے یا تفریق کرادی جائے تو کچھ بھی واجب نہیں۔۱۲

سلـه قولہ عبدًا مدیونًا ماذونًا له الخ عبد ماذون وہ ہے جس کو آقا نے کاروبار کی اجازت دے رکھی ہے۔ اب اس نے بیع فروخت شروع کی اور قرضدار ہوگیا۔ پھر آقا نے اس کا نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ ولایت نکاح رقبہ کی ملکیت پر مبنی ہے اور ملکیت رقبہ مقروض ہونے کے بعد بھی باقی ہے جس طرح پہلے تھی ۱۲ بحر۔

سلـه وساوت غرماءہ الخ۔ یہ غریم کی جمع ہے یعنی قرض خواہ، اس کا حاصل یہ ہے کہ مہر بھی باقی قرضوں کی طرح ایک قرض ہے اس لئے عورت بھی دوسرے قرض خواہوں کے مساوی ہوگی اب اگر غلام کی قیمت سے تمام قرض خواہوں کا قرض ادا ہوجائے تب تو کوئی بات نہیں اور اگر ادا نہ ہو بلکہ کم ہو تو غلام کی قیمت تمام قرض خواہوں کو ان کے قرضوں کی نسبت سے تقسیم کردی جائے گی۔ (باقی صد آئندہ پر)

ای ساوت المرأۃُ غرماءَہ فی مقدار مہر المثل ای ان بیعَ العبد یقسم ثمنہ بین المرأۃ والغرماء بالحصّۃ فتاخذ بحصۃ مہرھا ان کان المہر اقل من مہر المثل او مساویا اما اذا کان زائدا فلا تأخذ بحصّۃ ما زاد بل یؤخّر حقّہا الی استیفاء الغرماء دیونہم ومن زوّج امتہ تخدمہ ویطاٴھا الزوج ان ظفر بہا ولا تجب التبویۃ لکن لا نفقۃ ولا سُکنٰی الا بہا ای لا یجب علی الزوج نفقتہا وسکناھا الا بالتبویۃ وھی ان یخلی بینہا وبینہ ای بین الامۃ والزوج فی منزلہ ولا یستخدمہا ای المولٰی فان بوّأھا ثم رجع صح ای الرجوع وسقطت ای النفقۃ عن الزوج برجوع المولٰی عن التبویۃ۔

ترجمہ :۔ یعنی اگر ادائے قرض کے لئے غلام کو بیچا جائے تو اس کی قیمت ہر زوجہ اور قرض خواہوں میں ان کے حصے کے موافق تقسیم کر دی جائیگی اور عورت قرض خواہوں کے برابر ہوگی مہر مثل کی مقدار کے مطابق، چنانچہ وہ اپنے پورے مہر کے حصہ تناسب لے لے گی اگر مقررہ مہر، مہر مثل سے کم یا برابر ہو لیکن اگر مقررہ مہر زیادہ ہو مہر مثل سے تو قدر زائد کا حصہ تناسب نہیں لے سکتی ہے۔ بلکہ اس کے زائد حق کے دینے میں تاخیر کی جائے گی یہاں تک کہ قرض خواہوں کا قرض پورا ہو جائے۔ اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی کا نکاح کسی سے کر دیا تو بھی وہ لونڈی اپنی مولٰی کی خدمت کرے گی۔ اور خاوند جب موقع پائے اس سے ہمبستری کرے اور مولٰی پر یہ واجب نہیں کہ ان کے ٹھہرنے کا ٹھکانا کر دے لیکن شوہر پر بھی نان نفقہ اور سکونت کا انتظام کرنا واجب نہیں جب تک کہ علیٰحدہ سکونت کرنے کا موقع نہ دے۔ یعنی زوج پر نہ عورت کا نفقہ واجب ہے نہ اس کے لئے سکونت کا مکان مہیا کرنا واجب ہے جب تک کہ مولٰی شوہر کے ساتھ مستقل طور پر سکونت کرنے کا موقع نہ دے۔ اور ان کو ٹھہرنے کا ٹھکانا دینے کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی اور خاوند کے درمیان تخلیہ کر دے یعنی شوہر کے گھر میں باندی اور اس کے شوہر کو تنہائی کے ساتھ رہنے سہنے کا موقع دے اور مولٰی اس سے خدمت طلب نہ کرے پھر اگر مولٰی ان کی سکونت کا موقع دینے کے بعد اس سے رجوع کر لے تو یہ رجوع کرنا صحیح ہے اور ساقط ہو جائے گا نفقہ شوہر کے ذمہ سے بسبب رجوع کر لینے مولٰی کے شوہر کے مکان میں رہنے کا موقع دینے سے۔

تشریح :۔ (بقیہ صہ گذشتہ) اور عورت بھی اپنے مہر مثل کی مقدار کے تناسب سے قرض خواہوں میں شامل ہوگی اگر مقرر کردہ مہر مہر مثل سے کم یا برابر ہو تو پورے حصہ میں شریک ہوگی مثلاً مقررہ مہر ہو سو روپیہ (مہر مثل بھی سو روپیہ) اور قرض بھی سو روپیہ اور غلام فروخت ہوا سو روپیہ میں تو پچاس روپیہ قرضداروں کو اور پچاس روپیہ عورت کو مل جائیں گے اور اگر مہر مثل سے مقررہ مہر زیادہ ہو تو مہر مثل کے تناسب سے جو حصہ ہوگا وہی ملے گا مثلاً مذکورہ صورت میں اگر مقررہ مہر بجائے ایک کے دو سو ہو تب بھی مہر مثل کے موافق حصہ وہی پچاس روپیہ ملیں گے حتی کہ اگر غلام دو سو میں بکا تو بھی ایک سو قرضداروں کو اور ایک سو عورت کو دلائیں گے ہاں اگر قرض دینے کے بعد بچے مثلاً تین سو میں فروخت ہوا تو قرض ایک سو دینے کے بعد دو سو مہر میں مل جائیں گے ١٢

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ تخدمہ الخ۔ یعنی لونڈی اپنے آقا کی خدمت کرے گی اور خاوند کو منع کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس کو تو صرف ملک متعہ حاصل ہے تو اس کے باعث مولٰی کا وہ حق باطل نہیں ہو سکتا ہے جو کہ اس کے لئے ملک رقبہ کی رو سے ثابت ہے البتہ جب مولٰی کی خدمت سے فارغ پائے تو اس وقت ہمبستری کر سکتا ہے اور نکاح کے بعد لونڈی حوالہ کرنے کے بارے میں مولٰی کا یہ کہنا کافی ہے کہ جب موقع ملے تم اس سے ہمبستری کر سکتے ہو ١٢

لہ قولہ لکن لا نفقۃ الخ۔ یعنی خاوند پر بیوی کا نفقہ اور رہائش لازم نہیں کیونکہ یہ دونوں باتیں اپنے پاس روکنے کے بدلے میں لازم آتی ہیں جب روکنا ہی نہیں پایا گیا تو یہ بھی لازم نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ عورت ناشزہ (نافرمان) غصب شدہ اور قرضہ کے باعث محبوس کا (باقی صہ آئندہ پر)

ولو خدمتہ بلا استخدامہ لا ای ان خدمت المولیٰ بلا استخدامہ مع وجود التبویۃ لا تسقط النفقۃ عن الزوج والتبویۃ مصدر بوّأتہ منزلا وبوّأت لہ اذا ھیّأت لہ منزلا والمولیٰ وان لم یھیّئ المنزل فالتبویۃ تسند الیہ باعتبار انہ یمکّن الزوج من ذلک ولہ انکاح عبدہ وامتہ مکرھا ای یزوج کل واحد بلا رضاہ ولحرۃ قتلت نفسہا قبل الوطی المھر کلہ لا لمولیٰ امۃ قتلہا قبلہ ای قبل الوطی

ای بلا طلب من المولیٰ ۱۲ عمدہ — الغلام والصلبۃ ۱۲ عمدہ — ای المولیٰ ۱۲ عمدہ — مضارع معروف من التمکین ۱۲ عمدہ — ای المولیٰ ۱۲ عمدہ — ولو کان غلاما عمدہ — اذ ان کان بعد الوطی لا یسقط لتاکدہ بہ ۱۲ عمدہ

ترجمہ :۔ اور اگر وہ لونڈی مالک کی طلب کے بغیر اس کی خدمت کرے تو ساقط نہ ہوگا یعنی اگر مولیٰ خدمت نہ چاہے بلکہ باندی خود اپنی خوشی سے مولیٰ کی خدمت کرے اور شوہر کے مکان میں رہنے کا موقع بحالہ باقی ہے تو شوہر سے نفقہ ساقط نہ ہوگا اور "تبویت" مصدر ہے "بوّأتہ منزلاً" اور بوأت لہ" کا یعنی تم نے اس کے لئے مکان مہیا کیا اور مولیٰ اگرچہ لونڈی کے لئے منزل مہیا نہ کرے تاہم اس کی طرف "تبویت" اس لئے منسوب ہوتی ہے کہ اس نے زوج کو اس کا موقع دیا ہے اور مولیٰ کو حق ہے کہ وہ نکاح کر دے اپنے غلام اور باندی کو جبراً یعنی ان کی رضا کے بغیر نکاح کر دینے کا حق مولیٰ کو ہے اور جس آزاد عورت نے وطی سے قبل خودکشی کر لی تو اس کے خاوند پر کل مہر لازم آئے گا اور اگر مولیٰ نے اپنی لونڈی کو قتل کر دیا قبل اس کے کہ اس کا خاوند اس سے وطی کرے تو خاوند پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔

(بقیہ صہ گذشتہ)

تشریح ا۔ نفقہ اور رہائش لازم نہیں ہوگی ۱۲

سے قولہ فی منزلہ الخ۔ ضمیر زوج کی طرف راجع ہے مگر یہ قید حقیقت تبویت میں داخل نہیں کیونکہ اگر مولیٰ نے اپنے ہی گھر کے کسی حصہ میں خاوند اور لونڈی میں تخلیہ کرا دیا یا الگ کسی مکان میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا تو بھی یہی حکم ہے، اصل بات یہ ہے کہ وہ لونڈی کو اپنی خدمت سے چھٹی دے کر خاوند کے سپرد کر دے تو اگر وہ خاوند کے پاس آیا جایا کرتی ہے اور آقا کی خدمت کرتی ہے تو یہ تبویت نہ ہوگی ۱۲

سے قولہ فان بوأہا الخ۔ یعنی اگر خاوند کے ساتھ علیحدہ رہائش کا موقع دیدیا اور اپنی خدمت لینی بند کر دی پھر آقا کو خیال ہوا کہ اس سے خدمت لے تو تبویت باطل ہو جائے گی اور خدمت لینا درست ہوگا کیونکہ ملکیت باقی ہونے کے باعث حق استخدام بھی باقی رہتا ہے اس لئے ایک بار کی رہائش دینے سے یہ حق ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ نکاح دینے سے حق استخدام ساقط نہیں ہوتا ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ ولو خدمتہ الخ یعنی رہائش ملنے کے بعد اگر لونڈی اپنی خوشی سے مولیٰ کی خدمت کرے اور مولیٰ خود اس سے خدمت کا مطالبہ نہ کرے تو اس صورت میں حبس پائے جانے اور آقا کی طرف سے مانع نہ ہونے کی بنا پر خاوند کے ذمہ سے نفقہ ساقط نہ ہوگا لیکن اگر شوہر کے منع کرنے کے باوجود وہ خاوند کے یہاں سے نکلے گی اور آقا کی خدمت کرتی رہے گی تو وہ ناشزہ قرار پائے گی اور شوہر کے ذمہ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا ۱۲

سے قولہ قتلہا الخ۔ یعنی اس کے مولیٰ نے قتل کر دیا لیکن اگر لونڈی کو کسی اجنبی نے قتل کر دیا تو مہر ساقط نہ ہوگا اور اگر وہ لونڈی خودکشی کرے تو بھی صحیح مذہب میں مہر ساقط نہ ہوگا کیونکہ مہر مولیٰ کا حق ہے اور اس کی جانب سے مہر کا کوئی مانع نہیں پایا گیا۔ اسی طرح قاتل آقا ہونے کی صورت میں شرط یہ ہے کہ وہ مکلف ہو اگر وہ نابالغ بچہ ہو اور لونڈی کو قتل کر دے تو مہر ساقط نہ ہوگا کیونکہ قتل پر مہر ساقط ہونے کے دو شرط ہیں (۱) ایسے شخص سے قتل واقع ہو جو مہر کا حقدار ہے (۲) ایسے شخص سے یہ قتل متحقق ہو جس پر دنیوی حکم مرتب ہوتا ہو۔ تو جب غیر ماذونہ اور غیر مکاتبہ لونڈی خودکشی کرے تو اس میں دونوں شرط مفقود ہیں اور آزاد عورت خودکشی کرے یا غیر مکلف مولیٰ اپنی باندی کو قتل کر ڈالے تو دوسری شرط نہیں پائی گئی اور اجنبی یا وارث جب آزاد عورت کو یا لونڈی کو قتل کرے تو پہلی شرط مفقود ہے اس لئے ان صورتوں میں مہر ساقط نہ ہوگا ۱۲

لانه عجّل بالقتل اخذ المهر فجوزی بالحرمان اما فی الصورة الاولی فالقاتلة نفسها لا تاخذ شیئا فکمل المهر بالموت وانما قال قبل الوطی لان بعد الوطی المهر واجب فی الصورتین وزوج الامة یعزل باذن سیدها فان العزل منع عن حدوث الولد وهو ملك مولاها وخیرت امة او مکاتبة عتقت تحت حرّ او عبد فان کانت تحت العبد فلها الخیار اتفاقا دفعا للعار وهو ان تکون الحرة فراشا للعبد وان کانت تحت الحر ففیه خلاف الشافعی وهذا بناء علی مسألة اعتبار الطلاق فانه عندنا بالنساء فلها الخیار منعا لزیادة الملك علیها وعنده بالرجال فلم توجد علة الفسخ وهو العار او زیادة الملك

ترجمہ:۔ اس لئے کہ اس قتل کے ذریعہ گویا اس نے مہر جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس کی سزا یہی ہوگی کہ مہر سے بالکل محروم رہے اور پہلی صورت میں جہاں آزاد عورت نے اپنے آپ کو قتل کیا وہاں یہ بات متصور نہیں ہو سکتی کہ مہر لینے کے لئے خودکشی کر لی گو اس موت پر پورا مہر واجب ہوگا۔ اور مصنف نے "قبل الوطی" کی قید اس لئے بڑھائی کہ اگر وطی کے بعد ہو تو دونوں صورتوں میں پورا مہر واجب ہے۔ اور لونڈی کا خاوند اس کے آقا کی اجازت سے عزل کر سکتا ہے کیونکہ عزل اولاد کی پیدائش کے لئے مانع ہے اور اولاد پر باندی کے آقا کا مالکانہ حق ہے (اس لئے صاحب حق کی اجازت ضروری ہے۔) جو لونڈی یا مکاتبہ باندی کسی غلام کے یا آزاد کے نکاح میں ہو اور آزاد ہو جائے تو اس کو اختیار ہے (چاہے نکاح باقی رکھے یا فسخ کر دے) اگر غلام کے نکاح میں ہو تب تو اختیار حاصل ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے تاکہ اس بٹے سے بری ہو جائے کیونکہ کسی آزاد عورت کا ایک غلام کی زوجیت میں رہنا موجب عار ہے اور اگر آزاد خاوند کے نکاح میں ہو تو اختیار حاصل ہونے میں امام شافعیؒ کا خلاف ہے اور یہ اختلاف درحقیقت عدد طلاق کے اعتبار کے مسئلہ پر مبنی ہے، ہمارے نزدیک عدد طلاق کا اعتبار عورتوں کے لحاظ سے ہے (کہ اگر باندی ہو تو شوہر اس پر دو طلاق کا مالک اور آزاد ہوگی تو تین طلاق کا مالک ہوگا) تو آزاد ہو جانے کے بعد اس کو اختیار ملنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے اوپر شوہر کی جانب سے زائد طلاق کی ملکیت کو رد کر سکتی ہے (جس کا اُسے حق ہونا چاہیئے) اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ عدد طلاق کا اعتبار مردوں سے ہے اس لئے شوہر آزاد ہو لے کی صورت میں اختیار فسخ نکاح کی کوئی علت نہیں پائی گئی یعنے نہ عار لاحق ہونے کی علت ہے کیونکہ شوہر تو آزاد ہے اور نہ زائد طلاق کی ملکیت کا سبب کیونکہ پہلے ہی سے تو وہ تین طلاق کا مالک ہے۔

تشریح:۔ لہ قولہ یعزل الخ. یہ مضارع معروف کا صیغہ ہے "عزل" سے اس کا مفہوم ہے کہ قرب انزال کے وقت ذکر کو فرج عورت سے باہر کر لیوے تاکہ انزال منی باہر ہی ہو، اپنی لونڈی سے عزل کرنا بغیر اذن لونڈی کے جائز ہے اور آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے مکروہ ہے اسی طرح دوسری کے لونڈی کے ساتھ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر مکروہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا (ابن ماجہ بیہقی) اور بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ لونڈی سے عزل کر سکتا ہے اور آزاد سے اجازت لینی چاہیئے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عزل کے بارے میں آزاد عورت سے اجازت لینی پڑے گی اور باندی سے نہیں لینی ہوگی (عبدالرزاق بیہقی) غرض عزل کے بارے میں روایات مختلف ہیں امام نووی اور عبدالوہاب شعرانی وغیرہ علماء نے تصریح کی ہے کہ کراہت اور عدم جواز کا پہلو راجح ہے ۱۲

ے قولہ وخیرت الخ. اس کو خیار عتق کہا جاتا ہے جو لونڈی کے ساتھ مخصوص ہے خواہ وہ مکاتبہ ہو یا مدبرہ، بالغہ ہو یا صغیرہ آزاد ہونے کے وقت اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد، اور اصل اس کی حضرت بریرہ رضہ کا واقعہ ہے جن کو حضرت عائشہؓ نے آزاد کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا تھا اب اس میں اختلاف ہے کہ ان کے شوہر مغیث اس وقت آزاد تھے یا غلام۔ (باقی صہ آئندہ پر)

امۃ نکحت بلا اذنٍ فعتقت نفذ ولم تخیّر لانہا قد رضیت وما سُمّی للسیّد و

ان زاد علی مہر مثلہا لو وطیت فعتقت وان عَتقت اوّلا فلہا ومن وطی امۃ

ای قبل الوطی ۱۲ عمدہ

ابنہٖ او بنتہٖ فولدت فادّعاہ ثبت نسبہ وھی ام ولدہ ووجب علی الاب

قیمتہا فان قولہ علیہ السلام انت ومالک لابیک اوجب ولایۃ تملّک

ای جاریۃ الابن ۱۲ عمدہ

الاب مال الابن عند الحاجۃ فقبل الوطی تصیر ملکًا لہ لئلا یکون

ای وطی الاب ۱۲ عمدہ

الوطیُ حرامًا فیجب قیمتہا علی الاب لا مہرھا لانہ وطی مملوکتہ ولا قیمۃ

فانہا ملکہا قبل الوطی ۱۲ عمدہ

ولدھا لانہ وُلِدَ فی ملک الاَب۔

لتقدم ملکہ علی العلوق ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اگر لونڈی نے نکاح کیا بدون اذن مالک کے اور پھر وہ آزاد ہوگئی تو نکاح نافذ ہو جائے گا اور اس کو اختیار نہیں رہے گا اس واسطے کہ وہ تو خود راضی ہوگئی تھی۔ اور جو مہر مقرر ہوا وہ اس کے مالک کا ہے اگر چہ مہر مثل پر زائد ہو اگر وطی کے بعد آزاد ہوئی اور اگر قبل وطی کے وہ آزاد ہوگئی تو مہر لونڈی کا ہے اور جس شخص نے وطی کی اپنے بیٹے یا لڑکی کی لونڈی سے اور اس کی اولاد ہوئی اور اس نے اس اولاد کا دعویٰ کیا تو نسب اس ولد کا اس شخص سے ثابت ہو جائے گا اور وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی اور واجب ہوگی باپ پر قیمت اس کی۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے" اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ بوقت حاجت بیٹے کے مال پر باپ کو مالکانہ حق حاصل ہو جاتا ہے تو اس حدیث کی رو سے) وطی سے پہلے یہ لونڈی باپ کے ملک میں ہو جائے گی تاکہ اس کی وطی حرام نہ ہو۔ پس اب باپ پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور مہر لازم نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنی لونڈی سے وطی کی ہے اور اس لڑکے کی قیمت بھی واجب نہ ہوگی جو اس باندی کے بطن سے پیدا ہوا کیونکہ وہ لڑکا تو باپ کے ملک میں پیدا ہوا ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) بخاری اور اصحاب سنن نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ وہ آزاد تھے اور صحاح میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ غلام تھے۔ تو شوافع نے غلام ہونے کی روایت کو ترجیح دی اور احناف کے نزدیک آزاد ہونے کی روایت راجح ہے۔ والسبحانی المطلق

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ وما سمی للسید الخ. حاصل اس کا یہ ہے کہ مقررہ مہر مولیٰ کو ملیگا خواہ یہ مہر مثل کے برابر یا کم یا زیادہ ہو جب کہ اس کے خاوند نے لونڈی کے آزاد ہونے سے پہلے اس سے وطی کی ہو کیونکہ خاوند نے اس وقت اس کے بضع سے فائدہ حاصل کیا جبکہ یہ آقا کی ملکیت میں تھی اس لئے اس کا عوض بھی آقا کا حق ہوگا اور اگر خاوند نے اس کے آزاد ہونے کے بعد وطی کی تو اس کا مہر آقا کو نہیں ملیگا بلکہ زوجہ خود مالک ہوگی کیونکہ خاوند نے اس سے اس وقت فائدہ حاصل کیا جبکہ آقا کی ملکیت زائل ہو چکی اور مستقل طور پر اپنے اوپر خود مختار ہو چکی تھی تو اب منافع بضع کا عوض بھی عورت ہی کو ملے گا ۱۲

لہ قولہ اوجب ولایۃ الخ. یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت باپ اپنے بیٹے کے مال کا مالک بن سکتا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ نہیں کہ بیٹا اور اس کا مال باپ کا مملوک ہے اور لام خصوصیت اور مالک ہونے پر دلالت کرتا ہے یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ باپ کو مالک بننے کا حق حاصل ہو وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ بوقت ضرورت اور یہاں حرام سے بچانے کی ضرورت در پیش ہے اس لئے اس نے جب اپنے بیٹے کی لونڈی سے وطی کی تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ وطی سے پہلے اس کا مالک بن چکا ہے کیونکہ غیر کی مملوکہ باندی سے وطی جائز نہیں اب جب وہ اس کا مالک ہوگیا تو اس پر اس کی قیمت بھی لازم آگئی اور حاجت کی قید اس لئے لگائی کہ دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر کے مال پر بلا اس کی اجازت کے تصرف کرنا جائز نہیں خواہ اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو تو ان میں تطبیق دینے کے لئے ضرورت کی قید لگائی گئی کہ ان نصوص کی رو سے دوسروں کے مال اور بلا ضرورت بیٹے کے مال پر بھی تصرف جائز نہیں اور مذکورہ حدیث کی رو سے بوقت حاجت بیٹے کے مال پر حق ملکیت حاصل ہوگا اور تصرف جائز ہوگا ۱۲

والجدّ کالاب بعد موتہ فیہ ای بعد موت الاب فی الحکم المذکور لا قبلہ ای لا قبل موت الاب وان نکحہا صحّ ای ان نکح الابُ امۃَ الابن صحّ ولم تصِر امّ ولدہ ویجبُ مهرُها لا قیمتُہا وولدُها حرٌ بقرابتہ ای بقرابۃ الابن فان الامۃ ملکُ الابنِ فیتبعُہا الولدُ فیعتق علی اخیہِ لقولہ علیہ السّلام من ملک ذا رحمٍ محرمٍ منہ عَتق علیہ وفسد نکاح حرۃ قالت لسیّد زوجہا اَعتِقہ عنی بالفٍ ففعل ای حرّۃٌ تحت عبد قالت لسیّد زوجہا اَعتِقہ عنی بالفٍ ففعل صحّ الامرُ ویعتق الزوجُ علی امرأتہ ویفسد النکاح خلافاً لزفرؒ فانہ لا یعتق علی المرأۃ عندہ لعدم الملک۔

ترجمہ:۔ اور یہی حکم دادا کا ہے باپ کی موت کے بعد یعنی حکم مذکور میں دادا کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے باپ مرچکنے کے بعد نہ کہ اس سے پہلے یعنی باپ کے مرنے سے پہلے دادا کا حکم ویسا نہیں ہے۔ اور اگر نکاح کر لیا اس کو تو صحیح ہے یعنی اگر باپ نے بیٹے کی لونڈی سے نکاح کر لیا تو یہ درست ہے۔ اور وہ اس کی ام ولد نہ ہوگی اور واجب ہوگا اس کا مہر نہ کہ اس کی قیمت اور لڑکا اس کا آزاد ہوگا بوجہ قرابت رحم کے۔ یعنی اس واسطے کہ وہ بیٹے سے قرابت رکھتا ہے کیونکہ لونڈی بیٹے کی ملک ہے تو ماں کے تابع ہو کر لڑکا بھی بیٹے کی ملک کا ہوگا اور بیٹا چونکہ لڑکے کا بھائی ہے تو آزاد ہو جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ مملوک اس پر آزاد ہو جائے گا۔ اور اس آزاد عورت کا نکاح فاسد ہو جائے گا جس نے اپنے شوہر کے مالک سے کہا کہ تو میرے خاوند کو میری طرف سے ایک ہزار روپے کے بدلے آزاد کر دے اور اس نے آزاد کر دیا۔ یعنی ایک آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہے اس نے اپنے زوج کے مالک سے کہا تو اسے میری طرف سے ہزار روپیہ کے عوض آزاد کر دے اور اس نے آزاد کر دیا تو اس کا یہ فعل درست ہوگا اور شوہر آزاد ہو جائے گا اس کی بیوی کی طرف سے اور نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ شوہر زوجہ کی ملکیت میں آکر آزاد ہوا ہے اور غلام کا نکاح مالکہ سے درست نہیں، بخلاف امام زفرؒ کے ان کے نزدیک نکاح فاسد نہ ہوگا، کیونکہ عورت شوہر کا مالک نہ ہونے کے سبب سے ان کے نزدیک وہ عورت کی طرف سے آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ والجد الخ۔ اس سے مراد جد صحیح یعنی باپ کا باپ نہ کہ جد فاسد یعنی نانا اس حکم میں نہیں ہے اسی طرح دوسرے اقارب اس حکم میں شامل نہیں اور ان کے دعویٰ کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ ولایت تملیک حاصل نہیں، اور دادا کو شارع نے بہت سے احکام میں باپ کی جگہ میں شمار کیا ہے البتہ یہ بھی اس وقت جبکہ باپ کی ولایت نہ رہے یعنی باپ مرجائے یا مجنون ہو جائے یا کافر ہو جائے یا وہ غلام ہو لیکن باپ کی ولایت موجود رہتے ہوئے دادا کی ولایت نہ ہوگی کیونکہ اصل ہوتے ہوئے نائب کے لئے وہ حکم ثابت نہیں ہوا کرتا ہے ۱۲

؎۲ قولہ وولدہ احرالخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ باپ جب بیٹے کی لونڈی سے نکاح کرے اور اس کے ہاں بچہ ہو جائے تو وہ بچہ آزاد ہوگا کیونکہ اولاد آزاد اور غلام ہونے میں ماں کے تابع ہوا کرتی ہیں اب جب بچہ کی ماں نکاح کر لینے والے کے بیٹے کی لونڈی ہو تو بچہ بھی اس کا غلام ہوگا اور آدمی جب ذی رحم محرم کا مالک ہوتا ہے تو بحکم شرع آزاد ہو جاتا ہے اس لئے لونڈی کے آقا کی قرابت کے باعث اس کا لڑکا آزاد ہو جائے گا ۱۲

؎۳ قولہ خلافاً لزفرؒ الخ۔ وہ فرماتے ہیں کہ عورت کا یہ کہنا کہ "اس کو میری جانب سے ایک ہزار کے عوض آزاد کر دے" کلام لغو ہے کیونکہ اس نے مامور سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کا غلام اس کی طرف سے آزاد کر دے اور اس کی تعمیل محال ہے کیونکہ انسان جس کا مالک ہی نہیں اس کی آزادی اس کی طرف سے ہونا ممکن نہیں۔ اب جب عورت کا قول ہی باطل ہوا تو آقا کا آزاد کرنا عورت کی جانب سے نہیں بلکہ اس کی اپنی جانب سے ہوگا پس نکاح فاسد نہ ہوگا کیونکہ فساد نکاح کا موجب نہیں پایا گیا ۱۲

ونحن[1] نقول بالاقتضاء یثبت الملک فصار کما لو قالت بِعْہُ منی بکذا ثم اعتقہ عنی وقول المولی اعتقتُ صار کما لو قال بعتہ منکِ ثم اعتقتہ عنکِ فلما ثبت الملک اقتضاءً فسد النکاح ویرد[2] علیہ ان غایۃ ما فی الباب انہ صار کقولہ بع عبدک منی بالفٍ فقال الآخر بعتُ لا ینعقد البیع لان الواحد لا یتولی طرفی البیع بخلاف النکاح وایضاً[3] الملکُ الذی یثبت بطریق الاقتضاء ملکٌ ضروریٌ فیثبت بقدر الضرورۃ ولا ضرورۃ فی ثبوتہ فی حق النکاح حتی یفسد النکاحُ

(ای الف مثلاً ۱۲ عمدہ — ای بعد امرتہ باعتاقہ ۱۲ عمدہ — ای ثم بعد ما اعتقہ عنی ۱۲ عمدہ — للتنافی بین النکاح وملک الیمین ۱۲ عمدہ — ای الملک المقتضی ۱۲ عمدہ — بل فی ثبوتہ فی صحۃ الاعتاق عنہا فحسب ۱۲ عمدہ)

ترجمہ :۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں اقتضاءً ملک ثابت ہوگی، تو گویا اس نے یوں کہا کہ اس غلام کو اتنے روپے میں میرے پاس بیچ دے پھر میری طرف سے اُسے آزاد کردے، اور اس فرمائش کے بعد مولیٰ کا یہ کہنا کہ میں نے آزاد کردیا" یہ مفہوم رکھتا ہے کہ گویا اس نے یوں کہا کہ میں نے اس کو تیرے ہاتھ میں اتنے کے بدلے بیچ دیا پھر تیرے حکم کے مطابق تیری جانب سے اس کو آزاد کر دیا غرض اقتضاء جبکہ ملک ثابت ہوگئی تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ عورت کی طرف سے ہزار کے بدلے میں آزاد کر دینے کی فرمائش سے اقتضاءً زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گویا اس نے کہا کہ میرے ہاتھ میں اسے ہزار پر بیچ دے" اور مالک نے گویا یوں کہا کہ "میں نے بیچ دیا" مگر اتنی بات سے تو بیع منعقد نہیں ہوتی (کیونکہ بیع میں ایجاب کے بعد قبول ضروری ہے اور یہاں قبول نہیں پایا گیا) اور ایک ہی شخص بیع کی دونوں جانبوں (ایجاب اور قبول) کا انجام دینے والا نہیں ہو سکتا ہے بخلاف نکاح کے (کہ ایک ہی شخص طرفین کی ذمہ داری ادا کر سکتا ہے) علاوہ ازیں بطور اقتضاء جو ملک ثابت ہوگی وہ ایسی ملک ہے جو بضرورت مانی جاتی ہے (تاکہ کلام لغو نہ ہو کر صحیح ہو جائے) تو صرف ضرورت کی حد تک وہ ملک ثابت ہوگی (کہ اس کی طرف سے آزاد کرنا صحیح ہو جائے) اور نکاح کے بارے میں اس ملک کو ثابت ماننے کی کوئی ضرورت نہیں جس کے نتیجہ میں فساد نکاح لازم آئے۔

تشریح:۔ [1] قولہ ونحن نقول الخ: یہاں سے امام زفرؒ کے قول کا جواب اور امام صاحبؒ وصاحبینؒ کے قول کی توجیہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت نے جب اپنے خاوند کو اس کی طرف سے ایک ہزار کے عوض آزاد کرنے کا حکم دیا اور یہ بات معلوم ہے کہ غیر مملوک کا آزاد کرنا ممکن نہیں تو باقتضاء کلام یہاں بیع ثابت مانی جائے گی، اقتضاء کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے غیر مذکور امر پر لفظ کی دلالت مانی جائے جس پر اصل کلام کی صحت وصداقت موقوف ہو۔ چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں عورت کی طرف سے آزاد کرنے کا حکم تب ہی صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس پر پہلے عورت کی ملکیت ثابت ہو کیونکہ صحت عتق کے لئے مالک ہونا شرط ہے تو امر بالاعتاق کی تصحیح کی خاطر عورت کے کلام کا اقتضائی مفہوم یہ ہوگا کہ عورت نے گویا خاوند کے آقا سے یوں کہا کہ "تو اپنے غلام کو جو میرا شوہر ہے میرے ہاتھ میں ایک ہزار کے عوض فروخت کر دے پھر اس کو میری طرف سے آزاد کر دے۔ اب جبکہ شوہر کے آقا نے اس حکم کی تعمیل کی تو خاوند پر عورت کی ملکیت ثابت ہونے کے بعد آزادی حاصل ہوئی اس لئے اس سے عورت کا نکاح ٹوٹ جائے گا ۱۲۔

[2] قولہ ویرد علیہ الخ: شبہ کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ عورت کا قول کہ "اسے ایک ہزار کے عوض میری جانب سے آزاد کر دے" یہ مفہوم رکھتا ہے کہ اُسے میرے ہاتھ میں فروخت کر دے پھر میری جانب سے آزاد کر دے۔ لیکن اس قدر بات ثبوت ملکیت کے لئے مفید نہیں تاکہ اس پر فساد نکاح لازم آئے کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بیع کے معاملہ میں ایک ہی آدمی ایجاب وقبول کا متولی نہیں ہو سکتا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس میں ایک ہی شخص طرفین کا متولی ہو سکتا ہے تو مذکورہ مسئلہ میں آقا کا "اعتقتُ" کہنا اگر "بعتُہ منکِ ثم اعتقتہ" کی تقدیر پر مان بھی لیا جائے تب بھی عورت کی طرف سے تو قبول متحقق نہیں ہوا اس کی جانب سے تو صرف "بِعہ منی" کا مضمون امر پایا گیا اور یہ فی الحال انشاء بیع پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ اس کو قبول قرار دیا جا سکے جب بیع کا ایک لازمی رکن "قبول" ہی نہ ملا تو بیع ہی درست نہیں ہوئی جس کی فرع ہے ملکیت ثابت ہونا پس نکاح بھی فاسد نہ ہوگا ۱۲۔ [3] قولہ وایضاً الخ: سابق توجیہ پر یہ دوسرا اعتراض ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ اقتضاء سے جو امر ثابت ہوتا ہے وہ صحت کلام کی ضرورت پر ثابت ہوتا ہے اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ "الضرورۃ تتقدر بقدرہا" تو یہاں پر تصحیح قول کے لئے اگر ثبوت بیع تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا حکم فساد نکاح پر متعدی ہونے کی کوئی وجہ جواز نہیں کیونکہ یہ بات زائد از ضرورت ہے ۱۲۔

والجواب عن الاوّل انّ البیع الثابت بالاقتضاء مستغن عن القبول فانه قد عُرف فی اصول الفقه انّ المقتضٰی[ا] لیس کالملفوظ بل هو امرٌ ضروریٌّ فیسقط من الارکان والشروط ما یحتمل السقوط وعن الثانی[۲] ان الثابت بالاقتضاء وان کان ضروریا یثبت به لوازمه الّتی لا یحتمل السقوط کما سیاتی فی مسألة الهبة اَن الهبة الاقتضائیة لا بدّ لها من القبض فبطلانُ ملك النکاح من لوازم ثبوت ملك الیمین بحیث لا ینفك عنه والولاءُ[۳] لها لانه عتق علیها ویقع عن کفارتها لو نوت به ای نوت بهذا الاعتاق الاعتاقَ عن الکفارة یقع عن الکفا

ترجمہ:۔ تو پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ بیع جو بطور اقتضاء ثابت ہو وہ قبول کی محتاج نہیں، کیونکہ اصول فقہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اقتضاءً ثابت ہونے والی شیٔ لفظوں سے ثابت ہونے والی کی طرح نہیں ہوتی بلکہ وہ تو انتہائی ضرورت کا معاملہ ہوا کرتا ہے اس لئے ایسے موقع میں ارکان و شرائط میں سے جو کسی وقت ساقط ہونے کا احتمال رکھتے ہیں وہ ساقط ہو جائیں گے۔ اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اقتضاءً ثابت ہونے والی بات اگرچہ بضرورت ہوتی ہے مگر اس کے ایسے لوازم جو کسی وقت ساقط ہونے کا احتمال نہیں رکھتے وہ تو لامحالہ ثابت ہوں گے (کیونکہ قاعدہ ہے اذا ثبت الشیٔ ثبت بلوازمہ) جیسا کہ عنقریب ہبہ کے مسئلہ میں آجائے گا کہ جو ہبہ اقتضاءً ہو اس میں بھی قبضہ ضروری ہے، تو زیر بحث مسئلہ میں ملک یمین ثابت ہونے کے لوازم میں سے یہ بات ہے کہ ملک نکاح باطل ہو جائے اور یہ لزوم ایسا ہے کہ کبھی بھی ملک یمین سے جدا ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور اس صورت میں ولاء بھی غلام کی عورت کو ملے گی کیونکہ یہ تو اس کی طرف سے آزاد ہوا ہے اور اگر اس کے ساتھ کفارے کی نیت کرے تو کفارہ ادا ہو جائے گا یعنی اگر اس کو آزاد کراتے وقت یہ نیت کرے کہ میرے فلاں کفارہ میں آزاد ہو جائے تو یہ آزادی اس کی کفارے سے ادا ہو جائے گی۔

تشریح:۔ [ا] ان المقتضٰی الخ۔ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی جو امر بطور اقتضاء ثابت ہو، شارح نے اپنی کتاب "تنقیح و توضیح" میں فرمایا ہے کہ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے کہا "تیرا غلام میری طرف سے ایک ہزار کے عوض آزاد کردے" تو یہ حکم بضرورت صحت عتق ثبوت بیع کا تقاضا کرتا ہے تو گویا اس نے یوں کہا کہ "تو اپنا غلام میرے پاس ایک ہزار میں فروخت کردے، اور میری طرف سے وکیل ہو کر اس کو آزاد کردے" تو اس صورت میں بضرورت بیع ثابت ہوگی جو کہ بیع ملفوظ کی طرح نہیں ہے اس لئے اس میں بیع کے تمام شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں بلکہ صرف ان ارکان و شرائط کا ہونا کافی ہے جو کسی حال میں ساقط ہونے کا احتمال نہیں رکھتے ۱۲

[۲] قولہ وعن الثانی الخ۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ بضرورۃ اقتضاءً جو امر ثابت ہو اس کا موقع ضرورت سے متعدی نہ ہونا مسلم ہے لیکن اس سے الگ نہ ہونے والے لوازم کا ثبوت اس قاعدہ کے منافی نہیں ہے اور یہ واضح ہے کہ ملک یمین کا لازمی اثر ہے نکاح کا باطل ہو جانا اور ان کے باہمی ایسا لزوم ہے جو ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے (ورنہ قلب موضوع لازم آئے گا) اس لئے ملک یمین ثابت ہو جانے کے بعد بطلان نکاح کا ثبوت بھی ایک لازمی امر ہے ۱۲

[۳] قولہ والولاء لہا الخ۔ یعنی مذکورہ صورت میں جب آقا نے عورت کے حکم کے مطابق اس کے خاوند کو آزاد کر دیا تو وہ عورت کی جانب سے آزاد ہو جائے گا۔ اور ولاء عتق عورت کو حاصل ہوگا، ولاء عتق اس مال کو کہا جاتا ہے جس کا بسبب آزاد کرنے کے آزاد کرنے والا مستحق ہوتا ہے، آزاد ہونے والے کے مرنے کے بعد، اس ولاء کا مستحق آزاد کرنے والے کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ شیخین کی حدیث میں آیا ہے "الولاء لمن اعتق" (جو آزاد کرے ولاء کا مالک وہی ہے) اور مذکورہ صورت میں عورت ہی دراصل آزاد کرنے والی ہے اور شوہر کا آقا عورت کی طرف سے آزاد کرنے کا وکیل ہے اس لئے ولاء عتق عورت کو حاصل ہوگی نہ کہ آقا کو ۱۲

وان قالت ذلك بلا بدلٍ لم يفسد والوَلاءُ له ای للسید وهذا عند ابی حنیفة وكذا عند محمد واما عند ابی یوسف فهذا والاول سواء فيثبت الملك هنا بطريق الهبة وتستغنی الهبة عن القبض وهو شرط كما يستغنی البيع عن القبول وهو ركن قلنا القبول ركن يحتمل السقوط كما فی التعاطی اما القبض فلا يحتمل السقوط فی الهبة بحالٍ فان اسلم المتزوجان بلا شهود او فی عدة كافرٍ معتقدين ذلك أُقِرّا عليه وان اسلم الزوجان المحرمان فرّق بينهما والطفل مسلم ان كان احد ابويه مسلمًا او اسلم احدهما وكتابی ان كان بين مجوسی وكتابی لان الطفل يتبع خير الابوين دينًا.

ترجمہ:۔ اور اگر عورت نے یہ کہا کہ میری طرف سے آزاد کردے اور بدلے کا ذکر نہ کرے تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور ولاء مالک کو ملے گی. یعنی شوہر کا آقا ولاء کا حقدار ہوگا یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ صورت اور پہلی صورت حکم میں دونوں برابر ہیں. تو یہاں بھی انتضاءً عورت کی ملک ثابت ہوگی بطریق ہبہ، اور یہ ہبہ قبضہ سے مستغنی ہوگا جو کہ شرط ہبہ ہے جس طرح پہلی صورت میں اقتضاءً بیع ماننے کے باوجود قبول کی حاجت نہ رہی حالانکہ قبول تو رکن بیع ہے، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ قبول ایسا رکن ہے جو کہ کبھی کبھی ساقط ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے مثلاً بیع تعاطی کی صورت میں (کہ بائع یا مشتری لین دین ہو جائے زبان سے ایجاب وقبول کا کوئی لفظ نہیں تو بھی بیع درست ہے) لیکن قبضہ کی شرط ایسی نہیں وہ تو ہبہ کے اندر کسی حال میں سقوط کا احتمال نہیں رکھتا اس لئے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے) اگر کافر نے کافرہ سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا جو کافرہ کسی کافر کی عدت میں تھی اور اس سے کسی کافر نے نکاح کیا اور یہ ان کے دین میں جائز ہے اور پھر دونوں اسلام لائے تو نکاح اپنے حال پر باقی رہے گا اور اگر کافر نے محرمہ کافرہ سے نکاح کیا اور پھر اسلام لائے تو ان کے درمیان تفریق کرادی جائے گی اور لڑکا مسلمان شمار ہوگا اگر اس کے ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو یا ان میں سے کوئی اب اسلام قبول کرلے اور اگر کتابی اور مجوسی (زوجین) کے درمیان بچہ پیدا ہو تو وہ کتابی شمار ہوگا، اس واسطے کہ بچہ ماں باپ میں سے جو دین کے اعتبار سے بہتر ہے اس کے تابع ہوتا ہے

تشریح:۔ لہ قولہ وان قالت الخ. یعنی اگر غلام کی آزاد بیوی نے اپنے خاوند کے آقا سے یہ کہا کہ "اسے میری جانب سے آزاد کردے اور اس کے عوض ہزار وغیرہ کا ذکر نہیں کیا اور اس کے مطابق آقا نے آزاد کردیا تو یہ عتق عورت کی جانب سے نہ ہوگا بلکہ آقا کی طرف سے ہوگا اور ولاء عتق بھی اسی کو حاصل ہوگا اور عورت کا نکاح فاسد نہ ہوگا کیونکہ ملک نکاح کے منافی ملک یمین نہیں پائی گئی ۱۲

لہ قولہ نقول القبول الخ. یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب اور طرفین کے قول کی تائید ہے. خلاصہ جواب یہ ہے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اقتضاءً ثابت ہونے والی بات بضرورت ثابت ہوتی ہے اور اس میں وہ شرائط وارکان ساقط ہو جاتے ہیں جن کے ساقط ہونے کی کچھ بھی گنجائش ہے اور جو کسی حال میں ساقط ہونے کا احتمال نہ رکھے وہ ہرگز ساقط نہیں ہو سکتے اور ہبہ کے اندر قبضہ ایسی شرط ہے جو کبھی ساقط نہیں ہوتی کیونکہ شرعاً ہبہ کی کوئی صورت ایسی نہیں جو قبضہ کے بغیر پورا ہو سکے اس لئے یہاں بھی قبضہ کی شرط ساقط نہ ہوگی بخلاف بیع کے کہ بعض حالتوں میں قبول کا رکن ساقط بھی ہو جاتا ہے مثلاً تعاطی کی صورت میں. تعاطی لغت میں باہمی لین دین کو کہتے ہیں اور شرعاً بیع تعاطی ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں جانبین کوئی کلام نہ کریں یا ایک جانب میں کلام نہ پایا جائے جیسا کہ خریدار خاموشی سے قیمت دیدے اور بائع سے مبیع لے لے یہ بیع صحیح مذہب کے مطابق ادنیٰ واعلیٰ ہر قسم کی چیزوں میں جائز ہے ۱۲

سے قولہ فان اسلم الخ. یہاں سے کفار کے احکام کا بیان ہے یعنی جب ایک کافر دوسری کافرہ عورت کے ساتھ بغیر گواہ کے نکاح کرلے یا جو کافرہ کسی کافر کی عدت طلاق یا وفات میں تھی اس سے نکاح کرلے اور ان کے مذہب میں ایسا نکاح جائز تھا. (باقی صد آئندہ پر)

وفی اسلام زوج المجوسیۃ او امرأۃ الکافر ای سواء کان مجوسیا او کتابیا یعرض الاسلام علی الاٰخر فان اسلم فهی له والا فرق وهوای التفریق طلاق بائن لو ابی لا لو ابت لان الطلاق لا یکون من النساء ولا مهر هنا ای فی ابائها الا للموطوءۃ اما فی صورۃ اباء الزوج فان کانت موطوءۃ فکل المهروان لم تکن فنصفه لان التفریق هنا طلاق قبل الدخول ولو کان ذلک فی دارهم ای اسلام زوج المجوسیۃ او امرأۃ الکافر لم تبن حتی تحیض ثلثا قبل اسلام الاٰخر ولو اسلم زوج الکتابیۃ فهی له وتبین بتباین الدارین لا بالسبی فلو خرج احدهما الینا مسلما او اخرج مسبیا بانت۔

ترجمہ :۔ اگر مجوسی عورت کا شوہر یا کافر کی بیوی اسلام لائے چاہے اسلام لانیوالی عورت کا شوہر مجوسی ہو یا کتابی ہو تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا (مسلمان قاضی کی طرف سے) اب اگر وہ بھی اسلام لے آئے تو یہ عورت اس کی بیوی ہے (پہلا نکاح ثابت رہے گا) ورنہ ان میں تفریق کر دی جائیگی اور یہ یعنی باہمی تفریق اگر شوہر کے قبول اسلام سے انکار کی بنا پر ہو تو طلاق بائن شمار ہوگی اور عورت کے انکار کی وجہ سے ہو تو یہ تفریق طلاق نہ ہوگی (بلکہ فسخ نکاح شمار ہوگا) اس لئے کہ عورتوں کی طرف سے طلاق نہیں ہو سکتی ہے اور اس صورت میں مہر بھی نہیں ہے یعنی جب عورت قبول اسلام سے انکار کرے تو وہ مستحق مہر نہیں البتہ اگر عورت سے وطی کی ہو تو مہر لازم ہے اور زوج کے انکار کی صورت میں اگر عورت موطوءہ ہو تو شوہر پر کل مہر واجب ہے اور اگر غیر موطوءہ ہو تو نصف مہر لازم ہے کیونکہ یہ تفریق بحکم طلاق قبل الدخول ہے (جس میں نصف مہر واجب ہوتا ہے) اور اگر یہ واقعہ دار الحرب میں پیش آئے۔ یعنی اگر مجوسیہ کے خاوند یا کافر کی بیوی دار الکفر میں اسلام قبول کریں تو فرقت نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے کے اسلام لانے سے پہلے عورت کو تین حیض نہ آجائیں، اگر کتابیہ عورت کا خاوند مسلمان ہو اتو زوجہ کتابیہ اسی کی رہے گی، اور بائنہ ہو جائے گی تباین دارین سے نہ کہ قید سے، چنانچہ اگر کوئی زوج یا زوجہ میں سے (کہ دونوں کافر تھے) مسلمان ہو کر دار الحرب سے دار الاسلام میں آیا یا بحیثیت قیدی کے لایا گیا تو ان دونوں کے درمیان فرقت ہو جائے گی۔

تشریح :۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) پھر زوجین نے اسلام قبول کیا تو انہیں ان کے سابق نکاح پر ہی رہنے دیا جائے گا کیونکہ جو نکاح مسلمانوں میں کسی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے حرام ہو وہ غیر مسلموں کے حق میں جائز ہے جبکہ ان کے دین میں یہ ممنوع نہ ہو اور اسلام کے بعد ان کو اس پر برقرار رکھا جائے گا اس لئے کہ ہم پر حکم یہ ہے کہ ان کو ان کے مذہبی امور میں اپنے حال پر چھوڑ دیں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ المجوسیۃ الخ اس سے غالباً غیر کتابی عورت مراد ہے کیونکہ کتابیہ کا شوہر اگر اسلام لے آئے تو اس پر اسلام پیش کرنے کا حکم نہیں اور نہ اسلام قبول نہ کرنے سے تفریق ہے اس لئے کہ مسلمان کا نکاح کتابیہ کے ساتھ درست ہے البتہ دوسری کافر عورتوں سے درست نہیں یا تو مجوسیہ ہی مراد ہے اور اس سے دوسری کافر عورتوں کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان پر اسلام پیش کرنا لامحالہ ضروری ہے ۱۲

۲؎ قولہ ولا مهر هنا الخ یعنی جب عورت کی جانب سے انکار ہوا اور قاضی عورت کے انکار کے باعث دونوں میں تفریق کرا دے تو اگر عورت غیر موطوءہ ہوئی تو اس کے لئے کچھ مہر نہ ہوگا کیونکہ وطی کے ذریعہ مہر مؤکد ہونے سے پہلے جو تفریق عورت کی جانب سے ہوتی وہ مہر ساقط کر دیتی ہے اور بعد الدخول چونکہ مہر مؤکد ہو جاتا ہے اس لئے ساقط نہ ہوگا ۱۲

۳؎ قولہ ولو کان ذلک الخ یعنی اسلام پیش کرنے اور قبول نہ کرنے سے تفریق کا حکم اس وقت ہوگا جبکہ دونوں دار الاسلام میں ہوں اور اگر دونوں دار الحرب میں ہوں یا ایک دار الحرب میں اور ایک دار الاسلام میں تو دوسرے پر اسلام پیش کرنے کا حکم نہیں ہے (باقی صفحہ آئندہ پر)

وان سُبیا معًا لا ومن هاجرت الینا بانت بلا عدۃ الا الحامل وارتداد کل منهما نسخ عاجل ثم للموطؤۃ کل مهرها ولغیرها نصفه لو ارتد ولا شئ علیه لو ارتدت وبقی النکاح ان ارتدا معًا ثم اسلما معًا وفسد ان اسلم احدهما قبل الآخر۔

لان ردۃ احدهما منافیۃ ابتداء فکذا بقاء ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور اگر دونوں قید ہوکر ایک ساتھ دار الاسلام میں آئے تو فرقت نہ ہوگی، اور جو عورت ہجرت کرکے دار الاسلام میں آئے وہ بائنہ ہوجائے گی اور اس پر کوئی عدت نہیں ہے، البتہ اگر حاملہ ہو (تو وضع حمل تک انتظار کرنا پڑے گا) اور اگر زوج یا زوجہ کوئی ان میں سے (معاذ اللہ) مرتد ہوگا تو فوراً (بے حکم قاضی کے) نکاح فسخ ہوجائے گا، تو اگر عورت موطؤہ ہے تو اس کو کل مہر ملے گا اور اگر غیر موطؤہ ہے تو خاوند مرتد ہونے کی صورت میں عورت کے لئے نصف مہر ہے اور اگر عورت مرتد ہوگئی تو خاوند پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ اور اگر زوج و زوجہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہوگئے اور پھر دونوں ایک ہی ساتھ ایک ہی وقت میں اسلام لے آئے تو نکاح باقی رہے گا اور اگر کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام لایا تو نکاح فاسد ہوجائے گا۔

تشریح (بقیہ گذشتہ) چاہے کفر پر رہ جانے والا ہمارے یہاں آئے یا نہ آئے کیونکہ غائب کے حق میں یا غائب کے خلاف فیصلہ نہیں ہوا کرتا ہے ۱۲

سلہ قولہ لم تبن حتی الخ۔ ہدایہ اور اس کی شروح میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ جب دار الحرب میں ان میں سے ایک اسلام لائے تو تفریق ضروری ہوگئی کیونکہ مشرک اس قابل نہیں کہ مسلمان کا نکاح اس سے قائم رہے اور دوسرے پر اسلام پیش کرنا بھی ممکن نہیں تاکہ اگر وہ اسلام سے انکار کرے تو اس انکار کے سبب سے فرقت ہوجائے کیونکہ اہل حرب پر مسلمانوں کا اختیار اور ولایت نہیں ہے اور جہاں علت کا تحقق ممکن نہ ہو وہاں مناسب شرط کو علت کے قائم مقام کرنا جائز ہے اسی بنا پر ہم نے مذکورہ صورت میں تین حیض کی مدت گذر جانے کو شرط فرقت کی حیثیت سے سبب فرقت یعنی اِبَاء عن الاسلام کے قائم مقام قرار دیا ہے چنانچہ اس مدت کا گذرنا تفریق قاضی کے حکم میں ہوگا اور خود بخود فرقت ہوجائے گی ۱۲ انتہی مختصراً۔

شہ قولہ فہی لہ الخ۔ یعنی اہل کتاب عورت کا خاوند مسلمان ہوجائے تو نکاح فاسد نہیں ہوگا کیونکہ کتابیہ کا نکاح مسلمان کے ساتھ حرام نہیں اسی وجہ سے سابق عبارت میں زوج المجوسیہ کہا اور زوج الکافرہ نہیں کہا کیونکہ کافرہ میں اہل کتاب بھی شامل ہے ۱۲

لحہ قولہ لا بالسبی الخ۔ یہ لفظ فتح سین سے ہے، یعنی عورت محض اہل اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بائنہ نہیں ہوتی جب تک کہ تباین دارین نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اختلاف دارین کے باعث مصالح زندگی کا نظام درہم و برہم ہوجاتا ہے اس لئے اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا اور گرفتاری سے ملک رقبہ حاصل ہوتی ہے اور ملک رقبہ منافی نکاح نہیں ہے شروع حالت میں بھی مثلاً کوئی اپنی لونڈی کا نکاح دوسرے سے کردے تو درست ہے تو بقاء یعنی نکاح قائم ہوتے ہوئے اگر ملک عارض ہو تو یہ بھی نکاح پر موثر نہ ہوگی ۱۲ مختصر۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ ثم اسلما معاً الخ۔ یہ معیت خواہ حقیقی ہو کہ دونوں ایک ساتھ کلمۂ اسلام زبان سے ادا کیا یا معیت حکمی ہو کہ دونوں اسلام لے آئے اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کون اسلام لایا، اگرچہ اس مسئلہ میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نکاح فاسد ہوجائے کیونکہ ارتداد جو کہ منافی نکاح ہے وہ پایا گیا ہے مگر بنظر استحسان ہم نے عدم فساد کا حکم دیا ہے اور اس کی دلیل میں اس واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں قبیلہ بنو حنیفہ مرتد ہوگیا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن ان کے نکاح دہرانے کا حکم نہیں دیا گیا ۱۲

بَابُ القَسْمِ

يجب العدل فيه والبكر والثيب والجديدة والقديمة والمسلمة و والكتابية سواء وللامة والمكاتبة وام الولد والمدبرة نصف ما للحرة و لا قسم في السفر يسافر بمن شاء والقرعة اولى وان تركت قسمها لضرتها صح وان رجعت جاز۔

تقسیم کا بیان

ترجمہ:۔ (جب کسی مرد کی ایک سے زیادہ آزاد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان) تقسیم میں برابری واجب ہے (اس حکم عدل میں) باکرہ اور ثیبہ، نئی اور پرانی دلہن اور مسلمہ و کتابیہ سب برابر ہیں۔ لونڈی اور مکاتبہ اور ام ولد اور مدبرہ کو آزاد عورت کا آدھا ہے اور جب خاوند سفر کرے تو بیویوں کو قسمت میں برابری کا حق نہیں ہے چنانچہ وہ جس عورت کو چاہے سفر میں اپنے ہمراہ لیجا سکتا ہے، البتہ قرعہ ڈالنا بہتر ہے اور اگر کوئی بیوی اپنا حصہ اپنی سوکن کو دیدے تو یہ درست ہے پھر اگر اس سے رجوع کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ العدل فیہ الخ۔ عین کے فتح کے ساتھ اس کے معنی برابری کے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام امور میں برابری ہو یہاں تک کہ عدد وطی میں بھی برابری ہو کیونکہ ایسی برابری ناممکن ہے بلکہ اس سے مراد شب باشی، لباس، کھانے اور حسن معاشرت میں برابری ہونی چاہیئے وطی میں برابری لازمی نہیں اس لئے کہ یہ تو طبیعت کے نشاط پر موقوف ہے البتہ کسی ایک زوجہ سے قطعاً جماع ترک کر دینا جائز نہیں بلکہ کبھی کبھار جماع کرنا خاوند پر واجب ہے۔ وکذا فی الفتح، پھر تسویہ سے حقیقی تسویہ مراد نہیں بلکہ شریعت نے جس تسویہ کا اعتبار کیا ہے اس کا لحاظ کرنا واجب ہے چنانچہ سامنے آجائے گا۔ کہ آزاد زوجہ کے مقابلہ میں لونڈی کے حقوق نصف ہیں ۱۲

۲؎ قولہ ولا قسم فی السفر الخ۔ یہ اختیار دفع حرج کے لئے ہے کیونکہ بسا اوقات سب بیویوں کو ساتھ لے کر سفر کرنا ممکن نہیں ہوتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت پر صرف گھر میں اعتماد کیا جا سکتا ہے اور دوسری پر سفر میں اعتماد ہوتا ہے اس لئے مرد کو حق ہے کہ سفر کے لئے جس کو چاہے چن لے۔ اور اگر سب کو ہمراہ لیکر سفر کرے تو کیا برابری ضروری ہوگی؟ بظاہر حکم تو یہی ہے کہ اگر اطمینان و سکون کا سفر ہو تو حالت سفر میں بھی عدل واجب ہے ۱۲

۳؎ والقرعۃ اولی الخ۔ تاکہ ان کی دلجوئی ہو اور باہمی کشاکش نہ ہونے پائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جن کا نام نکل آتا ان کو ہمراہ لے جاتے (بخاری مسلم وغیرہما) اور مصنف نے اولیٰ کے لفظ سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرعہ میں جس عورت کا نام آئے اگر خاوند اس کو ہمراہ نہ لے جائے تو بھی صحیح ہے ۱۲

کِتَابُ الرِّضَاعِ

یثبت بمصّۃ فی حولین ونصف لابعدہ اُمومیۃ المرضعۃ للرّضیع واُبوّۃ زوج مرضعۃ لبنہا منہ لہ ای للرّضیع فالحولان ونصف قول ابی حنیفۃ وامّا عند غیرہ فمدتہ حولان وعند الشافعیؒ یثبت بخمس مصّات فیحرم منہ مایحرم من النسب الّا امّ اختہ واخیہ فان ام الاخت والاخ من النسب ھی الامّ اوموطوءۃ الاب وکل منہما حرام ولاکذلک من الرضاع وھی شاملۃ لثلث صُوَرٍ الامّ رضاعًا للاخت اوالاخ نسبًا والامّ نسبًا للاخت اوالاخ رضاعًا والامّ رضاعًا للاخت اوالاخ رضاعًا

رضاعت کا بیان

ترجمہ:۔ ایک ہی گھونٹ دودھ پینے سے ڈھائی برس کے سن کے اندر۔ نہ کہ اس کے بعد (رضاعت ثابت ہوجاتی ہے یعنی دودھ پینے بچے کے لئے) دودھ پلانے والی کا ماں ہوجانا اور اس کے شوہر کا جس کی صحبت سے یہ دودھ اترا ہے اس کا باپ ہوجانا ثابت ہوجاتا ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رضاع کی مدت دو سال چھ مہینے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک مدت رضاع کی دو برس ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک کم از کم پانچ مرتبہ دودھ چوسنے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ پس حرام ہوگا اس سے جو حرام ہوتا ہے نسب سے مگر (رضاعت کی وجہ سے) اس کی بہن کی ماں اور بھائی کی ماں حرام نہیں ہوتی اس لئے نسبی بھائی بہن کی ماں تو اپنی ہی ماں ہے یا تو موطوءہ آب ہے اور یہ دونوں حرام ہیں (جیساکہ اوپر گذر چکا ہے) اور رضاعت میں یہ حکم نہیں ہے جو کہ تین صورتوں پر مشتمل ہے (۱) نسبی بھائی یا بہن کی رضاعی ماں (۲) رضاعی بھائی یا بہن کی نسبی ماں (۳) رضاعی بھائی یا بہن کی رضاعی ماں۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ امومیۃ المرضعۃ الخ یہ یثبت فعل کا فاعل ہے یعنی دودھ پلانے والی، دودھ پینے والے بچہ کی ماں ہوجائے گی اور اس کا شوہر بچہ کا باپ ہوگا لیکن جو کوئی شوہر نہیں بلکہ وہ شوہر جس کی صحبت سے مُرضعہ کی چھاتی میں دودھ آیا ہے۔ اب اگر کسی نے ایسی دودھ والی عورت سے شادی کی جس کا دودھ اس کے پہلے شوہر کی طرف سے تھا پھر اس نے ایک بچہ کو دودھ پلایا تو موجودہ شوہر بچہ کا رضاعی باپ نہیں ہوگا۔ اور اس بارے میں اصل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو محرمات کے بیان کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ‘‘ وامہاتکم اللتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ الآیۃ۔ اور اس باب میں صحاح کے
؎۲ قولہ واما عند غیرہ الخ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدت رضاع دو برس ہے اور یہی قول ہے امام شافعیؒ کا ان کی دلیل یہ ہے ‘‘ والوالدات یرضعن اولادہن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ الآیۃ اور اس کے موافق حدیث بھی وارد ہے ‘‘ لارضاع الا فی حولین ’’ (دارقطنی وغیرہ) اور امام صاحب کی دلیل ارشاد ربانی ‘‘ وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا، کی صراحت ہے کہ حمل و رضاع دونوں کے لئے مستقل طور پر ڈھائی سال کی مدت ہے، بہرحال دونوں جانب کی دلائل کی طول وطویل تفصیلات کتب مبسوطہ میں ہیں۔ من شاء فلیراجع ۱۲
؎۳ قولہ الاام اختہ الخ۔ ان صورتوں کے استثناء پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس باب میں دلیل وہ حدیث ہے کہ ‘‘ جو قرابت سے حرام ہو وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتا ہے ’’ جسے شیخین نے روایت کی ہے اور یہ اپنے اطلاق اور عموم کے اعتبار سے تمام صورتوں کو شامل ہے، اب محض عقلی دلیل سے بعض صورتوں کی تخصیص کس طرح جائز ہوسکتی ہے، حافظ زیلعیؒ نے شرح کنز میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں درحقیقت حدیث میں تخصیص نہیں کی گئی ہے اور یہ استثناء بھی فقہاء کے کلام میں منقطع ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ حدیث میں حرمت رضاع کا عموم وہاں ہے جہاں نسب کے سبب سے حرمت پائی جائے اب نسبی بھائی کی ماں کی حرمت بھائی کے ساتھ نسبی رشتہ ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر کہ ام آخ اس کی بھی ماں ہے یا تو اس کے باپ کی موطوءہ ہے یہی وجہ ہے کہ بھائی نہ ہونے کی صورت میں بھی ام حرام ہے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

فانؔ قیل قولہ الّا امّ اختہ ان ارید بالام الامُّ رضاعًا وبالاخت الاختُ رضاعًا
وکذا قولہ ام اخیہ ۱۲ عمدہ
لا یشمل ما اذا کانت احدٰہما فقط بطریق الرّضاع وان اُرید بالامّ الامُّ نسبًا
ای کالام والاخت ۱۲ عمدہ
وبالاخت الاختُ رضاعًا او بالعکس لا یشمل الصورتین الاُخریَین قلنا المراد
بان یراد بالام الام رضاعا وبالاخت الاخت ۱۲ عمدہ
ما اذا کانت احدٰہما بطریق الرّضاع اعمّ من ان یکون احدٰہما فقط او کلّ منہما
ای بدون الآخر ۱۲ عمدہ
واختَ ابنہ لانّ اختَ الابن من النسب امّا البنت وامّا الرّبیبۃُ ایّتہما کانت
وکذا اخت بنتہ ۱۲ عمدہ
قید الکل من المضاف والمضاف الیہ ۱۲ عمدہ
وقد وُطیت امّہا۔

ترجمہ:۔ پس اگر شبہ کیا جائے کہ مصنفؒ کی عبارت "الاام اختہ" میں اگر ماں سے رضاعی ماں اور اخت سے رضاعی بہن مرادلیں (یعنی مذکورہ صورتوں میں تیسری صورت) تو ان دونوں صورتوں کو شامل نہ ہوگی، جن میں صرف ایک کا رشتہ رضاعی ہو (یعنی پہلی اور دوسری صورت کو شامل نہ ہوگی) اور اگر ماں سے نسبی ماں اور بہن سے رضاعی بہن (یعنی دوسری صورت) مرادلیں یا تو اس کے برعکس (یعنی پہلی صورت) مرادلیں تو اس کے علاوہ دونوں صورتوں کو (یعنی پہلی اور تیسری. یا دوسری اور تیسری صورتوں کو) شامل نہ ہوگی تو ہم اس کا جواب میں کہ یہاں یہ مراد ہے کہ دونوں میں کوئی بھی رضاعت کا رشتہ ہو عام از یں کہ دونوں میں سے صرف ایک ہی بطور رضاعت ہو (مثلاً تیسری صورت غرض یہ تمام صورتیں مذکورہ مفہوم میں داخل ہیں) اسی طرح حرام نہیں ہے رضاعت سے اس کے بیٹے کی بہن اس لئے کہ نسبی بیٹے کی نسبی بہن یا تو اپنی بیٹی ہوگی یا ربیبہ ہوگی جس کی ماں سے وطی کی جا چکی ہے اور (یہ دونوں حرام قطعی ہیں جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے مگر)

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) اسی طرح نسبی بیٹے کی بہن اس لئے حرام ہے کہ وہ تو اس کی اپنی لڑکی ہے یا اپنی بی بی کی لڑکی ہے بیٹا اگر نہ بھی ہو تب بھی حرام ہے رضاعت میں ایسے رشتے موجب حرمت ہیں چنانچہ رضاعی ماں یا رضاعی باپ کی موطوءہ یا اپنی بیوی کی رضاعی بیٹی غرض ان میں سے کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں لیکن ام اخت یا ام آخ من الرضاعۃ میں یہ سبب موجود نہیں ۱۲
سے قولہ ولا کذا لک من الرضاع الخ کیونکہ اس کے رضاعی بھائی کی ماں تو اپنی ماں نہیں ہے اور نہ اپنے باپ کی موطوءہ ہے بلکہ اس کے لحاظ سے وہ اجنبی ہے اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ تو ممکن ہے کہ رضاعی بھائی کی ماں اس کی بھی ماں ہو مثلاً اس نے بھی اس عورت کا دودھ پیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں حرمت رضاعی بھائی کی ماں ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے حرام ہے کہ خود اس کی رضاعی ماں ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ فان قیل الخ. یہ اعتراض ہے شارح کی اس بات پر کہ "متن کا مسئلہ تین صورتوں کو شامل ہے" حاصل اس کا یہ ہے ایک عبارت سے بیک وقت تین معنے تو مراد نہیں لے سکتے۔ اب اگر ام اور اخت دونوں سے رضاعی مراد ہو باقی دو صورتیں نکل گئیں اور ایک سے رضاعی اور دوسرے سے نسبی مراد ہو تو بھی اس کے علاوہ دو صورتوں کو عبارت شامل نہ ہوگی. خلاصہ جواب یہ ہے کہ کوئی بھی رضاعی ہونا مراد ہے خواہ صرف ایک ہی ہو یا دوسرے کے ساتھ ہو اس معنی عام میں تینوں صورتیں شامل ہو جاتی ہیں غرض اس توجیہ میں رضاعت ام اخت یا ام اخ کی اضافت کی قید ہے جو کہ مضاف اور مضاف الیہ کے ساتھ بیک وقت اجتماعًا وانفرادًا متحقق ہو سکتی ہے، صرف مضاف یا مضاف الیہ کی قید نہیں کہ دوسری حالت کو شامل نہ ہو ۱۲
سے قولہ واما الربیبۃ الخ یعنی پروردہ لڑکی جو کہ عورت کے پہلے شوہر کی طرف سے تھی اس کو ہمراہ لے کر اب جس کے ساتھ شادی بیٹھی ہے یہ لڑکی اس نئے شوہر کی ربیبہ ہو گئی غرض نسبی بیٹے کی نسبی بہن کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں دونوں (۱) ایک ماں باپ سے ہوں (۲) یا صرف باپ شریک ہوں ان دونوں صورتوں میں بیٹے کی بہن اپنی ہی بیٹی ہوئی (۳) یا صرف ماں شریک ہوں اس صورت میں بیٹے کی بہن ربیبہ ہوگی اور آیت محرمات سے یہ تینوں حرام ہیں. لیکن رضاعت میں (خواہ نسبی بیٹے کی رضاعی بہن یا رضاعی بیٹے کی نسبی بہن یا رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن ہو) سبب حرمت اپنی بیٹی ہونا یا ربیبہ ہونا موجود نہیں اس لئے حرام نہیں ۱۲

ولا كذلك من الرضاع وجدة ابنه اى جدة الابن نسبًا اما امّه او ام موطوءته ولا كذلك من الرضاع وامّ عمّه وعمته وامّ خاله وخالته اعلم انّ ام هؤلاء نسبًا امّا موطوءة الجد الصحيح او الجد الفاسد ولا كذلك من الرضاع ولا تنس الصور الثلث فى جميع ماذكرنا للرجل اى هذه النساء المذكورة لا تحرم للرجل اذا كانت من الرضاع واخا ابن المرأة لها رضاعًا اى لا يحرم اخو ابن المرأة لها اذا كان من الرضاع واعلم ان هذا مكرر لانه ذكر امّ الاخ ولما كانت المرأة امّ اخ الرجل كان الرجل اخا ابن تلك المرأة۔

ترجمہ:۔ رضاعت میں ایسا حکم نہیں ہے (بلکہ نسبی بیٹے کی رضاعی بہن یا رضاعی بیٹے کی نسبی بہن یا رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن حلال ہیں) اور بھی حرام نہیں ہے رضاعت سے اپنے بیٹے کی دادی نانی (البتہ نسب سے حرام ہے) کیونکہ اپنے بیٹے کی نسبی جدہ یا تو اپنی ماں ہوگی یا اپنی موطوءہ بیوی کی ماں یعنی خوشدامن ہوگی اور دونوں حرام ہیں مگر رضاعی میں حرام نہیں۔ اور اسی طرح رضاعت سے حرام نہیں اپنے چچا اور پھوپی کی ماں اور اپنے ماموں اور خالہ کی ماں کیونکہ ان کی نسبی مائیں یا تو دادہ کی موطوءہ (یعنی دادی) ہوگی یا نانا کی موطوءہ (یعنی نانی) ہوگی۔ (اور ان کی حرمت پہلے معلوم ہو چکی ہے) لیکن رضاعت کے رشتہ سے حرام نہیں اور مذکورہ ان تمام رشتوں میں اوپر کی دو تین صورتیں نہ بھولنا چاہیئے۔ (یعنی دونوں رضاعی یا اول رضاعی ثانی نسبی یا بالعکس) مرد کے حق میں یعنی یہ سب مذکورہ عورتیں مرد پر حرام نہیں جبکہ رضاع سے ہوں اور رضاعت سے حرام نہیں عورت کے واسطے اپنے بیٹے کا بھائی۔ یعنی حرام نہیں ہے عورت کے حق میں اس کے بیٹے کا بھائی جبکہ رضاع کے رشتہ سے ہو۔ واضح رہے اس صورت کا ذکر بیان مکرر ہے کیونکہ اوپر بھائی کی ماں کا ذکر آچکا ہے اور جب عورت کسی مرد کے بھائی کی ماں ہوگی تو وہ مرد لامحالہ اس عورت کے بیٹے کا بھائی ہوگا۔

تشریح:۔ لہ قولہ ان ام ہؤلاء الخ یعنی چچا، پھوپی، ماموں اور خالہ کی نسبی ماں یا جد صحیح یعنی دادا کی موطوءہ دادی ہوگی یا تو جد فاسد یعنی نانا کی موطوءہ نانی ہوگی اور یہ دونوں حرام ہیں بنص قرآن "ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم" سے اور آباء میں دادا نانا اوپر تک شامل ہیں اجماعًا۔ مگر رضاع کی صورتوں میں سبب حرمت جو نسب میں معتبر ہے یعنی موطوءہ جد ہونا موجود نہیں اس لئے حرام نہیں ۱۲

لہ قولہ فی جمیع ماذکرنا الخ یعنی مذکورہ تمام صورتوں میں وہ تینوں احتمال جاری ہوں گے جن کا ہم "ام اخت واخ" کے ذیل میں ذکر کر چکے ہیں یعنی مضاف و مضاف الیہ دونوں رضاع سے ہوں یا مضاف رضاعی اور مضاف الیہ نسبی یا اس کا برعکس ۱۲

سلہ قولہ واعلم الخ یہ مصنف پر اعتراض ہے کہ اوپر جبکہ کسی شخص کے رضاعی بھائی کی ماں کا بیان کر دیا ہے تو اس عورت کے بیٹے کے رضاعی بھائی کا حکم خود بخود معلوم ہو گیا ہے کیونکہ نکاح کے اندر حلت اور حرمت کا حکم مرد و عورت دونوں کی جانب میں معتبر ہوا کرتا ہے ایک جانب کا حکم بتلا دینے سے خود بخود دوسری جانب کا حکم ثابت ہو جاتا ہے ۱۲

وعبارۃ المختصر کانت کذلک فیحرم منہ ما یحرم من النسب الا اُمّ ولدہ واُمّ اصولہ واخت ابنہ وجدّتہ فاولاد الاصول الاخ والاخت والعمّ والعمۃ والخال والخالۃ فامّ ھؤلاء تحرم من النسب لا من الرضاع ثم غیّرت العبارۃ الی ھذا فیحرمان مع قومھما علیہ کالنسب وفرعہ والزوجان علیھما ای تحرم المرضعۃ وزوجھا علی الرضیع ویحرم قومھما علی الرضیع کما فی النسب وتحرم فرع الرضیع علی المرضعۃ وزوجھا ویحرم زوجا الرضیع علی المرضعۃ وزوجھا ای الرضیع ان کان ذکرا تحرم زوجتہ علی زوج المرضعۃ۔

ترجمہ :۔ اور اس مقام میں مختصر الوقایہ کی عبارت پہلے اس طرح پر تھی "پس حرام ہو جائے گا رضاعت سے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے مگر اس کے اصول کی اولاد کی ماں اور اس کے بیٹے کی بہن اور اس کے بیٹے کی جدہ" (یہ سب رضاع سے حلال ہیں) تو اصول کی اولاد میں بھائی بہن، چچا، پھوپی، ماموں اور خالہ سب آگئے پس ان کی مائیں نسب سے حرام ہیں رضاع سے حرام نہیں۔ پھر میں نے اس عبارت کو یوں بدل دی ہے "پس حرام ہو جائیں گے دونوں (یعنی مرضعہ اور اس کا شوہر اپنے خاندان سمیت شیر خوار بچہ پر مثل نسب کے اور شیر خوار کے فروع اور شیر خوار میاں بیوی بھی حرام ہو جائیں گے مرضعہ اور اس کے شوہر پر" یعنی دودھ پینے والے بچہ پر دودھ پلانے والی عورت اور اس کا خاوند اور ان دونوں کی قوم سب حرام ہو جائیں گے جس طرح نسب میں حرمت ہوتی ہے اسی طرح شیر خوار کی اولاد حرام ہو جائے گی مرضعہ اور اس کے شوہر پر اور شیر خوار میاں بیوی بھی مرضعہ اور اس کے شوہر پر حرام ہو جائیں گے۔ یعنی دودھ پینے والا اگر مرد ہے تو اس کی بیوی دودھ پلانے والی کے شوہر پر حرام ہوگی۔

تشریح: ؎۱ قولہ وزوجھا الخ. زوج کے لفظ کی تعریف سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس پر زانی اور اس کے اقربا حرام نہیں، اس میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق زنا کا دودھ حلال کی طرح ہے جب ایک لڑکی کو عورت نے ایسا دودھ پلایا جو کہ زنا سے پیدا ہوا ہے تو وہ زانی اس کے آباء اور اس کے لڑکوں پر حرام ہوگی جیسے کہ زنا سے لڑکی پیدا ہو تو وہ زانی اس کے اصول اور فروع پر حرام ہو جاتی ہے جزئیت کے شبہ کے بنا پر لیکن وبری نے ذکر کیا ہے کہ حرمت خاص کر ماں کی جانب سے ثابت ہوتی ہے جب تک کہ نسب ثابت نہ ہو اور نسب ثابت ہو جائے تو حرمت باپ کی جانب سے بھی ثابت ہوگی صاحب فتح القدیر نے اسی کو ترجیح دی ہے ۱۲

؎۲ قولہ علی الرضیع الخ. یہ وہ بچہ ہے جو دودھ پیئے اگر یہ لڑکا ہو تو دودھ پلانے والی اس پر حرام ہے اور اگر لڑکی ہو تو یہ دودھ پلانے والی کے شوہر پر حرام ہے ۱۲

؎۳ قولہ وتحرم فروع الخ. اوپر مرضعہ کی جانب سے حرمت کا بیان تھا اور یہاں سے دودھ پینے والے بچہ کی جانب کی حرمت کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ رضیع کی اولاد نیچے تک مرضعہ اور اس کے خاوند پر حرام ہوگی کیونکہ دودھ پینے سے رضاعی جزئیت پیدا ہو گئی کہ جب بچہ دودھ پینے کی وجہ سے ان دونوں کا رضاعی لڑکا ہو گیا تو اب اس کی اولاد بھی ان دونوں کی اولاد ہوئی اور دونوں پر حرام ہوگی البتہ اس کے اصول اور دوسرے اقربا ان پر حرام نہ ہوں گے ہاں مصاہرت کے باعث ثابت ہونے والی حرمت کے لحاظ سے بھی رضاعت کی حرمت ثابت ہوگی چنانچہ دودھ پینے والی لڑکی کا خاوند مرضعہ پر اور لڑکا کی بیوی مرضعہ کے خاوند پر حرام ہیں کیونکہ مرضعہ کے حق میں رضاعی لڑکی کا خاوند داماد ہوا اور اس کے خاوند کے حق میں رضاعی لڑکا کی بی بی اپنے بیٹے کی بہو ہوگی۔ مزید تفصیل فتح القدیر اور بحر الرائق میں ہے ۱۲

وان كان الرضيعُ انثى يحرم[1] زوجها على مرضعتها وضابطته[1] ما في هذا البيت الفارسي از جانب شیر دہ
همه خویش شوند۔ و ز جانب شیرخواره زوجان و فروع وتحل اخت اخيه رضاعًا كما تحل
نسبًا كأخٍ من الاب له اخت من امه تحل لاخيه من ابيه ورضيعا[2] ثديٍ كأخٍ واختٍ
لا شاربا لبن شاةٍ وحكمُ خلط لبنها بماءٍ او دواءٍ او لبن اخرى او شاةٍ بالغلبة
وبطعامٍ[3] الحلُّ اي حكمُ خلط لبنها بطعامٍ الحلُّ كما في لبن رجلٍ اي اذا نزل
للرجل لبن فشرب به صبي لا يتعلق[4] به حرمة الرضاع۔

ترجمہ :۔ اور اگر دودھ پینے والی لڑکی ہے تو اس کا شوہر اس کو دودھ پلانے والی پر حرام ہوگا۔ اور حرمت رضاعت کا قاعدہ کلیہ اس فارسی بیت میں مذکور ہے۔ ﴿ از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند ☆ وز جانب شیرخوارہ زوجان و فروع ﴾ (یعنی دودھ پلانے والی اور اس کا خاوند مع ان کی اولاد اور باپ دادا اور ماں بہنوں کے، سب شیرخوار کے خویش ہو جائیں گے مثل نسب کے اور شیرخوار اور اس کی بیوی یا خاوند مع اپنی اولاد کے خویش ہو جائیں گے دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کے) اور حلال ہے کہ نکاح کرے مرد اپنے بھائی کی بہن سے رضاع کی صورت میں جیسا کہ نسب میں حلال ہے۔ مثلاً ایک شخص کا علاتی بھائی ہے۔ اور اس کی ایک بہن ہے اخیافی تو یہ بہن اس علاتی بھائی کے لئے حلال ہے اگر لڑکا اور لڑکی نے مدت رضاع میں کسی عورت کی پستان سے دودھ پیا تو وہ مانند بھائی بہن کے ہوں گے (اور انہیں حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی) اور اگر دونوں نے مل کر کسی بکری کا (یا گائے یا اونٹنی کا) دودھ پیا تو وہ بھائی بہن نہ ہوں گے۔ اگر دودھ عورت کا پانی سے یا دوا سے یا دوسری عورت کے دودھ سے یا بکری کے دودھ سے مل گیا تو حکم غالب کے مطابق ہوگا (اگر عورت کا دودھ غالب ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں اس طرح دو عورتوں کے دودھ مل جانے سے جس کا دودھ غالب ہے اس سے رضاعت ثابت ہوگی) اور طعام سے ملے تو حلت ہے۔ یعنی اگر عورت کا دودھ دوسرے کھانے کی چیز سے مل جائے تو اس کا حکم حلت کا ہے۔ (اس سے رضاعت ثابت نہ ہوگی اگرچہ دودھ کھانے پر غالب ہو) جیسا کہ مرد کے دودھ کا حکم ہے۔ یعنی اگر کسی مرد کی پستان سے دودھ نکلا اور کسی چھوٹے بچے نے اس کو پیا تو اس کے پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

تشریح :۔ [1] قولہ وضابطتہ الخ یعنی رضاعت کی بنا پر جانبین سے ثابت ہونے والی حرمت کی اقسام ضبط کرنے کا قاعدہ اس شعر میں بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مصرع اول کا مفاد یہ ہے کہ دودھ پلانے والی اور اس کا شوہر اور ان کے اقربا، سب بچے کے قرابت دار بن جاتے ہیں یعنی جن کے ساتھ نسبی قرابت کی حرمت ہے وہ رضیع کے حق میں بھی ثابت ہے اور دوسرے مصرع میں رضیع کی جانب کا بیان ہے کہ اس کی اور اس کی اولاد کی اور احد الزوجین کی قرابت ہو جائے گی مرضعہ اور اس کے خاوند سے اس لئے یہ قرابتیں رضاعت سے حرام ہوں گی جس طرح نسب سے حرام ہیں ۱۲

[2] کاخ واخت الخ یہ خبر ہے "رضیعا" مبتدا کی یہ بات اگرچہ پچھلی تفصیلات سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ رضاعت کے باعث مرضعہ ماں بن جاتی ہے اور اس کا خاوند باپ ہو جاتا ہے لیکن مزید توضیح اور اگلے مسئلہ کی تمہید کے لئے اسے مستقلاً ذکر کر دیا اور رضیعین کو مطلق رکھ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ان کا حکم بھی مطلق ہے چنانچہ ایک رضیع دوسرے رضیع پر حرام ہے چاہے دونوں کا زمانہ شیرخوارگی ایک ہو یا مختلف ہو اور چاہے دونوں رضاعت کے لحاظ سے حقیقی بھائی بہن ہوں یعنی ایک ہی مرد سے آیا ہوا دودھ پیے ہوں یا ماں شریک ہوں کہ اس کے دو شوہروں کی طرف کا دودھ دو وقتوں میں پیے ہوں یا باپ شریک ہوں کہ ایک ہی شخص کی دو بیویوں کا دودھ الگ الگ پیئے ان تمام صورتوں کو شامل ہے ۱۲

[3] قولہ وبطعام الخ یعنی جب عورت کا دودھ کھانے میں مل گیا۔ اور بچہ نے اسے کھایا تو اس کا حکم مطلقاً حلال ہے چاہے دودھ کی مقدار زیادہ ہو یا کم ہو کیونکہ کھانا اصل ہے اور دودھ مقصود اصل کے حق میں ایک تابع کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے دودھ حکماً مغلوب قرار پائے گا چاہے مقدار میں برابر ہو یا زیادہ ہو یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی غلبہ کا اعتبار ہوگا اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ دودھ بغیر پکائے کھانے میں ملایا جائے اور اگر دودھ کو کھانے میں ملا کر پکایا گیا تو اس صورت میں بالاتفاق مطلقاً حرمت نہ ہوگی (ہدایہ وحواشیہا) ۱۲

[4] قولہ لا یتعلق بہ الخ کیونکہ مرد کی پستان کا دودھ دراصل دودھ نہیں ہے بلکہ یہ اس کے مشابہ کوئی رطوبت ہے جیسے کھمل کا خون حقیقی خون نہیں محض مشابہ رطوبت ہے اس لئے مرد کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی ۱۲

واحتقانِ صبیٍ بلبنہا وحرم بلبن البکر والمیت وان ارضعتْ ضرتہا رضیعۃً حرمتا

ای ان ارضعتْ امرأۃٌ ضرتَہا حال کون الضرۃ رضیعۃً حرمتا علی الزوج ولا مہرَ للکبیرۃ

ان لم توطأ وللرضیعۃ نصفہ ورجع بہ علی المرضعۃ ان قصدتِ الفسادَ والا فلا

وحجتہ رجلان اورجلٌ وامرأتان۔

ای ان لم تقصد الفساد ولا یرجع علیہا لان التسبب یشترط فیہ التعدی ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور جیسا کہ کسی چھوٹے بچے کو عورت کے دودھ سے حقنہ دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی) اور باکرہ اور مردے کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ اور اگر کسی عورت نے اپنی سوکن کو شیر خوارگی سن میں (یعنی اڑھائی سال عمر ہونے سے پہلے) دودھ پلایا تو دونوں عورتیں حرام ہو جائیں گی یعنی اگر کسی عورت نے اپنی سوکن کو مدت رضاعت کے اندر دودھ پلایا تو دونوں عورتیں شوہر پر حرام ہو جائیں گی۔ اور دودھ پلانے والی بڑی عورت سے اگر شوہر نے وطی نہیں کی ہے تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا اور اگر وطی کی ہے تو کل مہر لازم ہوگا اور شیر خوار کو آدھا مہر ملے گا اور خاوند اس آدھے مہر کو اس دودھ پلانے والی سے وصول کرے اگر اس نے نکاح میں خرابی پیدا کرنے کی نیت وارادہ سے دودھ پلایا ہو ورنہ پھر رجوع کا حق نہیں ہے اور رضاع ثابت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی موجود ہو (ورنہ یوں ہی کسی کے کہدینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی)

تشریح:۔ ؎ واحتقان الخ یابن رجل پر عطف ہے اور حقنہ کہا جاتا ہے مریض کے اندر خاص آلہ کے ذریعہ دبر کے راستہ سے دوا پہونچانا اس کا حاصل یہ ہے کہ رضاعت کے احکام دودھ پینے سے ثابت ہوتے ہیں۔ دودھ کا محض اندر جانے ہی سے یہ احکام ثابت نہیں ہوتے اس لئے مدت رضاع کے اندر بچے کے پیٹ میں دودھ پہونچ جانے سے ہی حرمت ثابت نہ ہوگی خواہ حقنہ سے ہو یا کان یا ذکر میں دودھ ٹپکایا جائے یا اور کسی ذریعہ سے پہنچایا جائے حرمت نہیں ہوگی ۱۲

عه لما فرغ من النكاح وما يتعلق به شرع فى ابحاث الطلاق الذى هو رفع النكاح

كتابُ الطلاق

عه هو لغة رفع القيد وشرعاً رفع قيد النكاح بلفظ مخصوص ١٢ عمده

احسَنُهٗ طلقةٌ فقط فی طهرٍ لا وطی فیه وحَسَنُه وهو السُّنِّیُّ طلقةٌ لغیر الموطوءةِ ولو فی حیضٍ وللموطوءةِ تفریقُ الثلث فی اطہارٍ لا وطی فیها فیمن تحیض واشہرٍ فی الآیسة والصغیرةِ والحاملِ للسنة ثلثاً فی ثلثة اشہر فقولہ واشہر عطف علی اطہارٍ وحل طلاقہن عقیبَ الوطی وبدعیّہ ثلث او اثنتان بمرة اومرتین فی طہرٍ لارجعة فیه او واحدة فی طہر وطیت فیه او حیض موطوءة وتجب رجعتها فی الاصح۔

طلاق کا بیان

ترجمہ:۔۔۔۔ "طلاق احسن یہ ہے کہ (مرد اپنی عورت کو) طلاق دیوے اس طہر میں جس میں اس سے جماع نہ کیا ہو (۲) اور طلاق حسن جس کو طلاق سنی بھی کہتے ہیں۔ یہ ہے کہ اگر غیر موطؤہ کو طلاق دے تو صرف ایک ہی طلاق دیوے اگرچہ وہ حیض میں ہو اور اگر موطؤہ کو طلاق دے تو تین طلاق دیوے جدا جدا ہر طہر میں جس میں وطی نہ کی ہو اگر اس عورت کو حیض آتا ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو آئسہ ہو یا صغیرہ ہو یا حاملہ ہو تو ہر مہینہ میں ایک طلاق دے یعنی طلاق سنت یہ ہے کہ تین طلاق دے تین مہینہ میں، اور ماتن کا قول "واشہر" کا عطف ہے "اطہار" پر اور جائز ہے طلاق دینا ان تینوں کو وطی کے بعد بھی (۳) اور طلاق بدعی یہ ہے کہ تین طلاق یا دو طلاق ایک بار سے یا دو بار سے ایک طہر میں دیوے اور رجعت نہ کرے ان کے درمیان یا ایک طلاق دے اس طہر میں جس میں وطی کی ہو یا ایک طلاق دے موطؤہ کو حیض میں اور اس صورت میں رجعت کرنا واجب ہے صحیح قول کے مطابق۔

تشریح: سلہ احسنہ الخ۔ یاد رہے کہ فقہاء نے طلاق کی تین قسمیں کی ہیں ۱۔ احسن، ۲۔ حسن، ۳۔ بدعی، طلاق مسنون پہلی دو قسموں پر حاوی ہے اور بدعی بار کے کسرہ کے ساتھ بدعت کی طرف نسبت ہے جو کہ سنت کی ضد ہے یہاں مسنون سے مراد اس طور پر ثابت ہونے والا ہے جو کہ باعث عتاب نہ ہو۔ نہ یہ کہ اس پر ثواب مرتب ہوگا کیونکہ طلاق بذات خود عبادت نہیں کہ اس پر ثواب ملے بلکہ یہاں مسنون سے مراد جو کہ حکماً مباح ہے ہاں بدعی طلاق دینے کا باعث ہونے ہوئے اگر اس سے بچتے ہوئے طلاق سنی دینے کی کوشش کی تو اپنے کو گناہ سے روکنے کی بنا پر ثواب کا مستحق ہوگا نہ کہ طلاق دینے پر کیونکہ یہ تو ابغض المباحات ہے (فتح) اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ طلاق کی بحث میں بدعت کا وہ مفہوم نہیں جو کہ عموماً مشہور ہے کہ "جو قرون ثلثہ میں نہ پائی جاتی ہو اور نہ ہی کوئی دلیل شرعی اس پر دلالت کرتی ہو ۱۲

سلہ قولہ وہو السنی الخ۔ یہ سنت کی طرف نسبت ہے اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ظاہر لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا سنت نہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حسن اور احسن دونوں ہی سنت کی اقسام میں سے ہیں علاوہ ازیں جب حسن سنت ہے تو احسن بطریق اولیٰ سنت ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ خاص کر حسن کو سنت کہنے کا منشاء امام مالک کا قول رد کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایک سے زائد غیر مسنون ہے باقی احسن کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہو جاتا ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگرچہ سنت دونوں کو شامل ہے مگر فقہاء کے استعمال میں خاص کر حسن پر اس کا اطلاق ایک اصطلاح ہوگئی ہے اس اصطلاح کے مطابق یہاں بھی سنی کہا ہے اور وجہ تخصیص وہی ہے جو اوپر بتائی گئی ۱۲

سلہ قولہ ولو فی حیض الخ۔ حاصل یہ کہ طلاق سنت میں دو چیز کی رعایت کی جاتی ہے (۱) عدد (۲) وقت العین ایک ہی کلمہ سے ایک سے زائد نہ ہو اس حکم میں مدخولہ اور غیر مدخولہ میں کوئی فرق نہیں البتہ مدخولہ میں یہ شرط ہے کہ ایسے طہر میں ہو جس میں وطی نہیں کی۔ اور غیر مدخولہ میں یہ شرط نہیں طہر و حیض دونوں میں ہو سکتی ہے اور اصل اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے بوقت حیض بیوی کو طلاق دیدی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا کہ سنت طریقہ یہ تھا کہ طہر کا انتظار کرتے اور ہر طہر میں طلاق دیتے پھر آپ نے ان کو رجعت کا حکم دیا اور فرمایا جب اس کے بعد طہر آئے تو جی چاہے طلاق دے سکتے ہو اور چاہے روک سکتے ہو۔ (دارقطنی)

(باقی صـ آئندہ پر)

وعند بعض مشایخنا تستحبُّ واعلم ان الطلاق ابغض المباحات[۱] فلا بد ان یکون بقدر الضرورۃ فاحسنہ الطلاق الواحدۃ فی طھر لا وطی فیہ اما الواحدۃ فلانھا اقل واما فی الطھر فلانہ ان کان فی الحیض یمکن ان یکون لنفرۃ الطبع لا لاجل المصلحۃ واما عدم الوطی فلئلا یکون شبھۃ العلوق فاذا طھرت طلقھا ان شاء[۲] فان قال لموطوءتہ انت طالق ثلثا للسنۃ[۳] بلا نیۃ یقع عند کل طھر طلقۃ لان الطلاق السنی ھذا وان نوی الکل الساعۃ صحت ای النیۃ حتی یقع الثلث فی الحال خلافا لزفر لانہ بدعی وھو ضد السنی وعندنا[۴] الثلث دفعۃ سنی الوقوع۔

ترجمہ:۔ اور بعض مشایخ کے نزدیک مستحب ہے۔ جاننا چاہیئے کہ مباح کاموں میں طلاق مبغوض ترین فعل ہے پس ضروری ہے کہ بقدر ضرورت پر اکتفا کیا جائے اس بنا پر احسن اور بہتر طلاق یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دے ایسے طہر میں جس میں وطی نہ ہوئی ہو تو ایک پر اکتفا کرنا اس لئے بہتر ہے کہ عدد طلاق میں یہی سب سے کم ہے اور طہر میں اس لئے بہتر ہے کہ اگر حیض میں طلاق دی تو یہ گمان کرنے کا امکان ہے کہ اس نے کسی معقول مصلحت سے طلاق نہیں دی ہے بلکہ طبعی نفرت کی بنا پر دی ہے۔ اور اس طہر میں وطی نہ ہونے کی قید اس لئے ہے تاکہ حمل رہ جانے کا شبہ نہ ہو، پھر جب عورت اس حیض سے پاک ہو جائے تو اس طہر میں اگر چاہے طلاق دیدے۔ اگر کسی شخص نے اپنی موطوءہ عورت کو کہا کہ تجھ کو تین طلاق ہیں سنت کے مطابق اور کوئی خاص نیت نہیں کی تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی اس لئے کہ طلاق سنی یہی ہے اور اگر نیت کی کہ تینوں طلاق ابھی پڑ جائے تو یہ بھی درست ہے یعنی یہ نیت معتبر ہے چنانچہ تینوں طلاق اسی وقت پڑ جائے گی۔ امام زفرؒ اس کا خلاف کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک ساتھ واقع ہو جانا تو طلاق بدعی ہے جو کہ سنی کی ضد ہے (اور اس نے سنت کے مطابق کہا تھا اس لئے قول کے خلاف نیت معتبر نہ ہوگی) اور ہمارے نزدیک تین طلاق کا ایک بار پڑ جانا سنی الوقوع ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) ہلہ قولہ لارجعۃ فیہ الخ یعنی ایک طہر میں طلاق دی پھر زبان سے یا بوسہ وغیرہ سے رجوع کر لیا پھر اس طہر میں دوبارہ طلاق دیدی تو یہ بدعی اور ناجائز نہیں ہے ہاں اگر وطی کے ذریعہ رجوع کیا تو ناجائز ہوگا کیونکہ اب طلاق اس طہر میں ہوئی جس میں وطی پائی گئی ۱۲
ہ قولہ وتجب رجعتہا الخ یعنی جب حالت حیض میں طلاق دے تو واجب ہے کہ حیض ختم ہونے کے بعد وطی کے ذریعہ یا حیض ہی میں زبان سے رجعت کرلے تاکہ گناہ سے بچ جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کو اس کا حکم دیا تھا جبکہ انہوں نے حیض میں طلاق دیدی تھی ۱۲۔ بخاری وغیرہ۔

(حاشیہ صد ہذا) ہلہ ابغض المباحات الخ اس بارے میں اصل یہ حدیث ہے "ابغض الحلال الی اللہ الطلاق" ابو داؤد وحاکم وغیرہ نے تخریج کی اس میں اشارہ ہے اس کی طرف کہ طلاق میں اصل ممنوع ہونا ہے۔ اور صرف بوقت حاجت مباح ہو جاتی ہے بلکہ مستحب بن جاتی ہے ۱۲
ہ قولہ قال لموطوءتہ الخ۔ چاہے حکماً وطی ہو جیسے کہ عورت کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہو اس قید سے غیر مدخولہ نکل گئی کیونکہ وہ ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اس پر عدت نہیں تاکہ اس میں دوسری طلاق دی جا سکے بخلاف موطوءہ کے کہ اس کی عدت میں دوسری طلاق واقع ہونا ممکن ہے۔ غرض موطوءہ میں متفرق طور پر تین طلاق پڑ سکتی ہیں اور غیر موطوءہ ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی، ہاں اگر وہ ایک ہی کلمہ سے طلاق دے یعنی یوں کہے کہ "تجھ کو تین طلاق" تو اس صورت میں تینوں طلاق پڑ جائے گی: اور حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے ۱۲
ہ قولہ للسنۃ الخ اور یہی حکم ہے جب کہے کہ فی السنۃ یا علی السنۃ یا مع السنۃ اور ایسا ہی اس مفہوم کے دوسرے الفاظ کا حکم ہے مثلاً کہا طلاق العدل یا طلاق الدین یا طلاق الاسلام یا احسن الطلاق یا اجمل الطلاق یا طلاق الحق یا طلاق القرآن یا طلاق الکتاب وغیرہ جیسے کہ بحر الرائق میں ہے ۱۲
ہ قولہ وعندنا الخ یہ امام زفرؒ کی دلیل کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ سنت طلاق کے دو مطلب ہیں۔ ۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے منقول مسنون طریق پر ہو۔ ۲۔ اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ہو۔ (باقی صد آئندہ پر)

اى وقوعها مذهب اهل السنة[1] وعند الروافض لا يقع تمسكاً[2] بقوله تعالى الطلاق
(في سورة البقرة ١٢ عده)

مرّتان الآية فالثلث لا يقع الا بثلث مرات ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ
(تفريع على ما دل عليه الآية ١٢ عده)

حر او عبد ولو سكران اى وان كان الزوج سكران خلافاً للشافعيؒ واخرس
(اشارة الى ان الواو وصلية ١٢) (ولو كان سكره بنبيذ او بنج ١٢ عده)

باشارته المعهودة لا طلاق صبي ومجنون ونائم وسيد على زوجة عبده وطلاق الحرة
(وكذا بالكتابة ١٢ عده) (المغمى عليه ١٢ عده)

الامة ثلثة واثنان اى طلاق الحرة ثلثة وطلاق الامة اثنان ولو زوجهما خلافهما فان اعتبار الطلاق
(وان كانت مكاتبة او مدبرة ١٢ عده)

عندنا بالنساء[3] وعند الشافعيؒ بالرجال فاذا كان زوج الامة حراً فالطلاق عندنا

اثنان وعنده ثلثة وان كان زوج الحرة عبداً فالطلاق عندنا ثلثة وعنده اثنان
(فبعد ما طلقها اثنين لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره ١٢ عده)

ترجمہ: یعنی ان کا واقع ہوجانا اہل سنت کا مذہب ہے اور روافض کے نزدیک واقع نہیں ہوتی ہیں۔ وہ دلیل پکڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے "الطلاق مرتان الآیۃ" (کہ طلاق دو ہی بار ہے اور اگر چاہے تو اس کے بعد اور ایک بار طلاق دے سکتا ہے) تو اس آیت کی رو سے ان کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی تین ہی بار دینے سے (ایکبارگی واقع نہ ہوں گی) اور واقع ہوتی ہے طلاق ہر خاوند عاقل بالغ کی خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اور اگرچہ نشہ میں مست ہو یعنی اگرچہ شوہر نشہ میں مخمور ہو، تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی، امام شافعیؒ اس کا خلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔ اور گونگے کی طلاق واقع ہوتی ہے اشارہ سے جو اشارہ طلاق کے واسطے مقرر ہے، اور نہیں واقع ہوتی ہے طلاق نابالغ کی، دیوانہ کی، سونے والے کی اور آقا کی اپنے غلام کی بیوی پر اور طلاق آزاد عورت اور لونڈی کی تین اور دو ہیں۔ یعنی آزاد عورت کی طلاق تین ہیں اور باندی کی دو، اگرچہ ان دونوں کے خاوند ان کے خلاف ہوں۔ (یعنی آزاد عورت کا خاوند غلام اور باندی کا خاوند آزاد ہو) کیونکہ ہمارے نزدیک عدد طلاق کا اعتبار عورتوں سے ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق کا اعتبار مردوں سے ہے چنانچہ باندی کا شوہر اگر آزاد ہو تو ہمارے نزدیک وہ دو طلاق کا مالک ہوگا اور ان کے نزدیک تین کا مالک ہوگا۔ **اور آزاد عورت کا خاوند اگر غلام ہو تو ہمارے نزدیک وہ تین طلاق کا مالک ہوگا اور ان کے نزدیک دو کا مالک ہوگا۔**

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اب تین طلاق یکدم دینا اگرچہ بدعی ہے لیکن اہل سنت کے نزدیک واقع ہوجاتی ہیں تو جب اس نے "للسنۃ" کے لفظ سے یہ معنی مراد لئے تو اس کی یہ نیت درست ہوگی اور ایک ساتھ ہی تینوں طلاق پڑ جائیں گی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ مذہب اہل السنۃ الخ یعنی جمہور اور اکثر اہل السنۃ کا یہی مذہب ہے اور جن سے اس کے خلاف کرنا منقول ہے ان کی رائے جمہور کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں۔ اس مسئلہ میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں (۱) جب ایک ساتھ تین طلاق دے تو اس کا قول باطل ہے اور وہ گنہگار ہوگا اور کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ شیعہ روافض کا یہی عقیدہ ہے (۲) ایکبارگی تین طلاق دینے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ بعض صحابہ سے یہی مروی ہے داؤد ظاہری اور ایک قول میں امام مالکؒ اور بعض اصحاب احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے امام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیم نے بھی اس کی تائید کی ہے (۳) تین طلاق ایک ساتھ دینے سے تینوں واقع ہوتی ہیں، جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے اور اسی کو اہل السنۃ کا مذہب شمار کیا جاتا ہے (من شاء التفصیل فلیراجع عمدۃ الرعایہ وغیرہا من المطولات) ۱۲

[2] قولہ تمسکاً بقولہ تعالیٰ الخ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آیت کا منشاء یہ ہے کہ جن طلاقوں کے بعد رجوع کرنا درست ہے وہ دو ہیں اور تیسری کے بعد حلالہ کی ضرورت ہے رجعت درست نہیں اسمیں جدا جدا طلاق دینے کا کوئی حکم نہیں اور اگر آیت کا یہ مفہوم بھی ہو کہ جدا جدا دینے سے طلاق پڑتی ہیں تو اس سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک طریق شرعی ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک ساتھ دینے سے واقع نہیں ہوں گی ۱۲ [3] قولہ بالنساء الخ جیسا کہ عدت کا اعتبار بالاتفاق عورتوں سے ہوتا ہے چنانچہ لونڈی کی عدت آزاد عورت کا نصف ہے اور دو حیض اس لئے قرار دیئے کہ ایک حیض کے دو حصے نہیں کئے جاسکتے ارشاد خداوندی بھی اس کی تائید کرتا ہے "جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کا لحاظ کرکے طلاق دو اور عدت شمار کرو" اور صحیح شمار تو حیض کا اعتبار کئے بغیر ناممکن ہے ۱۲

بَابُ ايقاعِ الطّلاق

صَرِيحُهٗ مَا اسْتُعْمِلَ فِيهِ دُونَ غَيْرِهٖ مِثْلُ اَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ وَيَقَعُ بِهَا وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ نَوٰى ضِدَّهَا اَىْ ضِدَّ الْوَاحِدَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَهُوَ الْوَاحِدَةُ الْبَائِنَةُ اَوْ اَكْثَرَ مِنَ الْوَاحِدَةِ وَلَفْظُ الْمُخْتَصَرِ هٰذَا وَيَقَعُ بِهِ الرَّجْعِيَّةُ اَبَدًا اَىْ سَوَاءٌ لَمْ يَنْوِ اَوْ نَوٰى وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً اَوْ بَائِنَةً اَوْ اَكْثَرَ مِنَ الْوَاحِدَةِ اَوْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا وَفِى اَنْتِ الطَّلَاقُ۔

اى غالبا ۱۲ عمده — اى بهذه الالفاظ ۱۲ عمده — وصليه ۱۲ عبد — اى الصريح — الاشارة الى المذكور بعده وكان مقتضاه ان يذكر بعد قوله او لم ينو شيئا ۱۲ عمده — مكلتا او ثنتين ۱۲ عمده

طلاق واقع کرنے کا بیان

ترجمہ:۔ طلاق صریح وہ (لفظ طلاق) ہے جو کہ صرف طلاق ہی کے مفہوم میں مستعمل ہو، دوسرے معنوں میں مستعمل نہ ہو، مثلاً کہے تو طالق ہے یا تو مطلقہ ہے یا میں نے تجھ کو طلاق دی. ان سب الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ اس کی ضد کی نیت کرے یعنی ایک طلاق رجعی کی ضد کی نیت کرے اور وہ ایک طلاق بائن بھی ہو سکتی ہے یا ایک سے زیادہ دو اور تین طلاق کی نیت بھی ہو سکتی ہے اور اس مقام میں مختصر الوقایہ کی عبارت اس طرح ہے "اور صریح الفاظ طلاق سے ہمیشہ طلاق رجعی ہی واقع ہوگی" یعنی برابر ہے چاہے کچھ نیت نہیں کی یا نیت کی ایک طلاق رجعی کی یا ایک طلاق بائنہ کی یا ایک سے زیادہ طلاق کی یا کچھ بھی نیت نہ کرے اور اگر کہا کہ تو طلاق ہے۔

تشریح:۔ لہ قولہ باب ایقاع الطلاق الخ۔ یہاں ایقاع کے معنی مصدری کا بیان کرنا مراد نہیں بلکہ ان احکام کا بیان کرنا مراد ہے جو اس کے ساتھ متعلق ہیں جس سے طلاق واقع کی جاتی ہے تو گویا اس باب میں تفصیل ہے ان باتوں کی جو کہ باب سابق میں گذری ہیں. کیونکہ پچھلے باب میں نفس طلاق اس کی اجمالی اقسام اور قواعد کلیہ بتائے گئے اور اس باب میں انہیں کے جزئی احکام کا بیان ہے. یعنی طلاق کے خاص خاص الفاظ اور ان کے اعتبار سے طلاق کی قسمیں بتانا ہی اس باب کا اصل منشا ہے ۱۲

لہ قولہ وصریحہ الخ۔ فقہاء نے طلاق کی دو قسمیں کی ہیں (۱) صریح (۲) کنایہ. صریح وہ لفظ ہے جو کہ صرف طلاق کے معنے میں مستعمل ہو یا اس کا زیادہ تر استعمال اسی معنے میں ہو چاہے حقیقی طور پر ہو چاہے مجاز کے طور پر اور کنایہ وہ ہے جو کہ اس کے خلاف ہو (فتح) ۱۲

لہ قولہ استعمل فیہ الخ۔ ما سے مراد لفظ ہے کیونکہ طلاق کا رکن ایسے لفظ کا بولنا ہے جو کہ طلاق پر دلالت کرے اس لئے محض طلاق کے عزم اور نیت سے طلاق واقع نہ ہوگی جیسے کہ بنایہ میں ہے البتہ جو لفظ کے قائم مقام ہے وہ بھی اس کے ساتھ ملحق ہے جیسے واضح اشارہ کے ذریعہ یا لکھ کر طلاق دینے سے واقع ہو جاتی ہے اور لفظ طلاق کو مطلق رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عربی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عربی غیر عربی، فارسی، ہندی وغیرہ جس زبان میں بھی دے طلاق واقع ہو جائے گی اور استعمال کو مطلق رکھنے میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس معنی کے لئے وضع ہونا ضروری نہیں صرف استعمال عرف کا اعتبار ہے اور اسی بنا پر فقہاء نے ان غلط الفاظ پر وقوع طلاق کا حکم دیا ہے جو عام استعمال میں طلاق کے لئے مخصوص ہیں چاہے عوام کی زبان میں وہ محرف ہو گئے ہوں مثلاً طلاق کی جگہ کہے "طلاغ" یا طلاک یا تلاق یا تلاک وغیرہ، اور اگر کسی نے حروف طلاق کا ہجا کیا اور اپنی بیوی سے کہا الف نون، تا، طا، لام، الف، قاف، تو یہ کنایات کے باب میں سے ہے نیت کرنے سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں "ذخیرہ"

لہ قولہ وان نوی ضدہا الخ حاصل اس کا یہ ہے کہ صریح الفاظ کے ذریعہ طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں بلکہ کچھ نیت کرے یا نہ کرے یا طلاق نہ ہونے کی نیت کرے بہرحال طلاق واقع ہو جائے گی اس میں اصل وہ حدیث ہے کہ تین کام ایسے ہیں کہ جن میں سنجیدگی، سنجیدگی ہے اور ہنسی مذاق بھی سنجیدگی ہے ۱. طلاق. ۲. نکاح. ۳. غلام آزاد کرنا. ۱۲

لہ قولہ وفی انت الطلاق الخ یہ وہ صورتیں ہیں جن میں لفظ مصدر کے ساتھ طلاق کا ذکر ہے چاہے مصدر معرفہ ہو یا نکرہ، یا اسم فاعل کے بعد مصدر ہے معرفہ یا نکرہ تو ان کا حکم کچھ مختلف ہے ان صورتوں سے جن میں صرف لفظ مشتق لایا جائے پس جن صورتوں میں مصدر کا ذکر نہیں ہے ان میں رجعی طلاق واقع ہوگی چاہے کچھ نیت نہ ہو یا ایک رجعی کی نیت ہو یا بائنہ کی یا دو یا تین کی نیت کرے اور مصدر لانے کی صورت میں اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوں گی اور پہلی صورت میں تین کی نیت ہی لغو ہے ۱۲

اوانت طالق الطلاق اوانت طالق طلاقا یقع واحدۃ رجعیۃ ان لم ینو شیئا اونوی واحدۃ او ثنتین وان نوی ثلثا فثلث هذا فی الحرۃ اما فی الامۃ فثنتان بمنزلۃ الثلث فی الحرۃ وقد ذکر فی اصول الفقه ان لفظ المصدر واحد لا یدل علی العدد فالثلث واحد اعتباری من حیث انه مجموع فتصح نیته وان لم ینو یقع الواحد الحقیقی اما الاثنان فی الحرۃ فعدد محض لا دلالۃ للفظ المفرد علیه و باضافۃ الطلاق الی کلها اوالی ما یعبر به عن الکل کانت طالق او راسك اور قبتك اوعنقك اوروحك اوبدنك اوجسدك اووجهك اوفرجك اوالی جزء شائع کنصفك اوثلثك یقع الطلاق۔

ترجمہ:- یا تو طالق الطلاق ہے یا تو طالق طلاقاً ہے اور کچھ نیت نہیں کی یا نیت کی ایک طلاق کی یا دو طلاق کی تو ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین ہی طلاق واقع ہو جائیں گی۔ یہ حکم جب ہے کہ عورت آزاد ہو لیکن باندی میں، دو طلاق، حرہ کی تین طلاق کے قائم مقام ہیں۔ (تو لونڈی کے حق میں مذکورہ الفاظ سے دو طلاق کی نیت معتبر ہے) اور اصول فقہ میں (وجہ فرق کی توضیح کرتے ہوئے) بتایا گیا ہے کہ (طلاق کا) لفظ مصدر واحد ہے یہ کسی عدد پر دلالت نہیں کرتا ہے تو تین بھی واحد اعتباری ہے اس کی صورت مجموعی کی حیثیت سے، اس لئے اس کی نیت صحیح ہوگی اور کچھ بھی نیت نہ کرے تو واحد حقیقی (ایک طلاق رجعی) واقع ہوگی لیکن دو آزاد عورت کے حق میں عدد محض ہیں اور لفظ مفرد اس پر دلالت نہیں کرتا ہے (اس لئے اس کی نیت صحیح نہیں) اگر طلاق کی نسبت کی تمام عورت کی طرف یا اس کے ایسے جز کی طرف جس سے کل کی تعبیر کی جاتی ہے. مثلاً کہا تو طالق ہے یا تیرا سر یا تیری گردن یا تیری روح یا تیرا بدن یا تیرا جسم یا تیرا چہرہ یا تیری فرج طالق ہے یا طلاق کی نسبت کی ایسے جز کی طرف جو تمام بدن میں پھیلا ہوا ہے جیسے کہا تیرا نصف یا تیرا ثلث طالق ہے تو ان سب صورتوں میں ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح:- لہ قولہ وقد ذکر فی الخ. شارح نے تنقیح اور اس کی شرح توضیح کی بحث امر میں بتایا کہ مصدر مفرد ہے اور یہ واحد حقیقی پر بولا جاتا ہے جو کہ اس کا یقینی مصداق ہے یا مجموعہ افراد پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے کہ یہ بھی اپنی مجموعی صورت کے لحاظ سے واحد ہے اور یہ چونکہ اس کا احتمالی مفہوم ہے اس لئے نیت کے بغیر یہ مراد نہیں ہو سکتا ہے لیکن یہ عدد محض پر بولا نہیں جاتا ہے چنانچہ "طلقی نفسک" میں ہمارے نزدیک ایک طلاق مراد ہوگی البتہ تین کی نیت درست ہے اس لئے کہ "تین" طلاق کے افراد کا مجموعہ ہے اس لئے اس کو بھی ایک اعتبار کیا جا سکتا ہے اور دو کی نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ یہ تو محض عدد ہے اور اسم مفرد عدد پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا۔ ۱۲

سلہ قولہ الی ما یعبر بہ عن الکل الخ. یعنی ایسے عضو کی طرف نسبت جس سے عرف عام اور استعمال میں کل بدن کی تعبیر کی جاتی ہے مثلاً سر سے کل مراد ہونا حضور کے ارشاد میں ہے۔ " صدقۃ الفطر صاع من تمر او قمح من کل رأس " اور گردن کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے " فتحریر رقبۃ " یا " فظلت اعناقہم لہا خاضعین " جن سے اشخاص مراد ہیں اور روح کے بارے میں کہا جاتا ہے " ہلک روحہ " یعنی آدمی مرگیا۔ اور وجہ سے کل مراد ہونا جیسے کہ " کل شئی ہالک الا وجہہ " یعنی ذات خداوندی، اور فرج سے ذات مراد ہونا جیسے کہ حضور نے فرمایا " لعن اللہ الفروج علی السروج " اس میں فروج سے عورتوں کی ذات مراد ہے ۱۲

والی یدھا اورجلھا لا وکذا الظہر والبطن ھو الاظہر لانہ لا یعبر بھما عن الکل و

عند البعض یقع وبنصف طلقۃ او ثلثھا اومن واحدۃ الی ثنتین او ما بین واحدۃ

الی ثنتین واحدۃ فقولہ واحدۃ مبتدأ وخبرہ بنصف طلقۃ وفی من واحدۃ

الی ثلث او ما بین واحدۃ الی ثلث ثنتان وبثلثۃ انصاف طلقتین ثلث بثلثۃ

انصاف طلقۃ طلقتان وقیل ثلث وجہ الاول ان ثلثۃ انصاف طلقۃ یکون

طلقۃ ونصفا فیتکامل النصف فحصل طلقتان ووجہ الثانی ان کل نصف یتکامل

فحصل ثلث وفی انت طالق واحدۃ فی ثنتین واحدۃ نوی الضرب اولا قالوا لان

عمل الضرب فی تکثیر الاجزاء لا فی زیادۃ المضروب۔

ترجمہ:۔ اور اگر طلاق کی نسبت کی عورت کے ہاتھ یا پیر کی طرف تو طلاق واقع نہ ہوگی اسی طرح پیٹھ یا پیٹ کی طرف نسبت کرنے سے طلاق نہ ہوگی، یہی قول اظہر قول ہے کیونکہ ہاتھ پیر کی طرح ان دونوں اعضاء سے بھی کل بدن کی تعبیر نہیں ہوا کرتی اور بعضوں کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر کہا تجھکو آدھی طلاق ہے یا تہائی طلاق ہے یا ایک سے دو تک یا دو طلاق ہے ایک اور دو کے بیچ میں تو ان تمام صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوگی تو مصنف کا قول "واحدۃ" مبتدا ہے اور "بنصف طلقۃ" اس کی خبر مقدم ہے۔ اور اگر کہا کہ تجھ کو ایک طلاق سے تین طلاق تک یا جو درمیان میں ایک طلاق کے تین طلاق تک ہے تو دو طلاق واقع ہوں گی اور اگر کہا تجھ کو تین نصف ہیں دو طلاق کے نصفوں میں سے تو تین طلاق واقع ہوں گی اور اگر کہا کہ تین نصف ہیں ایک طلاق کے تو دو طلاق واقع ہوں گی اور بعضوں کے نزدیک اس صورت میں بھی تین ہوں گی۔ قول اول یعنی دو طلاق واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک طلاق کے تین نصف کہا تو تین نصف کا مجموعہ ہوتا ہے ایک اور آدھا اور طلاق چونکہ آدھی ہوکر نہیں پڑتی اس لئے نصف پورا ایک شمار ہوگا۔ پس حاصل نتیجہ دو طلاق ہو گئیں۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ تین نصف میں سے ہر نصف، پورا ایک شمار ہوگا تو تین نصف کا حاصل مجموعہ تین ہی ہیں۔ اور اگر کہا تجھ کو ایک طلاق ہے دو طلاق میں تو ایک طلاق واقع ہوگی برابر ہے کہ اس سے ضرب عدد کی نیت کرے یا نہ کرے۔ علماء نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ عمل ضرب کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مضروب کے اجزاء اعتباری بڑھ جاتے ہیں نفس مضروب میں اس سے کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔

تشریح:۔ [۱] قولہ والی یدہا الخ یعنی اگر ایسے عضو کی جانب طلاق کی اضافت کی جائے کہ جسے عرف عام میں سارے بدن کی تعبیر نہیں کیا جاتا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ مثلاً ہاتھ پاؤں، پیٹھ، پیٹ، بال، ناک، دُبر، پنڈلی، زبان، کان، منہ، سینہ، ٹھوڑی، دانت تھوک اور اسی جیسے الفاظ اگر کوئی شبہ کرے کہ کبھی ہاتھ بول کر ذات مراد لی جاتی ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بما قدمت یداک" تو ہاتھ کی طرف اضافت کرنے سے طلاق ہونی چاہیئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں عرف عام اور شہرت کا اعتبار ہے محض وقوع استعمال کافی نہیں۔ تو جس لفظ کا اطلاق ذات پر ہونا عوام میں مشہور نہ ہو اس کی جانب اضافت سے طلاق نہ پڑے گی، ہاں اگر مجازاً کل ذات کی نیت کرلی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور کل ذات کے لئے مشہور لفظوں میں نیت کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی ایسا لفظ بول کر یوں کہے کہ میں نے عضو خاص کی نیت کی ہے کل کا ارادہ نہیں کیا تو قضاءً اس کا قول معتبر نہیں ۱۲ فتح

[۲] قولہ وبنصف الخ یعنی جب یہ کہے کہ، تجھ کو طلاق ہے ایک طلاق کا آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ اس کے اجزاء کا ذکر کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق واقع ہونے میں حصے ہونے کے قابل نہیں تو جب کوئی حصہ ذکر کرکے طلاق دے گا تو پوری طلاق مراد ہوگی اور پوری طلاق واقع ہو جائے گی تاکہ عاقل بالغ کا کلام لغو نہ ہو جائے ۲۔

[۳] قولہ وفی انت طالق الخ یعنی جب یوں کہے تجھ کو طلاق ہے "ایک دو میں" تو ایک واقع ہوگی چاہے "دو میں" کہنے سے ایک کو اس میں ضرب دینے کی نیت کرے یا نہ کرے۔ لیکن امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اہل حساب کے عرف کے مطابق دو طلاق واقع ہوں گی۔ (باقی مسائل آئندہ پر)

وان نوی واحدۃ وثنتین فثلث فی الموطوءۃ وفی غیر الموطوءۃ واحدۃ مثل واحدۃ وثنتین ای اذا قال لغیر الموطوءۃ انت طالق واحدۃ فی ثنتین ونوی واحدۃ وثنتین تقع واحدۃ کما اذا قال لغیر الموطوءۃ انت طالق واحدۃ وثنتین تقع واحدۃ وان نوی مع ثنتین فثلث وفی ثنتین فی ثنتین ونوی الضرب ثنتان وفی من ھنا الی الشام واحدۃ رجعیۃ ویتنجز الطلاق فی بمکۃ اوفی مکۃ اوفی الدار ای اذا قال انت طالق بمکۃ اوفی مکۃ فھو تنجیز۔

ای بقولہ واحدۃ فی ثنتین ۱۲ عمدہ

بناء علی ان فی تستعمل بمعنی مع قال اللہ تعالی فادخلی فی عبادی ای مع عبادی ۱۲ عمدہ — ونوی معنی مع او معنی الواو فی الکل کما سبق

ای نقطۃ من الارض المعمورۃ المشتملۃ علی البلاد والکثیرۃ اعظمھا دمشق ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور اگر اس سے نیت کی ایک اور دو طلاق ہیں. تو موطوءہ میں تین طلاق واقع ہوں گی اور غیر موطوءہ میں ایک طلاق واقع ہوگی۔ جیساکہ ایک اور دو طلاق کہنے کی صورت میں، یعنی اگر کسی نے غیر موطوءہ کو کہا تجھ کو ایک طلاق ہے دو میں اور نیت کی ایک اور دو تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی جیساکہ غیر موطوءہ کو اگر کہے تجھ کو ایک طلاق اور دو طلاق ہیں تو ایک واقع ہوتی ہے۔ اور اگر د سابق صورت " واحدۃ فی ثنتین " میں) نیت کی ایک طلاق ہے دو طلاق کے ساتھ تو تین واقع ہوں گی۔ اور اگر کہا تجھ کو دو طلاق ہیں دو طلاق میں اور نیت کی ضرب کی تو دو طلاق واقع ہوں گی اگر کہا کہ تجھ کو اس جگہ سے طلاق ہے شام تک تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور اگر کہا کہ تجھ کو طلاق ہے مکہ سے یا مکہ میں یا گھر میں تو ایک طلاق بالفعل واقع ہو جائے گی. یعنی جب خاوند نے بیوی سے کہا تجھ کو طلاق ہے مکہ کے ساتھ یا مکہ میں تو اس کو فوراً واقع سمجھا جائے گا۔

تشریح:۔ (بقیہ مہ گذشتہ) کیونکہ اس قسم کے الفاظ سے اہل حساب دو سے ایک کو ضرب دینا اور حاصل ضرب دو ہونا مراد لیتے ہیں اور ہماری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ضرب سے ایک طلاق کے اجزاء بڑھ گئے نفس طلاق واحد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ۱۲

(حاشیہ مہ ہذا) ۱؎ قولہ فثلث فی الموطوءۃ الخ اس لئے کہ اس نے ایسی بات کی نیت کی جس کا احتمال کلام میں موجود ہے کیونکہ " فی " اگرچہ ظرفیت کے لئے ہے لیکن کبھی " واؤ " کے معنی میں مجازاً استعمال ہوتا ہے جو کہ مطلقاً جمع کے لئے ہے اس مناسبت سے کہ ظرف بھی مظروف کو جمع کرتی ہے، پس اگر اس نے جمع کی نیت کی اور عورت موطوءہ ہو جس پر تین طلاق متفرقاً پڑ سکتی ہیں تو تین واقع ہو جائیں گی۔ لیکن عورت اگر غیر موطوءہ ہے تب تو وہ ایک سے بائنہ ہو جائے گی اور اس پر عدت نہیں ہے اس لئے باقی دو طلاقوں کا محل باقی نہیں رہے گا کہ پڑ سکے ۱۲

۲؎ قولہ مع ثنتین فثلث الخ۔ اس بنا پر کہ " فی " کبھی کبھی " مع " کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور اس نیت پر تین واقع ہونے میں مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ غیر مدخولہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جاتی ہے جب کہ جدا جدا لفظوں میں طلاق دے لیکن جب ایک ساتھ تین طلاق دے مثلاً کہے۔ " تجھ کو تین طلاق "، یا کہے " تجھ کو ایک اور اس کے ساتھ دو طلاق "، تو اب یہ تین کے مجموعہ سے بائنہ ہو جائے گی ۱۲

۳؎ قولہ انت طالق بمکۃ الخ اور یہی حکم ہے جبکہ کہے کہ تجھ کو سائے میں طلاق، دھوپ میں طلاق، یا مرض کی حالت میں طلاق، یا نماز پڑھتی ہوئی طلاق، وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق ایسی چیز ہے کہ کسی مکان اور حالت کے ساتھ مخصوص نہیں کہ ایک جگہ اور حالت میں واقع ہو اور دوسری میں نہ ہو تو جب بھی واقع ہوگی تمام جگہ، وقت اور حالت میں واقع ہوگی اس لئے یہ تخصیص ہی لغو ہے۔ ہاں اگر تعلیق بالشرط کی نیت کرے مثلاً انت طالق بمکۃ " میں حذف مضاف کے ساتھ " انت طالق فی دخولک مکۃ "، (یعنی تجھ کو طلاق ہے مکہ میں داخل ہونے کی شرط پر) تو یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی قضاءً معتبر نہیں ۱۲

وعُلِّقَ فی اذا دخلتِ مکۃ او فی دخولكِ الدار ویقع عند الفجر فی انت طالق غدًا او فی غدٍ وتصح نیۃ العصر فی الثانی فقط فانہ اذا قال انت طالق غدا یقتضی ان تکون موصوفۃ بالطلاق فی کل الغد فیقع عند الفجر ولا تصح نیۃ العصر کما اذا قال صُمتُ السنۃ یدل علی انّہ صام کلہا بخلاف صمتُ فی السنۃ وفی قولہ انتِ طالق فی غدٍ یقتضی وقوع الطلاق فی جزءٍ من الغد ولیس جزء منہ اولی من الجزء الاٰخر فیقع عند الفجر لئلا یلزم الترجیح بلا مرجح اما اذا نوی جزءً معیّنًا تصح نیتہ وعند اوّلہما فی الیوم غدًا او غدا الیومَ۔

اشارۃ بہ الی ان دار العمل فی التنجیز بطریق التشبیل ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور طلاق معلق رہے گی اگر کہا کہ تجھ کو طلاق ہے جب تو مکہ میں داخل ہو یا گھر میں داخل ہو (تو جب تک مکہ میں یا گھر میں داخل نہ ہوگی طلاق واقع نہ ہوگی) اور اگر کہا کہ تجھ کو طلاق ہے کل یا کل کے دن میں تو دونوں ہی کی فجر ہوگی طلاق واقع ہو جائے گی اور صرف دوسری صورت میں (یعنی جب کہا "کل کے دن میں") اگر کل کے وقت عصر کی نیت کرے تو یہ نیت صحیح ہوگی، اس لئے کہ جب اس نے یہ کہا "تجھ کو طلاق ہے کل" تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ کل کا پورا دن اس کی بیوی طلاق سے متصف ہوگی، پس فجر ہوتے ہی طلاق واقع ہوگی (تاکہ پورا دن طلاق سے متصف ہونا متحقق ہو جائے) اور عصر کی نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ یہ تقاضائے کلام کے خلاف ہے) جیساکہ جب کسی نے کہا "کہ میں نے یہ سال روزہ رکھا" یہ اس پر دلالت کرے گا کہ اس نے سال بھر روزہ رکھا بخلاف اس کے کہ وہ یہ کہے "میں نے اس سال میں روزہ رکھا (اس سے پورا سال نہیں سمجھا جائے گا) اور اس کا قول کہ "تجھ کو طلاق ہے کل کے دن میں" اس کا تقاضا یہ ہے کہ آئندہ کل کے کسی بھی جزء میں طلاق واقع ہو ، اور چونکہ اگلے دن کا کوئی حصہ دوسرے حصہ کے مقابلہ میں (وقوع طلاق کے لحاظ سے) اَولیٰ نہیں ہے اس لئے صبح صادق نمودار ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی تاکہ ترجیح بغیر مرجح لازم نہ آئے اور اگر اس نے دن کے کسی معین حصے کی نیت کی تو اس کی نیت معتبر ہوگی (کیونکہ لفظ میں گنجائش ہے اور نیت موجب ترجیح پائی گئی) اور اگر کہا کہ "تجھ کو طلاق ہے۔ آج، کل میں یا کل، آج میں" تو پہلے لفظ کے مطابق طلاق ہوگی

تشریح:[۱] قولہ انت طالق فی غد الخ. یعنی فی غد سے پورا کل کا دن سمجھا نہیں جاتا بلکہ بعض جزء میں پایا جانا کافی ہے کیونکہ ظرف بسا اوقات مظروف سے زیادہ وسیع ہوتا ہے بخلاف انت طالق غدا کے کہ اس ترکیب میں مفعول فیہ مشابہ ہے مفعول بہ سے اس لئے یہ استیعاب ظرف کا تقاضا کرتا ہے ۱۲

[۲] قولہ ولیس جزء منہ الخ۔ یہ اعتراض مقدر کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ جب اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ کل کے دن کے اجزاء میں سے کسی جزء میں طلاق واقع ہو جائے تو پھر کل کے شروع جزء کو وقوع طلاق کے لئے خاص کرنے کی کیا وجہ ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خاص کر اول جزء میں طلاق واقع ہونا کلام کا تقاضا نہیں ہے بلکہ جبکہ کسی ایک جزء میں واقع ہونے کا تقاضا پایا جاتا ہے اور تمام اجزاء یوم کی حیثیت برابر ہے کہ اب اگر دن کے درمیانی کسی جزء میں طلاق واقع ہو جانے کا حکم لگایا جائے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتا ہے اور شروع جزء کو ایک اولیت کا شرف حاصل ہے نیز اب تک کسی دوسرے جزء کے تقاضا کی مزاحمت آمیز نہیں پائی گئی اسی لئے اول جزء ہی میں وقوع طلاق کا حکم دیا گیا

[۳] قولہ وعند اولہما الخ. یعنی جب اس نے طلاق کے دو وقت ذکر کئے ایک حال کا اور ایک مستقبل کا تو جس کا ذکر پہلے کرے گا اسی کے مطابق طلاق واقع ہوگی کیونکہ اگر حال کا لفظ پہلے لائے تو فی الحال طلاق واقع ہوگئی اب مستقبل کے لفظ بولنے سے حکم نہیں بدلے گا اور اگر مستقبل کا لفظ پہلے لائے تو طلاق معلق ہوگئی غد پر اب حال کا لفظ الیوم سے وہ تعلیق باطل نہ ہوگی کیونکہ فوری طلاق دے چکنے کے بعد وہ معلق میں یا ایک بار معلق کرنے کے بعد پھر وہ فوری میں مبدل نہیں ہوتی ہے ۱۲

ای اذا قال انت طالق الیومَ غدًا یقع فی الیوم وان قال انت طالق غدًا الیوم یقع فی الغد ولغا انت طالق قبل ان اتزوجك وانت طالق أمس لِمَن نکحها الیومَ ویقع الاٰن فیمن نکح قبل امس ای اذا قال انت طالق امس لِامرأۃ نکحها قبل الامس یقع فی الحال اذ لا قدرۃ له علی الایقاع فی الزمان الماضی وفی انت کذا مالم اطلقكِ او متی لم اطلقك او متی مالم اطلقكِ وسکت یقع حالًا وفی ان لم اطلقك یقع فی اٰخر عمرہ واذا و اذا ما بلا نیۃ مثل اِن عند ابی حنیفۃؒ وعندهما کمتی ومع نیۃ الوقت او الشرط فکنیته وهٰذا بناء علٰی انّ اذا عند ابی حنیفۃؒ مشترك بین الظرف والشرط۔

ترجمہ:۔ یعنی جبکہ کہا کہ "تجھ کو طلاق ہے آج, کل" تو آج ہی طلاق ہو جائے گی اور اگر کہا "تجھ کو طلاق ہے کل, آج" تو کل کے دن طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر کہا کہ "تجھ کو طلاق ہے قبل اس کے کہ میں تجھ سے نکاح کروں", یا جس عورت سے اس نے آج نکاح کیا اس سے کہا ہے کہ "تجھ کو طلاق ہے گذشتہ کل" تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا (اور طلاق واقع نہ ہوگی) اور ابھی طلاق واقع ہوگی اگر اس نے گذشتہ کل سے پہلے نکاح کیا ہو۔ یعنی جس شخص نے گذشتہ کل سے پہلے نکاح کیا وہ اگر اپنی بیوی سے کہے کہ "تجھ کو طلاق ہے گذشتہ کل" تو یہ طلاق ابھی فی الحال واقع ہوگی کیونکہ جو زمانہ گذر چکا ہے اس میں طلاق واقع کرنے کی اس کو قدرت نہیں (اس لئے کل کا لفظ لغو ہوگا اور "تجھ کو طلاق" کا حکم فی الحال نافذ ہوگا تاکہ اس کا پورا کلام لغو نہ ہو جائے) اور اگر کہا کہ "تجھ کو طلاق ہے جس وقت کہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں یا جبکہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں یا جس دن کہ تجھ کو طلاق نہ دوں۔ اور پھر چپ رہا تو اسی وقت طلاق پڑ جائے گی۔ اور اگر کہا کہ تجھ کو طلاق ہے اگر میں تجھ کو طلاق نہ دوں تو آخر حیات میں (یعنی زوج یا زوجہ میں جس کی موت پہلے آئے اس کی آخر عمر میں) طلاق پڑ جائے گی (کیونکہ طلاق نہ دینے کی شرط اسی وقت متحقق ہوئی) اور "اذا" و "اذا ما" میں اگر کوئی خاص نیت نہ کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں "اِن" کے حکم میں ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک "متی" کے حکم میں ہیں اور اگر ان سے وقت کی یا شرط کی نیت کی تو نیت کے مطابق حکم ہوگا اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ "اِذا" امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ظرف اور شرط دونوں معنوں میں مشترک ہے۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ ولغا الخ کیونکہ اس نے ایسی حالت کی طرف طلاق کی نسبت کی جو مالکیت طلاق کے منافی ہے اس لئے کہ نکاح سے پہلے وہ طلاق کا مالک نہیں ہذا اس کا یہ کلام لغو ہوگا چنانچہ حدیث میں وارد ہے "لا طلاق قبل النکاح" رواہ اصحاب السنن ۱۲

۲؎ قولہ یقع حالًا الخ یعنی اتنی بات کہہ کر خاموش رہا اور طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا تب بھی طلاق پڑ جائے گی اسی وقت۔ اب اگر اس نے تین طلاق کا ذکر کیا ہو تو ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی بغیر حلالہ نکاح نہیں کر سکتا ہے اور اگر دو کا ذکر کیا ہو تو دو طلاق پڑ جائیں گی اور اگر مطلق رکھا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اس کے بعد اس کلام سے اور دوسری طلاق واقع نہ ہوگی ہاں اگر اس نے "کلما" استعمال کیا ہو یعنی تجھ کو طلاق ہے جب کبھی طلاق نہ دوں" یہ کہا اور خاموش ہوگیا تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ بشرطیکہ عورت مدخولہ ہو۔ ۱۲ کذا فی النہر۔

۳؎ قولہ ومع نیتہ الخ یعنی جب کہا انت طالق اذا لم اطلقك اور نیت یہ کی کہ "جس وقت میں تجھ کو طلاق نہ دوں" تو نیت معتبر ہوگی اور فی الحال طلاق پڑ جائے گی اور اگر شرط کی نیت کی کہ "اگر میں تجھ کو طلاق نہ دوں تو تجھ پر طلاق" تو یہ نیت بھی معتبر ہوگی اور آخر عمر سے پہلے طلاق نہ ہوگی کیونکہ لفظ میں دونوں معنی کا احتمال موجود ہے اور جس معنی کی گنجائش ہو اس کی نیت معتبر ہوتی ہے یہ مسئلہ امام صاحبؒ اور صاحبین کے درمیان بالاتفاق ہے اختلاف اس صورت میں ہے جب کچھ بھی نیت نہ کرے ۱۲

۴؎ قولہ مشترک الخ یہ کوفی نحویوں کا مذہب ہے اور صاحبین کا قول بصری نحویوں کے مذہب کے مطابق ہے صاحب فتح القدیر نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے ۱۲

وعندهما حقيقة في الظرف وقد يجئ للشرط بطريق المجاز فقوله اذا لم اطلقك يكون بمعنى متى لم اطلقك كما[1] اذا قال طلقي نفسك اذا شئت فانه بمعنى متى شئت وعند ابي حنيفة لما كان مشتركا بين المعنيين ففي قوله اذا لم اطلقك ان كان بمعنى متى يقع في الحال وان كان بمعنى ان يقع في اخر العمر فوقع الشك في وقوع الطلاق في الحال فلا يقع بالشك واما[2] مسالة المشية فان الطلاق تعلق بمشيتها فان كان اذا بمعنى ان انقطع تعليقه بمشيتها بانقضاء المجلس وان كان بمعنى متى لم ينقطع فلا ينقطع بالشك وفي[3] انت طالق ما لم اطلقك انت طالق تطلق بالاخيرة اي ان قال انت طالق ما لم اطلقك انت طالق تطلق بالاخيرة وهي قوله انت طالق حتى لو قال انت طالق ثلثا ما لم اطلقك انت طالق تقع[4] واحدة۔

ترجمہ:۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ لفظ حقیقت ہے ظرف کے معنی میں البتہ بطور مجاز کبھی شرط کے معنی میں بھی آتا ہے تو جب اس نے کہا "انت طالق اذا لم اطلقک" تو یہ "متی لم اطلقک" کے معنی میں محمول ہوگا (کہ یہ بول کر خاموش ہونے کے ساتھ ہی طلاق پڑ جائے گی) جیسا کہ شوہر جب اپنی بیوی سے (اس کی مشیت پر طلاق کو معلق کرتے ہوئے یوں) کہے "طلقی نفسک اذا شئت" تو یہاں پر اذا شئت بالاتفاق متی شئت کے معنی میں ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ "اذا" چونکہ دونوں معنیٰ میں مشترک ہے تو جب اس نے کہا "اذا لم اطلقک" اس کو اگر "متی" کے معنی پر محمول کیا جائے تو فی الحال طلاق پڑ جائیگی۔ اور اگر "ان" کے معنی پر محمول کیا جائے تو آخر عمر میں جا کر طلاق واقع ہوگی۔ اب دونوں احتمال رہنے کی وجہ سے فی الحال طلاق واقع ہونے میں شک پڑ گیا۔ اور شک کے ساتھ وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے لیکن تعلیق بالمشیۃ کی صورت میں (شوہر کے قول طلقی نفسک اذا شئت کی بنا پر) عورت کی مشیت پر طلاق معلق ہو چکی ہے۔ اب اگر "اذا" کو ان کے معنی میں لیا جائے تو مجلس تعلیق ختم ہوتے ہی عورت کی مشیت پر معلق طلاق کی مدت ختم ہو جائے گی، اور اگر "اذا" کو "متی" کے معنی میں لیا جائے تو مجلس ختم ہونے پر تعلیق ختم نہ ہوگی۔ اب تعلیق ختم ہونے نہ ہونے میں شک پیدا ہو گیا اس لئے شک کے ساتھ تعلیق ختم ہو جانے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے، اور اگر کہا تجھ کو طلاق ہے جس وقت کہ میں تجھ کو طلاق نہ دوں، تجھ کو طلاق ہے، تو آخری قول سے طلاق ہو جائے گی، یعنی اگر "انت طالق ما لم اطلقک" کے کہنے کے بعد پھر "انت طالق" کہا تو اس کا آخری قول یعنی "انت طالق" کی بنا پر اسکو طلاق ہوگی (اور اس کا اول جملہ بے اثر رہے گا) چنانچہ اس نے اگر یوں کہا کہ "تجھ کو تین طلاق ہیں جس وقت کہ میں تجھکو طلاق نہ دوں تجھ کو طلاق ہے۔ تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

تشریح:۔ [1] کما اذا قال الخ یعنی جب مرد نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا "طلقی نفسک اذا شئت" تو یہ اذا بالاتفاق "متی" کے قائم مقام ہے اس لئے یہ مشیت مجلس کے ساتھ مقید نہیں بخلاف "ان شئت" کے کہ اس لفظ کی تعلیق مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے ۱۲

[2] قولہ واما مسألۃ المشیۃ الخ. یہ صاحبینؒ کے استشہاد کا جواب ہے دونوں مسئلوں میں وجہ فرق کی وضاحت کرتے ہوئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ متن کے زیر بحث مسئلہ میں اصل عدم طلاق ہے اس لئے شک کے ساتھ طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے "الیقین لا یزول بالشک" اور تفویض کی صورت بقاء تفویض اصل ہے اس لئے شک سے زائل نہ ہوگی ۱۲

[3] قولہ وفی انت طالق الخ یعنی "انت طالق ما لم اطلقک" کہنے کے بعد خاموش نہیں رہا جیسا کہ اوپر کی صورت گذری ہے بلکہ اس شرطیہ جملہ کے ساتھ ملا کر "انت طالق" کہہ دیا تو اس آخری جملے سے فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی اور پہلے جملے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس میں تو اس نے طلاق نہ دینے پر وقوع طلاق کو معلق کیا تھا اب جبکہ فوراً ہی اس نے طلاق دیدی تو وہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے اس کا مشروط بھی واقع نہ ہوگی ۱۲ ع

واليوم للنهار مع فعل ممتدٍّ وللوقت المطلق مع فعل لا يمتدُّ فعند وجود الشرط ليلاً لا يتخير في أمركِ بيدكِ يوم يقدم زيد وتطلق في يوم أتزوجك فأنت طالق

اعلم أن اليوم إذا قرن بفعل ممتد يراد به النهار وإذا قرن بفعل غير ممتد يراد به الوقت وذلك لأن ظرف الزمان إذا تعلق بالفعل بلا لفظ في يكون معيارًا له كقولنا صمت السنة بخلاف قولنا صمت في السنة فإذا كان الفعل ممتدًّا كالأمر باليد كان المعيار ممتدًّا فيراد باليوم النهار ههنا

ترجمہ:۔ اور لفظ یوم سے خاص کر دن کا وقت مراد لیا جاتا ہے جبکہ اس کے ساتھ فعل ممتد (یعنی جس فعل کا سلسلہ طویل مدت تک دراز ہو سکتا ہے ایسے فعل) کو متعلق کیا جائے اور مطلق وقت مراد لیا جاتا ہے جبکہ اس کے ساتھ غیر ممتد فعل کو متعلق کیا جائے چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا: "جس روز کہ زید آوے تو تجھ کو اپنے معاملہ میں اختیار ہے" اور زید رات کو آیا تو خیار حاصل نہ ہوگا اور اگر کہا "جس دن کہ میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو طلاق" اور نکاح کیا رات کو تو طلاق واقع ہو جائے گی، جاننا چاہیے کہ "لفظ یوم" جب فعل ممتد کے ساتھ متصل ہو تو اس سے خاص دن کا وقت مراد ہوتا ہے اور جب غیر ممتد فعل کے ساتھ متصل ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے (چاہے دن کا وقت ہو یا رات کا وقت ہو دونوں کو شامل ہوتا ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظرف زمان جب بغیر حرف "فی" کے کسی فعل کے ساتھ متعلق ہو جیسے "صمت السنۃ" تو وہ پورا زمانہ اس فعل کے لئے معیار اور مقدار ہوتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ حرف "فی" کے ساتھ استعمال ہو جیسے "صمت فی السنۃ" تب پورا زمانہ اس فعل کے لئے مقدار نہیں ہوتا ہے بلکہ بعض زمانہ میں اس فعل کا پایا جانا کافی سمجھا جاتا ہے۔ پس فعل جبکہ ممتد ہو جیسے امر بالید کی مذکورہ صورت تو معیار زمانہ بھی ممتد ہوگا اور "یوم یقدم زید" کے لفظ یوم سے خاص دن کا وقت مراد لی جائے گی۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) ؎۵ قولہ تقع واحدۃ الخ۔ یہ آخری جملہ سے طلاق واقع ہونے کے فقرہ کا بیان ہے یعنی ابتدائی خبریہ جملہ میں چاہے تین طلاق کا ذکر ہو مگر چونکہ آخری جملہ میں عدد نہیں ہے اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ ہاں آخری جملہ کے ساتھ اگر دو یا تین کی تصریح کر دی تو اتنی ہی واقع ہوں گی۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎۱ قولہ فعل ممتد الخ۔ بحرالرائق میں ہے کہ ممتد سے مراد ایسا فعل ہے جس کے لئے زمانہ کو مدت قرار دیا جا سکتا ہے مثلاً سیر و سفر، سوار ہونا، روزہ رکھنا، عورت کو اختیار دینا اور تفویض طلاق وغیرہ اور غیر ممتد اس کے برعکس دفعۃً واقع ہوتا ہے جیسے طلاق، نکاح، آزاد کرنا، گھر میں داخل ہونا، گھر سے نکلنا۔ وغیرہ انتہی ۱۲

؎۲ قولہ لا یتخیر الخ۔ کیونکہ اختیار فعل ممتد ہے اس لئے اس کے ساتھ مقرون یوم سے خاص دن کا وقت مراد ہوگا اب قدوم زید رات کو متحقق ہونے سے شرط نہیں پائی گئی۔ اور طلاق چونکہ غیر ممتد فعل ہے اس لئے "یوم اتزوجک" سے مطلق وقت مراد ہوگا۔ اب اگر رات کو نکاح کرے تب بھی طلاق ہوگی۱۲

؎۳ قولہ معیار الہ الخ۔ یعنی فعل کے لئے مقدار ہوا اور ظرف کے معیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ظرف مظروف سے نہ بڑھے بلکہ مظروف سے بھر جائے اور کچھ مقدار خالی نہ رہے جیسے کہ دن معیار ہے روزہ کے لئے کہ دن کا پورا وقت روزہ سے بھرپور و مشغول ہوتا ہے۱۲

؎۴ قولہ کالامر بالید الخ۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ امتداد اور عدم امتداد میں وہ فعل معتبر ہے جس کے ساتھ یوم کا تعلق ہو نہ کہ وہ فعل جس کی طرف یوم کی اضافت ہو۔ اور اس کا مدار یہ ہے کہ یوم دن کے معنی میں حقیقت ہے اس لئے جب تک یہ معنی مراد لینا ناممکن نہ ہو اس وقت تک اس سے اعراض نہیں کیا جا سکتا ہے اہل لغات نے بھی اسکی تصریح کی ہے کہ یوم کے معنی حقیقی دن ہیں البتہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یوم کا لفظ مطلق وقت اور دن کے معنی میں مشترک ہے مطلق وقت میں اس کا استعمال مشہور ہے جبکہ فعل غیر ممتد کے ساتھ اس کا اقتران ہو اور اگر فعل ممتد کے ساتھ مقرون ہو تو یہ بیاض نہار کے معنی میں معروف ہے اور عوام کا استعمال بھی ایک حجت ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے۱۲

وان كان الفعل غير ممتد كوقوع الطلاق كان المعيار غير ممتد فيراد باليوم الوقت واعلم انه قد وقع خبط واضطراب في ان المعتبر في الامتداد وعدمه الفعل الذي تعلق به اليوم او الفعل الذي أضيف اليه اليوم فالمذكور في الهداية في هذا الفصل ان اليوم يحمل على الوقت اذا قرن بفعل لا يمتد والطلاق من هذا القبيل فينتظم الليل و النهار فهذا دليل على ان المعتبر الفعل الذي تعلق به اليوم وهو الطلاق في قوله يوم اتزوجك فانت طالق والمذكور في ايمان الهداية انه اذا قال يوم اكلم فلانا فانت طالق يتناول الليل والنهار لان اليوم اذا قرن بفعل لا يمتد يراد به مطلق الوقت والكلام لا يمتد۔

بل توجد ويهدم ويوجد آخر وبكذا الى السكوت ١٢ عده

ترجمہ:- اور اگر فعل ممتد نہیں ہے جیسے وقوع طلاق کی نسبت یوم کی طرف، تو زمانہ کا معیار بھی ممتد نہ ہوگا اور یوم سے مطلق وقت مراد لی جائے گی۔ واضح رہے کہ فقہاء کے کلام کے اندر اس بارے میں بڑا ہی انتشار اور اضطراب پایا جاتا ہے کہ جس امتداد اور عدم امتداد پر حکم کا مدار ہے کس فعل میں اس کا اعتبار ہوگا؟ آیا جس فعل کو یوم کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے اس کا امتداد یا عدم امتداد معتبر ہے یا جس فعل کی طرف یوم کی اضافت کی گئی ہے اس کا ممتد ہونا یا نہ ہونا معتبر ہے؟ ہدایہ کے مسائل اضافت طلاق میں مذکور ہے کہ "یوم سے مطلق وقت مراد ہوگا جبکہ وہ ایسے فعل کے ساتھ متعلق ہو جو غیر ممتد ہے اور طلاق چونکہ اسی قبیل سے ہے اسلئے تعلیق طلاق بالیوم کی صورت میں یوم کے اندر رات دن کے تمام اوقات شامل ہوں گے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ممتد ہونے اور نہ ہونے میں اس فعل کا اعتبار ہے جس کے ساتھ یوم کو متعلق کیا گیا ہے اور وہ طلاق کا فعل ہے اس شخص کے قول "یوم اتزوجک فانت طالق" میں اور خود ہدایہ کے کتاب الأیمان میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی نے کہا "جس یوم میں فلاں سے بات کروں تو تجھ کو طلاق ہے، تو یہ یوم کا لفظ رات اور دن کے تمام اوقات کو شامل ہوگا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ "یوم جب ایسے فعل کے ساتھ متعلق ہو جو ممتد نہیں تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور "کلام" فعل ممتد نہیں ہے"

تشریح:- ۱؎ قوله الذی تعلق به الیوم. الخ. اس سے مراد وہ فعل ہے کہ یوم کو جس کے واقع ہونے کا ظرف بنایا گیا چاہے اس کا ذکر پہلے ہو یا بعد میں ہو جیسے انت طالق یوم اتزوجک یا یوم اتزوجک انت طالق تو اس کلام میں وقوع طلاق کے ساتھ یوم کا ایسا تعلق ہے جیسا ظرف کا مظروف کے ساتھ ہوا کرتا ہے، اسی طرح "امرک بیدک یوم یقدم فلان" میں امر بالید اور تفویض امر طلاق یوم کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ متکلم نے قدوم فلاں کے دن میں اسی فعل کے وجود کا قصد و ارادہ کیا ہے ۱۲

۲؎ قوله فالمذکور الخ. ہدایہ کی پوری عبارت اس طرح ہے "جس نے کسی عورت سے یہ کہا کہ "جس دن میں نکاح کروں اس دن تجھ کو طلاق" اب اس نے رات کو نکاح کیا تو بھی طلاق پڑ جائے گی کیونکہ یوم کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے (۱) دن کی روشنی، جب ممتد فعل کے ساتھ اس کا اقتران ہو۔ خلا روزہ یا خیار طلاق وغیرہ تو یہی معنے مراد ہوں گے کیونکہ یہاں یوم کے ذکر کا منشا یہ ہے کہ اس کو فعل کا معیار قرار دیا جائے اور معیار ہونے کے لئے خاص دن کے معنی ہی مناسب ہے (۲) مطلق وقت جیسے اللہ تعالیٰ کے کلام "ومن یولہم یومئذ دبره" میں مطلق وقت ہی مراد ہے، تو جب یوم ایسے فعل کے ساتھ مقترن ہو جو کہ ممتد نہیں ہے اور طلاق بھی اسی نوع میں سے ہے۔ وہاں یوم کا لفظ رات اور دن کے تمام اوقات کو شامل ہوں گے ۱۲

۳؎ قوله والکلام لایمتد الخ. اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ وقت کے اندازہ سے کلام کی مدت بھی تو مقرر ہو سکتی ہے تو پھر اسے غیر ممتد کہنا کس طرح درست ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ کلام تو اعراض میں سے ہے اور اعراض کی بقا و امتداد تجدد امثال سے ہوا کرتا ہے جیسے مارنا، بیٹھنا، سوار ہونا وغیرہ جن کو دوبارہ بھی بعینہ پہلے کی طرح نیا بنا سلسل وجود سے موجود اور اعیان کی طرح ممتد مانا جاتا ہے۔ بخلاف کلام کے کہ اس کے دوسری مرتبہ کا وجود پہلے کے مشابہ نہیں ہوتا ہے اس لئے کلام میں تجدد امثال کا اعتبار نہیں ہو سکتا ۱۲

فھذا یدل علی ان المعتبر الفعل الذی اُضیف الیه الیوم اذا عرفت ھذا فان کان کل واحد منھما غیر ممتد کقوله انت طالق یومَ یقدم زید یراد بالیوم مطلقُ الوقت وآن کان کل واحد منھما ممتدا نحو امرك بیدك یوم اسکن ھذه الدار یراد بالیوم النھار وآن کان الفعل الذی تعلق به الیوم غیر ممتد والفعل الذی اضیف الیه الیوم ممتد انحو انت طالق یوم اسکن ھذه الدار او بالعکس نحو امرك بیدك یوم یقدم زید ینبغی[1] ان یراد بالیوم النھار ترجیحا لجانب الحقیقة وآنما قلنا ان الطلاق غیر ممتد لان المراد ایقاع الطلاق فلا یقال ان کون المرأة طالقا ممتد لان الطلاق اذا وقع فکون المرأة طالقا امر مستمر[2] فلا فائدة فی تعلق الیوم به فیکون الیوم متعلقا بایقاع الطلاق لا بکون المرأة طالقا۔

ترجمہ:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممتد ہونے اور نہ ہونے میں وہ فعل معتبر ہے جس کی طرف یوم کی اضافت کی گئی ہو۔ جب تم کو فقہاء کے کلام کا تعارض معلوم ہو چکا تو اس کی تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر (یوم کے متعلق فعل اور اس کا مضاف الیہ) دونوں غیر ممتد ہوں ۔ مثلاً انت طالق یوم یقدم زید" میں (طلاق اور قدوم) دونوں غیر ممتد ہیں تو یہاں (یوم سے مطلق وقت مراد ہوگا۔ اور اگر دونوں ممتد ہوں جیسے " امرک بیدک یوم اسکن ہذہ الدار" میں (خیار طلاق اور سکونت) دونوں ممتد ہیں، تو اس میں) یوم سے خاص دن مراد ہوگا۔ اور اگر وہ فعل جس سے یوم متعلق ہے غیر ممتد ہو اور جس فعل کی طرف یوم کی اضافت ہے وہ ممتد ہو جیسے انت طالق یوم اسکن ہذہ الدار میں یا اس کے برعکس ہو جیسے امرک بیدک یوم یقدم زید میں۔ تو ان دونوں صورتوں میں یوم سے صرف دن مراد لیا جانا ہی مناسب ہے (کیونکہ یوم کے حقیقی معنی ہیں دن اور رات کے وقت پر اس کا اطلاق ہونا علی سبیل المجاز ہے، تو جہاں دونوں پہلو جمع ہو جائیں وہاں حقیقی معنی دن مراد لیا جانا اولیٰ ہے) تاکہ حقیقت کے پہلو کی ترجیح حاصل ہو جائے۔ اور ہم نے طلاق کو غیر ممتد اس لئے کہا کہ یہاں طلاق سے مراد طلاق کا واقع کرنا ہے (جو کہ ایک آن میں ہو جاتا ہے) اس لئے یہ شبہ بے جا ہے کہ عورت کی طلاق بھی تو ممتد ہے کیونکہ جب عورت پر طلاق پڑ گئی تو عورت کا طلاق شدہ ہونا اس کی ایک دائمی حالت ہے اور اس حالت دائمی کو یوم کے ساتھ متعلق کرنے کا کوئی ثمرہ نہیں ہے اس لئے یہاں طور پر طلاق واقع کرنے کے ساتھ یوم کا تعلق ہوگا نہ کہ عورت کے طلاق شدہ ہونے کی صفت کے ساتھ۔

تشریح:۔ [1] قولہ ینبغی الخ: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شارح کو اس بارے میں فقہاء کی طرف سے کوئی تصریح نہیں ملی ہے بلکہ اپنے ذہن ہی سے یہ توجیہ کی ہے لیکن اس میں دو اشکال پڑتے ہیں۔ (۱) یہ توجیہ اپنی کتاب تنقیح اور اس کی شرح توضیح کے بیان کے خلاف ہے وہاں بتایا ہے کہ یوم کے مضاف الیہ کا اعتبار نہیں بلکہ اس فعل کا اعتبار جس کے ساتھ یوم متعلق ہے (۲) ابن ہمام علامہ تفتازانی وغیرہما کی تصریحات کے بھی خلاف ہے انہوں نے بتایا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ فعل متعلق اور یوم کے مضاف الیہ میں جب ممتد ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہو تو صرف اس فعل کا اعتبار ہے جس کے ساتھ یوم متعلق ہے ۱۲

[2] قولہ امر مستمر الخ یعنی ہمیشہ باقی رہنے والا ختم ہو جانے والا نہیں۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ اگر شوہر نے پھر اس عورت سے نکاح کر لیا۔ یا تو عدت کے اندر رجعت کر لی تو اس پر مطلقہ ہونے کا اثر باقی نہیں رہے گا یعنی مفارقت نہ رہے گی تو استمرار کس طرح ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں استمرار سے مراد یہ ہے کہ انتہا مدوافع اثر پائے جانے تک باقی رہے گا نیز تجدید نکاح اور رجعت کے بعد بھی تو یہ بات صادق آتی ہے کہ اس عورت پر طلاق واقع ہوئی ہے چاہے کسی دوسرے سبب سے اس کا اثر باقی نہیں رہا ۱۲

اعلم ان المراد بالامتداد امتداد یمکن ان یستوعب النہار لا مطلق الامتداد لانہم جعلوا التکلم من قبیل غیر الممتد ولا شک ان التکلم ممتد زمانا طویلا لکن لا یمتد بحیث یستوعب النہار عادۃ وراجع فی انت طالق ثنتین مع عتق سیدک لک لو علق رجل تزوج امۃ غیرہ فقال لہا انت طالق ثنتین مع اعتاق مولاک ایاک فاعتقہا المولی فطلقت ثنتین فالزوج یملک الرجعۃ لان اعتاق المولی جعل شرطا للتطلیق فیکون مقدما علیہ فالعتق یکون مقدما علی وقوع الطلاق فیقع الطلاق وہی حرۃ فیصیر طلاقہا ثلثا فیملک الزوج الرجعۃ فان قیل کلمۃ مع للقران قلنا جاءت للتاخیر نحو قولہ تعالیٰ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔

ترجمہ :- یہ بھی واضح رہے کہ یہاں فعل کے ممتد ہونے سے مراد یہ ہے کہ دن کے پورے وقت میں اس فعل کا پایا جانا عادۃً ممکن ہو مطلق مدت کا امتداد مراد نہیں (کہ تھوڑی دیر کے امتداد سے بھی ممتد میں شمار ہو جائے) یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کلام کو غیر ممتد میں شمار کیا ہے حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام بھی دیر تک جاری رہ سکتا ہے لیکن عادۃً کلام ایسے افعال میں سے نہیں ہے جو تمام دن کو بالکل محیط ہو جائے۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے (جو کہ دوسرے کی لونڈی ہے یہ) کہا کہ تجھ کو دو طلاق ہے اس کے ساتھ ہی کہ تیرا مالک تجھ کو آزاد کردے (ایسی صورت میں) اگر مالک اس کو آزاد کر دے تو شوہر رجعت کر سکتا ہے۔ یعنی ایک شخص نے کسی باندی سے نکاح کیا پھر اس سے کہا کہ تجھ پر دو طلاق ہیں اس کے ساتھ ہی کہ تیرا مالک تجھ کو آزاد کرے۔ پھر مالک نے اس باندی کو آزاد کر دیا تو (شرط کے مطابق) دو طلاق پڑ جائیں گی اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا (اگرچہ یوں باندی دو طلاق ہی سے مغلظہ ہو جاتی ہے مگر یہاں یہ حکم نہ ہوگا) کیونکہ شوہر نے مالک کے آزاد کرنے کو طلاق واقع ہونے کے لئے شرط قرار دیا ہے تو یہ شرط مقدم ہوگی تعلیق پر (اس لئے کہ جزاء پر شرط مقدم ہوا کرتی ہے) پس مولیٰ کا آزاد کرنا وقوع طلاق پر مقدم ہوگا تو طلاق اس وقت پڑے گی جب کہ وہ آزاد ہو چکی ہے اور (بوجہ حریت کے) اس کی طلاقیں تین ہو جائیں گی تین (ا در پڑی ہیں دو) اس لئے زوج رجعت کا مالک ہوگا اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ "مع" کا لفظ (جو شرط کی جگہ شوہر نے استعمال کیا ہے) تو ایک ساتھ ہونے کو سمجھاتا ہے (پھر تاخیر کے معنی کہاں سے پیدا ہو گئے) تو ہم کہیں گے کہ "مع" تاخیر کے معنوں کے لئے بھی آتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ ہے۔ "إِنَّ مع العسر یسرا" (یعنی مشقت کے بعد آسانی ہے)

تشریح :- قولہ واعلم ان المراد الخ۔ اس سے غرض وہ اعتراض دفع کرنا ہے جو اس مقام پر وارد ہوتا ہے کہ اگر استمرار اور عدم استمرار سے مطلق امتداد مراد ہے تو کلام کو غیر ممتد شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ کبھی کبھی کلام گھنٹہ دو گھنٹہ تک بھی ممتد ہوتا ہے اور اگر اس سے دوام واستمرار مراد ہو تو بہت سے وہ امور جن کو فقہاء نے ممتد شمار کیا ہے وہ اس مفہوم سے غیر ممتد ہو جائیں گے مثلاً سیر، سوار ہونا، روزہ اور عورت کا اختیار و تفویض وغیرہ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ امتداد سے نہ مطلق امتداد مراد ہے اور نہ دوام بلکہ وہ امتداد مراد ہے جو تمام دن پر حاوی ہو سکے تو جو فعل عادۃً تمام دن تک باقی رہتا ہے وہ ممتد ہے اور جو تمام دن پر حاوی نہیں ہوتا ہے وہ غیر ممتد ہے ۱۲

سلہ قولہ جعل شرطا الخ۔ کیونکہ شرط اسی کو کہا جاتا ہے جو لفظ اول معدوم ہو اور اس کا وجود محتمل ہو اور اس کے وجود کے ساتھ حکم متعلق ہو اور یہ بات یہاں موجود ہے تو مولیٰ کا آزاد کرنا طلاق کے لئے شرط ہوگی اگرچہ یہاں صراحۃً شرط کا لفظ نہیں ہے کیونکہ معاملات میں حکم کا دار و مدار معانی پر ہوتا ہے نہ کہ الفاظ پر ۱۲۔

سلہ قولہ قلنا الخ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مع کی اصل وضع معیت اور مقارنت کے معنی کے لئے ہے لیکن کبھی اس کے بعد کی چیز پہلی والی چیز سے مؤخر ہونے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ "ان مع العسر یسرا" میں "مع" تاخیر کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر بات ہے کہ آسانی مشکل کے بعد ہو سکتی ہے۔ مشکل کے ساتھ نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر اس پر کوئی اعتراض کرے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وعند مجئ غد بعد تعليق عتقها وتطليقها بمجيئه لا خلافا لمحمد[له] يعني قال المولى اذا جاء الغد فانت حرة وقال الزوج اذا جاء الغد فانت طالق ثنتين فجاء الغد وقع العتق والطلاق ولا يملك الزوج الرجعة[٢ه] لان وقوع العتق مقارن لوقوع الطلاق فيقع الطلاق وهي امة بخلاف[٣ه] المسألة الاولى فان وقوع الطلاق متوقف على وقوع العتق فاعتبر التقدم والتاخر بالرتبة وعند محمد يملك الرجعة لان العتق اسرع وقوعا لانه رجوع الى الحالة الاصلية وهو اظهر مستحسن بخلاف الطلاق فانه ابغض المباحات فيكون في وقوعه بطوء وتاخير وتعتد كالحرة بالاتفاق اخذا بالاحتياط۔

ترجمہ۔ اور اگر مالک نے لونڈی کی آزادی اور شوہر نے اس بیوی کی طلاق کو کل کے دن آنے کے ساتھ معلق کیا تو کل کا دن آنے پر زوج رجعت نہیں کر سکتا ہے۔ بخلاف امام محمدؒ کے کہ ان کے نزدیک رجعت کر سکتا ہے۔ یعنی اگر مولی نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جب کل کا روز آوے تو تو آزاد ہے اور ادھر اسی باندی کے خاوند نے کہا کہ جب کل کا روز آوے تو تجھ کو دو طلاق ہیں اور کل کا روز آگیا تو وہ آزاد ہو جائے گی اور اس پر دو طلاق بھی پڑ جائیں گی اور خاوند رجعت کا مالک نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وقوع عتق مقارن ہے وقوع طلاق سے تو طلاق پڑے گی لونڈی رہنے کی حالت میں، بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ اس میں طلاق کا واقع ہونا آزاد ہو چکنے پر موقوف ہے اس لئے کم از کم رتبۃً آگے پیچھے ہونے کا اعتبار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی شوہر رجعت کا مالک ہوگا کیونکہ عتق اور طلاق میں وقوع کے لحاظ سے عتق سریع التاثیر ہے اس لئے کہ آزادی میں انسان اپنی اصلی حالت کی طرف رجوع کرتا ہے اور آزاد کرنا ایک بہترین فعل ہے (اس لئے اس میں ہر لحاظ سے کہ جلد واقع ہونے کا تقاضا پایا جاتا ہے) بخلاف طلاق کے کہ یہ ابغض المباحات ہے اس لئے اس کے واقع ہونے میں طبعی طور پر تاخیر اور توقف ہونا لازمی امر ہے۔ اور عدت گذارے گی آزاد عورت کے مانند (یعنی تین حیض) اس حکم میں سب کا اتفاق ہے احتیاط کے پہلو پر عمل کرتے ہوئے (کیونکہ حالت حریت میں طلاق واقع ہونے کا احتمال تو ضرور ہے)

تشریح۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کہ ہم نے ا مع تاخیر کے لئے بھی آتا ہے مگر یہ تو کوئی قاعدہ کلیہ نہیں اور نہ اس کا وضعی مفہوم ہے اس لئے یہ احتمال رہجاتا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں "مع" تاخیر کے معنی میں نہ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قرینۂ مقام کا تقاضا یہ ہے کہ تاخیر کے معنی میں ہو کیونکہ مولیٰ کے آزاد کرنے کو طلاق کے لئے شرط قرار دینا ہی اس قول کا اصل منشا ہے اور جزا ہمیشہ رتبۃً و حکماً شرط سے مؤخر ہوتا ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) له قولہ وعند مجئ غد الخ۔ غد کا ذکر بطور تمثیل کے ہے ورنہ مدار حکم معلق علیہ کے اتحاد پر ہے خواہ کوئی شئی ہو۔ بعد تعلیق عتقها۔ یہ مولیٰ کی جانب سے یعنی اس نے اپنی شادی شدہ لونڈی سے کہا کہ کل آنے پر تو آزاد ہے۔ وتطلیقها، یہ زوج کی جانب سے یعنی اس نے اپنی بیوی کی جو کہ باندی ہے طلاق کو کل کے آنے پر معلق کیا چاہے مولیٰ سے پہلے کیا یا بعد میں یا ایک ہی ساتھ ہر حال میں حکم برابر ہے ۱۲

٢ه قولہ لا الخ۔ یعنی کل ہو چکنے پر طلاق ہو جائے گی اور شوہر رجعت کا مالک نہ ہوگا۔ کیونکہ باندی دو طلاق سے حرمت مغلظہ ہو جاتی ہے اب دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد ہی اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے ۱۲

٣ه قولہ بخلاف المسألۃ الاولی الخ۔ یعنی جبکہ کہا تھا "انت طالق ثنتین مع عتق مولاک" پھر مولیٰ نے آزاد کر دیا تو دو طلاق واقع ہوں گی اور رجعت کا مالک ہوگا کیونکہ اس میں طلاق کا واقع ہونا آزادی پر مرتب ہے اس لئے عتق کو رتبۃً مقدم اور طلاق کو مؤخر مانا گیا تو آزادی کی حالت میں طلاق ہوگی لیکن اس مسئلہ میں معاملہ بالکل دوسرا ہے کیونکہ شوہر نے جو کل پر طلاق کو معلق کیا تو اس میں مالک کے آزاد کرنے کا کوئی ذکر نہیں نہ بطور شرط کے اور نہ بطور معیت کے بلکہ مولیٰ کے آزاد کرنے اور نہ کرنے سے قطع نظر کر کے اس نے مستقل طور پر (باقی صہ آئندہ پر)

ويقع بِأنا منكِ بائنٌ او عليكِ حرامٌ ان نوى لا بِأنا منكِ طالق وان نوى وانت طالق واحدة اوْلا او مع موتي او مع موتك ولا طلاق بعد ما ملك احدهما صاحبه او شِقصَه لانه وقع الفرقة بينهما بملك الرقبة والطلاق يستدعي قيام النكاح وبِأنتِ طالق هٰكذا ايشير بالاصبع تقع بعدده اى بعدد الاصبع والاصبع يُذكر ويؤنث ويُعتبر المنشورةُ لو اشار ببطونها ولو اشار بظهورها فالمضمومة لانه اذا اشير بالاصابع المنشورة فالعادة ان يكون بطنُ الكفّ في جانب المخاطب واذا عقد بالاصابع يكون بطن الكف في جانب العاقد وبانت طالق بائن او انت طالق اشد الطلاق او افحشه او اخبثه او طلاق الشيطان او البدعة او كالجَبَل او كالفٍ او ملأ البيت او تطليقة شديدة او طويلة او عريضة بلا نية ثلث۔

ترجمہ:۔ اگر خاوند نے اپنی عورت سے کہا کہ میں تجھ سے جدا ہوں یا کہا کہ میں تجھ پر حرام ہوں اگر اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا کہ میں تیری طرف سے طلاق پانے والا ہوں تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت بھی کرے اسی طرح اگر کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے یا نہیں، یا کہا تجھ کو طلاق ہے میری موت کے ساتھ یا تیری موت کے ساتھ تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر زوج زوجہ میں سے کوئی دوسرے کا پورا یا اس کے کسی حصہ کا مالک ہو گیا تو اب طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ملک رقبہ حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں باہمی فرقت ہو جائے گی (اور نکاح باطل ہو جائے گا)، اور طلاق نکاح کی موجودگی کا محتاج ہے اور اگر خاوند نے اپنی عورت سے کہا تجھ کو طلاق ہے اس قدر، اور انگلیوں سے اشارہ کیا تو جتنی انگلیوں سے اشارہ کیا اتنی ہی طلاق واقع ہوں گی یعنی انگلیوں کے عدد کے مطابق۔ اور متن کا لفظ "اصبع" مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور کھلی ہوئی انگلیوں کی تعداد کا اعتبار ہے اگر انگلیوں کے باطن سے اشارہ کیا (یعنی ہتھیلی عورت کی طرف کر کے اشارہ کیا) اور بند انگلیوں (کی تعداد) کا اعتبار ہوگا۔ اگر انگلیوں کی پشت سے اشارہ کیا (یعنی ہتھیلی اپنی طرف رہے تو جتنی انگلیاں بند ہیں اتنی طلاق پڑیں گی) کیونکہ عام عادت یہی جاری ہے کہ جب کھلی ہوئی انگلیوں سے اشارہ کیا جائے تو ہتھیلی کا باطن رخ مخاطب کی طرف ہوتا ہے اور جب انگلیاں بند کر کے اشارہ کیا جائے تو ہتھیلی عاقد (یعنی اشارہ کرنے والے) کی طرف رہتی ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تجھ کو میں نے طلاق بائن دی یا کہا تجھ پر طلاق ہے سخت ترین طلاق، یا فحش ترین طلاق یا خبیث ترین طلاق یا شیطان کی طلاق یا طلاق بدعت یا کہا تجھ پر طلاق ہے پہاڑ کے برابر یا ہزار کے برابر یا گھر بھری ہوئی یا کہا تجھ پر طلاق ہے سخت طلاق یا لمبی طلاق یا چوڑی طلاق۔ تو ان سب صورتوں میں اگرچہ طلاق کی نیت نہیں کی۔

تشریح:۔ (بقیہ صگذشتہ) کل کے آنے کے ساتھ طلاق کو معلق کیا ہے اس لئے یہاں آزاد کرنے کو وقوع طلاق کی شرط قرار نہیں دیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے تقدم کا اعتبار کیا جائے یہ اتفاق کی بات ہے کہ مولی نے بھی آزاد کرنے کو اسی بات پر معلق کیا جس پر شوہر نے طلاق کو معلق کیا اس لئے اب شرط پائی جانے کے ساتھ دونوں مشروط طلاق اور عتق بلا لحاظ تقدم و تاخر ایک ساتھ واقع ہوں گے ۱۲

کہ قولہ بالرجعۃ الخ کیونکہ عتق شرط ہے اور شرط رتبۃً مشروط پر مقدم ہوا کرتی ہے اور اس رتبی تقدم و تاخر سے زمانی تقدم و تاخر بھی ضمناً ثابت ہو جاتا ہے ۱۲

(حاشیہ صہٰذا) لہ قولہ ویقع الخ تبیین اور نہر وغیرہ میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ "ابانۃ" کا مطلب ہے نکاح کے ذریعہ ثابت ہونے والا تعلق کو زائل کر دینا، بون سے ماخوذ ہے جس کے معنی جدائی لفظ تحریم کا بھی یہی مطلوب ہے اور چونکہ تعلق اور حرمت میاں بیوی دونوں میں مشترک ہیں اس لئے ان الفاظ کی نسبت دونوں کی طرف درست ہے بنا بریں انا منک بائن یا حرام یا بری سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ (باقی صہ آئندہ پر)

واحدة بائنة ومعها ثلث قوله بلانية ثلث يشمل ما اذا لم ينو عددا او نوى واحدة

او ثنتين وهذا فى الحرة واما فى الامة فثنتان بمنزلة الثلث فى الحرة ومن

طلقها ثلثا قبل الوطى وقعن فان فرق بانت بالاولى ولم تقع الثانية والثالثة

ففى انت طالق واحدة وواحدة تقع واحدة ويقع بعد ذكر العدد قرن بالطلاق

لا به فيلغو انت طالق لو ماتت قبل ذكر العدد وبانت طالق واحدة قبل

واحدة او بعدها واحدة واحدة۔

ترجمہ :۔ تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کی نیت ہیں کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ مصنفؒ کے قول کہ "اگر تین طلاق کی نیت نہیں کی"، اس میں یہ تمام صورتیں آگئیں۔ (۱) کسی بھی عدد کی نیت نہیں کی۔ (۲) ایک طلاق کی نیت کی (۳) دو طلاق کی نیت کی (ہر حال میں ایک طلاق بائن پڑے گی اور تین کی نیت کرنے میں تین طلاق واقع ہونے کا حکم) یہ حُرّہ کے لئے ہے۔ لیکن لونڈی کی صورت میں دو طلاق کی نیت، آزاد عورت کی تین طلاق کی نیت کے حکم میں ہے۔ اور جو شخص اپنی عورت کو وطی سے پہلے تین طلاق ایک ساتھ دے تو تینوں واقع ہوں گی اور اگر جدا جدا تین طلاق دے تو عورت پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوں گی اسی طرح اگر اس نے کہا تجھ کو طلاق ہے ایک اور ایک تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی، اگر طلاق کے ساتھ عدد ذکر کرے تو عدد کے تلفظ سے طلاق واقع ہوگی نہ کہ لفظ طلاق سے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا تجھ کو طلاق ہے اور ابھی عدد ذکر کرنے سے پہلے وہ عورت مر گئی تو کلام لغو ہو جائے گا اور کچھ واقع نہ ہوگا۔ اور اگر کہا تجھ کو طلاق ہے ایک قبل ایک کے یا بعد اس کے ایک ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح :۔ (بقیہ صگذشتہ) جس طرح انتِ بائن سے واقع ہوتی ہے۔ بخلاف طلاق کے کہ اس کا محل مرد نہیں بلکہ صرف عورت ہے اس لئے مرد کی طرف نسبت کرنے سے واقع نہ ہوگی ۱۲

سلہ قولہ ان نوی الخ۔ نیت کی ضرورت اس لئے ہے کہ یہ طلاق کی صریح الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ الفاظ کنایہ ہیں اور کنایہ نیت کی محتاج ہے ۱۲

سلہ قولہ یقع بعددہ الخ۔ یعنی جتنی انگلیوں سے اشارہ کیا اگر ایک سے اشارہ کیا تو ایک طلاق اور دو سے اشارہ کیا تو دو طلاق اور تین سے اشارہ کیا تو تین طلاق واقع ہوں گی کیونکہ عرف و عادت میں انگلیوں کے اشارہ سے کسی شئی کا عدد بتانا شائع و ذائع ہے جبکہ عدد مبہم رکھتے ہوئے صرف انگلیاں کھڑی کر کے اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے "اتنا" یا "اس قدر" ۱۲

سلہ قولہ فالمضمومۃ الخ۔ اس تفصیل کو ہدایہ میں قیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ شرنبلالی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ تفصیل ضعیف ہے ہر حال میں صرف کھلی ہوئی انگلیوں کا اعتبار ہوگا، عرف اور سنت کا تقاضا یہی ہے البتہ دیانۃً بند انگلیوں کا اعتبار کیا جائے گا اگر ان سے اشارہ کی نیت کرے ۱۲

(حاشیہ صہٰذا) سلہ قولہ واحدۃ بائنۃ الخ۔ یعنی ان تمام الفاظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی، ہدایہ اور اس کی شروح میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ انت طالق بائن میں اس نے طلاق کو بینونت سے متصف کیا اور طلاق اس کا احتمال رکھتی ہے جیسے غیر مدخولہ صرف انت طالق سے بائنہ ہو جاتی ہے اور مدخولہ بھی عدت گذارنے کے بعد بائنہ ہو جاتی ہے تو جب طلاق میں بائن ہونے اور نہ ہونے کا احتمال موجود ہے تو وصف بائن سے ایک احتمال متعین ہو گیا اور افحش الطلاق وغیرہ کا وصف اس لئے لایا گیا کہ طلاق کا اثر یعنی بینونت فوری طور پر ظاہر ہو جائے اس طرح سنت طلاق یعنی ایک رجعی کے خلاف طلاق یعنی طلاق بائن دینا طلاق شیطان اور بدعت ہے۔ اس لئے ان تمام الفاظ میں ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو یہ نیت بھی معتبر ہے کیونکہ بینونۃ کے اندر مغلظہ اور غیر مغلظہ دونوں کا احتمال موجود ہے تو تین کی نیت سے گویا اس نے نوع مغلظہ کا ارادہ کیا اس لئے مدلول لفظ کی حیثیت سے یہ نیت معتبر ہے ۱۲

سلہ قولہ او ثنتین الخ۔ اس کی وجہ پہلے گذر چکی ہے کہ دو محض عدد ہے طلاق کا لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا ہے اس لئے کہ مصدر سے واحد حقیقی مراد لے سکتے ہیں یا تو واحد حکمی اور تین باعتبار اپنی صورت مجموعی کے واحد حکمی ہے اور دو نہ واحد حقیقی ہے اور نہ حکمی ۱۲ (باقی صہ آئندہ پر)

لان الواحدة الاولی وُصِفَتْ بالقبلیّة فلما وقعت لم یبق للثانیة محل و بانت طالق واحدۃً قبلها واحدۃٌ او بعد واحدۃٍ او مع واحدۃ او معها واحدۃٌ ثنتان اما فی قبلها وبعد واحدۃ فلان الواحدۃ الاولی وھی التی یوقعها فی الحال وصفت بالبعدیة فاقتضت وقوع واحدۃ متقدمة علیها لکن لا قدرۃ له علی الایقاع فی الزمان الماضی فیقع فی الحال فتکون الواحدۃ الاولی والثانیة متقارنتین واما فی مع ومعها فظاھر وفی الموطوءۃ ثنتان فی کلها وفی انت طالق واحدۃً وواحدۃً ان دخلت الدار ثنتان لو دخلت وواحدۃٌ ان قُدِّم الشرط۔

ترجمہ:۔ کیونکہ اول ایک کو جبکہ پہلے واقع ہونے سے متصف کیا تو وہ واقع ہو گئی اور عورت غیر موطوءہ ہونے کی وجہ سے دوسری طلاق واقع ہونے کا محل نہ رہا (اس لئے دوسری کا ذکر لغو ہو جائے گا) اور اگر کہا کہ تو طالق ہے ایک قبل اس کے ایک اور ہے یا ایک بعد ایک کے یا ایک ساتھ ایک کے یا ایک ساتھ اس کے اور ایک ہے تو دو طلاق واقع ہوں گی کیونکہ جب اس نے کہا " قبل اس کے ایک اور ہے "، یا کہا " بعد ایک کے "، تو پہلی ایک طلاق جسے وہ فی الحال واقع کر رہا ہے (انت طالق واحدۃ کے لفظ سے) وہ بعدیۃ سے موصوف ہے (یعنی اس کی صفت یہ ہے کہ وہ پہلی ایک طلاق کے بعد ہو) اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے قبل ایک طلاق ہو چکی ہو تاکہ اس کو بعد کی طلاق قرار دیا جا سکے لیکن زمانہ ماضی میں طلاق واقع کرنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہے اس لئے وہ بھی فی الحال پڑے گی اب (ان الفاظ میں) پہلی اور دوسری دونوں مل کر ایک ساتھ واقع ہوں گی اور جب اس نے کہا ساتھ ایک کے "یا" اس کے ساتھ اور ایک ہے تو دونوں طلاق کا ایک ساتھ واقع ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور اگر عورت موطوءہ ہے تو مذکورہ تمام صورتوں میں اس پر دو طلاق واقع ہوں گی (کیونکہ موطوءہ ایک طلاق سے بائنہ نہیں ہوتی اس لئے دوسری طلاق واقع ہونے کا محل باقی ہے) اور اگر شوہر نے کہا تجھکو طلاق ہے ایک اور ایک اگر تو گھر میں داخل ہوا اور پھر زوجہ گھر میں داخل ہوئی تو دو طلاق پڑ جائیں گی (برابر ہے کہ عورت موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ) اور اگر شرط کو مقدم کیا تو ایک طلاق پڑے گی۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) ۳؎ قولہ وتعن الخ۔ یعنی تینوں طلاق واقع ہوں گی کیونکہ اگرچہ غیر مدخولہ پر عدت نہ ہونے کے باعث ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جاتی ہے لیکن اس سے بینونۃ مغلظہ نہیں ہوتی چنانچہ حلالہ کے بغیر ہی پہلے مرد کے لئے حلال ہوتی ہے اور تین طلاق ایک ساتھ دینے سے تینوں واقع ہوں گی اور بغیر حلالہ کے پہلے مرد کے لئے حلال نہ ہوگی۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ نے یہی فتویٰ دیا ہے ۱۲ د
۴؎ قولہ ویقع بعدد قرن الخ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر طلاق کے ساتھ کوئی عدد نہیں ملایا تو صیغہ طلاق سے طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر کوئی عدد ملایا تو عدد سے طلاق واقع ہوگی لفظ طلاق سے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اصول فقہ کا مقررہ ضابطہ ہے کہ اول کلام کا حکم آخر کلام پر موقوف رہتا ہے جبکہ آخر کلام میں ایسی کوئی بات ہو جو کہ اول کے مفہوم کو بدل دے اسی بنا پر عدد طلاق کے ذکر سے پہلے اگر عورت مر گئی تو کلام لغو ہو جائے گا کہ مراد کلام متعین ہونے سے پہلے موت کی وجہ سے محل طلاق ختم ہو گیا اس لئے کوئی طلاق نہ پڑے گی ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱؎ قولہ لم یبق للثانیۃ الخ۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ظرف مثلاً قبل یا بعد جب دو چیزوں کے درمیان ذکر کیا جائے تو اگر اسم ظاہر کی طرف اضافت کی گئی تو ظرف پہلے اسم کی صفت ہوگی جیسے جاءنی زید قبل عمرو۔ یا بعد عمرو میں قبل آنا یا بعد میں آنا زید کی صفت ہے اور اگر ایسی ضمیر کی طرف اضافت ہو جو اول اسم کی طرف راجع ہے تو قبل اور بعد معنوی طور پر دوسرے اسم کی صفت ہوگی جیسے جاءنی زید قبلہ عمرو۔ یا بعدہ عمرو۔ یہاں قبل آنا یا بعد میں آنا عمرو کی صفت ہے زید کی نہیں جب یہ قاعدہ معلوم ہو چکا تو زیر بحث مسئلہ میں جب غیر موطوءۃ عورت سے کہا " انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ " تو اس میں قبل دراصل پہلے واحدۃ کی صفت ہے یعنی دوسرے واحدۃ جس کی طرف قبل کی اضافت ہے اس سے پہلے واحدۃ مقدم ہونے کی صفت سے متصف ہے اس لئے وہ پہلے واقع ہو جائے گی۔ (بقیہ صہ آئندہ پر)

(بقیہ صہ آئندہ پر)

ای قال ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ وواحدۃ فعند تقدم الشرط تقع واحدۃ وھذا فی غیر الموطوءۃ فان الواحدۃ الثانیۃ تعلقت بالشرط بواسطۃ الاولی فاذا وجد الشرط یقع بھذا الترتیب وھذا عند ابی حنیفۃ واما عندھما یقع ثنتان وتحقیقہ فی اصول الفقہ فی حروف المعانی وکنایتہ مالم یوضع لہ واحتملہ وغیرہ فلا تطلق الا بنیتہ او دلالۃ الحال ومنھا اعتدی واستبرئی رحمک وانت واحدۃ وبھا تقع واحدۃ رجعیۃ۔

ترجمہ :- یعنی یوں کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ کو طلاق ہے ایک اور ایک، تو غیر موطوءہ میں شرط مقدم کرنے سے ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس جملہ کے اندر دوسرے ایک کا تعلق شرط کے ساتھ پہلے ایک کے توسط سے ہے تو جب شرط متحقق ہوگی ترتیب وار الاول فالاول طلاقیں واقع ہوں گی (پس غیر مدخولہ پر اول کے پڑ جانے کے بعد محل باقی نہیں رہتا ہے اس لئے دوسری ایک واقع نہ ہوگی) یہ امام ابو حنیفہ رح کا مذہب ہے لیکن صاحبین کے نزدیک دونوں واقع ہو جائیں گی (چاہے عورت موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ) اس مسئلہ کی پوری تحقیق اصول فقہ کے حروف معانی کی بحث میں ہے۔ (۲) طلاق کنایہ، اور وہ ایسے لفظ سے ہوتی ہے جو اصل میں طلاق کے لئے موضوع نہیں لیکن طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ سوائے الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی مگر یہ کہ طلاق کی نیت ہو یا حالت دلالت کرے طلاق پر۔ چنانچہ کنایہ طلاق کے الفاظ میں سے چند یہ ہیں۔ تو عدت میں بیٹھ جا، تو اپنے رحم کو پاک کر، تو اب اکیلی ہے۔ ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی (اگر طلاق کی نیت یا دلالت پائی جائے)

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور دوسری کے لئے محل نہیں رہا ہو بوجہ غیر مدخولہ ہونے کے اس لئے یہ واقع نہ ہوگی اور اگر واحدۃ بعد واحدۃ کہا تو دو طلاق پڑ جائیں گی کیونکہ اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اول واحدۃ سے پہلے اور ایک طلاق پڑ چکی ہے اور قاعدہ ہے کہ ماضی کی طرف نسبت کر کے طلاق دینے سے فی الحال پڑتی ہے کیونکہ انشاء طلاق ماضی میں ممکن نہیں اس لئے اس کے کلام کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ابھی دی ہے اب دونوں مل کر ایک ساتھ واقع ہوں گی ۱۲

سلہ قولہ ثنتان لو دخلت الخ۔ یعنی اگر شرط مؤخر کرے تو عورت چاہے مدخولہ یا غیر مدخولہ ہو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر ان دخلت الدار کی شرط کو مقدم کرے تو عورت غیر موطوءہ ہونے کی صورت میں امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی اور صاحبین رح کے نزدیک دو طلاق واقع ہوں گی توضیح وغیرہ میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ امام صاحب کے نزدیک جزاء کا تعلق شرط کے ساتھ ترتیب وار اور یکے بعد دیگرے ہوا کرتا ہے کیونکہ ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ یہ ایک مکمل جملہ ہے جو اپنے مابعد کا محتاج نہیں تو اس قول سے ایک طلاق کی تعلیق بالشرط حاصل ہو چکی، پھر اس کا یہ قول " و واحدۃ " یہ ادھورہ جملہ ہے جو کہ مفید للمعنی ہونے کے لئے پہلے جملہ کا محتاج ہے تو اب پہلے کی تعلیق کے بعد یہ دوسرا ادھورہ جملہ بھی شرط کے ساتھ معلق ہوگا پس شرط کے ساتھ معلق ہونے میں جب ترتیب اور تعاقب پایا گیا تو وقوع طلاق میں بھی ترتیب ثابت ہوگی اور ترتیب وار طلاق پڑنے سے غیر موطوءہ پہلی طلاق کے بعد دوسری کا محل نہیں رہی اس لئے اس پر ایک ہی طلاق پڑے گی۔ لیکن اگر جزاء شرط پر مقدم کرے تو شرط کے ساتھ معلق ہونے میں جزاء کے مختلف حصوں میں ترتیب نہیں ہوتی بلکہ پورا جزاء اکٹھا شرط کے ساتھ معلق ہوتا ہے اس لئے کہ آخر کلام میں جب اول کلام کے اثر کو بدلنے والی کوئی بات ہوتی ہے تب اول کا پورا کلام بلا لحاظ ترتیب مجموعی طور پر آخر کلام پر موقوف ہو جاتا ہے پس موقوف و معلق ہونے میں جبکہ ترتیب نہیں ہے تو وقوع طلاق میں بھی ترتیب نہ ہوگی لیکن صاحبین کے نزدیک شرط مقدم ہو یا مؤخر کل جزاء بلا لحاظ ترتیب اکٹھا شرط کے ساتھ معلق ہوتا ہے اس لئے پورا جزاء ایک ساتھ واقع ہوگا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ فلا تطلق الخ۔ یعنی طلاق کے الفاظ کنایہ جبکہ اصل میں طلاق کے لئے موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں دوسرے معانی کا احتمال بھی موجود ہے تو ان سے (وقوع طلاق کا حکم متعین نہ ہوگا جب تک کہ طلاق کی نیت نہ ہو یا ایسا کوئی قرینہ ظاہرہ نہ ہو جو کہ نیت طلاق کے قائم مقام ہو سکے، یہ حکم قضاءً ہے لیکن دیانۃً کنایہ میں بغیر نیت کے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ دلالت حال پائی جائے۔ کذا فی البحر ۱۲

وبباقيها ¹ كانتِ بائنٌ بتّةٌ بتلةٌ حرامٌ خليّةٌ بريّةٌ حبلكِ على غاربكِ الحقي باهلكِ وهبتكِ لاهلكِ سرّحتكِ فارقتكِ امرُكِ بيدكِ انتِ حرةٌ تقنّعي تخمّري استتري اُغربي اُخرجي اذهبي قومي ابتغي الازواج تقع واحدة بائنة ² ان نواها او ثنتين و ثلث ان نواه وفي اعتدي ثلث مرات لو نوى بالاول طلاقا وبغيره حيضا صُدّق ³ وان لم ينو بغيره شيئا فثلث۔

وان لم ينو شيئا بالاول ... لم تطلق شيئا ...

ترجمہ:۔ اور ان کے علاوہ دوسرے الفاظ کنایہ سے مثلاً اپنی عورت سے کہا، تو جدا ہونے والی ہے، تو منقطع ہے تو علیحدہ ہے، تو حرام ہے تو خالی ہے، تو سبکدوش ہے، تیری رسی تیری گردن پر ہے، اپنے گھر والوں سے مل جا، میں نے تجھے تیرے گھر والوں کے لئے بخش دیا، میں نے تجھ کو رخصت کیا، میں نے تجھ کو جدا کر دیا، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو آزاد ہے گھونگھٹ کر لے اور اوڑھنی سے اپنے کو ڈھانپ لے تو پردہ کر لے۔ دور ہو مجھ سے، تو نکل جا، تو چلی جا، تو اٹھ کھڑی ہو، دوسرے خاوند تلاش کر لے تو ان الفاظ سے ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اگر ایک طلاق کی نیت کی یا دو طلاق کی۔ اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق پڑ جائیں گی۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے تین بار کہا۔ اعتدی (عدت میں بیٹھ جا) اس کے بعد دعوی کیا کہ اول اعتدی سے طلاق کی نیت تھی اور دوسرے سے نیت حیض کی تو اس کی تصدیق کی جائیگی۔ اور اگر کہا کہ آخیر کے دو سے کچھ نیت نہیں کی ہے تو تین طلاق پڑ جائیں گی۔

تشریح:۔ ¹ قولہ وبباقیہا الخ۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کنایہ سے طلاق رجعی ہونا مذکورہ تین لفظوں کے ساتھ خاص ہے اور کسی لفظ سے طلاق رجعی نہیں ہوتی ہے بلکہ طلاق بائن پڑتی ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں فتح القدیر اور بحرالرائق وغیرہما میں اور بھی بہت سے ایسے الفاظ کنایہ بتائے گئے ہیں جن سے بشرط نیت طلاق رجعی پڑتی ہے اور ان میں سے بعض لفظوں سے طلاق پڑنے میں نیت پر موقوف ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے رد المحتار میں پوری تفصیل ہے۔ من شاء فلیراجع الیہ ۱۲

² قولہ تقع واحدۃ بائنۃ الخ کیونکہ یہ تمام الفاظ نفس طلاق سے زائد معنی پر دلالت کرتے ہیں اس لئے نیت طلاق ہونے سے صفت زائدہ یعنی "بائنہ" کیساتھ طلاق ہوگی اور چونکہ ان لفظوں میں طلاق مراد نہ ہونے کا بھی احتمال ہے اس لئے بلا نیت طلاق نہ پڑے گی (۱) و اس مسئلہ کی دلیل وہ روایت ہے جسے ترمذی ابوداؤد وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ رکانہ بن یزید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے قطعی طور پر اور خدا کی قسم میری مراد ایک طلاق تھی تو حضور نے اس کی بیوی اس کو واپس دلادی (۲) حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا حبلک علی غاربک اور جدائی کا ارادہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا جیسا ارادہ کیا ایسا ہی حکم ہے" اخرجہ مالک (۳) اور صحیحین میں کعب بن مالک کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے "الحقی باہلک" کہا اور طلاق کی نیت نہیں کی اس لئے طلاق شمار نہیں کی گئی (۴) بیہقی میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا۔ "حرام" کے لفظ میں نیت کا اعتبار ہے اگر طلاق کی نیت نہ کی تو یہ قسم ہو جائے گی ۱۲

³ قولہ صدق الخ۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے "تصدیق" سے یعنی قضاءً اسے سچا مانا جائے گا کیونکہ اس نے لفظ کے حقیقی معنے مراد لئے ہے لیکن اگر دوسرا اور تیسرا کے کلمہ میں کوئی نیت نہیں کی تو طلاق ہی مراد لی جائے گی کیونکہ جب ایک بار طلاق کی نیت کر چکا تو یہ قرینہ حال ہو جائے گا کہ بعد کے لفظوں میں بھی یہی مراد ہے ۱۲

وعبارۃ المختصر ھکذا و نحو اخرجی واذھبی وقومی یحتمل ردًّا و نحو خلیۃ بریئۃ بتۃ حرام بائن یصلح سبًّا و نحو اعتدی واستبرئی رحمک انت واحدۃ انت حرۃ اختاری امرکِ بیدکِ سرحتک فارقتکِ لا یحتمل الردّ والسبّ ففی الرضاء[1] یتوقف الکل علی النیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط والمراد بحالۃ الرضاء ان[2] لا یکون حالۃ غضب ولا مذاکرۃ الطلاق فحینئذٍ تتوقف الاقسام الثلثۃ علی النیۃ وفی حال الغضب یتوقف الاولان ای ما یصلح ردًّا وما یصلح سبًّا علی النیۃ ان نوی الطلاق یقع بہ الطلاق وان لم ینو لا یقع واما القسم الاخیر وھو ما لا یصلح ردًّا ولا سبًّا یقع بہ الطلاق وان لم ینو وفی حال مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول ای ما یصلح ردًّا علی النیۃ اما الاخیران وھما ما یصلح سبًّا وما لا یحتمل الردّ والسبّ فیقع بھما الطلاق وان لم ینو۔

ترجمہ:۔ اور مختصر الوقایہ کی عبارت یوں ہے کہ الفاظ کنایہ میں سے (۱) بعضے ایسے ہیں جو عورت کے کلام کا جواب ہونے کا احتمال رکھتے ہیں۔ جیسے اخرجی، اذہبی، قومی (۲) بعضے ایسے ہیں جو گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں جیسے خلیۃ، بریۃ، بتۃ، حرام، بائن (۳) اور بعضے ایسے ہیں جو نہ جواب کا احتمال رکھتے ہیں اور نہ گالی گلوج ہونے کا جیسے اعتدی، استبرئی رحمک، انت واحدۃ، انت حرۃ، اختاری، امرک بیدک، سرحتک، فارقتک، تو اگر خاوند راضی اور خوش باش ہو تو (بدون نیت کے ان الفاظ میں سے کسی سے طلاق واقع نہ ہوگی) کل موقوف ہوں گے نیت پر اور جب غصے کی حالت میں ہو تو پہلی دو قسم کے الفاظ نیت پر موقوف رہیں گے (نیت کرے گا تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں اور تیسری قسم میں بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی) اور جب باہم طلاق کا تذکرہ چل رہا ہو تو صرف پہلی قسم کے الفاظ نیت پر موقوف رہیں گے (اور دوسری اور تیسری قسم کے الفاظ سے بدون نیت کے طلاق ہو جائے گی) اور رضا کی حالت سے مراد یہ ہے کہ غضب اور مذاکرۂ طلاق کی حالت نہ ہو ایسی صورت میں تینوں قسم کے الفاظ سے وقوع طلاق نیت پر موقوف ہوگا (اگر نیت پائی گئی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں) اور غصے کی حالت میں پہلی دونوں قسموں کے الفاظ یعنی جو جواب کے طور پر ہو سکتے ہیں یا گالی قرار دیئے جا سکتے ہیں وہ نیت پر موقوف ہیں اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہیں کی تو واقع نہ ہوگی اور آخری قسم کے الفاظ جو جواب یا گالی ہونے کے لائق نہیں ان سے بلا نیت بھی طلاق واقع ہوگی (کیونکہ طلاق مراد ہونے پر خود غضب کی حالت کی دلالت موجود ہے فلا تحتاج الی النیۃ) اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں صرف پہلی قسم کے الفاظ یعنی جو جواب سوال ہو سکتے ہیں اُن سے وقوع طلاق نیت پر موقوف ہے اور آخری دونوں قسموں کے الفاظ جو کہ گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں یا تو گالی اور جواب کسی کا احتمال نہیں رکھتے ان سے بدون نیت ہی طلاق واقع ہو جائے گی (کیونکہ تذکرہ طلاق کی حالت، طلاق مراد ہونے پر دلالت کے لئے کافی ہے)۱۲

تشریح:۔ [1] قولہ ففی الرضا الخ۔ جب الفاظ تین قسم پر ہوئے اور حالتیں بھی تین ہوئیں ۱۔ حالت غضب ۲۔ حالت مذاکرۂ طلاق ۳۔ حالت رضا۔ تو اب ہر ایک کا حکم بتانا چاہتے ہیں کہ رضا کی حالت میں تمام الفاظ نیت پر موقوف ہیں کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ الفاظ غیر طلاق کا احتمال رکھتے ہیں اس لئے معنے طلاق متعین ہونے کے لئے نیت یا دلالت حال کی ضرورت ہے جب دوسرا نہ پایا گیا تو پہلے کا وجود لازمی ہے اور غضب و مذاکرہ میں جن الفاظ کے اندر غیر طلاق کا احتمال برابر باقی رہے ان میں نیت ضروری ہے ورنہ نہیں ۱۲ [2] قولہ ان لا یکون الخ۔ اس سے اشارہ ہے کہ یہاں رضا سے خوشی اور مسرت کی حالت مراد نہیں کیونکہ یہ مطلب لینے سے حالتیں تین پر منحصر نہ رہیں گی بلکہ غیظ و غضب کے علاوہ عام معمول حالت مراد ہے ۱۲

باب التفویض[1]

ولمن[2] قیل لہا طلقی نفسك او امرك بیدك او اختاری بنیۃ الطلاق تطلیقہا فی مجلس علمت[3] بہ وان طال قولہ تطلیقہا مبتدأ ولمن قیل خبرہ ثم فسر المجلس بقولہ[4] مالم تقم او تعمل ما یقطعہ لا بعدہ ای لا یکون لہا الاختیار بعد قیامہا عن المجلس ولا بعد عمل یقطعہ فان المجلس یتبدل باحد الامرین اما بالقیام او بعمل لا یکون من جنس ما مضی وجلوس القائمۃ واتکاء القاعدۃ وقعود المتکئۃ ودعاء الاب للشوری وشہود تشہدہم ووقف دابۃ ھی راکبتہا لا یقطع وفلکہا کبیتہا وسیر دابتہا کسیرہا۔

تفویض طلاق کا بیان

ترجمہ ۱۔ اور جس شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ "تو اپنے آپ کو طلاق دیدے" یا طلاق کی نیت سے یہ کہا "تیرا معاملہ تیرے قبضہ میں ہے" یا کہا "تو اپنے لئے جو چاہے اختیار کر لے" تو زوجہ کو اختیار ہے کہ جس مجلس میں اس کو علم ہوا ہے اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دیدے اگرچہ مجلس طویل ہو۔ ماتن کی اس عبارت میں "تطلیقہا" کا لفظ مبتدا اور "لمن قیل" اس کی خبر مقدم ہے۔ آگے مصنف نے مجلس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "جب تک کہ وہاں سے نہ اٹھی ہو یا دوسرے ایسے کام میں نہ لگی ہو جس سے حکما مجلس بدل جاتی ہے۔ ایسا ہونے کے بعد طلاق نہیں دے سکتی ہے یعنی اسے طلاق کا اختیار نہیں رہے گا اس مجلس سے اٹھ کھڑی ہونے کے بعد اور نہ ایسا کام شروع کرنے کے بعد جو سلسلۂ مجلس کو منقطع کردے کیونکہ عادۃ مجلس بدل جاتی ہے ان دو باتوں میں سے کسی ایک سے (۱) آدمی مجلس سے اٹھ جائے (۲) یا پہلا کام چھوڑ کر دوسری نوعیت کا کام شروع کر دے اور اگر عورت کھڑی تھی (بعد علم کے) پھر بیٹھ گئی۔ یا بیٹھی تھی پھر تکیہ لگالیا۔ یا تکیہ لگائی ہوئی تھی پھر بیٹھ گئی یا اپنے باپ کو مشورہ کے لئے طلب کیا یا گواہوں کو گواہی کے لئے طلب کیا۔ یا جس جانور پر سوار تھی اس کو کھڑا کر دیا، تو ان سب چیزوں سے مجلس نہیں بدلے گی۔ اور کشتی بمنزلہ اس کے گھر کے ہے اور اس کی سواری کے جانور کا چلنا خود اس کے چلنے کے حکم میں ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ التفویض الخ۔ اس کے معنی ہیں سونپنا اور سپرد کرنا، پچھلے باب میں مصنف نے اس طلاق کے احکام کو بیان کیا جو بطور صریح یا کنایہ خاوند خود دینے والا ہو اب اس باب میں طلاق تفویض یعنے زوجہ کو اپنے اوپر طلاق دینے کی مالک بنا دینے کے مسائل بتانا چاہتے ہیں ۱۲

[2] قولہ ولمن قیل لہا الخ۔ من سے مراد زوجہ ہے اس لئے لہا میں مؤنث کی ضمیر ہے یہاں تفویض کے تین جملے لاکر اس طرف اشارہ کردیا کہ تفویض کی تین صورتیں ہوتی ہیں جنہیں صاحب ہدایہ نے مستقل فصلوں میں ذکر کیا ہے۔ ۱۔ تخییر، مثلاً کہا اختاری۔ ۲۔ امر بالید جیسے کہا "امرک بیدک" ۳۔ مشیت، مثلاً کہا، طلقی نفسک اور کبھی تفویض صریح وکنایہ کی طرف بھی منقسم ہوتی ہے۔ چنانچہ تفویض صریح وہ ہے کہ صاف لفظ طلاق یا اس کے قائم مقام لفظ ہو اور غیر طلاق کا احتمال نہ ہو جیسے "طلقی" اسی وجہ سے اس کے ذریعہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے اور اس تفویض میں نیت کی ضرورت نہیں البتہ تین طلاق کی نیت درست ہے اور تفویض کنایہ وہ ہے جس میں غیر طلاق کی تفویض کا بھی احتمال ہو جیسے "اختاری" اور "امرک بیدک" کہ ان میں یہ بھی احتمال ہے کہ طلاق کے علاوہ کسی دوسرے امر کا اختیار دیا ہو اس لئے اس میں نیت کی ضرورت ہوگی ۱۲

[3] قولہ علمت بہ الخ۔ یہ مجلس کی صفت ہے یعنی عورت کو اختیار ہے کہ اس مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے جس میں اسے بالمشافہہ یا بذریعہ خبر یا تحریر اختیار و تفویض کا علم ہوا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کی مجلس علم کا اعتبار ہے، مرد کی مجلس تفویض کا اعتبار نہیں اب تفویض کے بعد اگر مرد کی مجلس بدل جائے تو خیار باطل نہ ہوگا ہاں عورت کی مجلس بدل جائے تو خیار باطل ہو جائے گا اس پر صحابہ کا اجماع ثابت ہے ۱۲

[4] قولہ او تعمل الخ۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تبدل مجلس کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ حقیقی یعنی ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ چلا جانا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

حتی لا يتبدل المجلس بجری الفلك ويتبدل بسير الدابة وفی اختاری لا تصح

نية الثلث بل تبين ان قالت اخترت نفسی او اختار نفسی وشرط ذكر النفس من

احدهما وفی اختاری اختيارة لو قالت اخترت تبين ای ان لم يذكر احدهما النفس

بل قال الزوج اختاری اختيارة تقع ان قالت اخترت ولو كرر اختاری ثلثا فقالت اخترت

اختيارة او اخترت الاولی او الوسطی او الاخيرة يقع ثلث بلا نية وهذا عند ابی حنيفة

لانه اجتمع فی ملكها الطلقات الثلث بلا ترتيب كالمجتمع فی المكان فاذا بطل الاولية

والاسطية والآخرية بقی مطلق الاختيار فصار كما لو قالت اخترت۔

(حواشی بین السطور: تفريع على التقييد ۱۲ عمده — بصيغة المجهول ۱۲ عمده — ای فی جواب قوله اختاری اختيارة ۱۲ عمده — ای واحدة بائنة ۱۲ — اشارة الی وقوع الثلث فی صورة الثانية ۱۲ عمده — ای بتفويضه ۱۲ عمده — ای لفظ بدون ما بعده ۱۲ عمده — ولی مشتمل يقع ثلاث ۱۲ عمده)

ترجمہ ۱- چنانچہ کشتی کے چلنے سے مجلس نہیں بدلے گی اور جانور کے چلنے سے مجلس بدل جائے گی، اگر کسی مرد نے بطور تفویض عورت کو کہا "اختاری" تو اس سے تین طلاق کی نیت کرنا درست نہیں بلکہ ایک طلاق بائن ہوگی اگر عورت نے اس کے جواب میں کہا "اخترتُ نفسی" یا کہا "اختارُ نفسی"، اور (اس لفظ اختیار سے طلاق واقع ہونے کے لئے) شرط یہ ہے کہ زوج یا زوجہ کسی نے اختیار کے ساتھ لفظ نفس ذکر کیا ہو اور اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا "اختاری اختیارۃ" اختیار کرلے تو اختیار کرنا، اور زوجہ نے جواب میں کہا "اختیار کیا میں نے" تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی یعنی اگر زوج اور زوجہ میں سے کسی نے نفس کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ تفویض کے موقع پر زوج نے "اختاری اختیارۃ" کہا اور اس کے جواب میں عورت نے کہا "اخترت" تو طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر زوج نے تین بار کہا "اختاری، اختاری، اختاری"، اور عورت نے جواب میں کہا "اختیار کیا میں نے اختیار کرنا" یا کہا "اختیار کیا میں نے پہلے کو یا درمیانی کو یا اخیر کو تو بغیر نیت ہی کے تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ یہ امام صاحب کا مذہب ہے اس لئے کہ زوج کی تفویض سے عورت کی ملک میں بلا ترتیب تین طلاقیں جمع ہوگئیں جیساکہ ایک مکان میں جمع شدہ اشیاء کے اندر ترتیب نہیں ہوتی اس لئے پہلی اور درمیانی اور اخیر کا ذکر کرنا لغو اور باطل ہوگیا اور مطلق اختیار باقی رہ گیا تو گویا عورت نے صرف "اخترتُ" کہا جس سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اسی طرح مذکورہ جواب سے بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

تشریح:- (بقیہ صفحہ گذشتہ) ۴- عملی یعنی ایسا کام شروع کر دے کہ جس سے اس اختیار سے اعراض ظاہر ہوتا ہے ۱۲

۵ے قولہ لا یقطع الخ کیونکہ ان امور میں اعراض کی علامت نہ ہونے کے باعث مجلس کی تبدیلی نہ حقیقۃً ہے اور نہ حکماً۔ اب اگر وہ کھڑی تھی پھر بیٹھ گئی تو اسے اختیار حاصل ہے کیونکہ یہ قبول کرنے کی علامت ہے کیونکہ بیٹھنے میں رائے کے اندر یکسوئی پیدا ہوتی ہے اسی طرح بیٹھے ہوئے تکیہ بدلنا اعراض کی دلیل نہیں ایسے ہی اپنے باپ کو مشورہ کے لئے یا گواہوں کو گواہی کے لئے بلانا اعراض پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ یہ تو انکار سے بچنے اور بہتر رائے سوچنے کی کوشش ہے اسی طرح سواری کا ٹھہرانا دلیل اعراض نہیں البتہ سواری چلا کر آگے بڑھ جانا اعراض کی علامت ہے جس طرح خود مجلس سے اٹھ جانا ۱۲

۶ے قولہ والفلک الخ۔ فا پر ضمہ ہے یہ دریا میں چلنے والی یا ساحل پر کھڑی کشتی کو کہا جاتا ہے۔ یہ گھر کے حکم میں ہے یعنی اس کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے اختیار باطل نہیں ہوتا اور نہ ہی کشتی کی حرکت کا اعتبار ہے کیونکہ یہ سوار کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے اس کی طرف منسوب نہ ہوگا بخلاف چوپائے کے چلنے کے کہ سوار اس کو ٹھہرا سکتا ہے اور چلا بھی سکتا ہے اور بھاپ کی گاڑی جو خشکی میں چلتی ہے وہ بھی کشتی ہی کے حکم میں ہے جیسے کہ حالت سکون و حرکت میں اس کے اندر نماز جائز ہے اور قبلہ بدل جانے سے نمازی کو قبلہ کی طرف گھوم جانا واجب ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ۱ے قولہ لا تصح نیۃ الثلث الخ۔ صاحب ہدایہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اختیار کی اقسام نہیں ہوتیں اس لئے ایک ہی پر محمول ہوگا اور صاحب ہر نے بتایا ہے کہ اختیار سے طلاق بائن مراد لینا اقتضاءً ثابت ہے اور اقتضاء ضرورت کے ساتھ مقید رہتا ہے اور ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے اس لئے زائد کی نیت معتبر نہیں ۱۲

۲ے قولہ ذکر النفس الخ۔ یا تو اس کے ہم معنے کوئی لفظ ہونا ضروری ہے تو اگر خاوند نے کہا "اختاری"، اور عورت نے جواب میں کہا (باقی صفحہ آئندہ پر)

ولو قالت طلقت نفسی او اخترت نفسی بتطليقة بانت بواحدة[1] وذكر فی الهداية انه تقع واحدة ويملك
اى فى جواب من قال اختاری ١٢ عمده — مجهول او معروف ١٢ عمده

الرجعة وقيل هذا غلط وقع من الكاتب والصواب انه لا يملك الرجعة وقيل فيه روايتان
اى كاتب نسخ الهداية وقد عرفت ان اصل هذا الغلط من بعض نسخ الجامع الصغير ١٢ عمده — اى ترتيب الطلاق بالرجعى ١٢ عمده

احدهما انه تقع واحدة رجعية[2] لان لفظها صريح والاخرى انها بائنة وهذا اصح ولو

قال امرك بيدك فی تطليقة او اختاری تطليقة فاختارت نفسها تقع واحدة رجعية
بقولها اخترت نفسی او طلقت نفسی او اخترت التطليقة ١٢ عمده

ولو قال امرك بيدك ونوى الثلث[3] فقالت اخترت نفسی بواحدة او بمرة واحدة يقعن

ترجمہ:۔ اور اگر عورت نے جواب میں یہ کہا کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دی یا اپنے آپ کو اختیار کیا ایک طلاق کے ساتھ تو ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔ اور ہدایہ میں ہے کہ ایک طلاق واقع ہو گی اور شوہر رجعت کا مالک ہو گا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح یہ ہے کہ رجعت کا مالک نہ ہو گا (لکھنے میں لا یملک الرجعۃ" کا "لا" چھٹ گیا) اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اس لئے کہ عورت نے طلاق کا صریح لفظ استعمال کیا ہے (اور صریح سے طلاق رجعی ہوتی ہے) اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ طلاق بائن واقع ہو گی اور یہی اصح ہے۔ (کیونکہ صریح اور کنایہ ہونے میں مرد کے لفظ کا اعتبار ہے اور مرد نے کنایہ کے لفظ سے تفویض کی ہے) اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے ایک طلاق کے بارے میں" یا کہا "اختیار کر لے ایک طلاق کو" اور اس نے کہا "میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور اگر خاوند نے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور نیت کی تین طلاق کی اور عورت نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک کے ساتھ اختیار کیا یا ایکبار اختیار کیا تو تینوں طلاق پڑ جائیں گی۔

(بقیہ صد گذشتہ)

تشریح: اخترت، تو اس سے کچھ بھی واقع نہ ہو گا کیونکہ ان الفاظ سے طلاق کا واقع ہونا آثار صحابہ وغیرہ سے خلاف قیاس ثابت ہے اس لئے یہ حکم مورد نص کے ساتھ خاص رہے گا اور نص میں لفظ نفس وارد ہے ١٢

[2] قولہ لا نیۃ الخ۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ سابق بیان کے خلاف ہے کہ اس قسم الفاظ میں خاوند کی نیت شرط ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی قرینہ حالیہ یا قالیہ نہ ہو ورنہ یہ قرینہ نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور یہاں تکرار لفظ اختیار طلاق مراد ہونے پر قرینہ ہے ١٢

[3] قولہ کالمجتمع فی المکان الخ۔ یعنی جب کوئی قوم ایک مکان میں جمع ہوتی ہے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ پہلا ہے اور یہ دوسرا ہے ہاں ان کے کسی فعل میں ترتیب ہو سکتی ہے مثلاً یہ پہلا آیا یہ دوسرے نمبر میں آیا تو جس بارے میں ترتیب نہیں اس میں ترتیب کا لفظ استعمال کرنا لغو ہے ١٢

(حاشیہ صد ہذا) [1] قولہ بانت بواحدۃ الخ۔ ایک ہونا تو ظاہر ہے کہ لفظ سے ایک ہی مفہوم ہوتا ہے اور باوجودیکہ کلام کے اندر طلاق کا ذکر صراحۃً یا ضمناً موجود ہے اور الفاظ صریح سے طلاق رجعی ہوتی ہے پھر بھی بائن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ ایسے کلام کے جواب میں واقع ہوا جس میں رجعت پر کوئی دلالت نہیں ہے بلکہ اختیار کامل دیدینے کا تقاضا یہ ہے کہ پھر شوہر کو حق رجعت نہ رہے اس لئے عورت اگر صریح لفظ سے بھی طلاق دے طلاق بائن واقع ہو گی ١٢ کذا فی الجامع الصغیر والکبیر

[2] قولہ تقع واحدۃ رجعیۃ الخ۔ کیونکہ اس صورت میں شوہر نے صریح لفظ طلاق کے ساتھ اختیار دیا ہے اور مرد کے صریح طلاق میں رجعت ہوتی ہے اس لئے جب عورت نے اس طلاق کو اپنے اوپر اختیار کیا تو اس سے طلاق رجعی ہی واقع ہو گی کیونکہ وہ تو صرف وہی واقع کرنے کی مالک بن سکتی ہے جس کی وہ مختار بنائی گئی ١٢

[3] قولہ ونوی الثلث الخ۔ امر بالید میں تین کی نیت درست ہونے اور "اختاری" میں نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ امر عام ہے ہر چیز پر حاوی اور شامل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "والامر یومئذٍ للہ" یعنی جمیع امور اس دن اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے تو امر جبکہ عام اور تمام امور کو شامل ہوا اب اگر اس سے طلاق کی نیت کرے تو گویا اس نے یوں کہا "طلاقک بیدک" اور لفظ طلاق بحیثیت مصدر عموم وخصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے اس لئے تین کی نیت دراصل اس کے مفہوم عمومی کی نیت ہے بخلاف لفظ اختاری کے کہ اس میں عموم کا احتمال نہیں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے عنایہ ١٢

ولو قالت طلقت نفسي بواحدة او اخترت نفسي بتطليقة فواحدة بائنة ولو قال
اي في جواب امرك بيدك. لمنذري ـ الشرح ۱۲ عمده

امرك بيدك اليوم وبعد غد لا يدخل الليل فيه وبطل امر اليوم ان ردّته

وبقي الامر بعد غد وفي امرك بيدك اليوم وغدا دخل الليل ولا يبقى الامر في
اي صورة الثانية ۱۲ عمده

غد ان ردّته في يومها لان الليل يصير تابعًا هنا فيصير المجموع تفويضًا واحدا

فاذا ردته في البعض بطل المجموع بخلاف الفصل الاول لانه يصير تفويضين
اي كلامه ذلك ۱۲ عمده

فاذا ردت احدهما بقي الآخر ولو قال طلقي نفسك ولم ينو او نوى واحدة
وهو تفويض اليوم ۱۲ عمده ـ وهو التفويض في ما بعد الغد ۱۲ عمده

فطلقت نفسها تقع رجعية۔

ترجمہ:۔ اور اگر اس کے جواب میں عورت نے کہا "میں نے اپنے آپ کو طلاق دی ساتھ ایک کے" یا کہا کہ "میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا ساتھ ایک طلاق کے" تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر شوہر نے کہا کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج کے روز اور بعد کل کے" تو اس خیار میں رات داخل نہ ہوگی۔ اور صرف آج کا اختیار باطل ہوگا اگر عورت اس کو رد کر دے اور پرسوں کا اختیار باقی رہے گا۔ اور اگر مرد نے کہا "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل" تو اس خیار میں درمیانی رات داخل ہو جائے گی اور کل کا اختیار باقی نہیں رہے گا اگر آج عورت اس کو رد کر دے۔ کیونکہ اس صورت میں زمانہ متخلل فاصل نہ ہونے کی وجہ سے رات تابع ہو گئی اس لئے آج اور کل مل کر مجموعی طور پر یہ ایک ہی تفویض ہوگی، تو اس کے کسی ایک حصہ میں رد کر دینے سے کامل طور پر رد سمجھا جائے گا بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں زمانہ متخلل فاصل ہونے کی وجہ سے گویا یہ دو تفویضیں ہو گئیں تو جب اس نے ایک کو مسترد کر دیا تو دوسری تفویض باقی رہے گی، اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ "طلاق دے تو اپنے آپ کو" اور کسی عدد کی نیت نہ کی یا ایک طلاق کی نیت کی اور عورت نے اپنے آپ کو طلاق دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ فواحدۃ بائنۃ الخ اگرچہ صریح لفظ سے اپنے آپ کو طلاق دی پھر بھی بائن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایقاع طلاق میں تفویض زوج کا اعتبار ہے اور تفویض بائن کی ہے کیونکہ اس نے عورت کو اپنے اختیار کا پورا مالک بنا دیا ہے رجعت کا مالک نہیں بنایا ہے اور ایک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس جواب میں واحدۃ صفت ہے "طلقۃ" مصدر محذوف کی اور تطلیقۃ میں تاء وحدت کے لئے ہے پس جب کہ ایک طلاق کو اختیار کیا تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی بخلاف "اخترت نفسي بواحدۃ او بمرۃ واحدۃ" کے کہ اس میں "واحدۃ" صفت ہے "اختیارۃ" کی نہ "تطلیقۃ" کی ۱۲ کذا فی الفتح۔
؎۲ قولہ لا یدخل اللیل الخ لیل سے مراد جنس لیل جس میں آج کے ساتھ متصل رات اور کل کے ساتھ متصل رات دونوں شامل ہیں اسی طرح آج اور پرسوں کے درمیان جدا کرنے والا کل کا دن بھی اس میں داخل نہیں یعنی امر بالید سے ان اوقات میں عورت کو خیار نہ ہوگا۔ بلکہ صرف آج کے دن اور پرسوں۔ اب رات یا کل اپنے اوپر خیار استعمال کرنے سے طلاق نہ ہوگی، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک زمانہ کو دوسرے زمانہ پر اس طرح عطف کیا جائے کہ ان کے درمیان میں اس جیسا زمانہ فاصل رہے تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان ہر دو زمانے کے ساتھ الگ الگ طور پر حکم متعلق کرنے کا ارادہ ہے ورنہ درمیان میں زمانہ متخلل چھوڑا جاتا تو اب عورت گویا دو تفویض کی مالک ہو گئی ایک "امرک بیدک الیوم" دوسری "امرک بیدک بعد غد" اور صرف الیوم والے جملہ میں رات شامل نہیں ہوتی اس لئے یہاں بھی شامل نہ ہوگی اور "بعد غد" دوسری تفویض کے حکم میں ہے اس لئے پہلی کو رد کرنے سے دوسری مسترد نہ ہوگی ۱۲
؎۳ قولہ ولو قال طلقی نفسک الخ اوپر مسائل تفویض میں سے نوع تخییر کا بیان تھا یہاں سے دوسری نوع مشیۃ کا بیان شروع کر رہے ہیں مثلاً طلقی نفسک ان شئت یا طلقی نفسک اس آخری جملہ میں اگرچہ مشیت کا ذکر نہیں آیا لیکن نشاء قطعی طور پر مشیت ہی ہے ۱۲

وان طلقت ثلثا ونواه صح وبنية الثنتين لا الا اذا كانت المنكوحة امة لانه واحد اعتباري في حقها لان قوله طلقي معناه افعلي فعل الطلاق فالطلاق مصدر وهو لفظ فرد يحتمل الواحد الاعتباري وهو الثلث فلا يدل على العدد ويقع بأبنتُ نفسي رجعية لانها قالت في جواب طلقي نفسك فليس لها ايقاع البائن بل مطلق الطلاق ففي قولها أبنتُ نفسي بطلت صفة الابانة وبقي مطلق الطلاق وهو رجعي وباخترت نفسي لا يقع لانه ليس من الفاظ الطلاق ولا يصح الرجوع عن طلقي نفسك وتقيد بالمجلس وفي طلقي ضرّتك وطلق امرأتي خلافهما.

(حاشیہ: استثناء من قوله لا ۱۲ عمدہ — ای الاثنتان ۱۲ عمدہ — ماضی متکلم من الابانۃ ۱۲ عمدہ — فلا اعتبار لتطلیقها بعد انقضاء ذلك المجلس ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ اور اگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں اور خاوند نے بھی تین ہی کی نیت کی تھی تو تینوں طلاق پڑ جائیں گی اور دو کی نیت معتبر نہیں مگر جب وہ منکوحہ لونڈی ہو (تو دو طلاق کی نیت معتبر ہے) کیونکہ لونڈی کے حق میں دو طلاق بھی واحد اعتباری ہے اس لئے کہ شوہر کا قول "طلقی" کا مطلب یہ ہے "افعلی فعل الطلاق" اور لفظ طلاق مصدر مفرد ہے جو حقیقی ایک پر دلالت کرتا ہے اور اعتباری ایک کا بھی احتمال رکھتا ہے اور آزاد عورت کے حق میں "تین" مجموعہ کے لحاظ سے واحد اعتباری ہے اور دو چونکہ عدد محض ہے اس پر دلالت نہیں کرتا ہے (اس لئے آزاد کے حق میں اس کی نیت معتبر نہیں) اور اگر عورت نے اس کے جواب میں کہا میں نے اپنے آپ کو بائن طلاق دی" تو بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ یہ جواب ہے مرد کے اس قول کا "طلقی نفسک" تو عورت کو اپنے اوپر بائن واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے بلکہ مطلق طلاق کا اختیار ہے پس عورت کا قول میں نے اپنے آپ کو بائن طلاق دی" کے اندر بائن کی صفت باطل ہو جائے گی اور مطلق طلاق باقی رہے گی جس سے طلاق رجعی ہی پڑتی ہے اور اگر عورت نے (طلقی نفسک کے) جواب میں کہا کہ میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا، تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا کیونکہ یہ طلاق کے الفاظ میں سے نہیں ہے اور جب مرد نے عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے تو اب خاوند کو اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں۔ اور عورت کا یہ اختیار بھی مجلس کے ساتھ مقید رہے گا۔ اور اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اپنی سوکن کو طلاق دے یا کسی دوسرے مرد سے کہا کہ میری عورت کو طلاق دے تو دونوں حکم اس کے برعکس ہوں گے۔

تشریح، ۱؎ قوله ويقع بابنت الخ. یعنی شوہر کا قول "طلقی نفسک" کے جواب میں اگر عورت نے کہا "ابنتُ نفسی" تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ "ابانۃ" بھی الفاظ طلاق میں سے ہے چنانچہ اگر مرد نے کہا "ابنتک" اور طلاق کی نیت کی یا عورت نے کہا "اَبنتُ نفسی" اور شوہر نے کہا میں اس کو نافذ کرتا ہوں تو عورت پر طلاق بائن پڑ جائے گی تو اصل تفویض کے اعتبار سے عورت کا جواب مرد کے قول کے مطابق ہوگا البتہ زائد چیز یعنی صفت بینونت لغو ہو جائے گی کیونکہ تفویض میں یہ بات موجود نہیں، جس طرح کہ طلقی نفسک" کے جواب میں اگر عورت نے کہا طلقت نفسی طلقۃ بائنۃ" تو ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور تفویض سے زائد وصف لغو ہو جاتا ہے بخلاف لفظ اختیار کے کہ وہ سرے سے الفاظ طلاق ہی میں سے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مرد اپنی عورت سے کہے "اخترتک" یا اختاری" یا عورت کہے "اخترت نفسی" اور شوہر کہے میں اس کو نافذ کرتا ہوں، اور طلاق کی نیت کرے تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ صرف اس صورت میں کہ شوہر تفویض کرے "اختاری" کہکر اور عورت کہے "اخترت نفسی" تو طلاق واقع ہو جانے پر اجماع پایا جاتا ہے مگر طلقی نفسک کے جواب میں اخترت نفسی" کہنے سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا ۱۲

۲؎ قوله ولا یصح الرجوع الخ. یہ دونوں حکم لفظ مشیت یعنی "طلقی نفسک" کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جمیع انواع تفویض یعنی امر بالید اور تخییر وغیرہ کو عام ہیں، فتح القدیر وغیرہ میں زوج کا رجوع صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ تفویض باعتبار معنی کے دراصل تعلیق ہے کیونکہ طلقی نفسک جیسے قول میں عورت کے طلاق دینے کے ساتھ وقوع طلاق کی تعلیق پائی جاتی ہے اور تعلیق بالشرط ایسا لازمی عقد ہے جس سے رجوع درست نہیں جیسے کہ مرد کہے "ان دخلت الدار فانت طالق"، نیز تفویض میں تملیک پائی جاتی ہے کہ خاوند اس کے ذریعہ عورت کو طلاق کا مالک بناتا ہے اور جو تملیک پورے ہونے میں دوسرے کے قبول پر موقوف نہ ہو وہ لازمی ہوتی ہے کہ رجوع کا حق نہیں ہوتا اور تفویض میں معنی تملیک موجود ہونے کی وجہ سے دوسری تملیکات کی طرح مجلس کے ساتھ مقید ہے ۱۲

ای یصح عنه الرجوع ولا یتقید بالمجلس لان طلقی نفسك لیس بتوکیل بل هو یمین لانه تعلیق الطلاق بتطلیقها والیمین تصرف لازم فلا یقبل الرجوع ثم هو تملیك لانها تعمل لنفسها فیتقید بالمجلس واما طلقی ضرتك وطلق امرأتی فتوکیل فیقبل الرجوع ولا یتقید بالمجلس وفی طلقی نفسك متی شئت لا یتقید به ای بالمجلس وفی طلقها ان شئت یتقید ولا یرجع ای لو قال لاحد طلق امرأتی ان شئت یتقید بالمجلس لانه علقه بمشیئته فصار تملیکا لا توکیلا فیتقید بالمجلس ولا یرجع عنه کما فی طلقی نفسك ولو قال لها طلقی نفسك ثلثا فطلقت واحدة فواحدة ولا یقع شیٔ فی عکسه۔

ترجمہ:- یعنی خاوند اپنے قول سے رجوع کر سکتا ہے اور اختیار بھی مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں جبکہ خاوند نے اپنی عورت سے کہا "تو اپنے آپ کو طلاق دے" اس سے عورت کو وکیل طلاق بنانا منشاء نہیں ہے بلکہ یہ کلام بمنزلہ یمین اور قسم کے ہے۔ اس لئے کہ اس میں درحقیقت عورت کے طلاق دینے کی شرط پر طلاق کا معلق کرنا پایا جاتا ہے (اور تعلیق بالشرط فقہاء کے نزدیک بمنزلہ یمین ہے) اور یمین کا تصرف لازمی ہوا کرتا ہے جس میں رجوع کی گنجائش نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس کلام میں عورت کو طلاق کے مالک بنانے کا مفہوم پایا جاتا ہے کیونکہ عورت اس اختیار کو پاکر اسے خود اپنے لئے استعمال کرتی ہے (اور اپنے لئے استعمال کرنے کے حق پانے ہی کا نام ہے مالک ہونا) اس لئے یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید رہے گا لیکن جبکہ شوہر نے عورت سے کہا کہ "تو اپنی سوکن کو طلاق دے"، یا کسی دوسرے کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے تو یہ سراسر وکیل بنانا ہے اس لئے اس سے رجوع بھی کر سکتا ہے اور یہ تصرف مجلس کے ساتھ مقید بھی نہیں رہے گا۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ جب چاہے تو اپنے آپ کو طلاق دے تو یہ تفویض مجلس کے ساتھ مقید نہیں رہے گی اور اگر کہا کہ تو اگر چاہے تو اسکو طلاق دے، تو یہ بات مجلس کے ساتھ مقید ہوگی اور زوج اس سے رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ یعنی اگر شوہر نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے تو یہ فرائش مجلس کے ساتھ محدود رہے گی کیونکہ زوج نے طلاق کو اس شخص کے چاہنے پر معلق کیا تو گویا اسکو طلاق کا محض وکیل نہیں بلکہ مالک بھی بنا دیا ہیں "طلقی نفسک" کی طرح اس صورت میں بھی اختیار مجلس سے مقید رہے گا اور زوج رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ "تو اپنے آپ کو تین طلاق دیدے" اس پر عورت نے اپنے اوپر ایک طلاق دی تو ایک واقع ہو جائے گی اور اگر اس کے برعکس ہو تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔

تشریح:- ؎۱ قولہ لان طلقی نفسک الخ۔ یہ دونوں مسئلوں کی علت اور وجہ فرق کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "طلقی نفسک" وغیرہ الفاظ توکیل نہیں ہیں کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو دوسرے کے لئے کام کرتا ہے اور جو اپنے لئے کام کرے وہ وکیل نہیں ہوتا بلکہ یہ تعلیق و تملیک کی صورت ہے "بخلاف طلقی ضرتک" یا "طلق امرأتی" کے کہ ان کے ذریعہ غیر وکیل پر طلاق واقع کرنے کے لئے وکیل بنا رہا ہے اور وکالت مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی نیز اس سے رجوع کرنا بھی صحیح ہے۔

؎۲ قولہ والیمین الخ۔ شرح تلخیص جامع کبیر میں ہے کہ طلاق کی تعلیق و تفویض شرعاً و عرفاً بمنزلہ یمین ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے طلاق کی قسم کھائی وہ ملعون ہے اور عرف میں کہا کرتے ہیں فلاں آدمی نے طلاق کی قسم کھائی جیسے کہتے ہیں "فلاں نے اللہ کی قسم کھائی"، اور تعلیق کو یمین قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ لغۃً یمین کے معنے قوت کے ہیں اور تعلیق سے کسی فعل کے وجود یا عدم کی تقویت مراد ہوتی ہے نیز یمین بالطلاق میں یمین کا تعلق جنیاء کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ یمین باللہ میں مقسم بہ اللہ کے نام کے ساتھ یمین کا تعلق ہے کیونکہ مقسم بہ اسی کو قرار دیا جاتا ہے جس کی عظمت کی رعایت کرتے ہوئے قسم پوری کرنے کی تاکید ہو جائے اور یہاں بھی طلاق یا عتاق کو یمین کا جزاء قرار دینے کا منشاء یہ ہے کہ اس بات پر قائم رہنے کی تاکید ہو جائے جس سے نکاح اور مال کی حرمت برقرار رہے ۱۲

ای لو قال لہا طلقی نفسك واحدۃ فطلقت ثلثا لا یقع شئ عند ابی حنیفۃ لانہ فوض الیہا ایقاع الواحدۃ قصدا الا فی ضمن الثلث وعندہما تقع واحدۃ ولو امرت بالبائن او الرجعی فعکست وقع ما امر بہ[1] ولا یقع شئ فی طلقی نفسك ثلثا ان شئت لو طلقت واحدۃ وعکسہ ای لو قال لہا طلقی نفسك واحدۃ ان شئت فطلقت ثلثا لا یقع شئ ففی الاول لا یقع شئ لان المراد ان شئت الثلث ولم[2] توجد مشیئۃ الثلث۔

ترجمہ:۔ یعنی اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو ایک طلاق دے" اور اس نے اپنے آپ کو تین طلاق دیدی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا کیونکہ شوہر نے مستقل طور پر ایک طلاق واقع کرنے کا اسے اختیار دیا ہے تین کے ضمن میں ایک کا اختیار نہیں ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر مرد نے عورت سے کہا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن (یا کہا کہ ایک طلاق رجعی) دے اور عورت نے اس کے برعکس کیا (کہ بائن کی صورت میں رجعی دی اور رجعی کی صورت میں بائن دیدی) تو مرد نے جس کا حکم دیا تھا وہی واقع ہوگا اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ "اگر تو چاہے تو اپنے آپ کو تین طلاق دے" اور اس نے ایک طلاق دیدی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا اسی طرح اس کے برعکس کا حکم ہے یعنی اگر کہا کہ تو اگر چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق دے، اور اس نے تین طلاق دیدی تو بھی کچھ واقع نہ ہوگا پہلی صورت میں ایک بھی واقع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس تفویض کا منشاء یہ ہے کہ اگر تو تین طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے اور (اپنے کو ایک طلاق دینے سے) تین کا چاہنا نہیں پایا گیا (تو شرط کے خلاف طلاق واقع نہ ہوگی)

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) سلہ قولہ لا تتقید بہ الخ یعنی اگرچہ تفویض کے الفاظ معنی تملیک پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خیار تفویض مقید بالمجلس ہوتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ صراحۃً ایسا لفظ مذکور ہو جو عموم وقت پر دلالت کرے مثلاً اذا، اذا ما، متی ما، کلما، حیثما، ای وقت وغیرہ میں سے کوئی لفظ ہو تو پھر اختیار بھی مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا، اسی طرح وکالت بھی اگرچہ مجلس کے ساتھ تو مقید نہیں ہوتی لیکن اگر اس کے ساتھ ایسا لفظ ہو جو مجلس سے مقید رہنے پر دلالت کرے مثلاً بشرط مشیت وکیل بنائے تو پھر یہ بھی مجلس کے ساتھ مقید ہو جائے گی ۱۲

سلہ قولہ واحدۃ الخ یہی حکم ہے جبکہ اپنے آپ کو دو طلاق دے یعنی دو طلاق واقع ہوں گی اسی طرح اگر شوہر کہے کہ "تو اپنے آپ کو دو طلاق دیدے" اور عورت نے ایک طلاق دی تو ایک واقع ہوگی غرض مرد اگر تفویض کو کسی عدد کے ساتھ خاص کرے اور عورت اس سے کم دیوے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اکثر اقل پر مشتمل ہوتا ہے تو تین کے مالک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو اختیار ہے کہ اپنے اوپر جیسا چاہے ایک یا دو یا تین طلاق واقع کرے لیکن اگر ایک کا مالک بنائے تو زیادہ دینے سے خلاف تفویض ہونے کی بنا پر کوئی طلاق نہ ہوگی ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ وقع ما امر بہ الخ یعنی زوج نے جو حکم دیا تھا مثلاً اس نے کہا تھا ایک رجعی طلاق اور عورت نے کہا ایک بائن طلاق تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ عورت نے اصل کے ساتھ وصف زائد کو اختیار کیا ہے تو اصل کا اعتبار ہوگا اور زائد کا اضافہ لغو ہو جائے گا اسی طرح جبکہ شوہر نے طلاق بائن کہا اور عورت نے طلاق رجعی کہا تو طلاق بائن ہی واقع ہوگی اور عورت کا لفظ رجعی لغو ہو جائے گا کیونکہ شوہر نے بوقت تفویض مفوضہ طلاق کی صفت خود معین کر دی ہے اب عورت کا کام صرف اتنا ہے کہ اصل تفویض شدہ طلاق اختیار کرے گی یا نہ کرے گی اس کا فیصلہ کرے اپنی جانب سے وصف معین کرنے کا کوئی اسے حق نہیں ہے پس اختیار کرنے سے اس کے مطابق طلاق واقع ہوگی اور وصف کا ذکر لغو شمار ہوگا ۱۲

سلہ قولہ ولم توجد الخ عنایہ میں ہے کہ شرط کے لئے جزاء کا ہونا لازمی ہے اب چاہے مقدم جملہ کو جزاء مانا جائے یا اس کے ہم معنی جملہ کو اخیر میں مقدر مانا جائے دونوں صورتوں میں تین کی مشیت کی شرط کے ساتھ طلاق معلق ہوگی تو ایک طلاق چاہنے سے تین کی مشیت کی شرط نہیں پائی گئی واذا فات الشرط فات المشروط ۱۲

وفی الثانیۃ لا یقع شیٔ عند ابی حنیفۃؒ لان المراد طلقی نفسک واحدۃ قصدیۃ

ان شئت ولم توجد مشیئۃ الواحدۃ قصدًا وعندھما تقع واحدۃ[۱] ولا فی انت طالق

(بمشیئۃ الواحدۃ ضمنا ۱۲ عمدہ)

ان شئتِ فقالت شئتُ ان شئتَ فقال شئتُ لانہ علق الطلاق بمشیئتھا الموجودۃ

(بکسر التاء خطابا ایاہا ۱۲ عمدہ)　(ای الزوج ۱۲ عمدہ)

فی الحال ولم یوجد ذٰلک لانھا علقت وجود مشیئتھا بوجود مشیئتہ ولا علم لھا بوجود

(ای مشیئۃ المرأۃ الآلیۃ ۱۲ عمدہ)

مشیئتہ وذٰلک لان قولہ انت طالق إنشاءٌ فھو ایقاعٌ فی الحال لکن بشرط مشیئتھا

(حیث قالت شئت ان شئت ۱۲ عمدہ)　(بکسر الہمزۃ منہ الجزء ۱۲ عمدہ)

فمشیئتھا لابد من وجودھا فی الحال ولم یوجد ذٰلک وان نوی الطلاق ای ان نوی

الطلاق بقولہ شئتُ قال[۲] فی الھدایۃ لانہ لیس فی کلام المرأۃ ذکر الطلاق لیصیر

(التی علق علیہا الطلاق ۱۲ عمدہ)

الزوج شائیا طلاقھا والنیۃ لا تعمل فی غیر المذکور حتٰی لو قال شئت طلاقک یقع اذا نوی[۳]

ترجمہ: اور دوسری صورت میں طلاق واقع نہ ہونا امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کیونکہ شوہر کی مراد تو یہ تھی کہ تو اگر مستقل طور پر ایک طلاق لینا چاہتی ہے تو لے سکتی ہے اور (تین طلاق دینے سے) مستقل طور پر ایک طلاق چاہنے کا قصد نہیں پایا گیا، البتہ صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے اگر تو چاہے اور عورت نے جواب میں کہا "میں نے چاہا اگر تو چاہے اور پھر مرد نے کہا "میں نے چاہا" تو کچھ واقع نہ ہوگا، اس واسطے کہ مرد نے عورت کی اس مشیت پر طلاق کو معلق کیا تھا جو فی الحال موجود ہو اور ایسی مشیت نہیں پائی گئی کیونکہ عورت نے اپنی مشیت کو زوج کی مشیت پر معلق کر دیا اور اس کی مشیت کا حال عورت کو معلوم نہیں (تو گویا اس نے شوہر کی جانب سے حاصل ہونے والی مشیت کو ٹھکرا یا) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "انت طالق" انشاء طلاق کے لئے موضوع ہے جو فی الحال وقوع طلاق کا تقاضا کرتا ہے لیکن جبکہ شوہر نے عورت کی مشیت پر اس کو معلق کر دیا تو اب اس کی مشیت فی الحال پائی جانی ضروری ہے مگر یہ بات نہیں پائی گئی۔ اگرچہ طلاق کی نیت کرے۔ یعنی عورت کے جواب میں شوہر نے اپنے قول "میں نے چاہا" سے اگر طلاق کی نیت بھی کی تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی، ہدایہ میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ عورت کے کلام میں طلاق کا ذکر ہی نہیں ہے تاکہ شوہر عورت کی طلاق کا چاہنے والا ہو سکے اور کلام میں جو بات بالکل مذکور نہ ہو اس کے بارے میں نیت بھی کارگر نہیں ہوتی، ہاں عورت کے جواب میں اگر مرد نے کہا کہ "میں نے تیری طلاق چاہا" اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی۔

تشریح: [۱] قولہ تقع واحدۃ الخ. صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ خاوند نے اسے ایک کا مالک بنایا اور اس کی مشیت پر اسے معلق کر دیا اب جبکہ عورت نے اپنے آپ کو تین طلاق دی تو تین کی مشیت کے ضمن میں ایک کی مشیت لامحالہ پائی جاتی ہے مع شیٔ زائد تو زائد کی مشیت لغو ہوگی اور ایک طلاق باقی رہ جائے گی امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر نے تو اس کو مستقل و منفرد ایک طلاق کی تفویض کی ہے ضمنی طور پر ایک طلاق کا اختیار نہیں دیا ہے اس لئے ضمنی طور پر ایک طلاق کی مشیت لغو شمار ہوگی اور کچھ بھی واقع نہ ہوگا البتہ یہ اختلاف تب ہے جبکہ عورت نے تین طلاقیں ایک ہی کلمہ کے ساتھ دی ہوں لیکن اگر طلق نفسک واحدۃ ان شئت کے جواب میں عورت نے کہا طلقت نفسی واحدۃ و واحدۃ و واحدۃ تو اس صورت میں بالاتفاق ایک طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہاں ایسا عدد ذکر نہیں کیا کہ ایک ضمنی ہو جائے بلکہ بالقصد مستقل و منفرد ایک کی مشیت موجود ہے۔ دوسرے اور تیسرے واحدۃ کا لفظ زائد ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گا ۱۲

[۲] قولہ قال فی الہدایہ الخ. یعنی مرد کا قول "شئت" سے نیت کرنے کے باوجود طلاق واقع نہ ہونے کی علت بتائی جس کا حاصل یہ ہے کہ "شئت" طلاق صریح کا لفظ نہیں اور کلام میں طلاق کا لفظ نہ مذکور ہے اور نہ ہی محذوف ہے کیونکہ شئتُ کا لفظ عورت کا قول "شئتُ ان شئتَ" کے جواب میں ہے اور عورت کے اس جملہ میں طلاق کا کوئی مفہوم نہیں ہے تو مرد کے جواب میں بھی طلاق مفہوم نہیں ہوگا اور نیت تو کارگر ہوتی ہے حکما یا حقیقۃً جو بات مذکور ہو صرف اس کے دو احتمالوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے لئے، اور جس بات کا بالکل ذکر ہی نہیں اس کے بارے میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں کیا

لانه ایقاع مبتدأ لان المشیئة تنبئ عن الوجود قول اذا قال الزوج انت طالق ان شئتِ فمعناه ان شئتِ طلاقك فقالت شئتُ ان شئتَ ای شئتُ طلاقی ان شئتَ طلاقی فقال الزوج شئتُ ای شئتُ طلاقك فلما کان الطلاق مقدرا تعمل النیة فیه فیمکن ان یجاب عنه بان المقدر الطلاق الذی هو مفعول المشیة واذا قال الزوج شئتُ تُقدّر له مفعول وهو الطلاق فهذا هو الطلاق الذی جعل مفعولا للمشیئة لا الطلاق الذی جعل جزاء للمشیئة وتقدیر ذلك الطلاق لا یوجب الوقوع لانه علق الطلاق بمشیتها الطلاق مشیئة موجودة ولم توجد تلك المشیئة بل علقت المرأة وجودها بوجود مشیته وهو غیر معلوم لها۔

ترجمہ:۔ کیونکہ یہ از سرِ نو طلاق واقع کرنے کے حکم میں ہے اس لئے کہ کسی چیز کی مشیت سے اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے (تو گویا اس نے طلاق کو موجود کیا یعنی واقع کیا شارح فرماتے ہیں کہ ہدایہ کی اس توجیہ پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب شوہر نے کہا "تجھ کو طلاق ہے اگر تو چاہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طلاق کو چاہے، اب اس کے جواب میں عورت کا قول "میں نے چاہا اگر تو نے چاہا" اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنی طلاق کو چاہا، اگر تو میری طلاق کو چاہے اب جبکہ مرد نے کہا میں نے چاہا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے تیری طلاق کو چاہا (پس طلاق اگرچہ لفظوں میں مذکور نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے مقدر ضرور ہے والمحذوف کالمذکور) تو جبکہ طلاق کا لفظ تقدیراً کلام میں موجود ہے تو اس کے متعلق نیت بھی کارگر ہوگی اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مرد اور عورت کے پہلے کلام میں جو طلاق مقدر مانی گئی وہ فعل مشیت کا مفعول ہے پھر جب دوبارہ شوہر نے "شئتُ" کہا تو اس کے لئے بھی مفعول یعنی طلاق کا لفظ مقدر ہوگا تو یہ وہ طلاق ہے جو فعل مشیت کی مفعول بنائی گئی ہے اور وہ طلاق نہیں ہے جو کہ مشیت کی جزاء ہے اور اس طلاق کا مقدر ہونا وقوعِ طلاق کا موجب نہیں ہے اس لئے کہ مرد نے طلاق کو عورت کی ایسی مشیت پر معلق کیا ہے جو بالفعل موجود ہو اور ایسی مشیت بالفعل عورت سے نہیں پائی گئی بلکہ عورت نے اپنی مشیت کے وجود کو مرد کی مشیت کے وجود پر معلق کر دیا اور مرد کی مشیت کا ہونا نہ ہونا اس کو معلوم نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) سلہ قولہ اذا نوی الخ۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب مرد نے کہا "شئتُ طلاقک" تو اس نے صریح طور پر طلاق کا لفظ استعمال کیا اس لئے نیت کی ضرورت نہ ہونی چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "شئتُ طلاقک" سے کبھی صرف بطور ملک وجودِ طلاق کا ارادہ ہو سکتا ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ طلاق واقع کرنا مراد ہو پس واقع کرنے کی جانب کو متعین کرنے کے لئے نیت کی ضرورت ہوتی ۱۲ کذا فی العنایہ۔

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ اقول الخ یہ اعتراض ہے صاحب ہدایہ کی اس بات پر کہ فقط "شئتُ" کے قول میں طلاق کی نیت کرنے سے بھی طلاق نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں طلاق کا لفظ مذکور نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں اگرچہ لفظاً طلاق مذکور نہیں لیکن حکماً اور تقدیراً مذکور ہے اس لئے نیت کارگر ہونی چاہیئے ۱۲

سلہ قولہ فیمکن الخ۔ حاصل جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شئتُ میں طلاق مقدر ہے لیکن یہ وہ طلاق نہیں ہے جس کو مشیت کی جزا قرار دی گئی ہے یعنی وہ طلاق جو کہ مشیت کی جزاء ہے وہ مرد کے اس قول "انت طالق ان شئتِ" میں مذکور ہے کیونکہ اصل میں تقدیر عبارت یوں ہے "ان شئتِ فانت طالق" اب طلاق مشیت کی جزاء بن گئی پھر اگر عورت جواب میں یہ کہے کہ "شئتُ طلاقی" تو یہ بھی مشیت کی جزاء ہوگی، اور فی الحال مشیت پائی جانے کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ بخلاف اس طلاق کے جو کہ عورت کے قول "شئتُ ان شئتَ" اور مرد کے قول "شئتُ" میں مقدر ہے کہ اس میں طلاق مشیت کا مفعول ہے جزاء نہیں ہے۔ ۱۲ نتائج۔

أمّا اذا قال شئت الطلاق ونوی یقع لان هٰذا انشاء مبتدأ وانما[1] احتاج الی النیة لانه یمکن ان یراد بالطلاق ما هو مفعول المشیة فان نوی هٰذا لا یقع وان نوی طلاقاً ابتدائیاً یقع فلا بد من النیة وکذا[2] کل تعلیق بمعدوم ویقع لو علقت بموجود کما لو قالت شئت ان کانت السماء فوق الارض وفی انت طالق اذا شئت او اذا ما شئت او متی شئت او متی ما شئت لا یرتد الامر برده لانه ملکها الطلاق فی الوقت الذی شاءت فلم یمکن تملیکاً قبل المشیة حتی یرتد بالرد وتطلق متی شاءت واحدة[3] لا غیر۔

ای الزوج — ای بهذه ایقاع الطلاق ۱۲ عمده — ای لا تعلق بما سبق ۱۲ عمده — فی قوله شئت الطلاق ۱۲ عمده — لتبیین الاحتمال ۱۲ عمده — ای فی جواب انت طالق ان شئت ۱۲ عمده — فان الرد انما یعتبر به اذا کان بعد التملیک لا قبله ۱۲ عمده

ترجمہ:۔ لیکن عورت کے قول کے جواب میں اگر شوہر کہے ،، شئت الطلاق،، اور طلاق واقع کرنے کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ قول نئے طور پر ایقاع طلاق پر محمول ہوگا اور (شوہر کے قول میں صریح طور پر طلاق کا ذکر ہونے کے باوجود) نیت اس لئے ضروری ہے کہ ،، شئت الطلاق ،، میں ممکن ہے کہ شوہر نے اس طلاق کا ارادہ کیا ہو جو کہ مشیت کا مفعول ہے (تو معنی یہ ہوں گے کہ میں نے بھی طلاق کا ارادہ کیا اور ارادہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی) پس اگر اس معنی کی نیت کی تو طلاق نہیں ہوگی اور اگر از سر نو طلاق واقع کرنے کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی اب (کیا مراد لی ہے یہ متعین کرنے کے لئے) نیت کی ضرورت ہے۔ اور اسی طرح طلاق واقع نہ ہوگی اگر عورت اپنی مشیت کو کسی امر معدوم پر معلق کرے اور اگر شئ موجود کے ساتھ معلق کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً شوہر کی تفویض کے جواب میں عورت یوں کہے ،، چاہا میں نے اگر آسمان زمین کے اوپر ہو،، اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے جس وقت یا جب کبھی تو چاہے ،، تو اس صورت میں زوجہ کے رد کرنے سے بھی خیار رد نہ ہوگا اس لئے کہ خاوند نے اس کو طلاق کا مالک بنایا ہے ایسے وقت میں کہ وہ طلاق کو چاہے پس یہ تملیک قبل مشیت کے نہ ہوگی کہ اس کے رد کرنے سے رد ہو جائے تو جس وقت عورت چاہے گی فقط ایک طلاق پڑ جائے گی اس سے زیادہ نہیں پڑے گی۔

تشریح: [1] قولہ وانما احتاج الخ۔ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ جب شئت الطلاق کا جملہ نئے طور پر انشاء طلاق کے لئے ہو تو نیت ضروری نہ ہونی چاہیئے کیونکہ یہاں طلاق کا صریح لفظ ہے اور صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ فقہاء نے اس میں نیت کو ضروری قرار دیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں طلاق سے اس طلاق کا احتمال ہے جو کہ مشیئت کا مفعول ہے اور نئے طور پر طلاق مراد ہونے کا بھی احتمال ہے اب دونوں احتمال میں سے انشاء طلاق کا احتمال متعین ہونے کے لئے نیت ضروری ہے ۱۲

[2] قولہ وکذا کل الخ۔ یعنی جبکہ خاوند نے کہا انت طالق ان شئت اور اس کے جواب میں عورت نے اپنی مشیت کو کسی امر معدوم کے ساتھ معلق کر دیا تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ مرد نے طلاق کو عورت کی فوری مشیت کے ساتھ معلق کیا ہے اور یہ بات نہیں پائی گئی اور معدوم کو مطلق رکھنے میں اس کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ معدوم چاہے ممکن ہو یا محال اور نفس الامر کے اعتبار سے معدوم ہو یا محض اپنے علم کے اعتبار سے معدوم سب کو شامل ہے بخلاف اس صورت کے کہ جبکہ اپنی مشیت کو کسی موجود حال یا ماضی کے ساتھ معلق کرے مثلاً کہے ،، شئت ان کانت السماء فوقنا۔ یا کسی گذشتہ واقعہ کو شرط قرار دے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ جو بات ہو چکی ہے اس کے ساتھ معلق کرنے کے معنی یہ ہیں کہ فی الحال مشیت پائی گئی ۱۲

[3] قولہ واحدۃ لا غیر الخ یعنی ان صورتوں میں طلاق مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگی بلکہ جس وقت عورت چاہے گی اسی وقت طلاق واقع ہوگی لیکن ایک ہی طلاق پڑے گی ایک سے زائد طلاقیں نہ پڑیں گی کیونکہ یہ الفاظ عموم زمان کے لئے موضوع ہیں عموم افعال پر دلالت نہیں کرتے اس لئے عورت جس زمانہ میں چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مالک ہوگی لیکن ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دینے کی مالک نہ ہوگی بخلاف ،، کلما شئت ،، کے کیونکہ کلما کا لفظ تکرار فعل پر بھی دلالت کرتا ہے جس طرح کہ عموم زمان پر دلالت کرتا ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

وفی کلما شئت لہا ایقاع واحدۃٍ ثم وثم لان کلمۃ کلما تعم الافعال کما تعم الازمان لا الثلث جمیعًا ولا التطلیق بعد زوجٍ اٰخر فقولہ ولا التطلیق بالرفع عطف علی الایقاع المضاف بالثلث تقدیرہ لیس لہا ایقاع الثلث جمیعًا ولا التطلیق وفی حیث شئتِ واین شئتِ بتقیید بالمجلس وفی کیف شئتِ تقع رجعیۃ وان لم تشأ فان شاءت کالزوج بائنۃً او ثلثًا وقع وان نوت ثلثًا والزوج واحدۃً بائنۃً او بالقلب فرجعیۃ وان لم ینو شیئًا فما شاءت ھٰذا قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وحاصلہ ان الکیفیۃ مفوضۃ الیہا لا اصل الطلاق فتقع رجعیۃ ان لم تشأ المرأۃ اما ان شاءت فان وافق مشیتہ مشیتہا فی البائن او الثلث وقع ما اتفقا علیہ وان خالفتہا تقع رجعیۃ۔

ترجمہ:۔ اور اگر زوج نے زوجہ سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے جب جب کہ تو چاہے، اس صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ اپنے اوپر ایک طلاق دیوے پھر ایک طلاق پھر اور ایک طلاق اس لئے کہ کلما کا لفظ جس طرح عموم زمانے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح عموم افعال پر دلالت کرتا ہے اور یہ جائز نہیں کہ ایکبار تینوں طلاق دیدے اسی طرح دوسرے خاوند سے نکاح جب بیٹھنے کے بعد اگر پہلے خاوند کے پاس لوٹ آئی تو اب اسے اختیار نہیں کہ اپنے اوپر طلاق دے۔ مصنفؒ کا قول ”ولا التطلیق“ مرفوع ہے اس کا عطف ہے ”ایقاع محذوف“ پر جو کہ مضاف ہے ”ثلث“ کی طرف تو تقدیر عبارت یوں ہوگی ”لیس لہا ایقاع الثلث جمیعا ولا التطلیق الخ۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ ”تجھ کو طلاق ہے جس جگہ تو چاہے یا جہاں تو چاہے تو یہ خیار مجلس کے ساتھ مقید رہے گا اور اگر شوہر نے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے جس طور کا تو چاہے تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی اگرچہ عورت نے نہ چاہا ہو اور اگر عورت نے ایک طلاق بائن یا تین طلاق چاہا اور زوج نے بھی یہی چاہا تو عورت نے جو چاہا اس کے موافق طلاق پڑ جائے گی اور اگر عورت نے نیت کی تین کی اور خاوند نے نیت کی ایک طلاق بائن کی یا اس کے برعکس ہوا (کہ خاوند نے نیت کی تین کی اور عورت نے ایک طلاق بائن کی) تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی اور اگر خاوند نے کچھ نیت نہیں کی تو جو عورت چاہے گی اس کے موافق طلاق واقع ہوگی۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اس صورت میں کیفیت طلاق عورت کی رائے پر مفوض ہے (جیسی طلاق چاہے ویسی دیوے) اصل طلاق مفوض نہیں (بلکہ یہ تو شوہر نے واقع کر دیا ہے) اس لئے اگر عورت کوئی کیفیت نہ بھی چاہے تب بھی ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی لیکن اگر عورت نے کسی کیفیت کو چاہا ہو تو اگر شوہر کا چاہنا عورت کے چاہنے کے موافق ہو طلاق بائن یا تین طلاق کے ارادہ کرنے میں تو جس میں دونوں کا اتفاق ہے وہی واقع ہوگی اور اگر زوج کی نیت عورت کی نیت سے مختلف ہو تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) اس لئے عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنے اوپر یکے بعد دیگرے طلاق دے، اگر آزاد ہو تو تین طلاق دے سکتی ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ؎۱ قولہ لا الثلث الخ۔ کیونکہ کلما کا لفظ اکٹھا طور پر متعدد چیزوں کے شامل ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ علیحدہ طور پر بہت سے افراد کی شمولیت پر دلالت کرتا ہے اس لئے اجتماعاً تین طلاق نہیں دے سکتی ہاں مختلف زمانوں میں الگ الگ تین طلاقیں دے سکتی ہے ۱۲

؎۲ قولہ ولا التطلیق الخ۔ یعنی جب خاوند کہے ”انت طالق کلما شئت“، اور عورت اپنے آپ کو طلاق دے کر دوسرے مرد سے نکاح کر لے پھر اس سے طلاق یا موت کے بعد عدت گذار کر زوج اول سے نکاح جب بیٹھے تو اب اسے حق حاصل نہیں کہ وہ سابقہ کلمہ کی بنا پر اپنے آپ کو طلاق دے کیونکہ تعلیق تو موجودہ ملک کے ساتھ قائم رہتی ہے اور اس کا عموم ملک قائم سے آگے تجاوز نہیں کرتی اور دوسرے خاوند کے بعد زوج اول کو جو ملک حاصل ہوئی ہے وہ ایک نئی ملک ہے پہلی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۱۲

؎۳ قولہ بتقیید بالمجلس الخ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حیث اور این ظرف مکان جگہ کے لئے ہیں اور طلاق کو جگہ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں اس لئے ”انت طالق

(باقی صہ آئندہ پر)

لانہ لابد من اعتبار مشیتہا لان الزوج فوض الیہا ولابد ایضا من اعتبار مشیتہ لان مشیتہا مستفادۃ من الزوج (ای الکیفیۃ و عدد) فاذا تعارضا تساقطا (بالتخالف و عدد) فبقی الاصل ای الواحدۃ الرجعیۃ وان لم توجد مشیۃ الزوج تعتبر مشیۃ المرأۃ فی الکیفیۃ وا ما عندہما فلما (لعدم التزاحم والتعارض عمدہ) ان الکیفیۃ مفوضۃ الیہا فاصل الطلاق مفوض الیہا ایضا وفی کم شئت او ما شئت طلقت[1] ما شاءت فی مجلسہا لا بعدہ

(ای فی ورا المجلس ولکونہ تملیکا یقتصر علی المجلس ۱۲ عمدہ)

ترجمہ: کیونکہ اس تفویض میں عورت کی نیت کا اعتبار اس لحاظ سے ضروری ہے کہ شوہر نے کیفیت طلاق کو عورت کی رائے پر حوالہ کر دیا ہے۔ نیز شوہر کی نیت کا اعتبار بھی اس بنا پر ضروری ہے کہ (وہی تو طلاق کا اصل مالک ہے اور) عورت کا اختیار اسی سے حاصل شدہ ہے اب جبکہ دونوں نیتیں باہم متعارض ہو گئیں تو (بقاعدہ اذا تعارضا تساقطا) دونوں ساقط الاعتبار ہو گئیں اور اصل یعنی ایک طلاق رجعی باقی رہ گئی۔ اور اگر کیفیت کے بارے میں شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو عورت ہی کی نیت کا اعتبار ہو گا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک جس طرح کیفیت طلاق کی تعیین عورت کی رائے پر مفوض ہے اسی طرح اصل طلاق بھی اس کی رائے پر مفوض ہے (اس لئے اگر وہ نہ چاہے تو ایک طلاق رجعی بھی واقع نہ ہو گی) اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا "تم اپنے اوپر طلاق دے جس قدر چاہے یا "جتنی چاہے" تو جتنی طلاق چاہے اس مجلس میں دے سکتی ہے مجلس بدل جانے کے بعد اختیار نہیں رہے گا۔

تشریح: (بقیہ صفحہ گذشتہ) بکہ یا انکہ کہنے سے فوری طور پر طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور چونکہ ان کا استعمال کبھی کبھی مجازی طور پر شرط کے لئے ہوتا ہے اور "ان" کے قائم مقام ہوتا ہے تو یہاں بھی ان شرطیہ کی جگہ میں مان کر ان لفظوں کی تفویض کو مجلس کے ساتھ مقید قرار دیا گیا ہے اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب طلاق بالمکان نہیں ہوتی اور ان کا وضع مکان کے لئے ہے تو پھر ان کو خواہ مخواہ شرط کے مفہوم میں ماننے کی ضرورت کیا پڑی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شرط کے لئے بھی نہ مانا جائے تو ان کا استعمال بالکل لغو ہو جاتا ہے تو کلام کو لغو ہو جانے سے بچانے کے لئے ان کے مجازی معنی شرط پر محمول کیا گیا۔ اور دوسرے کلمات شرط کو چھوڑ کر "ان" کے قائم مقام قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ شرط کے اندر "ان" ہی اصل ہے ۱۲

[2] قولہ تقع رجعیۃ الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب خاوند نے کہا "انت طالق کیف شئت" تو اس میں دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو طلاق کی کسی خاص کیفیت کے ساتھ عورت کی مشیت متعلق ہو گی یا نہیں ہو گی پس اگر کسی کیفیت کے ساتھ متعلق نہ ہو بخلاف وہ کسی طرح کی طلاق نہ چاہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی کیونکہ طلاق کا یہی ادنیٰ اور کمتر درجہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو اصل طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ اس کی مشیت کے بغیر طلاق واقع نہ ہو بلکہ کیفیت کا اختیار ملا تھا اب جبکہ کیفیت کے بارے میں اس کی مشیت نہ پائی گئی تو قول اول کی حیثیت سے اصل طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اگر عورت نے کوئی کیفیت چاہی تو اگر مرد کی نیت کے موافق ہو تو وہی واقع ہو گی اور اگر مختلف ہو تو تعارض کے باعث دونوں ہی ساقط ہو جائیں گے اور اصل باقی رہے گا اگر کوئی شبہ کرے کہ مرد کی نیت کی حاجت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں کیفیت کی تفویض ہے اور اس کے انواع مختلف ہیں تو تعیین کے لئے نیت ضروری ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ طلقت ما شاءت الخ۔ یعنی ایک چاہے تو ایک، دو چاہے تو دو اور تین چاہے تو تین اور اگر کچھ نہ چاہے تو بالاتفاق کچھ بھی واقع نہ ہو گا بخلاف "کیف شئت" کے کہ اس صورت میں اگر عورت کچھ نہ چاہے تو بھی ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ "کم" عدد مبہم کا لفظ ہے اور "ما شئت" بھی عموم عدد کے لئے ہے تو گویا اس نے یوں کہا کہ جتنے عدد بھی تو چاہے" اور فقہاء کی اصطلاح میں ایک بھی عدد میں داخل ہے لہذا نفس عدد میں تفویض پائی گئی اور جو طلاق واقع ہو گی وہ عدد کے اندر ہو گی اس لئے عورت کے اختیار کے بغیر ایک بھی واقع نہیں ہو سکتی بخلاف "کیف" کے کہ اس میں عدد کا اختیار نہیں بلکہ کیفیت کا اختیار رہے باقی "کیف" کی طرح اس تفویض میں بھی زوج کی نیت شرط ہے یا نہیں؟ صاحب کشف الاسرار نے شرط قرار دی ہے اور صاحب بحر نے فرمایا ہے کہ نیت شرط نہیں کیونکہ یہاں عورت کو قدر طلاق کا اختیار ملا ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وان ردّت ارتدّ وفی طلقی نفسكِ من ثلثٍ ما شئتِ لها ان تُطلّق ما دونها لا ثلثًا (من واحد او اثنین ۱۲)
هٰذا عند ابی حنیفۃ رح لان من للتبعیض وعندهما لها ان تُطلّق نفسها ثلثًا (وبہ الاشبہ کما فی تحریر الاصول لابن الہمام ۱۲ عمدہ)
فتکون من للبیان قلنا [1] الکل محتمل والبعض متیقن فیُحمل علیہ۔ (ای عند ہما ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ اور اس میں اگر عورت نے رد کر دیا تو اختیار باطل ہو جائے گا۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ "تو اپنے اوپر تین طلاق میں سے جتنی چاہے دے سکتی ہے" تو عورت کو اختیار ہے کہ تین سے کم (ایک یا دو) دیدے اور تین طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ہے اس لئے کہ "من" تبعیض کے لئے (تو مجموعہ طلاق میں سے بعض کا اختیار دیا ہے کل کا نہیں دیا ہے) اور صاحبین رح کے نزدیک عورت اپنے آپ کو تین طلاق دے سکتی ہے ان کی نظر میں "من" بیانیہ ہے (تبعیض کا نہیں ہے) شارح فرماتے ہیں کہ کل طلاق مراد ہونے کا محض احتمال ہے اور بعض مراد ہونا یقین ہے تو بعض ہی پر جو کہ یقینی ہے کلام کو محمول کیا جائے گا (لانہ احوط)

تشریح:۔ (بقیہ ص گذشتہ) جس کے کچھ افراد ہیں اب جس فرد کو وہ چاہے بحق تفویض اختیار کر سکتی ہے اس لئے ابہام نہ رہا بخلاف "کیف" کے کہ اس کے انواع میں ابہام ہے ۱۲

(حاشیہ ص ہذا) [1] قولہ قلنا الخ یہ امام صاحب کی طرف سے جواب اور ان کے مذہب کی تائید ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر "من" بیان کے لئے ہو تو عورت تین طلاق کی مالک ہوگی اور اگر من تبعیضیہ ہو تو عورت تین سے کم کی مالک ہوگی تو کل کا وجود محض محتمل ہے اور کم کا وجود یقینی ہے۔ پس یقینی کو لینا اور احتمالی کو چھوڑ دینا زیادہ اولیٰ ہے ۱۲

بَابُ الحَلِفِ بِالطَّلَاقِ

شرط[۱] صحته الملك او الاضافة اليه فلا تطلق اجنبية قال لها ان كلمتكِ فانت كذا فنكحها فكلّمها وتطلق بعد الشرط ان قال لزوجته فكلمها لوجود الملك وقت التعليق او قال لاجنبية ان نكحتكِ فانت كذا فنكحها لوجود الاضافة الى الملك وعند الشافعي[۲] لا يقع والمراد بالاضافة الى الملك تعليق الطلاق بالملك والفاظ الشرط ان واذا واذما وكل نحو كل امرأة لي تدخل الدار فهي طالق وكلما ومتى ومتى ما ففيها تنحل اليمين اذا وجد الشرط مرة الا في كلما فانه تنحل بعد الثلث المراد بانحلال اليمين بطلان التعليق۔

حلف بالطلاق کا بیان

ترجمہ:- حلف بالطلاق صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ طلاق معلق کرنے کے وقت عورت اس کی ملک میں ہو یا طلاق کی نسبت کی ہو اپنی ملک کی طرف، پس جس شخص نے اجنبی عورت سے کہا کہ "اگر میں تجھ سے کلام کروں تو تجھ کو طلاق ہے" پھر اس سے نکاح کیا اور کلام کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اپنی منکوحہ بیوی سے یہی کہا اور کلام کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ تعلیق کے وقت ملک موجود تھی۔ اور اگر کسی اجنبی عورت سے کہا کہ "اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق ہے" پھر اس سے نکاح کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں اپنی ملک کی طرف نسبت کرکے طلاق کو معلق کیا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی اور "اضافت الی الملک" سے مراد یہ ہے کہ طلاق کو اپنی ملک کے ساتھ معلق کرے۔ اور (تعلیق بالشرط کے لئے) الفاظ شرط یہ ہیں "ان، اذا، اذما اور کل، مثلاً کسی نے کہا ہر وہ عورت جو میرے نکاح میں ہے اور گھر میں داخل ہو تو اس کو طلاق ہے اور کلما، متی، اور متی ما" ان سب الفاظ کے استعمال سے جب ایک بار شرط موجود ہوگی تو یمین ختم ہو جائے گی سوائے لفظ "کلما" کے کہ اس میں تین طلاق واقع ہونے کے بعد یمین ختم ہو جاتی ہے اور انحلال یمین کا مطلب یہ ہے کہ تعلیق ختم ہو جانے کی وجہ سے یمین

تشریح:[۱] باب الحلف بالطلاق الخ مصنفؒ جب کہ طلاق کی تنفیذا ور تفویض کی صورت سے فارغ ہوئے تو اب تعلیق طلاق کے مسائل بتانا چاہتے ہیں تعلیق کہتے ہیں ایک مضمون جملہ کے حاصل ہونے کو دوسرے مضمون جملہ کے حصول کے ساتھ منسلک و مرتبط کرنا، فقہاء وغیرہم کی اصطلاح میں اس ارتباط کا نام یمین اور حلف ہے کیونکہ یمین دراصل قوت کو کہتے ہیں اور تعلیق میں بھی ایک طرح کی قوت ہے چنانچہ طلاق یا عتاق کے ساتھ قسم کھانے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص امر کے ساتھ ان کو معلق کرنا تاکہ اس بات میں قوت آجائے ۱۲

[۱] قولہ شرط صحته الخ واضح رہے کہ تعلیق کے لئے متعدد شرائط ہیں (۱) شرط معدوم ہو جس کے ہونے نہ ہونے میں تردد ہے جیسے ان دخلت الدار فانت طالق پس اگر شرط موجود ہو مثلاً ان کان السماء فوقنا تو فوری طلاق پڑ جائے گی اور اگر شرط محال ہو تو یہ لغو ہے جیسے ان وُجد شریک الباری (۲) شرط جزاء کے ساتھ متصل ہو کہ ان دونوں کے درمیان معتدبہ فاصلہ نہ ہو (۳) شرط صراحتاً مذکور ہو ورنہ کلام لغو ہوگا (۴) ملک یا اضافت الی الملک پائی جائے ۱۲

[۲] قولہ وعند الشافعیؒ الخ لا یقع الخ۔ کیونکہ تعلیق طلاق بھی فوری طلاق کے حکم میں ہے تو جس طرح عدم ملک میں فوری طلاق نہیں ہو سکتی ہے اسی طرح تعلیق بھی صحیح نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مرد کے قول "ان نکحتک فانت طالق" میں اگرچہ فی الحال تعلیق پائی جاتی ہے جبکہ ملک نہیں ہے لیکن طلاق واقع ہوگی شرط پائی جانے کے موقع میں اور اس وقت ملک متحقق ہے جو کہ وقوع طلاق کے لئے ضروری ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ اجنبیہ کو کہے ان دخلت الدار فانت طالق، کہ یہاں نہ فی الحال ملک ہے نہ آلا ملک کے ساتھ شرط کا تعلق ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح فوری طلاق اجنبیہ پر واقع نہیں ہوتی اور یہی منشا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا "لا طلاق فیما لا یملک" (ترمذی ابن ماجہ) (باقی صفحہ آئندہ پر)

فلا یقع ان نکحها بعد زوج اٰخر الا اذا اُدخلت علی التزوج نحو کلما تزوجتک فانت کذا فانه کلما تزوجها تطلق وان کان بعد زوج اٰخر وزوال الملک لا یبطل الیمین وتنحل بعد الشرط مطلقا وشرط للطلاق الملک فقوله مطلقا ای سواء وجد الشرط فی الملک او فی غیر الملک فان وُجد فی الملک تنحل الی جزاء ای یبطل الیمین ویترتب علیه الجزاء وان وجد لا فی الملک تنحل لا الی جزاء ای یبطل الیمین ولا یترتب علیه الجزاء لانعدام المحلیة فان قال ان دخلت الدار فانت طالق ثلثا فاراد ان تدخل الدار من غیر ان یقع الثلث فحیلته ان یطلقها واحدة وتنقضی العدة فتدخل الدار۔

ترجمہ:- پس دوسرے شوہر سے نکاح بیٹھنے کے بعد اگر اس عورت سے پھر نکاح کیا تو اب طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر جب کہ کلما کو نکاح پر داخل کیا جائے مثلاً کوئی یوں کہے کہ، جب جب کریں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق ہے اس صورت میں جب بھی اس عورت سے نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی اگر یہ دوسرے شوہر سے نکاح بیٹھنے کے بعد اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ اور یمین کے بعد اگر ملک زائل ہو جائے تو یمین باطل نہ ہوگی۔ اور شرط کے تحقق کے بعد ہر حال میں یمین ختم ہو جاتی ہے البتہ طلاق واقع ہونے کے لئے ملک کا موجود ہونا شرط ہے تو مصنف کا قول " مطلقا " کا مطلب یہ ہے کہ تعلیق ختم ہو جائے گی برابر ہے کہ شرط ملک میں پائی جائے یا غیر ملک میں، تو اگر شرط ملک میں پائی جائے تو تعلیق ختم ہوگی جزا پر اثر ڈال کر یعنی تعلیق بالشرط باطل ہوگی اور اس پر جزاء کا ترتب ہوگا (کہ طلاق واقع ہو جائے گی) اور اگر غیر ملک میں شرط پائی گئی تو تعلیق ختم ہوگی جزاء پر اثر ڈالے بغیر یعنی تعلیق بالشرط بھی ختم ہو جائے گی اور اس پر جزاء کا ترتب بھی نہ ہوگا کیونکہ بسبب عدم ملک کے جزاء متحقق ہونے کا محل نہیں ہے اب اگر زوج نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر تین طلاق " پھر اس نے چاہا کہ گھر میں بھی جائے اور طلاقیں بھی نہ پڑیں تو اس شرط سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ اپنی بیوی کو وہ ایک طلاق دیدے اور عدت گذرنے کا انتظار کرے، عدت گذرنے کے بعد عورت اس گھر میں داخل ہو جائے۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) سلہ قولہ تنحل الیمین جب الفاظ مذکورہ کے ذریعہ طلاق کو معلق کرے اور شرط پائی جائے تو ایک ہی دفعہ شرط پائی جانے پر ہی تعلیق ختم ہو جائے گی آئندہ اس شرط پر اثر نہ ہوگا ہاں " کلما " جو کہ تکرار کے معنی رکھتا ہے اس کے ذریعہ معلق کرنے سے ایک دفعہ شرط پائی جانے کے باوجود تعلیق باقی رہے گی۔ چنانچہ کلما دخلت الدار فانت طالق، کہنے سے ہر دخول پر ایک ایک طلاق واقع ہوگی تا آنکہ تین پوری ہو جائے ۱۲

سہ (حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ فلا یقع الخ۔ یہ تفریع ہے اس بات پر کہ، تین طلاق واقع ہونے کے بعد یمین ختم ہو جاتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دراصل معلق بالشرط وہ طلاقیں ہیں جو موجودہ ملک میں پائی جا سکتی ہے اور وہ ختم ہو چکی ہیں تین سے اب نئی ملک حاصل ہونے سے اس تعلیق کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا ۱۲

سلہ قولہ وزوال الملک الخ یعنی طلاق کو معلق بالشرط کرنے کے بعد اگر شرط پائی جانے سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی تو تعلیق باقی رہ جائیگی اگر دوبارہ اس سے نکاح کر لیا اور شرط پائی گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی البتہ اگر دوبارہ نکاح کرنے سے پہلے شرط متحقق ہو گئی تو تعلیق ختم ہو جائے گی اب نکاح کرنے کے بعد اگر دوبارہ شرط پائی گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ تعلیق تو ختم ہو چکی ہے اور عدم ملک کے موقع میں شرط پائی جانے پر طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ محل طلاق ملک ہے اور وہ موجود نہیں ۱۲

سلہ قولہ ان یطلقہا واحدۃ الخ۔ یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ دو میں بھی یہی حکم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیں اور اسے چھوڑ رکھا اور رجعت نہیں کی یہاں تک کہ عدت گذر گئی پھر عورت مرد کی عدم ملک کی حالت میں گھر کے اندر داخل ہوئی تو وجود شرط کے باعث یمین باطل ہو گئی کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ملک اور عدم ملک ہر حال میں وجود شرط سے یمین ختم ہو جاتی ہے، پھر جب مرد نے اس عورت سے دوبارہ نکاح کیا اور وہ گھر میں داخل ہوئی تو ایک بار وجود شرط یمین باطل ہو جانے کی بنا پر اب اس پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی (باقی صہ آئندہ پر) (۴۰م)

حتی یبطل الیمین ولایقع الثلث ثم ینزوجہا فان دخلت الدار لایقع شئ لبطلان الیمین
وان اختلفا فی وجود الشرط فالقول لہ الا مع حجتہا وفی شرط لایعلم الا منہا صدقت فی
حقہا خاصۃ ففی ان حضتِ فانت طالق وفلانۃ وان کنت تحبّین عذاب اللہ فانتِ
کذا وعبدہ حر لوقالت حضت واحبّہ طُلّقت ھے فقط وفی ان حضت یحکم بالجزاء
بعد رؤیۃ الدم ثلثۃ ایام من اولہ ای ان قال ان حضت فانت کذا فبعد ما رأت الدم
ثلثۃ ایام یحکم بالجزاء من اول الدم لانہ تبیّن برؤیۃ الدم ثلثۃ ایام انہ حیض فیحکم
بعد الثلثۃ بوقوع الجزاء فی اولہا۔

(بوجود الشرط ۱۲ عمدہ — ای بعد التزوج ۱۲ عمدہ — ویکون الطلاق بدعیا ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ تاکہ شرط کے تحقق سے تعلیق ختم ہو جائے اور تین طلاق بھی نہیں پڑیں گی کیونکہ عدم ملک کے سبب وہ محل طلاق نہیں ہے اب وہ پھر اس سے نکاح کرلے۔ اس کے بعد اگر گھر میں داخل ہوئی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا کیونکہ شرط پائی جاچکنے کی وجہ سے سابق تعلیق باطل ہو گئی ہے۔ اور اگر خاوند اور بیوی کے درمیان شرط پائی جانے اور نہ پائی جانے میں اختلاف ہوا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا مگر یہ کہ عورت اپنے مدعا پر گواہ لائے، اور جو شرط ایسی ہو کہ زوجہ کے کہے بغیر معلوم نہیں ہوتی تو اس میں زوجہ کا قول معتبر ہوگا خاص اسی کے حق میں مثلاً خاوند نے کہا کہ اگر تجھ کو حیض آوے تو تجھ پر اور فلانہ میری بیوی پر طلاق ہے یا کہا کہ اگر تو اللہ کے عذاب کو دوست رکھتی ہے تو تجھ کو طلاق ہے اور میرا فلاں غلام آزاد ہے اور عورت نے کہا کہ میں حائضہ ہوتی ہوں یا میں دوست رکھتی ہوں اللہ کے عذاب کو، تو صرف اسی پر طلاق پڑیگی اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر تجھ کو حیض آئے تو تجھ کو طلاق ہے پھر اس کو حیض آیا تو جب تین دن برابر خون دیکھے گی اس وقت اول روز سے طلاق کا حکم کریں گے یعنی اگر کہا کہ اگر تجھ کو حیض آوے تو تجھ پر طلاق ہے تو مسلسل تین دن خون دیکھنے کے بعد وقوع جزا (طلاق) کا حکم دیں گے پہلے دن سے، کیونکہ تین دن خون دیکھنے کے بعد ظاہر ہوا کہ واقعی وہ حائضہ ہے تو تین دن گذرنے کے بعد حکم لگایا جائے گا کہ اول روز ہی طلاق واقع ہو چکی ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ یہاں کوئی کلمہ ایسا نہیں پایا گیا جو دوام پر دلالت کرے ہاں البتہ اگر یہ کہا ہو "کلما دخلت الدار فانت طالق" تو پھر یہ حیلہ کام نہ دے گا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ فالقول لہ الخ یعنی خاوند کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند طلاق واقع ہونے کا منکر ہے اور قاعدہ ہے کہ منکر کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے ۱۲

۲؎ قولہ وفی شرط الخ۔ یہ سابق سے بمنزلہ استثناء کے ہے یعنی میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں مرد کا قول معتبر ہوگا مگر جس شرط کے وجود کی خبر صرف عورت کے بتلانے پر موقوف ہو اس میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور وقوع طلاق کا حکم دیا جائے گا، بظاہر یہ حکم قضاءً و دیانۃً دونوں اعتبار سے نافذ سمجھا جائے گا جن امور کے بارے میں صرف عورت کی خبر دینے سے علم ہو سکے، جیسے کہ "اگر تم اللہ کے عذاب کو پسند کرتی ہو لیکن حیض کے متعلق دیانۃً تک طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ وہ واقعۃً سچی نہ ہو البتہ یہ تصدیق حلف کے ساتھ ہوگی یا بغیر حلف کے؟ بحر اور نہر کی وضاحت کے مطابق اس پر حلف نہیں ہوگی، اور حموی کی نقل کے مطابق اس پر یمین آئے گی ۱۲

۳؎ قولہ بعد رؤیۃ الدم الخ۔ یعنی تین دن پورے ہونے سے پہلے طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ تین دن سے پہلے خون بند ہو جائے اور تین دن سے پہلے جو خون بند ہو جائے وہ حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ ہے جس کی تفصیل باب الحیض میں گذر چکی ہے ۱۲

۴؎ قولہ من اولہ الخ۔ یعنی خون جاری ہونے کے آغاز ہی سے طلاق کا حکم لگیگا۔ خون کے بند ہونے کے وقت سے نہیں اور نہ درمیانی وقت سے۔ بنایہ میں ہے کہ اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ عورت غیر مدخولہ ہو کیونکہ جب اس نے خون دیکھا اور اسی وقت دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا۔ اور خون کو آئے تین روز گذر گئے تو یہ نکاح صحیح ہوگا کیونکہ عورت اول جریان دم کے وقت ہی پہلے خاوند سے جدا ہو چکی اس کے لئے عدت کا انتظار نہیں ہے ۱۲

وفی ان حضتِ حیضۃً[۱] لایقع حتی تطہر فان الحیضۃ ھی الکاملۃ وفی ان صمتِ یومًا فانت طالق تطلق حین غربت من یوم صامت بخلاف ان صمتِ فانہ یقع علی صوم ساعۃ ولو علق طلقۃ بولادۃ ذکرٍ و طلقتین بانثیٰ نولدتھما[۲] ولم یُدرالاولُ طُلّقت واحدۃ قضاءً وثنتین تنزّھًا ای دیانۃ یعنی فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ وانقضتِ العدۃ بوضع الحمل ای بالوضع الثانی وانما[۳] لایقع بہ طلاق اٰخر لان العدۃ تنقضی بالوضع قال اللہ تعالیٰ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ثمّ الوضع شرط لوقوع الطلاق فھو مؤخر عن الوضع فتنقضی العدۃُ بالوضع فلا یقع بعدہ طلاق۔

ترجمہ:۔ اور اگر یہ کہا کہ اگر تجھ کو حیض آدے ایک حیض تو تجھ کو طلاق ہے،، تو جب حیض سے پاک ہوگی اس وقت طلاق واقع ہوگی کیونکہ ایک حیض کامل حیض ہی کو کہتے ہیں۔ اور اگر کہا کہ تو ایک روز روزہ رکھے گی تو تجھ کو طلاق ہے (اور اس نے روزہ رکھا) تو جس دن روزہ رکھا ہے اس دن کا آفتاب غروب ہونے کے وقت طلاق پڑے گی۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ کہا کہ اگر تو روزہ رکھے گی تو تجھ کو طلاق ہے (اور ایک روز کی قید نہیں لگائی اور اس نے روزہ رکھا تو روزہ شروع ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی) کیونکہ ایک گھڑی روزے کے ساتھ گذرنے پر بھی روزہ رکھنا صادق آتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو لڑکا جنے گی تو تجھ کو ایک طلاق ہے اور اگر لڑکی جنے گی تو تجھ کو دو طلاق ہیں اور اس نے دونوں کو جنا۔ اور یہ معلوم نہیں کہ اول کس کو جنا، تو قاضی حکم کرے گا ایک طلاق کا اور احتیاط کی رو سے حکم ہوگا دو طلاق کا۔ یعنی دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ دو طلاق کا حکم ہوگا اور عدت پوری ہو جائے گی وضع حمل کے ساتھ۔ یعنی دوسرے بچہ کے جننے سے اور دوسرے بچہ کے جننے سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس وضع حمل کے ذریعہ عدت پوری ہو گئی ہے (اور عدت تمام ہو جانے کے بعد طلاق نہیں پڑتی) حق تعالیٰ کا قول ہے اور جو عورتیں حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں،، پھر چونکہ وضع حمل وقوع طلاق کے لئے شرط ہے (اور شرط اپنے وجود میں جزاء سے مقدم ہوتی ہے) تو وقوع طلاق مؤخر ہوگا وضع حمل سے، اور وضع حمل کے ساتھ ساتھ عدت پوری ہو جائے گی پس اس کے بعد دوسری طلاق واقع نہیں ہو سکتی (عدت پوری ہو جانے کے باعث محل طلاق نہ رہنے کی بنا پر)

تشریح:۔ [۱] قولہ حیضۃ الخ۔ حاء کے فتح کے ساتھ یہ ایک بار کے لئے بولا جاتا ہے اور حِیضۃ کسر الحاء سے حیض کا نام ہے اس کی جمع حِیَض ہے (جوہری) بہر حال حَیضۃ جبکہ ایکبار کے لئے آتا ہے اور ایک کا اطلاق کامل حیض کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے اس لئے حیض ختم ہو کر جب پاک ہو جائے گی تب ہی طلاق واقع ہوگی ۱۲

[۲] قولہ فولدتھما الخ یعنی اگر ایک ہی حمل سے یکے بعد دیگرے جوڑ بچے لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئے اور اول کون ہے معلوم نہیں تو بحکم قضا ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ ایک ہونا تو یقینی ہے اور ایک سے زائد میں شک ہے اور قاضی یقینی پر حکم لگاتا ہے شک پر نہیں لیکن دیانۃً بطور احتیاط دو طلاقیں شمار ہوں گی اب اگر مرد نے اس سے پہلے عورت کو ایک طلاق دی تھی تو اب چاہیے کہ حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ نکاح نہ کرے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس پر تین طلاقیں ہو چکی ہوں ۱۲

[۳] قولہ وانما لایقع الخ۔ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ جب کسی نے لڑکے کی ولادت کے ساتھ ایک طلاق اور لڑکی کی ولادت کے ساتھ دو طلاق کا وقوع معلق کر دیا اب اس کی بیوی کے بطن سے ایک ایک کر کے دونوں پیدا ہوئے اب چاہئے یہ تھا کہ پہلا بچہ پر جو اس کے ساتھ معلق تھا وہ واقع ہو جاتا اور دوسرے بچہ پر جو اس کے ساتھ معلق ہے وہ بھی واقع ہو جاتا اس طرح تین طلاقیں پڑ جاتیں جیسے کہ اگر عورت ایک ساتھ دونوں کو جنے تو ہوتا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عورت نے پہلا بچہ جنا تو وہ حالت عدت میں آگئی کیونکہ طلاق پڑتے ہی عدت شروع ہو جاتی ہے اور یہ عورت دوسرے بچہ کی حاملہ تھی کیونکہ دوسرے بچہ کو اس نے ابھی تک نہیں جنا۔ اور حاملہ کی عدت بحکم نص وضع حمل ہے اس لئے دوسرے وضع حمل کے وقت عدت ختم ہو جائے گی اور عدت ختم ہونے کے بعد طلاق واقع نہیں ہوتی بخلاف اس صورت کے جبکہ دونوں بچے ایک ساتھ پیدا ہوں کہ یہاں حیض کے ذریعہ عدت ہوگی ۱۲

ولو علق الطلاق بشيأين يقع ان وجد الثانى فى الملك والا فلا فقوله ان وجد الثانى فى الملك يشمل ما اذا وجدا فى الملك او وجد الثانى فقط فى الملك وقوله والا فلا يشمل ما اذا لم يوجد شئ منهما فى الملك او وجد الاول فى الملك دون الثانى والتنجيز يبطل التعليق فلو علق الثلث بشرط ثم نجز الثلث ثم عادت اليه بعد التحليل ثم وجد الشرط لا يقع شئ ومن علق الثلث بوطى زوجته فاولج اى ادخل حشفته حتى التقى الختانان ولبث فلا عقر عليه۔

ترجمہ:۔ اور اگر طلاق کو معلق کیا دو چیزوں کے ساتھ تو جب دوسری چیز پائی جائے گی اور ملک قائم ہو تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں پس مصنف کا قول کہ، "جب دوسری چیز ملک میں پائی جائے" یہ عام ہے ان دونوں صورتوں کو کہ (۱) جب دونوں شرطیں ملک میں پائی جائیں یا (۲) صرف دوسری شرط ملک میں پائی جائے۔ اور "ورنہ نہیں" کا قول بھی دو صورتوں کو شامل ہے۔ (۱) جبکہ دونوں شرطوں میں سے کوئی بھی ملک میں نہ پائی جائے یا (۲) اول شرط تو ملک میں پائی جائے اور دوسری ملک میں نہ پائی جائے۔ اور فی الحال طلاق دیدینا باطل کر دیتا ہے تعلیق کو تو اگر تعلیق کی تین شرط کی کسی شرط پر اور پھر اس نے شرط پائی جانے سے پہلے فی الحال تین طلاق دیدی اور اس کے بعد وہ عورت حلالہ کے بعد پھر اسی خاوند کے پاس لوٹ آئی اور اب شرط متحقق ہوئی تو کچھ واقع نہ ہوگا اور جس شخص نے اپنی بیوی کی وطی کے ساتھ تین طلاق کو معلق کیا پھر داخل کیا یعنی اپنے ذکر کے حشفے کو عورت کی فرج میں اس طرح داخل کیا کہ دونوں ختنے مل گئے (تو تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی) اور اسی حالت میں اگر توقف کرے تو خاوند پر عقر واجب نہ ہوگا۔

تشریح:۔ سلہ قولہ ولو علق الطلاق الخ یعنی شرط مکرر ہو اس طرح پر کہ ایک شرط کو دوسری شرط پر عطف کرے اور جزاء آخر میں لائے مثلاً یوں کہے کہ جب فلاں آدمی سفر سے آئے اور جب فلاں آدمی سفر سے آئے تو تجھ کو طلاق ہے اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ وہ دونوں نہ آجائیں کیونکہ اس نے ایک شرط محض کو دوسری ایسی شرط پر عطف کیا جس کا کوئی حکم نہ تھا پھر اس کے بعد جزاء کو ذکر کیا تو یہ جزاء دونوں شرطوں سے متعلق ہوگی اس لئے ان دونوں شرطوں کے پائے جانے کے بعد ہی طلاق واقع ہوگی ۱۲

سلہ قولہ یشمل الخ ہدایہ میں ہے کہ اگر مرد نے عورت کو کہا "ان کلمت ابا عمرو وابا یوسف فانت طالق ثلثا" پھر اس نے عورت کو ایک طلاق بائن دیدی اور عدت گذر گئی پھر اس عورت نے ابو عمرو سے کلام کیا اس کے بعد پہلے مرد نے اس عورت سے نکاح کیا پھر ابو یوسف سے کلام کیا تو پہلی طلاق کے ساتھ اس پر مزید تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور امام زفر فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں (۱) یا تو دونوں شرطیں ملک میں پائی جائیں گی تو ظاہر ہے کہ طلاق واقع ہوگی (۲) یا غیر ملک میں دونوں شرطیں پائی جائیں گی اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی (۳) یا پہلی شرط ملک میں اور دوسری شرط غیر ملک میں پائی جائے تو بھی طلاق نہ ہوگی کیونکہ غیر ملک میں جزا واقع نہیں ہو سکتی (۴) یا پہلی شرط غیر ملک میں پائی جائے اور دوسری ملک میں، یہی اختلافی صورت ہے جیسے کتاب میں ذکر کیا ہے ۱۲ سلہ قولہ والتنجیز الخ۔ یہ تعلیق کے بالمقابل لفظ ہے جس کے معنی فی الحال طلاق دیدینا۔ ہدایہ اور اس کی شرح میں ہے کہ آزاد عورت کو فوری طور پر تین طلاق اور باندی کو دو طلاق دیدینے سے تعلیق طلاق بالثلاث باطل ہو جاتی ہے اب دوبارہ حلالہ کے بعد اگر نکاح کرے تو سابق تعلیق کی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ ملک جدید ہے لیکن اگر فی الحال تین طلاق سے کم دی ہے تو تعلیق باطل نہ ہوگی ۱۲

سلہ قولہ فلا عقر علیہ الخ۔ یعنی جب مرد نے اپنا ذکر عورت کی شرمگاہ میں داخل کیا اور کچھ دیر توقف کیا تو صرف داخل کرنے پر ہی طلاق واقع ہو گئی اور وہ عورت اس کے حق میں اجنبی اور حرام ہو گئی۔ پھر اس کے بعد اس کا توقف عقر لازم نہیں کرے گا اگرچہ وطی ہر یا عقر سے خالی نہیں ہوتی اسکی وجہ یہ ہے کہ محض توقف کو جماع نہیں کہا جاتا بلکہ اندر داخل کرنے کو جماع کہا جاتا ہے اور جماع ہی موجب عقر ہے اب اگر ذکر کو باہر نکال کر دوبارہ داخل کرے تو عقر واجب ہوگا اور اسی وطی سے رجعت ثابت ہوگی اور محض توقف سے رجعت متحقق نہ ہوگی ۱۲

العُقر مهر المثل وقیل ھو مقدار اجرة الوطی لو کان الزنا حلالا وکذا لو علق عتق امته بوطئها ولم یصر مراجعا به فی الرجعی فلو نزع ثم اولج یجب العقر وکان رجعة ولو قال انت طالق ان شاء اللہ تعالی متصلا او ماتت قبل قوله ان شاء اللہ تعالی لم یقع ولو مات ھو یقع ای لو قال انت طالق فاخذ فی التکلم بان شاء اللہ تعالی فمات قبل تمامه وفی انت طالق ثلثا الا ثنتین یقع واحدة وفی الا واحدة ثنتان۔

ترجمہ:۔ اور عُقر کہتے ہیں مہر مثل کو اور بعضوں کے نزدیک عُقر وطی کی اجرت کے برابر مقدار کا نام ہے اگر بالفرض زنا حلال ہوتا۔ اور ایسا ہی حکم ہے اگر سید نے اپنی لونڈی کی آزادی اس کے ساتھ وطی پر معلق کی، اور اگر زوجہ کی طلاق رجعی کو اس کے ساتھ وطی پر معلق کیا پھر داخل کرکے کچھ دیر توقف کیا تو رجعت متحقق نہ ہوگی ہاں اگر نکال کر پھر داخل کیا تو عقر واجب ہوگا اور رجعت بھی ثابت ہوگی، اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے "تجھ کو طلاق ہے" کہہ کر متصلاً ان شاء اللہ تعالیٰ کہدیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ ان شاء اللہ کہنے سے پہلے اس کی زوجہ مرجائے اور اگر زوج ان شاء اللہ کہنے سے پہلے مرگیا تو طلاق واقع ہوجائے گی یعنی شوہر نے انت طالق کہکر ان شاء اللہ تعالیٰ کہنا شروع ہی کیا تھا کہ سارا جملہ ان شاء اللہ تعالیٰ بولنے سے پہلے موت آگئی تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھکو تین طلاق ہیں مگر دو تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا تجھکو تین طلاق ہیں مگر ایک تو دو طلاقیں واقع ہونگی۔

تشریح: سلہ قولہ فلو نزع الخ۔ یعنی اگر مرد نے ذکر باہر نکال لیا پھر دوبارہ داخل کیا تو عُقر واجب ہوگا اور رجعت ہوجائے گی اگر معلق طلاق رجعی ہو کیونکہ مطلقہ بطلاق رجعی کی وطی سے رجعت ثابت ہوتی ہے البتہ دوبارہ داخل کرنے سے حد زنا قائم نہ ہوگی کیونکہ شبہ سے حد ساقط ہوجاتی ہے۔ کما سیاتی ۱۲

سلہ قولہ متصلا الخ۔ اتصال کی شرط اس لئے لگائی کہ بظاہر یہ تعلیق ہے اور منفصل ہوجانے سے تعلیق بالشرط معتبر نہیں ہوتی اور فصل کا مطلب یہ ہے کہ سانس لینے یا کھانسی یا جماہی یا ڈکار وغیرہ لینے کی ضرورت کے بغیر ہی دو لفظوں کے درمیان طویل سکوت کا فاصلہ ہو ۔ اسی طرح درمیان میں دوسرے کسی بے ہودہ بات میں لگ جانا بھی فصل ہے البتہ تاکیدی کلام سے فصل نہیں ہوتا مثلاً کہے " انت طالق طالق انشاء اللہ یا بائنہ کا لفظ بڑھائے مثلاً انت طالق یا ثلاثۃ انشاء اللہ ۱۲ فتح وبحر۔

سلہ ولو مات ھو یقع الخ۔ مرد اور عورت کی موت میں وجہ فرق یہ ہے کہ موت نئی بات ثابت کرنے کے منافی ہے باطل کرنیکے منافی نہیں اب مرد کے انت طالق کہنے کے بعد ان شاء اللہ کہنے سے پہلے اگر عورت مرجائے تو بھی ایجاب طلاق تعلیق بالمشیۃ سے باطل ہوجائے گا اور شوہر کے مرجانے سے ایجاب طلاق کو باطل کرنے والا استثناء متصل نہیں پایا گیا اس لئے طلاق پڑجائے گی۔ اور مرد جو استثناء کا ارادہ رکھتا تھا یہ اس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ پہلے کسی سے ذکر کرے کہ میں اپنی بیوی کو ان شاء اللہ کے ساتھ طلاق دوں گا پھر طلاق دینے لگے مگر ان شاء اللہ کہنے سے پہلے مرجائے ۱۲ عنایہ۔

باب طلاق المریض

المریض[1] الذی یصیر فارًّا[2] بالطلاق ولا یصح تبرعہ الا من الثلث مَن غالب حالہ الھلاک بمرضٍ اوغیرہ کمن اضناہ مرضٌ وعجز[3] عن اقامۃ مصالحہ خارج البیت وقدر فیہ ای علی اقامۃ مصالحہ فی البیت ومن[4] بارز رجلا اوقُدّم لیُقتل فی قصاصٍ اورجم مریضٌ ای علی النحو الذی مرّ فلوا بان زوجتہ وھو کذلک ومات بذلک السبب اوبغیرہ ترث[5] خلافا للشافعیؒ واعلم ان الخلاف فیما اذا طلقہا ثلثا لانہ ان طلقہا صریحا ترث اتفاقا۔

ای یثبت حکم الفار شرعا وان لم یقصد الفرار ۱۲ عمدہ — من الہبۃ والصدقۃ ۱۲ عمدہ — بیان لجزئیات التعریف المذکور ۱۲ عمدہ — عبر تقدم فی من ۱۲ عمدہ — ای بتنا وبین الثانی ۱۲ عمدہ — فی مرض موتہ ۱۲ عمدہ

مریض کی طلاق کا بیان

ترجمہ:۔ جو مریض کہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کے حق ارث کی ادائے گی سے بھاگنے والا شمار ہوتا ہے اور جس کے تبرعی تصرفات اس کے ثلث مال سے زیادہ میں درست نہیں ہوتا یہ وہ شخص ہے جس کے مرض وغیرہ کی حالت اس حد تک پہونچ چکی ہو کہ غالب گمان یہ ہو کہ وہ اس سے مرجائے گا۔ پس جس شخص کو اس کے مرض نے اتنا دُبلا کردیا کہ وہ اپنی حاجتیں پوری کرنے کے لئے گھر کے باہر جانے سے عاجز ہو اگرچہ گھر کے اندر اپنی ضروریات انجام دینے پر قدرت رکھتا ہو اور جو شخص صف قتال میں دشمن کے آدمی سے لڑنے کے لئے آگے چڑھا، یا جس کو قصاص یا رجم میں قتل کے واسطے لایا گیا وہی مریض ہے یعنی اوپر جس مریض کا ذکر گذرا کہ فار بالطلاق شمار ہوتا ہے اور ثلث مال سے زیادہ پر تصرف نافذ نہیں ہوتا) وہ ان ہی حالتوں پر صادق آتا ہے اب اگر وہ اسی حالت میں اپنی عورت کو طلاق بائن دیدے اور اس کے بعد مرجائے اسی سبب سے یا دوسرے کسی سبب سے تو وہ عورت اس کی وارث ہوگی۔ بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک وارث نہ ہوگی اور جاننا چاہیئے کہ یہ اختلاف صرف تین طلاق دینے کی صورت میں ہے، کیونکہ اگر (ایک یا دو) صریح طلاق دی تو بالاتفاق عورت وارث ہوگی۔

تشریح:۔ [1] قولہ المریض الخ۔ اس کے حکم میں وہ شخص بھی ہے جس کی ہلاکت کا گمان غالب ہو عرف میں اس کو فار کہتے ہیں کیونکہ اس حالت میں طلاق دے کر اغلباً وہ بیوی کے حق ارث سے بھاگنا چاہتا ہے ۱۲

[3] قولہ وعجز عن اقامۃ الخ۔ یعنی مرض کے باعث اپنے کام کاج اور گھر کے باہر کی ضروریات انجام دینے سے عاجز ہوجائے اگرچہ داخل بیت وضو، غسل، قضائے حاجت کرسکتا ہو۔ اور صاحب ہدایہ نے مریض کی تفسیر صاحب فراش سے کی ہے جو کہ تندرستوں کی طرح اپنی ضروریات پوری نہ کرسکتا ہو۔ اور فقیہ ابواللیثؒ نے بتایا ہے کہ صاحب فراش ہونا شرط نہیں بلکہ جس مریض کے بارے میں یہ گمان غالب ہو کہ یہ اس کا مرض موت ہے اس کا اعتبار ہے خواہ وہ گھر سے باہر نکل سکتا ہو، صدر الشہید اسی پر فتوی دیتے تھے، قنیہ اور مجتبیٰ میں ہے کہ فالج زدہ اور سل کا مرض والا جب تک صاحب فراش نہ ہو اور ایک حالت میں مرض طول پکڑے تو وہ صحیح کے حکم میں ہے اور جب مرض بڑھنے لگے تو یہ مرض الموت ہے ۱۲

[4] قولہ ومن بارز الخ۔ یہاں سے ان کا بیان ہے جو فار بالطلاق ہونے میں مریض کے ساتھ ملحق ہیں اور وہ ایسے لوگ ہیں جن کے بارے میں بدون مرض کے بھی ان کی موت کا گمان غالب ہو، چاہے موت واقع نہ ہو اس کی جزئیات متعدد ہیں، تو جو شخص دشمنوں کے حصار میں آجائے یا صف قتال میں ہو وہ مریض کے حکم میں نہیں لیکن جو دشمن سے مبارزت کرے یعنی چیلنج کرتا ہوا لڑنے بھڑنے کے لئے پیش قدمی کرے اور دشمن کے ساتھ الجھ جائے یا جس شخص کو قصاص میں قتل کرنے کے لئے یا حد زنا میں رجم کرنے کے لئے لایا جائے یا جس کو ایسے ظالم کے سامنے حاضر کیا جائے جو اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو ایسے افراد بھی مریض کے حکم میں ہیں، اسی طرح سمندر میں جس کی کشتی ٹوٹ گئی اور وہ ایک تختہ پر رہ گیا یا درندہ نے حملہ کیا اور وہ اس کے منہ میں آگیا یا سمندر کے تلاطم امواج میں اس طرح پھنس گیا کہ ڈوب جانے کا پورا اندیشہ ہے تو یہ سب بھی مریض کے حکم میں ہیں ۱۲

[5] قولہ ترث الخ۔ یعنی جس مرض میں ہلاک ہونے کا غالب گمان تھا اس میں اگر مرد نے عورت کو تین طلاق دیدیں تو عورت اس کی وارث ہوگی چاہے مرد اس مرض سے مرجائے یا دوسرے کسی سبب سے مرے۔ (باقی صد آئندہ پر)

وکذا ان طلقها بالکنایات اما عندنا فلان امرأۃ الفار ترث واما عندہ فلان الکنایات رواجع وان خالعها لا ترث اتفاقا لانها رضیت بالفرقۃ فبقی الثلث فهو محل النزاع وکذا[1] طالبۃ رجعیۃ طلقت ثلثا ای طلبت من المریض رجعیۃ فطلقها ثلثا ترث عندنا ومبانۃ قبلت ابن زوجها وهی فی العدۃ لانہ وقعت البینونۃ بابانتہ لا بتقبیلها ابن الزوج ومن لاعنها فی مرضہ ای قذفها فی مرضہ فتلاعنا فوقعت الفرقۃ باللعان ترث فان هذا ملحق بتعلیق الطلاق بفعل لا بد للمرأۃ منہ اذ لا بد لها من الخصومۃ لدفع العار عن نفسها او الی منها مریضا کذلک ای حلف فی مرض موتہ ان لا یقربها اربعۃ اشهر فلم یقربها حتی مضت المدۃ ووقعت البینونۃ ثم مات ترث۔

ای ترث اتفاقا ۱۲ عمدہ — ای ان شئ فی ۱۲ عمدہ — ای من التقبیل ۱۲ عمدہ — بالملاعنۃ ۱۲ عمدہ — وان جامعها فی المدۃ وجبت علیہ کفارۃ الیمین ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اسی طرح کنائی طلاق دینے سے بھی بلا اختلاف وارث ہوگی، لیکن ہمارے نزدیک تو اس لئے وارث ہوگی کہ مریضِ فار بالطلاق کی عورت وارث ہوتی ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس لئے وارث ہوگی کہ ان کے نزدیک طلاق کنایہ بھی رجعی ہوتی ہے اور طلاق رجعی میں عورت وراثت سے محروم نہیں ہوتی اور اگر اپنی زوجہ سے خلع کیا تو بالاتفاق وارث نہ ہوگی، کیونکہ عورت خود جدائی پر راضی ہوگئی ہے۔ پس صرف تین طلاقوں کا مسئلہ ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان محل نزاع رہ گیا اور یہی حکم ہے جبکہ ایسے مریض کی زوجہ نے ایک طلاق رجعی طلب کی اور اس نے اس کو تین طلاق دیدیں۔ یعنی عورت نے تو اس مریض سے طلاق رجعی کا مطالبہ کیا تھا اور اس نے اس کو تین طلاقیں دیدیں تو وہ عورت ہمارے نزدیک اس کی وارث ہوگی۔ اسی طرح وارث ہوگی وہ عورت جسے اس کے زوج نے مرض الموت میں بائن طلاق دیدی تھی پھر اس عورت نے عدت ہی میں اپنے خاوند کے بیٹے کا بشہوت بوسہ لے لیا۔ کیونکہ ان کے درمیان طلاق بائن کے باعث جدائی ہوئی ہے شوہر کے بیٹے کا بوسہ لینے سے نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح وارث ہوگی وہ عورت جس کے ساتھ اس کے شوہر نے مرض الموت میں لعان کیا یعنی مردنے مرض الموت کی حالت میں اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائی پھر بسبب لعان کے دونوں میں جدائی ہوگئی تو زوجہ وارث ہوگی اور یہ لعان دراصل ایسے فعل کے ساتھ تعلیق طلاق کے حکم میں ہے جس کا ارتکاب کئے بغیر عورت کو کوئی چارۂ کار نہیں۔ کیونکہ اپنی ذات سے زنا کا بٹہ دور کرنے کے لئے مدانعانہ مقدمہ میں حاضر ہوکر لعان کرنا اس کے لئے ضروری ہو پڑا ہے (اور غیر اختیاری شرط کے ساتھ تعلیق طلاق سے حق میراث باطل نہیں ہوتا) اور اسی طرح وارث ہوگی وہ عورت جس کے ساتھ اس کے مریض شوہر نے ایلا کیا۔ یعنی کسی نے اپنے مرض موت میں قسم کھائی کہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے ہمبستر نہ ہوگا۔ پھر چار ماہ کی مدت گذر گئی کہ اس نے بیوی سے قربت نہیں کی اور دونوں میں جدائی ہوگئی اس کے بعد زوج اسی مرض میں مرگیا تو زوجہ وارث ہوگی ۱۲

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) اگرچہ قیاس کا تقاضا تھا کہ وارث نہ ہو جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول ہے کیونکہ مرد کے ساتھ رشتۂ زوجیت موت تک قائم رہنے کی بنا پر عورت کو وراثت ملتی ہے اور طلاق سے یہ رشتہ ٹوٹ گیا لیکن ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے مالکؒ اور سعید بن منصورؒ وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جبکہ مرض موت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو حضرت عثمانؓ نے دوسرے صحابہ کی موجودگی میں انہیں وراثت دلائی تو اس بارے میں صحابہ کا اجماع متحقق ہوگیا نیز غیر مدرک بالقیاس میں صحابہ کا فتویٰ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ وکذا طالبۃ الخ۔ کیونکہ اگرچہ عورت طلاق پر راضی تھی لیکن رجعی پر نہ کہ بائنہ پر تو جب مرد نے تین طلاق دیں تو اس کا یہ اقدام عورت کو وارثت سے محروم کرنے کی غرض پر محمول ہوگا اس لئے وارث ہوگی ۱۲ (باقی صہ آئندہ پر)

ومن قام بها خارج البیت مشتکیا او حُمّ ومن هو محصورٌ او فی صف القتال او حُبس بقصاص او رجم صحیحٌ ان طلقت ای طلاقا بائنا وهو کذلک لا ترث وکذا المختلعۃ ومخیرۃ اختارت نفسها ومن طُلقت ثلثا بامرها او لا بامرها ثم صح ای صح من مرضہ ثم مات لا ترث ولو تصادق الزوجان علی ثلث فی الصحۃ ومضی العدۃ ای تصادقا فی مرضہ علی وقوع الثلث فی حال الصحۃ ومضی العدۃ۔

خبر لقولہ ومن قام ۱۲ — ای و الحال ان الزوج مبتلی بواحد من ہذہ الامور ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور جو شخص زخم وغیرہ کی تکلیف میں بھی گھر کے باہر اپنی ضروریات انجام دے سکتا ہو، یا جو بخار میں مبتلا ہو یا دشمن کے حصار میں بند ہو جائے یا لڑائی کی صف میں موجود ہو، یا قصاص یا رجم کے واسطے قید میں ہو تو وہ تندرست کے حکم میں ہے کہ اگر ایسی عورت کو طلاق دیدے یعنی طلاق بائن دیدے اور وہ اسی حال میں ہو تو عورت وارث نہ ہوگی، اور اسی طرح وہ عورت بھی وارث نہ ہوگی جس نے اپنے شوہر سے خلع کر لیا یا شوہر نے اس کو طلاق کا اختیار دیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دی اور اسی طرح وہ عورت وارث نہ ہوگی جس کو اس کے مریض شوہر نے تین طلاقیں دیں اس کی فرمائش پر یا طلاق تو دی بیوی کے فرمائش کے بغیر ہی اور پھر صحتیاب ہو گیا یعنی جس مرض میں طلاق دی تھی اس سے تندرست ہو گیا پھر کسی دوسرے سبب سے مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی۔ اور اگر میاں بیوی دونوں اس بات پر متفق ہوئے کہ شوہر کی حالت صحت میں عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور عدت بھی گذر چکی ہے۔ یعنی شوہر کے مرض موت میں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی اس بات میں تصدیق کی کہ صحت کی حالت میں بی بی کو تین طلاق دیجا چکی ہیں اور عدت بھی گذر گئی ہے۔

تشریح (بقیہ صر گذشتہ) ملہ قولہ ومبانۃ قبلت الخ۔ مبانۃ اسم مفعول کا صیغہ ہے ابانۃ مصدر سے، مطلب یہ کہ مرد عورت کو تین طلاق یا ایک بائن طلاق دی اب وہ عدت میں ایسا فعل کی مرتکب ہوئی جس سے فرقت واقع ہوتی ہو مثلاً خاوند کے دوسری طرف کے لڑکے سے بوسہ لیا یا اس سے بدفعلی کی تب بھی وہ وارث ہوگی کیونکہ اس کی فرقت اس فعل سے نہیں بلکہ سابق طلاق سے آئی ہے اس لئے فرقت میں اس فعل کا کوئی اثر نہیں ہے اور بائن کی قید اس لئے لگائی کہ اگر عورت طلاق رجعی کی عدت میں ایسا فعل کرے تو وارث نہ ہوگی کیونکہ اب بینونت عورت کی جانب سے اور اس کی رضا سے آئی ۱۲

ملہ قولہ فی مرضہ الخ یہ قید اس لئے لگائی تاکہ مسئلہ اتفاقی ہو جائے کیونکہ اگر حالت صحت میں تہمت لگائے اور مرض الموت میں لعان سے فرقت ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے عورت وارث نہ ہوگی اس لئے کہ طلاق اس کے لعان سے ہوئی ہے اور مرد کی جانب سے مرض میں کوئی ایسا فعل نہیں پایا گیا جو فرار پر دلالت کرتا ہو کیونکہ تہمت کا واقعہ تو مرض سے پہلے کا ہے اور شیخین کے نزدیک وارث ہوگی کیونکہ وہ تو تہمت کے باعث ہی لعان پر مجبور ہوئی تو گویا مرض ہی میں اس کی جانب سے عورت بائنہ ہوئی ہے ۱۲

(حاشیہ صر ہذا) سلہ قولہ وهو کذلک لا ترث الخ یعنی اگر مرد ایسی بیماری یا تکلیف یا خطرے کی حالت میں ہو اور عورت کو طلاق بائن دیدے تو وہ وارث نہ ہوگی اس لئے کہ ان حالتوں میں ہلاکت کا اندیشہ غالب نہیں ہے اس لئے وہ تندرست کے حکم میں شمار ہوگا اور ان حالات میں طلاق دینے کو فرار قرار نہیں دیا جائے گا ۱۲

سلہ قولہ وکذا المختلعۃ الخ کیونکہ ان صورتوں میں عورت کی جانب سے اور اس کی رضامندی سے فرقت آئی ہے اور ایسی فرقت کی حالتوں میں مرد کو فار قرار نہیں دیا جاتا ہے ۱۲

سلہ قولہ ثم صح الخ۔ یہ و لا بامرہا کی نتیجہ ہے یعنی بلا فرمائش طلاق دینے کی صورت میں اگر تندرست ہو کر بعد میں مرا ہے تو عورت وارث نہ ہوگی اور فرمائش کی صورت کے لئے یہ قید نہیں ہے کیونکہ جب عورت خود مطالبہ کرے تو اس کی رضامندی پائی گئی اب مرد طلاق دینے کے بعد خواہ تندرست ہو یا اسی مرض میں مر جائے عورت وارث نہ ہوگی اس لئے کہ مرد نے عورت کی رضامندی سے طلاق دی ہے تو اسے فار شمار نہ کیا جائے گا لیکن اگر عورت کی طرف سے طلب اور رضامندی کے بغیر مرد نے طلاق دی اور اسی مرض میں مر گیا تو عورت وارث ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ فار بالطلاق ہے اور اگر وہ اس مرض سے صحتیاب ہو جائے پھر دوسرے کسی سبب سے اس کی موت آ گئی تو اب عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ درمیان میں تندرست ہو جانے کے باعث حکم فرار ختم ہو گیا ۱۲

ثم اقرلها بدين او اوصى بشئ فلها الاقل منه ومن الارث اى ان كان المقربه او الموصى به اقل من الارث فلها ذلك وان كان الارث اقل فلها الارث واعلم ان حرف من فى قوله فلها الاقل منه ومن الارث ليست صلة لافعل التفضيل اذ لو كان يجب ان يكون الواجب اقل من كل واحد منهما وليس كذلك بل حرف من البيان وافعل التفضيل استعمل باللام فيجب ان يقال او من الارث لانه لما قال الاقل بين الاقل باحدهما وصلة الاقل محذوف وهو من الاخر اى فلها احدهما الذى هو اقل من الاخر فيكون الواو بمعنى او او يكون الواو على معناها لكن لا يراد بها المجموع بل يراد الاقل الذى هو الارث تارة والموصى به اخرى.

ترجمہ:۔ پھر خاوند نے اس کا اقرار کیا کہ زوجہ کا مجھ پر کچھ قرض ہے یا خاوند نے بیوی کے لئے کچھ مال کی وصیت کی تو عورت کو اقرار یا وصیت اور میراث میں سے جو کم ہوگا وہی ملے گا، یعنی اگر اقرار کردہ قرض یا وصیت کردہ مال حصۂ میراث سے کم ہو تو امام صاحب کے نزدیک عورت کو وہی ملے گا اور اگر ان کے مقابلہ میں میراث کی مقدار کم ہو تو میراث ہی ملے گی اور صاحبین کے نزدیک اقرار اور وصیت درست ہے خواہ میراث سے زیادہ ہو) اور یہاں یہ بات واضح رہے کہ مصنفؒ کی عبارت "فلها الاقل منه ومن الارث" میں حرف "من" اسم تفضیل یعنی "الاقل" کا صلہ اور تعلق کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو لازم آئے گا کہ دَین یا وصیت اور میراث میں سے ہر دونوں کا اقل واجب ہو حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہاں من بیانیہ ہے اور اسم تفضیل الف لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اس بنا پر ضروری تھا کہ "او من الارث" کہا جاتا، اس لئے کہ مصنفؒ نے جب کہا "الاقل" یعنی جو کم ہو تو پھر من کے ذریعہ اس اقل کا بیان کیا کہ دونوں میں سے جو ایک کم ہو اور اقل کا صلہ دراصل محذوف ہے اور وہ من الآخر کا لفظ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ عورت کو ان دونوں میں سے وہ ایک ہے جو دوسرے سے کم ہو تو یہاں واو، بمعنی او ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واؤ کو اپنے معنے جمع میں رکھا جائے لیکن بیک وقت معنے جمعیت مراد نہ لئے جائیں بلکہ مطلق اقل مراد لی جائے جو ایک وقت ارث ہو سکتی ہے اور دوسرے وقت وصیت ہو سکتی ہے

تشریح: ۱؎ قولہ فلها الاقل الخ یعنی عورت وصیت یا اقرار کے سارے مال کی حقدار نہ ہوگی بلکہ اقرار یا وصیت کے مال اور وراثت کے مال سے جو کم ہوگا وہی اس کو ملے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ مرض سے پہلے طلاق ہونے اور عدت گذر جانے پر دونوں متفق ہونے کی وجہ سے اگرچہ عورت اجنبیہ بن گئی اور اجنبی کے لئے اقرار و وصیت جس قدر مال کی بھی ہو درست ہے لیکن یہاں تہمت کا مقام ہے کہ غالباً دونوں نے اس بنا پر اتفاق کیا کہ عورت کو ارث کی مقدار سے زیادہ مل جائے کیونکہ وارث کے لئے وصیت یا مرض الموت میں اقرار درست نہیں اس لئے باقی وارثین کے حق میں زوجین کی یہ کارروائی معتبر نہ ہوگی ہاں میراث کم ہو تو تہمت نہ ہونے کی وجہ سے معتبر ہوگی ۱۲

۲؎ قولہ واعلم الخ اس کی شرح یہ ہے کہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ عورت اقرار یا وصیت اور میراث میں سے جو کم ہے اس کی مستحق ہوگی یعنی جو بھی دوسرے سے کم ہوگا وہی اسے ملے گا اگر وصیت یا اقرار، وراثت سے کم ہو تو عورت اس کی مالک ہوگی اور اگر میراث، وصیت یا اقرار سے کم ہو تو عورت میراث کی مالک ہوگی اور یہ مقصود متن کی عبارت سے اسی وقت سمجھا جائے گا جبکہ دونوں جگہ "من" بیانیہ اور واؤ معنی میں اُو کے ہو اور اقل کا صلہ محذوف ہو یعنی "من الآخر"، اب معنی یہ ہوں گے کہ عورت کو وصیت ملے گی جو کہ میراث سے کم ہے یا میراث ملے گی جو کہ وصیت سے کم ہے اور واو جمع کیلئے ہو نادرست نہیں کیونکہ اس وقت معنی یہ ہونگے کہ عورت ایسی میراث اور وصیت کی مالک ہوگی جو دونوں کم ہوں گی اور یہ بات تب ہی صحیح ہو سکتی ہے جبکہ میراث اور وصیت دونوں کی کوئی زائد مقدار بھی وہاں موجود ہو اسی طرح من کو اقل کا صلہ قرار دینے سے معنی یہ ہوں گے کہ میراث اور وصیت دونوں سے یا کسی ایک سے کم کوئی دوسری چیز عورت کو ملے گی حالانکہ منشا تو یہ بھی نہیں

۳؎ قولہ فیکون الواو الخ۔ یہ دراصل سابقہ تفصیل سے جو سمجھ میں آتا تھا کہ مصنف کے لئے یہاں واو کی جگہ اُو لانا چاہئے تھا اس پر تفریع ہے اور اس سے غرض مصنفؒ کے کلام کی مقصود کے مطابق اصلاح ہے دو طریقے سے (۱) مصنف کے قول "ومن الارث" میں واو بمعنے اُو ہے کیونکہ واو کا استعمال اُو کے معنے میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اب مقصد واضح ہو جاتا ہے اور واو آنے سے اس پر کوئی خلل نہیں پڑتا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

فیکون الواو للجمع وھو ان الاقلیۃ ثابتۃ لکن بحسب زمانین کمن طلقت ثلثا بامرھا

فی مرضہ ثم اقر او اوصی فان لھا الاقل من ذلک ومن الارث فی قولھم جمیعا ولو علق

الثلث بشرط ووجد فی مرضہ ان علقہ بمجئ وقت کرجب او فعل اجنبی ترث الا

اذا علق فی صحتہ وان علق بفعل نفسہ ترث سواء کان التعلیق فی مرضہ او لا

والفعل لہ منہ بد کالکلام مع الاجنبی او لابد لہ منہ کاکل الطعام وصلوۃ الظہر

وکلام الابوین وان علق بفعلھا فان کانا ای التعلیق والشرط فی مرضہ الفعل

لھا منہ بد لا ترث وان لم یکن لھا بد منہ ترث وان کان ای التعلیق فی صحتہ لا ترث

الا فیما لا بد لھا منہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف خلافا لمحمد وزفر۔

ترجمہ — اس طرح واؤ کے معنے جمع بھی باقی رہ جائیں گے یعنی دونوں کی اقلیت ثابت ہوگی لیکن یک وقت نہیں بلکہ مختلف زمانوں میں جیسا کہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو تین طلاق دیں عورت کی فرمائش پر حالت مرض میں پھر اس کے لئے اقرار کیا قرض کا یا کچھ وصیت کی، تو اس کو جو کم ہوگا اقرار یا وصیت اور میراث میں سے وہی ملے گا ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک، اور اگر مریض نے تین طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کیا اور شرط اس کے مرض موت میں پائی گئی۔ تو اگر ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جو اپنے یا زوجہ کے اختیار میں نہیں ہے مثلاً معلق کیا طلاق کو کسی وقت مثلاً ماہ رجب کے آنے کے ساتھ یا کسی اجنبی کے فعل کے ساتھ تو زوجہ وارث ہوگی، اور اگر حالت صحت میں تعلیق کی (اور شرط مرض میں پائی گئی) تو وارث نہ ہوگی اور اگر (اپنی زوجہ کی تین طلاق کو) اپنے کسی فعل پر معلق کیا تو وہ وارث ہوگی خواہ تعلیق حالت مرض میں کی ہو یا حالت صحت میں اور چاہے مرد کو اس فعل سے چارہ ہو جیسے کسی اجنبی سے بات کرنے پر معلق کیا یا ایسے فعل سے معلق کیا جس سے اسکو چارہ نہیں ہے جیسے کھانا کھانے پر یا ظہر کی نماز ادا کرنے پر یا اپنے ماں باپ سے کلام کرنے پر (ہر حال میں عورت وارث ہوگی) اور اگر زوجہ کے فعل پر معلق کیا تو اگر دونوں، یعنی تعلیق اور شرط مرض کی حالت میں واقع ہوں اور فعل ایسا ہے کہ عورت کو اس سے چارہ ہے تو عورت وارث نہ ہوگی اور اگر اس فعل سے عورت کو چارہ نہیں تو وارث ہوگی اور اگر وہ ہو یعنی تعلیق اس کی حالت صحت میں (اور عورت کو اس فعل سے چارہ ہے) تو عورت وارث نہ ہوگی اور اگر ایسا فعل ہے کہ عورت کو اس سے چارہ کار نہیں تو امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک وارث ہوگی بخلاف امام محمدؒ اور زفرؒ کے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) (۲) واؤ جمع ہی کے لئے رہے لیکن مختلف زمانہ کے اعتبار سے تاکہ ہر ایک کا ایک زمانہ میں دوسرے کا اقل ہونا لازم نہ آئے کیونکہ یہ تو محال ہے اس لئے کہ ایک کا اقل ہونا دوسرے کے اکثر ہونے کو مستلزم ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ کبھی وراثت، اقرار یا وصیت سے کم ہو اور کبھی ان میں سے کوئی ایک میراث سے کم ہو ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ لمن طلقت الخ۔ یہ تشبیہ ہے پہلے مسئلہ کی دوسرے مسئلہ کے ساتھ حکم میں یعنی عورت دونوں میں سے ایک کی مستحق ہوگی جو کم اقل ہوا اور پہلا مسئلہ جو نکہ اختلافی ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی اس لئے پہلے کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور اسکا برعکس اسلئے نہیں کیا کہ مشبہ بہ کا زیادہ قوی اور واضح ہونا ہی مستحسن ہے، اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت نے مرد سے اس کے مرض موت میں تین طلاقیں مانگیں اور مرد نے دیدیں پھر اس کے بعد مرد نے عورت کے لئے کچھ قرض کا اقرار کیا یا کچھ مال کی وصیت کی تو اس صورت میں قطعی طور پر تہمت پائی جاتی ہے اس لئے ان دونوں کی یہ کارروائی دوسرے ورثہ کے حق میں معتبر نہ ہوگی بلکہ بالاتفاق اقرار اور وراثت، یا وصیت اور وراثت میں سے جو اقل ہوگا وہی ملے گا ۱۲ (باقی صہ آئندہ پر)

فانها لا ترث عندهما لانه لم یوجد من الزوج صنع بعد[1] ما تعلق حقها بماله هذا عبارة الهدایة ومعناها ان المرأة الفارّ انما ترث ان وجد من الزوج فی مرض موته صنع فی ابطال حقها بعد ما تعلق حقها بماله بسبب المرض ولم یوجد ذلك الصنع لان التعلیق كان فی صحته بل المرأة ابطلت حقها باتیانها بذلك الفعل فجوابهما ان الفعل لابدّ لها منه فهی مضطرة الی الاتیان به فصار فعلها مضافا الی الزوج كما فی الاكراه[2]۔

ترجمہ:۔ کہ ان کے نزدیک اس صورت میں بھی وارث نہ ہوگی کیونکہ عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد شوہر سے کوئی ایسی بات نہیں پائی گئی (جس کو عورت کا حق باطل کرنے کی کوشش قرار دی جاسکے) یہی ہدایہ کی عبارت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فار بالطلاق کی عورت اس وقت وارث ہوتی ہے جبکہ مرض کے سبب عورت کا حق زوج کے مال کے ساتھ وابستہ ہو چکنے کے بعد شوہر کی جانب سے اسی مرض میں عورت کا حق باطل کرنے کی کوئی کارروائی پائی جائے اور مذکورہ صورت میں اس کی طرف سے حالت مرض میں ایسی کارروائی نہیں پائی گئی کیونکہ تعلیق حالت صحت میں ہوئی ہے بلکہ عورت نے اس فعل کو عمل میں لاکر خود ہی اپنا حق باطل کیا ہے، شیخین کیطرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ فعل ایسا ہے جسے کئے بغیر عورت کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں اس لئے اس کے عمل میں لانے پر وہ مجبور رہے تو عورت کا ایسا فعل شوہر ہی کی طرف منسوب ہوگا جیساکہ اکراہ میں (مجبور کا فعل جبر کرنے والے کی طرف منسوب) ہوتا ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) سلہ قولہ او فعل اجنبی الخ۔ یہ ترکیب اضافی ہے اور فعل سے معنی عام مراد ہے جو کہ ترک کو بھی شامل ہے اور اجنبی کے لفظ سے متعارف معنی یعنی جس سے قرابت نہ ہو یہ مراد نہیں بلکہ یہاں غیر زوجین مراد ہے چاہے ان کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔۱۲

سلہ قولہ او لا بد لہ منہ الخ چاہے طبعی طور پر ضروری ہو مثلاً کھانا پینا وغیرہ یا شرعاً ضروری ہو مثلاً فرض نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، قرض ادا کرنا والدین اور عزیز و اقارب کے ساتھ بات چیت کرنا وغیرہ۔۱۲

سلہ قولہ فان کانا الخ۔ ہدایہ اور اس کی شروح میں ان مباحث کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ خاوند طلاق کو آسمانی عارضہ سے معلق کر دے مثلاً فلاں وقت آنے پر یا غیر زوجین کے فعل سے معلق کرے یا اپنے فعل کے ساتھ یا عورت کے فعل کے ساتھ معلق کرے اور یہ ہر تعلیق صحت میں اور شرط مرض میں ہو یا دونوں ہی مرض میں ہوں یہ کل آٹھ صورتیں ہوئیں باقی اور دو صورتیں کہ تعلیق اور شرط دونوں صحت میں ہوں یا تعلیق مرض میں اور شرط صحت میں ہو یعنی اس مرض سے صحت مند ہونے کے بعد تو ان میں چونکہ قصد فرار متحقق نہیں ہوتا اس لئے معرض بحث سے خارج ہیں۔ اب پہلی دو صورتوں میں یعنی وقت آنے پر یا اجنبی کے فعل سے معلق ہو تو اگر تعلیق و شرط دونوں مرض میں ہوں تو عورت وارث ہوگی کیونکہ قصد فرار موجود ہے لیکن اگر تعلیق صحت میں اور شرط مرض میں پائی جائے تو ہمارے نزدیک عورت وارث نہ ہوگی بخلاف امام زفرؒ کے ان کے نزدیک وارث ہوگی اور تیسری صورت کہ اپنے فعل کے ساتھ معلق کیا ہو تو ہر حال میں عورت وارث ہوگی۔ چاہے تعلیق و شرط دونوں مرض میں ہوں یا صرف شرط مرض میں اور وہ لابدی ہو یا غیر لابدی ہو کیونکہ وہ مرض میں تعلیق سے فار ہوا یا مرض میں شرط کا مباشر بن کر کے فار ہوا۔ اور چوتھی صورت کہ عورت کے فعل کے ساتھ معلق کیا ہو تو اگر تعلیق و شرط دونوں مرض میں ہوں تو اگر فعل لابدی نہ ہو تو وارث نہ ہوگی کیونکہ شرط کو باختیار عمل میں لانے سے طلاق پر رضامندی پائی گئی تو شوہر فار نہ ہوگا اور اگر فعل شرط لابدی ہو تو وارث ہوگی کیونکہ وہ مضطر ہے، اور اگر تعلیق صحت میں ہو اور شرط مرض میں اور فعل لابدی نہ ہو تو بھی وارث نہ ہوگی اور اگر فعل لابدی ہو تو شیخین کے نزدیک وارث ہوگی اور امام محمدؒ و زفرؒ کے نزدیک وارث نہ ہوگی جس کی وجہ کتاب میں مذکور ہے۔۱۲ زت

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ بعد ما تعلق الخ کیونکہ مرض موت میں مریض کے مال سے تو وارثین کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر اس حالت میں ثلث مال سے زیادہ کی وصیت یا تبرع بلا اجازت وارثین ممنوع ہے۔۱۲ سلہ قولہ کما فی الاکراہ الخ مثلاً زید عمرو کو مجبور کرے کہ وہ غیر کا مال تلف کرے تو اس کی ضمان زید پر واجب ہوگی کیونکہ مکرِہ در اصل مکرَہ کا آلہ بن گیا جیسے ذبح کرنے والے کے ہاتھ کی چھری آلہ ہوتی ہے اس لئے فعل مکرَہ مکرِہ کیطرف منتقل ہوگا۔۱۲

وفی الرجعی ترث فی الاحوال اجمع وخص ارثها بموته فی عدتها امّا اذا انقضت عدتها ثم مات لاترث[1] اجماعًا وعبارة المختصر هکذا وان علق بینونتها بشرط ووجد فی مرضه ترث ان علق بفعله او بفعلها ولابد لها منه او بغیرهما وقد علق فی المرض فالحاصل ان التعلیق ان کان بفعله ترث مطلقا وان کان بفعلها ولابد لها منه فکذلک الا انه ان کان التعلیق فی الصحة ففیه خلاف محمد وزفر وان کان لها منه بدّ لاترث وان علق بغیر فعلهما فان کان التعلیق فی المرض ترث والافلا۔

ترجمہ:۔ اور اگر مریض نے طلاق رجعی دی یا اس کو کسی شرط پر معلق کیا تو مذکورہ تمام صورتوں میں عورت وارث ہوگی اور عورت کا وارث ہونا خاص ہے اسی صورت میں جب خاوند مرجائے اور عورت کی عدت نہ گذری ہو، لیکن اگر عورت کی عدت گذر جائے اور اس کے بعد شوہر مرے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی حال میں عورت وارث نہ ہوگی اور اس مقام میں مختصر الوقایہ کی عبارت یوں ہے ،، اور اگر زوج نے عورت کی طلاق بائن کو کسی شرط سے معلق کیا اور وہ شرط اس کے مرض میں پائی گئی تو عورت وارث ہوگی بشرطیکہ شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہو اپنے فعل کے ساتھ یا عورت کے ایسے فعل کے ساتھ جس کا کرنا اس کے لئے لابدی ہے یا اپنے اور عورت کے غیر کے فعل کے ساتھ معلق کیا ہوا اور یہ تعلیق بھی مرض کی حالت میں ہوئی ہو، اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شوہر نے اپنے فعل کے ساتھ طلاق کو معلق کیا ہے تو بہر صورت عورت وارث ہوگی اور اگر عورت کے فعل کے ساتھ معلق کیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے عمل میں لانا عورت کے لئے ضروری ہو تو بھی حکم اسی طرح ہے کہ عورت وارث ہوگی البتہ اس صورت میں اگر حالت صحت میں تعلیق ہوئی ہو تو امام محمدؒ اور زفرؒ کا اس میں خلاف ہے (ان کے نزدیک وارث نہ ہوگی۔ کمامر) اور اگر عورت کے ایسے فعل سے معلق کیا ہو جس کا کرنا عورت کے لئے ضروری نہ ہو تو عورت وارث نہ ہوگی اور اگر اپنے اور عورت کے علاوہ کسی اور کے فعل پر معلق کیا ہو تو حالت مرض میں تعلیق ہونے سے عورت وارث ہوگی ورنہ نہیں۔

تشریح:۔ [1] قولہ لاترث اجماعًا الخ یعنی ہمارے اور امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کی موت کے وقت زوجیت بالکل منقطع تھی اور وہی یہاں سبب ارث تھی اور موت کے وقت اسباب ارث میں سے کوئی سبب پایا جانا ضروری ہے اور امام شافعیؒ نے عدت پوری ہونے سے قبل بھی اسی بات سے استدلال کیا ہے اور ہمارے نزدیک وجہ فرق یہ ہے کہ عدت کے اندر بعض احکام کے لحاظ سے نکاح باقی رہتا ہے چنانچہ عدت میں مطلقہ بی بی کی بہن سے نکاح درست نہیں اسی طرح چوتھی بی بی کی عدت میں پانچویں عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں اس لئے ارث کے معاملہ میں بھی عدت کے اندر بقائے نکاح کا حکم دیا جا سکتا ہے اور شوہر کی طرف سے ابطال حق کا ارادہ مسترد ہوگا لیکن موت سے پہلے اگر عدت تمام ہو جائے تو بقائے نکاح کا حکم لگانا کسی طرح ممکن نہیں اس لئے وراثت بھی ثابت نہ ہوگی ۱۲

باب الرجعة

هي في العدة لا بعدها لمن طلقت دون ثلث اي في الحرة اما في الامة فلا رجعة الا في الواحدة وان ابت بنحو راجعتك وبوطيها ومسها بشهوة ونظره الى فرجها بشهوة هذا عندنا واما عند الشافعي فلا تصح الا بالقول وندب اشهاده على الرجعة واعلامها بها اي اعلام الزوج اياها بالرجعة وان لا يدخل عليها حتى يستاذنها ان لم يقصد رجعتها ولو ادعى بعد العدة الرجعة فيها وصدقته فهو رجعة وان كذبته فلا ولا يمين عليها عند ابي حنيفة فان الرجعة من الاشياء التي لا يمين فيها عند ابي حنيفة

رجعت کا بیان

ترجمہ :۔ طلاق دینے کے بعد (مرد کو) عورت کی عدت کے اندر رجعت کا حق حاصل ہے عدت کے بعد میں نہیں اس عورت سے رجعت کر سکتا ہے جسے تین سے کم طلاقیں دی جائیں (یعنی ایک یا دو) یہ حکم آزاد عورت کے بارے میں ہے لیکن اگر زوجہ باندی ہو تو صرف ایک ہی طلاق کی صورت میں رجعت کا حق حاصل ہے اگرچہ عورت رجعت پر راضی نہ ہو اور رجعت ثابت ہو جائے گی شوہر کے یہ کہنے سے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا عورت کے ساتھ وطی کر لینے سے یا شہوت کے ساتھ اس کو چھو لینے سے یا شہوت کے ساتھ اس کی فرج کی طرف نظر کرنے سے یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک زبان سے کہے بغیر رجعت صحیح نہیں، اور مستحب ہے رجعت پر گواہ مقرر کر لینا اور عورت کو اس رجعت کے بارے میں آگاہ کرنا یعنی یہی مستحب ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو رجعت .... کے بارے میں اطلاع دیدینا اور اگر شوہر کو بیوی سے رجعت کرنے کا ارادہ نہ ہو تو مستحب ہے کہ اس کے گھر میں بلا اذن اور بے خبری میں داخل نہ ہو اگر خاوند نے طلاق رجعی کی عدت گذرنے کے بعد دعویٰ کیا کہ میں نے عدت ہی میں عورت سے رجعت کی تھی اور عورت نے اس کی تصدیق کی تو رجعت ثابت ہوگی اور اگر عورت نے تکذیب کی تو دعویٰ باطل ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت پر اس صورت میں قسم نہیں ہے کیونکہ رجعت ان چیزوں میں سے ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ان میں قسم نہیں (اور صاحبینؒ کے نزدیک قسم لازم آئے گی)۔

تشریح :۔ [۱] قولہ ہی فی العدۃ الخ یعنی مدت کے زمانہ میں جائز یا ثابت ہے اور گاہے واجب ہو جاتی ہے اور یہ مرد کا حق ہے جو نص سے ثابت ہے اور اس کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوتی حتی کہ وہ اگر طلاق دیتے وقت یہ کہدے کہ "مجھے رجعت کا اختیار نہ ہوگا" یا "میں رجعت کو باطل کرتا ہوں" تو بھی

[۲] قولہ دون ثلث الخ۔ اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان" جس سے دو طلاق پر امساک یعنی رجعت کا حق ثابت ہوا پھر فرمایا "فان طلقها" یعنی اگر تیسری طلاق دی تو "فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره"۔

[۳] قولہ وان ابت الخ۔ یعنی اگرچہ عورت انکار کردے اور رجعت پر راضی نہ ہو کیونکہ رجعت میں عورت کی رضامندی شرط نہیں جس طرح طلاق میں عورت کی رضا شرط نہیں، نصوص کتاب و سنت میں یہ حق مطلقاً مذکور ہے۔

[۴] قولہ الا بالقول الخ۔ یعنی جبکہ اس پر قادر ہو اور اگر گونگا ہو یا زبان میں گرہ ہو تو اس کی رجعت اشارہ سے بھی ہو سکتی ہے امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت بمنزلہ ابتدائے نکاح کے ہے اس لئے فعل سے درست نہیں ہوگی۔ اور ہم کہتے ہیں کہ شرعاً رجعت کا حق ثابت ہے مرد کی رعایت کرتے ہوئے تاکہ وہ مفارقت پر نادم ہونے سے تدارک کر سکے جس سے اس کا اس بارے میں مستقل ہونا ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت کی مرضی کے بغیر ہی بالاتفاق رجعت درست ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رجعت نئی ملکیت حاصل کرنے کیلئے نہیں بلکہ ملکیت قائمہ بالنکاح کو دائم اور باقی رکھنے کے لئے مشروع ہے۔ اور فعل اگرچہ نئی ملکیت کے لئے کافی نہ ہو مگر دوام ملکیت کے لئے ضرور کافی ہوگا جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو تین روز کی شرط خیار پر بیچے پھر وہ اس کے ساتھ وطی کرے تو خیار ساقط ہو جاتا ہے جس طرح کہ قول سے ساقط ہوتا ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

وان قال راجعتك فقالت مضت عدتی فلا رجعة ای ان کانت المدة مدة تحتمل انقضاء العدة فالمرأة تصدق فی اخبارها بانقضاء العدة وهذا عند ابی حنیفة رح واما عندهما فتصح الرجعة لانها لم تخبر قبل الرجعة بانقضاء العدة فالظاهر بقاؤها کما فی زوج امة اخبر بعد العدة بالرجعة فیها السید ها فصدقه وکذبته فان القول قولها عند ابی حنیفة رح واما عندهما فالقول قول المولی او قال راجعتك فقالت مضت عدتی وانکرا ای الزوج والسید مضی العدة۔

ترجمہ:۔ اگر خاوند نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھ سے رجعت کی (اور عورت نے کہا کہ میری عدت گذر گئی تو رجعت ثابت نہ ہوگی۔ یعنی اگر طلاق کے بعد اتنی مدت گذر چکی ہو جس مدت میں عدت پوری ہونے کا احتمال ہو سکے تو عدت گذرنے کی خبر دینے میں عورت کی بات معتبر ہوگی یہ امام ابوحنیفہ رح کا مذہب ہے اور صاحبین رح کے نزدیک رجعت صحیح ہوگی اس لئے کہ عورت نے شوہر کے اس کہنے سے پہلے عدت پوری ہونے کی خبر نہیں دی، پس ظاہر بقائے عدت ہے اسی طرح اگر لونڈی کے خاوند نے عدت گذرنے کے بعد اس کے مالک سے کہا کہ میں نے عدت کے اندر اس سے رجعت کرلی تھی اور مالک نے اس کی تصدیق کی اور لونڈی نے اس کی تکذیب کی، تو امام صاحب کے نزدیک لونڈی کا قول معتبر ہوگا اور صاحبین رح کے نزدیک مولی کا قول معتبر ہے (قسم کے ساتھ) یا لونڈی سے اس کے خاوند نے کہا کہ میں نے تجھ سے رجعت کی اور لونڈی نے کہا کہ میری عدت گذر گئی اور مولی اور خاوند نے اس کا انکار کیا تو امام صاحب کے نزدیک لونڈی کا قول معتبر ہوگا اور صاحبین کے نزدیک زوج اور مولی کا،

(بقیہ صد گذشتہ)

تشریح:۔ شہ قولہ اشہاد الخ یعنی دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کرے چاہے فعل سے رجعت ہو یا قول سے تاکہ انکار کی گنجائش نہ رہے اور تہمت سے بچ سکے کیونکہ لوگوں کو طلاق کی اطلاع ہو چکنے کے بعد اس عورت کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر تہمت آسکتی ہے۔ اور قرآن حکیم میں "واشہدوا ذوی عدل منکم" استحباب پر محمول ہے ۱۲ شرح کنز زیلعی۔

لہ قولہ وان کذبتہ فلا الخ یعنی جب عدت کے بعد زوج نے کہا کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا، فعل یا قول کے ذریعہ اور عورت نے بھی تصدیق کی تو رجعت ثابت ہوگی جیساکہ نکاح کے بارے میں باہمی اتفاق معتبر ہے۔ ہاں اگر وہ حقیقت میں جھوٹے ہوں تو دیانۃً ثابت نہ ہوگی اور اگر عورت جھٹلائے تو رجعت ثابت نہ ہوگی جب تک کہ خاوند بینہ سے ثابت نہ کرے اگر مرد بینہ نہ لا سکے تو امام صاحب کے نزدیک عورت پر حلف نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک حلف ہوگا ۱۲ (حاشیہ صد ہذا)

سلہ قولہ ان کانت المدة الخ۔ اگر انقضاء عدت یعنی تین حیض گذرنے کا احتمال نہ رکھے مثلاً ڈیڑھ مہینہ گذرنے سے پہلے ہی عورت عدت پوری ہونے کا دعوی کرے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا کیونکہ ظاہر واقعہ عورت کی تکذیب کر رہا ہے ۱۲

سلہ قولہ کما فی زوج امة الخ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی لونڈی کو دوسرے سے نکاح دیا پھر خاوند نے اسے طلاق دی اور عدت گذرنے کے بعد شوہر نے اپنی بیوی کے آقا کو خبر دی کہ عدت گذرنے سے پہلے میں نے رجوع کر لیا ہے آقا نے تصدیق کرلی اور لونڈی نے تکذیب کی تو امام صاحب کے نزدیک لونڈی کا قول معتبر ہوگا اور صاحبین کے نزدیک آقا کا قول معتبر ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے خالص حق کے بارے میں اقرار کیا اس لئے قبول کیا جائے گا جیساکہ لونڈی کے نکاح کے بارے میں اقرار کرنے سے قبول کیا جاتا ہے امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ رجوع کی صحت اور عدم صحت عدت پوری ہونے اور نہ ہونے پر مبنی ہے اور عدت ختم ہونے اور نہ ہونے کی خبر میں لونڈی ہی امینہ ہے اور اسی کی بات قابل تصدیق ہے آقا کا قول معتبر نہیں اس لئے جو بات عدت پر مبنی ہوگی اس کے بارے میں بھی لونڈی کا قول معتبر ہوگا اور نکاح کے معاملہ میں چونکہ مولی ہی خود مختار ہے اس لئے اس کا قول معتبر ہے بخلاف رجعت کے کہ اس میں مولی خود مختار نہیں ۱۲ نہر۔

وان انقطع دم[1] اٰخر العدة لعشرة ايام تمّت وَلاقل منها لا حتى تغتسل او يمضى عليها وقت فرض اوتيمم فتصلي ولونسيت غسل عضوراجع وفيما دونه لا اى نسيت غسل ما دون العضو فح لا تصح الرجعة لانه لا اعتبار لما دون العضو فكانها اغتسلت ومضت عدتها ولوطلق حاملا اومن[2] ولدت منكرا وطيها فله الرجعة اى طلق امرأته وهي حامل فانكر وطيها فله الرجعة اقول[3] فى قوله فله الرجعة تساهل لان وجود الحمل وقت الطلاق انما يعرف اذا ولدت لاقل من ستة اشهر من وقت الطلاق فاذا ولدت انقضت العدة فلا يملك الرجعة۔

ترجمہ:۔ (جو عورت کہ عدت میں ہے) اگر اس کی عدت کے آخری حیض کا خون دسویں روز ختم ہو تو بجرد پاک ہونے کے عدت تمام ہوگئی اور اگر دس روز سے کم میں پاک ہوئی تو جب تک کہ غسل نہ کرے یا ایک فرض نماز کا وقت اس پر نہ گذر جائے یا تیمم کرکے نماز ادا نہ کرلے اس کی عدت تمام نہ ہوگی اور اگر اس نے غسل کیا اور ایک عضو کا دھونا بھول گئی اور خاوند نے رجعت کرلی تو درست ہے اور اگر ایک عضو سے کم چھوٹ گیا تو رجعت ثابت نہ ہوگی یعنی اگر ایک عضو سے کم کا دھونا بھول گئی تو اس وقت رجعت صحیح نہ ہوگی کیونکہ ایک عضو سے کم کا کوئی اعتبار نہیں تو گویا اس نے پورا غسل کرلیا اور عدت گذر چکی۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو حمل کی حالت میں یا بچہ جننے کے بعد طلاق دی اور اس کے ساتھ وطی کرنے سے انکار کیا پھر بھی (اگرچہ غیر موطوءہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق بائنہ ہو جائے جس کے بعد رجعت نہیں ہوسکتی تاہم) اس کو رجعت کا حق حاصل ہے یعنی کسی نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دی کہ وہ حاملہ ہے اور وہ اس بیوی سے وطی کرنے کا انکار کرتا ہے تو بھی اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ "مصنف کے قول" فلہ الرجعۃ "میں تسامح ہے کیونکہ طلاق کے وقت حمل ہونا تو اس وقت معلوم ہوسکتا ہے جبکہ وہ عورت طلاق کے وقت سے لے کر چھ مہینے کے اندر بچہ جنے، اور بچہ جننے کے ساتھ ساتھ اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور عدت ختم ہونے کے بعد رجعت کا مالک نہیں ہوسکتا۔

تشریح:۔ [1] قولہ دم آخر العدۃ الخ۔ یعنی عدت پوری ہونے سے حق رجعت ختم ہوتا ہے اور عدت بجرد اختتام آخری دم حیض پوری ہوتی ہے جبکہ حیض دس دن کا ہو کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا اگر زیادہ خون آئے تو وہ بحکم استحاضہ ہے اور دس دن سے کم میں اگر حیض بند ہو جائے تو دوبارہ حیض لاحق ہونے کا احتمال ہے اس لئے انقطاع حیض موکد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو غسل کرکے پوری طرح پاک ہو جائے یا تو اس پر ایسا کوئی حکم لازم ہو جائے جو طاہر عورتوں پر عائد ہوتا ہے یعنی پورا وقتِ نماز گذر جاتا کہ فرضیت صلوٰۃ کے حکم سے اس کی طہارت معلوم ہو۔

[2] قولہ من ولدت منکرا الخ۔ یعنی عورت نے بچہ جنا پھر مرد نے اسے طلاق دیدی اور کہا کہ میں نے اس سے کبھی جماع نہیں کیا اور "منکرا" طلق کے فاعل سے حال واقع ہے اور دونوں صورتوں سے متعلق ہے ۱۲

[3] قولہ اقول فی قولہ الخ۔ یہ دراصل مصنف پر اعتراض ہے کہ ان کی عبارت مقصود کے مطابق نہیں بلکہ اس کے خلاف ہے اس لئے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ حاملہ تھی اور اس سے وطی کا انکار کیا یعنی یہ کہا کہ میں نے اس کے ساتھ کبھی بھی جماع نہیں کیا، اب یہ انکار دراصل اس بات کو متضمن ہے کہ وہ اس حمل کو اپنا ماننے سے انکار کر رہا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ رجعت صحیح نہ ہو کیونکہ رجعت عدت میں ہوتی ہے اور غیر مدخولہ کی عدت نہیں ہوتی، ایسی حالت میں مصنف کا قول تب ہی غیر معتبر ہوگا جبکہ شرعًا اس کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ عورت کے ہاں طلاق کے بعد چھ مہینہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو۔ اس سے پہلے رجعت نہیں ہوسکتی اور اس کے بعد بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ عدت گذر گئی کہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہوتی ہے۔ غرض صحت رجعت کا حکم لگانا کسی طرح ٹھیک نہیں بنتا نہ وضع حمل سے پہلے اور نہ وضع کے بعد۔ آگے شارح نے خود اس عبارت کی ایسی توجیہ کر دیئے ہیں جس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے ۱۲ (باقی صفحہ آئندہ پر)

فیکون المراد بالرجعة الرجعة قبل وضع الحمل فیکون[1] المراد انه ان راجع قبل وضع الحمل فولدت لاقل من ستة اشهر یحکم بصحة الرجعة السابقة ولا یراد انه یحل له الرجعة قبل وضع الحمل لانه لما انکر الوطی والشرع لا یحکم بوجود الحمل وقت الطلاق بل انما یحکم اذا ولدت لاقل من ستة اشهر من وقت الطلاق فلم یوجد تکذیب الشرع قبل وضع الحمل فالصواب ان یقال ومن طلق حاملا منکرا وطیها فراجعها فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر صحت الرجعة واما مسئلة الولادة فصورتها انه[2] طلق امرأته التی ولدت قبل الطلاق منکرا وطیها فله الرجعة۔

ترجمہ:۔ اس لئے رجعت سے مراد ہوگی وضع حمل سے پہلے رجوع کرنا۔ مطلب یہ کہ خاوند نے وضع حمل سے پہلے رجوع کرلیا اور زوجہ نے بعد طلاق کے چھ مہینہ کے کم میں بچہ جنا تو خاوند پہلے جو رجعت کرچکا تھا اس کے بارے میں اب حکم کیا جائے گا کہ وہ رجعت صحیح تھی اور اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا ہے کہ وضع حمل سے پہلے ہی اس کے لئے رجوع کرلینا صحیح ہوجائے گا کیونکہ جب کہ اس نے وطی سے انکار کیا اور شرع ابھی سے یہ حکم نہیں کرتی کہ بوقت طلاق حمل موجود ہے بلکہ طلاق کے بعد چھ مہینہ کے کم میں جب بچہ جنے گی تب شریعت حکم کرے گی کہ طلاق کے وقت حمل موجود تھا اور شوہر انکار وطی کے دعوی میں جھوٹا تھا تو وضع حمل سے پہلے تک شریعت کی جانب سے تکذیب نہیں پائی گئی (پس وضع حمل سے پہلے کیونکر رجعت صحیح ہونے کا حکم دیا جا سکتا ہے) اس لئے مناسب تھا کہ اس طرح کہا جائے کہ "جس نے طلاق دی حاملہ عورت کو اور وہ اس کے ساتھ وطی کرنے کا انکار کرتا ہے پھر اس سے رجوع کرلیا اور اس عورت نے طلاق کے بعد چھ مہینہ کے کم میں بچہ جنا۔

تشریح:۔ (بقیہ گذشتہ) [3] قولہ لاقل من ستة الخ۔ اور جب چھ مہینہ کے بعد بچہ پیدا ہوا یا طلاق کے وقت سے لے کر ٹھیک چھ ماہ پورے ہوتے ہی بچہ پیدا ہو تو طلاق کے موقع پر حمل کا وجود قطعی طور پر معلوم نہیں ہوگا اس لئے سابقہ رجعت صحیح نہ ہوگی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ فیکون المراد الخ۔ یہ مصنف کے تسامح کی وضاحت کے بعد ان کے کلام کی توجیہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب معلوم ہوگیا کہ صحت رجعت کو ولادت کے بعد یا پہلے محمول کرنا ممکن نہیں تو اب "فلہ الرجعۃ" سے مراد یہ ہوگی کہ اگر خاوند نے ولادت سے پہلے رجوع کرلیا تو اب چھ مہینہ سے کم میں بچہ جننے کے بعد اس رجوع کی صحت کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اب ولادت سے مرد کے اس دعوی کا کہ "میں نے جماع نہیں کیا" اس کا کذب ظاہر ہوگیا اور یہ معلوم ہوگیا کہ وطی کے بعد عورت کو طلاق ہوئی لہٰذا اس کا سابقہ رجوع عدت میں واقع ہوا اس لئے صحیح ہے ۱۲

[2] قولہ انہ طلق امرأتہ الخ۔ یعنی مرد نے یہ کہتے ہوئے عورت کو طلاق دی کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا حالانکہ طلاق سے پہلے اس کے ہاں بچہ بھی پیدا ہوا تب بھی اس کو رجوع کرنا جائز ہے کیونکہ مرد کا قول کہ "میں نے اس سے جماع نہیں کیا" اس کا اگرچہ تقاضا یہ ہے کہ رجعت صحیح نہ ہو۔ کیونکہ اس کے قول کے مطابق عورت غیر مدخولہ ہے اس لئے اس پر عدت نہیں اور نہ اس کی رجعت صحیح ہے لیکن جب شرع نے مرد کو اس کے اقرار میں جھوٹا قرار دیا تو گویا اس کے دعوی کو کالعدم قرار دیدیا۔ اور یہ حکم تب ہے جبکہ عورت نے اس مرد کے پاس آکر چھ ماہ بعد بچہ جنا اور اگر نکاح کے وقت سے چھ ماہ کے کم میں بچہ جن دیا تو پھر رجعت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس سے کم میں نسب ثابت نہیں ہوتا اس لئے شریعت بھی اسے جھوٹا قرار

وانما تصح الرجعة فی مسألتی الحمل والولادة مع انکاره الوطی لان الشرع کذبه فی انکاره الوطی لان الولد للفراش وان خلا بها وانکر فلا ای لا تصح رجعتها لانه انکر الوطی ولم یوجد تکذیب الشرع انکاره فیکون انکاره حجة علیه وانما یتاکد المهر بالخلوة لانها سلمت الیه المعقود علیه لا لانه قبض المعقود علیه بان وطیها فان طلقها فراجعها فجاءت بولد لاقل من سنتین صحت هذه المسألة متعلقة بمسألة الخلوة صورتها انه خلا بامرأته وانکر وطیها ثم طلقها فراجعها الی اخره فانها اذا ولدت لاقل من سنتین من وقت الطلاق یثبت نسب هذا الولد منه اذ هی لم تقر بانقضاء العدة۔

ترجمہ:۔ تو اس کا رجوع کرنا صحیح ہوگا، اور دوسرا مسئلہ بچہ جننے کے بعد طلاق دینے کا تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اپنی ایسی بیوی کو طلاق دی جو کہ طلاق سے پہلے بچہ جن چکی ہے اور شوہر اس کے ساتھ وطی کرنے کا انکار کرتا ہے تو بھی اُسے رجعت کا حق حاصل ہوگا، حمل اور ولادت کی ان دونوں صورتوں میں شوہر کا وطی سے انکار کرنے کے باوجود رجعت صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرع کی رو سے وہ انکار وطی کے دعوی میں جھوٹا ہے کیونکہ شریعت کا حکم یہ ہے "الولد للفراش" (ولد صاحب فراش یعنی زوج کا ہے) اور اگر شوہر نے عورت کے ساتھ خلوت کرنے کے بعد اس کو طلاق دی اور وطی سے انکار کیا تو درست نہ ہوگی، یعنی اگر اس کے بعد رجعت کی تو اس کی رجعت درست نہ ہوگی کیونکہ اس نے وطی سے انکار کیا اور شریعت کی جانب سے اس کے انکار کی تکذیب نہیں پائی گئی اس لئے اس کا انکار اس پر حجت ہوگی، اور خلوت سے مہر کا مؤکد ہونا صرف اس بنا پر ہے کہ عورت نے شوہر کو معقود علیہ حوالہ کر دیا ہے اور مہر کا لزوم اس لئے نہیں کہ شوہر نے اس کے ساتھ وطی کر کے معقود علیہ پر قبضہ کر لیا ہے (اس لئے خلوت ثابت ہونے کے باوجود انکار وطی کی گنجائش ہے) اب اگر اس نے طلاق دینے کے بعد عورت سے رجوع کر لیا پھر دو سال سے کم میں بچہ جنی تو رجعت صحیح ہوگی۔ یہ مسئلہ اوپر کے خلوت کے مسئلہ سے متعلق ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرد نے اپنی عورت سے خلوت کی اور وطی کا انکار کر دیا پھر اس کو طلاق دیدی اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا تو یہ رجعت درست نہیں مگر یہ کہ وہ عورت قبل دو سال کے بچہ جنی ہو۔ کیونکہ جب وقت طلاق سے دو برس سے کم میں بچہ ہوا تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا اس لئے کہ عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہے۔

تشریح: ‌ لہ قولہ لان الولد للفراش الخ۔ یہ بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی حدیث کے الفاظ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اس شخص کا ہے جو فراش یعنی عورت کا مالک ہے بملک نکاح یا بملک یمین، اور بچہ کا نسب اسی سے ثابت ہوگا اب جو لڑکا بھی نکاح کے بعد چھ مہینے سے زیادہ مدت میں پیدا ہو۔ وہ اسی کا شمار ہوگا اگرچہ وہ اپنا ولد ہونا انکار کرے اور اس سے ثبوت جماع خود بخود حکماً لازم آتا ہے ۱۲

لہ قولہ وان خلا الخ۔ یہ خلوۃ سے ماضی کا صیغہ ہے اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی پھر اس کے ساتھ وطی کا انکار کرتے ہوئے اسے طلاق دیدی اب اس کی رجعت صحیح نہیں کیونکہ آدمی کا اقرار اس پر لازم ہوتا ہے جب تک کہ شرع یا واقعہ اس کی تکذیب نہ کرے اور یہاں خود اس نے اپنے حق میں اقرار کیا ہے کہ اس نے وطی نہیں کی ہے اور رجعت صرف موطوءہ کی عدت میں صحیح ہوتی خلوت کی عدت میں صحیح نہیں بخلاف مذکورہ حمل و ولادت کے مسئلہ کے کہ وہاں حمل و ولادت کے سبب بحکم شرع اس کا انکار باطل شمار کیا گیا ہے اور یہاں ایسا کوئی شرعی حکم نہیں ہے ۱۲

سلہ قولہ لاقل من الخ یعنی وقت طلاق سے دو سال کے اندر اس کی قید اس لئے لگائی کہ اگر عورت کے ہاں دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا تو رجعت صحیح نہ ہوگی اور نہ ہی نسب ثابت ہوگا کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے مطلب یہ کہ عورت نے چھ ماہ اور دو سال کے اندر بچہ جنا ہو کیونکہ اگر چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو وہ سابقہ مسئلہ بن جائے گا ۱۲

والولد يبقى فى البطن فى هذه المدة فلا بد من ان يجعل الزوج واطيا قبل الطلاق لابعده لانه[1] لو لم يطأ قبل الطلاق يزول الملك بنفس الطلاق فيكون الوطى بعد الطلاق حراما فيجب صيانة فعل المسلم عنه فاذا جعل واطيا قبل الطلاق تصح الرجعة ولو قال اذا ولدت فانت طالق فولدت ثم اخر ببطنين[2] فهو رجعة المراد ببطنين ان يكون بين الولادة الاولى والثانية ستة اشهر او اكثر اما اذا كان اقل يكون ببطن واحد وانما تثبت[3] الرجعة لانها طلقت بالولادة الاولى ثم الولادة الثانية دلت على انه راجعها بعد الولادة الاولى ليكون الوطى حلالا اما اذا كانت الولادتان ببطن واحد لا تثبت الرجعة لان علوق الولد الثاني كان قبل الولادة الاولى۔

ترجمہ:۔ اور لڑکا اتنے دنوں تک پیٹ میں رہ سکتا ہے تو شوہر کو طلاق سے پہلے وطی کرنے والا قرار دیا جانا ضروری ہے۔ طلاق کے بعد میں نہیں کیونکہ اگر زوج کو طلاق سے پہلے وطی کرنیوالا قرار نہ دیا جائے تو مجرد طلاق سے ملک نکاح زائل ہو جائے گی اور طلاق کے بعد کی وطی حرام ہوگی جس کے اتہام سے مسلمانوں کو بچانا واجب ہے پس جبکہ اس کو طلاق سے قبل وطی کرنے والا قرار دیا گیا تو رجعت بھی صحیح ہوگی۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا کہ جب تو جنے گی تو تجھ کو طلاق ہے پھر اس عورت نے ایک بچہ جنا اس کے بعد دوسرا بچہ جنا دو حمل میں تو رجعت ثابت ہو جائے گی ماتن کا قول "ببطنین" (دو حمل) سے مراد یہ ہے کہ پہلی اور دوسری ولادت کے درمیان کم از کم چھ ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت ہو لیکن اگر اس سے کم ہو تو ایک ہی بطن (حمل) شمار ہوگا۔ اور اس صورت میں رجعت ثابت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی ولادت سے تو شرط کے مطابق طلاق پڑ جائے گی پھر جب دوبارہ ولادت ہوئی تو یہ ولادت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شوہر نے پہلی ولادت کے بعد اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے یہ اس لئے مانا گیا تاکہ اس کی وطی (حرام نہ ہو کر) حلال قرار پائے لیکن جب دونوں ولادتیں ایک ہی حمل میں ہوں تو رجعت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں دوسرے بچہ کا حمل پہلے بچہ کی ولادت سے پہلے موجود ہونا متعین ہو گیا (تو رجعت کی کوئی دلالت نہیں)

تشریح:۔ ۱؎ قولہ لانہ لو لم یطأ الخ یعنی اگر مرد کو طلاق سے پہلے وطی کرنے والا قرار نہ دیا جائے تو اس کی طرف اس کی بیوی کی ایک نامناسب کام کی نسبت لازم آتی ہے یعنی زنا کی کیونکہ طلاق کے بعد مرد کی ملک اس سے زائل ہو جاتی ہے اس لئے اس کے بعد حلال وطی نہیں ہو سکتی ہے بلکہ یہ حرام اور زنا ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچانا واجب ہے کیونکہ مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ اس فعل قبیح کا مرتکب نہ ہو۔۱۲

۲؎ قولہ ببطنین الخ۔ اس میں احتراز ہے اس صورت سے کہ ایک بطن سے ہو جسے توأمان کہا جاتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ یا تو پہلی ولادت جس کے ساتھ طلاق معلق واقع ہوئی ہے اور اس کے بعد والی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے زائد عرصہ گذر یگا یا برابر پورے چھ ماہ یا اس سے کم گذریگا اب اگر کم عرصہ گذرا یا ٹھیک چھ ماہ ہی گذرے تو معلوم ہوا کہ پہلی ولادت سے پہلے لڑکا بطن میں موجود تھا کیونکہ چھ ماہ سے کم کا حمل نہیں ہوتا تو یہ کم عرصہ والی دوسری ولادت پہلی ولادت کے بعد نئی وطی کی دلالت نہیں کرتی کہ رجعت ہو سکے۔ لیکن جب چھ ماہ سے زائد عرصہ گذرنے پر دوسری ولادت ہو تو اس صورت میں دوسرے بچہ کا حمل طلاق کے بعد نئی وطی سے قرار دیا جائے گا اور یہ وطی عدت میں واقع ہوگی اور عدت میں وطی سے رجعت ثابت ہوتی ہے۔۱۲

۳؎ قولہ انما تثبت الخ۔ ثابت ہونے کو ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مصنفؒ کا قول "فهو رجعة" کا مطلب یہ نہیں کہ خود دوسرا لڑکا رجعت ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرا لڑکا دلیل رجعت ہے اور اس دلیل کے ذریعہ رجعت ثابت ہوتی ہے۔۱۲

وفي كلما ولدت فولدت ثلثة ببطون يقع الثلث والولد الثاني رجعة كالثالث وعليها العدة بالحيض اي عدة الطلاق الثالث الذي وقع بالولادة الثالثة ومطلقة الرجعي تتزين ليرغب الزوج في رجعتها ولا يسافر بها حتى يشهد على رجعتها وله وطيها هذا عندنا و اما عند الشافعي لا يحل وطي مطلقة الرجعي حتى يراجع بالقول وعندنا الوطي يصير رجعة ونكاح مبانة بلا ثلث في عدتها او بعدها ولا تحل حرة بعد ثلث ولا امة بعد ثنتين حتى يطأها غيره بنكاح صحيح وتمضي عدة طلاقه او موته۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا جب تو جنے گی تو تجھ کو طلاق ہے اور عورت تین حمل میں تین بچہ جنی تو تین طلاق پڑ جائیں گی اور دوسرے لڑکے سے رجعت ثابت ہوگی اسی طرح تیسرے لڑکے سے بھی رجعت ثابت ہوگی اور اس پر عدت حیض سے ہوگی یعنی تیسرا بچہ جننے سے اس کے ساتھ معلق جو تیسری طلاق واقع ہوگی اس کی عدت حیض سے شمار ہوگی اور جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی وہ زیب و زینت کر سکتی ہے تاکہ خاوند رغبت کرے اس کی رجعت میں اور خاوند کو جائز نہیں کہ اپنی زوجہ کو جو کہ طلاق رجعی کی عدت میں ہو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے یہاں تک کہ اس کی رجعت پر گواہ نہ بنائے البتہ خاوند کو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقہ رجعی کے ساتھ وطی جائز نہیں جب تک کہ زبان سے پہلے رجعت نہ کرلے اور ہمارے نزدیک وطی خود ہی رجعت ہے۔ اور جو شخص اپنی عورت کو طلاق بائن دے تین سے کم تو اس کو جائز ہے کہ اس عورت سے عدت میں یا عدت کے بعد نکاح کرے اور آزاد عورت کو تین طلاق دینے کے بعد اور لونڈی کو دو طلاق دینے کے بعد نکاح کرنا حلال نہیں جب تک کہ اس عورت سے دوسرا خاوند وطی نہ کرے نکاح صحیح کے ساتھ پھر دوسرا خاوند اس کو طلاق دے یا مرجائے اور طلاق کی عدت یا موت کی عدت نہ گذر جائے۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ کالثالث الخ کیونکہ جب عورت کا پہلا بچہ ہوگا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور عدت والی بن جائے گی اور دوسرے بچہ پر رجعت ہوگی کیونکہ حمل اسی وطی سے قرار دیا جائے گا جو عدت میں ہوئی اور اس دوسرے بچہ کے پیدا ہونے پر دوسری طلاق پڑ جائے گی کیونکہ کلما کے کلمہ سے تعلیق طلاق کی جو تکرار پر دلالت کرتا ہے اور تیسرے بچہ کی پیدائش پر پھر رجعت ثابت ہوگی اور تیسری طلاق بھی پڑ جائے گی اب اس طلاق کے بعد عورت پر اگر وہ آئسہ نہ ہوئی ہو تو حیض کے حساب سے تین حیض کی عدت واجب ہوگی اور اگر آئسہ ہو تو تین مہینہ کی عدت واجب ہوگی یہ حکم تو حمل مختلف ہونے کی صورت کا ہے لیکن اگر تینوں بچے ایک ہی حمل سے ہوں تو پہلے دو لڑکوں کی پیدائش پر دو طلاقیں پڑ جائیں گی اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ عدت گذر چکی اس لئے کہ ولادت کی شرط کا وقت عدت ختم ہونے کے وقت سے مقارن ہوگیا اور عدت ختم ہونے سے عورت محل طلاق نہیں رہی اس لئے کچھ واقع نہ ہوگا اور اگر تیسرا بچہ نہ ہوا تو دوسرے بچہ پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر پہلے دو بچہ ایک بطن سے اور تیسرا دوسرا ایک بطن سے ہو تو پہلے پر ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسرے کی پیدائش پر عدت ختم ہوجائے گی اس لئے کچھ واقع نہ ہوگا اور نہ ہی تیسرے بچہ کی پیدائش پر کچھ واقع ہوگا اور اگر پہلا بچہ ایک حمل کا ہو اور دوسرا اور تیسرا ایک حمل کا ہو تو پہلے اور دوسرے پر دو طلاق واقع ہوں گی اور تیسرے پر عدت ختم ہوجائے گی اس لئے کچھ واقع نہ ہوگا۔ ہدایہ فتح القدیر۔

؎۲ قولہ حتی یشہد الخ یعنی اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اس نے رجوع کرلیا ہے اور یہ حکم بطور استحباب ہے تاکہ تہمت سے محفوظ رہے ورنہ گواہ بنانا واجب نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، بہر حال مرد کو ایسی عورت ہمراہ لے کر رجعت سے پہلے سفر کرنا جائز نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا تخرجوهن من بيوتهن" یعنی مطلقہ عورتوں کو ان گھروں سے عدت کے اندر نہ نکالو جن میں وہ رہ رہی ہیں ۱۲ بنایہ۔

؎۳ قولہ ونکاح مبانۃ الخ یہ یا تو ماتن کا قول "وطیہا" پر عطف ہے اس صورت میں "فی عدتہا" نکاح سے متعلق ہوگا یعنی خاوند کو جائز ہے کہ طلاق بائن والی عورت سے دوبارہ نکاح کرے جبکہ ایک یا دو طلاقیں دی گئی ہوں اور یا لفظ نکاح مبتدا ہے اور "فی عدتہا" خبر جس کا متعلق محذوف ہے یعنی "جائز" یا "ثابت" یعنی نکاح جائز ہے عدت میں اور عدت کے بعد ۱۲۔

هٰذا عند الجمهور وعند سعيد بن المسيب لا يشترط وطي الزوج الثاني بل يكفي مجرد النكاح استدلالاً بقوله تعالٰی حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ولنا حديث العُسَيلة وهو حديث مشهور تجوز الزيادة به على الكتاب فيكون التحليل بدون الوطي مخالفًا للحديث المشهور حتى لو قضى القاضي به لا ينفذ والمراهق يحلل لا سيدها المراهق هو صبي قارب البلوغ ويجامع مثله ولا بد من ان يتحرك آلته و يشتهي۔

ترجمہ:۔ یہ جمہور فقہاء کا مذہب ہے، اور حضرت سعید بن مسیبؒ کے نزدیک دوسرے خاوند کی وطی شرط نہیں بلکہ فقط نکاح کافی ہے ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "شوہر اول کے لئے" وہ عورت حلال نہیں یہاں تک کہ نکاح کرلے وہ دوسرے خاوند سے (پس مجرد نکاح سے حرمت ختم ہو جائے گی) اور ہماری دلیل عُسیلہ والی حدیث ہے اور وہ مشہور حدیث ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے تو حلالہ کرنا بدون وطی اس حدیث مشہور کے خلاف ہوگا یہاں تک کہ اگر کوئی قاضی بھی ایسا فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اور جو لڑکا قریب بلوغ کے ہو وہ بھی حلالہ کرسکتا ہے لیکن مطلقہ باندی کے لئے اس کا آقا حلالہ نہیں کرسکتا ہے اور ایسے لڑکے کو مراہق کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو اور اس جیسے لڑکے جماع کرسکتے ہوں اور ضروری ہے (اس عمر کا ہو) کہ آلہ تناسل میں انتشار ہو اور اس میں جماع کی اشتہا ہو۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ بقولہ تعالیٰ الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دوسرے خاوند سے محض نکاح کرنے کو شوہر اول کے لئے مطلقہ عورت کی حرمت ثابتہ کی غایت قرار دی ہے اور اس میں وطی کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرط نہیں اور جمہور جو کہ وطی کو شرط قرار دیتے ہیں اس آیت کے متعلق ان کا دو مسلک ہے بعض کا خیال ہے کہ اس آیت ہی میں نکاح سے وطی مراد ہے کیونکہ لغت میں نکاح ضم کو کہتے ہیں جو حقیقت میں وطی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے "وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح" کے اندر نکاح کو وطی کے معنیٰ میں استعمال فرمایا ہے دوسرا مسلک یہ ہے کہ آیت میں نکاح سے عقد ہی مراد ہے، اور اسی بناء پر فقہاء نے اس سے عورت کی عبارت سے اس کے نکاح کی صحت کا استنباط کیا ہے باقی حلالہ کے لئے وطی کی شرط تو یہ بات بکثرت احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن میں سے حدیث عُسیلہ سب سے معروف و مشہور ہے ۱۲

؎۲ قولہ حدیث العسیلۃ الخ۔ یہ عین کے ضمہ سے عسل کی تصغیر ہے جسے فارسی میں شہد کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس حدیث میں عسیلہ کا ذکر ہے وہ ہماری دلیل ہے یعنی رفاعہ قرظی کی بیوی کے بارے میں حضور کا یہ قول "لاحتی تذوقی عُسیلتہ ویذوق ہو عُسیلتک" (تو ہرگز شوہر اول کی طرف نہیں لوٹ سکتی جب تک کہ تو زوج ثانی کا شہد چکھ نہ لے اور زوج ثانی بھی تیرا شہد چکھ نہ لے) (اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی واحمد وغیرہم) اس میں شہد سے جماع کی لذت کی طرف اشارہ ہے اور عُسیلہ کے لفظ تصغیر سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ اس وطی میں انزال اور کامل وطی شرط نہیں بلکہ شہوت کے ساتھ محض دخول ذکر کافی ہے ۱۲

؎۳ قولہ وہو حدیث مشہور الخ۔ یہ دوسرے مسلک والوں پر اعتراض کا جواب ہے جنہوں نے آیت میں نکاح کو صرف عقد پر محمول کیا ہے اور حدیث سے شرطیت وطی ثابت کی حالانکہ اصول فقہ کا یہ مسئلہ قاعدہ ہے کہ خبر آحاد سے زیادتی علی الکتاب جائز نہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے جسے صاحب ہدایہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ حدیث عسیلہ مشہور احادیث میں سے ہے اور خبر مشہور کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے ۱۲

وکره[1] النکاح بشرط التحلیل وتحل للاول والزوج الثانی یھدم[2] مادون الثلث فمن طلقت

(ای المرأۃ ۱۲ عمدہ) (ای واحدا واثنین ۱۲ عمدہ) (معروف بکسر الدال من الھدم ای یسقط ویبطل ۱۲ عمدہ)

دونھا وعادت الیہ بعد اخر عادت الیہ بثلث خلافا لمحمد والبانۃ بثلث لو[3]

(ای بعد التزوج بزوج آخر ووطیہ ۱۲ عمدہ) (اسم مفعول من الابانۃ ای المرأۃ التی طلقت ثلثا ۱۲ عمدہ)

قالت حللت فی مدۃ تحتملہ وغلب علی ظنہ صدقہا حلت للاول قیل اقل تلک

(ای من التحلیل ۱۲ عمدہ) (ای التحلیل ۱۲) (ای الزوج ۱۲ عمدہ)

المدۃ تسعۃ وثلثون یوما لانہ لابد من ثلث حیض وطہرین فاقل مدۃ الحیض ثلثۃ

ایام واقل الطہر خمسۃ عشر یوما۔

ترجمہ:۔ اور حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا مکروہ ہے (البتہ ڈال کرنے سے بھی) شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی اور زوج ثانی تین سے کم طلاقوں کو بھی منہدم کر دیتا ہے تو جس عورت کو تین سے کم طلاقیں دی گئیں اور اس نے کسی اور مرد سے نکاح کیا پھر اس سے طلاق پا کر شوہر اول کے نکاح میں لوٹ آئی تو اس کے لئے تین طلاق کا حق لے کر لوٹنے کی بخلاف امام محمد کے کہ ان کے نزدیک شوہر اول صرف بقیہ طلاقوں کا مالک ہوگا) اور جو عورت تین طلاقوں سے بائنہ ہوئی ہو اگر اس نے ایسی مدت کے بعد کہ اس میں حلالہ ہو سکتا ہے یہ کہا کہ میں حلالہ کر چکی ہوں اور خاوند کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ سچی ہے تو زوج اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔ بعضوں نے کہا ہے کہ کم سے کم یہ مدت انتالیس روز ہیں کیونکہ (اول طلاق کی مدت پوری ہونے کے لئے) تین حیض اور دو طہر پایا جانا ضروری ہے اور حیض کی مدت کم از کم تین دن ہیں اور طہر کی پندرہ روز (تو سب ملا کر ۳۹ روز ہوئے)

تشریح:۔ [1] قولہ وکرہ النکاح الخ۔ یعنی اگر مرد نے ایک عورت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اس کے ساتھ وطی کر کے اسے طلاق دیدے گا تاکہ پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے تو یہ نکاح مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ حدیث میں وارد ہے "اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت کی (احمد، ابوداؤد، ترمذی وغیرہم) اور چلپی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اگر دونوں اپنے دل میں نیت کرے اور زبان سے شرط نہ کریں تو مکروہ نہیں بلکہ اصلاح کے قصد کی بنا پر امید ہے کہ اجر پاویں گے ۱۲

[2] قولہ یہدم مادون الخ دوسرا خاوند تین طلاقوں کو ساقط کر دینے کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ اگر مطلقہ ثلثہ اول خاوند کے پاس لوٹ آئے تو وہ پھر تین طلاق کا مالک ہوگا اور تین سے کم میں اختلاف ہے ۱۲

[3] قولہ حلت الخ۔ یعنی عورت کے قول پر اعتماد کر کے اس سے نکاح کر لینا جائز ہے کیونکہ یہ ایک دینی معاملہ ہے اور اس قسم کی باتیں قول واحد مقبول ہوتا ہے اس میں دو گواہوں کی ضرورت نہیں ۱۲

بابُ الایلاء

وهو[۲] حلف بمنع وطیٔ الزوجۃ مدّتہ ای مدۃ الایلاء فلا ایلاء[۳] لو حلف علی

الجار صفۃ لحلف ۱۲ عمدہ …… ای مدۃ الایلاء ۱۲ عمدہ

اقل منہا وھی للحرۃ اربعۃ اشہر وللامۃ شہران وحکمہ طلقۃ بائنۃ

ان برّ والکفارۃ او الجزاء ان حنث فلو قال واللہ لا اقربک او لا اقربک اربعۃ

بالفتح سروف من البر بالکسر وتشدید الراء المہملۃ وہو عبارۃ عن الاتیان بما حلف وضدہ الحنث ۱۲ عمدہ

اشہر الاول مؤبّد والثانی موقت باربعۃ اشہر او ان قربتک فعلیّ

الذی ذکر فیہ اربعۃ اشہر ۱۲ عمدہ — ہذا صورۃ الحلف بغیر اللہ ۱۲ عمدہ

حج او صوم او صدقۃ او فانت طالق او عبدی حر فقد الیٰ ان قربہا

فی المدۃ حنث وتجب الکفارۃ فی الحلف باللہ تعالیٰ وفی[۴] غیرہ الجزاء وسقط

الایلاء والا بانت بواحدۃ ای ان لم یقربہا بانت بطلقۃ واحدۃ وسقط[۵]

الحلف الموقت لا المؤبد.

ایلاء کا بیان

ترجمہ: ——— ایلا شرع میں ایسی قسم کھانے کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ خاوند اپنی بیوی کی ہمبستری سے باز رہتا ہے اس کی مدت تک، یعنی ایلاء کی شرعی مدت تک۔ پس ایلا نہ ہوگا اگر کوئی ایلاء کی مدت سے کم کی قسم کھائے اور ایلاء کی مدت آزاد عورت کے لئے چار مہینے ہیں۔ اور لونڈی کے لئے دو مہینے اور ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پوری کی (یعنی چار مہینے تک وطی نہیں کی تو مدت گذرنے کے بعد) ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر قسم توڑ دے (یعنی ایلاء کی مدت کے اندر وطی کرلے) تو کفارہ یا جزاء لازم آئے گی تو اگر کسی مرد نے اپنی زوجہ سے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہ کروں گا یا خدا کی قسم میں تجھ سے چار مہینہ تک قربت نہ کروں گا۔ پہلی قسم ایلاء مؤبد کی مثال ہے اور دوسری قسم ایلاء مؤقت کی مثال جو کہ چار مہینہ کے وقت کے ساتھ محدود ہے، یا تو کہا کہ اگر میں تجھ سے ہمبستری کروں تو مجھ پر حج لازم ہے یا روزہ واجب ہے یا صدقہ واجب ہے یا تجھ کو طلاق ہے یا میرا غلام آزاد ہے تو ان سب صورتوں میں ایلاء ثابت ہوگیا۔ اب اگر مدت ایلاء کے اندر اس کے ساتھ قربت کرے تو حانث ہو جائے گا پس جس صورت میں اللہ کے نام کی قسم کھائی اس میں قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور دوسری صورتوں میں جزاء واجب ہوگی اور اس کا ایلاء ختم ہو جائے گا ورنہ ایک بائن پڑ جائے گی یعنی اگر مدت ایلاء میں اس کے ساتھ وطی نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور مؤقت سے قسم ختم ہو جائے گی اور مؤبد باقی رہے گی۔

تشریح: [۱] قولہ باب الایلاء۔ ایلاء لغۃً مطلق حلف کو کہتے ہیں چنانچہ آلی یولی ایلاء کہتے ہیں جبکہ قسم کھائی جائے اور شرع میں ایلاء کہتے ہیں اپنی منکوحہ بیوی سے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھانا۔ ۱۲

[۲] قولہ وہو حلف الخ۔ اب اگر اس نے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک سستی یا ناراضی کی بنا پر قسم کھائے بغیر بیوی سے وطی نہیں کی تو یہ شرعاً ایلاء نہ ہوگا اور یہاں حلف میں اللہ کے نام کی قسم اور تعلیق دونوں شامل ہیں۔ البتہ تعلیق ایسے امر سے ہونی ضروری ہے جس میں مشقت پائی جاتی ہے تاکہ لزوم مشقت کا خطرہ اس فعل سے باز رہنے پر دلالت کرے پس اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر اللہ کے لئے دو رکعت نماز لازم ہوگی تو یہ ایلاء نہ ہوگا ۱۲

[۳] قولہ فلا ایلاء الخ یعنی مدت سے کم ہو تو شرعاً ایلاء نہیں ہے چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اپنی عورت سے دو مہینہ تک وطی نہیں کرے گا تو یہ ایلاء شرعی نہ ہوگا اور حکم ایلاء اس پر مرتب نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دو مہینہ تک وطی نہیں کی تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں اور اگر دو مہینہ کے اندر وطی کرلی تو دوسری قسموں کی طرح اس قسم کے توڑنے کا کفارہ اس پر لازم آئے گا ۱۲ (باقی صفحہ آئندہ پر)

حتی لو کان الحلف موقتاً باربعۃ اشھر ولم یقربھا بانت بواحدۃ وسقط الحلف حتی لو نکحھا فلم یقربھا بعد ذلک لاتبین اما الحلف المؤبد ان نکحھا ولم یقربھا اربعۃ اشھر تبین[1] ثانیاً ثم ان نکحھا ولم یقربھا اربعۃ اشھر تبین ثالثاً وھذا معنی قولہ فتبین باخری ان مضت مدۃ اخری بعد نکاح ثان بلا فئ ثم اخری کذلک بعد ثالث فقولہ بلا فئ ای بلا قربان وبقی[2] الحلف بعد ثالث لاالایلاء فلو قربھا کفر ولاتبین بالایلاء۔

ای التفصیل الذی ذکرہ ۱۲ عمدہ — ای طلقۃ ثانیۃ ۱۲ عمدہ — ای طلاق ثالث ۱۲ عمدہ — ای نکاح ثالث ۱۲ عمدہ — بالکسر ای الوطی ۱۲ عمدہ — ای طلاق ثالث ۱۲ عمدہ — ای من التکفیر یعنی اداء الکفارۃ ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ چنانچہ اگر قسم کھائی ہو وقت مقرر کر کے کہ تجھ سے قربت نہ کروں گا چار مہینے تک اور قربت نہ کی تو وہ مطلقہ بائنہ ہو جائے گی اور اس کی یہ قسم ختم ہو جائے گی اب اگر اس نے پھر اس سے نکاح کیا اور چار مہینے تک اس سے وطی نہ کی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر کوئی مدت مقرر نہ کر کے قسم مؤبد کھائی تو بائن ہونے کے بعد اگر دوبارہ نکاح کرے اور چار مہینے تک اس سے وطی نہ کرے تو دوسری طلاق بائن واقع ہو جائے گی پھر اگر اس سے نکاح کرے اور چار مہینے تک قربت نہ کرے تو تیسری طلاق بائن پڑ جائے گی یہی مطلب ہے مصنف کی اگلی عبارت کا کہ ”دوبارہ نکاح کرنے کے بعد اگر بغیر چار مہینے کی مدت گذر گئی تو دوسری ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اسی طرح اگر تیسری بار نکاح کرنے کے بعد بلا مراجعت چار مہینے کی مدت پوری ہو گئی تو تیسری طلاق پڑ جائے گی مصنف کا قول ”بلا فئ“ کا مطلب یہ ہے کہ قربت اور وطی کے بغیر اور اس تیسری طلاق کے بعد بھی قسم باقی رہے گی لیکن ایلاء شرعی ساقط ہو جائے گا تو اب اگر اس نے (حلالہ کے بعد پھر اس سے نکاح کیا اور) اس سے وطی کی کفارہ لازم ہوگا اور اگر چار مہینے تک اس سے قربت نہ کرے تو (ایلاء کے سبب سے بائنہ نہ ہوگی۔

تشریح: (بقیہ صفحہ گذشتہ) ۸؎ قولہ وفی غیرہ الخ یعنی اللہ کے نام کے علاوہ دوسری چیز سے حلف اٹھائے تو جزاء لازم آئے گی مثلاً حج یا روزہ لازم ہونا یا اس کی طلاق یا غلام کی آزادی وغیرہ جس بات کو اس نے وطی کے ساتھ معلق کیا ہے وہ لازم آئے گی کیونکہ شرط پائی گئی ۱۲

۹؎ قولہ وسقط الحلف الخ یعنی مدت کے اندر وطی کرنے سے مطلقاً ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر مدت میں وطی نہیں کی جس بنا پر طلاق بائن واقع ہوئی اس (نوع طلاق کے بعد چار ماہ کے ساتھ موقت ایلاء بھی ختم ہو جائے گا لیکن مؤبد ایلاء باقی رہے گا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ تبین ثانیاً الخ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم ختم ہو جاتی ہے (۱) حانث ہونے سے خواہ قسم موقت ہو یا مؤبد (۲) اور ختم ہوتی ہے وقت گذر جانے سے جبکہ حلف موقت ہو ۔۔ تو موقت حلف ختم ہونے کی دو صورتیں ہوئیں ایک حانث ہونا دوسری وقت گذر جانا اور مؤبد ساقط ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ حانث ہو جائے کیونکہ اس کا تو کوئی وقت نہیں ہے کہ وہ گذر جانے سے باطل ہو جائے تو اگر اس نے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہ کرونگا یا کہا تجھے کبھی قربت نہ کرونگا اسکے بعد مدت ایلاء گزر گئی تو عورت پر ایک طلاق بائن پڑ گئی پھر اگر اس سے دوبارہ نکاح کرے اور چار ماہ بغیر وطی کے گذر جائے تو دوسری طلاق پڑ جائے گی اب اگر پھر اس سے نکاح کرے اور مدت ایلاء گذر جائے تو تیسری طلاق پڑ جائے گی اور یہ اس بنا پر ہے کہ اس کی قسم ساقط نہیں ہوئی ہے ۱۲

[2] قولہ وبقی الحلف الخ۔ یعنی حلف مؤبد میں بلا قربت تین بار مدت ایلاء گذر جانے سے جبکہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں تو اس کا ایلاء ختم ہو گیا اور حلف باقی رہ گئی۔ ایلاء باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تین طلاقیں پڑ جانے سے اس کی ملک کلیۃً ختم ہوگئی ہے اور قسم اس لئے رہ جائے گی کہ اب تک اس نے اپنی قسم نہیں توڑی ہے ۱۲

ای فی الحلف المؤبد اذا وقع ثلث تطلیقات من غیر قربان بقی الحلف لانہ لم یقربھا فلم ینحل الیمین لکن لم یبق الایلاء فلو نکحھا بعد الزوج الثانی وقربھا تجب الکفارۃ لبقاء الیمین ولو لم یقربھا لاتبین بالایلاء لانہ لم یبق الایلاء وقولہ وبقی الحلف بعد ثلث فیہ تفصیل ان کان الحلف باللہ تعالیٰ یبقی الیمین حتی تجب الکفارۃ وان کان الحلف بغیر طلاقہا بقی الحلف ایضاً وان کان بطلاقہا لا یبقی لان التنجیز یبطل التعلیق وقولہ واللہ لا اقربک شہرین وشہرین بعد ھذین الشہرین ایلاء بخلاف قولہ بعد یوم واللہ لا اقربک شہرین بعد الشہرین الاولین ای قال واللہ لا اقربک شہرین ومکث یوماً ثم قال واللہ لا اقربک الشہرین بعد الشہرین الاولین لم یکن مولیا۔

(مضارع من الایلاء ۱۲ عمدہ — اسم فاعل من الایلاء ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ یعنی غیر موقت حلف کی صورت میں تین مدت ایلاء بغیر وطی کے گذر جانے پر اگر یوی کے بعد دیگر تین طلاقیں پڑ گئیں مگر قسم علی حالہ باقی رہ گئی کیونکہ (قسم کھائی تھی واللہ تجھ سے وطی نہیں کروں گا اور اب تک) اس نے اس سے وطی نہیں کی ہے اس لئے قسم نہیں ٹوٹی لیکن (تین طلاق کے بعد) اس کا ایلاء ختم ہوگیا۔ اب زوج ثانی کے ذریعہ حلالہ کے بعد اگر اس عورت سے نکاح کرے اور اس سے قربت کرے تو قسم باقی رہنے کے باعث اس پر اس وقت قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر اب بھی قربت نہ کرے تو سابق ایلاء کی وجہ سے اب عورت بائنہ نہ ہوگی کیونکہ وہ ایلاء تو (تین طلاق کے بعد) ختم ہو چکا ہے۔ اور مصنف رحمہ اللہ کا یہ قول کہ "تین طلاق واقع ہو چکنے کے بعد بھی قسم باقی رہے گی۔ اس میں کچھ تفصیل ہے یعنی اگر اللہ کے نام پر قسم کھائی ہو اور حلالہ کے بعد نکاح کرے تو وطی کرنے سے کفارہ واجب ہوگا اور اگر قسم اللہ کے نام پر نہ ہو بلکہ طلاق کے علاوہ اور کسی چیز پر قسم کو معلق کیا ہو تو بھی قسم باقی رہے گی اور وطی کرنے سے وہ جزاء لازم ہوگی۔ (مثلاً حج، روزہ، یا صدقہ) لیکن اگر قسم کو طلاق کے ساتھ معلق کیا ہو (مثلاً یوں کہے کہ ایلاء کیا کہ میں تجھ سے قربت کروں تو تجھ کو طلاق ہے" اور مذکورہ طریق پر تین طلاق ہو جانے پر حلالہ کے بعد نکاح کرے) تو طلاق کی قسم باقی نہیں رہے گی کیونکہ بالفعل تین طلاق دیدینے سے تعلیق طلاق باطل ہو جاتی ہے (کما مر سابقاً) اور اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہ کروں گا دو مہینے ان دو مہینوں کے بعد اور دو مہینے تو ایلاء ہو جائے گا بخلاف اس صورت کے جبکہ دو مہینے کی قسم کھانے کے بعد ایک دن توقف کرکے پھر کہا "خدا کی قسم میں تجھ سے دو مہینے قربت نہ کروں گا ان دو مہینوں کے بعد جو پہلے ہے یعنی اگر کسی نے کہا "خدا کی قسم میں تجھ سے دو مہینے قربت نہ کروں گا اس کے بعد ایک دن توقف کیا پھر کہا "خدا کی قسم اور دو مہینہ تک میں تجھ سے ہمبستری نہ کروں گا پہلے کے دو مہینوں کے بعد تو ایلاء نہ ہوگا۔

تشریح:۔ لہ قولہ ان کان الحلف الخ۔ یعنی دائمی قسم یا تو (۱) اللہ کے نام پر ہوگی یا (۲) غیر اللہ کی مثلاً ایسی زوجہ کی طلاق کو معلق کرے (۳) یا حج صوم وغیرہ کے لزوم کو معلق کرے تو اگر اللہ کے نام کی قسم ہو تو تین طلاق کے بعد بھی باقی رہے گی جب حانث ہوگا کفارہ قسم لازم آئے گا اور آخری صورت میں بھی باقی رہے گی یعنی جب بھی وطی کرے گا جزاء لازم ہوگی اور دوسری صورت میں یمین نہیں رہے گی کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ فوری طلاق دینے سے معلق بالشرط طلاق باطل ہو جاتی ہے ۱۲۔

[1] لان في اليوم الاول كان حلفه على شهرين وفي اليوم الثاني حلفه على اربعة اشهر

الا يومًا واحدًا او قوله والله لا اقربك سنةً الا يومًا او قوله بالبصرة والله لا ادخل

هذا على سبيل التمثيل ١٢ عمده

الكوفة وامرأته بها [2] ولا ايلاء من مُبانةٍ واجنبية نكحها بعد ذلك فاما مطلقة

اي والحال ان زوجته بالكوفة ١٢ عمده — معطوف على قوله مبانة ١٢ عمده

الرجعي فكالزوجة [3] ولو عجز عن الفئ بالوطي لمرض باحدهما او صغرها او رتقها او

فيصح الايلاء منها ١٢ — الجار متعلق بعجز وفي وجه صفة اي مرض عارض باحد الزوجين مانع عن الوطي

[4] لمسيرة اربعة اشهر بينهما [5] ففيؤه قوله فئت اليها فلا تطلق بعده لو مضت

اي بعد الفئ اللساني ١٢ عمده

مدته وهو عاجز فان صح قبل مدته ففيؤه بوطيه وانت علىّ حرام ان نوى

ربما يكون بانه محمد بن ... ١٢ عمده

[6] به الطلاق فبائنة وان نوى الظهار او الثلث او الكذب فما نوى.

وكذا اذا نوى عليه المال ١٢ عمده — اي كاذبا فيه لان زوجته حلال في نفس الامر ١٢ عمده

ترجمہ:۔ اس لئے کہ پہلے دن تو قسم کھائی تھی دو مہینے پر (اور دو مہینہ سے ایلاء نہیں ہوتا) اور دوسرے دن قسم کھائی چار مہینے پر مگر ایک دن کم (کیونکہ اول دو مہینوں سے ایک دن گذر چکا ہے تو قسم کے وقت پوری مدت ایلاء نہیں پائی گئی) اور اسی طرح اس صورت میں بھی ایلاء نہ ہوگا جبکہ کہے "خدا کی قسم ایک سال تک تجھ سے قربت نہ کروں گا مگر ایک دن" یا اگر کوئی شخص مثلاً بصرہ میں ہے اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں کوفہ میں نہ جاؤں گا حالانکہ اس کی بیوی کوفہ میں ہے تو ایلاء نہ ہوگا (کیونکہ ممکن ہے کہ عورت کوفہ سے باہر نکل آئے اور اس سے وطی کرے) اور جو عورت کہ اس کو طلاق بائن دی ہے یا وہ اجنبیہ ہے تو اس سے ایلاء ثابت نہ ہوگا اگر اس ایلاء کے بعد اس سے نکاح کرلے اور جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی وہ اپنی زوجہ کے حکم میں ہے (کہ اگر اس کی عدت کے اندر ایلاء کرے تو ایلاء درست ہوگا) اور اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے ایلاء کیا اور بسبب بیماری زوج یا زوجہ کے یا بسبب عورت کے صغر سنی کے یا اندام نہانی بند ہونے کے یا زوجین کے درمیان چار مہینے کی مسافت ہونے کے سبب سے زوج وطی کرنے سے عاجز ہو تو اس کا ایلاء سے رجوع کرنا زبان سے ہو جائے گا یعنی زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے اس سے رجوع کیا تو زبانی رجوع کے بعد اگر ایلاء کی مدت گذر جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آخر تک عاجز رہے لیکن اگر ایلاء کی مدت گذرنے سے پہلے وہ تندرست ہو جائے تو اب بغیر وطی کے اس کا رجوع نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اس سے اگر طلاق کی نیت کرے تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر اس سے نیت کی ظہار کی یا تین طلاق کی یا جھوٹ کہنے کی تو جیسی نیت کرے اس کے موافق حکم ہوگا۔

تشریح:۔ [1] قوله لان في اليوم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی قسم میں وطی سے رکنے کی مدت دو ماہ تھی اور دوسری قسم میں بھی دو ماہ ہے اور دونوں قسموں کے درمیان زمانہ فاصل مثلاً ایک دن ہے تو مدت ایلاء چار مہینے پورے نہیں ہوتے کیونکہ اول دو مہینوں سے ایک دن گذرنے کے بعد دوسرے دو مہینوں کی قسم کھائی اس لئے مجموعہ ایک دن کم چار مہینہ ہوا بخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں فصل نہ تھا

[2] قوله ولا ايلاء الخ۔ طلاق بائن کے بعد ایلاء نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایلاء تو ہوتا ہے اپنی زوجہ سے اور مطلقہ بائنہ سے زوجیت کا رشتہ نہیں رہتا بخلاف مطلقہ رجعیہ کے کہ اس میں زوجیت قائم رہتی ہے اس لئے ایلاء بھی صحیح ہے ۱۲

[3] قوله ولو عجز الخ۔ یعنی حقیقۃً کوئی مانع وطی ہو شرعی مانع نہیں کیونکہ اگر شرعی مانع ہو تب تو وہ واقعۃً قادر ہے اور حکماً عاجز ہے مثلاً جبکہ اس نے ایلاء کیا اس وقت وہ یا اس کی بیوی احرام میں ہے اور حج میں ابھی چار مہینہ باقی ہیں تو اس صورت میں وطی کے بغیر رجوع درست نہیں اگرچہ اس فعل میں وہ گنہگار ہوگا کیونکہ سبب اس کے اختیار سے واقع ہوا (تاتارخانیہ) اور رجوع قولی کے لئے مدت ایلاء پوری ہونے تک مانع کا باقی رہنا شرط ہے ۱۲

[4] قوله بينهما الخ۔ یعنی وطی سے عاجز ہونے کا سبب یہ ہے کہ زوجین میں چار ماہ یا اس سے زیادہ کی مسافت ہو کہ مدت کے اندر زوجہ تک پہنچنا ممکن نہیں اور ایسا ہی حکم ہے جبکہ فلاں قیدخانہ میں محبوس ہو اور قیدخانہ میں وطی کرنے پر قادر نہ ہو (بدائع) ۱۲

[5] قوله ففيؤه الخ۔ مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ مطلب یہ کہ ایلاء سے رجوع کے لئے وطی ضروری ہے مگر حقیقی عاجز کے لئے زبانی رجوع

(باقی صد آئندہ پر)

وان نوی التحریم اولم ینو شیئا فایلاء وقیل هو وكل حل علی حرام

وهرچہ بدست راست گیرم بروی حرام طلاق بلا نیۃ

للعرف وبہ یفتی۔

ای ہذا القول انہ طلاق بلانیۃ ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور اگر نیت کی اپنے اوپر حرام کرنے کی یا کچھ بھی نیت نہ کی تو وہ ایلاء ہو جائے گا، اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا کہ "تو مجھ پر حرام ہے، یا کہا جو مجھ پر حلال ہے وہ میرے اوپر حرام ہے، یا کہا جو میرے داہنے ہاتھ میں لوں وہ مجھ پر حرام ہے تو بغیر نیت کے بھی طلاق پڑ جائے گی کیونکہ عرف عام میں یہ سب جملے طلاق کے لئے مستعمل ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ترجمہ:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) مثلاً یہ کہنا کہ "میں نے رجوع کیا" کافی ہے کیونکہ وطی سے باز رہنے کی قسم کھا کر اس نے عورت کو ایذا پہونچائی ہے اب اس کو خوش کرنے کیلئے کم از کم زبانی وعدہ کرنا کافی ہوگا اس لئے کہ ایلاء کے وقت ہی وہ وطی سے عاجز تھا تو ایلاء کے ذریعہ حق جماع سے باز رہ کر ضرر پہونچانے کا ارادہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حالت عجز میں عورت کو حق جماع ہے ہی نہیں ایسی حالت میں ایلاء کا منشاء صرف زبانی دکھ پہونچانا ہے اس لئے رجوع زبانی کافی ہوگا ۱۲

ؔ قولہ فانہ نوی الخ۔ یعنی تین طلاق یا ظہار اور اگر نیت اس کی جھوٹ بولنے کی ہو تو دیانۃً تصدیق کی جائے گی اور قضاءً تصدیق نہ ہوگی بلکہ یہ ایلاء یا طلاق شمار ہوگی کیونکہ عرف ایسا ہی ہے ۱۲ فتح

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ قولہ للعرف الخ یعنی تحریم کا لفظ خواہ خاص ہو یا عام مثلاً تو مجھ پر حرام ہے، یا سب حلال یا اللہ نے جو چیزیں حلال کی ہیں۔ یا مسلمانوں پر جو چیزیں حلال ہیں وہ میرے اوپر حرام ہیں۔ ایسے الفاظ عرف میں طلاق کے لئے ہیں اس لئے بلا نیت ان سے طلاق واقع ہوگی۔ بحث ایمان میں اس کی تفصیل آئے گی ۱۲

بَابُ الخُلعِ

لا بأس عند الحاجة بما يصلح مهرًا وهو طلاق بائن ویلزم بدله وکره
اخذه ان نشز واخذ الفضل ان نشزت ای اخذ الفضل علی ما دفع الیها من
المهر ولو طلقها بمال او علی مال وقع بائن ان قبلت ولزمها المال ولو خلع
او طلق بخمر او خنزیر لم یجب شئ ووقع بائن فی الخلع ورجعی فی الطلاق وان
قالت خالعنی علی ما فی یدی او علی ما فی یدی من مال او من دراهم ففعل ولا
شئ فی یدها لم یجب شئ فی الاولی وترد ما قبضت فی الثانیة۔

خلع کا بیان

ترجمہ: ـــــ بوقت ضرورت خلع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس مال کے بدلے میں جو مہر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور خلع کر لینے سے ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور بدل خلع کا ادا کرنا عورت پر واجب ہے، البتہ اگر شوہر کی جانب سے تجاوز اور بے اتفاقی ہو تو بدل خلع کا لینا مکروہ ہے اور اور اگر عورت کی طرف سے شرارت ہو تو جتنا مہر دیا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے یعنی بدل خلع کے طور پر عورت سے اس مقدار سے زیادہ مال لینا مکروہ ہے جتنا شوہر نے اس کو مہر میں دیا ہے اور اگر خاوند نے عورت کو طلاق دی مال کے بدلے میں یا مال کی شرط پر اور زوجہ قبول کرلے تو طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت پر مال لازم ہوگا اور اگر خلع کیا یا طلاق دی شراب یا سؤر کے بدلے میں تو عورت پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا اور خلع کی صورت میں طلاق بائن پڑ جائے گی اور طلاق کی صورت میں رجعی طلاق واقع ہوگی اور اگر زوجہ نے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلے میں خلع کرلے یا یہ کہا خلع کر مجھ سے اس مال پر جو میرے ہاتھ میں ہے یا ان درہموں پر جو میرے ہاتھ میں ہیں اور خاوند نے خلع کیا اور عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ نکلا تو ایک طلاق پڑ جائے گی اور پہلی صورت میں زوجہ پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا اور دوسری صورت میں عورت نے جو کچھ مہر میں سے لیا ہے اس کو واپس کر دینا واجب ہوگا۔

تشریح [۱] قولہ الخلع الخ یہ فتح خاء کے ساتھ اتارنے کے معنے میں آتا ہے مثلاً خلع ثوبہ عن بدنہ اس نے اپنے بدن سے کپڑا اتارا اور ضمہ کے ساتھ اسم ہے جیسے "خالعت المرأۃ خلعًا" بولا جاتا ہے جبکہ عورت مال کا فدیہ دے کر شوہر سے رہائی حاصل کرے (کفایہ) اور فتح القدیر وغیرہ میں اس کی شرعی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ "خلع کہتے ہیں ملک نکاح کو زائل کرنا خلع یا اس کے ہم معنے لفظ کے ذریعہ اور یہ زائل کرنا عورت کے قبول پر موقوف رہتا ہے "اگر مرد نے کہا" میں نے تجھ سے خلع کیا" اور اس سے طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور شرعی خلع نہ ہوگا کیونکہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں رکھا اور اگر اس نے کچھ مال کے عوض طلاق دی تو یہ خلع نہ ہوا جو کہ مہر ساقط کرتا ہے اور خلع کی اصل یہ آیت قرآنی ہے "فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ" ۱۲

[۲] قولہ لا بأس بہ الخ یعنی ضرورت پیش آنے سے خلع میں کوئی حرج نہیں اور ضرورت یہ ہے کہ زوجین میں ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ باہمی موافقت اور حسن معاشرت کی امید نہ رہے، اس میں اشارہ ہے کہ بلا ضرورت جائز نہیں اور ضرورت پر بھی حتی الامکان اس سے احتراز اولیٰ ہے کیونکہ حدیث میں طلاق کو ابغض المباحات قرار دیا گیا ہے نیز اور ایک حدیث میں ہے "خلع کرنے والیاں منافق ہیں" اور فرمایا جس عورت نے اپنے خاوند سے بلا ضرورت طلاق کا مطالبہ کیا اس پر جنت کی ہوا حرام ہے ۱۲

[۳] قولہ بخمر او خنزیر الخ یعنی ایسی شئ کو بدل قرار دیا جو شرعاً عوض ہونے کے لائق نہیں اور جب عوض باطل ہو گیا تو لفظ خلع اور طلاق کا عمل باقی رہا خلع الفاظ کنایہ میں سے ہے اس لئے طلاق بائن پڑے گی اور لفظ طلاق صریح ہے اس لئے طلاق رجعی پڑے گی ۱۲

[۴] قولہ فی الثانیۃ الخ یعنی جب عورت یہ کہے کہ جو مال میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلے میں، کیونکہ عورت نے جب مال کا نام لیا تو خاوند بلا عوض طلاق پر راضی نہیں ہوا اور مسمی واجب کرنا ممکن نہیں اور قیمت واجب کی جا سکتی ہے جو جہالت کے اس لئے اب ایک ہی صورت ہے (باقی ص آئندہ پر)

وثلثة دراهم فی الثالثة وان اختلعت علی عبد لها ابق علی براءتها من ضمانه

تسلیمه ان قدرت وقیمته ان عجزت وان طلبت ثلثا بالف او علی الف درهم

فطلقها واحدة تقع فی الاولی[1] بائنة بثلث الالف وفی الثانیة رجعیة بلا شیٔ

عند ابی حنیفة رحمه الله اما عندهما فیقع بائن بثلث الالف فانها اذا قالت طلقنی ثلثا

بالف جعلت الالف عوضاً للثلث فاذا طلقها واحدة یجب ثلث الالف لان[2] اجزاء

العوض منقسمة علی اجزاء المعوض۔

ترجمہ:۔ اور تیسری صورت میں تین درہم ادا کرے گی اور اگر عورت نے اپنے خاوند سے خلع کیا اپنے ایک غلام پر جو بھاگ گیا ہے اور شرط لگا دی کہ میں اس غلام کو حوالہ کرنے کی ذمہ داری سے بری ہوں تو طلاق پڑ جائے گی اور اس غلام کو تسلیم کرنا عورت پر واجب ہوگا اگر اس پر قادر ہو اور اس کی قیمت ادا کرنی واجب ہوگی اگر غلام کی تسلیم سے عاجز ہو جائے، اور اگر عورت نے خاوند سے تین طلاق کا مطالبہ کیا ایک ہزار روپیہ کے عوض میں یا ایک ہزار روپیہ کی شرط پر اور خاوند نے اس کو ایک طلاق دی تو پہلی صورت میں ہزار کی ایک تہائی کے بدلے میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور دوسری صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت پر کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی طلاق بائن پڑے گی ثلث الف کے بدلے میں۔ اس لئے کہ جس صورت میں عورت نے خاوند سے کہا کہ مجھ کو ہزار کے بدلے میں تین طلاق دے تو اس نے ہزار کو تین طلاقوں کا عوض قرار دیا اب جبکہ اس نے بجائے تین کے ایک طلاق دی تو ہزار کی تہائی واجب ہوگی کیونکہ معاوضہ میں بدلہ کے اجزاء مبدل کے اجزاء پر بٹ جاتے ہیں تو مبدل کے حصہ کے مطابق بدل واجب ہوگا)

تشریح:۔ (بقیہ گذشتہ) کہ نقد شدہ مہر واجب کیا جائے، اور اگر مہر میں سے کچھ قبضہ نہ کیا ہو تو کچھ بھی لازم نہ ہوگا ۱۲ نہر۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ تسلیمہ الخ یعنی عورت پر واجب ہے کہ غلام خاوند کے حوالہ کرے اگر اس پر قدرت ہو اور اگر اس سے عاجز ہو جائے تو غلام کی قیمت ادا کرنی لازم ہوگا اور عورت کی شرط فاسد کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ مبادلہ کے معاملہ میں بری ہونے کی شرط، شرط فاسد ہے اور خلع صحیح ہوگا کیونکہ وہ فاسد شرطوں سے باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی شرطیں ہی باطل ہوں گی ۱۲

[2] قولہ بائنة بثلث الخ۔ طلاق بائن اس لئے پڑے گی کہ یہ طلاق مال کے بدلے میں ہے اور عوض کی طلاق خلع کی طرح بائن ہوتی ہے اور ہزار کی تہائی اس لئے واجب ہوگی کہ عورت نے تین طلاق کے بدلے میں ایک ہزار کا وعدہ کیا اور اس نے بجائے تین کے ایک دی تو ہزار کا بھی تین بٹائی ایک حصہ واجب ہوگا اور دوسری صورت میں بلا شئی طلاق رجعی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرط کے اجزاء مشروط کے اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتے اس لئے جب کچھ بھی واجب نہ ہوا تو طلاق باقی رہ جائے گی بلا عوض اس لئے رجعی طلاق ہوگی ۱۲

[3] قولہ لان اجزاء العوض الخ اور اسی بنا پر اگر کوئی شخص دو غلام دو ہزار میں فروخت کرے اور ان کی قیمت برابر ہو پھر ایک کا کوئی مستحق نکل آیا یا مشتری کے قبضہ سے پہلے بائع کے پاس ایک ہلاک ہو گیا تو اب مشتری پر ایک ہزار یعنی نصف عوض لازم ہوگا، اس کا راز یہ ہے کہ ایک مجموع کو دوسرے مجموع کے عوض میں قرار دینے ہی سے معاوضہ اور مقابلہ متحقق ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک کے اجزاء دوسرے کے اجزاء پر منقسم ہوں گے بخلاف شرط کے کہ اس پر وجود مشروط موقوف ہوتا ہے شرط عوض یا بدل نہیں ہوتی اس لئے اس کی تقسیم سے مشروط کی تقسیم نہیں ہوتی جیسے وجوب نماز کے لئے طلوع شمس شرط ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ آدھا طلوع سے آدھا ادا ہو جائے اور نماز کی صحت کے لئے وضو شرط ہے لیکن آدھے وضو سے آدھی نماز کا تحقق ممکن نہیں ۱۲۔

اما اذا قالت طلقني ثلثا على الف فكلمة على[1] للشرط والطلاق يصح تعليقه بالشرط فابو حنيفة رح يحملها عليه واجزاء الشرط لا تنقسم على اجزاء المشروط وابو يوسف رح ومحمد رح حملاه على العوض بمعنى الباء كما في بعت عبدا بالف او على الف فالجواب[2] ان البيع لا يصح تعليقه بالشرط فيحمل على العوض ضرورة ولا ضرورة في الطلاق لصحة تعليقه بالشرط وان قال طلقي نفسك ثلثا بالف او على الف فطلقت واحدة لم يقع شئ لان[3] الزوج (اي الزوج ۱۲ عمدہ) لا يرضى بالبينونة الا ان تسلم له الالف كلها ولم تسلم بخلاف[4] قولها طلقني ثلثا بالف لانها لما رضيت بالبينونة بالف فهي ارضى بالبينونة ببعضها۔

ترجمہ :۔ لیکن جبکہ عورت نے کہا "طلقني ثلثا على الف" تو "علی" کا لفظ شرط کیلئے استعمال ہوتا ہے اور طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنا درست ہے اس لئے امام ابو حنیفہ رح اس کو شرط پر محمول کرتے ہیں اور شرط کے اجزاء مشروط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتے (اس لئے شرط نہ پائی جانے کی صورت میں مشروط کلیۃً منتفی ہوگی شرط کے حصہ کے موافق مشروط کا حصہ ثابت نہ ہوگا) اور صاحبین رح اس "علی" کو عوض پر محمول کرتے ہیں۔ بار کے معنے میں جیسے اگر کسی نے کہا "بعت عبدا بالف" یا تو کہا "على الف" تو یہاں "علی" بالاتفاق بار کے معنے پر محمول ہوتا ہے امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بیع کو شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں اس لئے یہاں بضرورت "علی" کو عوض کے معنے پر محمول کیا جاتا ہے اور طلاق کی صورت میں ایسی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنا درست ہے۔ اور اگر مرد نے اپنی زوجہ سے کہا تو اپنے آپ کو تین طلاق دے ایک ہزار کے بدلے میں یا ایک ہزار کی شرط پر" اور عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو کچھ واقع نہ ہوگا، اس لئے کہ خاوند صرف اسی حالت میں عورت کے بائنہ ہونے پر راضی ہوا تھا کہ اس کو پورا ایک ہزار مل جائے اور ایک طلاق واقع کرنے کی صورت میں اس کو پورا ایک ہزار نہیں مل سکتا اس لئے اس پر اس کی رضامندی نہیں ہوگی بخلاف اس صورت کے جبکہ عورت کہے کہ مجھ کو تین طلاق دے ہزار کے بدلے میں (اور خاوند ایک طلاق دے تو واقع ہو جائے گی) کیونکہ جب وہ ہزار کے بدلہ میں بائنہ ہونے پر راضی ہو چکی تو ہزار کے بعض حصہ کے بدلے میں بائنہ ہونے پر بطریق اولیٰ راضی ہوگی۔

تشریح :۔ [1] قولہ فکلمۃ علی الخ یعنی علی جس معنے میں استعمال ہوتا ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کی شرط ہونا سمجھا جاتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ "يبايعنك على ان لا يشركن بالله شيئا" یعنی شرک نہ کرنے کی شرط پر، اور فقہاء کے نزدیک اس کا شرط کے معنے میں ہونا بمنزلہ حقیقت کے ہے کیونکہ اصل وضع میں "علی" الزام کے لئے ہے اور جزا شرط کے لئے لازم ہوتی ہے ۱۲ تلویح۔

[2] قولہ فالجواب الخ یعنی امام ابو حنیفہ رح کی طرف سے، حاصل جواب یہ ہے کہ بیع کی صورت میں علی کو بار کے معنے پر ضرورت کی بنا پر محمول کیا جاتا ہے اور ضرورت یہ ہے کہ بیع خالص عقد معاوضہ ہے اور ایسے عقد میں تعلیق بالشرط درست نہیں اب اس عقد کو صحیح قرار دینے کی ضرورت سے علی کو بار کے معنے یعنی معاوضہ پر محمول کیا گیا ورنہ شرط کے معنے پر لینے سے عقد ہی فاسد ہو جائے گا۔ اور طلاق عقد معاوضہ نہیں بلکہ اسقاط کا معاملہ ہے جس میں تعلیق بالشرط درست ہے اس لئے طلاق کی صورت میں علی کو اس کے غیر حقیقی معنے پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۱۲

[3] قولہ لان الزوج الخ خلاصہ یہ کہ خاوند نے اسے تین طلاقوں کا اختیار دیا ہے لیکن مطلقاً نہیں۔ بلکہ پورے ایک ہزار کے عوض پر یا شرط پر تو وہ طلاق بائن پر راضی نہیں جب تک اس کو پورا ایک ہزار مل نہ جائے اب اگر عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو اس پر دونوں صورتوں میں یا صرف پہلی صورت میں ایک ہزار کی تہائی واجب ہوگی۔ خاوند کو ایک ہزار نہیں مل سکتا اور ایسی طلاق کا اختیار اس نے نہیں دیا ہے اس لئے کچھ بھی واقع نہ ہوگا ۱۲

(باقی صہ آئندہ پر)

ولو قال انت طالق وعليكِ الف او انت حرة وعليك الف فقبلتها او لا طلقت وعتقت بلا شئ هذا عند ابی حنيفة و اما عندهما ان قبلت المرأة طلقت بالف وان قبلت الامة عتقت بالف وان لم تقبلا لا يقع شئ فانهما جعلا الواو فی قوله وعليك للحال والحال بمنزلة الشرط وابو حنيفة جعل الواو للعطف وتناسب الجملتين فی كونهما اسميتين يدل علی العطف فيكون اخباراً بان عليها الالف فيقع بلا شئ والخلع معاوضة فی حقها حتی يصح رجوعها ای اذا كان الايجاب منها فقبل قبول الزوج

ترجمہ:۔ اور اگر مرد نے زوجہ سے کہا کہ تجھکو طلاق ہے اور تیرے ذمہ ایک ہزار ہیں، یا لونڈی سے کہا کہ تو آزاد ہے اور تیرے ذمہ ایک ہزار ہیں تو بلا کسی معاوضہ کے زوجہ پر طلاق پڑ جائے گی اور لونڈی آزاد ہو جائے گی برابر ہے کہ ہزار کو قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یہ امام ابو حنیفہ رح کا مذہب ہے اور صاحبین رح کے نزدیک اگر زوجہ نے ہزار قبول کئے ہیں تو ہزار کے بدلے میں طلاق واقع ہوگی اسی طرح اگر باندی نے قبول کئے تو ہزار کے بدلے میں وہ آزاد ہو جائے گی اور اگر انہوں نے قبول نہ کئے تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا، تو صاحبین نے مرد کے قول "وعلیک" میں واو کو حال کے لئے قرار دیا ہے اور حال بمنزلہ شرط کے ہے (پس شرط کا جو حکم ہے ان کے نزدیک یہاں بھی وہی حکم ہوگا) اور امام ابو حنیفہ رح نے واو کو عطف کے لئے قرار دیا ہے اور دونوں جملے کی باہمی مناسبت کہ دونوں جملہ اسمیہ ہیں واو کے عاطفہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اس لئے مرد کا یہ قول (وعلیک الف) ایک مستقل خبر ہو جائے گی اس بات کی کہ ان دونوں کے ذمہ ہزار ہیں (جو صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی ہو سکتی ہے طلاق واقع کرنے کے ساتھ اس خبر کا کوئی تعلق نہیں) اس لئے بلا عوض طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور خلع عورت کے حق میں عقد معاوضہ ہے اسی لئے عورت کیلئے اس سے رجوع کرنا صحیح ہے یعنی جبکہ عورت کی جانب سے ایجاب ہو تو خاوند کے قبول کرنے سے پہلے اسکا رجوع کرنا درست ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) ۵ قولہ بخلاف قولہا الخ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں جس طرح تین سے کم طلاق دینے سے کچھ واقع نہیں ہوتا اسی طرح اگر عورت ہزار کے عوض تین طلاق کا مطالبہ کرے اور شوہر ایک طلاق دے تو کچھ واقع نہ ہونا چاہیئے حالانکہ اس صورت میں ایک پڑ جاتی ہے اور ہزار کی تہائی عورت پر واجب ہوتی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہاں تو عورت جبکہ ایک ہزار کے عوض بائنہ ہونے پر راضی ہوئی ہے تو اس کی تہائی کے عوض بائنہ ہونے پر بدرجہ اولی راضی ہوگی۔ ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱ہ قولہ جعلا الواو الخ صاحبین کے مذہب کی توجیہ دو طرح کی گئی ہے ایک تو وہ جسے شارح نے ذکر کیا ہے کہ واو حال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور حال ذوالحال کے ساتھ متصل اور اس پر موقوف ہونے کے لحاظ سے بمنزلہ شرط کے ہے تو انت طالق وعلیک الف کے معنی ہوں گے انت طالق حال کون الالف لازما علیک، اس لئے اگر عورت قبول کرے گی تو طلاق واقع ہوگی اور ہزار اس پر لازم ہوں گے اور اگر قبول نہ کرے تو نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ مال اس پر لازم ہوگا اور دوسری توجیہ یہ کہ اس قسم کا کلام معاوضہ کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً جب کہا جائے "احمل ہذا المتاع ولک درہم" تو یہ "بدرہم" کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے پس یہاں بھی واو، باء کے معنے پر محمول ہوگا اور عوض کا ذکر کرنا اس کا قرینہ ہوگا اب گویا اس نے یوں کہا "انت طالق بالف" ۱۲

۲ہ قولہ علی العطف الخ۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ واو کے اصلی معنی عطف کے لئے ہوتا ہے اس لئے ضرورت کے بغیر اس سے اعراض نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً دو جملوں کے درمیان تناسب نہ ہونے کی بناء پر عطف درست نہ ہو یا عطف مستحسن نہ ہو لیکن یہاں تناسب موجود ہے اس لئے اس کے معنی اصلی عطف ہی کو ترجیح دیجائے گی ۱۲

۳ہ قولہ اذا کان الایجاب الخ یعنی جبکہ خلع کی ابتداء عورت کی جانب سے ہو۔ مثلاً عورت نے کہا کہ "میں اپنے لئے خلع کرتی ہوں اتنے کے بدلے میں" تو جب تک خاوند اس کو قبول نہ کرلے عورت کو اپنی اس تجویز سے رجوع کا حق ہے جیسے بیع وغیرہ معاوضات کا حکم ہے کہ ایجاب کرنے والے کو رجوع کا اختیار ہوتا ہے جبتک کہ فریق آخر کے قبول کے ذریعہ اس کا ایجاب مؤکد نہ ہو جائے ۱۲

وشرط الخیار لها هٰذا عند ابی حنیفة رح اما عندهما فلا یصح شرط الخیار لاحد فالطلاق واقع والبدلُ واجب ویقتصر علی المجلس ای اذا کان الایجاب من قِبَلها لابد من قبول الزوج فی المجلس ویمینٌ فی حقه حتی انعکس الاحکام ای اذا کان الایجاب من جهته لایصح رجوعُه قبل قبول المرأة ولا یصح شرط الخیار له ولا یقتصر علی المجلس ای یصح ان تَقبلتِ المرأة بعد المجلس وانما کان الخلع کذلک لانّ فیه معنی المعاوضة فان المرأة تبذل مالا لتسلّمَ لها نفسها وفیه معنی الیمین فان الیمین بغیر الله ذکر الشرط والجزاء فالخلع تعلیق الطلاق بقبول المرأة وهٰذا من طرف الزوج نجُعِلَ من جانبه یمینًا ومن جانب المرأة معاوضة۔

ترجمہ ______ اور عورت کے واسطے خیار کی شرط صحیح ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ہے لیکن صاحبین رح کے نزدیک خلع کے معاملہ میں زوج یا زوجہ کسی کے لئے شرط خیار صحیح نہیں اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی اور بدل خلع عورت پر واجب ہوگا (اور شرط باطل ہوگی) اور مجلس کے ساتھ مقید رہے گا یعنی جبکہ عورت کی طرف سے ایجاب ہو تو مرد پر اسی مجلس میں خاوند کا قبول کرنا۔ اور خلع خاوند کے حق میں یمین ہے چنانچہ (اگر خلع کی پیش کش خاوند کی طرف سے ہو تو) تمام حکم پلٹ جائیں گے۔ یعنی جب ایجاب خاوند کی طرف سے ہو تو عورت کے قبول کرنے سے پہلے اس کا رجوع کرنا صحیح نہیں۔ اور خاوند کے لئے خیار کی شرط درست نہیں اور عورت کا قبول کرنا مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا یعنی اگر مجلس بدل جانے کے بعد عورت قبول کرے تو بھی جائز ہوگا۔ اور خلع کے حکم میں اس طرح فرق کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک لحاظ سے معاوضہ کے معنے پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ عورت اس لئے مال دیتی ہے کہ اس کے بدلہ میں خود شوہر کے قبضہ سے سبکدوش ہو جائے اور دوسرے لحاظ سے اس میں یمین کے معنے موجود ہیں کیونکہ شرط و جزا کا ذکر ہونا یمین بغیر اللہ کے حکم میں ہے اور خلع میں دراصل عورت کے قبول کے ساتھ طلاق کی تعلیق ہوتی ہے اور عورت کے قبول پر طلاق کو معلق رکھنا شوہر ہی کی جانب سے ہوا کرتا ہے اس لئے شوہر کی طرف سے خلع کو یمین اور عورت کی طرف سے معاوضہ قرار دیا گیا ہے۔

تشریح:۔ لہ قولہ ویمین فی حقہ الخ۔ اس کا عطف ہے "معاوضۃ" پر یعنی خلع زوج کے حق میں یمین ہے۔ اس لئے کہ اس نے طلاق کو معلق کیا ہے عورت کے قبول پر اور تعلیق فقہاء کی اصطلاح میں یمین ہے ۱۲

سلہ قولہ لان فیہ الخ۔ یعنی خلع میں معاوضہ اور یمین دونوں کے معنے پائے جاتے ہیں اول معنے اس لئے کہ عورت اپنا مہر یا دوسرا کوئی مال خرچ کرتی ہے اور خاوند کو دیتی ہے تاکہ اس کو اپنا پورا اختیار مل جائے اور مرد سے چھٹکارا حاصل ہو جائے اس بنا پر عورت کے حق میں معاوضہ ہو گیا، اگر کوئی کہے کہ ملک نکاح مال نہیں پھر کس طرح اس کا عوض ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ بسا اوقات ایسی چیز کا بھی عوض مقرر کیا جاتا ہے جو مال نہیں ہے مثلاً قصاص مال نہیں بلکہ یہ قاتل پر مقتول کے وارثوں کا حق ہے اس کے باوجود نص قرآن سے، مال سے اس کا عوض ہونا ثابت ہے اور یمین کے معنے اس لئے کہ خاوند عورت کے قبول کرنے کے ساتھ طلاق کو معلق کرتا ہے تو مرد کی جانب سے تعلیق ہو گئی اور تعلیق کو یمین کہا جاتا ہے ۱۲

وطرف[1] العبد في العتاق كطرفها في الطلاق فيكون من طرف العبد معاوضةً و من جانب المولى يميناً وهي تعليق العتق بشرط قبول العبد فيترتب احكام المعاوضة في جانب العبد لا في جانب المولى ولو قال طلقتكِ امس على الفٍ فلم تقبلي وقالت قبلتُ فالقول[2] له ولو قال البائع كذلك فالقول للمشتري اي اذا قال البائع بعتُ هذا العبدَ منك بالف درهم امس فلم تقبل وقال المشتري قبلتُ فالقول للمشتري ووجه الفرق ان[3] قول البائع بعتُ اقرارٌ بقبول المشتري لان البيع لا يصح الا بالايجاب والقبول فقوله فلم تقبل يكون رجوعاً عن اقراره بخلاف الخلع فانه يمين في حقه فيمكن انفكاكه عن البدل فلا يكون اقراراً بقبول المرأة فيكون القول قوله لانه منكر للخلع والمرأة تدعيه۔

ترجمہ:۔ اور آزاد کرنے کے معاملہ میں غلام کا پہلو ایسا ہے جیسے طلاق کے معاملہ میں عورت کا پہلو ہے چنانچہ مال کے بدلہ میں عتق غلام کے حق میں عقد معاوضہ ہوگا اور مولی کے حق میں بمنزلہ یمین کے ہوگا یعنی غلام کے قبول کرنے کی شرط پر اس کی آزادی کی تعلیق شمار ہوگی اس لئے غلام کی جانب عقد معاوضہ کے احکام ثابت ہوں گے لیکن مولی کی جانب وہ احکام مرتب نہ ہوں گے بلکہ یمین کے احکام ثابت ہوں گے اور اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ کل میں نے ہزار درہم پر تجھ کو طلاق دی تھی اور تو نے قبول نہیں کیا تھا اور عورت نے کہا کہ میں نے قبول کیا تھا تو خاوند کا قول (قسم کے ساتھ) معتبر ہوگا۔ اور اگر بائع نے اسی طرح کہا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی جب بائع کہے کہ میں نے کل اس غلام کو تیرے ہاتھ ہزار درہم کے بدلہ میں بیچا تھا اور تو نے قبول نہیں کیا تھا اور مشتری کہے کہ میں نے قبول کیا تھا تو مشتری کا قول (قسم کے ساتھ) معتبر ہوگا۔ اور ان دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ بائع کا یہ قول کہ "میں نے بیچا تھا" دراصل ضمناً قبول مشتری کا اقرار ہے اس لئے کہ بیع ایجاب اور قبول کے بغیر متحقق نہیں ہوتی۔ اب اس کا یہ دعوی کہ "تو نے قبول نہیں کیا تھا" درحقیقت اپنے اس اقرار سے رجوع ہے (اور مشتری اس کا منکر ہے والقول قول المنکر مع الیمین) بخلاف خلع کے کہ یہ تو زوج کے حق میں یمین ہے اس لئے اس کا ایجاب عورت کی جانب سے قبول بدل سے جدا ہو سکتا ہے تو اس مسئلہ میں زوج کا قول مذکور۔ طلقتک امس علی الف۔ عورت کی طرف سے قبول کے اقرار پر مشتمل نہیں اس لئے اسی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ خلع کا منکر ہے اور عورت خلع کا دعوی کرنے والی ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ وطرف العبد الخ یعنی جب مال کے بدلہ میں آزادی ہو تو غلام مال خرچ کرتا ہے اور مالک کو اس لئے دیتا ہے کہ خود مختار ہو جائے اور مولی کی ملکیت سے نجات حاصل کرے۔ اور مولی غلام کی آزادی کو گویا اس کے قبول پر معلق کرتا ہے کیونکہ مال تو اس پر لازم آتا ہے اور قبول التزام کے بغیر لزوم نہیں ہوتا اس لئے یہ غلام کی جانب سے معاوضہ بن گیا جیسے عورت کی جانب میں خلع معاوضہ تھا اور مولی کی جانب سے یمین بن گیا جیسے مرد کی جانب میں خلع یمین تھا اب اپنی اپنی جانب میں یمین اور معاوضہ کے مناسب احکام ثابت ہوں گے ۱۲
[2] قولہ فالقول لہ الخ۔ یعنی خاوند کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ وہ منکر ہے اور عورت دعویدار ہے اس لئے عورت اگر بینہ کے ساتھ دعوی ثابت کر دے تو اس کے موافق فیصلہ ہوگا اور اگر بینہ نہ پیش کر سکے اور مرد سے حلف کا مطالبہ کرے تو اس سے قسم لی جائے گی اگر قسم کھالے تو عورت کا دعوی باطل ہو جائے گا اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت کا حق ثابت ہو جائے گا اور اگر دونوں بینہ پیش کریں تو عورت کا بینہ قابل قبول ہوگا ۱۲۔ [3] قولہ ان قول البائع الخ حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ایجاب اور قبول کے بغیر بیع متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ دونوں بیع کے رکن ہیں۔ محض ایجاب سے بیع نہیں ہوتی۔ اس لئے بائع کا قول "بعتُ" دراصل مشتری کے (باقی صفحہ آئندہ پر)

ویسقط الخلعُ والمبارأۃ[1] کلّ حق لکل واحد منهما علی الآخر مما یتعلق بالنکاح فلا یسقط ما لا

مفاعلۃ من البرأۃ من الاسقاط وما بعدہ فاعلہ ۱۲ عمدہ — ای الزوجین ۱۲ عمدہ

یتعلق بالنکاح کثمن ما اشترت من الزوج ویسقط ما یتعلق بالنکاح کالمهر والنفقة

الماضیۃ اما نفقۃ العدۃ فلا تسقُط الا بالذکر کذا فی الذخیرۃ والمهر یسقُط من غیر

ذکرہ وان خلع الاب صبیتہ بمالها لم یجب علیها شئ وبقی مهرها وتطلق فی الاصح

ای الصبیۃ ۱۲ عمدہ

فان خالعها علی انه ضامن صح وعلیه[2] المال وان شرط المال علیها تطلق بلا شئ

وان قبلت.

ای الصغیرۃ اذا کانت تعقل العقد وتعبر عن نفسها ۱۲ عمدہ

ترجمہ:- اور خلع یا ایک دوسرے کو بری کردینا ہر حق کو ساقط کردیتا ہے جو ایک کا دوسرے پر ہے ان حقوق میں سے جو نکاح سے متعلق ہیں۔ تو جو حقوق نکاح سے متعلق نہیں جیسے اس اسباب کی قیمت جو کہ زوجہ نے خاوند سے خرید کیا ہے وہ ساقط نہ ہوں گے اور نکاح سے متعلق حقوق مثلاً مہر اور گذشتہ ایام کا نفقہ ساقط ہو جائیں گے لیکن ایام عدت کا نفقہ صراحۃً ذکر کئے بغیر ساقط نہیں ہوگا۔ ذخیرہ میں اسی طرح مذکور ہے اور مہر بلا ذکر ہی ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر باپ نے اپنی نابالغہ لڑکی کی طرف سے اس کے خاوند سے خلع کیا تو لڑکی پر کچھ لازم نہیں آئے گا اور اس کا مہر خاوند کے ذمہ باقی رہے گا اور اصح قول کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر لڑکی کا خلع اس شرط پر کیا کہ وہ بدل خلع کا ضامن ہے تو صحیح ہے اور باپ پر مال لازم آئے گا (اور مہر ساقط نہ ہوگا) اور اگر خاوند نے اپنی زوجہ صغیرہ پر بدل خلع ادا کرنے کی شرط لگائی تو طلاق پڑجائے گی اور اس پر مال لازم نہیں آئے گا اگرچہ اس نے قبول کرلیا ہو۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) قبول کے اقرار کو متضمن ہے اب اس کے بعد یہ کہنا کہ "اس نے قبول نہیں کیا" درحقیقت اس اقرار سے رجوع کرنا ہے اس لئے یہ قابل قبول نہ ہوگا۔ لیکن خلع چونکہ مرد کی جانب سے یمین ہے اور یمین خود عقد کامل ہے عورت کے قبول پر موقوف نہیں اس لئے "خلعتک اس علی الف" کے قول میں عورت کے قبول کا اقرار نہ ہوگا اب مرد کا یہ قول کہ "عورت نے قبول نہیں کیا" رجوع عن الاقرار نہیں ہوگا کہ قابل قبول ہو ۱۲۔

(حاشیہ صد ہذا) [1] قولہ والمبارأۃ الخ۔ یہ مفاعلہ کے وزن پر ہے چنانچہ "بارأشریکہ" کہا جاتا ہے جبکہ ہر ایک نے ایک دوسرے سے برأت حاصل کرلی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مبارأت کا لفظ خلع کے قائم مقام ہے مثلاً مرد کہے "بارأتک" اور عورت قبول کرلے یا تو مرد کہے برأت من نکاحک بالف اور عورت قبول کرلے لیکن اگر بدل کا ذکر کئے بغیر برأت من نکاحک" کہا تو خلع نہ ہوگا البتہ طلاق کی نیت کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی۔ غرض جبکہ باب مفاعلہ سے نہ ہو اور عوض کا ذکر نہ کرے تو عورت کے قبول پر موقوف نہ ہوگا اور نیت سے طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اس سے خلعتک کی طرح حق ساقط نہ ہوگا بخلاف اس صورت کے جبکہ مفاعلہ کے وزن پر ہو یا بدل ذکر کرے۔ تو عورت کے قبول پر موقوف رہے گا اور قبول کرلینے سے تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے ۱۲ (ردالمحتار)

[2] قولہ وعلیہ المال الخ۔ یعنی بدل خلع کا مال دینا باپ پر واجب ہے لیکن اس خلع سے مہر ساقط نہ ہوگا کیونکہ باپ کو لڑکی پر مہر ساقط کرنے کی ولایت نہیں ہے اب اگر باپ نے مہر پر خلع کرلیا تو صغیرہ کو حق ہے کہ وہ زوج سے مہر وصول کرے اور زوج اس کے باپ سے وصول کرے گا کیونکہ وہ ضامن ہوا ہے اور اگر غیر مہر پر خلع کیا مثلاً ایک ہزار پر تو صغیرہ کو خاوند سے اپنا مہر لینے کا حق ہے اور خاوند کو یہ مہر باپ سے وصول کرنے کا حق نہیں کیونکہ باپ نے مہر کی ضمانت نہیں لی بلکہ صرف ہزار کی ضمانت لی تھی ۱۲

بَابُ الظِّهَار[1]

هو تشبیه زوجته او ما یعبر به عنها او جزءٍ شائعٍ منها بعضوٍ یحرم[2] نظره الیه من اعضاء محارمه نسبًا او رضاعًا کانتِ علیَّ کظهر امّی او راسكِ ونحوه او نصفكِ کظهر امّی او کبطنها او کفخذها او کفرجها او کظهر اختی او عمّتی ویصیر به مظاهرًا ویحرم وطیها ودواعیه حتّی یکفِّر فان وطی قبله ای قبل التکفیر استغفر وکفّر للظهار فقط[3] ای تجب کفارة الظهار ولا یجب شیٔ اٰخر للوطی الحرام ولا یعود حتی یکفر ای لا یطأها ثانیا حتی یکفر والعود الموجب للکفارة هو عزمه علی وطیها ولیس هذا الا ظهارًا ای ما ذکر لیس الا ظهارًا سواء نوی او لم ینو شیئًا ولا یکون طلاقًا او ایلاءً۔

ظہار کا بیان

ترجمہ:۔ ظہار شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ مرد اپنی زوجہ کو یا اس کے اس عضو کو جس اس کا کل مراد لیتے ہیں۔ یا اس کے کسی غیر معین جزء کو تشبیہ دے اپنے محارم کے ایسے اعضاء کے ساتھ جن پر نظر کرنا اس کے لئے حرام ہو چاہے وہ محارم نسبی ہوں یا رضاعی تشلا یوں کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا کہے تیرا سر یا تیرا نصف میری ماں کی پشت یا شکم یا ران یا فرج کی مانند ہے یا میری بہن یا میری پھوپھی کی پشت کی مانند ہے۔ ایسی تشبیہ دینے سے مرد ظہار کرنے والا ہو جائے گا اور جب تک کفارہ نہ دے اس کی عورت سے وطی اور دواعی وطی سب حرام ہو جائیں گے تو اگر کفارہ دینے سے پہلے اس سے وطی کرلے تو توبہ کرے اور فقط ظہار کا کفارہ دے یعنی اس پر صرف ظہار کا کفارہ واجب ہے اور وطی حرام سے اور کچھ دینا واجب نہیں اور پھر دوبارہ نہ کرے جب تک کہ کفارہ نہ دیدے۔ یعنی کفارہ ادا نہ کرنے تک دوبارہ اس سے وطی نہ کرے اور جو عود موجب کفارہ ہے (فی قولہ تعالیٰ ثم یعودون لما قالوا) اس سے دوبارہ وطی کا عزم وارادہ مراد ہے (تو جب تک مرد ظہار کے بعد وطی کا قصد نہ کرے کفارہ لازم نہ ہوگا) اور یہ سب الفاظ سوائے ظہار کے کچھ نہ ہوں گے۔ یعنی مذکورہ الفاظ سے صرف ظہار ہی ہوگا برابر ہے کہ نیت کرے ظہار کی یا کچھ نیت نہ کرے اور ان سے طلاق یا ایلا نہیں ہوگا۔

تشریح:۔ [1] قولہ الظہار الخ۔ ظا مہملہ کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے "ظاہر من امرأتہ" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ خاوند اپنی بیوی سے کہے "انت علی کظہر امی" (تو میرے لئے میری ماں کی پشت کے مانند ہے) اور اصل اس باب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد سورۂ مجادلہ میں "قد سمع اللّٰہ قول التی تجادلک فی زوجہا۔ الآیہ" یہ آیتیں تب نازل ہوئیں جبکہ اوس بن صامت نے اپنی زوجہ سے ظہار کیا اور وہ شکایت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، حاکم، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ نے اس واقعہ کو مفصل بیان کیا ۱۲

[2] قولہ یحرم نظرہ الخ۔ یہ ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء سے احتراز ہے جن کی طرف نظر کرنا حلال ہے کہ ان سے تشبیہ دینے سے ظہار نہ ہوگا ۱۲

[3] قولہ وکفر للظہار الخ۔ یعنی صرف ظہار کا کفارہ دے اور اس وطی کی وجہ سے دوسرا کفارہ اس پر لازم نہ ہوگا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبکہ ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا تھا جس نے کفارہ سے پہلے جماع کر لیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ "اس پر ایک ہی کفارہ ہے" ترمذی ۱۲

وفی انت علیّ مثل امی او کامی ان نوی الکرامۃ او الظہار صحت ای نیتہ وان نوی الطلاق بائنٌ وان لم ینو شیئاً لغا وبانت علیّ حرام کامی صحّ ما نوی من طلاق او ظہار وانت علیّ حرام کظہر امی ظہار لا غیر وان نوی طلاقاً او ایلاءً وخص الظہار بزوجتہ فلم یصح من امتہ ولا ممّن نکحہا بلا امرہا ثم ظاہر منہا ثم اجازت وبانتنّ علیّ کظہر امی لنسائہ تجب لکلٍّ کفارۃٌ وھی عتق رقبۃ وجاز فیہا المسلم والکافر وفیہ خلاف الشافعیؒ وتحقیقہ فی اصول الفقہ فی حمل المطلق علی المقیّد والذکر والانثی والصغیر والکبیر والاصمّ ای من یکون فی اذنیہ وقرٌ امّا من لا یسمع اصلا ینبغی ان لا یجوز لانہ فائت جنس المنفعۃ

ترجمہ:۔ اور اگر اپنی زوجہ سے کہا کہ تو میرے اوپر میری ماں کے مثل ہے یا میری ماں جیسی ہے (تو اس کی نیت پر مدار ہوگا) اگر اس سے اعزاز کی نیت کی یا ظہار کی نیت کی تو درست ہے یعنی جیسی اس کی نیت ویسا ہی ہوگا اور اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر کچھ نیت نہ کی تو لغو ہو جائے گا۔ اور اگر اپنی زوجہ سے کہا تو میرے اوپر حرام ہے مثل میری ماں کے تو طلاق یا ظہار جیسی نیت ہوگی صحیح ہوگا اور اگر کہا کہ تو میرے اوپر حرام مانند پشت میری ماں کے تو صرف ظہار ہوگا اور کچھ نہیں اگرچہ طلاق یا ایلاء کی نیت کی ہو اور خاص ہے ظہار اپنی زوجہ سے اور اگر لونڈی سے ظہار کیا تو ظہار صحیح نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی عورت سے بغیر اس کے حکم کے نکاح کیا پھر اس سے ظہار کیا اس کے بعد عورت نے نکاح کی اجازت دی تو یہ ظہار بھی باطل ہے اور اگر کسی نے اپنی متعدد بیبیوں سے کہا کہ تم سب میرے اوپر میری ماں کی پشت کے مانند ہو تو ان سب سے ظہار ہو جائے گا اور ہر ایک کی طرف سے جدا جدا کفارہ لازم ہوگا۔

اور ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مملوک آزاد کرے اور جائز ہے کفارۂ ظہار میں مسلم اور کافر دونوں، اور کافر کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور اس کی پوری تحقیق اصول فقہ کا مسئلہ مطلق مقید پر محمول ہونے اور نہ ہونے کی بحث میں مذکور ہے (ہمارے نزدیک مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے اور شوافع کے نزدیک مطلق مقید پر محمول ہوا کرتا ہے) اور جائز ہے چاہے یہ مملوک مرد ہو یا عورت نابالغ ہو یا بالغ اور چاہے بہرا ہو۔ یعنی جن کے کان میں گرانی ہو کہ اونچا سنتا ہو لیکن ویسا بہرا جو بالکل نہ سنتا ہو وہ کفارہ میں جائز نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو منافع مقصودہ میں سے ایک اہم منفعت سے بالکل محروم ہے۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ ان نوی الخ یعنی اگر اس سے بیوی کی تکریم یا اعزاز کی نیت کی یعنی تو میری ماں کی طرح معزز اور محبوب ہے" تو یہ نیت صحیح ہوگی اور اس سے کچھ واقع نہ ہوگا اور اگر طلاق کی نیت کر تو طلاق بائن پڑے گی کیونکہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے اور اگر ظہار کی نیت کرے تو ظہار ہوگا کیونکہ ماں کے ساتھ تشبیہ اس کے عضو کے ساتھ تشبیہ ہے اور زیادتی کے ساتھ غرض یہ ظہار کا کنایہ ہے اس لئے اگر کچھ نیت نہ کی تو اس کا قول لغو ہوگا جیسے انت امی یا انت بنتی یا انت اختی وغیرہ جن میں تشبیہ نہ ہو لغو ہیں البتہ اس قسم کے الفاظ بولنا مکروہ ہے۔ فتح ۱۲

؎۲ قولہ لا غیر الخ کیونکہ اس قول میں ظہر کی تصریح ہے اس لئے وہ طلاق کی نیت کرے۔ یا ایلاء کی نیت کرے یا کچھ بھی نیت کرے ہر حال میں ظہار ہوگا یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر وہ طلاق یا ایلاء کی نیت کرے تو نیت کا اعتبار ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہوگی اور ظہار باطل کرنے میں اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی اسی طرح

؎۳ قولہ من امتہ الخ آیت ظہار میں "من نسائہم" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ظہار خاص ہے ازدواج کے ساتھ علاوہ ازیں یہ وجہ بھی ہے کہ ظہار رسم طلاق سے منقول ہے کیونکہ جاہلیت میں یہ طلاق تھی پھر شرع نے اس کا اصل برقرار رکھا (باقی صد آئندہ پر)

والاعور ومقطوع احدی یدیه واحدی رجلیه من خلاف ومکاتب لم یؤد شیئًا

وشراء قریبه بنیة کفارته واعتاق نصف عبده ثم باقیه لا فائت جنس المنفعة

لا انوثته تبیس لہ فیہ منفع ۱۲ عمدہ — فانہ تا یشترط اعتاق الکل فی وقت واحد ۱۲ عمدہ — بشرط ان یکون قبل المسیس ۱۲ عمدہ

کالاعمٰی ومجنون لا یعقل احتراز عمن یجن ویفیق والمقطوع یداه او ابهاما

وکساقط الاسنان العاجز عن الاکل کذا فی الفتح ۱۲ عمدہ — صفۃ المجنون ۱۲ عمدہ — ای ابہامی الیدین ۱۲ عمدہ

او رجلاه اویدٌ ورجلٌ من جانب ولا مدبرٌ ولا مکاتبٌ ادّٰی بعض بدله واعتاق

ای جانب واحد ۱۲ عمدہ

نصف عبد مشترک ثم باقیه بعد ضمانه لانه انتقص نصیب صاحبه فی ملکه
ثم یتحوّل الی ملک المعتق بالضمان وعندهما یجوز اذا کان المعتق موسرًا.

من التحول الانتقال ۱۲ عمدہ ای ذلک النصیب ۱۲ نفع

ترجمہ :۔ اور جائز ہے کانا اور جس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر مختلف جانب سے کٹا ہوا ہو۔ اور وہ مکاتب جس نے کچھ ادا نہیں کیا اور جائز ہے کفارۂ ظہار کی نیت سے اپنے قریبی رشتہ دار کو خریدنا اور یہ بھی درست ہے کہ پہلے آدھا غلام آزاد کرے اور پھر باقی آزاد کر دے اور جائز نہیں وہ غلام یا لونڈی جس میں منفعت مقصودہ کی ایک نوع بالکل ضائع شدہ ہو مثلاً بالکل اندھا ہو یا ایسا دیوانہ جو بالکل مسلوب العقل ہو۔ اس قید سے وہ دیوانہ مستثنیٰ ہو گیا جو کبھی دیوانہ ہو جاتا ہے اور کبھی ہوش میں رہتا ہے (کہ کفارہ میں اس کو آزاد کرنا جائز ہے) اور جائز نہیں جس کے دونوں ہاتھ یا ہاتھ کے دونوں انگوٹھے یا دونوں پیر یا ایک ہاتھ اور ایک پیر ایک ہی جانب سے کٹے ہوئے ہوں۔ اور جائز نہیں کفارہ میں آزاد کرنا مدبر کو اور اس مکاتب کو جس نے کچھ بدل کتابت ادا کیا ہے اور نہ عبد مشترک کا نصف آزاد کرنا پھر باقی کو تاوان دینے کے بعد آزاد کرنا اس لئے کہ جب اس نے نصف آزاد کر دیا تو اس کے شریک کا حصہ اس کی ملک میں رہتے ہوئے عیب دار ہو گیا پھر ایسی عیب اور نقصان کے ساتھ وہ حصہ بذریعہ تاوان آزاد کرنے والے کی ملک میں منتقل ہو گا (اور کفارہ میں ناقص غلام آزاد کرنا درست نہیں) اور صاحبین کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو جائز ہے۔

تشریح :۔ (بقیہ صد گذشتہ) اور اس کے حکم کو کفارہ کے ساتھ تحریم موقت کی طرف منتقل کر دیا کہ اب نکاح زائل کرنے والا نہ ہو گا اور یہ واضح ہے کہ طلاق بیوی کے ساتھ خاص ہے اس لئے ظہار بھی خاص رہے گا ۱۲

سکہ قولہ خلاف الشافعی الخ۔ کہ ان کے نزدیک کافر غلام کا آزاد کرنا کافی نہیں۔ منشاء اختلاف یہ ہے کہ کسی حکم کے بارے میں جب ایک نص مطلق اور ایک نص مقید ہو تو ان کے نزدیک مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے اور وہ قید اس میں معتبر ہوتی ہے چاہے واقعہ مختلف ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم میں کفارۂ ظہار اور کفارۂ یمین کے بارے میں مطلق رقبہ آزاد کرنے کا حکم ہے مومن ہونے کی قید نہیں اور قتل خطاء کے کفارہ میں رقبۂ مومنہ مقید ہے تو ان کے نزدیک مطلق میں بھی اس قید کا اعتبار ہو گا اور ہمارے نزدیک مطلق کا عمل اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید کا عمل تقیید کے ساتھ ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کریں گے توضیح وغیرہ کتب اصول میں طرفین کے دلائل بسط کے ساتھ مذکور ہیں ۱۲

ھہ قولہ فائت جنس المنفعۃ الخ۔ یعنی بینائی، سماعت، کلام، چلنا، پکڑنا یا عقل وغیرہ میں سے کوئی ایسی منفعت کلیۃً فوت ہو جائے جو کہ غلام سے مطلوب و مقصود ہوتی ہے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ او ابہاماہ الخ۔ مناسب تھا کہ ابہاما ہما فرماتے تاکہ دونوں ہاتھ کا ابہام سمجھا جاتا کیونکہ پیر کا ابہام کٹا ہوا ہونا مانع نہیں ہے اور ان کو آزاد کرنا اس لئے درست نہیں کہ منافع مقصودہ میں سے ایک نوع کی منفعت بالکل زائل ہو جاتی ہے اور مانع ہے محض نقصان یا خلل کا ہونا مانع نہیں ۱۲

ﷲ قولہ لانہ انتقص الخ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جب اس نے نصف آزاد کر دیا تو دوسرا نصف جو اس کے شریک کی ملک میں ہے وہ نقصان والا اور عیب دار ہو گیا کیونکہ نصف آزاد ہو جانے کی وجہ سے دوسرے نصف میں ملکیت باقی رہنے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے اس لئے آزاد کرنے والا مالدار ہونے سے اس پر نصف کا ضمان ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

اى او ارقيمة النصف الى شريكه ۱۲ عده

لانه يملك نصيب صاحبه بالضمان فكانه اعتق كله عن الكفارة بخلاف ما اذا

اى شريكه الذى لم يعتق نصيبه ۱۲ عده

كان معسرًا فان عندهما الواجب السعاية فى نصيب الشريك فيكون اعتاقًا بعوض

بالكسر بمعنى السعى للتحصيل قيمة نصفه ۱۲ عده — وهو المال ۱۲ عده

ونصف عبده عن تكفيره ثم باقيه بعد وطى من ظاهر منها لان الاعتاق يجب

اى النصف الباقى من العبد ۱۲ عده — كناية عن الزوجة ۱۲ عده

ان يكون قبل المسيس وعندهما يجوز لان اعتاق البعض اعتاق الكل عندهما

اى الوطى وذوا لته ۱۲ عده

وان عجز عن العتق صام شهرين ولاءً ليس فيهما شهر رمضان ولا خمسة نهى

فان صوم فرض عليه ولا يسعه غيره ولا ينوب عن غيره ۱۲ عده

صومها وان افطر بعذر[1] او بغيره او وطيها فى الشهرين ليلًا عمدًا او نهارًا سهوًا

استانف الصوم لا الاطعام ان وطيها فى خلاله۔

ترجمہ:- کیونکہ اس حالت میں وہ ضمان دے کر اپنے شریک کے حصہ کا مالک بن جاتا ہے تو گویا اس نے کفارہ میں کل غلام آزاد کر دیا بخلاف اس صورت کے جبکہ آزاد کرنے والا تنگدست ہو کیونکہ ایسی حالت میں ان کے نزدیک شریک کے حصہ کی قیمت ادا کرنے کے لئے غلام پر سعی واجب ہے اب اس حصہ کی آزادی ہوگی بعوض مال (حالانکہ کفارہ میں بلا عوض آزاد ہونا چاہیئے۔) اور اگر آدھا غلام آزاد کیا کفارہ کی نیت سے اور پھر باقی غلام اس عورت سے وطی کے بعد آزاد کیا جس سے ظہار کیا تھا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ جماع سے پہلے کفارہ میں آزاد کرنا واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک درست ہو جائے گا اس لئے کہ ان کے نزدیک بعض آزاد کرنے سے کل آزاد ہو جاتا ہے (تو گویا وطی سے پہلے کفارہ ادا ہو چکا ہے) اور جو شخص غلام یا باندی آزاد کرنے سے عاجز ہو تو وہ لگاتار دو مہینے روزے رکھے کہ ان مہینوں کے بیچ میں ماہ رمضان اور وہ پانچ دن جن میں روزہ ممنوع ہے (دو عید اور تین ایام تشریق) واقع نہ ہوں اور اگر ان دنوں میں ایک روز بھی افطار کیا خواہ عذر سے ہو یا بلا عذر ہو یا وطی کی رات میں قصدًا یا دن میں سہوًا تو پھر از سر نو روزے شروع کرے لیکن مسکینوں کو کھلانے کے کفارہ کے اثنا میں اگر عورت سے وطی کرے تو از سر نو دوبارہ کھلانا واجب نہیں

تشریح:- (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اگر وہ تنگدست ہو تو غلام پر سعی واجب ہوتی ہے تاکہ وہ نصف کی قیمت ادا کر کے پورا آزاد ہو جائے تو اس نقصان کے طاری ہونے کے بعد آزاد کرنے والے کی ملک میں تاوان کی بدولت منتقل ہوگا اور اس قسم کے ناقص غلام کا آزاد کرنا کفارہ میں کافی نہیں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ ولاءً۔ الخ۔ یعنی پے در پے مسلسل ہوں۔ درمیان میں ایک دن بھی افطار کا ناغہ نہ آئے، اب اگر اس نے چاند کی ابتداء سے روزے شروع کئے تو دو مہینہ انتیس کا ہونے سے بھی جائز ہے اور اگر ابتداء چاند سے نہ ہو تو ساٹھ دن روزے رکھنے کے بعد بھی اگر ایک دن افطار کرے تو پھر از سر نو دو مہینہ روزے رکھنا پڑے گا ایسے ہی اگر ان روزوں کے بیچ میں رمضان کے روزے یا ایام منہیہ آگئے تو بھی دوبارہ روزے رکھے۔ عنایہ ۱۲

[2] قولہ بعذر الخ جیسے سفر یا مرض یا عورت کے لئے نفاس کا عذر پیش آ جائے، کفارہ قتل خطاء میں یا کفارہ صوم رمضان میں البتہ عورت کا حیض ان کفاروں میں مانع تتابع نہیں اس لئے کہ عورت کیلئے تو حیض سے خالی مسلسل دو مہینہ پانا ممکن نہیں البتہ عورت کے لئے ضروری ہے کہ حیض کے بعد کے دنوں کو پہلے کے ساتھ متصل رکھے پس اگر وہ حیض کے بعد ایک دن بھی افطار کرلے تو بلا ضرورت تسلسل توڑ دینے کی وجہ سے پھر شروع سے اس کو روزے رکھنے پڑیں گے اور نفاس چونکہ اتفاقی امر ہے اس لئے اس کو قاطع تسلسل قرار دیا گیا اور کفارہ یمین کے تین روزوں کے درمیان حیض بھی قاطع تتابع شمار ہوگا ۱۲

هذا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ومحمدؒ وعند ابی یوسفؒ لا یستانف الصوم لانہ یجب

(ای وجوب الاستیناف فی جمیع الصور المذکورۃ ۱۲ عمدہ)

ان یکون متتابعًا مقدمًا علی المسیس فالتتابع حاصل بقی ان التقدم

(ای الصوم ۱۲ عمدہ)

علی المسیس غیر حاصل لکنہ ان استانف یکون الکل مؤخرا عن المسیس ولو

(لو توقع الوطی خلال الشہرین ۱۲ عمدہ) (لو توقع قبلہ ۱۲ عمدہ)

لم یستانف فبعضہ مقدمٌ علی المسیس فھٰذا اولٰی ولابی حنیفۃ رحمہ اللہ ومحمدؒ انہ یجب

(ای عدم الاستیناف ۱۲ عمدہ)

ان یکون مقدمًا علی المسیس خالیًا عنہ فالتقدم علی المسیس قد فات لکن

(ای الصوم ۱۲ عمدہ) (بوطیہ اثناء الشہرین ۱۲ عمدہ)

خلوہٗ عن المسیس ممکن فتجب رعایتہ وان عجز عن الصوم اَطْعَمَ ھو او نائبہ

(ای ہذا الخلو وہی بحکم الاستیناف ۱۲ عمدہ)

ستین مسکینًا کُلًّا قدر الفطرۃ او قیمتہ ھذا عندنا واما عند الشافعیؒ لا

(ولو اطعم عنہ احد بامرہ لم یجزہ ۱۲ عمدہ) (بالکسر ۱۲ عمدہ) (ای جواز دفع القیمۃ ۱۲ عمدہ)

یجوز دفع القیمۃ وان غدّاھم وعشاھم واشبعھم فیھما وان قل ما اکلوا او اعطی

من بُرٍّ ومَنَوَیْ تمرٍ اَوْ شعیرٍ او واحدًا شھرین جاز وفی یوم واحد قدر الشھرین

لا الا عن یومہ۔

ترجمہ: یہ طرفین کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پھر سے از سرنو روزے شروع نہ کرے کیونکہ اس پر واجب ہے کہ (۱) لگاتار روزے رکھے (۲) اور یہ کہ روزے جماع سے مقدم ہوں تو روزوں کا لگاتار ہونا تو متحقق ہے (کیونکہ رات کی وطی یا دن کو سہواً وطی سے روزہ نہیں ٹوٹتا) باقی جماع سے مقدم ہونے کی شرط اگرچہ پوری نہیں ہوئی لیکن اگر دوبارہ شروع سے روزے رکھے تو تمام روزے ہی جماع سے مؤخر ہو جائیں گے اور اگر شروع سے نہ رکھے تو کم از کم بعض روزے تو جماع سے مقدم ہوں گے تو اس کو اختیار کرنا یقینا تمام روزے کو مؤخر کرنے سے بہتر ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بحکم شرع واجب ہے کہ (۱) روزے جماع سے پہلے ہوں (۲) اور یہ کہ روزوں کا یہ سلسلہ وطی سے خالی ہو اب اثنائے روزے میں وطی کر لینے کی وجہ سے تقدم کی شرط تو فوت ہو گئی (جس کا تدارک ناممکن ہے) لیکن وطی سے خالی ہونے کی شرط پوری کرلی (بذریعہ استیناف) ممکن ہے اس لئے کم از کم اس کی رعایت واجب ہوگی۔ اور اگر ظہار کرنے والا روزے سے بھی عاجز ہو تو خود یا اس کا نائب ساٹھ مسکینوں کو کھلائے یعنی ہر ایک کو بقدر صدقہ فطر کے دیدے یا اس کی قیمت ادا کردے یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک قیمت ادا کرنی جائز نہیں اور اگر ہر ایک کو صبح و شام پیٹ بھر کے کھانا کھلایا اگرچہ مقدار فطرہ سے کم میں سیر ہو گئے ہوں یا ہر ایک کو ایک سیر گیہوں اور دو سیر خرمے یا جَو دیدیے یا ایک ہی شخص کو دو مہینہ تک بھر پیٹ کھلایا یا روزانہ بقدر فطرہ دیا تو بھی جائز ہے اور اگر دو مہینہ کا صدقہ ایک ہی روز میں ایک شخص کو دیدیا تو درست نہ ہوگا مگر صرف اس ایک دن کا ادا ہوگا جس دن دیا ہے۔

تشریح: سلہ قولہ ولابی حنیفۃ رح الخ۔ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ نص میں دو باتوں کی شرط ہے (۱) دو مہینہ روزہ جماع سے پہلے ہو، کیونکہ آیت میں ہے "من قبل ان یتماسا" (دونوں کی مقاربت سے پہلے) (۲) یہ روزے وطی سے خالی ہوں اور یہ بات بالکل بداہۃً ثابت ہے کیونکہ دو مہینہ کے روزے جبکہ وطی سے پہلے ہو نا نصًا ثابت ہے تو اس شرط کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اثناء صوم میں وطی نہ ہو ورنہ وطی سے پہلے ہونا متحقق نہ ہوگا اور زیر بحث صورت میں اگرچہ پہلے ہونے کی شرط فوت ہو چکی لیکن وطی سے خالی دو مہینہ روزہ ہونے کی شرط اس طرح پوری ہو سکتی ہے کہ پھر سے دو مہینے روزے رکھے اور اس عرصہ میں وطی نہ کرے اس لئے اس کی رعایت واجب ہوگی ۱۲

سلہ قولہ کلاً الخ۔ یعنی ہر مسکین کو مقدار صدقہ فطر یعنی نصف صاع گیہوں (یا ایک صاع کھجور یا جَو دینا واجب ہے (باقی صد آئندہ پر)

اى اعطى شخصًا واحدًا فى يومٍ واحدٍ قدر الشهرين لا يجوز الا عن هٰذا
اليوم هٰذا مذهبنا واما عند الشافعىؒ فلابد من التمليك كما فى الكسوة
ووجه قولنا ما ذُكر فى اصول الفقه فى دلالة النص ان الاطعام جعلُ الغير
طاعمًا وهو بالاباحة الى اٰخره وان اَطعم ستّين مسكينا كُلًّا صاعًا من بُرٍّ
عن ظهارين لم يصح الا عن ظهار واحد وعن افطار وظهار صحّ هٰذا عند
ابى حنيفةؒ وابى يوسفؒ واما عند محمدؒ يجوز عن الظهارين هما يقولان
النيّة تعمل عند اختلاف الجنسين كالافطار والظهار لا عند اتحادهما

ترجمہ:۔ یعنی ایک ہی شخص کو ایک دن میں دو مہینہ کی مقدار دیدیا تو یہ جائز نہیں ہاں جس دن دیا ہے صرف اس دن کا صدقہ ادا ہو جائے گا۔ یہ ہمارا مذہب ہے (کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دینے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے) لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک مسکین کو مالک بنا دینا ضروری ہے (بطور اباحت کھلانا کافی نہیں) جیسے پوشاک کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے میں (بالاتفاق تملیک ضروری ہے بطور عاریت پہننے کا اختیار دینا کافی نہیں) اور ہماری دلیل وہ ضابطہ ہے جو کہ اصول فقہ کی بحث دلالۃ النص میں مذکور ہے کہ نص قرآن کے حکم اطعام کا مفہوم مالک بنانا نہیں ہے بلکہ دوسرے کو کھانے والا بنانا اور یہ معنے اباحت سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ مزید تفصیل اصول فقہ میں ہے۔ اور اگر دو ظہار کی نیت سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیا ہر ایک کو ایک ایک صاع گیہوں کا تو ادا نہ ہوگا مگر ایک ظہار سے اور اگر کفارہ افطار صوم رمضان اور کفارۂ ظہار کی نیت سے دیا تو دونوں سے ادا ہو جائے گا۔ یہ شیخین کا مذہب ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں ظہار کی نیت سے ادا کرنا جائز ہوگا۔ شیخین فرماتے ہیں کہ نیت (چونکہ مختلف چیزوں میں باہمی امتیاز کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس) کا عمل تب ظاہر ہوگا جبکہ مختلف جنس کا کام ہو جیسا کہ افطار صوم ایک جنس کا فعل ہے اور ظہار دوسرے جنس کا۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اگر اس مقدار کو بانٹ کر چند فقیروں کو دیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا، تمام کفارات میں ہمارے نزدیک یہی مقدار معتبر ہے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کر کے یہ حکم ہے چنانچہ حلق محرم کے کفارہ کے بارے میں اصحاب صحاح نے اس کی تصریح کی ہے تو دوسرے کفارہ میں بھی یہی حکم ہوگا ۱۲

سکہ قولہ لا الا عن یومہ الخ۔ اباحت کی صورت میں تو بالاتفاق یہ کافی نہیں لیکن مالک بنانے کی صورت میں مسئلہ اختلافی ہے بعض مشائخ نے اس کو ناجائز کہا ہے کیونکہ اصل مقصد ہے غریب کی حاجت دور کرنا اس لئے غنی کو دینا جائز نہیں، اب ایک دن کی مقدار دینے کے بعد وہ فقیر حاجت مند نہیں رہا اس لئے باقی اس پر خرچ کرنے سے رفع حاجت کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور بعض مشائخ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ اس مقدار کی تملیک کے بعد بھی نئی نئی حاجتیں اس کی ہو سکتی ہیں بخلاف اباحت کے کہ ایک دفعہ کھا لینے کے بعد پھر کھانے کی نئی ضرورت نہیں ہو سکتی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ الی اٰخرہ الخ۔ یعنی کتب اصول فقہ میں ذکر کردہ پوری تفصیل ملاحظہ ہو۔ چنانچہ خود شارح نے اپنی کتاب تنقیح میں اشارۃ النص کی مثالوں کے سلسلہ میں بتایا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اطعام عشرۃ مساکین" اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفارہ میں اصل اباحت ہے اور تملیک کا حکم اس سے ملحق ہے کیونکہ اطعام کا مفہوم دوسرے کو کھلانا ہے نہ یہ کہ مالک بنانا البتہ دلالۃ النص سے تملیک کو بھی اس کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے کیونکہ اطعام کا منشا ہے مساکین کی حاجتیں رفع کرنا اور حاجتیں بہت ہیں اور تملیک سے حاجت رفع ہو سکتی ہیں اس لئے اس کو حاجت کے قائم مقام قرار دیا گیا لیکن "او کسوتہم" کے حکم میں یہ بات نہیں کیونکہ یہاں عین کپڑے کو کفارہ قرار دیا گیا ہے اس لئے بعینہ کپڑا کفارہ ہوگا۔ جو کہ تملیک عین سے ہو سکتا ہے عاریۃً دینے سے نہیں کیونکہ اس میں تملیک منفعت ہے نہ کہ تملیک عین ۱۲

سکہ قولہ لم یصح الا عن ظہار واحد الخ۔ یعنی اگر کسی پر دو ظہار کا کفارہ واجب ہوا اب اس نے ساٹھ مسکینوں کو دونوں ظہار (باقی صفحہ آئندہ پر)

فاذ الغت النیۃ والصاع یصلح[1] کفارۃ واحدۃ لان نصف الصاع من ادنی المقادیر فالمؤدّی وھو الصاع یصلح کفارۃ واحدۃ جعلھا للظھارین فلا یصلح کصوم اربعۃ اشھر واطعام مائۃ وعشرین مسکینًا او اعتاق عبدین عن ظھارین وان لم یُعیّن واحد الواحد لان الجنس فی الظھارین متحد[2] فلا یجب التعیین وفی اعتاق عبد عنھما او صوم شھرین لہ ان یُعیّن لایّ شاء وان اعتق عن قتلٍ وظھارٍ لم یجز عن واحد وعند زفرؒ لا یجزیہ عن احدھما فی الفصلین[3] وعند الشافعیؒ یجعل عن احدھما فی الفصلین وکفّر عبدٌ ظاھر بالصوم فقط لا سیّدہ بالمال عنہ لان الکفارۃ عبادۃٌ نفعل الاٰخر لا یکون فعلہ۔

ترجمہ:۔ مگر جبکہ دونوں جنس واحد ہوں تو نیت لغو ہو جائے گی (باقی رہ گیا ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع دینا تو اس کے پیش نظر دو کفارہ کا اعتبار کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ) پورا صاع ایک کفارہ سے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے کہ نصف صاع کفارہ کی کم سے کم مقدار ہے۔ (اس سے زیادہ ادا کرنا ممنوع نہیں بلکہ افضل و اولیٰ ہے) تو ادا کردہ صاع جو کہ ایک کفارہ سے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اُسے دو ظہار کا کفارہ بنانا چاہتا ہے اس لئے یہ نیت معتبر نہ ہوگی۔ جس طرح دو ظہار سے کفارہ ادا ہو جائے گا اگر مسلسل چار ماہ تک روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دو غلام کو آزاد کرے، اگرچہ ان میں سے کسی کو خاص ظہار کے لئے معین نہ کرے کیونکہ دونوں ظہار میں جنس کفارہ متحد ہے اس لئے تعیین ضروری نہیں۔ اور اگر دو ظہار کی نیت سے ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ تک روزہ رکھے تو ظہار کرنے والے کو اختیار ہے کہ جس کے واسطے چاہے اب معین کر دے۔ اور اگر کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار کی نیت سے ایک غلام آزاد کرے تو کسی کی طرف سے جائز نہ ہوگا۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں (یعنی دو ظہار کی نیت میں اور ظہار و کفارۂ قتل کی نیت میں) کسی سے کافی نہ ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں جس سے چاہے اب معین کر دے (اور اس کے تعیین کے مطابق ایک کفارہ ادا ہو جائے گا دوسرا کفارہ اس کے ذمہ باقی رہے گا۔) اور اگر غلام نے ظہار کیا تو فقط دو مہینے روزے رکھ کر کفارہ ادا کرے اور یہ جائز نہیں کہ اس کا مولیٰ اس کی طرف سے مالی کفارہ ادا کرے کیونکہ کفارہ من وجہ عبادت ہے اس لئے دوسرے کا فعل اس کا فعل نہیں ہو سکتا ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) کہ کفارہ میں کھلایا یعنی ہر مسکین کو ایک ایک صاع گندم دیا اور نیت کی کہ نصف صاع ایک ظہار سے اور دوسرا نصف صاع دوسرے ظہار سے تو شیخین کے نزدیک یہ ایک ہی ظہار کا کفارہ ہوگا لیکن امام محمدؒ کے نزدیک دونوں ظہار سے ادا ہو جائے گا۔ اگر دو قسم کے کفارہ سے مثلاً ایک کفارہ عمداً روزۂ رمضان توڑنے کا اور ایک کفارہ ظہار کا ہو اور دونوں کی نیت سے دیدے تو بالاتفاق دونوں ادا ہو جائیں گے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) [1] قولہ یصلح کفارۃ الخ۔ یعنی ایک صاع کی پوری مقدار کو ایک ہی کفارہ کے لئے قرار دینا درست ہے اگرچہ اس پر واجب نصف صاع ہے مگر زیادہ ادا کرنا تو ممنوع نہیں بلکہ اور بہتر ہے ۱۲

[2] قولہ متحد الخ۔ اس باب میں اتحاد جنس کا اعتبار ہوتا ہے کفارہ کے موجب سبب کے متحد ہونے سے اگر سبب ایک ہی قسم کا ہے تو متحد الجنس ہے اور اگر سبب موجب مختلف ہو تو جنس بھی مختلف شمار ہوگا ۱۲

[3] قولہ فی الفصلین الخ۔ یعنی متحد الجنس اور مختلف الجنس کسی میں ایک سے بھی کفارہ ادا نہ ہوگا۔ امام زفرؒ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس نے ایک غلام کو دو کفارہ سے آزاد کیا۔ دو ظہار ہوں یا ایک کفارۂ ظہار اور دوسرا کفارۂ قتل ہو۔ تو گویا اس نے ہر کفارہ میں سے نصف غلام آزاد کیا۔ اور جب اس نے دونوں کی طرف سے آزاد کرنے کا اعلان کر دیا تو معاملہ اس کے اختیار سے نکل چکا (باقی صد آئندہ پر)

بَابُ اللِّعَانِ

من قذف بالزنا زوجته العفيفة ای عن فعل الزنا غير متهمة به كمن يكون معها ولد ولا يكون له اب معروف وانما اقتصر علی كون الزوجة عفيفة ولم يقل و المرأة ممن يحد قاذفها كما قال فی الهداية ولا شك ان العفة اعم من كونها ممن يحد قاذفها لان اشتراط كونهما من اهل الشهادة يدل علی الحرية والتكليف والاسلام فلا حاجة الی قوله وهی ممن يحد قاذفها بل يكفی ذكر العفة وكل صلح شاهدا او نفی ولدها وطالبت به ای بموجب القذف

لعان کا بیان

ترجمہ:۔ جس شخص نے زنا کی تہمت لگائی اپنی زوجہ پاکدامن پر یعنی جو زنا سے پاکدامن ہے کبھی بھی زنا کے ساتھ متہم نہیں ہوئی مثلاً ایسی عورت کہ اس کے ساتھ کوئی اولاد ہو جس کا کوئی باپ معلوم نہیں اور مصنف رح صرف عورت کے عفیفہ ہونے کی شرط لگائی اور صاحب ہدایہ کی طرح اس شرط کا اضافہ نہیں کیا کہ "اور عورت ایسی ہو جس کو تہمت زنا لگانے والے پر حد قائم کی جاتی ہو حالانکہ "پاکدامن ہونے" کی صفت بلا شبہ اس سے عام ہے کہ اس کو تہمت زنا دینے سے تہمت لگانے والے پر حد قائم ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی ہے کیونکہ آگے مصنف رح نے زوجین کے بارے میں اہل شہادت ہونے کی جو شرط لگائی ہے اس سے اُن کا آزاد، مکلف اور مسلمان ہونا خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے (اور ایسی عورت کو زنا کی تہمت دینے سے تہمت لگانے والے پر حد قذف قائم ہوتی ہے) اس لئے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "عورت ایسی ہو جس کو زنا کی تہمت دینے سے قاذف پر حد قائم کی جاتی ہو بلکہ صرف "پاکدامن ہونے" کا ذکر کرنا کافی ہے اور ہر ایک میاں بیوی شہادت کی صلاحیت رکھتے ہوں یا خاوند نے اس کے لڑکے کے نسب کی نفی کی اور عورت اس کے خلاف مطالبہ کرے یعنی تہمت کا ثبوت مانگے اور ثبوت پیش نہ کرنے پر حد کا دعویٰ کرے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اس لئے اب یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کی مرضی کے مطابق ایک کی تعیین کر کے اس کی طرف سے پورا کفارہ قرار دیدیا جائے۔ اور امام شافعی رح کے قول کی وجہ یہ ہے کہ تمام کفارہ اپنے مقصد کے لحاظ سے متحد الجنس ہیں اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہوں اور جنس واحد میں تفریق کی نیت باطل ہے تو اصل نیت باقی رہ گئی اور محض اصل کفارہ کی نیت کرنے سے اسے حق حاصل ہے کہ اس کو جس کا کفارہ بنانا چاہے بنا دے تو یہاں بھی اس کی طرف سے تعیین معتبر ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مقصد کفارہ ایک ہونے سے تمام کفارے کا ایک جنس میں سے ہونا ضروری نہیں بلکہ سبب کے اختلاف سے کفارہ کے جنس میں بھی اختلاف شمار کیا جاتا ہے اور جنس واحد میں الگ الگ تعیین کی نیت لغو ہوتی ہے اب مطلق نیت رہ جائے گی تو اس کو اختیار ہوگا کہ جس کے لئے چاہے قرار دے اور جنس مختلف ہونے سے چونکہ نیت تعیین معتبر ہوتی ہے اب اس کو بدلنے کا حق نہ ہوگا ۱۲

(حاشیہ صہٰذا) لہ قولہ باب اللعان الخ لام کے کسرہ کے ساتھ لاعَنَ بروزن قَاتَلَ کے مصدر ہے جیسے ملاعنہ بھی مصدر ہے جو دراصل لَعَنَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اللہ کی رحمت سے دھتکارنا اور دور کرنا اور شرع میں لعان کہتے ہیں قسم کے ساتھ مؤکد کر کے ایسی شہادت دینا جو لعنت کے مضمون پر مشتمل ہو۔ یہ شہادت مرد کے حق میں حد قذف اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے یعنی جب دونوں لعان کریں گے تو مرد سے حد قذف اور عورت سے حد زنا ساقط ہو جائے گی اور دراصل اس میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ لمن الکاذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین۔

(باقی صد آئندہ پر)

لاعَنَ فَاِنْ اَبٰی اَیْ امتنع عن اللعان حُبِسَ حتی یُلاعن او یُکذِّبَ نفسہ فیُحَدُّ فَاِنْ لاعَنَ لاعنت والا حُبِسَتْ حتی تُلاعِنَ او تُصدِّقَہ فینفی نسب ولدھا عنہ لٰکن لا یجب علیھا الحد بھٰذا التصدیق فان کان ھو عبداً او کافراً او محدوداً فی قذفٍ حُدَّ لانہ لیس من اھل اللعان لعدم اھلیۃ الشہادۃ وان صلح ھو شاھداً وھی امۃ او کافرۃ او محدودۃ فی قذفٍ او صبیۃ او مجنونۃ او زانیۃ فلاحد علیہ ولا لعان۔

ترجمہ:۔ تو خاوند پر لعان واجب ہوگا اور اگر وہ انکار کرے۔ یعنی اگر لعان کرنے سے انکار کرے تو اُسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ لعان کرے یا اپنے کو جھٹلائے اور اس صورت میں اس کو حد قذف لگائی جائے گی اور اگر لعان کر لیا تو عورت پر لازم ہے کہ وہ بھی لعان کرے ورنہ اسے قید کی جائے گی یہاں تک کہ لعان کرلے یا خاوند کی تصدیق کرے۔ اب اس کے لڑکے کا نسب خاوند سے منقطع ہو جائے گا لیکن محض اس تصدیق سے اس کے اوپر حد زنا واجب نہ ہوگی۔ اور اگر خاوند غلام ہے یا کافر ہے یا ایکبار اس کو حد قذف لگ چکی ہے تو اس پر لعان نہیں آئے گا بلکہ اس پر حد قذف قائم ہوگی کیونکہ ان صورتوں میں شہادت کی صلاحیت نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اہل لعان میں سے نہیں ہے۔ اور اگر مرد شہادت کی صلاحیت رکھتا ہے اور عورت لونڈی ہے یا کافرہ ہے یا اس پر حد قذف پڑی ہے یا صبیہ یا مجنونہ ہے یا زانیہ ہے تو خاوند پر حد یا لعان کچھ لازم نہ آئے گا۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گزشتہ) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لعان صرف قذف زوجہ سے ہوتا ہے اور اگر اجنبی عورت پر تہمت لگائے تو یہ موجب حد ہے جیسے ان آیتوں سے قبل کی آیت میں مذکور ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب گواہ نہ لاسکے تب لعان ہے اور اگر زوج زنا پر گواہ قائم کرے یا عورت زنا کا اقرار کرلے تو لعان نہیں بلکہ عورت پر حد زنا ہے ۱۲

سہ قولہ العفیفۃ الخ۔ یہ عفت سے ماخوذ ہے اور عفیفہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو کہ وطی حرام اور اس کی تہمت سے پاک ہو اور آگے تہمت کی مثال دی کہ عورت کے ساتھ کوئی ولد ہو اور اس کا کوئی معروف باپ نہیں اور اس کی حکمت یہ ہے کہ لعان اس لئے قائم ہوتا ہے کہ عورت سے عار دور کی جائے اور جو وطی حرام اور اس کی تہمت سے بری نہ ہو اس کی عار کا کوئی اعتبار نہیں ۱۲

سہ قولہ من کو نہا الخ کیونکہ عفت کا مطلب ہے زنا اور اس کی تہمت سے بری ہونا اور یہ صفت کافرہ مجنونہ اور صغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ ان کو زنا کی تہمت دینے سے حد نہیں آتی جیسے عنقریب اس کی تفصیل آجائے گی ۱۲

سہ قولہ لان اشتراط الخ یہ عفت پر اکتفا کرنے کی علت ہے کہ آگے "وکل صلح شاہدا" کی قید ذکر کرنے سے غلام، صبی اور مجنون خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ اہل شہادت نہیں ہیں اس لئے عفت کے ذکر کے بعد مصنف کو صاحب ہدایہ کی طرح من کو نہا من یحد قاذفہا کی شرط بڑھانے کی ضرورت نہیں ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سہ قولہ لاعنت الخ۔ یعنی عورت پر بھی لعان واجب ہے اور اس عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ خاوند کا لعان پہلے ہوگا قرآن وسنت کی تصریحات اس پر دال ہیں جیسے صحیح بخاری وغیرہ کی روایات اس پر شاہد ہیں کیونکہ خاوند مدعی ہے اس لئے اگر عورت پہلے لعان کرلے تو دوبارہ اعادہ کرنا ہوگا تاکہ شرع کی ترتیب کے مطابق ہو جائے ۱۲

لانها ان اتصفت بالزنا لاتكون عفيفة وان اتصفت بغيره مما ذكر لاتكون اهلا للشهادة فلاحد على الزوج لعدم احصانها ولا لعان لعدم عفتها واهليتها للشهادة

وصورته ان يقول هو اولاً اربع مرات اشهد بالله انى لصادق فيما رميتها به من الزنا وفى الخامسة لعنة الله عليه ان كان كاذبا فيما رماها به من الزنا مشيرا اليها فى جميعه ثم تقول هى اربع مرات اشهد بالله انه كاذب فيما رمانى به من الزنا وفى الخامسة غضب الله عليها ان كان صادقا فيما رمانى به من الزنا ثم يفرق القاضى بينهما وان قذف بنفى الولد اوبه وبالزنا ذكرا فيه اى فى اللعان ماقذف به ثم يفرق القاضى وينفى نسبه ويلحقه بامه

ترجمہ۔ کیونکہ جس صورت میں عورت زانیہ ہے تو پاکدامن نہ رہی اور زنا کے علاوہ مذکور امور میں سے کسی امر سے متصف ہو تو وہ شہادت کی لائق نہ رہی پس ان صورتوں میں خاوند پر حد اس لئے نہیں کہ عورت غیر محصنہ ہے اور لعان اس بنا پر نہیں کہ عورت پاک دامن یا شہادت کی صالح نہیں۔ اور لعان کی صورت یہ ہے کہ اول خاوند کہے چار مرتبہ کہ میں اللہ کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں اس عورت کی طرف زنا کی نسبت کرنے میں سچا ہوں" اور پانچویں مرتبہ کہے کہ "مجھ پر اللہ کی لعنت ہے اگر اس کی طرف زنا کی نسبت کرنے میں میں جھوٹا ہوا " اور ہر بار کہنے میں عورت کی طرف اشارہ کرتا جائے پھر عورت کہے چار مرتبہ کہ "میں اللہ کے نام سے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ میری طرف زنا کی نسبت کرنے میں خاوند جھوٹا ہے"، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ "مجھ پر اللہ کا غضب پڑے اگر میری طرف زنا کی نسبت کرنے میں خاوند سچا ہو (اس طرح اگر دونوں لعان کریں تو) پھر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے اور اگر خاوند نفی ولد سے تہمت لگائے یا نفی ولد اور زنا دونوں سے تہمت لگائے تو زوجین اپنے لعان میں جس چیز سے تہمت لگائی گئی ہے اس کا ذکر کرے۔ پھر قاضی تفریق کر دے اور بچے کا نسب خاوند سے نفی کر دے اور اس کو ماں کے ساتھ ملا دے۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ لانہا ان اتصفت الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حد کی شرط احصان ہے اور احصان کا مطلب عورت کا مسلمان، آزاد، عاقلہ، بالغہ اور عفیفہ ہونا ہے اور لعان کی شرط احصان اور صلاحیت شہادت ہے اس لئے اگر عورت غیر محصنہ ہو تو نہ حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا کیونکہ احصان کی شرط موجود نہیں اگر عورت محصنہ ہو لیکن تہمت میں اس پر حد لگ چکی ہو تو شہادت کی اہلیت نہ ہونے کی بنا پر لعان نہ ہوگا اور حد بھی نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں لعان ساقط ہوا ہے ایسے سبب سے جو عورت میں پایا گیا نہ کہ مرد میں ۱۲

؎۲ قولہ ولالعان الخ اس کی دلیل ابن ماجہ وغیرہ کی یہ حدیث ہے کہ "چار عورتیں ہیں جن کے بارے میں لعان نہیں نصرانی عورت مسلمان کی زوجیت میں، یہودی عورت مسلمان کی زوجیت میں، باندی آزاد کی زوجیت میں اور آزاد عورت غلام کے نکاح میں ۱۲

؎۳ قولہ ثم یفرق القاضی الخ۔ یعنی دونوں کے لعان کے بعد قاضی پر واجب ہوگا کہ وہ دونوں کے درمیان تفریق کرا دے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کے بعد تفریق کر دی (بخاری وغیرہ) اس میں اشارہ ہے کہ محض لعان سے خود بخود تفریق نہیں ہوتی جیسا کہ امام زفرؒ فرماتے ہیں بلکہ قاضی کی جانب سے تفریق ضروری ہے چنانچہ تلاعن کے بعد تفریق سے پہلے اگر کوئی ان میں سے مر جائے تو دوسرا وارث ہوگا اور طلاق دینے سے طلاق پڑے گی امام زفرؒ کی دلیل اس کا ظاہری مفہوم ہے کہ "لعان کرنے والے کبھی آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (دار قطنی وبیہقی عن ابن عمرؓ) اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد حاکم کی تفریق کے بعد جمع نہیں ہو سکتے، ابو داؤد کی روایت اس پر شاہد ہے کہ "سنت یہی جاری ہے کہ لعان کرنے والوں میں تفریق کر دی جائے پھر وہ جمع نہ ہوں" اور محض تلاعن سے تفریق نہ ہونے پر عویمرؓ کا واقعہ دلیل ہے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

(باقی صہ آئندہ پر)

وتبين بطلقةٍ[1] فان اكذب[2] نفسه حُدّ وحلّ له نكاحها لانه لم يبق اللعان بينهما فقوله عليه السلام المتلاعنان لا يجتمعان ابدًا اى ما داما[3] متلاعنان لانّ علّة عدم اجتماعهما اللعانُ فلما بطل اللعان لم يبق حكمه وهو عدم الاجتماع وكذا ان قذف غيرها فحدّ او زنت فحدت اى حل له نكاحها ان قذف غيرها بعد التلاعن فحدّ او زنت بعد التلاعن فحُدّت فان بقاء اهلية اللعان شرط لبقاء حكمه ولا لعان بقذف الاخرس ونفي الحمل[4] عنه وان ولدت لاقل من ستة اشهر۔

ترجمہ:۔ اور عورت بائنہ ہو جائے گی خاوند سے ایک طلاق بائن کے ساتھ۔ اب اگر خاوند اپنے آپ کو جھٹلائے تو اس پر حد قذف جاری ہوگی اور اس کے لئے حلال ہو جائے گا اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا۔ کیونکہ جھٹلانے کے بعد ان کے درمیان لعان باقی نہیں رہا اور حضور کا ارشاد کہ ,, دونوں لعان کرنے والے کبھی باہم جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک دونوں لعان کرنے والے رہیں اس لئے کہ لعان ہی باہم جمع نہ ہونے کی علت ہے تو جب تکذیب سے لعان باطل ہو گیا جمع نہ ہونے کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔ اور اسی طرح اگر لعان کے بعد زوج نے کسی اور عورت کو زنا کی تہمت لگائی اور اس پر حد قذف پڑی یا زوجہ نے کسی سے زنا کیا اور اس کو حد لگی یعنی تلاعن کے بعد اگر دوسری کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس پر حد قائم ہوئی یا باہمی لعان کے بعد عورت نے کسی سے زنا کیا اور اس کی وجہ سے اس پر حد زنا لگی۔ تو خاوند کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہو جائے گا، کیونکہ نکاح حلال نہ ہونے کا حکم باقی رہنے کے لئے ان میں لعان کی اہلیت باقی رہنا شرط ہے (اور مرد پر حد قذف اور عورت پر حد زنا قائم ہونے سے لعان کی اہلیت ختم ہو گئی۔ اور اگر گونگے نے اشارہ سے اپنی عورت کو قذف کیا تو لعان لازم نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی نے بیوی کا حمل اپنے سے نفی کی تو لعان لازم نہ ہوگا اگرچہ چھ مہینے سے کم میں جنے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کہ انہوں نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا اگر خود بخود تفریق ہو جاتی تو آپ اس پر نکیر فرماتے (رواہ البخاری) ١٢

[4] قولہ وینفی نسبہ الخ۔ یعنی حاکم مرد سے بچہ کے نسب کی نفی کا فیصلہ صراحۃً سنادے اور ان دونوں میں تفریق کرنے کے بعد یہ کہدے کہ میں نے اس بچہ کا نسب زوج سے منقطع کر دیا کیونکہ تفریق سے خود بخود نسب کا منتفی ہو جانا لازم نہیں آتا چنانچہ اگر بچہ مر جانے کے بعد دونوں میں لعان ہو اس وقت قاضی دونوں کے درمیان تفریق تو کر دے گا مگر بچہ کا نسب منتفی نہ ہوگا ١٢ نہایہ ——— (حاشیہ صہ ہذا)

[1] قولہ وتبین الخ۔ یعنی عورت حاکم کی تفریق کے بعد ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی کیونکہ مقصود یہ ہے کہ عورت سے ظلم دفع کیا جائے اور دونوں کے درمیان کامل انقطاع حاصل ہو جائے ١٢

[2] قولہ فان اکذب الخ۔ یعنی اگر لعان کے بعد مرد یہ کہے کہ ,,عورت کی طرف زنا کی نسبت کرنے میں میں جھوٹا تھا ,, تو اب مرد پر حد قذف ہوگی اور حلال ہے اس کے لئے عورت سے دوبارہ نکاح کرنا کیونکہ سابقہ نکاح تو لعان کے بعد تفریق سے ٹوٹ چکا ہے اور نکاح اس لئے حلال ہے کہ لعان کا اثر دونوں کے درمیان باقی نہیں رہا ١٢

[3] قولہ ما داما الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح دونوں کے درمیان کبھی بھی حلال نہ ہو جیسے کہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں لیکن طرفین نے مرد اپنے آپ کو جھٹلانے کے بعد نکاح حلال ہونے کا حکم دیا ہے اس بنا پر کہ حدیث میں حرمت نکاح کا دوام بقائے تلاعن کے زمانہ سے متعلق ہے یعنی جب تک تلاعن رہے گا حرمت بھی ابدی ہوگی اور تکذیب سے جب لعان باطل ہو گیا تو حرمت بھی ختم ہو جائے گی

[4] قولہ ونفی الحمل الخ۔ یعنی جب خاوند صراحۃً زنا کی تہمت نہ لگائے اور نہ زندہ موجود ولد کے نسب کی نفی کرے (باقی صہ آئندہ پر)

هٰذا عند ابی حنیفۃؒ وزفرؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ یجب اللعان اذا ولدت لاقل من ستۃ اشھر لانہ تبیّن انّہ کان موجودًا وقت النفی ولابی حنیفۃؒ وزفرؒ انہ لا یتیقّن بوجود الحمل وفیما اذا ولدت لاقل من ستۃ اشھر یصیر کانہ قال ان کنتِ حاملًا فحملکِ لیس منّی ثمّ تبیّن انھا کانت حاملًا والقذف لایصحّ تعلیقہ وبزنیتِ وھٰذا الحمل منہ تلاعنا ولا ینفی القاضی الحمل لان تلاعنھا کان بسبب قولہ زنیتِ لا بنفی الحمل وان نفی الولد زمان التھنئۃ اوشراءِ اٰلۃ الولادۃ صح وبعدہ لا ولاعن فی حالیہ۔

ترجمہ :- یہ امام ابو حنیفہؒ اور زفرؒ کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے تو لعان واجب ہوگا کیونکہ اب تو ظاہر ہوگیا کہ حمل یقینًا بوقت نفی موجود تھا۔ (اور ولد موجود کی نفی موجب لعان ہے) اور امام ابو حنیفہؒ اور زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ نفی حمل کے وقت تو حمل کا وجود یقینی نہیں (اس لئے اس وقت قذف ثابت نہ ہوگا) اور اس کے بعد جبکہ چھ مہینے سے کم میں بچہ جن دے (تب جا کے یقین ہوگا کہ بوقت نفی حمل، حمل موجود تھا، اب یقین حاصل ہونے کے وقت تک اگر ثبوت قذف کو موقوف رکھا جائے تو نفی حمل کا حاصل یہ ہو جائے گا کہ گویا اس نے اپنی عورت سے یوں کہا کہ اگر واقعی تو حمل سے ہوگی تو تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں، پھر بچہ جننے کے بعد ظاہر ہوگیا وہ بوقت نفی حمل، حاملہ تھی۔ اور قذف کو معلق کرنا صحیح نہیں (اس لئے محض نفی حمل سے قذف نہ ہوگا) اور اگر زوج نے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا کا ہے تو دونوں پر لعان واجب ہوگا اور قاضی اپنے فیصلہ میں حمل کی نفی نہیں کرے گا کیونکہ ان دونوں کا لعان اس سبب سے تھا کہ مرد نے کہا تھا "تو نے زنا کیا ہے"، نفی حمل کے سبب سے نہیں۔ اور جس شخص نے اپنی عورت کے جننے کے بعد ولادت کی مبارک بادی کے وقت یا اسباب ولادت خریدنے کے وقت ولد کی نفی کی تو یہ نفی صحیح ہوگی (اور نسب ثابت نہ ہوگا) اور اگر اس مدت کے گذرنے کے بعد نفی کرے تو نفی صحیح نہ ہوگی البتہ دونوں صورتوں میں لعان واجب ہوگا۔

تشریح :- (بقیہ صفحہ گذشتہ) ملکہ پیٹ کے حمل کی نفی کرے کہ تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں تو اس کے باعث لعان واجب نہ ہوگا کیونکہ ابھی تک عورت کا حاملہ ہونا یقینی نہیں اگرچہ آثار نمایاں ہوں اس لئے کہ اس کا امکان ہے کہ ورم یا ہوا جمع ہو جانے کا یہ اثر ہو اس لئے حمل کی نفی سے قذف ثابت نہ ہوگا چاہے بعد میں چھ سے کم میں یا زیادہ مدت میں بچہ جنے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎۱ قولہ یصیر کانہ الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نفی کے وقت حمل ہونے کا یقین نہیں تھا ہاں جب چھ مہینے سے کم میں بچہ جنے تو اس وقت معلوم ہوگا کہ نفی کے وقت بھی یہ حمل موجود تھا اس صورت میں اس کا قذف معلق ہو جائے گا گویا اس نے کہا کہ اگر تو حاملہ ہو تو تیرا حمل مجھ سے نہیں اور اس کا حاملہ ہونے نہ ہونے کا حال یقینی طور پر ولادت کے بعد معلوم ہوگا اور قذف کی تعلیق درست نہیں اس لئے اس قسم کا معلق قذف معتبر نہ ہوگا ۱۲

؎۲ قولہ وبزنیتِ الخ تاء کے کسرہ کے ساتھ، یہ زوجہ کو خطاب ہے یعنی اگر زوج نے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور تیرا حمل مجھ سے نہیں تو زنا کی صریح تہمت کے باعث لعان آئے گا نہ کہ فقط نفی حمل کے باعث اس لئے لعان کے معاملہ میں یہ قول "تیرا حمل مجھ سے نہیں" لغو ہو جائے گا، اور حاکم بھی اس وقت حمل کی نفی نہیں کرے گا کیونکہ بچہ کی پیدائش سے پہلے اس پر حکم نہیں لگایا جا سکتا ۱۲

؎۳ قولہ زمان التھنئۃ الخ۔ یہ ہنأتہ بالولد سے ماخوذ ہے یعنی مبارکباد دینا، اس کی مدت بعضوں نے تین روز قرار دی ہے ایک روایت میں سات روز اور صاحبین کے نزدیک نفاس کا زمانہ اس کی مدت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ عرف وعادت پر محمول ہے ۱۲

؎۴ قولہ فی حالیہ الخ یعنی چاہے مبارکبادی کے وقت یا بعد میں لڑکے کی نفی کرے بہرحال اس کا لعان واجب ہوگا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ای حال النفی زمان التھنئۃ وحال النفی بعد زمان التھنئۃ وان نفی اوّل توأمین واقرّ بالاٰخر حُدّ لانہ اکذب نفسہ بدعوی الثانی لانھما خُلقا من ماءٍ واحدٍ وفی عکسہ لاعن ای اذا اقرّ بالاوّل ونفی الثانی لاعن لانہ قذف بنفی الثانی ولم یرجع عنہ وصحّ نسبھما منہ فی الوجھین[1] لاعترانہ باحدھما وھما خُلقا من ماءٍ واحدٍ۔

ترجمہ:۔ یعنی مبارک بادی کی مدت میں نفی کرنے کی صورت میں لعان لازم ہوگا اور مبارک بادی کی مدت گذرنے کے بعد نفی کی صورت میں بھی لعان لازم ہوگا۔ اور اگر زوج نے ایک ہی حمل سے دو بچے جنے اور زوج نے اول کی نفی کی اور دوسرے کا اقرار کیا تو اس پر حد قائم کی جائے گی اس لئے کہ دوسرے کے اقرار سے اس نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا کیونکہ جوڑواں میں سے دونوں کی پیدائش ایک ہی نطفہ سے ہے اور اگر اس کے برعکس کرے تو لعان واجب ہوگا یعنی جب اول بچہ کا اقرار کرے اور دوسرے کی نفی کرے تو لعان لازم ہوگا کیونکہ دوسرے کی نفی سے اس نے زنا کی تہمت لگائی ہے اور اس سے اس نے (اور کسی اقرار کے ذریعہ) رجوع نہیں کیا ہے اور دونوں صورتوں میں دونوں بچوں کا نسب اس سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ دونوں کی پیدائش ایک ہی نطفہ سے ہے اس لئے ایک کا اقرار دونوں کا اقرار ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) کیونکہ دونوں صورتوں میں تذف متحقق ہے البتہ دوسری صورت میں نفی ولد کے باوجود نسب منتفی نہ ہوگا کیونکہ مبارک بادی اور اسباب خریدنے کے وقت کا سکوت دلیل اقرار ہے اس لئے بعد کی نفی معتبر نہ ہوگی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ وصح نسبہما الخ۔ یعنی جوڑواں میں سے دونوں کا نسب ثابت ہوگا اگرچہ کسی ایک کا انکار کرے کیونکہ جب اس نے دونوں میں سے ایک کا اقرار کیا اور وہ دونوں ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے اور ایک ہی ساتھ دونوں کا حمل قرار پایا تو دوسرے کا نسب خود بخود ثابت ہو جائے گا اور اس کے انکار کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بچہ کی نفی کے باعث لعان اور حد اور نسب کے منتفی ہونے کے درمیان کوئی تلازم نہیں ۱۲

بَابُ العِنّین[1]

ان اقرّ انه لم یصل الیها اجّله[2] الحاکم سنۃً قمریّۃً فی الصحیح[3] وفی روایۃ الحسن
عن ابی حنیفۃ انه یؤجّل سنۃً شمسیۃً وفی ظاهر الروایۃ سنۃً قمریۃً
فالسنۃ الشمسیۃ مدۃ وصول الشمس الی النقطۃ التی فارقتها من فلک
البروج وذٰلک فی ثلثمائۃ وخمسۃ وستین یومًا وربع یوم والسنۃ القمریۃ
اثنا عشر شهرًا قمریًا ومدتها ثلث مائۃ واربعۃ وخمسون یومًا وثلث
یومٍ وثلث عشر یوم ورمضان وایام حیضها منها لا مدۃ مرضه ومرضها
فان لم یصل فیها فرّق القاضی بینهما ان طلبته

عنین کا بیان

ترجمہ :- اگر خاوند نے اقرار کیا کہ عورت سے اس کا وصال نہیں ہوا تو صحیح قول کے مطابق حاکم اس کو ایک قمری سال کی مدت مقرر کر دے اور امام ابوحنیفہ رح سے حسن کی روایت میں ہے کہ حاکم اس کو ایک سال شمسی کی مہلت دے لیکن ظاہر روایت میں قمری سال مذکور ہے اور شمسی سال اس مدت کو کہتے ہیں کہ آفتاب فلک البروج کے جس نقطہ سے چلا تھا پھر اسی نقطہ تک پہنچنے میں جتنا وقت لگ جائے اور یہ مدت تین سو پینسٹھ [۳۶۵] دن اور چوتھائی دن کی ہوتی ہے اور قمری سال چاند کے بارہ مہینے کو کہتے ہیں اور اس کی مدت تین سو چون [۳۵۴] دن اور ایک دن کا تہائی حصہ اور اس کا تیسواں جزء کی ہوتی ہے اور ماہ رمضان اور ایام حیض اسی مدت کے اندر شمار کئے جائیں گے لیکن خاوند یا عورت کی بیماری کے ایام اس میں شمار نہ ہوں گے تو اگر اس مدت کے اندر مرد عورت سے وطی نہ کر سکے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے اگر وہ اس کا مطالبہ کرے۔

تشریح :- [1] قولہ باب العنین الخ : عین کے کسرہ اور پہلا نون مشدد مکسور کے ساتھ۔ یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے یہ عن "بمعنی "حبس" یا بمعنی "اعرض" سے ماخوذ ہے اور یہ وہ شخص ہے جو آلہ تناسل ہونے کے باوجود جماع پر قادر نہ ہو۔ برابر ہے کہ اس کے عضو تناسل کا انتشار ہوتا ہو یا نہ ہو۔ یا ثیبہ کے ساتھ کر سکے اور باکرہ کے ساتھ نہ کر سکے یا بعض عورت سے کر سکے اور بعض سے نہ کر سکے۔ اور یہ مرض یا کبر سنی یا سحر وغیرہ سے ہو یا پیدائشی ضعف کی بنا پر ہو سب حالتیں عنین میں داخل ہیں اور اس کے حکم میں وہ بھی شامل ہے جس کا عضو تناسل یا خصیتین کٹا ہوا ہو یا خصی ہو یا عورت کے تصور ہی پر اختلاط سے پہلے ہی انزال ہو جاتا ہو۔ بہر صورت عنین کے ساتھ نکاح صحیح ہے خواہ عورت کو نکاح کے وقت اس کا علم ہو ۱۲

[2] قولہ اجلہ الخ : یہ تاجل سے ہے یعنی قاضی اس کو علاج و معالجہ اور مرض و سحر وغیرہ کے ازالہ کی تدبیر کے لئے ایک سال کی مہلت دے کیونکہ یہ مدت چار موسموں پر مشتمل ہے جو علاج و تدبیر کے لئے کافی ہے ۱۲

[3] قولہ فی الصحیح الخ : اس کی وجہ یہ ہے کہ اس باب میں صحابہ کرام سے ایک سال کی مہلت ثابت ہے اور اہل شرع کے نزدیک مہینہ اور سال کے شمار میں چاند کا حساب ہی معروف ہے اس لئے مطلق سال کو اسی پر محمول کیا جائے گا جب تک کہ اس کے خلاف کی تصریح نہ ہو اور شمسی سال کی روایت جسے قاضی خان شمس الائمہ سرخسی وغیرہ مشائخ نے اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ٹھیک عدد کا شمار ہو سکتا ہے شمسی سال میں ایام زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے اعتبار میں زیادہ احتیاط ہے ۱۲

ای ان طلبت المرأۃ التفریق وتبین بطلقۃ ولہا کل المہر ان خلا بہا وتجب العِدّۃ وان اختلفا عطف علی قولہ ان اقرّ فالمراد الاختلاف ابتداءً لا بعد التاجیل وکانت ثیّباً او بکراً فنظرت النساء فقلن ثیّب حُلّف فان حلف بطل حقہا وان نکل او قلن بکر اُجّل ولو اُجّل ثم اختلفا فالتقسیم ہنا کما مرّ وبطل حقہا بحلفہ حیث یبطل ثمہ کما لو اختارتہ وخُیّرت ہنا حیث اُجّل ثمہ ای لا یخلو اما ان کانت ثیّباً او کانت بکراً فنظرت النساء فقلن ثیّب حلف فان حلف بطل حقہا کما فی اختلاف قبل التاجیل وان نکل خُیّرت المرأۃ وان قلن ہی بکر خُیّرت ایضاً۔

ترجمہ:۔ یعنی اگر عورت تفریق کا دعوی کرے، اور عورت اس صورت میں ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اور عورت کو کل مہر ملے گا اگر مرد نے اس کے ساتھ خلوت کی ہو اور عدت واجب ہوگی، اور اگر دونوں میں اختلاف پڑ جائے، اس کا عطف ہے مصنف کی عبارت "ان اقرّ" پر پس اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو شروع ہی میں پیش آئے نہ کہ وہ اختلاف جو مہلت دینے کے بعد پیدا ہو، اور عورت قبل نکاح کے ثیبّہ تھی یا باکرہ اور دوسری عورتوں نے دیکھ کر گواہی دی کہ اب وہ ثیبہ ہے تو خاوند کو قسم دی جائے گی اگر اس نے قسم کھالی تو زوجہ کا حق تفریق باطل ہو جائے گا۔ اور اگر قسم کھانے سے انکار کیا یا عورتوں نے گواہی دی کہ باکرہ ہے تو شوہر کو (ایک سال کی) مہلت دی جائے گی اور اگر بعد مہلت کے بھی دونوں میں اختلاف ہوا تو تقسیم ویسی ہی ہوگی جیسے قبل مہلت کے تھی تو اگر (عورتوں نے کہا ثیبہ ہے اور) خاوند قسم کھالے، عورت کا حق باطل ہو جائے گا جہاں پہلی صورت میں باطل قرار پایا تھا جیسا کہ خاوند کو اختیار کرنے سے حق باطل ہو جاتا ہے اور عورت کو اختیار دیا جائے گا جہاں پہلی صورت میں مہلت دی گئی تھی، یعنی مہلت دینے کے بعد جب اختلاف ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو عورت ثیبہ ہوگی یا باکرہ۔ اب دوسری عورتوں نے معائنہ کے بعد اگر کہا کہ ثیبہ ہے تو خاوند کو قسم دی جائے گی اگر قسم کھالے تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا جیسا کہ مہلت سے پہلے کے اختلاف کی صورت کا حکم تھا اور اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت کو اختیار ملے گا اسی طرح دوسری عورتوں نے اگر بیان دیا کہ عورت باکرہ ہے تب بھی اختیار ملے گا (چاہے اس خاوند کی زوجیت میں رہنے کو قبول کرے یا تفریق حاصل کرے)

تشریح سلہ قولہ وتبین الخ یعنی اس تفریق سے طلاق بائن واقع ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک یہ تفریق فسخ نکاح ہے کیونکہ یہ فرقت عورت کی جانب سے ہوتی ہے جیسے خیار بلوغ اور خیار عتق میں ہوتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ نکاح کامل ہو جانے کے بعد فسخ کو قبول نہیں کرتا اور کامل ہونے سے پہلے جیسے مذکورہ دونوں خیار میں فسخ قبول کرتا ہے کہ یہاں دراصل اتمام عقد سے باز رہنا ہے اور قاضی زوج کی طرف سے نائب ہو کر تفریق کرتا ہے اس لئے حکم طلاق ہو جائے گی اور بائنہ اس لئے ہے تاکہ دفع ظلم اور خلاصی مکمل ہو جائے کیونکہ رجعی میں حق رجعت رہتا ہے ۱۲

سلہ قولہ ولو اجل ثم الخ یعنی عورت کے، وطی پر عدم قدرت کے دعوی اور مرد کے اقرار کے بعد اگر ایک سال کی مہلت ملی، اب جبکہ سال گذر گیا پھر دونوں میں اختلاف ہوا، مرد نے کہا کہ میں نے اثنائے سال میں اس کے ساتھ وطی کی ہے اور عورت نے کہا کہ یہ اس پر قادر نہیں ہو سکا بلکہ وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا تو مہلت کے پہلے اختلاف ہونے کی صورت میں مسئلہ کی جو نوعیتیں تھیں اب بھی وہی ہوں گی البتہ اب پھر مہلت نہ دی جائے گی ۱۲

سلہ قولہ بطل حقہا الخ یعنی عورت کا حق باطل ہو جائے گا جس طرح کہ اس کا حق باطل ہو جاتا ہے جبکہ عورت عنین کے ساتھ نکاح کرے اور اُسے اس کی حالت نامردی کا علم ہو تو اب اسے خیار حاصل نہیں ہوگا مفتیٰ بہ مذہب کے مطابق (کذا فی البحر) ۱۲

وقوله کما لو اختارته فان المرأۃ ان اختارت زوجها بطل حقها فی طلب التفریق والخصی کالعنین فیه ای فی التاجیل وفی المجبوب فرق حالا ای فی الحال بطلبها اذ لا فائدۃ فی تاجیله بخلاف الخصی فان الوطی منه متوقع ولا تخیر احدهما بعیب الآخر خلافا للشافعی فی العیوب الخمسۃ وهی الجنون والجذام والبرص والقرن والرتق وعند محمد ان کان بالزوج جنون او جذام او برص فالمرأۃ بالخیار وان کان بالمرأۃ لا لانه یمکن الزوج دفع الضرر عن نفسه بالطلاق۔

ترجمہ:۔ اور مصنف کا قول "جیسا کہ اگر عورت خاوند کو اختیار کرے" یہ اس لئے ہے کہ عورت اگر خاوند کو اختیار کرے تو جدائی مطالبہ کرنے کے بارے میں اس کا حق باطل ہو جاتا ہے اور خصی اس حکم میں مثل نامرد کے ہے یعنی مہلت دینے کے حکم میں، اور مقطوع الذکر کی صورت میں فوراً تفریق کر دی جائے گی یعنی فی الحال عورت کے مطالبہ کرنے سے کیونکہ اس کو مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں بخلاف خصی کے کہ اس سے وطی کی توقع ہے اور زوج وزوجہ میں سے کسی کو دوسرے کے عیب کے سبب خیار نہیں برخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک پانچ عیبوں میں خیار ہے اور وہ (۱) جنون (۲) جذام (۳) برص (۴) قرن (۵) رتق۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر خاوند کو جنون یا جذام یا برص ہے تو عورت کو اختیار ہے اور اگر عورت کو ہے تو مرد کو اختیار نہیں کیونکہ مرد طلاق دے کر اپنے سے ضرر دفع کر سکتا ہے (اس لئے اس کو اختیار ملنا کوئی معنی نہیں رکھتا)

تشریح:۔ لہ قولہ والجذام الخ۔ کوڑھی ہونا یہ ایک بیماری جو خون کے بگاڑ سے پیدا ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی انگلیاں وغیرہ کاٹ کر گرا دیتی ہے۔ اور برص وہ بیماری جس سے سارے بدن میں سفیدی ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی صرف بعض اعضاء میں اس کا اثر ہوتا ہے اور اس کا سبب فساد مزاج اور بلغم و برودت کا غلبہ ہے اور قرن سے مراد عورت کی شرمگاہ میں ہڈی وغیرہ کا بڑھ آنا جس کے باعث آلہ تناسل فرج میں داخل نہ ہو سکے اور رتق کا مطلب یہ کہ عورت کی شرمگاہ میں پیشاب کے راستہ کے سوا اور کوئی سوراخ نہ ہو۔۱۲

بَابُ العِدَّۃ

ھی لحرۃ تحیض للطلاق والفسخ کالفسخ بخیار البلوغ وملك احد الزوجین الآخر وتقبیلھا ابن الزوج بشھوۃ وارتداد احدھما وعدم الکفاءۃ ثلث حیض کوامل

افاد بقولہ کوامل انہ اذا طلقھا فی الحیض لا یحتسب ھذا الحیض من العدۃ کام

ولد مات مولاھا او اعتقھا وموطوءۃ بشبھۃ کما اذا زفت الیہ غیر امراتہ وھو

لا یعرفھا فوطیھا او نکاح فاسد کالنکاح الموقت فی الموت والفرقۃ یتعلق بالوطی

بالشبھۃ والنکاح الفاسد فالعدۃ فیھما ثلث حیض سواء مات الزوج او وقع بینھما فرق

عدت کا بیان

ترجمہ:۔ یہ عدت آزاد عورت کے حق میں اگر اسکو حیض آتا ہو طلاق اور فسخ نکاح پر، چاہے یہ فسخ نکاح خیار بلوغ سے ہو یا زوجین میں سے ایک دوسرے کے مالک ہوجانے کی بنا پر ہو یا شوہر کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لینے کے سبب سے ہو یا احد الزوجین کے مرتد ہوجانے کے باعث ہو یا غیر کفو میں شادی بیٹھنے کی بنا پر ہو، کامل تین حیض ہے۔ کامل کا لفظ کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ "اگر خاوند حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دیدے تو یہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا۔ اسی طرح (کامل تین حیض عدت ہے) ام ولد کے حق میں جس کا مالک مرجائے یا اس کو آزاد کردے اور اس عورت کے حق میں جس سے کسی شخص نے شبہ کی بنا پر وطی کی۔ مثلاً شب زفاف میں شوہر کے پاس اس کی بیوی کے سوا کسی دوسری عورت کو پہونچا دیا گیا اور اس نے نہ پہچان کر اس سے وطی کرلی یا نکاح فاسد سے وطی کی مثلاً نکاح موقت کرکے اس سے استمتاع کیا اور خاوند مرگیا یا ان میں فرقت ہوگئی۔ موت اور فرقت کا تعلق وطی بالشبہۃ اور نکاح فاسد کے ساتھ ہے یعنی ان دونوں صورتوں میں تین حیض عدت ہے چاہے زوج مرجائے یا دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو

تشریح: سلہ قولہ العدۃ الخ۔ عین کے کسرہ اور تشدید دال کے ساتھ الشئی شمار کرنے کو کہتے ہیں اور شرع میں زوال نکاح کے باعث عورت کے انتظار کو عدت کہتے ہیں چاہے وہ زوال نکاح من وجہ ہو یا نکاح بطور شبہ یا اس کے مانند ہو اور کبھی کبھی مدت انتظار کو بھی عدت کہتے ہیں اور عورت کا انتظار کہنے سے مرد کا انتظار خارج ہوگیا مثلاً بیوی کو طلاق دینے سے اس کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا درست نہیں لیکن شرعاً اس انتظار کو عدت نہیں کہتے ہیں (فتح القدیر) اور زوال نکاح من وجہ اس لئے کہا تاکہ طلاق رجعی کی صورت شامل ہوجائے کیونکہ اس سے نکاح کلیۃً زائل نہیں ہوتا اور شبہ نکاح میں نکاح فاسد داخل ہوگیا اور اس کے مانند میں ام ولد کی عدت شامل ہوگئی اس سے واضح ہوگیا کہ زنا کی عدت نہیں بلکہ جس سے زنا کیا گیا وہ حاملہ ہونے سے بھی نکاح جائز ہے ۱۲

سلہ قولہ ثلث حیض الخ۔ حا کے کسرہ اور یا کے فتحہ کے ساتھ حیضۃ کی جمع ہے اور یہ عدت تب ہے جبکہ عورت مدخولہ ہو حقیقۃً یا بوجہ خلوت کے حکماً مدخولہ ہو اور مصنف نے اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ مدخولہ کے سوا دوسری عورت پر نہ ہونا بالکل ظاہر ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ۔ اور عدت طلاق میں اصل دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء۔ فقہاء احناف اور جمہور صحابہ کے نزدیک اس آیت میں قرء سے حیض مراد ہے ۱۲۔

سلہ قولہ کام ولد الخ۔ ام ولد وہ باندی ہے جس سے اس کا آقا وطی کرے اور اس کی جانب سے بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کی نسبت اپنی طرف کرے اس کا حکم یہ ہے کہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی اور اگر آقا نے اسے اپنی زندگی میں آزاد کردیا یا وہ مرگیا تو اس کی عدت تین حیض ہوگی (باقی صہ آئندہ پر)

ولمن لم تحض عطفٌ علٰی قوله لحرة تحيض لصغرٍ او كبرٍ او بلغت بالسن ولم تحض ثلثة اشهر اي العدة لحرة لا تحيض لصغرٍ ونحوه للطلاق والفسخ ثلثةُ اشهر وللموت اربعة اشهر وعشرٌ قوله وللموت عطف علٰی قوله للطلاق والفسخ معناه العدة للحرة للموت اربعة اشهر وعشرٌ ولامةٍ تحيض حيضتان ولمن لم تحض او مات عنها زوجها نصفُ ما للحرة اي العدةُ لامة تحيض للطلاق والفسخ حيضتان ولامة لم تحض للطلاق والفسخ نصفُ ما للحرة اي شهرٌ ونصفُ شهر واما للموت فنصف ما للحرة ايضاً وهو شهران وخمسة ايام وللحامل الحرة او الامة فانه لا فرق في الحامل بين ان تكون حرة او امة وان مات عنها صبي وضعُ حملها۔

ترجمہ:۔ اور جس عورت کو حیض نہیں آتا ہے اس جملہ کا عطف ہے مصنف کے سابق قول "لحرة تحیض" پر کم سنی یا بوڑھاپے کے سبب سے یا تو بالغہ ہوئی عمر کے لحاظ سے اور ابھی تک اُسے حیض نہیں آیا ان سب کی عدت تین مہینہ ہے۔ یعنی آزاد عورت جسے کم سنی وغیرہ کے سبب حیض نہیں آتاہے اس کی عدت، طلاق اور فسخ نکاح پر تین مہینے ہیں۔ اور اگر آزاد عورت کا خاوند مرگیا تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔ ماتن کی عبارت "وللموت" کا عطف ہے "للطلاق والفسخ" پر اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند کے مرجانے پر آزاد عورت کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اور عدت اس لونڈی کی جسے حیض آتا ہو دو حیض ہیں اور جس کو حیض نہ آتا ہو یا جس کا شوہر مرگیا ہو اس کی عدت نصف عدت حرہ ہے یعنی حیض والی باندی کے حق میں طلاق اور فسخ نکاح پر عدت دو حیض ہیں اور جس باندی کو حیض نہیں آتاہے اس کی عدت طلاق اور فسخ کی صورت میں آزاد عورت کی عدت کا نصف ہے یعنی ڈیڑھ مہینہ اور موت کے واسطے بھی آزاد عورت کی عدت کا نصف ہے یعنی دو مہینے اور پانچ روز اور عدت حاملہ کی آزاد ہو یا لونڈی، کیونکہ حاملہ ہونے کی صورت میں آزاد اور باندی کی عدت میں کوئی فرق نہیں، وضع حمل کے ساتھ ہے اگرچہ جو خاوند اس کا مرگیا ہے لڑکا ہو۔

(تشریح) (بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ یہ عدت مولیٰ سے زوال فراش کے باعث ہے تو عدت نکاح سے مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے ایک حیض کافی نہ ہوگا جیسے کہ امام شافعی فرماتے ہیں ملک یمین کے استبراء پر قیاس کرتے ہوئے بلکہ اس میں تین حیض عدت ہوگی البتہ آقا کے مرجانے سے ام ولد پر عدت وفات چار ماہ دس دن واجب نہیں کیونکہ عدت وفات بنص قرآن زوجات کے ساتھ خاص ہے اور ام ولد زوجہ نہیں ہے ۱۲

۱؎ قولہ کما اذا زفت الخ شبہ کی وطی کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو وہ جو شارح نے ذکر کیا دوسری یہ کہ رات کو اپنے بستر پر کسی عورت کو لیٹی ہوئی پائے اور اپنی بیوی سمجھ کر وطی کرے تیسری یہ کہ عدت طلاق میں شبہ کی بنا پر وطی کرے چوتھی یہ کہ کوئی لونڈی خریدے اور اس سے وطی کرے بعد میں پتہ چلے کہ یہ اصل میں آزاد عورت تھی ان تمام صورتوں میں عورت کی عدت تین حیض ہوگی اور اگر وہ عورت دوسرے کی منکوحہ ہو تو اس مدت میں اس کے لئے عورت سے وطی کرنا حرام ہے البتہ اس کا نکاح نہیں ٹوٹے گا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ اربعۃ اشہر الخ کیونکہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا"

۲؎ قولہ حیضتان الخ کیونکہ حدیث میں ہے کہ لونڈی کی عدت دو حیض ہیں (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ) اور حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر میں لونڈی کی عدت ڈیڑھ حیض بنا سکتا تو ضرور کردیتا۔ (عبدالرزاق وغیرہ) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حیض میں تجزیہ ممکن نہ ہونے کی وجہ سے باندی کے لئے دوسرا حیض پورا کیا جاتا ہے ۱۲

ای وان کان زوجها المیت صبیاً فعدتها بوضع الحمل وعند ابی یوسف والشافعیؒ عدتها عدة الوفاة لان العدة بوضع الحمل انما تجب لصیانة الماء وذلك فی ثابت النسب وهنا لا یثبت النسب عن الصبی ولابی حنیفةؒ ومحمدؒ ان قوله تعالیٰ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ نزل بعد قوله تعالیٰ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فیکون ناسخاً له فی مقدار ما یتناوله الآیتان وهو حامل توفی عنها زوجها فان قیل المراد اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اللاتی یثبت نسب حملهن قلنا لا نسلم بل اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اللاتی وجبت علیهن العدة فعدتهن اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

ترجمہ:۔ یعنی حاملہ عورت کا خاوند جس کی موت واقع ہوئی ہے وہ چاہے نابالغ ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عدت اس کی عدت وفات ہے (یعنی چار مہینے اور دس دن) کیونکہ وضع حمل کی عدت نطفۂ زوج کی حفاظت کی خاطر واجب ہے، اور یہ بات وہاں متحقق ہوگی جہاں خاوند سے نسب ثابت ہو اور یہاں تو خاوند صبی نابالغ ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور طرفین کی دلیل اطلاق آیۂ کریمہ ”واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن“ (جو عورتیں حاملہ ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وضع کریں) یہ آیت ”والذین یتوفون الآیہ“ (اور جو تم میں سے مر جاتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں وہ اپنے آپ کو روک رکھیں چار مہینے دس دن) کے بعد میں نازل ہوئی ہے اس لئے پہلی آیت ناسخ ہو جائے گی (دونوں آیتوں کے قدر مشترک حصے میں یعنی حاملہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہے (اس کے حق میں پہلی آیت ناسخ ہوگی) اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ حمل والی عورتوں“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے حمل کا نسب ثابت ہے (اور صبی نابالغ سے نسب ثابت نہیں اس لئے اس کی بیوی کی عدت وضع حمل نہ ہوگی) تو ہم جواب میں کہیں گے کہ مراد لینا قابل تسلیم نہیں بلکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حمل والی وہ سب عورتیں جن پر عدت واجب ہوئی ہے (خاوند کی موت یا طلاق سے) ان کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کریں (اس میں کوئی قید زائد یا استثنا ماننا آیت کے مفہوم سے خارج اور ناقابل اعتبار ہے)

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) سلہ قولہ وللحامل الخ یعنی حاملہ کی عدت مطلق طور پر وضع حمل ہے چاہے طلاق یا فسخ نکاح ہو یا وفات ہو یا نکاح فاسد یا وطی بالشبہ کی بعد ترک تعلق ہوا ور چاہے عورت آزاد ہو یا باندی (نہر) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ”واولات الاحمال الخ“ آیت میں حکم مطلق ہے اس میں کوئی قید یا استثناء نہیں ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ عدتہا الخ یعنی اس حاملہ کی عدت جس کا خاوند نابالغ ہے اور وہ مر گیا چار مہینہ دس دن ہوگی، وضع حمل عدت نہ کیونکہ حمل تو اس سے ثابت النسب نہیں ہے اس لئے اس کا وجود و عدم دونوں برابر ہیں گویا یہ حمل اس کی موت کے بعد قرار پایا۔ مثلاً موت کے چھ ماہ بعد یا اور زیادہ مدت کے بعد وضع حمل ہو تو وہ کسی کے نزدیک عدت میں شمار نہیں ہوتا ۱۲

سلہ قولہ فی مقدار ما یتناولہ الخ اور یہ اس بنا پر ہے کہ ”اولات الاحمال“ میں وہ عورت داخل نہیں جس کا خاوند مر گیا اور وہ غیر حاملہ اسی طرح ”والذین یتوفون“ میں حاملہ مطلقہ شامل نہیں اس لئے ”اولات الاحمال“ کی آیت، حاملہ مطلقہ کی عدت ثابت کرنے کے اعتبار سے ناسخ نہیں کیونکہ یہ آیت بقرہ میں داخل ہی نہیں۔ اسی طرح ”والذین یتوفون کی آیت، غیر حاملہ متوفی عنہا الزوج کی عدت ثابت کرنے کے اعتبار سے منسوخ نہیں کیونکہ سورۂ طلاق کی آیت اولات الاحمال کے تحت یہ داخل ہی نہیں اور نسخ صرف اس مقدار میں ہوتا ہے جو کہ دونوں آیتوں کے تحت داخل ہو اور وہ محض وہ حاملہ عورت ہے جس کا خاوند مر گیا ہو (باقی صہ آئندہ پر)

ولمن حبلت بعد موت الصبی عدۃ الموت لانہا لما لم تکن حاملا وقت موت الصبی تعین عدۃ الموت ولا نسب[1] فی وجہیہ ای فیما حبلت قبل موت الصبی او بعدہ ولا مرأۃ الفار للبائن ابعد الاجلین[2] ای ان انقضت عدۃ الطلاق وھی ثلث حیض مثلاً ولم تنقض عدۃ الموت فلابد ان تتربص انقضاء عدۃ الموت ولو انقضت عدۃ الموت ولم تنقض عدۃ الطلاق تتربص عدۃ الطلاق وللرجعی ماللموت ولمن اُعتِقَت فی عدۃٍ رجعیٍ کعدۃ حرۃ ای عدتُھا کعدۃ حرۃ وفی عدۃ بائن او موت کامۃ ای عدتھا کعدۃ امۃ۔

ترجمہ:۔ اور اگر عورت حاملہ ہو زوج نابالغ کے مرنے کے بعد تو اس کی عدت عدت وفات ہوگی، کیونکہ جب وہ زوج نابالغ کی موت کے وقت حاملہ نہ تھی تو اس کے حق میں عدت وفات متعین ہو چکی اور نسب دونوں صورتوں میں ثابت نہ ہوگا یعنی چاہے لڑکے کے مرنے کے قبل سے حاملہ ہو یا اس کے بعد حاملہ ہوئی ہو اور عدت زوجہ فار کی (یعنی جس نے بیوی کو مرض الموت میں طلاق دی اور اسی میں مرا) طلاق بائن پر دونوں مدتوں میں سے وہی ہے جو کہ دراز تر ہو۔ یعنی اگر عدت طلاق کی گذر گئی اور وہ تین حیض ہے مثلاً اور عدت موت کی نہیں گذری تو عورت پر لازم ہے کہ موت کی عدت گذرنے تک انتظار کرے اور اگر موت کی عدت گذر گئی اور طلاق کی عدت نہیں گذری تو طلاق کی عدت تک انتظار کرے گی۔ اور طلاق رجعی کے واسطے عورت پر عدت وفات ہے اور اگر مولیٰ نے اپنی لونڈی کو آزاد کیا اور وہ اپنے خاوند سے طلاق رجعی کی عدت میں تھی تو حرہ کے مانند عدت ہے۔ یعنی اس کی عدت آزاد عورت کی عدت کے موافق ہوگی اور اگر وہ لونڈی طلاق بائن یا موت کی عدت میں تھی تو باندی کے مانند ہے۔ یعنی اس کی عدت باندی کی عدت کی طرح ہوگی۔

تشریح:۔ (بقیہ ص گذشتہ) تو اس کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہوگی مہینوں کے حساب سے نہیں ۱۲

[3] قولہ قلنا الخ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہ بات نہیں مانتے کہ حمل والی آیت میں وہ حاملہ عورتیں مراد ہیں جن کے حمل کا نسب ثابت شدہ ہو اور کس طرح یہ ہو سکتا ہے حالانکہ اس قید پر کوئی دلیل نہیں بلکہ آیت سے مراد مطلق حاملہ ہیں جن پر عدت واجب ہوتی ہے کیونکہ عدت کا اصل غرض رحم کا خالی ہونا معلوم کرنا ہے اور حاملہ کا رحم خالی ہونا وضع حمل ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اس لئے اس کے حق میں وضع حمل کو عدت قرار دیا گیا ہے اور یہ بات عام ہے ہر حمل میں پائی جاتی ہے جو کہ خاوند کی موت کے وقت موجود ہو، چاہے اس کا نسب ثابت ہو یا نہ ہو علاوہ ازیں عدت وفات مشروع ہوئی ہے حق نکاح ادا کرنے کے لئے جو کہ غیر حمل میں مہینوں کے حساب سے اور حاملہ میں وضع حمل سے اور حق نکاح کی ادائے گی کا مفہوم بچے کے نکاح میں بھی موجود ہے چاہے حمل اس کا نہ بھی ہو ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ ولا نسب فی الخ کیونکہ بچے میں مادہ تولید ہی نہیں اس لئے اس سے حمل کا امکان نہیں ہے اور ثبوت نسب اسی امکان کی فرع ہے۔

[2] قولہ ابعد الاجلین الخ ———— یعنی اگر کسی نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاق یا ایک بائن طلاق دی پھر وہ مر گیا اور عورت عدت میں تھی تو از روئے احتیاط عدت طلاق اور عدت موت میں سے جو زیادہ لمبی ہو وہی گذارے گی۔ یہ طرفین کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر صرف عدت طلاق ہے کیونکہ موت سے پہلے طلاق کے باعث نکاح ٹوٹ چکا ہے اور اس پر تین حیض کی عدت لازم ہو چکی ہے اور عدت وفات تو تب ہی واجب ہوتی ہے جبکہ وفات کے ذریعہ نکاح زائل ہو، طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وراثت کے معاملہ میں نکاح فار باقی ہے چنانچہ فار کی زوجہ وارث ہوتی ہے جبکہ وہ مر جائے جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے اس لئے عدت کے حق میں بھی احتیاطاً نکاح کو باقی قرار دیا جائے گا ہدایہ۔

وآیسةٌ رأت الدم بعدؔ عدة الاشهر تستانف بالحیض ای اذا کانت الزوجة فی سنّ

خبر لقوله آیسة ای یجب علیها استیناف العدة بالحیض وعدم الاعتداد بما مضی ١٢ عمده

الایاس ای خمسة وخمسین سنة فصاعدا اوقد انقطع دمها فطلقها الزوج

امرأة عالیة ١٢ عمده

تعتد بثلثة اشهر فقبل انقضائها رأت الدم فعلم انها لم تکن آیسة فتستانف

ای ثلثة اشهر ١٢ عمده — برؤیة الدم حسب العادة ١٢ عمده

بالحیض قال فی الهدایة هو الصحیح وفی روایة ابی علی الدّقّاق انها متی رأت

بهذه النسبة لکنه خلاف ظاهر عبارة الهدایة فانه لا اثر لها فی الفقه الذی ذکره الشارح ١٢ عمده

الدم بعد ما حُکم بایاسها انه لایکون حیضا ولا یبطل الایاس ولا یظهر ذلک

فی فساد الانکحة لانه دم فی غیرا وانه کما تستانف بالشهور من حاضت حیضة

التی وقعت فیما بین الاعتداد بالاشهر وبین رؤیة الدم ١٢ عمده

ثم اَیِسَتْ ای انقطع دمها وهی فی سن الایاس تستانف بالشهور اقولؔ۔

ترجمہ:۔ اور اگر حیض سے مایوس عورت مہینوں سے عدت شروع کرنے کے بعد خون دیکھے تو اب پھر سے حیضوں سے عدت شروع کرے یعنی جو عورت سن ایاس میں ہو کہ اس کی عمر پچپن برس یا اس سے زیادہ ہو چکی اور خون اس کا موقوف ہو گیا ہو پھر اس کو خاوند نے طلاق دی تو ظاہر ہے کہ وہ تین مہینے سے عدت گذارے گی لیکن اگر ان تین مہینوں کے گذرنے سے پہلے ہی اس نے خون دیکھ لیا تو پتہ چلا کہ دراصل وہ آئسہ نہ تھی اس لئے اب پھر از سر نو حیضوں سے عدت شروع کرے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے اور ابو علی دقاق کی روایت میں ہے کہ اگر کسی عورت کو آئسہ ہونے کا حکم لگ گیا ہو اور اس کے بعد وہ خون دیکھے تو یہ حیض نہ ہوگا اور اس کا آئسہ ہونا باطل نہ ہوگا اور (مہینوں سے عدت شمار کرنے کے بعد اگر اس نے نکاح کر لیا ہو تو) فساد نکاح کی بابت ایسے خون کا اثر ظاہر نہ ہوگا اس لئے کہ یہ بے وقت کا خون ہے جس طرح کہ اگر کسی عورت نے حیض سے عدت شروع کی اور ایک حیض گذرنے کے بعد آئسہ ہو گئی تو اب پھر سے از سر نو مہینوں سے عدت شروع کرے گی یعنی ایک دو حیض گذرنے کے بعد اس کا خون منقطع ہو گیا اور وہ سن ایاس میں پہنچ چکی ہے تو وہ اب از سر نو مہینوں سے عدت شروع کرے گی۔ شارح فرماتے ہیں۔

تشریح:۔ ١ؔ قولہ بعد عدۃ الاشہر الخ مصنف کی عبارت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ مہینوں کے حساب سے عدت پوری کرنے کے بعد عورت نے خون دیکھا یعنی خاوند نے حالت یاس میں اسے طلاق دی اس لئے اس کی عدت مہینوں کے حساب سے تھی چنانچہ اس نے تین ماہ کی عدت پوری کی اس کے بعد خون دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ وہ حیض والی عورت ہے تو اب اس پر واجب ہے کہ تین حیض کی عدت پوری کرے کیونکہ مہینوں کی مدت حیض کی عدت کے قائم مقام ہے اور اصل پائی جانے کے بعد قائم مقام کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اس تفصیل کی رو سے عورت کا نکاح باطل ہو جائے گا اگر اس نے تین ماہ پورے ہونے کے بعد خون دیکھنے سے پہلے کر لیا ہو کیونکہ دوبارہ خون دیکھنے کے بعد یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ نکاح عدت میں واقع ہوا ہے صاحب ہدایہ کی عبارت کا بھی ظاہراً یہی مفہوم ہے لیکن شارح نے مصنف کے کلام کو اس پر محمول کیا ہے کہ مہینوں سے عدت شروع کی اور ابھی تین مہینے پورے ہونے سے پہلے خون دیکھ لیا اور باب الحیض میں بھی اس کی تصریح کی ہے ١٢

٢ؔ قولہ اقول الخ یہ مصنف کے از سر نو شروع کرنے کے حکم پر اعتراض ہے، دو وجہوں سے (١) عدت طلاق کے بعد ہی متصل ہونا واجب ہے تو اس صورت میں حیض والی ہونے کی وجہ سے عدت شروع ہوئی حیض سے حتیٰ کہ اسے ایک یا دو حیض آئے اس کے بعد وہ آئسہ ہو گئی اب وقت طلاق سے مہینوں کے حساب سے عدت شمار کرنا خلاف ظاہر ہے کیونکہ حیض سے مایوس تو بعد میں ہوئی بخلاف پہلی صورت کے جبکہ مایوسی کے بعد خون دیکھا کہ یہ خون دیکھنا اس بات پر دلیل ہے کہ طلاق کے وقت وہ آئسہ نہیں تھی بلکہ حائضہ تھی طہر کی مدت دراز ہو گئی تھی اس لئے اب حیض سے عدت شروع کرے گی اور درمیانی مدت کسی حساب میں نہیں اور بعد کی مایوسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ طلاق کے وقت بھی آئسہ تھی (٢) اگر مہینوں کی عدت وقت طلاق سے ثابت ہو تو از سر نو کا حکم بے کار ہے بلکہ ایک دو حیض جو یاس سے پہلے گذر گئے وہ مدت بھی عدت میں شمار ہونا ضروری ہے حیض ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ وقت کے اعتبار سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حیض کے لحاظ سے سابق زمانہ کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے مطلق اعتبار نہ کرنا مراد نہیں۔ (باقی صد آئندہ پر)

الاستيناف مشكلٌ لانه لو ظهر ان عدتها بالاشهر من وقت الطلاق فالحيضة التي رأت قبل الاياس مشتملة على الوقت فيجب ان يكون محسوبًا من العدة من حيث انه وقت

وعلى معتدة وُطِئَتْ بشبهةٍ عدةٌ أُخرى وتداخلتا وحيضٌ تراه منهما حيضٌ مبتدأ وتراه صفته ومنهما خبره اي حيض تراه بعد الوطي بالشبهة وقد فهم هذا من ان وُطِئَتْ فعلٌ ماضٍ وتراه فعلٌ مستقبلٌ ومنهما اي من العدتين واعلم ان هذا مذهبنا اما عند الشافعيؒ فيتداخلان ان كان الوطي بالشبهة من الزوج وهي في عدته اما ان كان من اٰخر فلا فاذا تمت الاولى دون الثانية يجب اتمامها صورته طلّقها الزوج بائنًا او ثلثًا فحاضت حيضةً فوطيها غير الزوج بشبهة فعليها عدتان۔

ترجمہ:۔ کہ یہاں از سرِ نو کا اعتبار مشکل ہے کیونکہ خون منقطع ہو جانے سے اگر یہ ظاہر ہو کہ اس کی عدت طلاق کے وقت سے مہینوں سے شمار ہو گی تو جو حیض ایاس سے پہلے دیکھی ہے وہ بھی تو اس وقت میں داخل ہے اس لئے بحیثیت وقت کے وہ بھی عدت میں محسوب ہونا ضروری ہے (پھر از نو شروع کرنا کہاں رہا بلکہ یہ تو پیچھے سے شمار کرنا ہوا ہذا اخلف) اور اگر کوئی عورت عدت میں تھی اور کسی شخص نے اس سے شبہ سے وطی کی تو اس پر اور ایک عدت واجب ہے اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی اور جو حیض کہ وطی شبہ کے بعد دیکھے وہ دونوں عدت سے محسوب ہو گا یہاں ماتن کی عبارت میں "حیض" کا لفظ مبتدا ہے اور "تراہ" اس کی صفت ہے اور "منہما" اس کی خبر ہے۔ یعنی شبہ کی وطی کے بعد عورت جو حیض دیکھے اور اس حیض کا وطی کے بعد ہونا اس بات سے سمجھا گیا کہ "وُطِئت" کا لفظ فعل ماضی ہے (جو کہ پہلے ہونے پر دلالت کرتا ہے) اور "تراہ" کا لفظ فعل مستقبل ہے (جو بعد میں ہونے پر دال ہے) اور "منہما" سے مراد دونوں عدتیں اور جاننا چاہیئے کہ مطلقاً دونوں عدتوں کا تداخل ہونا، یہ تو ہمارا مذہب ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں عدتوں میں تداخل صرف اس صورت میں ہو گا جبکہ عورت کی عدت کے اندر شبہ سے وطی کرنے والا خود اس کا شوہر ہو لیکن اگر دوسرا کوئی ہو تو پھر تداخل نہیں ہو گا اور جب پہلی عدت تمام ہو جائے اور دوسری تمام نہ ہو تو دوسری کو تمام کرنا واجب ہے اور صورت اس کی یوں ہے کہ زوج نے عورت کو ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دیں جس کے بعد اس کو ایک حیض آیا پھر اس سے زوج کے علاوہ کسی نے شبہ سے وطی کی تو اس پر دو عدتیں ہیں۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) اور پہلی وجہ کا جواب یہ ہے کہ طلاق کے وقت سے بعد کے یاس کا اعتبار اس لئے کیا گیا تاکہ بدل اور مبدل منہ ایک ساتھ جمع نہ ہو جائیں ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) لے قولہ وعلی معتدۃ الخ۔ معتدہ کے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ طلاق اور موت دونوں کی عدت میں یہ حکم عام ہے اور وطی کے اطلاق میں یہ اشارہ ہے کہ طلاق دینے والا خاوند وطی کرے یا دوسرا کوئی وطی کرے حکم دونوں میں عام ہے ۱۲
لے قولہ وحیض تراہ الخ عنایہ میں ہے کہ اس کی صورت یوں ہو گی کہ شبہ کی وطی مثلاً عورت کے ایک حیض دیکھنے کے بعد ہوئی ہو تو عورت پر لازم ہے کہ اس وطی کے بعد تین حیض عدت بیٹھے ان میں سے پہلے دو حیض چار حیض کے قائم مقام ہوں گے یعنی پہلی عدت کے لئے بھی یہ دو حیض ہیں اور وطی کی عدت کے حساب میں بھی یہ دو حیض شمار ہوں گے اور تیسرا حیض خاص کر وطی بالشبہ کی عدت میں شمار ہو گا۔

(باقی صہ آئندہ پر)

فالحیضة الاولیٰ من العدة الاولیٰ وحیضتان بعدها تکونان من العدتین فتمت العدة الاولیٰ فتجب حیضة رابعة لیتم العدة الثانیة وتنقضی عدة الطلاق والموت وان جهلت بهما ای بتطلیق الزوج وموته ومبدأها عقیبهما ای عقیب الطلاق والموت وفی نکاح فاسد عقیب تفریقه او عزمه ترک الوطی ولو قالت انقضت عدتی حلفت ای ان قالت المرأة انقضت عدتی وکذبها الزوج فالقول قولها مع الیمین ولو نکح معتدته من بائن وطلقها قبل الوطی فعلیه مهر تام وعدة مستقبلة هذا عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ۔

ترجمہ:۔ تو اول حیض پہلی عدت کا ہوگا اور اس کے بعد کے دو حیض دونوں عدتوں میں ہوجائیں گے اب پہلی عدت تمام ہوگئی پھر اس کو چوتھا حیض گذارنا ہوگا تاکہ دوسری عدت پوری ہوجائے اور طلاق و موت کی عدت پوری ہوجائے گی اگرچہ عورت کو ان کا علم نہ ہو۔ یعنی اگرچہ زوجہ کو خاوند کی طلاق اور موت معلوم نہ ہو اور شروع اس عدت کا ان دونوں کے بعد ہی سے ہوگا۔ یعنی طلاق اور موت کے فوراً بعد ہی سے عدت کی ابتداء ہوگی۔ اور نکاح فاسد میں عدت شروع ہوگی جب سے تفریق ہو یا وطی کرنے والا عزم کرے ترک وطی کا۔ اور اگر زوجہ نے کہا کہ میری عدت پوری ہوگئی تو اس سے قسم لی جائے گی۔ یعنی عورت نے تو کہا کہ میری عدت تمام ہوگئی اور زوج نے اس کی تکذیب کی، تو عورت کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ۔ اور اگر زوج نے اپنی زوجہ کو طلاق بائن دی پھر اس سے عدت ہی میں نکاح کیا اور پھر اسکو دخول کے قبل طلاق دیدی تو خاوند پر کامل مہر لازم ہے اور عورت پر نئے سرے سے ایک مستقل عدت واجب ہے یہ شیخینؒ کا مذہب ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اگر پہلی عدت واجب ہونے کے بعد اب تک عورت نے کوئی حیض نہیں دیکھا تو اس پر صرف تین حیض ہی واجب ہوں گے اور وہی دونوں عدت کے اعتبار سے چھ حیض کے قائم مقام ہوں گے ۱۲

سے قولہ ہذا عندنا الخ یعنی دو عدتوں کا مطلقاً تداخل ہونا چاہیے طلاق دینے والا دطی کرے یا دوسرا کوئی یہ حکم ہمارے نزدیک ہے کیونکہ عدت کا اصل مقصود رحم کا خالی ہونا معلوم کرنا ہے اور یہ بات ایک عدت سے بھی معلوم ہوسکتی ہے اس لئے ہر حال میں تداخل ہوسکتا ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ وتنقضی الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ عدت کا ختم ہونا عورت کے اس علم پر موقوف نہیں کہ خاوند نے اس کو طلاق دیدی ہے یا وہ مرچکا ہے بلکہ طلاق یا موت کے وقت سے مدت گذر جانے سے عدت تمام ہوجائے گی اگرچہ زوجہ کو اس کا علم بھی نہ ہو کیونکہ عدت ایک مقرر مدت کا نام ہے اس لئے اس کے گذرنے کا علم شرط نہیں ہوسکتی برابر ہے کہ مرد طلاق کا اعتراف کرے یا انکار کرے چنانچہ اگر اس نے طلاق دینے کے بعد اس کا انکار کر دیا پھر بینہ پیش کرنے کے بعد قاضی نے طلاق کا فیصلہ دے کر ان میں تفریق کر دی دعویٰ کے کافی عرصہ بعد تو مدت طلاق کے وقت سے شمار ہوگی نہ کہ فیصلہ کے وقت سے ۱۲

سے قولہ وفی نکاح فاسد الخ یہ وہ نکاح ہے جس میں شرائط نکاح میں سے کوئی شرط چھوٹ جائے۔ حاصل یہ کہ طلاق کے بعد ہی سے عدت کا شمار نکاح صحیح میں ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں ان دو باتوں میں سے کسی کے بعد (۱) جب قاضی دونوں میں تفریق کر دے (۲) یا ترک وطی کے عزم کے بعد سے لیکن محض باطنی عزم کافی نہیں بلکہ اس پر ظاہری قرینہ بھی ضروری ہے مثلاً زبان سے کہے میں نے تجھ کو جدا کر دیا یا چھوڑ دیا یا تیرا راستہ چھوڑ دیا یا طلاق کا لفظ استعمال کرے ۱۲ بحر

سے قولہ حلفت الخ یعنی اگر عورت کہے کہ میری عدت پوری ہوگئی یا دوسرے شوہر سے نکاح بیٹھ جائے اور زوج دعویٰ کرے کہ تیری عدت ابھی نہیں ہوئی تو عورت کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہوگا بشرطیکہ اس مدت میں عدت کا پورا ہونا واقعۃً ممکن ہو (باقی صفحہ آئندہ پر)

فانّ اثر الوطی فی النکاح الاول باقٍ وھو العدۃ فصار کانّ الوطی حاصل فی ھٰذا النکاح الثانی وعند محمدؒ یجب علیہ نصف المھر وعلیہا اتمامُ العدۃ الاولیٰ فقط ولا عدّۃ للطلاق الثانی لان الزوج طلّقھا قبل الوطی فیہ وعند زفرؒ لاعدۃ علیہا اصلا لان العدۃ الاولیٰ سقطت بالتزوج ولم تجب بالنکاح الثانی لدلیل محمدؒ ولا عدّۃ علیٰ ذمیۃٍ طلقھا ذمی ھٰذا عند ابی حنیفۃؒ اذا لم یکن معتقدُ اھل الذمۃ ذٰلک وانّ کان معتقدُھُم ذٰلک تجب عندہ وعندھما تجب مطلقاً

ترجمہ :۔ کیونکہ پہلے نکاح کی وطی کا اثر عدت میں رہنے کے سبب سے عملی حالہ باقی ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ گویا نکاح ثانی کے بعد اس نے وطی کی ہے (اور اس کے بعد طلاق دی ہے) اور امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں زوج پر نصف مہر واجب ہے اور عورت پر صرف پہلی عدت پوری کرنا لازم ہے اور دوسری طلاق کے سبب سے کوئی عدت نہیں کیونکہ شوہر نے نکاح ثانی کے بعد دخول سے پہلے طلاق دی ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک اب عورت پر مطلقاً عدت نہیں ہے کیونکہ نکاح کر لینے کی وجہ سے پہلی عدت اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکی اور نکاح ثانی کے بعد طلاق دینے کے باعث امام محمدؒ کی مذکورہ دلیل کی رو سے اس پر عدت واجب نہیں (کیونکہ قبل الدخول طلاق دینے سے عدت واجب نہیں ہوتی) اور اگر ذمی نے ذمیہ کو طلاق دی تو اس پر عدت نہیں یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے بشرطیکہ ذمیوں کے مذہبی عقیدہ میں اس کے لئے عدت نہ ہو اور اگر ان کے مذہب میں مطلقہ پر عدت ہو تو اس پر عدت لازم ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اس پر عدت واجب ہے۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) مثلاً مہینوں کی عدت میں آزاد کے لئے تین مہینہ اور لونڈی کے لئے ڈیڑھ مہینہ کا زمانہ پایا گیا اور حیض کی عدت میں آزاد عورت کے لئے کم از کم ساٹھ دن اور باندی کے لئے چالیس دن گذر گئے اور اگر اس مدت میں گنجائش نہ ہو مثلاً ایک مہینہ پر دعویٰ کرے کہ میری عدت تمام ہو گئی تو عورت کا قول معتبر نہ ہوگا کیونکہ یمین کے ساتھ قول اسی وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ خلاف ظاہر نہ ہو ۱۲ نہر و بحر۔

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ فان اثر الوطی الخ شیخین کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ پہلے نکاح اور پہلی وطی کا اثر اب تک باقی ہے یعنی عدت، تو گویا عورت ابھی تک پہلی وطی کے باعث مرد کے قبضہ میں ہے اب نکاح ثانی کے بعد وطی نہ کرنے سے بھی یہی قرار دیا جائے گا کہ گویا اس سے وطی پائی گئی لہٰذا مہر بھی پورا لازم ہوگا اور عدت بھی از سر نو واجب ہوگی۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وطی کے بعد طلاق ہونے سے تو رجعت ہوتی ہے اور یہاں رجعت نہیں، کیونکہ ہم کہیں گے کہ مہر و عدت کے حق میں عقد ثانی کو وطی کے قائم مقام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ رجعت کے حق میں بھی اس کو قائم مقام قرار دیا جائے ۱۲

سلہ قولہ وعند محمدؒ الخ۔ ان کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ خاوند پر نصف مہر واجب ہے کیونکہ اس نے نکاح ثانی کے بعد دخول سے پہلے طلاق دی ہے اور قبل الدخول طلاق پر آدھا مہر واجب ہوتا ہے اور اس طلاق سے عورت پر عدت نہ ہوگی کیونکہ طلاق قبل الدخول میں عدت واجب نہیں اس لئے اس پر صرف پہلی عدت پوری کرنا واجب ہے ۱۲

سلہ قولہ وان کان معتقدہم الخ۔ یعنی ذمیہ پر عدت نہ ہونا اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ ان کے مذہبی عقیدہ میں عدت واجب نہ ہو لیکن اگر ان کے عقیدہ میں عدت ضروری ہو تو عورت پر عدت واجب ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو حکم ہے کہ ذمیوں کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے اس لئے ان کے ساتھ انہی کے عقیدۂ مذہب کے مطابق معاملہ ہوگا ۱۲

ولا حربيةٍ خرجت الينا مسلمةً وتحِدُّ معتدة البائن والموتِ كبيرةً مسلمة حرةً اولا

نقوله او لا عطفٌ علیٰ قوله حرة وعند الشافعیؒ لا احداد علیٰ معتدة البائن بترك

الزينة ولبس المُزعفر والمُعصفر والحِنّاء والطِيب والدهن والكحل الا بعذرٍ

لا معتدة عتق ای اذا اعتق المولیٰ اُمَّ ولده ونكاح فاسدٍ لانه واجب الرفع

فلا تاسف علیٰ فوته ولا تُخطب معتدة الا تعريضا ولا تخرج معتدة الرجعی

والبائن من بيتها اصلا لقوله تعالیٰ وَلَا تُخرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخرُجنَ

الاٰية وتخرج معتدة الموت فی الملوين و تبيت فی منزلها۔

ای التی اعتدت بموت الزوج ۱۲ عمدہ — من البيتوتة وهو البقاء والقرار ليلا ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور اسی طرح اگر حربیہ عورت ہماری طرف مسلمان ہو کر چلی آئی تو اس پر عدت نہیں ہے جو عورت طلاق بائن یا موت کی عدت میں ہو اور وہ بالغہ ہے مسلمان ہے حرہ ہو یا نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ سوگ کرے۔ یہاں ماتن کا قول "اولا" کا عطف "حرہ" پر ہے (یعنی کبیرہ پر نہیں ہے کیونکہ اس سے مفہوم غلط ہو جائے گا) اور امام شافعیؒ کے نزدیک معتدہ بائنہ پر سوگ نہیں ہے یعنی آرائش نہ کرے اور زعفرانی اور کسم رنگ کا جامہ نہ پہنے اور مہندی اور خوشبو اور تیل اور سرمہ نہ لگائے مگر عذر سے اور نہ سوگ کرے وہ لونڈی جو آزادی کی عدت گذار رہی ہے یعنی ام ولد کو جب اس کا مولیٰ آزاد کر دے تو اس کے لئے عدت میں سوگ نہیں ہے اور نکاح فاسد میں (طلاق یا فرقت) عدت گذارنے میں سوگ نہیں ہے) کیونکہ نکاح فاسد کا رفع واجب ہے اس لئے اس کے ٹوٹ جانے پر سوگ منا کر اظہار تاسف نہ کرنا چاہیئے (بلکہ چاہیئے کہ اس پر خوشی منائے) اور جو عورت عدت میں ہو اس کے پاس نکاح کا صریح پیغام نہ بھیجا جائے ہاں اشارہ اور کنایہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں اور جو عورت طلاق رجعی یا طلاق بائن کی عدت میں ہو تو وہ اپنے گھر سے کسی وقت نہ نکلے اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "تم نہ نکالو ان عورتوں کو اپنے گھروں سے اور وہ خود بھی نہ نکلیں الخ" اور جو عورت موت کی عدت میں ہو اس کو جائز ہے کہ دن کو اور (کچھ حصہ) رات کو گھر سے باہر جائے لیکن شب باشی کرے اپنے گھر میں۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ وتحِدُّ الخ: حا پر کسرہ اور دال پر تشدید کے ساتھ یہ احداد سے مضارع کا صیغہ ہے، جبکہ کس پر عدت واجب ہے اور کس پر نہیں ہے اور زمانۂ عدت کیا ہے اس کا بیان ہو چکا تو یہاں سے یہ بیان شروع ہوا کہ عدت میں معتدہ کو کیا کرنا چاہیئے۔ عدت گذارنے والی کے ترک زینت کو احداد کہتے ہیں چنانچہ اَحدّت المرأۃ احداداً بولا جاتا ہے جبکہ عورت زینت ترک کر دے اپنے خاوند کے مرنے کے باعث، اسی طرح حَدّت تَحِدّ وتَحُدّ حِداداً حا کے کسرہ کے ساتھ یعنی حاد بھی استعمال ہوتا ہے (مصباح وغیرہ) غرض یہ رباعی اور ثلاثی کے باب ضرب ونصر دونوں سے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مصنف رہ کا قول "وتحِدّ" احداد سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور تا کے زبر اور حا کے زیر باب ضرب بر وزن فرّ یفرّ اور تا کے زبر اور حا کے ضمہ باب نصر بر وزن مَدّ یمُدّ بھی ہو سکتا ہے ۱۲

۲؎ قولہ لا احداد الخ: ان کی دلیل یہ ہے کہ سوگ در اصل خاوند کے فوت ہونے پر اظہار غم کے لئے واجب ہوا ہے جو موت کے باعث ہوا کرتا ہے اور طلاق بائن کی صورت میں تو خاوند نے عورت سے بدسلوکی کی ہے اس لئے یہ مفارقت موجب تاسف نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں سوگ اصل میں نعمت نکاح چھن جانے کے باعث ہوتا ہے اور یہ بات طلاق بائن میں بھی موجود ہے (ہدایہ) ۱۲

۳؎ قولہ الا بعذرٍ الخ: یہ سابقہ تمام اشیاء سے متعلق ہے کیونکہ مشہور قاعدہ ہے ضرورت ممنوع چیز کو مباح کر دیتی ہے چنانچہ اگر عورت کی آنکھ میں تکلیف ہے تو اسے سرمہ لگانا جائز ہے، بدن میں خارش ہو تو ریشم پہن سکتی ہے، سر میں شکایت ہو تو تیل لگا سکتی ہے اور بڑے دانتوں کی کنگھی سے کنگھی کر سکتی ہے اسی طرح اگر اس کے پاس زعفران یا کسم رنگ کے کپڑے کے علاوہ کوئی کپڑا نہ ہو تو ستر ڈھانکنے کی غرض سے اس کا پہننا جائز ہے۔ (جوہرہ فتح القدیر) ۱۲

۴؎ قولہ ولا تخطب الخ: یہ خطبہ بکسر الخاء سے مجہول کا صیغہ ہے یعنی عورت کو نکاح کا پیغام دینا (باقی صفحہ آئندہ پر)

اذ لا نفقة لها فتحتاج الى الخروج بخلاف المطلقة لان النفقة دارّة عليها

وتعتد فی منزل لها وقت الفرقة والموت والطلاق الا ان تُخرَجَ او خافت تلف

مالها او الانهدام او لم تجد كِراء البيت ولابد من سترة بينهما فی البائن وان

ضاق المنزل عليهما فالاولى خروجه وكذا مع فسقه وحسُن ان يجعل بينهما

قادرة على الحيلولة ای تكون بينهما امرأة ثقة تحول بينهما ولو ابانها او مات

عنها فی سفرٍ وليس بينها وبين مصرها مسيرة سفرٍ رجعت وان كانت تلك

من كل جانب خيّرت معها ولیٌّ اولا والعود احمدُ وان كانت فی مصر تعتدُّ

ثمه ثم تخرج بمحرمٍ۔

ترجمہ :۔ کیونکہ اس کے واسطے وارثین کے ذمہ نفقہ واجب نہیں ہے اس لئے بضرورت معاش اس کو نکلنے کی حاجت ہوگی، بخلاف مطلقہ کے کہ اس کو خاوند کی طرف سے نفقہ ملتا رہے گا۔ جو عورت کہ اس پر عدت واجب ہوئی اس کو چاہیئے کہ فرقت یا موت یا طلاق کے وقت جس گھر میں تھی اسی گھر میں عدت کو تمام کرے مگر یہ کہ اس کو اس گھر سے نکالدی جائے یا وہاں اس کا مال تلف ہونے کا اندیشہ ہو یا گھر گرجانے کا خوف ہو یا اس کو گھر کا کرایہ ادا کرنے کی سکت نہ ہو۔ (تو ان سب صورتوں میں زوجہ کو اختیار ہے کہ اس گھر سے نکل جائے۔) اور اگر زوجہ طلاق بائن کی عدت میں ہو تو ضروری ہے کہ اس کے اور خاوند کے درمیان گھر میں پردہ حائل رہے اور اگر دونوں کا اس طرح پردہ کرکے رہنے میں گھر تنگ ہو تو اولی یہ ہے کہ خاوند وہاں سے دوسری جگہ چلا جائے، اسی طرح خاوند اگر فاسق ہو (تو اولی یہ ہے کہ وہ گھر سے منتقل ہوجائے) اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کے بیچ میں ایک عورت مقرر کی جائے جو دونوں کو جدا رکھنے پر قادر ہو یعنی ان دونوں کے درمیان ایک معتبر عورت کو (قاضی کی طرف سے مقرر کردینا بہتر ہے جو کہ ان کی مقاربت میں حائل ہوسکے اور اگر سفر میں کسی شخص نے اپنی زوجہ کو جو کہ اس کے ہمراہ ہے طلاق بائن دیدی یا مرگیا اور زوجہ کے شہر تک وہاں سے مدت سفر نہیں ہے تو وہاں سے گھر میں لوٹ آئے۔ اور اگر منزل مقصود اور جہاں سے روانہ ہوئی تھی دونوں مسافت سفر پر واقع ہوں تو عورت کو اختیار ہے (کہ واپس آجائے یا منزل مقصود کی طرف جائے) برابر ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ولی ہو یا نہ ہو۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ واپس لوٹ آئے اور اگر وہ مقام (جہاں طلاق ہوئی یا شوہر مرگیا موضع اقامت مثلاً شہر ہے تو وہیں عدت پوری کرے، اس کے بعد محرم کے ہمراہ وہاں سے نکلے۔

تشریح :۔ (بقیہ صہ گذشتہ) اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :۔ ولا جناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء او اكننتم فی انفسكم علم الله انكم ستذكرونهن ولكن لا تواعدوهن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ ولابد من سُترة الخ۔ سین کے ضمہ کے ساتھ، یعنی ایسی چیز جو دونوں کے درمیان حائل اور پردہ ہوجائے مثلاً دیوار وغیرہ کیونکہ اب اس کے ساتھ خلوت حرام ہے اور بائن کی قید اس لئے لگائی کہ طلاق رجعی کی عدت میں پردہ ضروری نہیں اس لئے کہ اس سے نکاح کلیۃً ختم نہیں ہوتا اور خاوند کے لئے رجعت حلال ہے جب چاہے البتہ مستحب یہ ہے کہ عورت کے اذن کے بغیر اس کے پاس نہ جائے ۱۲

سلہ قولہ رجعت الخ۔ یعنی عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے شہر لوٹ آئے اور اپنی سکونت کے مقام میں عدت گذارے، چاہے اس کے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو کیونکہ عورتوں کے لئے مدت سفر سے کم بغیر محرم کے سفر کرنا مباح ہے اور یہ ابتداءً خروج نہیں ہے کہ عدت کے سبب حرام قرار دیا جائے بلکہ یہ سفود اصل اول خروج پر مبنی ہے ۱۲

قولہ سلہ قولہ خیرت الخ۔ تخییر سے مجہول کا صیغہ ہے یعنی عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنے شہر لوٹ آئے یا اپنی منزل مقصود کو چلی جائے۔

(باقی صہ آئندہ پر)

اعلم ان الابانة او الموت فی السفر اما فی غیر موضع الاقامة فان لم یکن بینها وبین مصرها الذی خرجت منه مسیرة سفر رجعت وان کان تلک من کل جانب خیرت بین الرجوع والتوجه الی المقصد سواء کان معها ولی او لا لکن الرجوع اولی لیکون الاعتداد فی منزل الزوج وذکر الامام السرخسی تختار اقربهما بقی ھنا قسمان احدھما ما اذا کان من کل جانب اقل من مسیرة سفر ینبغی ان تخیر وعلی قیاس قول السرخسی تختار اقربهما والثانی ما اذا کان بینها وبین مصرها مسیرة سفر وبینها وبین المقصد اقل تتوجه الی المقصد۔

ترجمہ:۔ جاننا چاہیئے کہ طلاق بائن یا خاوند کی موت سفر میں جہاں واقع ہوئی اگر وہ مقام سکونت کی لائق جگہ نہ ہو تو اگر اس مقام اور اپنے گھر کے درمیان جہاں سے وہ سفر کو نکلی ہے مسافت سفر نہیں ہے تو اسے واپس آجانا چاہیئے اور اگر دونوں طرف مسافت سفر ہے تو اسے اختیار ہے چاہے لوٹ آوے یا منزل مقصود کی طرف چلی جائے خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو لیکن واپس آجانا بہتر ہے تاکہ سکنٰی زوج میں عدت گذار سکے اور امام سرخسیؒ نے بتایا کہ دگھر اور منزل مقصود میں سے) جو مسافت کے لحاظ سے قریب تر ہو اسی کو اختیار کرے مصنف کے بیان میں یہاں دو صورتوں کی تفصیل باقی رہ گئی ایک یہ کہ دونوں جانبوں میں اگر مسافت سفر سے کم ہو تو کیا حکم ہوگا؟ تو مناسب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو اختیار ہو کہ دونوں جانب میں سے جہاں چاہے چلی جائے اور امام سرخسیؒ کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں سے جو قریب ہو اسی کو اختیار کرے اور دوسری یہ کہ عورت کے گھر اور اس مقام (طلاق یا موت) کے درمیان تو مسافت سفر ہو لیکن اس کے اور منزل مقصود کے درمیان مسافت سفر سے کم ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو منزل مقصود کی طرف ہی جانا چاہیئے۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ عورت کو جب اس مقام میں رہنا ممکن نہیں تو اس کا وطن واپس آنا اور منزل مقصود کی طرف جانا دونوں برابر ہیں اس لحاظ سے کہ سفر تو کرنا ہی پڑے گا اس لئے اسے اختیار دیا گیا کہ اپنی مصلحت کے مطابق جدھر چاہے سفر کرے ۱۲

؎ قولہ معہا ولی الخ۔ یہاں ولی سے مراد وہ محرم ہے جس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اور یہاں بدون محرم کے بھی عورت کے لئے جدھر چاہے سفر کرنے کی اجازت بتقاضائے ضرورت ہے اور ضرورت سے ممنوعات بھی جائز ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر ایسے مقام میں یہ واقعہ پیش آئے جہاں عدت گذارنا ممکن ہے تو پھر عورت کے لئے وہاں سے نکلنا جائز نہیں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ قولہ الذی خرجت الخ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کے شہر سے یہاں عورت کا وطن اصلی مراد نہیں بلکہ مفہوم عام مراد ہے خواہ وطن ہو یا عارضی اقامت گاہ ہو جہاں سے وہ سفر کو روانہ ہوئی ۱۲

؎ قولہ تتوجہ الی المقصد الخ۔ کیونکہ اس کی طرف جانا مسافت سفر سے کم ہے اور واپس لوٹنے میں سفر لازم آتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو دو مشکلوں میں گرفتار ہو اسے چاہیے کہ نسبتہً آسان کو اختیار کرے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ مقدار سفر سے کم کے لئے نکلنا مقدار سفر کے لئے نکلنے سے ہلکا ہے چنانچہ اس میں محرم ساتھ ہونا شرط ہے اور پہلے میں مشروط نہیں ۱۲

واما في موضع الاقامة وهو ماقال وان كانت في مصر اي وان كانت في مصرٍ حين ابانها او مات عنها فان لم يكن معها ولي تعتد ثمه ولا تخرج منه بدون الولي وان كان معها وليّ فكذا عند ابي حنيفةؒ لان خروج المعتدة حرام وان كانت المسافة اقل من مدة السفر وعندهما يحل الخروج لان نفس الخروج مباح دفعًا لوحشة الفرقة وانما الحرمة للسفر وقد ارتفعت بوجود الولي ثم لما جاز الخروج عندهما فالى اي الجانبين تتوجه فينبغي ان يكون الحكم على التفصيل الذي مرّ۔

ترجمہ:۔ اور اگر ایسی جگہ میں طلاق یا خاوند کی موت واقع ہوئی جو سکونت کی لائق ہے. جس صورت کو مصنفؒ نے "وان كانت في مصر" کے جملے سے بتایا ہے یعنی جس وقت سفر میں عورت کو شوہر نے طلاق دی یا وہ مرگیا تب عورت کسی شہر میں تھی تو اگر عورت کے ساتھ کوئی ولی نہ ہو تو اسی مقام میں عدت تمام کرے اور بدون ولی کے وہاں سے نہ نکلے (نہ واپس آئے اور نہ مقصد کی طرف جائے) اور اگر اس کے ساتھ کوئی ولی ہو تو بھی ایسا ہی حکم ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک. کیونکہ جہاں عورت پر عدت واجب ہوئی وہاں سے اس کا نکلنا حرام ہے اگر مسافت مدت سفر سے کم ہو. اور صاحبینؒ کے نزدیک ولی محرم کے ساتھ نکلنا جائز ہے. کیونکہ سفر کی وحشت واجنبیت سے بچنے کے لئے، وہاں سے نکلنا فی نفسہ امر مباح ہے اور ممانعت صرف اس بنا پر تھی کہ عورت کے لئے تنہا سفر کرنا حرام ہے اور ولی ہمراہ موجود ہونے سے یہ سبب باقی نہیں اس لئے وہاں سے نکلنا بھی ممنوع نہ ہوگا. بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک جبکہ ولی کی موجودگی میں نکلنا جائز ہے تو دونوں جانبوں میں سے کس طرف جائے گی؟ اس کا فیصلہ مذکورہ تفصیل کے مطابق ہونا ہی سزاوار ہے۔

تشریح:۔ ؎۱ قوله واما في موضع الاقامة الخ یہ سابق جملہ اما في غير موضع الاقامة پر عطف ہے اور موضع الاقامت کہکر اس طرف اشارہ کیا کہ متن میں مصر کا ذکر اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے کیونکہ دیہات اور بستی کا حکم بھی ایسا ہی ہے کہ عورت وہیں عدت گذارے اور عدت تمام ہونے سے پہلے وہاں سے نہ نکلے ۱۲۔

؎۲ قوله لان خروج المعتدة الخ. اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کا اس مقام میں عدت گذارنا اس لئے نہیں کہ محرم کے بغیر سفر کرنا حرام ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اگر محرم ساتھ ہو تو سفر جائز ہوگا یا تو اس شہر اور اپنے شہر یا منزل مقصود کے درمیان مدت سفر سے کم ہونے کی صورت میں نکلنا جائز ہوگا بلکہ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ عدت والی عورت کو جس گھر میں عدت واجب ہوئی وہاں سے نکلنا مطلقاً حرام ہے ۱۲

بَابُ النَّسَبِ وَالحِضَانَۃ

مَنْ قال ان نکحتہا فہی طالق فنکحہا فولدت لنصف سنة منذ نکحہا لزمہ

ای ملک المرأة التی علق طلاقہا بنکاحہا ۱۲ عمدہ

نسبہ ومہرہا لانّہ لایبعد ان الزوج والزوجة وکّلا بالنکاح فالوکیلان نکحہا

ای الطلاق بہذا اللفظ علیہا باعتبار ما یؤول الیہ الامر ۱۲ عمدہ

فی لیلة معیّنة والزوج وطیہا فی تلک اللیلة ووُجد العُلوق ولا یُعلم ان

ای الانزال فی الرحم ۱۲ عمدہ

النکاح مقدّم علی العلوق او مؤخر فلا بُدّ من الحمل علی المقارنة علا ان

الزوج ان علم انّہ لم یکن علی ھٰذہ الصّفة وانّہ لم یطأھا فی تلک اللیلة

ای الامر لم یکن علی الصفة السابقة ۱۲ عمدہ

فہو قادر علی اللعان فلما لم یُنفِ الولد باللعان فلیس علینا نفیہ عن الفراش

مع تحقق الامکان فثبت نسبہ بہ ولزمہ المہر.

نسب اور پرورش کا بیان

ترجمہ :- اگر کسی شخص نے کسی عورت سے کہا کہ اگر میں اس کو نکاح کروں تو وہ طالق ہے اور پھر اس نے نکاح کیا اور وہ نکاح کے وقت سے ٹھیک نصف سال پر بچہ جنی تو اس بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت ہو جائے گا اور اس کو اس عورت کا مہر لازم ہوگا کیونکہ ایسا ہونا بعید نہیں کہ مرد اور عورت نے دو آدمی کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا اور ایک معین رات میں ان کی غیر موجودگی میں صرف گواہ کے سامنے دونوں وکیل نے اس عورت کا نکاح اس مرد سے کر دیا اور اسی رات ہی کو مرد نے عورت سے وطی کی اور حمل قرار پا گیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عقد نکاح حمل قرار پانے سے پہلے ہوا یا بعد میں ہوا اس لئے لامحالہ عقد نکاح اور حمل کو باہم مقارن و متصل ماننا پڑے گا اور شرط کی طلاق پڑے گی نکاح ہو جانے کے بعد تو حمل فراش نکاح کا ہونے کی وجہ سے نسب ثابت ہو جائے گا) علاوہ ازیں اگر زوج جانتا کہ ایسا نہیں ہوا اور اس نے اس رات کو وطی نہیں کی ہے تو وہ ولد کی نفی کر کے لعان کر سکتا تھا تو جب خود اس نے بذریعہ لعان ولد کی نفی نہیں کی تو ہمارے ذمہ یہ بات نہیں آتی کہ فراش نکاح کا امکان ہوتے ہوئے ہم فراش سے ولد کی نفی کر دیں اس لئے بچہ کا نسب زوج سے ثابت ہوگا اور عورت کا مہر لازم ہوگا.

تشریح :- سلہ قولہ باب النسب الخ عدت اور اس کے متعلقہ احکام بیان کرنے کے بعد اب مصنفؒ ثبوت نسب اور اس کی کیفیت کا بیان شروع کر رہے ہیں کیونکہ معتدہ حاملہ کے لئے نسب کا مسئلہ لازمی طور پر زیر بحث آتا ہے اور اس کے ساتھ حضانت (پرورش اولاد) کا بھی ذکر لا رہے ہیں اس لئے کہ اولاد کے نسب کا تعلق باپ سے اور پرورش کا تعلق ماں سے ہے اس لئے ایک ہی ساتھ دونوں کا بیان مناسب ہے اور نسب کا لفظ نون اور سین کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے "نسبۃ الی ابیہ" باپ کی طرف نسبت ثابت کیا اور کبھی محض ربط و تعلق کے معنی پر آتا ہے اور "حضانت" حا کے کسرہ اور بعضوں نے کہا فتحہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی پرورش اولاد، حضن الصبی حِضنًا حِضَانةً یعنی بچہ کو گود میں لیا اور پرورش کی، احتضن بھی اس معنی میں آتا ہے ۱۲

سلہ قولہ من قال الخ جاننا چاہیے کہ یہ مسئلہ اور نسب کے متعلق تمام مسائل کتاب و سنت سے ثابت شدہ دو اصولوں پر مبنی ہیں (۱) نسب ایسے امور میں سے ہے جس کے اثبات میں احتیاط کا پہلو اختیار کیا جاتا ہے چنانچہ بسا اوقات تاویل کر کے اور نادر صورتیں فرض کر کے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے (۲) ولد صاحب فراش کا ہے اور زانی پر سنگ ساری ہے ان دونوں بنیادوں کو خوب یاد رکھنا چاہیے ۱۲

سلہ قولہ لانہ لایبعد الخ. مسئلہ کی علت کا بیان ہے تاکہ یہ اعتراض بھی دفع ہو جائے کہ منکوحہ کے ولد میں ثبوت نسب نکاح کے ساتھ وطی یا امکان وطی پر موقوف ہے کیونکہ حرام وطی سے نسب ثابت نہیں ہوتا اور زیر بحث مسئلہ جس میں طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کیا تھا پھر اس عورت سے نکاح کیا تو نکاح کرتے ہی طلاق پڑ گئی اب اس صورت میں طلاق واقع ہونے کے بعد میں وطی کا تصور کیا جا سکتا ہے اور یہ وطی حرام ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا اور غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے اس پر عدت نہیں ہے کہ اس وطی کو صحبت قرار دی جا سکے. جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق کو جبکہ نکاح کے ساتھ معلق کیا تو بلاشبہ طلاق نکاح کے متصل نہیں بلکہ نکاح مکمل ہونے کے بعد پڑے گی (باقی صفحہ آئندہ پر)

ویثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان جاءت بہ لاکثر من سنتین مالم تقر بانقضاء العدۃ لاحتمال العلوق فی العدۃ وجواز کون المرأۃ ممتدۃ الطہر اما لو اقرت بانقضاء العدۃ ثم ولدت وبین الطلاق والولادۃ اکثر من سنتین لا یثبت النسب علی ما یأتی انہ یثبت اذا کان بین المدتین اقل من نصف سنۃ وبانت فی الاقل وراجع فی الاکثر ای اذا کان بین الطلاق والولادۃ اقل من سنتین بانت لان الحمل علی ان الوطی المُعْلِقْ کان فی النکاح اولی من الحمل علی کونہ فی العدۃ علی ان الرجعۃ امر حادث فلا یثبت بالشک اما اذا کان بین الطلاق والولادۃ اکثر من سنتین فلابد من ان یحمل علی ان الوطی فی العدۃ فتثبت الرجعۃ ومبتوتۃ ولدت لاقل منہما ومبتوتۃ بالجر عطف علی معتدۃ الرجعی ای یثبت نسب ولد المطلقۃ طلاقا بائنا لاقل من سنتین من وقت البینونۃ الی وقت الولادۃ لامکان العلوق فی زمان النکاح۔

ترجمہ:۔ اور جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو اس کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ دو برس کے بعد جنے جب تک کہ عدت کے گذرنے کا اقرار نہ کرے، کیونکہ عدت کے اندر حمل رہنے کا احتمال موجود ہے اور اس کا امکان ہے کہ عورت کا طہر طویل مدت تک رہتا ہو لیکن اگر عورت خود عدت گذرنے کا اقرار کرلے اور پھر بچہ جنے اور طلاق وولادت کے درمیان دو برس سے زیادہ کی مدت ہے تو نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ نسب جب ثابت ہوتا ہے کہ مدت طلاق یا اقرار اور مدت ولادت میں چھ مہینے سے کم گذرے ہوں جیسا کہ آگے آتا ہے۔ اور اگر دو برس سے کم میں جنی تو اپنے خاوند سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر دو برس سے زیادہ مدت میں جنی تو زوج سے رجعت ثابت ہو جائے گی یعنی طلاق اور ولادت کے درمیان جب دو سال سے کم مدت ہو تو عورت بائنہ ہو جائے گی کیونکہ جس وطی سے حمل قرار پایا ہے اُسے زمانہ عدت میں قرار دینے کی بجائے حالت نکاح میں ماننا اولیٰ ہے نیز رجعت ایک نیا معاملہ ہے جو کہ شک سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے لیکن جبکہ طلاق اور ولادت کے درمیان دو سال سے زیادہ کی مدت ہو تو وطی کو زمانہ عدت میں ماننے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تو اس سے رجعت بھی ثابت ہو جائے گی۔ اور جو عورت کہ مطلقہ بائنہ ہے اس کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا جبکہ طلاق کے وقت سے دو برس سے کم میں جنے ماتن کا قول ,, ومبتوتۃ ,, جر کے ساتھ اس کا عطف ہے ,, معتدۃ الرجعی ,, پر یعنی جو عورت طلاق بائن کے ساتھ مطلقہ ہے اس کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا اگر طلاق کے وقت سے ولادت کے وقت تک دو سال سے کم مدت ہو کیونکہ اس صورت میں اس کا امکان ہے کہ نکاح رہتے ہوئے حمل قرار پایا ہو۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کیونکہ مشروط شرط کے وجود میں آنے کے بعد واقع ہوتا ہے اس صورت میں لامحالہ دونوں کے درمیان کچھ زمانہ کا فاصلہ ہوگا چاہے انتہائی کم ہی ہو اور یہاں وطی کا نکاح سے بالکل متقارن ہونا ممکن ہے اس لئے وطی طلاق سے پہلے ہوگی اور نسب ثابت کرنے کے لئے اسی قدر امکان کافی ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱؎ قولہ بانت فی الاقل وراجع فی الاکثر الخ۔ یعنی مطلقہ رجعیہ اگر دو سال سے کم مدت میں بچہ جنے تو وہ اپنے خاوند سے بائنہ ہو جائیگی۔ عدت پوری ہو جانے کے باعث کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور خاوند سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اس لئے کہ حمل حالت نکاح کا ہے یا تو

(باقی صہ آئندہ پر)

وان ولدت لتمامهما لا الى الابد عوة ويحمل على وطيها بشبهة في العدة اى ان جاءت لتمام سنتين من وقت الفرقة لم يثبت لان الحمل حادث بعد الطلاق فلا يكون منه لان وطيها حرام وقوله الا بدعوة لانه التزمه وله وجه بان وطيها بشبهة في العدة ومراهقة اتت به لاقل من تسعة اشهر ولتسعة لا ومراهقة بالجر عطف على مبتوتة اى يثبت نسب ولد مطلقة مراهقة اتت بولد لاقل من تسعة اشهر من وقت الطلاق والمراد بالمراهقة صبية تجامع مثلها وهي في سن يمكن ان تكون بالغة اى تسع سنين فصاعدا ولم يظهر فيها علامات البلوغ وانما اعتبر تسعة اشهر لان ثلثة اشهر مدة عدتها وستة اشهر اقل مدة الحمل

ترجمہ: اور اگر دو برس پورے ہونے کے بعد جنی تو نسب ثابت نہ ہوگا مگر یہ کہ خاوند اس کا دعویٰ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایام عدت میں شبہ سے وطی کی ہو یعنی فرقت کے وقت سے دو سال گذرنے کے بعد اگر بچہ جنے تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ حمل یقیناً طلاق کے بعد ہوا ہے تو شوہر کی جانب سے نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ طلاق بائن کے بعد عورت سے وطی کرنا شوہر پر حرام ہے اور مصنف کا قول: مگر یہ کہ خاوند دعویٰ کرے، اس بنا پر ہے کہ اس نے خود ہی یہ الزام اپنے اوپر لے لیا ہے اور اس کی ایک یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے عدت میں شبہ سے عورت کے ساتھ وطی کر لی ہوگی۔ اور جو عورت مراہقہ ہے اگر بعد طلاق کے نو مہینہ سے کم میں جنی تو نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر نو مہینہ میں جنی تو نسب ثابت نہ ہوگا۔ ماتن کا لفظ "مراہقۃ" جر کے ساتھ اس کا عطف ہے "مبتوتۃ" پر یعنی مطلقہ مراہقہ اگر طلاق کے وقت سے لے کر نو مہینہ سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور مراہقہ سے مراد ایسی لڑکی ہے کہ اس جیسی عورتوں سے جماع ہو سکتا ہے اور وہ ایسے سن میں ہے کہ بالغ ہو سکتی ہے مثلاً نو برس یا اس سے زیادہ عمر ہو چکی ہے لیکن ابھی تک اس میں علامات بلوغ ظاہر نہیں ہوئے اور نو مہینے اس لئے معتبر ہوئے کہ اس کی عدت کی مدت تین مہینے ہیں اور اقل مدت حمل چھ مہینے ہیں۔

تشریح: دلیقیہ ص گذشتہ) زمانۂ عدت کا ہے اور اس شک کی بنا پر رجعت ثابت نہ ہوگی کیونکہ ثبوت رجعت کے لئے یقینی طور پر زمانۂ عدت میں وطی ثابت ہونی چاہیئے اور جب اس پر یقین نہیں تو رجعت بھی نہیں ہوگی لیکن اگر دو سال سے زیادہ مدت میں بچہ جنے تو یہ حکم ہوگا کہ اس نے رجعت کر لی ہے کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال نہیں ہے کہ حالت نکاح میں حمل قرار پایا ہے ورنہ مدت حمل دو سال سے زیادہ ہونا لازم آئے گا اور یہ احتمال کہ عورت نے خاوند کے علاوہ کسی اور سے زنا کیا ہو اور اس کا حمل ہو شرعاً اس کا اعتبار نہیں تاکہ مسلمان کی پردہ داری رہے اس لئے اب یہی حکم لگایا جائے گا کہ خاوند نے اس سے رجوع کر لیا اور حمل عدت کے زمانہ کا ہے اگر ٹھیک دو سال کے پورے ہوتے ہی بچہ جنا تو بھی یہی حکم ہوگا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ ویحمل علی وطیہا الخ۔ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ محض مرد کے دعویٰ سے کیسے نسب ثابت ہوگا حالانکہ طلاق سے پہلے اور بعد میں خاوند کی طرف سے حمل ہونے کا امکان نہیں پہلے اس لئے نہیں کہ اس طرح مدت حمل دو سال سے زیادہ ہونا لازم آتا ہے اور بعد میں اس لئے نہیں کہ طلاق بائن کی عدت میں وطی حرام ہے حاصل جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حالت عدت میں شبہ کی بنا پر وطی پائی جائے ۱۲

۲؎ قولہ لانہ التزمہ الخ۔ یعنی طلاق دینے والے نے خود دعویٰ کر کے بچہ کا نسب اپنے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے "المرء یؤخذ باقرارہ" یعنی انسان پر اس کے اقرار سے مواخذہ ہوتا ہے ۱۲ (باقی ص آئندہ پر)

وانما اعتبر اقل مدة الحمل ههنا واكثر مدة الحمل فى البالغة لان النسب يثبت بالشبهة لا بشبهة الشبهة ففى البالغة شبهة الوطى زمان النكاح او العدة ثابتة وحقيقة الوطى فى احد هذين الزمانين توجب ثبوت النسب فكذا شبهته واما فى المراهقة فشبهة الوطى فى النكاح او العدة وهى ثلثة اشهر ثابتة ثم حقيقة الوطى فى احد هذين الزمانين لا يوجب ثبوت النسب لعدم تحقق البلوغ فالبلوغ وهو امر حادث يضاف الى اقرب الاوقات وهو ستة اشهر الى وقت الولادة فهذا مذهب ابى حنيفة ومحمد واما عند ابى يوسف فان كان الطلاق رجعيا فالى سبعة وعشرين شهرا لان ثلثة اشهر مدة عدتها وسنتان اكثر مدة الحمل۔

ترجمہ:۔ اور یہاں اقل مدت حمل کا اعتبار کیا اور بالغہ میں اکثر مدت حمل کا اس لئے کہ نسب شبہے سے تو ثابت ہوتا ہے مگر شبہے پر شبہے سے ثابت نہیں ہوتا تو بالغہ میں ثبوت نسب بلوجہ شبہ وطی کے ہے کہ زمانہ نکاح میں وطی ہوئی ہوگی یا عدت میں اور نکاح یا عدت میں حقیقت وطی نسب ثابت کرتی ہے۔ تو شبہ وطی سے بھی نسب ثابت ہوگا لیکن مراہقہ کے بارے میں تو زمانہ نکاح میں اور زمانہ عدت یعنی تین مہینے کے اندر زیادہ سے زیادہ شبہ وطی ثابت ہے اور ان دونوں زمانوں میں عدم بلوغ کی وجہ سے حقیقۃً وطی بھی موجب ثبوت نسب نہیں ہے اور بالغ ہونا لڑکی کے حق میں ایک نئی بات ہے اس لئے قریبی وقت کی طرف اس کی نسبت ہوگی اور وہ ولادت کے وقت سے شمسی کے چھ مہینے ہیں یہ جو کچھ بتایا گیا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر طلاق رجعی ہو تو ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہوگا اس لئے کہ تین ماہ اس کی عدت کا زمانہ ہے اور دو سال اکثر مدت حمل ہے (مجموعہ ۲۷ ماہ ہوئے۔)

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) سلہ قولہ والمراد بالمراہقۃ الخ۔ ہاء کے کسرہ کے ساتھ کہا جاتا ہے "راھق الغلام فھو مراھق" (یعنی لڑکا بلوغ کے قریب ہوگیا) ایسے ہی "راھقت البنت فھی مراھقۃ" (لڑکی بلوغ کے قریب پہونچ گئی) یعنی سن بلوغ کو پہونچ جائے اور ابھی تک بلوغ کی علامت اس میں نہ پائی جائے

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ ففی البالغۃ الخ۔ یعنی جب مطلقہ کبیرہ میں نکاح یا عدت کے زمانہ میں حقیقی وطی سے نسب ثابت ہوتا ہے تو اسی طرح شبہ وطی سے بھی نسب ثابت ہوگا اس لئے احتیاطاً شبہ کا اعتبار ہوگا اور دو سال تک نسب ثابت ہونے کا حکم دیا جائے گا بخلاف صغیرہ کے کہ اس کے ساتھ حقیقی وطی سے بھی نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حمل ہونا بالغہ کے ساتھ خاص ہے اور یہاں بلوغ ہی نہیں اس لئے اس کے حق میں شبہ وطی بمنزلہ شبہ پر شبہ کے ہے۔ اور اس قسم کے مسائل میں شبہ کا تو اعتبار ہے مگر اس سے کمتر درجہ کا اعتبار نہیں ۱۲

سلہ قولہ یضاف الی اقرب الاوقات الخ کیونکہ یہ مقررہ ضابطہ ہے کہ وہ حادث جس کے زمانہ حدوث کا علم نہ ہو اسے اس کے وجود کے قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ "اشباہ" وغیرہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے فجر یا ظہر وغیرہ کی نماز پڑھنے کے بعد کپڑے میں منی کا اثر دیکھا اور اسے احتلام یاد نہیں تو وہ غسل کرے اور ان تمام نمازوں کا اعادہ کرے جو اس نے منی سے باخبر ہونے کے وقت اور قریب ترین نیند کے درمیان پڑھی ہیں ۱۲

وان[۱] کان الطلاق بائنا فالی سنتین لانها معتدة یحتمل ان تکون حاملا ولم تقر بانقضا العدة فصارت کالکبیرة ومعتدة اقرت بمضی العدة وولدت لاقل من نصف سنة ولنصفها لا لانها لما ولدت لاقل من نصف سنة من وقت الطلاق ظهر کذبها بیقین فبطل اقرارها اما ان ولدت لنصف سنة او اکثر من وقت الطلاق لا یثبت النسب لانا لا نعلم بطلان اقرار ثم لفظ المعتدة یشمل کل معتدة ومعتدة[۲] ظهر حبلها او اقر الزوج به او ثبت ولادتها بحجة تامة ای یثبت نسب ولد معتدة ادعت ولادا وانکرها الزوج وقد کان قبل الولادة حبل[۳] ظاهر او اقر الزوج بالحبل او شهد علی الولادة رجلان او رجل وامراتان۔

ترجمہ :۔ اور اگر طلاق بائن ہو تو دو سال تک ثبوت نسب ہوگا، کیونکہ وہ ایسی معتدہ ہے جس کے حاملہ ہونے کا بھی احتمال ہے اور اس نے عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہے اس لئے وہ بمنزلہ بالغہ شمار ہوگی (کہ وقت طلاق سے دو سال تک نسب ثابت ہوتا ہے) اور اگر کسی معتدہ عورت نے اقرار کیا کہ میری عدت تمام ہوگئی اور پھر چھ مہینے سے کم میں بچہ جنی تو نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر چھ مہینے کے بعد جنی تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ جب وہ طلاق کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں جنی تو یقینی طور پر اس کی غلط بیانی ظاہر ہوگئی اس لئے اس کا اقرار باطل ٹھہرے گا مگر جبکہ وہ چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت میں جنے تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اقرار کا باطل ہونا معلوم نہیں ہوا اور متن کا لفظ "معتدۃ" عام ہے ہر عدت والی کو شامل ہے۔ اور معتدہ جس کا حمل ظاہر ہو، یا زوج نے اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیا ہو یا اس کے اس بچہ جننا باقاعدہ مکمل بینہ سے ثابت ہو جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ یعنی اگر معتدہ عورت نے دعویٰ کیا کہ میں نے بچہ جنا ہے اور خاوند نے اس کی ولادت کا انکار کیا تو ولد کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ قبل ولادت کے حمل ظاہر تھا یا خاوند نے اس کے حمل کا اقرار کیا تھا یا اس کی ولادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیدیں۔

تشریح [۱] قولہ وان کان الطلاق بائنا الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک اگر اس مراہقہ کی طلاق رجعی ہو تو ثبوت نسب میں ستائیس ماہ کا اعتبار ہوگا کیونکہ مرد کا آخری حصہ عدت میں داخل قرار دینا ممکن ہے یعنی تین ماہ کے آخر میں کیونکہ رجعی کی عدت میں وطی حلال ہے پھر یہ حکم دیا جائے گا کہ اس کے ہاں اکثر مدت حمل کے اندر بچہ پیدا ہوا اور اکثر مدت حمل چوبیس ماہ ہے اور اگر طلاق بائن ہو تو اس میں طلاق کے وقت سے دو سال تک ثبوت نسب میں اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ طلاق کے وقت وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ تین ماہ کی مدت ختم ہونے کے بعد حاملہ ہوئی ہو جب دونوں احتمال موجود ہیں تو یہ اس بالغہ کی طرح ہوگی جو عدت ختم ہو جانے کا اقرار نہ کرے کہ دو سال تک اس کا نسب ثابت ہوتا ہے۔ طرفین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ صغیرہ کی عدت پوری ہونے کی ایک جہت شرعاً متعین ہے یعنی مہینے کا حساب اور جس کے بارے میں یہ جہت معلوم ہے محض احتمال سے اس کے زوال کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے تو تین ماہ گذر جانے پر شرعاً اس کی عدت تمام ہو جانے کا حکم دیا جائے گا اب اس کے خلاف ہونے کا احتمال معتبر نہ ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ طلاق کے وقت سے نو مہینے کے کم میں بچہ ہو کہ اس صورت میں لامحالہ عدت میں یا حالت نکاح میں حمل کا وجود ماننا پڑے گا۔

[۲] قولہ ومعتدة ظهر حبلها الخ جس مدت میں نسب ثابت ہوتا ہے اور جس میں ثابت نہیں ہوتا اسے بیان کرنے کے بعد اب ثبوت کی شرائط کا بیان ہے۔ خلاصہ یہ کہ حسب ذیل امور میں سے کسی ایک کے پائے جانے پر نسب ثابت ہوگا۔ ۱۔ حمل ظاہر۔ ۲۔ خاوند کا اقرار نسب۔ ۳۔ کامل حجت کے ساتھ ثبوت ولادت۔ ۴۔ ولادت کا دو سال سے کم میں ہونا۔ ۵۔ وارثین کا اقرار۔ ۶۔ بچہ جننے والی کا منکوحہ ہونا۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل عنقریب آئے گی اور معتدہ کے اطلاق میں موت، طلاق بائن اور رجعی سب معتدہ شامل ہیں۔

[۳] قولہ حبل ظاہر الخ اس کا ظاہر ہونا یہ ہے کہ حمل کی علامات اس طرح موجود ہوں کہ ہر دیکھنے والے کو ظن غالب ہو جائے کہ عورت حاملہ ہے (نہر) اور سراج میں ہے کہ اس کے ظہور کا مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو۔

بانْسلہ دخلت المرأة بيتا ولم يكن معها احدٌ ولا في البيت شئ والرجلان على الباب حتى ولدت فعلما الولادة برؤية الولد او سماع صوته وانما قيد الحجة بالتامة (اي ان داخل البيت ۱۲ منه) حتى لا يثبت بشهادة امرأةٍ واحدةٍ على الولادة خلافا لهما (اي الصاحبين ۱۲ منه) فالحاصل ان عند ابي حنيفة ان كان للمعتدة حبل ظاهر او اقر الزوج به تثبت الولادة بشهادة امرأة واحدة وان لم يوجد الحبل الظاهر او اقرار الزوج به (او ههنا لمنع الخلو فان الجمع بالطريق الاولى ۱۲ منه) لا بد من الحجة التامة وعندهما يثبت بشهادة امرأة واحدة او ولدت لاقل (سلہ) من سنتين واقر الورثة بها (اي المعتدة ۱۲ منه) اي ان كانت العدة عدة وفاة والمدة بين الموت والولادة اقل من سنتين

ترجمہ:۔ اس کی صورت مثلاً اس طرح ہوسکتی ہے کہ زوجہ تنہا گھر میں گئی اور اس کے ساتھ کوئی نہ تھا اور گھر میں بھی کوئی نہ تھا اور وہ دونوں مرد گھر کے دروازے پر تھے یہاں تک کہ عورت نے بچہ جنا اور ان دونوں کو ولادت کا علم ہوا بچہ کو دیکھ کر یا بچہ کے رونے کی آواز سن کر اور حجت تامہ کی قید اس لئے لگائی کہ (امام صاحب کے نزدیک) ولادت پر محض ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت نہ ہوگا بخلاف صاحبین کے (کہ ان کے نزدیک ثابت ہو جائے گا) خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر معتدہ کا حمل ظاہر ہو یا شوہر نے اس کے حاملہ ہونے کا پہلے اقرار کیا ہو تو محض ایک عورت ہی کی شہادت سے ولادت ثابت ہو جائے گی اور اگر حمل ظاہر نہ ہو یا اس کے بارے میں زوج کا اقرار نہ پایا جائے تو مکمل بینہ کی ضرورت ہے اور صاحبین کے نزدیک بہر صورت ایک ہی عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہو جاتی ہے اگر کوئی عورت عدت میں دو سال سے کم میں جنے اور وارثین نے اس کا اقرار کر لیا تو نسب ثابت ہو جائے گا یعنی معتدہ کی عدت اگر عدت وفات ہو اور خاوند کی موت اور ولادت کے مابین دو سال سے کم ہو (تو مولود کا نسب زوج میت سے ثابت ہو جائے گا)

تشریح:۔ سلہ قولہ ان دخلت المرأة الخ۔ اس صورت کو فرض کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ اس اعتراض کا جواب ہو جائے کہ حجت تامہ کے ذریعہ ثبوت ولادت کس طرح ممکن ہو سکتا ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی، کیونکہ اس کا علم صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ موقع ولادت میں حاضر ہوں اور عورت کی شرمگاہ دیکھیں، اور یہ بات مردوں پر حرام ہے اگر ایسا کریں گے تو فسق کا حکم لگے گا اور ان کی گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ عورتوں کے سوا اس مسئلہ میں گواہی کا نفوذ بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ ارتکاب حرام کے بغیر بھی مردوں سے اس کی شہادت ہو سکتی ہے جس کی صورت کی تفصیل شارح نے کر دی ہے ۱۲

سلہ قولہ حتی لا یثبت الخ یعنی محض ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت نہ ہوگا مثلاً دائی گواہی دے اگرچہ وہ اس کی ولادت کے وقت موجود رہی ہو جبکہ خاوند اس کا انکار کرے ہاں اعتراف کی صورت میں تعیین ولد کے بارے میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ یعنی خاوند ولادت کا اعتراف کرے مگر متعین لڑکے کا انکار کرے اور یہ کہے کہ اس نے یہ بچہ نہیں جنا ہے تو بالاجماع دائی کی گواہی سے تعیین ثابت ہو جائے گا اور بدون دائی کی شہادت کے تعیین ثابت نہ ہوگا ۱۲

سلہ قولہ لاقل من الخ۔ یعنی معتدہ وفات اگر خاوند کی وفات کے وقت سے دو سال کے کم میں بچہ جنے اور متوفی کے وارثین اس کی ولادت کا اعتراف کریں تو اس صورت میں بچہ کا نسب حجت تامہ کے بغیر ہی متوفی سے ثابت ہو جائے گا چاہے حمل ظاہر نہ ہوا ہو اور نہ ہی متوفی کا اقرار پایا جائے ۱۲

اعلم ان لفظ الوقاية وقع بالواو في قوله واقر الورثة بها والمذكور في الهداية يقتضي كلمة او لان عبارة الهداية هكذا ويثبت[1] نسب ولد المتوفى عنها زوجها ما بين الوفاة وبين سنتين فقوله ما بين الوفاة ظرف للولد فالولد[2] بمعنى المولود اي يثبت نسب من وُلِدَ في وقت بين الوفاة وبين سنتين ثم اورد هذه المسألة فان كانت معتدة عن وفاة فصدقها الورثة بولادتها ولم يشهد على الولادة احدٌ فهو ابنه فعلم من هاتين المسألتين ان[3] احدهما كاف وهو كون المدة اقل من سنتين او اقرار الورثة فان قيل ان اقر الورثة ب المدة بين الوفاة والولادة سنتان او اكثر لا اعتبار لاقرارهم۔

ترجمہ :۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ وقایہ کی عبارت میں " واقر الورثۃ بہا" واؤ کے ساتھ ہے لیکن ہدایہ کی عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بجائے واؤ کے او ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہدایہ کی عبارت اس طرح ہے " جو عورت اپنے شوہر کی موت کی عدت میں ہے اس کے ولد کا نسب اس خاوند سے ثابت ہوگا جبکہ وفات اور دو سال کے درمیان ہو" تو اس عبارت میں "درمیان میں ہونا" یہ ظرف ہے ولد کا اس لئے کہ ولد بمعنی مولود (جس کی ولادت ہوئی) کے معنی میں ہے یعنی وفات اور دو سال کے درمیانی وقت میں جس کی ولادت ہوئی اس کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔ پھر صاحب ہدایہ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ "پس اگر وہ عورت معتدۂ وفات ہو اور وارثین نے اس کی ولادت کی تصدیق کی تو اس کا بچہ شوہر کا بیٹا شمار ہوگا اگرچہ اس ولادت پر دوسری کوئی شہادت نہ ہو ان دونوں مسئلوں سے واضح ہوگیا کہ ان دو باتوں میں ایک کافی ہے ثبوت نسب کے لئے یعنی وفات کے بعد دو سال سے کم مدت میں ولادت ہو یا تو وارثین اقرار کرلیں اس پر اگر کوئی اشکال کرے کہ وفات اور ولادت کے درمیان دو سال یا اس سے زیادہ مدت ہونے کی حالت میں اگر وارثین اقرار کریں تب تو ان کے اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

تشریح :۔ [1] قولہ ویثبت الخ۔ امام عینی نے بنایہ میں فرمایا ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ متوفی کی بیوہ صغیرہ نہ ہو کیونکہ اگر صغیرہ ہو تو دس ماہ اور دس دن سے کم میں بچہ ہونے سے نسب ثابت ہوگا اور اگر اس کے بعد ہوا تو امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک ثابت نہ ہوگا۔ بخلاف امام ابو یوسفؒ کے ۱۲

[2] قولہ فالولد الخ۔ یہ اس اشکال کا جواب ہے کہ لفظ ولد تو مشتق نہیں تو پھر یہ کس طرح ظرف پر عمل کرے گا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ولد دراصل مشتق کے مفہوم کو متضمن ہے کیونکہ ولد بمعنی "المولود" ہے اور الف لام موصول ہے اب معنی یہ ہوں گے " یثبت نسب ولد معتدۃ الوفاۃ الذی وُلِدَ فی زمان کائن بین وفاۃ الزوج وبین تمام سنتین ۱۲

[3] قولہ ان احدہما الخ۔ یعنی ہدایہ کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ معتدہ بالوفاۃ کے لڑکے کے ثبوت نسب کے لئے دو باتوں میں سے ایک کافی ہے اول یہ کہ وفات اور ولادت کے درمیان دو سال سے مدت کم ہو چاہے اس کے وارثین اقرار نہ بھی کریں دوسری بات یہ کہ خاوند کے وارثین ولادت کا اقرار کرلیں تو بھی نسب ثابت ہوگا اور دونوں امر کا متحقق ہونا ضروری نہیں جیسا کہ متن کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

وانما یُعتبر اقرارهم اذا کانت المدة اقل من سنتین فالواجب کلمة الواو وقلنا احدهما کاف ای المدة او الاقرار ای اذا کانت المدة اقل من سنتین یثبت النسب وان لم یعلم المدة بین الوفاة والولادة فح ان اقر الورثة یعتبر اقرارهم فیجب ان تغیّر عبارة الوقایة الی هٰذا النمط وتثبت ولادتها بحجة تامة او علم انها ولدت بعد وفاته لاقل من سنتین اولم یُعلم واقرار الورثة به نقوله اولم یُعلم الی اخره یشمل ما اذا لم یُعلم انه وُلد قبل الموت او بعده وعلی تقدیر العلم بان ولادته بعد موت الزوج لایُعلم انه وُلِدَ لاقل من سنتین اولسنتین او اکثر لکن اقر الورثة ان هٰذا الولدُ وُلد مورثهم فاذا اقروا بذلك فالذی اقر ان لم یکن ممن یصح شهادته لعدم نصاب الشهادة او عدم العدالة یُعتبر اقراره فی الارث فی حقه فقط وان صح شهادته یثبت نسبه مطلقاً ای فی حق المُقِر وفی حق غیره۔

ترجمہ:۔ ان کا اقرار تو صرف اسی وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ درمیانی مدت دو سال سے کم ہو اس لئے "او" کے بجائے "واؤ" ہونا ضروری ہے۔ (یعنی ثبوت نسب کے لئے دونوں باتیں متحقق ہونی چاہئیں ایک کافی نہیں) تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ "ایک ہی کافی ہے یعنی مدت اور یا تو اقرار" مطلب یہ کہ (۱) وفات اور ولادت کی درمیانی مدت اگر دو سال سے کم ہو تو نسب ثابت ہوگا (۲) اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وفات اور ولادت کے درمیان کتنی مدت گذری تو (معلوم نہ ہونے کی صورت میں) اگر وارثین اقرار کرلیں تو ان کا اقرار معتبر ہوگا (اور نسب ثابت ہو جائے گا غرض اقرار ورثہ کی صورت میں مدت معلوم ہونے کی حالت شامل نہیں تاکہ مذکورہ شبہ وارد ہو) اس لئے وقایہ کی عبارت اس طرح بدل دینی چاہئے (تاکہ اور کوئی اشکال وارد نہ ہو) اور معتدہ وفات کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا (۱) اگر اس کی ولادت حجت تامہ سے ثابت ہو یا (۲) یہ معلوم ہو کہ شوہر کی وفات کے بعد دو سال سے کم مدت میں جنی ہے یا (۳) وقت مدت معلوم نہیں لیکن وارثین بچہ کے نسب کا اقرار کرلیں تو معلوم نہ ہونے کی صورت اس حالت کو شامل ہے جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ شوہر کی موت کے قبل جنی ہے یا موت کے بعد اور اس حالت کو بھی شامل ہے جبکہ یہ تو معلوم ہو کہ شوہر کی موت کے بعد جنی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ دو سال سے کم مدت میں جنی ہے یا دو سال کی مدت پوری ہونے پر یا دو سال سے زیادہ گذر جانے کے بعد جنی ہے لیکن اقرار کیا ورثہ نے کہ یہ لڑکا ان کے مورث کا ہے تو اگر صاحب اقرار ایسا ہے کہ اس کی شہادت صحیح نہیں ہو سکتی نصاب شہادت کامل نہ ہونے یا عدم عدالت کیوجہ سے تو لڑکا وارث ہونے کے حکم میں یہ اقرار معتبر ہوگا صرف اس مقر کے حق میں اور اگر (شرائط شہادت محقق ہونے کی بنا پر) شہادت صحیح ہو تو مقر اور غیر مقر سب کے حق میں علی الاطلاق اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ (اور وقت و مدت معلوم نہ ہونے کی صورت میں اگر ورثہ نے اقرار نہیں کیا تو اس بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا)

تشریح:۔ [۱] قولہ ان لم یعلم الخ۔ خلاصہ یہ کہ یہاں تین صورتیں پیش آسکتی ہیں ۱۔ معلوم ہو کہ عورت کے ہاں دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا اس صورت میں ثبوت نسب کے لئے وارثین کے اقرار کی ضرورت نہیں۔ ۲۔ یہ معلوم ہو کہ دو سال یا اس سے زیادہ مدت گذرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا، اس صورت میں متوفی سے نسب ثابت نہ ہوگا چاہے وارثین اس کی ولادت کا اقرار کریں کیونکہ اس اقرار کا باطل ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حمل دو سال سے زیادہ نہیں رہتا ۳۔ تیسری یہ کہ دو سال سے کم ہونا بھی معلوم نہیں زیادہ ہونا بھی معلوم نہیں، اس صورت میں وارثین کے اقرار کا اعتبار رہے گا۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ثبوت نسب کیلئے دونوں امر کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری نہیں کہ دو سال سے کم ہو اور ورثہ اقرار بھی کریں بلکہ ان دونوں میں سے ایک کا ہونا کافی ہے۔

ومنكوحة اتت به لستة اشهر اى من وقت النكاح اقر به الزوج او سكت فان ثبوت نسب ولد المنكوحة لا يحتاج الى اقرار فان جحد ولادتها يثبت بشهادة امرأة فيلاعن ان نفاه اى بعد ما يثبت ولادتها بشهادة امرأة نفى الولد اى قال ليس منى ولاقل منها لا يثبت عطف على قوله لستة اشهر فانه اذا كان بين النكاح والولادة اقل من ستة اشهر لا يكون منه فان ولدت وادعت نكاحها منذ ستة اشهر والزوج الاقل صدقت بلا يمين عند ابى حنيفة لان الظاهر شاهد لها بان الولد من النكاح لا من السفاح ولو علق طلاقها بولادتها فشهدت امرأة بها لم يقع۔

ترجمہ :۔ اور اگر ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہ جنی چھ مہینے میں (یا زیادہ مدت میں) یعنی نکاح کے وقت سے (تو اس کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا) برابر ہے کہ خاوند اقرار کرے یا چپ رہے کیونکہ منکوحہ عورت کے ولد کے ثبوتِ نسب کے لئے اقرار کی کوئی حاجت نہیں اور اگر خاوند عورت کی ولادت کا انکار کرے تو ایک عورت کی گواہی دینے سے نسب ثابت ہو جائے گا پھر اگر خاوند لڑکے کی نفی کرے تو وہ لعان کرے گا یعنی ایک عورت کی گواہی سے عورت کی ولادت ثابت ہونیکے بعد اگر خاوند لڑکے کی نفی کرے یعنی کہے کہ یہ لڑکا مجھ سے نہیں (تو اس کو لعان کرنا پڑے گا) اور اگر وہ عورت چھ مہینے سے کم میں جنی تو نسب ثابت نہ ہوگا اس کا عطف ہے ماتن کے قول "لستة اشهر" پر یعنی نکاح اور ولادت کے درمیان اگر چھ مہینے سے کم ہو تو لڑکے کا نسب اس شوہر سے ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر نکاح کے بعد جنی اور زوجہ نے دعویٰ کیا کہ نکاح کو چھ مہینے ہو چکے اور مرد نے دعویٰ کیا کہ ابھی چھ مہینے نہیں ہوئے تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔ بغیر قسم کے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، کیونکہ ظاہر حال عورت کی تائید میں ہے کہ مسلمان کی اولاد نکاح سے ہوتی ہے نہ کہ زنا سے اور اگر خاوند نے عورت کی طلاق کو اس کی ولادت سے معلق کیا اس کے بعد ایک عورت نے گواہی دی اس کی ولادت پر تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح :۔ (بقیہ صہ گزشتہ) سلہ قولہ الشیل الخ یعنی بدلی ہوئی عبارت کے اندر "او لم يُعلم واقر الورثة" کے اندر دو صورتیں داخل ہیں۔ ۱۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ بچہ زوج کی موت سے پہلے پیدا ہوا یا بعد میں ۲۔ یہ تو معلوم ہے کہ زوج کی موت کے بعد پیدا ہوا لیکن یہ معلوم نہیں کہ دو سال پورے ہونے سے پہلے پیدا ہوا یا بعد میں پیدا ہوا۔ ان دونوں صورتوں میں اگر وارثین اقرار کریں کہ یہ بچہ ان کے مورث کا ہے تو ثبوت نسب کے لئے ان کا یہ اقرار کافی ہے ۱۲

سلہ قولہ فالذی اقر الخ یعنی ورثہ کا اقرار معتبر ہونے میں کچھ تفصیل ہے (۱) اگر اقرار میں نصاب شہادت مکمل نہ ہو مثلاً صرف ایک وارث اقرار کرتا ہے دوسرا کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں یا اقرار کرنیوالے ہیں تو دو وارث یا زیادہ مگر وہ عادل نہیں تو ایسا اقرار خاص کر اقرار کرنے والے کے حق میں معتبر ہوگا۔ دوسروں کے حق میں جنھوں نے اقرار نہیں کیا حجت نہ ہوگی صرف مقر کے حصہ میں بچہ شریک ہوگا اوروں کے حصہ میں نہیں (۲) اور اگر عدد و صفت کے لحاظ سے نصاب شہادت مکمل ہو تو یہ حجت تامہ ہوگی تمام وارثین کے حق میں نسب ثابت مانا جائے گا اور بچہ وراثت میں سب وارثین کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ لا يحتاج الى الاقرار الخ کیونکہ حدیث میں ہے "بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی پر رجم ہے" بخاری اور دیگر ارباب صحاح نے اس کی تخریج کی ہے اس بناء پر فقہاء نے فرمایا کہ اگر مشرق کا کوئی مرد مغرب کی کسی عورت سے نکاح کرے اور یہ معلوم نہ ہو کہ شوہر اپنی بیوی سے کبھی ملا ہے یا شادی ہوتے ہی خلوت سے پہلے ہی شوہر اس سے غائب ہو جائے اور وقت نکاح سے چھ ماہ کے بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت ہوگا کیونکہ کرامت کے طور پر یا جن کی مدد سے باہمی ملاپ کا امکان موجود ہے لیکن اگر چھ سے کم مدت میں بچہ ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا اسی طرح اگر شوہر بالکل صغیر نا قابل جماع ہو کیونکہ اس مدت میں اس کی وطی سے بچہ پیدا ہونا یا ایسے صغیر کا وطی کرنا ممکن ہی نہیں اس سے معلوم ہو گیا۔ (باقی صہ آئندہ پر)

هٰذا عند ابی حنیفة واما عندهما یقع لانّ الولادة تثبت بشهادة امرأة ثم یثبت الطلاق بالتبعیة ولهٗ ان الولادة تثبت بشهادة امرأة ضرورة فیتقدر بقدرها فلا یتعدّی الی الطلاق وهو لیس تبعًا لها لانّ کلا منهما یوجد بدون الآخر وان اقرّ بالحبل ثم علّق ای علق طلاقها بولادتها فقالت قد ولدتُ وکذّبها الزوج۔

ترجمہ:- یہ مذہب ہے امام ابو حنیفہ رح کا، لیکن صاحبین کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ ولادت ایسا امر ہے کہ ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے پھر طلاق تو خود بخود تبعًا ثابت ہو جائے گی اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ولادت ایک عورت کی شہادت سے بضرورتِ نسب ثابت ہوتی ہے اس لئے یہ حکم ثبوت طلاق کی طرف متعدی نہ ہوگا (لان الثابت بالضرورة یتقدر بقدرہا) اور طلاق تابع ولادت نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک بدون دوسرے کے پایا جاتا ہے۔ اور اگر خاوند نے حمل کا اقرار کیا اور پھر تعلیق کی، یعنی اس کی ولادت پر طلاق کو معلق کیا اس کے بعد عورت نے ولادت کا دعویٰ کیا اور خاوند نے اس کا انکار کیا۔

تشریح:- (بقیہ صد گذشتہ) کہ صاحب فراش کے لئے نسب ثابت ہونے کا حکم بشرط امکان ہے اگر ممکن ہی نہ ہو تو محض عقد نکاح سے نسب ثابت نہ ہوگا ۱۲

سے قولہ بشہادة امرأة الخ یعنی اگر خاوند نے منکوحہ کی ولادت سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کے بطن سے بچہ نہیں ہوا اور عورت نے کہا کہ ہوا ہے تو ایک عورت مثلًا دائی کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جائے گی اور اس کے لئے شہادت کاملہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں ثبوت نسب درحقیقت صاحب فراش ہونے پر مبنی ہے اس لئے حجت تامہ یا ظہور حمل یا اقرار زوج میں سے کسی بات کی ضرورت نہ ہوگی — جیسا کہ معتدہ کے بچہ کے نسب کے بارے میں ذکر ہو چکا۔ البتہ اگر اس کے بعد بھی شوہر ولد کی نفی کرے اور کہے کہ یہ بچہ میرے نطفہ اور پانی سے نہیں تو یہ اپنی زوجہ پر تہمت زنا ہے جس پر لعان واجب ہوگا جس کی تفصیل باب لعان میں گذر چکی ہے ۱۲

سلہ قولہ لا من السفاح الخ سین کے کسرہ کے ساتھ بمعنی زنا، یعنی ظاہر حال سے عورت کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ وہ اس بات کی دعویدار ہے کہ لڑکے کا نسب خاوند سے ثابت ہے اور حمل حلال وطی کا ہے حرام کا نہیں اور ہر مسلمان مرد و عورت کے ظاہر حال کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حلال پر قائم ہو حرام سے مجتنب رہے ۱۲

سلہ قولہ ولو علق الخ یعنی جب مرد نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر میں تجھ سے نکاح کر دوں اور تیرے بچہ ہو تو تجھ پر طلاق ہے آخر اس نے اس سے نکاح کیا اور اس کے ہاں بچہ ہوا اور خاوند نے بچہ ہونے سے انکار کیا اور دائی نے بچہ ہونے کی گواہی دی تو اس گواہی سے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ نسب ثابت ہو جائے گا چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت پر جننے سے اور صاحبین کے نزدیک تبعًا طلاق بھی واقع ہو جائے گی ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ ولہ الخ یعنی امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک عورت کی شہادت سے ولادت کا ثبوت ضرورت کی بنا پر ہے کہ یہ ایسا موقع ہے جہاں عمومًا مرد موجود نہیں ہوتے اور زیادہ تر دائی ہی موجود رہتی ہے اب اگر اس کا قول معتبر نہ ہو تو بڑی دشواری پیدا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ امام زہریؒ فرماتے ہیں "سنت یہ ہے کہ جن باتوں کی خبر عورتوں کے سوا دوسرا کوئی نہیں دے سکتا ان میں عورتوں کی گواہی جائز ہوتی ہے (اخرجہ ابن ابی شیبہ) اور قاعدہ ہے کہ جو چیز ضرورت کے باعث ہو وہ ضرورت کی حد تک محدود رہتی ہے دوسرے امور کی طرف تجاوز نہیں کرتی اس لئے اس طرح کی شہادت سے طلاق ثابت نہ ہوگی اور تابع تو اسی امر کو قرار دیا جاتا ہے جو دوسرے سے جدا نہ ہو حالانکہ طلاق اور ولادت ایک دوسرے سے جدا ہو کر پائی جاتی ہے ۱۲

يقع بلا شهادة هذا عند ابي حنيفة رح وعندهما تشترط شهادة القابلة لانها تدعى

(ای انطلاق المعلق بالولادۃ ۱۲ عمدہ)

حِنثه فلابد من الحجة وله ان اقراره بالحبل اقرار بما يفضي اليه وهو الولادة

(مفادہ انہ شرط من الانقضاء ۱۲ عمدہ)

واكثر مدة الحمل سنتان[2] واقلها ستة اشهر ومن نكح امة فطلقها فشراها

(ای تلک الامۃ ۱۲ عمدہ) (ای بعد الطلاق ۱۲ عمدہ)

فان ولدت لاقل من ستة اشهر منذ شراها لزمه والا فلا لانه اذا كان بين

(ای ثبت منہ نسبہ بلا دعوۃ ۱۲ عمدہ)

الشراء والولادة اقل من ستة اشهر كان العلوق سابقا على الشراء فهو ولد

منكوحته فيلزم بلا دعوة اما اذا كانت المدة ستة اشهر او اكثر فالولد

(بکسر الدال ای بغیر دعوی النسب ۱۲ عمدہ)

ولد مملوكته لان العلوق امر حادث فيضاف الى اقرب الاوقات فلا يلزم[3] بلا دعوة

ترجمہ :- تو طلاق پڑجائے گی عورت پر بغیر شہادت کے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین کے نزدیک ثبوت ولادت کے لئے دایہ کی شہادت شرط ہے کیونکہ عورت دعوی کرتی ہے خاوند پر کہ اس کی شرط متحقق ہوگئی تو ثبوت دعوی کے لئے دلیل ہونی ضروری ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے حمل کا اقرار کرلیا تو گویا اس نے ولادت کا اقرار کرلیا کیونکہ ولادت مرتب ہوتی ہے حمل پر۔ اور اکثر مدت حمل دو برس ہیں اور کم از کم مدت چھ مہینے ہیں اور جس شخص نے نکاح کیا کسی کی لونڈی سے پھر اس کو طلاق دی اس کے بعد اس کو خرید لیا اب اگر وہ خریدنے کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں جنی تو خریدنے والے پر اس کا نسب لازم ہوجائے گا ورنہ لازم نہ ہوگا کیونکہ ولادت اور خریدنے کے درمیان اگر چھ مہینے سے کم مدت ہو تو یہ حمل یقیناً خریدنے سے پہلے کا ہوگا، جبکہ یہ اس کی منکوحہ تھی تو اپنی منکوحہ کے ولد ہونے کی حیثیت سے بغیر دعوہ کے نسب لازم ہوجائے گا۔ لیکن اگر چھ مہینے کی مدت میں یا زیادہ میں جنی تو یہ ولد اس کی مملوکہ کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ حمل ایک نیا واقعہ ہے (اور ہر نئی بات قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتی ہے) اس لئے یہ حمل قریبی وقت کی طرف منسوب ہوگا اور بدون دعوی کے ثابت نہ ہوگا

تشریح :- [1] قولہ تدعی حِنثہ الخ یعنی عورت شوہر کے اس کے یمین میں حانث ہونے کا دعوی کرتی ہے کہ طلاق معلق اس پر واقع ہوگئی کیونکہ تعلیق میں جزا کا واقع ہونا بمنزلہ یمین میں حانث ہونے کے ہے اور مرد تحقق شرط کا منکر ہے اس لئے عورت پر لازم ہے کہ حجت قائم کرے خواہ ایک عورت کی گواہی سہی کیونکہ اس سے ولادت ثابت ہوجاتی ہے اور وقوع طلاق تبعاً ثابت ہوجائے گا کما مر سابقا ۱۲

[2] قولہ سنتان الخ۔ اس باب میں اصل حضرت عائشہ صدیقہ کا قول ہے کہ عورت کا حمل دو سال سے چرخے کے سایہ برابر بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (بیہقی، دارقطنی) اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جو باتیں عقل سے بالا ہوتی ہیں ان میں صحابی کا قول خصوصاً مقدار اور عدد کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول ہوتا ہے۔ سید شریف نے شرح سراجی میں بتایا کہ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک حمل کی زیادہ مدت دو سال ہے اور غیث بن سعد کے نزدیک تین سال ہے اور امام شافعی کے نزدیک چار سال ہے اور زہریؒ کے نزدیک سات سال ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ ضحاک چار سال کے ہوکر پیدا ہوئے۔ ان کے اگلے دو دانت اُگ آئے تھے اور وہ ہنس رہے تھے اس لئے ان کا نام ضحاک پڑگیا۔ نیز عبدالعزیز ماجشونی بھی چار سال پر پیدا ہوئے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی دو سال تک بیوی سے غائب رہا پھر واپس آیا تو وہ حاملہ تھی حضرت عمر نے اسے رجم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معاذ نے فرمایا اگر آپ کو عورت پر سزا کا حق ہو بھی لیکن اس کے پیٹ کے بچہ پر تو نہیں پس انھوں نے اسے چھوڑ دیا آخر اس کے ہاں لڑکا ہوا اس کے اگلے دو دانت اُگ آئے تھے اور وہ اپنے باپ کے مشابہ تھا۔ خاوند نے کہا، رب کعبہ کی قسم یہ میرا بیٹا ہے آخر حضرت عمر نے اس کا نسب ثابت کردیا اور فرمایا اگر معاذ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہوجاتا۔ ان واقعات کی توجیہ عمدۃ الرعایہ میں مذکور ہے۔ بہر حال یہ واقعات شاذ و نادر ہیں اور حکم قضا عموم احوال پر مبنی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲ ع

[3] قولہ فلا یلزم بلا دعوۃ الخ۔ درمختار میں ہے کہ فراش کے چار درجات ہیں (۱) ضعیف، یہ لونڈی کا فراش ہے کہ مولی کے دعوی کے بغیر نسب ثابت نہیں ہوتا۔ (۲) متوسط یہ ام ولد کا فراش ہے کہ بلا دعوی نسب ثابت ہوتا ہے مگر نفی کرنے سے نفی ہوجاتی ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

ومن قال لامتہ ان کان فی بطنک ولد فھو منی فشھدت علی الولادۃ امرأۃ فھی ام ولدہ او لطفل عطف علی قولہ لامتہ ھو ابنی ومات فقالت أم الطفل ھو ابنہ وانا زوجتہ یرثانہ ای یرث الطفل وامہ من المقر لان المسألۃ فیما اذا کانت المرأۃ معروفۃ بالحریۃ وبکونھا ام الطفل فلا سبیل علیہ الی بنوۃ الطفل لہ الا بنکاح امہ نکاحا صحیحا لانہ ھو الموضوع للحل وان قال وارثہ انت ام ولدہ وجھلت حریتھا لا ترث ای ام الطفل ویرث الطفل والحضانۃ للام بلا جبر ھا طلقت اولا ثم لامھا وان علت ثم لام ابیہ ثم لاختہ لاب وام ثم لام ثم لاب ثم لخالتہ کذلک ای لاب وام ثم لام ثم لاب۔

ترجمہ:- اور اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں ولد ہے تو وہ میرا ہے اور شہادت دی اس کی ولادت پر ایک عورت نے تو لڑکے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور) وہ لونڈی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور اگر کسی نے ایک لڑکے کو کہا "او لطفل" کا عطف ہے "لامتہ" پر (یعنی کسی چھوٹے بچے کے بارے میں کہا) کہ یہ میرا فرزند ہے اس کے بعد وہ شخص مرگیا اور لڑکے کی ماں نے کہا کہ یہ لڑکا واقعی اس شخص کا بیٹا ہے اور میں اس کی بیوی ہوں تو دونوں وارث ہوں گے یعنی وہ لڑکا اور اس کی ماں اس اقرار کرنے والے شخص کے وارث ہوں گے کیونکہ یہ مسئلہ اس صورت پر مبنی ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ایک آزاد عورت ہے اور یہ کہ یہی اس بچہ کی ماں ہے تو اس بچہ کا اس شخص کے لڑکا ہونے کا ایک طریقہ ہے کہ اس کی ماں کے ساتھ نکاح صحیح ہوا ہو، کیونکہ وطی حلال ہونے کے لئے دراصل نکاح ہی موضوع ہے اور اگر معلوم نہ ہو کہ یہ ایک آزاد عورت ہے اور مقر کے وارثوں نے کہا کہ تو اس کی ام ولد ہے تو میراث نہ ملیگی۔ یعنی لڑکے کی ماں وارث نہ ہوگی البتہ لڑکا وارث ہوگا۔ اور بچہ کی پرورش کے حقدار اول ماں ہے لیکن اس پر جبر نہیں کیا جائے گا خواہ شوہر نے اس کو طلاق دیدی ہو یا نہ دی ہو اور ماں نہ ہو تو نانی حقدار ہے اگرچہ اوپر کے درجہ کی ہو (یعنی نانی کی ماں اور نانی کی نانی) اور نانی نہ ہو تو دادی حقدار ہے اور دادی نہ ہو تو حقیقی بہنیں، پھر اخیافی بہنیں پھر علاتی بہنیں پھر ماں کی بہنیں اسی ترتیب پر یعنی اول ماں کی حقیقی بہنیں پھر ماں کی اخیافی بہنیں پھر ماں کی علاتی بہنیں۔

تشریح:- (ملاحظہ صفحہ گذشتہ) (۳) قوی، منکوحہ کا فراش ہے اور معتدہ رجعی کا کہ نفی سے بھی منتفی نہیں ہوتی سوائے لعان کے (۴) اقوی، معتدہ بائنہ کا فراش اس میں قطعاً نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی نفی لعان پر موقوف ہے اور لعان کی شرط زوجیت کا قائم رہنا ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ او لطفل الخ یہ چند قیودات سے مقید ہے (۱) کہ بچہ ایسا ہو کہ اس جیسے اقرار کرنیوالے سے اس جیسا بچہ ہونا ممکن ہو اگر ایسا نہ ہو مثلاً وہ اقرار کرنیوالے کی عمر کی برابر یا زیادہ یا اتنی کم عمر کا ہو کہ اس عمر کا بھی اس سے پیدا ہونے کا امکان نہیں تو اس کا اقرار باطل ہوگا کیونکہ اس کا جھوٹا ہونا بروئے عقل ظاہر ہے (۲) دوسرے سے اس بچہ کا نسب ثابت شدہ نہ ہو اگر ایسا ہوا تو مقر کا قول معتبر نہ ہوگا (۳) خود لڑکا اس کی تکذیب نہ کرتا ہو ۱۲

سلہ قولہ لانہ ہو الموضوع للحل الخ۔ اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے نکاح صحیح سے نسب ثابت ہوتا ہے ایسے نکاح فاسد اور شبہ کی وطی اور ملک یمین کے ذریعہ بھی نسب ثابت ہوتا ہے تو اس بچہ کے لڑکا ہونے سے اس کی ماں کی زوجیت لازم نہیں آتی کہ وہ وارث بن جائے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ حل وطی کے لئے نکاح ہی موضوع ہے اور کسی کی وضع دراصل حل کے لئے نہیں ہے اس لئے نکاح ہی پر محمول کیا جائے گا ۱۲

(باقی صفحہ آئندہ پر)

فان الخالة اخت الام فاختها لاب وام اولی ثم اختها لام ثم لاب وذلك لان الاصل فی هٰذا الباب الام فالقرابة من جهتها قدمت علی القرابة من طرف الاب ثم عمته کذلك ای لاب وام ثم لام ثم لاب فان العمة اخت الاب فتقدم اختہ لاب وام ثم لام ثم لاب بشرط حریتهن فلا حق لامة وام ولد فیه ای فی الولد والذمیة کالمسلمة فیه حتی یعقل دینا ای فی ولد المسلم وفی الهدایة مالم یعقل دینا او یُخاف ان یالف الکفر وقوله او یخاف یجب بالجزم وهو یخف لانه عطف علی المجزوم بلم لان المعنی مالم یخف وهٰذا القید.

ای باب الحضانة ۱۲ عمدہ — ای یقدم الاشفق فالاشفق ۱۲ عمدہ — ای فی الولد وفی حق الحضانة ۱۲ عمدہ — ای صاحب الهدایة ۱۲ عمدہ — ای یخاف معطوف ۱۲ عمدہ

ترجمہ :- کیونکہ خالہ ماں کی بہن ہے تو ماں کی حقیقی بہن مقدم ہوں گی پھر اخیانی پھر علاتی کی نوبت آئے گی اور یہ اس بنا پر ہے کہ پرورش کے معاملہ میں ماں ہی اصل ہے اس لئے ماں کے بعد ماں کی طرف کی قرابت مقدم ہوگی باپ کی طرف کی قرابت پر پھر اس کی پھوپھی حقدار ہوگی اسی ترتیب پر یعنی اول حقیقی پھوپھی پھر اخیانی پھوپھی پھر علاتی پھوپھی کیونکہ پھوپھی تو باپ کی بہن ہوئی تو دہاں میں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہوگی کہ اول باپ کی حقیقی بہن حقدار ہوگی پھر اخیانی بہن پھر علاتی بہن. اور یہ جب ہے کہ یہ عورتیں آزاد ہوں اسواسطے کہ لونڈی اور ام ولد کو حق تربیت نہیں ہے اس پر یعنی اپنی اولاد پر اور پرورش کے بارے میں ذمی عورت کا حکم مثل مسلمہ کے ہے جب تک کہ بچہ کے اندر دین کی سمجھ پیدا نہ ہو یعنی مسلمان شوہر کے لڑکے کی تربیت کا حق ذمیہ ماں کو حاصل ہوگا سن تمیز میں پہونچنے تک اور ہدایہ میں ہے کہ جب تک بچہ میں دین کی سمجھ پیدا نہ ہو یا کفر سے الفت پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو. یہاں صاحب ہدایہ کی عبارت میں "یُخافُ" الف اور حرکت کے ساتھ حالانکہ "یخف" جزم کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ اس فعل کا عطف ہے "یعقل مجزوم" "بلم" پر اس لئے عطف کے حاصل معنی یہ ہوا "مالم یخف" (جب تک اندیشہ نہ ہو) اور یہ قید.

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) سلہ قولہ والحضانۃ الخ حا پر فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے یعنی بچہ کی تربیت کا حق والدین کے درمیان نکاح کی موجودگی میں یا طلاق یا موت کے باعث افتراق کی صورت میں ماں ہی کو حاصل ہے اور ماں سے مراد نسبی ماں ہے کیونکہ رضاعی ماں کو حق پرورش حاصل نہیں اور دلیل اس میں وہ حدیث ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ حفاظت خانہ تھا اور میرے پستان میں اس کی سیرابی ہے اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اب وہ چاہتا ہے کہ اسے مجھ سے چھین لے آپ نے فرمایا "جب تک تو نکاح نہ کرلے تب تک تو ہی اس کی زیادہ مستحق ہے (احمد، ابوداؤد، حاکم بیہقی عبداللہ بن عمرؓ سے) اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ماں بچہ پر باپ سے زیادہ شفیق اور زیادہ خیال رکھنے والی ہوتی ہے اور اسی لئے ماں کی قرابتوں کو باپ کی قرابتوں پر مقدم رکھا گیا. ۱۲

سلہ قولہ بلا جبر الخ یعنی اگر عورت اپنے بچہ کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے سے انکار کردے تو اس پر جبر نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی عذر کے سبب اس سے عاجز ہو، ہاں اگر اور کوئی عورت نہ ملے تو پھر ماں پر جبر کیا جا سکتا ہے تاکہ بچہ کا حق کلیۃً فوت نہ ہو ۱۲ نہایہ

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ بشرط حریتهن الخ. یعنی مذکورہ قرابت داروں کو حق پرورش ہے آزاد ہونے کی شرط پر کیونکہ غیر آزاد عورت اپنے آقا کی خدمت میں مصروف رہتی ہے اس لئے وہ بچہ کی تربیت نہیں کرسکتی، البتہ مبتغی میں ہے کہ اگر بچہ غلام ہو تو یہ عورتیں غیر آزاد ہونے کی صورت میں بھی حقدار ہوں گی کیونکہ ایسی حالت میں بچہ کی پرورش دراصل مولیٰ کی خدمت میں شامل ہے ایسے ہی مکاتبہ کا بچہ جو کہ کتابت کے بعد پیدا ہو تو اس کی ماں حقدار ہوگی۔ کیونکہ بچہ بھی ضمناً کتابت کے اندر داخل ہے ۱۲

سلہ قولہ وہٰذا القید الخ یعنی کفر کے ساتھ مانوس ہونے کا اندیشہ نہ ہونے کی قید جو کہ ہدایہ میں مذکور ہے اس کا ذکر وقایہ کے متن میں نہیں ہے حالانکہ اس کا ذکر ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات بچہ کے اندر دینی سمجھ پیدا نہیں ہوتی دین کی خوبی اور برائی سے واقف نہیں ہوتا لیکن کفر سے الفت پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے مثلاً کافروں کے ہمراہ وہ کافروں کی عبادت گاہوں میں جانے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

لم یذکر فی الوقایۃ ویجب رعایتہ لان تألّف الکفر قد یکون قبل تعقّل الدین[۱] فاذا خِیفَ تألُّف الکفر یُنزَعُ عنہا[۱] وبنکاح غیرِ محرمٍ منہ یسقط حقہا ای فی الحضانۃ[۲] وبمحرمٍ لا کاُمٍّ نکحت عمّہ وجدّۃٍ جدّہ ای جدّۃ نکحت جدّہ فہذا من باب العطف علی معمولَی عاملَین والمجرور مقدم ویعود الحق بزوال نکاحٍ سقط بہ[۳] ثم العصبات علی ترتیبہم لکن لا تدفع صبیۃ الی عصبۃ غیر محرم کمولی العَتاقۃ وابن العم ولا فاسقٍ ماجنٍ ای الذی یُعلِّم الناس الحِیَلَ ولا یخیّر طفل خلافاً للشافعیؒ

بعینہٖ المجہول من النزع ۱۲ عدہ

ام الام او ام الاب ۱۲ عدہ

الجملۃ صفۃ نکاح ۱۲ عدہ

بفتح السین ۱۲

اسم فاعل من المجن بمعنی خلط و فساد ۱۲ عدہ

ترجمہ:- وقایہ میں نہیں ہے حالانکہ اس کی رعایت بھی ضروری ہے اس لئے کہ کبھی دینی سمجھ پیدا ہونے سے پہلے ہی کفر سے الفت پکڑنے کا امکان ہوتا ہے تو جب کفر سے الفت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جائے تو لڑکے کو ماں سے جدا کر دیا جائے گا اور جس عورت نے نکاح کر لیا ولد کے غیر محرم سے تو اس عورت کا حق جاتا رہا یعنی اس بچہ کی پرورش کا حق ساقط ہو جائے گا اور اگر محرم سے نکاح کیا تو حق ساقط نہ ہوگا مثلاً اس کی ماں نے نکاح کیا لڑکے کے چچا سے یا دادی نے نکاح کیا اس کے دادا سے (ماتن کی عبارت میں "جدۃ" کا عطف ہے "ام" پر اور "جدّہ" کا عطف ہے "عمّہ" پر یعنی دو عامل (اول کاف جارہ دوم نکحت) کے دو معمول (ام اور عم) پر بیک وقت عطف کی صورت اختیار کیا ہے اور یہ نحویوں کے نزدیک جائز ہے جبکہ مجرور مقدم ہے اور غیر محرم سے نکاح کر لینے کی بنا پر جو حق ساقط ہوا تھا اگر وہ نکاح زائل ہو جائے تو پھر اس کا حق لوٹ آئے گا، اور اگر کوئی عورت ماں اور باپ کی جانب سے موجود نہ ہو (تو) پھر حق پرورش عصبات کو ہے ان کی ترتیب قرابت کے مطابق لیکن اگر لڑکی ہو تو اس کو غیر محرم عصبہ کے حوالہ نہیں کیا جائے گا مثلاً آزاد کردہ غلام اور چچیرے بھائی (وغیرہ) اور نہ ایسے محرم کے جو فاسق اور بے حیا ہو یعنی جو لوگوں کو حیلہ بہانہ سکھاتا ہو اور بچہ کو (مربی پسند کرنے کے بارے میں) اختیار نہیں دیا جائے گا۔ بخلاف امام شافعیؒ کے (کہ ان کے نزدیک لڑکے کو اختیار دیا جائے گا)

تشریح (بقیہ صـ گذشتہ) ان کے معبودان باطل کو سجدہ کرنے اور دوسرے افعال کفریہ کا عادی ہو جاتا ہے ایسی حالت میں کافر کی تربیت میں رکھنا مناسب نہیں۔ ۱۲

(حاشیہ صـ ہذا) [۱] قولہ ینزع عنہا الخ یعنی ایسی صورت میں کافرہ ماں کی تربیت سے اُسے جدا کر دیا جائے گا اور مسلمان کی تربیت میں دیدیا جائیگا اور فتح میں ہے کہ کافرہ ماں کی پرورش میں ہونے کی صورت میں اُسے شراب پلانے، خنزیر کا گوشت کھلانے کی ممانعت کر دی جائے گی پھر بھی اگر یہ چیزیں کھلانے پلانے کا اندیشہ ہو تو اس بچہ کو مسلمانوں کی تربیت میں دیدیا جائے گا۔

[۲] قولہ غیر محرم الخ یعنی وہ عورت جسے حق پرورش ہے اگر بچہ کے غیر محرم کے ساتھ نکاح بیٹھ جائے تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا موجودہ خاوند اجنبی بچہ سے محبت نہ رکھے گا بلکہ اس سے بغض و نفرت کرے گا ایسی حالت میں اس عورت کے ساتھ بچہ کو چھوڑنے میں کوئی ہمدردی نہ ہوگی اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث سابق میں فرمایا جب تک تو دوسرے سے نکاح کرے" اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ متن کے اندر "منہ" کی ضمیر طفل کی طرف راجع ہے، اور نکاح کو مطلقاً رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض نکاح کرنا ہی حق کو ساقط کر دیتا ہے چاہے دوسرے خاوند نے ابھی اس سے دخول نہ بھی کیا ہو ۱۲

[۳] قولہ ثم العصبات الخ یہ عصبۃ کی جمع ہے اور اصل میں یہ عاصب کی جمع ہے "عصب القوم بفلان" سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ لوگ اس کو گھیر لیں۔ اس کا مصدر "عصوبۃ" ہے اور لفظ "عصبۃ" اگرچہ اصل میں جمع ہے جیسے طالب سے طلبۃ مگر اب وہ بمنزلہ اسم جنس کے ہے ایک، دو اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے۔ اور عصبہ کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ جو اکیلا ہونے کی صورت میں تمام مال کا وارث ہو جاتا ہے اور ذوی الفروض ہونے کی صورت میں ان کے حصے لے چکنے کے بعد جو بقیہ مال کا وارث ہوتا ہے۔ (باقی صـ آئندہ پر)

والامّ والجدة احق بالابن حتى يأكل ويشرب ويلبس ويستنجى وحده وقدّره

الخصّافُ بسبع سنين وبالبنت حتى تحيض وعن محمّد حتى تشتهى وهو المعتمد
بفتح الخاء المعجمة وتشديد الصاد المهملة لقب ابو بکر احمد بن عمرو من کبار مشائخ الحنفیۃ ۱۲ عمد

لفساد الزمان وغيرهما حتى تشتهى اى غير الام والجدة احق بالبنت حتى

تشتهى ولا تسافر مطلّقة بولدها الّا الى وطنها الذى نكحها فيه وهذا للامّ فقط
ای ان ذوجها الذی طلقها ودرت ذلک بعد مدتها

اى السفر المذكور۔

ترجمہ :۔ اور ماں اور نانی، دادی حقدار ہیں لڑکا کی پرورش کے یہاں تک کہ وہ خود بخود اکیلا کھاوے، پیوے پہنے اور استنجا کرے امام خصاف نے اس کی مدت سات سال کی عمر مقرر کی ہے اور لڑکی کی پرورش کا حق ہے یہاں تک کہ اس کو حیض آ دے اور امام محمد سے مروی ہے یہاں تک کہ حد شہوت کو پہنچ جائے اور یہی معتبر ہے کیونکہ یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے اور ان دونوں کے علاوہ دوسروں کو حق ہے یہاں تک کہ لڑکی شہوت والی ہو یعنی ماں اور دادی کے علاوہ دوسرے اقربا کو لڑکی کی پرورش کا حق ہے جب تک کہ لڑکی شہوت والی نہ ہو۔ اور مطلقہ عورت کو جائز نہیں کہ کہیں اپنے فرزند کو سفر میں لے جائے مگر اپنے وطن اصلی کی طرف جہاں اس کا نکاح ہوا تھا اور یہ اختیار صرف ماں کو ہے لیکن اس سفر مذکور کا اختیار صرف ماں کو ہے اور غیر کو اپنے وطن کی طرف بچہ کو لے کر سفر کرنا درست نہیں اگرچہ نزدیک ہو۔

تشریح :۔ (بقیہ گذشتہ) عصبہ کی دو قسمیں ہیں ا عصبہ نسبیہ جس کے ساتھ خاندانی رشتہ ہو ۲ عصبہ سببیہ جن کے ساتھ خاندانی رشتہ نہ ہو مثلاً آزاد کردہ غلام کہ جب کوئی غلام یا باندی آزاد کرے تو اس کا ترکہ مولیٰ کو ملتا ہے جبکہ اس غلام یا باندی کے نسبی ذوی الفروض اور عصبہ نہ ہوں ان مباحث کی مزید تفصیل کتب فرائض سے معلوم کی جا سکتی ہے ۱۲

سلے قولہ ولا یخیر الخ۔ کیونکہ اس عمر میں وہ اپنے بارے میں جو واقعی نافع اور مفید ہے اُسے اختیار نہیں کر سکتا ہے اس لئے خیار دینا فضول بلکہ مضر ہوگا۔ جبکہ وہ ایسے شخص کو اختیار کرلے جو اس کے حق میں ماں باپ کی طرح نفع بخش اور شفیق ہونے کی بجائے اور ضرر رساں ہو کیونکہ اس کا فہم و عقل ناقص ہے چنانچہ حضرت عمر رض اور ان کی مطلقہ بیوی کے درمیان جب اپنے طفل صغیر کی پرورش کے بارے میں نزاع ہوا تو حضرت ابوبکر رض نے بچہ کو خیار دینے کی بجائے اسے ماں کے سپرد کر دیا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ وہذا اللام فقط الخ۔ یعنی جو حکم گذرا وہ فقط مطلقہ ماں کے بارے میں ہے اور دوسری پرورش کرنے والی عورتیں مثلاً دادی وغیرہ ان کے لئے اپنے پر ورہ بچہ کو لے کر اپنے وطن کی طرف سفر بچہ کے والد کی اجازت کے بغیر درست نہیں کیونکہ اپنی زوجہ کے ساتھ اس کے وطن میں عقد کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ اس کے وطن میں عورت کی اقامت پر وہ رضامند ہے اور غیر زوجہ میں یہ بات مفقود ہے ۱۲

باب النفقة

تجب هي والكسوة والسكنى على الزوج ولو صغيرا لا يقدر على الوطي للعرس مسلمة كانت او كافرة كبيرة او صغيرة توطأ حتى لو لم توطأ كان المانع من جهتها فلم يوجد تسليم البضع فلا تجب عليه النفقة بخلاف ما اذا كان الزوج صغيرا لا يقدر على الوطي فان المانع من جهته بقدر حالهما ففي الموسرين نفقة اليسار وفي المعسرين نفقة العسار وفي الموسر والمعسرة وعكسه بين الحالين هذا عندنا واما عند الشافعيؒ فالمعتبر حال الزوج ولو هي في بيت ابيها او مرضت في بيت الزوج۔

نفقہ کا بیان

ترجمہ:۔ ـــــ واجب ہے خاوند پر نفقہ اور لباس اور مسکن. اگرچہ خاوند صغیر ہو کہ وطی پر قادر نہ ہو اپنی زوجہ کے لئے برابر ہے کہ وہ مسلمان ہو یا کافرہ بڑی عمر کی ہو یا چھوٹی ہو بشرطیکہ اس سے وطی کی جاسکتی ہو چنانچہ اگر وطی نہ کی جاسکتی ہو دبسبب صغرسنی یا اور کسی مانع کے، تو زوجہ کی جانب سے مانع ہوگا جس سے تسلیم بُضع متحقق نہ ہوگی اس لئے شوہر پر نفقہ بھی واجب نہ ہوگا. بخلاف اس صورت کے جبکہ شوہر صغیر ہو کہ وطی پر قدرت نہ رکھتا ہو دپھر بھی نفقہ واجب ہے کیونکہ یہاں مانع شوہر کی جانب سے ہے اور نفقہ میں دونوں کی حیثیت کا اعتبار ہے تو اگر دونوں غنی ہیں تو نفقہ غنا کا اور جو دونوں تنگدست ہیں تو نفقہ تنگدستی کا واجب ہے اور اگر شوہر مالدار اور بیوی نادار یا اس کے برعکس ہو تو نفقہ دونوں کے حال کے بین بین واجب ہوگا. یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سب حالتوں میں اعتبار خاوند کا ہے. اگرچہ زوجہ اپنے باپ کے گھر میں ہو یا خاوند کے گھر میں بیمار ہو (تو بھی اس کا نفقہ خاوند پہ ہے)

تشریح:۔ ؎۱ قولہ باب النفقۃ الخ۔ یعنی انسان پر جو نفقہ واجب ہوتا ہے کسی سبب سے مثلاً زوجیت یا قرابت سے یا ملک سے، اس باب میں اس کے احکام کا بیان ہے اور "نفقہ" تینوں حروف کے فتحہ کے ساتھ اس مال کو کہا جاتا ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے، یہ "نفوق" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہلاک ہونا چنانچہ "نفقت الدابۃ نفوقا" بولا جاتا ہے جبکہ جانور ہلاک ہوجائے، آدمی جو خرچ کرتا ہے اسے نفقہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ خرچ سے مال ہلاک ہوتا ہے اور حالت درست رہتی ہے اور شرعاً اس کا مطلب ہے کھانا اور اس کے متعلقات، لباس اور اس کے متعلقات اور سکونت اور اس کے متعلقات، یہی وجہ ہے کہ باب النفقہ کے عنوان میں فقہاء لباس و مسکن کے احکام بیان کرتے ہیں. البتہ کبھی صرف طعام اور اس کے متعلقات پر شرعاً نفقہ کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ ان کا قول "تجب النفقۃ والکسوۃ والسکنی" میں صرف طعام کا مفہوم مراد ہے کیونکہ عطف معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کا تقاضا کرتا ہے ۱۲

؎۲ قولہ ہذا عندنا الخ. فقہاء احناف میں سے یہ امام خصاف کا مسلک ہے اور اکثر مشائخ نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے لیکن ہمارے ائمہ کا اصل مذہب جو کہ ظاہر الروایۃ میں مذکور ہے "ہر حال میں خاوند کی حیثیت کا اعتبار ہے" جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور جنہوں نے خاوند ہی کے حال کا اعتبار کیا ہے ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لینفق ذو سعۃ من سعتہ" اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آدمی اپنی وسعت کے مطابق ہی مکلف ہوتا ہے" اس لئے نفقہ مرد کے حال ہی کے مطابق واجب ہونا چاہیئے چاہے عورت غنی ہو کیونکہ جب اس نے تنگدست کے ساتھ نکاح کیا تو وہ درحقیقت تنگ حال کے نفقہ پر راضی ہوچکی ہے اس لئے مرد پر زیادتی لازم نہ آئے گی ۱۲.

لا لناشزة[1] خرجت من بيته بغير حق احتراز عن خروجها بحق كما لو لم يعطها المهر المعجّل فخرجت عن بيته ومحبوسة بدين ومريضة لم تزف ومغصوبة كرها وحاجّة لا معه ولو كانت معه فلها نفقة الحضر لا السفر ولا الكراء وعليه موسرا نفقة خادم واحد لها فقط هذا عند ابي حنيفة ومحمد واما عند ابي يوسف فعليه نفقة خادمين احدهما لمصالح الداخل والآخر لمصالح خارج البيت وهما يقولان الواحد يقوم بهما لا معسرا[3] في الاصح احتراز عن قول محمد فان عنده تجب على المعسر نفقة الخادم۔

(اى البيت الذى يسكن فيه الزوج ۱۲ عمده — اى دز فافها ۱۲ عمده — اى نفقة سفرها ۱۲ عمده — اى لامور الزوجة المتعلقة به اى البيت كالطبخ والكنس وغير ذلك ۱۲ عمده)

ترجمہ:۔ اس عورت کے لئے نفقہ نہیں ہے جو نافرمان ہو جو خاوند کے گھر سے ناحق نکل گئی ہو۔ ناحق کی قید میں اس عورت سے احتراز ہوگیا جو اپنے حق کی خاطر نکلی ہو مثلاً خاوند کی طرف سے مشروط مہر معجل ادا نہ کرنے کی بنا پر اگر اس کے گھر سے چلی گئی تو نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ اسی طرح نفقہ نہیں ہے اگر عورت اپنے قرضے میں قید ہوگئی یا رخصتی سے پہلے باپ کے گھر میں مریض ہوگئی یا کوئی اس کو غصب کر کے لے گیا اگرچہ جبراً ہو۔ یا بغیر خاوند کے حج کو چلی گئی، اور اگر خاوند کے ساتھ حج کو گئی تو اس کو نفقہ حضر کی مقدار ملے گا نہ کہ سفر کا اور نہ کرایہ سواری وغیرہ کا۔ اور اگر خاوند مالدار ہے تو زوجہ کے لئے نفقہ ایک خادم کا شوہر پر واجب ہے۔ یہ طرفین کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر دو خادموں کا نفقہ واجب ہے ایک امور داخل خانہ کے واسطے اور دوسرا امور خارج خانہ کے واسطے۔ اور طرفین یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی خادم دونوں قسم کا کام انجام دے سکتا ہے اور اگر خاوند تنگدست ہو تو خادم کا نفقہ واجب نہیں صحیح قول کے مطابق۔ قید صحیح کے ذریعہ احتراز ہوگیا امام محمدؒ کے قول سے کہ ان کے نزدیک تنگدست پر بھی ایک خادم کا نفقہ واجب ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ لا لناشزۃ الخ یہاں سے ان کا بیان ہے جن کا نفقہ لازم نہیں یا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے "نشوز" کے معنی نافرمانی اور مخالفت کے ہے اور شرعاً ناشزہ اس عورت کو کہتے ہیں جو شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر ناحق نکل جائے، اب اس کا نفقہ واجب نہیں تاآنکہ وہ واپس آجائے اور نافرمانی چھوڑ دے، اور نشوز سے سابقہ مقررہ نفقہ بھی ساقط ہو جاتا ہے البتہ شوہر کے ذمہ پر لیا ہوا قرض ساقط نہیں ہوتا یعنی اگر عورت کا مرد پر کئی ماہ کا نفقہ مقررہ لازم ہے اور اب وہ نافرمان ہوگئی تو گذشتہ مہینوں کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر قاضی شوہر کے ذمہ پر قرض لے کر عورت کو خرچ کرنے کی اجازت دیدے اور عورت مرد کے نام پر قرض کر کے خرچ کرے تو یہ قرض ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کو ادا کرنا پڑے گا (ذخیرہ وغیرہ) اور بعض فتاوی میں مذکور ہے کہ نشوز سے مہر بھی ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ غیر معتبر ہے کیونکہ یہ روایت اور درایت کے خلاف ہے ۱۲

[2] قولہ المہر المعجل الخ یعنی وہ مہر جو نقد ادا کرنا عقد میں شرط کی تھی یا اس قسم کی عورت کے لئے عرفاً جو مقدار نقد ادا کرنے کا رواج ہے کیونکہ عرف کی بات بمنزلہ مشروط کے ہے، لیکن اگر عورت مہر مؤجل نہ ملنے کی وجہ سے نکل پڑی تو وہ ناشزہ شمار ہوگی ۱۲

[3] قولہ لا معسرا الخ یعنی اگر خاوند تنگدست ہو تو اس پر عورت کے خادم کا نفقہ واجب نہیں اور یہاں ناداری اور تونگری کا معیار حرمان صدقہ کا نصاب ہے وجوب زکوٰۃ کا نصاب نہیں یعنی ضروریات زندگی سے زائد مال نامی کے نصاب کا مالک ہونا شرط نہیں بلکہ غنی وہ ہے جس پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہو اور اس کے لئے صدقات قبول کرنا حرام ہو اور اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ ضروریات زندگی سے زائد اتنے مال کا مالک ہو جس کی قیمت دو سو درہم کے برابر ہے چاہے یہ مال نامی نہ ہو ۱۲ بنایہ

ولا يُفرَّق بينهما بالعجز عنها وتؤمر بالاستدانة عليه ای تؤمر بان تستقرض عليه وتصرف الى نفقتها حتى ان غنى الزوج يؤدی قرضها وهذا عندنا واما عند الشافعی فالقاضی يفرق بينهما لانه لما عجز عن الامساك بالمعروف ينوب القاضی منابه فی التسريح بالاحسان واصحابنا لما شاهدوا الضرورة فی التفريق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسّر بالاستدانة والظاهر انها لا تجد من يُقرضها وغنى الزوج فی المال امر متوهم استحسنوا ان ينصب القاضی نائبا شافعی المذهب يفرّق بينهما۔

ترجمہ:۔ اور اگر خاوند نفقہ سے عاجز ہو تو ان میں تفریق نہیں کرائی جائے گی اور حکم ہوگا کہ مرد کے اوپر قرض کھا دے یعنی عورت کو یہ حکم دیا جائیگا۔ کہ شوہر کے ذمہ پر وہ قرض حاصل کرے اور اپنی ضروریات میں خرچ کرے یہاں تک کہ جب خاوند مالدار ہو جائے تو وہ مقررہ نفقہ ادا کرے گا اور یہ ہمارا مذہب ہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک ان دونوں کے درمیان قاضی تفریق کردے گا کیونکہ شوہر جبکہ باقاعدہ حقوق ادا کرکے بیوی کو رکھنے سے عاجز ہے تو خوبی کے ساتھ بیوی کو چھوڑ دینے میں قاضی اس کا قائم مقام ہو جائے گا، اور ہمارے مشائخ احناف نے جبکہ ایسی حالت میں تفریق کی ضرورت محسوس کی کیونکہ قرض لے کر دائمی حاجت انجام دینا آسان نہیں اور عورت کے لئے کسی ایسے شخص کو پانا بظاہر مشکل ہے جو اس کو قرض دیتا رہے اور مستقبل قریب میں شوہر کا مالدار ہونا ایک مشکوک امر ہے، اس لئے انہوں نے اس طریقہ کو مستحسن قرار دیا ہے کہ حنفی قاضی اپنا ایک نائب شافعی المذہب مقرر کردے (اور یہ معاملہ اس کے حوالہ کردے) اور وہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردے۔

تشریح:۔ سلہ قولہ وتؤمر الخ۔ یعنی قاضی کی جانب سے یہ حکم دیا جائے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ صاحب دین کو خاوند سے اپنا قرض وصول کرنا ممکن ہوگا کیونکہ اگر بلا امر قاضی عورت، مرد کے نام پر قرض حاصل کرے تو قرض خواہ شوہر سے رجوع نہیں کرسکتا ہے بلکہ عورت ہی سے اپنے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اسی سے لے سکتا ہے البتہ عورت بعد میں شوہر سے رجوع کرسکتی ہے قاضی کی طرف سے مقررہ مقدار کی حد تک ۱۲

سلہ قولہ لما عجز الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نص کتاب و سنت کی رو سے خاوند پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہے۔ ا قاعدہ کے مطابق روکے۔ ۲۔ یا اُسے چھوڑ دے اور آزاد کردے۔ تو جبکہ تنگدستی کی بناپر قاعدہ کے مطابق خرچ دیکر روکنے سے عاجز ہو چکا تو اس پر واجب ہے کہ اسے خوبی کے ساتھ چھوڑ دے اور جدا کردے، اب جبکہ وہ اپنی مرضی سے نہ چھوڑے اور عورت کو تکلیف ہونے لگے تو قاضی شوہر کا قائم مقام ہو کر اس کو جدا کر دے سکتا ہے کیونکہ اس کو ولایت عامہ حاصل ہے اور اس کی نظیر زوج عنین اور مجبوب کی تفریق ہے کہ قاضی قائم مقام ہو کر تفریق کر دینے کا مختار ہے۔ اور ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ عنین اور مجبوب ہونے کی صورت میں اس لئے تفریق ہوتی ہے کہ وہاں نکاح کا اصل مقصد ہی فوت ہو گیا یعنی سلسلہ توالد و تناسل، بخلاف مال کے کہ یہ مقصد نکاح نہیں ہے بلکہ تابع نکاح ہے اس لئے اس کے نہ ہونے سے تفریق لازم نہ آئے گی، نیز عورت کی مالی حاجت، مرد کے نام پر قرض لینے سے بھی پوری ہو سکتی ہے اس لئے شوہر کی نامردی اور مقطوع الذکر ہونے کے ضرر کی طرح یہاں ضرر نہیں ہے۔ فلا یقاس علیہا۔ ۱۲

ومن فرضت لعساره فایسر تتمّم نفقة یساره ان طلبت وتسقط نفقة مدة
ای النفقة ۱۲ عده

مضت الا اذا سبق فرض قاضٍ اورضیا بشئٍ نتجب لما مضی مادا ماحیّین
ای التقدیر ۱۲ عده *ای الزوجان ۱۲ عده*

فان مات احدهما اوطلقها قبل قبض سقط المفروض الا اذا استدانت بامر
ای قبل قبض المرأة تلک النفقة ۱۲ عده

قاضٍ هذا عندنا واما عند الشافعی فلا تسقط بالموت بل تصیر دینا علیه

ولا تسترد معجلة مدةٍ مات احدهما قبلها ای اذا عجلت نفقة مدة کستة
مجهول من التعجیل ۱۲ عده

اشهر مثلا فمات احدهما قبلها کما اذا مات عند مضی شهر لا یسترد منها

شئ عند ابی حنیفة وابی یوسف لانها صلة اتصل بها القبض فبالموت سقط
ای النفقة صلة ۱۲ عده

الرجوع کما فی الهبة۔

ترجمہ:۔ اور اگر قاضی نے عورت کے واسطے خاوند کی تنگدستی کا لحاظ کرتے ہوئے نفقہ فرض کیا اس کے بعد خاوند مالدار ہوگیا تو عورت کے مطالبہ کرنے پر خاوند اب نفقہ تمام ادا کرے اور اگر خاوند نے مدت تک اپنی زوجہ کو نفقہ نہیں دیا تو ان ایام گذشتہ کا نفقہ ساقط ہوجائے گا مگر یہ کہ قاضی نے اس کے لئے پہلے سے نفقہ معین کیا ہو یا میاں بیوی کسی ایک مقدار پر راضی ہوئے ہوں تو ان صورتوں میں ان ایام ماضیہ کا بھی نفقہ واجب ہوگا جب تک وہ دونوں زندہ ہیں تو اگر ان میں سے کوئی مرگیا یا نفقہ پر قبضہ سے پہلے خاوند نے عورت کو طلاق دیدی تو وہ مقررہ نفقہ ساقط ہوجائے گا مگر جبکہ عورت نے قاضی کے حکم سے قرض لیا ہو (تو وہ موت اور طلاق سے ساقط نہ ہوگا) یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی کے نزدیک موت سے نفقہ ساقط نہ ہوگا بلکہ مرد پر دین ہوجائے گا۔ اور اگر خاوند نے پہلے پیشگی ایک مدت تک کے لئے نفقہ دیدیا اور مدت پوری ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی مرگیا تو اب باقی نفقہ واپس نہیں لیا جائے گا یعنی اگر ایک مدت مثلاً چھ مہینے کا نفقہ پیشگی دیا گیا ہو پھر ان میں سے کوئی مدت پوری ہونے سے پہلے مرجائے مثلاً ایک مہینہ بعد ہی کوئی مرجائے تو شیخین کے نزدیک باقی پانچ مہینہ کا نفقہ زوجہ سے واپس نہیں لیا جائے گا، کیونکہ یہ نفقہ دراصل عطیہ ہے جس پر عورت کا قبضہ ہوچکا ہے اس لئے موت کے بعد رجوع کا حق ساقط ہوجائے گا جیسا کہ ہبہ کا حکم ہے (کہ موت کے بعد حق رجوع نہیں رہتا ہے)

تشریح لہ قولہ وتسقط الخ اس باب میں اصل یہ ہے کہ شوہر پر نفقہ بیوی کو روکنے کے سبب سے واجب ہوتا ہے اس کے باوجود یہ کسی امر کا عوض نہیں کیونکہ منافع بضع کا عوض تو مہر ہے بلکہ یہ ایک طرح کا عطیہ ہے اس لئے اس کا وجوب پختہ ہوگا یا تو قضاء قاضی سے یا اگر دونوں کسی مقدار پر باہمی مصالحت کرلیں کیونکہ دونوں کا مشترکہ عہد بھی بمنزلہ قضا ہے اس لئے کہ انسان کو اپنے اوپر قاضی کے مقابلہ میں زیادہ قوی ولایت حاصل ہے۔ پس اگر شوہر غائب یا موجود رہ کر عورت پر خرچ نہ کرے تو اس پر نفقہ ماضی لازم نہ ہوگا ہاں اگر قاضی خرچ مقرر کردے یا دونوں ایک مقررہ مقدار پر رضامند ہوئے ہوں تو یہ واجب الاداء ہوگا اور یہ مقررہ مقدار بھی ساقط ہوجائے گی اگر قبل القبض طلاق یا موت کے باعث فرقت ہوجائے البتہ بحکم قاضی اگر اس نے شوہر کے نام پر قرض لیا ہو تو یہ فرقت کے بعد بھی ساقط نہ ہوگا ۱۲ ہدایہ و شروحہا۔

سلہ قولہ لانہا صلۃ الخ۔ خلاصہ یہ کہ نفقہ درحقیقت عطیہ ہے اگرچہ احتباس کی بنا پر واجب ہوتا ہے اور عطایا میں قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور موت سے عطیہ کے اندر رجوع کا حق ساقط ہوجاتا ہے جس طرح ہبہ میں قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور واہب یا موہوب لہ کی موت کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا ہے، واضح رہے کہ ماتن نے اگرچہ صاحب ہدایہ کے اتباع میں صرف موت کا ذکر کیا ہے مگر طلاق کی صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ پیشگی دیا ہوا نفقہ واپس نہیں لے سکتا ہے جیسا کہ ولوالجیہ میں مذکور ہے نیز یہ حکم عام ہے چاہے ادا کردہ نفقہ موجود رہے یا خرچ ہوچکا ہو۔ اور یہاں نفقہ میں کپڑا وغیرہ بھی شامل ہے ۱۲

وعند محمدؒ والشافعیؒ تحتسب نفقۃ ما مضی وھو شھر للزوجۃ ونفقۃ خمسۃ

(ای زمان مضی قبل موت احدھما ۱۲ عمدہ)

اشھر تسترد لانّھا عوض عمّا تستحقہ علیہ بالاحتباس ونفقۃ عرس القنّ

(ای من الزوجۃ او من ورثتھا ان ماتت ۱۲ عمدہ)　(ای بسبب الاحتباس ۱۲ عمدہ)

علیہ یُباع فیھا مرۃ بعد اخرٰی وفی دینٍ غیرھا یُباع مرۃً صورتہ عبدٌ تزوج

امرأۃ باذن المولٰی ففرض القاضی النفقۃ علیہ فاجتمع علیہ الف درھم فبیع

بخمسمائۃ وھی قیمتہ والمشتری عالمٌ ان علیہ دین النفقۃ یُباع مرۃ اخرٰی

(مفعول لعالم ۱۲ عمدہ)　(ای ذلک الثمن ۱۲ عمدہ)

بخلاف ما اذا کان ھذا الالف علیہ بسبب اٰخر فبیع بخمسمائۃ لا یُباع مرۃ

اخرٰی ویجب سکناھا فی بیت لیس فیہ احد من اھلہ ولو ولدہ من غیرھا الا برضاھا

ترجمہ:۔ اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حساب کرکے گذشتہ ایام یعنی ایک مہینہ کا نفقہ عورت کو ملیگا اور باقی پانچ مہینہ کا نفقہ واپس لے لیا جائیگا کیونکہ یہ نفقہ درحقیقت عوض ہے شوہر کے ذمہ پر جس کا عورت مستحق ہوتی ہے بسبب احتباس کے (اور موت کے بعد احتباس نہیں ہے تو استحقاق بھی باطل ہوجائیگا اس لئے زائد از استحقاق عوض واپس کرنا پڑیگا) اور غلام کی بیوی کا نفقہ غلام پر واجب ہے تو اس نفقہ کی ادائیگی کے لئے غلام کو بیچا جائیگا یکے بعد دیگرے (جتنی دفعہ بھی نفقہ کا مطالبہ ہوگا) اور اگر غلام پر نفقہ کے علاوہ اور طرح کا دین ہے تو ایک ہی بار بیچا جائیگا اور صورت اس کی یوں ہے کہ ایک غلام نے نکاح کیا کسی عورت سے اپنے آقا کے اذن سے اور قاضی نے اس پر نفقہ مقرر کردیا یہاں تک کہ اس کے ذمہ پر مثلاً ہزار درہم جمع ہوگئے اب ان کی ادائیگی کے لئے پانچ سو درہم میں اسے بیچا گیا اور وہی اس کی قیمت ہے اور مشتری جانتا ہے کہ اس کے اوپر نفقہ کا دین ہے تو یہ غلام پھر بیچا جائے گا (بقیہ پانچ سو درہم ادا کرنے کے واسطے) بخلاف اس صورت کے جب غلام پر ہزار درہم کا دین سوائے نفقہ کے دوسرے کسی سبب سے ہوا اور اس کو ایک بار پانچ سو درہم میں بیچا جائے تو اب اس کو (بقیہ پانچ سو درہم کی ادائیگی کے لئے) دوبارہ بیچا نہیں جاسکتا ہے۔ اور خاوند پر واجب ہے کہ رکھے عورت کو ایک جدا گھر میں کہ اس میں خاوند کے اہل میں سے کوئی نہ ہو اگرچہ دوسری بیوی کی طرف سے اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو مگر جب کہ زوجہ راضی ہوجائے ان کے ساتھ رہنے پر۔

تشریح:۔ سلہ قولہ لانہا عوض الخ۔ ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ نفقہ چونکہ احتباس کی بنا پر واجب ہوتا ہے اس لئے یہ احتباس کا عوض اور بدل قرار پائے گا۔ اب جس مدت کا پیشگی نفقہ ادا کردیا اس کے گذرنے سے پہلے اگر احد الزوجین مرجائے تو اس مدت کے عوض کا استحقاق ہی باطل ہوگیا کیونکہ موت کے سبب سے زوج کی طرف سے احتباس نہیں پایا گیا، تو یہاں بھی دوسرے مبادلات کی طرح حکم ہوگا یعنی بعینہٖ عوض واپس کرنا پڑے گا۔ بشرطیکہ وہ موجود ہو اور اگر تلف ہوجائے تو اس کی قیمت لازم آئے گی۔ شیخین کیطرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وجوب نفقہ چاہے احتباس کے باعث ہو لیکن یہ دوسرے مبادلات کی طرح بدل نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر موت سے پہلے پیشگی نفقہ بلا ارادہ تلف ہوجائے اور اس کے بعد کوئی مرجائے تو بالاتفاق اس میں سے کچھ بھی واپس کرنا نہیں پڑے گا حالانکہ محض عوض ماننے سے اس صورت میں بھی واپس کرنا واجب ہوتا ہے ۱۲

سلہ قولہ مرۃ بعد اخرٰی الخ۔ یعنی جب اس پر مفروضہ نفقہ اکٹھا ہوجائے تو اس کی ادائیگی کے لئے اسے فروخت کیا جائے گا اگر دوبارہ نفقہ جمع ہوگیا تو پھر دوبارہ اسے فروخت کردیا جائے گا اسی طرح چلتا رہے گا۔ لیکن یہ بات تب ہوگی کہ خریدار کو علم ہو کہ اس غلام پر قرض ہے لیکن اگر اسے علم نہ ہو تو معلوم ہونے پر تو اسے غلام واپس کرنے کا حق ہے کیونکہ یہ عیب ہے جس پر وہ بعد میں مطلع ہوا ہے اور بار بار اس لئے فروخت ہوسکتا ہے کہ نفقہ کا قرض اس پر نئے نئے طور پر عائد ہوتا جا رہا ہے اس لئے نئے قرض کے تقاضے سے از سر نو بیچنے کا حق حاصل ہوگا ۱۲

سلہ قولہ فی بیت لیس فیہ احد الخ۔ یہ گھر چاہے مرد کی ملکیت میں ہو یا کرایہ پر لیا ہوا یا عاریۃً ملا ہو اور لیس فیہ کا جملہ بیت کی صفت ہے اور اصل میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جو کہ حکم مسکن کے بعد ارشاد فرمایا ،، ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن،، کہ اس میں مرد کو عورت کے ضرر پہونچانے سے منع کیا گیا ہے اور جس گھر میں مرد کے دوسرے قرابت دار ہوں گے اس سے عورت کو ضرر پہونچے گا کہ وہ آزادی کے ساتھ دل کھول کر نہیں رہ سکتی اور اپنی خواہش کے مطابق شوہر کے ساتھ معاشرت و مباشرت نہیں کرسکتی اور اپنا سامان وغیرہ کی حفاظت کے بارے میں مطمئن نہیں ہوسکتی ۱۲

وبیتٌ مفردٌ من دار له غلقٌ كفاها وله منع والديها وولدها من غيره من الدخول عليها بناء على ان البيت ملكه فله المنع من الدخول فيه لا من النظر اليها وكلامها متى شاءوا وقيل لا منع من الخروج الى الوالدين ولا من دخولهما عليها كل جمعة وفي محرم غيرهما كل سنة هو الصحيح ويفرض نفقة عرس الغائب وطفله وابويه في مال له من جنس حقهم فقط كالدراهم والدنانير او الطعام او الكسوة التي تلبسها هي بخلاف ما اذا لم يكن من جنس حقهم كالعروض التي يحتاج الى بيعها لتصرف الى نفقتها عند مودع او مديون او مضارب ان اقر به وبالنكاح او علم القاضي ذلك۔

ترجمہ:۔ اور گھر بڑا ہے اور اس میں ایسی جگہ کوٹھری ہے جس کا دروازہ اور تالا علیحدہ ہو تب بھی کافی ہے اور خاوند کو اس کا حق ہے کہ عورت کے والدین کو اور اس کے ولد کو جو اس خاوند سے نہ ہو گھر میں آنے نہ دے اس لئے کہ گھر تو خاوند کا ملک ہے تو اس کو اپنے مملوک گھر میں کسی کو آنے سے روکنے کا حق بھی پہونچتا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ ان کو عورت کے دیکھنے یا کلام کرنے سے منع کرے جب بھی وہ دیکھنا یا کلام کرنا چاہیں اور بعضوں کے نزدیک خاوند کو جائز نہیں ہے کہ ہفتہ میں ایک بار عورت کو والدین کے پاس جانے سے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے منع کرے، اسی طرح جائز نہیں کہ سال بھر میں ایک بار محرموں کی زیارت سے روکے اور یہی صحیح ہے۔ اور اگر کوئی شخص غائب ہو جائے تو قاضی مقرر کر دے نفقہ اس کی زوجہ کا، اس کے والدین کا، اس کی اولاد صغار کا اس کے فقط اس مال سے جو ان کے حق کی جنس میں سے ہے، مثلاً دراہم، دنانیر میں سے یا غلہ سے یا اس کپڑے سے جو عورت پہن سکتی ہے بخلاف اس مال و متاع کے جو ان کے حق کی جنس سے نہ ہو مثلاً وہ سامان و اسباب جنہیں نفقہ میں صرف کرنے کے لئے بیچنے کی ضرورت پڑے (جیسے مکان، زمین، آلات وغیرہ) کہ نفقہ میں قاضی ان چیزوں کو مقرر نہیں کرے گا، کہ رکھ کر گیا ہو کسی امین کے پاس، یا قرضدار کے پاس یا کاروباری شریک کے پاس اور وہ لوگ اقرار کرتے ہیں اس مال کا اور اس کی زوجہ ہونے کا یا قاضی زوجہ ہونے کو جانتا ہے۔

تشریح:۔ لہ قولہ وبیت مفرد الخ۔ یعنی عورت کے لئے ایک کمرہ کافی ہے اس گھر کے اندر کہ جس میں کئی کمرے ہوں بشرطیکہ یہ دوسرے کمروں سے بے تعلق اور جدا ہو کہ دوسرے کمرے والوں کو اس کے اندر سے گذرنا نہ پڑتا ہو اور عورت اپنے سامان کی حفاظت کر سکے اور اس کے لئے تقاضائے حاجت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو ۱۲

سکہ قولہ ولہ منع الخ۔ ایسے ہی دوسرے اقارب کا مسئلہ ہے کہ بیوی کے گھر میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے ہاں اگر وہ لوگ گھر کے دروازہ پر کھڑے کھڑے حال پرسی کریں تو کچھ حرج نہیں۔ یہ ایک قول ہے اس مسئلہ میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے داخل ہونے سے روکنے کا حق مطلقاً نہیں ہے البتہ وہاں رہنے اور دیر تک ٹھہرنے سے منع کر سکتا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ والدین کو ہفتہ میں ایک بار آنے اور دوسرے محرم رشتہ داروں کو سال بھر میں ایک بار آنے سے نہیں روک سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے ان اقوال کو ذکر کر کے آخری قول

سکہ قولہ من جنس حقہم الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کا حق طعام و لباس اور دراہم و دنانیر میں ہے تو اس قسم کے مال میں ان کا نفقہ مقرر ہو گا اور اگر اس کا اس قسم کا مال نہ ہو بلکہ دوسرے سامان و متاع مثلاً گھر، جائداد، مشین کارخانہ وغیرہ ہو کہ خرچ حاصل کرنے کے لئے ان کو فروخت کرنا پڑتا ہو تو نفقہ مقرر نہیں ہو سکتا کیونکہ غائب کا مال فروخت کرنا جائز نہیں ۱۲

سکہ قولہ عند مودع الخ۔ دال کے فتحہ کے ساتھ بمعنی امانتدار یعنی غائب ہونیوالا کسی کے پاس اپنا مال امانت رکھ کر چلا گیا۔ (باقی صفحہ آئندہ)

ویکفلها ای یاخذ منها کفیلا و یحلفها علی انه لم یعطها النفقة الضمیر فی انه ضمیر الغائب لا باقامة البینة علی النکاح ای لا یفرض القاضی النفقة باقامة البینة علی النکاح ولا ان لم یخلف مالا فاقامت بینة علیه ای علی النکاح لیفرض القاضی علیه و یامرها بالاستدانة و لا یقضی به ای بالنکاح لانه قضاء علی الغائب وقال زفر یقضی بالنفقة لا بالنکاح وعمل القضاة الیوم علی هذا للحاجة والمطلقة الرجعی والبائن والمفرقة بلا معصیة کخیار العتق والبلوغ والتفریق لعدم الکفاءة النفقة والسکنی ای ما دامت فی العدة وفی معتدة البائن خلاف للشافعی لخبر فاطمة بنت قیس

ترجمہ:- اور ضامن لے لیوے اس سے، یعنی قاضی کو چاہیے کہ عورت کی طرف سے ایک ضامن لے لے۔ اور حلف دلادے اس کو اس بات پر کہ اس نے اس کو نفقہ نہیں دیا ہے، ماتن کی عبارت میں "انہ" کی ضمیر غائب کی طرف راجع ہے اور نہ مقرر کرے محض بینہ قائم کرنے سے نکاح پر، یعنی قاضی اگر پہلے سے نکاح نہ جانتا ہو یا غائب کا مال جس کے پاس ہے وہ بھی نکاح کا اقرار نہ کرے تو اگر زوجہ اپنے نکاح پر گواہ لائے تو قاضی اس کے لئے نفقہ مقرر نہ کرے، اسی طرح اس نے اگر کچھ مال نہیں چھوڑا اور زوجہ نے بینہ قائم کئے بغیر اس پر یعنی نکاح پر، تاکہ قاضی اس کے لئے نفقہ مقرر کردے اور اس کو (خاوند کے نام پر) قرض لینے کا حکم کرے تب بھی قاضی اس کے لئے نفقہ مقرر نہ کرے گا اور حکم نکاح کا بھی نہ کرے گا کیونکہ ایسا کرنے سے قضا علی الغائب ہوگا جو کہ جائز نہیں۔ اور امام زفر کے نزدیک قاضی نفقہ تو مقرر کردے لیکن نکاح کا حکم نہ کرے اور اس زمانہ میں لوگوں کی حاجت کے پیش نظر قاضیوں کا عمل امام زفر کے مذہب کے موافق ہے۔ اور جو عورت طلاق رجعی یا بائن کی عدت میں ہو یا اس فرقت کی عدت میں ہو جو زوجہ کی معصیت کے سبب سے نہیں ہوئی مثلاً خیار عتق اور خیار بلوغ، اور وہ تفریق جو کفو نہ ہونے کے باعث ہو تو اس کا نفقہ اور سکنی خاوند پر واجب ہے۔ یعنی جب تک عورت عدت میں ہو، اور طلاق بائن کی عدت گذارنے والی عورت کے بارے میں امام شافعیؒ خلاف کرتے ہیں (ان کے نزدیک اس کے لئے نفقہ اور سکنی خاوند پر نہیں ہے) وہ دلیل لاتے ہیں فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے

تشریح:- (بقیہ صد گذشتہ) یا کسی قرضدار کے پاس اس کا پڑا ہے یا کسی کے ساتھ نفع میں شرکت پر کاروبار ہے اور یہ سب اس غائب کا مال اپنے پاس ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور زوجیت اور قرابت کو تسلیم کرتے ہیں ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ ویکفلہا الخ. یعنی غائب کی عورت کے لئے مال مقرر کرنے سے پہلے قاضی اس عورت سے حلف لے گا اور ایک ضامن طلب کرے گا کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ خاوند نے سفر کے وقت متعدد مہینوں کا پیشگی خرچہ دیدیا ہو۔ اب عورت خرچہ نہ ملنے کی قسم کھائے گی تاکہ اس کا حق ظاہر ہو جائے اس کے بعد غائب کی رعایت کرتے ہوئے عورت کی طرف سے ایک کفیل بھی مقرر کردیا جائے گا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ عورت نے پورا نفقہ حاصل کرلیا ہو یا شوہر نے اس کو طلاق دیدی ہو اور عدت بھی گذر چکی ہے۔ اب جب خاوند واپس آئے اور عدت کی تصدیق کرے اور اس کا استحقاق ثابت ہو تب تو ٹھیک ہی ہے۔ اور اگر شوہر تکذیب کرے تو وہ اپنا مال عورت کے کفیل سے وصول کرے گا اور کفیل عورت سے مال واپس لے گا اور ایسا ہی حکم ہے جب اولاد اور والدین میں سے کوئی نفقہ کا مطالبہ کرے جیسا کہ بحر میں ہے اس لئے مصنف اگر مذکر کی ضمیر لاتے اور "یکفلہ" و "یحلفہ" فرماتے تو بہتر ہوتا یعنی جو نفقہ لے اس کو قسم دلانے کے بعد اس سے کفیل بھی لے ۱۲

سلہ قولہ ولا ان لم یخلف الخ. یعنی اگر غائب کسی کے پاس مال چھوڑ کر نہیں گیا، تو قاضی کچھ مقرر نہ کرے گا۔ چاہے عورت اس پر بینہ قائم کرے کہ وہ فلاں کی منکوحہ ہے تاکہ قاضی اس کا نفقہ معین کردے اور مرد کے نام پر قرض لینے کا حکم دے جیسا کہ نفقہ سے عاجز خاوند کی زوجہ کا حکم گذر چکا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بینہ قائم کرنے کے باعث غائب پر نفقہ عائد کرنا اور اس کے نام پر قرض لینے کا حکم دینا دراصل غائب کے متعلق فیصلہ ہے اور مدعی علیہ کی غیر حاضری میں بینہ قبول کرنا ہے جو کہ قانون عدالت میں درست نہیں۔ (باقی صد آئندہ پر)

ولنا ردّ عمر رضی اللہ لا لمعتدۃ الموت والمفرّقۃ بالمعصیۃ کالرّدۃ وتقبیل ابن الزوج وردۃ معتدۃ الثلث تسقط لا تمکینہا ابنہ لانہ لا اثر للردۃ وتمکین فی الفرقۃ لانہا قد ثبتت قبلہما فلا یُسقطان النفقۃ الّا ان المرتدۃ تحبس لتتوب ولا نفقۃ للمحبوسۃ بخلاف الممکنۃ ابن الزوج ونفقۃ الطفل فقیرا علی ابیہ انما قال فقیرا حتی لو کان غنیا فنی مالہ ولا یشرکہ احد کنفقۃ ابویہ وعرسہ ای لا یشرکہ احد فی نفقۃ طفلہ کما لا یشرکہ فی نفقۃ ابویہ وعرسہ ولیس علی امّہ ارضاعہ الّا اذا تعینت۔

ترجمہ۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو رد کیا ہے اور جو عورت کہ موت کی عدت میں ہو یا تفریق کرائی گئی ہو بسبب معصیت کے جیسے مرتد ہو جانے یا شوہر کے بیٹے کا بوسہ لے لے تو نفقہ اس کا خاوند پر واجب نہیں ہے اور جو عورت تین طلاق کی عدت میں ہو اور وہ مرتد ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر موقع دلا دے تو نفقہ ساقط نہ ہوگا اس لئے کہ فرقت میں مرتد ہونے اور ابن الزوج کو موقع دینے کا کچھ اثر دخل نہیں ہے کیونکہ فرقت تو اس سے پہلے تین طلاق کے سبب ہو چکی ہے تو اب ان امور کی وجہ سے نفقہ ساقط نہ ہوگا مگر مرتد کے لئے چونکہ (بحکم شرع) اُسے قید میں رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ارتداد سے توبہ کرے اور قید میں رہنے والی کا نفقہ شوہر پر نہیں آتا۔ بخلاف اس عورت کے جس نے ابن الزوج کو موقع دیا ہو کہ وہ عدت کے گھر میں رہتی ہو اس لئے نفقہ کی حاجت ہے اور نفقہ اولاد صغار کا باپ پہ ہے جب وہ مفلس ہوں۔ اور فقیراس لئے کہا کہ اگر اولاد غنی ہوں تو ان کا نفقہ ان کے مال میں سے ہوگا۔ اور کوئی اس میں شریک نہ ہوگا جیسا کہ ماں باپ کے اور زوجہ کے نفقہ میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوتا۔ یعنی اولاد صغار کے نفقہ میں کوئی باپ کا شریک نہیں ہوگا جس طرح اپنی ماں باپ اور زوجہ کے نفقہ میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہوا کرتا۔ اور اگر وہ ولد شیر خوار ہے تو ماں کو دودھ پلانے پر جبر نہ کریں گے مگر جبکہ ماں متعین ہو جائے۔

تشریح۔ (بقیہ گذشتہ) اسی لئے اس بینہ سے ثبوت نکاح کا فیصلہ بھی نہیں دیا جا سکتا ہے ۱۲

؎ قولہ للحاجۃ الخ یعنی اکثر ایسی حالت پیش آتی ہے کہ خاوند غائب ہو جاتا ہے اور بیوی کو بغیر نفقہ کے چھوڑ جاتا ہے اور قاضی یا دوسرے لوگوں کو اس کے نکاح کا علم نہیں ہوتا ایسی صورت میں لزوم نفقہ کی حد تک بینہ قبول کرنے میں عورت کی جانب کی رعایت ہے اور رعایت کا بھی کوئی ضرر نہیں کیونکہ واپسی کے بعد اگر تصدیق کرے تب تو عورت نے اپنے مستحقہ حق لیا ہے ورنہ خاوند اس عورت سے یا اس کی جانب کے اس کفیل سے رجوع کرے گا جسے قاضی نے مقرر کیا ہے ۱۲ زیلعی۔

؎ قولہ لحدیث فاطمۃ الخ اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "مجھے میرے خاوند نے تین طلاق دیدیں اور حضور نے ان کے لئے نفقہ اور رہائش مقرر نہیں فرمایا۔ اور رد عمرؓ سے مراد یہ ہے کہ فاطمہ کی حدیث سن کر آپ نے فرمایا کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ایک عورت کے قول پر نہیں چھوڑ سکتے کیا خبر اس نے یاد رکھا یا بھول گئی اس لئے اس کو رہائش اور نفقہ کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالے نے فرمایا "لا تخرجوہن من بیوتہن" اخرجہ مسلم۔ اور اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا ہے ۱۲

(بقیہ گذشتہ) ؎ قولہ الّا ان الخ یعنی مرتدہ کا نفقہ اس لئے ساقط ہوتا ہے کہ اُسے توبہ کے لئے قید کیا جاتا ہے اور محبوسہ کے لئے نفقہ نہیں ہے۔ بخلاف ممکنہ کے، غرض اس صورت میں ارتداد یا تمکین کا کوئی اثر نہیں ہے تفریق پر کیونکہ ان با توں سے پہلے ہی طلاق بائن کے ذریعہ فرقت ہو چکی ہے ۱۲

؎ قولہ ونفقۃ الطفل الخ۔ اس کا کھانا کپڑا اور رہائش سب پر نفقہ کا لفظ مشتمل ہے اور "طفل" ولادت سے لے کر بلوغ سے پہلے تک اطلاق ہوتا ہے اس لفظ میں مفرد جمع اور مؤنث و مذکر سب برابر ہیں، اس میں یہ اشارہ ہے کہ باپ پر بالغ اولاد کا نفقہ بغیر کسی عذر کے لازم نہیں اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی اور فقیر کی قید اس لئے لگائی (باقی صفحہ آئندہ پر)

بان لا یوجد من ترضعه او لا یشرب لبن غیرها ویستاجر الاب من ترضعه عندها[۱]
ای لغیر الام ۱۲ عمدہ

ای اذا لم تتعین الام ولو استاجرها منکوحة او معتدة من رجعی لترضعه لم
الابنیة بنا بان هن

یجز وفی المبتوتة روایتان اعلم ان قوله تعالیٰ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ
ای المعتدۃ من طلاق بائن ۱۲ عمدہ

اوجب الارضاع علی الامهات ثم قوله تعالیٰ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ
الایۃ فی سورۃ البقرۃ ۱۲ عمدہ

وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ اوجب[۲] دفع الضرر عن الامهات والآباء

فان امتنعت والاب لا یتضرر باستیجار المرضعة لا تجبر الام لان الظاهر
بکسر الفاء ای التی ترضع الولد ۱۲ عمدہ

ان امتناعها للعجز لان اشفاق الامومة تدل علی انها لا تمتنع الا للعجز فاذا
بکسر الہمزۃ ۱۲ عمدہ

اقدمت علیه وطلبت الاجرة۔
ای من الاب او وارثہ ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ یعنی جب ماں کے سوا دودھ پلانے والی نہ ملے یا لڑکا کسی اور کا دودھ نہ پیئے۔ اور باپ نوکر رکھ لے مرضعہ کو جو دودھ پلائے بچہ کو اس کی ماں کے پاس، یعنی جب دودھ پلانے کے لئے ماں ہی متعین نہ ہو تو باپ کو چاہیئے کہ کسی مرضعہ کو نوکر رکھ لے اور اگر بچہ کی ماں کو نوکر رکھ لیا اور وہ اپنی زوجہ ہے یا طلاق رجعی کی عدت میں ہے تو یہ جائز نہیں اور اگر طلاق بائن کی عدت میں ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ (ایک میں جائز اور دوسری روایت میں ناجائز ہے) واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دودھ پلانا ماؤں پر واجب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد "کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق، کسی ماں کو تکلیف نہ پہونچانا چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں اور باپ دونوں سے ضرر کا دفع کرنا بھی واجب ہے، اب اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے اور باپ کو دودھ پلانے والی عورت نوکر رکھنے میں تکلیف نہ ہو تو ماں کو دودھ پلانے پر جبر نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس نے واقعی کسی مجبوری کی بنا پر ہی انکار کیا ہے کیونکہ ماں کی طبعی شفقت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بغیر عذر کے وہ دودھ پلانے سے انکار نہیں کرے گی۔ اب اگر وہ دودھ پلانے پر آمادگی ظاہر کرے اور اجرت طلب کرے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کہ اگر وہ غنی ہو تو اس کے موجود مال میں سے اس کا نفقہ لازم ہوگا چاہے زمین، کپڑا یا اور چیز ہو یعنی جب بھی نفقہ کی ضرورت ہوگی تو باپ کو یہ چیزیں بیچ کر اس پر خرچ کرنے کا حق ہوگا ۱۲

سے قولہ ولیس علی امہ الخ۔ یعنی بچہ کی ماں پر واجب نہیں چاہے وہ اس کے باپ کے نکاح میں ہو یا مطلقہ ہو کہ بچہ کو دودھ پلائے۔ یہ حکم قضاءً ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بچہ کی ضروریات پوری کرنا والد پر واجب ہے اور دودھ پلانے کی اجرت ضروریات میں داخل ہے اس لئے باپ پر لازم ہے کہ وہ اجرت پر بچہ کو دودھ پلائے۔ ماں پر واجب نہیں، لیکن دیانت کے اعتبار سے ماں پر دودھ پلانا بہر حال واجب ہے اور قضاءً بھی اس وقت واجب ہے جبکہ بچہ کی ماں متعین ہو جائے دودھ پلانیوالی دوسری کوئی میسر نہ ہو ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) [۱] قولہ عندہا الخ۔ یعنی اجرت پر رکھی ہوئی مرضعہ بچہ کی ماں کے گھر میں یہ خدمت انجام دیگی، کیونکہ حضانت و پرورش کا حق دراصل ماں کو حاصل ہے، اس لئے باپ کو جائز نہیں کہ وہ بچہ کو ماں کے قبضہ سے نکال کر مرضعہ کے حوالہ کر دے اور وہ دوسرے مکان میں لیجا کر دودھ پلائے ۱۲

[۲] قولہ اوجب دفع الضرر الخ۔ اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ آیت اخبار، صورۃً خبر ہے اور معنیً نہی ہے اس لئے حرمت مضرت ابوین اور وجوب دفع ضرر عن الوالدین کا حکم اس سے ثابت ہوگا۔ (باقی صہ آئندہ پر)

لا تعطی لانہ[1] ظھر قدرتھا فالاتیان بالواجب لا یوجب الاجرۃ علٰی[2] ان الشرع لم یوجب للمرضعۃ الا النفقۃ قال اللہ تعالیٰ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف فکل من یاخذ النفقۃ وھی المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی لا تعطی شیئًا اٰخر للارضاع واما المبتوتۃ فکذا فی روایۃ واما علی الروایۃ الاخریٰ فان الزوج[3] قد اوحشھا بالابانۃ فلا یُرجی منھا المسامحۃ والمساھلۃ فصارت کما بعد العدۃ وانما تجوز الاجارۃ بعد العدۃ لان النفقۃ غیر واجبۃ لھا فتجب الاجرۃ لقولہ[4] تعالیٰ وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ ۔ الاٰیۃ۔

ترجمہ :۔ تو اسے اجرت نہیں دی جائے گی کیونکہ آمادگی سے ظاہر ہوگیا کہ وہ دودھ پلانے پر قادر ہے (اور قدرت کی حالت میں پہلی آیت کی رو سے دودھ پلانا اس پر واجب ہے) اور اپنا واجب ادا کرنے کے عوض کسی پر اجرت لازم نہیں آتی۔ علاوہ ازیں شرع کی رو سے باپ پر دودھ پلانے والی ماں کا صرف نفقہ واجب ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ”اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق“ تو جو عورت نفقہ حاصل کرتی ہے منکوحہ ہونے یا طلاق رجعی کی عدت میں ہونے کی حالت میں اسے دودھ پلاتی پر اور کوئی چیز دینے کا حکم نہیں اور جو عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو ایک روایت میں اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے اور دوسری روایت میں اس کو اجرت میں دودھ پلانے پر رکھنا جائز ہے، کیونکہ طلاق بائن دے کر زوج نے خود ہی اس کو متنفر کر دیا ہے اب اس سے مروت اور حسن سلوک کی کوئی امید نہیں پس وہ ایسی (اجنبی) ہوگئی، جس طرح عدت ختم ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

تشریح :۔ (بقیہ صفحہ گزشتہ) اور اس حکم ہی میں تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ نے ولد کی نسبت کبھی ماں کی طرف کی ”بولدھا“ پھر باپ کی طرف کی ”بولدہ“ جس میں اشارہ ہے کہ ماں کی شفقت اپنے بچہ پر اسی طرح باپ کی شفقت اپنے بچہ پر فرو مانع ہے اس قسم کے سلوک سے جو ان میں سے کسی کے حق میں موجب فرر و تکلیف ہو ۱۲ کر

(حاشیہ صفحہ ہذا)

تشریح :۔ [2] قولہ علٰی ان الخ یعنی شارح نے جب فرمایا وعلی المولود لہ یعنی باپ پر ”رزقھن“ یعنی دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا کپڑا تو یہاں رضاعت کے لئے الگ نفقہ اور زوجیت کا الگ نہیں فرمایا اس لئے مرضعہ ماں کے لئے باپ پر صرف نفقہ واجب ہوگا اس سے زیادہ کچھ بھی واجب نہیں ہو سکتا ۱۲

[3] قولہ فان الزوج قد اوحشھا الخ یعنی جب خاوند نے اسے ایسی طلاق بائن دیدی جس کے بعد رجعت کا احتمال نہیں تو اس نے خود ہی اسے ایسا متوحش و متنفر کر دیا ہے جس کے بعد پھر اس سے یہ امید رکھنا کہ وہ رضاکارانہ طور پر بچہ کو دودھ پلا دیگی۔ بالکل بے جا ہے اس لئے اب بچہ کی پرورش کی خاطر اس کو اجرت دینی جائز ہے جس طرح کہ اس کی طلاق کے بعد عدت گذرنے پر وہ اجنبی ہو جاتی ہے اور اس کے لئے اجرت لینی جائز ہے۔ البتہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چاہے خاوند نے اُسے متوحش کیا ہے لیکن جب تک عورت عدت میں ہے تب تک اس کا تعلق خاوند سے کلیۃً منقطع نہیں ہوا چنانچہ اس تعلق کی بنا پر عورت کا نفقہ اس پر واجب ہے اس لئے ارضاع کے باعث مزید کچھ واجب نہ ہوگا جبکہ وہ دودھ پلانے پر تیار ہو۔ بخلاف عدت کے بعد کی حالت کے کہ خاوند سے کوئی تعلق نہیں رہتا نہ نفقہ پاتی ہے اس لئے اجرت جائز ہے ۱۲ (باقی صفحہ آئندہ پر)

والارضاعۃ بعد العدۃ او لابنہ من غیرھا صح ای الاستیجار لارضاع ولدہ الذی منہا بعد ما طلقھا وانقضت عدتھا والاستیجار لارضاع ابنہ الذی من غیرھا صح سواء کانت المستاجَرۃ فی نکاحہ او فی العدۃ او بعد العدۃ وھی ای الام احق من الاجنبیۃ الا اذا طلبت زیادۃ اجرۃ ونفقۃ البنت بالغۃ والابن زمنا علی الاب خاصۃ بہ یفتی انما قال ھذا لان علی روایۃ الخصاف والحسن تجب اثلاثا ثلثاھا علی الاب وثلثھا علی الام وھذا اذا لم یکن لھما مال حتی لو کان لھما مال فالنفقۃ من مالھما۔

بفتح الجیم علی صیغۃ اسم مفعول ۱۲ عدہ — علی — ولم کان دون ابراثہ ۱۲ عدہ — ای قولہ بہ یفتی ۱۲ عدہ — ای وجوب نفقۃ البنت البالغۃ والابن الزمن ۱۲ عدہ

ترجمہ:۔ اور عدت گذر جانے کے بعد عورت کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھنا یا دوسری بیوی کے بچہ کے لئے اجرت پر رکھنا صحیح ہے، یعنی اس بچہ کو دودھ پلانے کے لئے جو اس کے بطن سے ہے اجرت پر رکھنا درست ہے جبکہ عورت کو طلاق دیدے اور اس کی عدت گذر جائے، اسی طرح اجرت پر رکھنا صحیح ہے اس بیٹے کو دودھ پلانے کے لئے جو دوسری بیوی کے بطن سے ہو خواہ یہ اجرت پر رکھی جانے والی عورت اس کے نکاح میں ہو یا عدت میں ہو یا عدت گذر چکی ہو۔ اور یہ یعنی ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجنبیہ عورت کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے مگر یہ کہ وہ زیادہ اجرت طلب کرے اور بالغہ لڑکی اور معذور بالغ لڑکے کا نفقہ باپ ہی پر واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے مصنف نے صراحۃً اسکو اس لئے بیان کیا کہ امام خصافؒ اور حسن کی روایت میں اثلاثا واجب ہے یعنی دو ثلث باپ پر اور ایک ثلث ماں پر واجب ہے اور یہ حکم تب ہے جبکہ بالغہ لڑکی اور معذور لڑکے کے پاس مال نہ ہو لیکن اگر خود ان کے پاس مال موجود ہو تو ان کا نفقہ ان ہی کے مال سے ہوگا۔

(بقیہ صد گذشتہ)

تشریح ۱ قولہ لقولہ تعالیٰ الخ اور اس آیت سے بھی جو سورۂ طلاق میں ہے "فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن" اور اس آیت سے استدلال کرنا زیادہ بہتر ہے شرح میں مذکور آیت کے مقابلہ میں اس لئے کہ سورۂ طلاق کی اس آیت میں اس بات کی پوری تصریح ہے کہ جن ماؤں کی عدت گذر چکی ہو انھیں دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھنا جائز ہے اور اسے دودھ پلائی پر اجرت دینا واجب ہے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا)

۱ قولہ سواء کانت الخ یہ عمومیت دوسری صورت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا شدہ بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اپنی عورت کو اجرت پر رکھنا جائز ہے خواہ یہ عورت نکاح میں ہو یا طلاق رجعی یا بائن کی عدت میں ہو یا عدت ختم ہو چکی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عورت پر اس بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں جو شوہر کی دوسری بیوی کے بطن سے ہو۔ اس لئے ہر حال میں اسکو اجرت پر لینا جائز ہے بخلاف اس بچہ کے جو خود اسکے بطن سے ہو کہ اسکو دودھ پلانا شرعاً اس پر واجب ہے ۱۲

۲ قولہ بالغۃ الخ یہ بنت کے لحاظ سے حال واقع ہے اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت ہونا ہی عاجزہ ہونے کی دلیل ہے خواہ وہ بالغہ ہو جائے۔ چنانچہ بیٹی کا نفقہ واجب ہے چاہے وہ کمانے پر قدرت رکھتی ہو البتہ یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ نکاح نہ بیٹھے اور جب اس کا نکاح ہو جائے تو پھر باپ کی بجائے خاوند پر نفقہ واجب ہوگا اور "زمن" زاء کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ یعنی جس کو مرض مزمن (پرانا اور کہنہ لاعلاج مرض) لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ کمانے کے قابل نہ رہے مثلاً اندھا یا مفلوج ہو جائے ۱۲ کفایہ

وعلی الموسر بیسار الفطرۃ نفقۃ اصول الفقراء بالسویۃ بین الابن والبنت ویعتبر فیہا القرب والجزئیۃ لا الارث ففی من لہ بنت وابن ابن کلہا علی البنت وفی ولد بنت واخ علی ولدہا مع ان الارث نصفان بین البنت وابن الابن والارث کلہ للاخ ولا شئ لولد البنت لانہ من ذوی الارحام ونفقۃ کل ذی رحم محرم صغیر فقیر او انثی بالغۃ فقیرۃ او ذکر زمن او اعمی علی قدر الارث ویجبر علیہ ویعتبر فیہا اہلیۃ الارث لا حقیقتہ وانما قال ہذا لان نفقۃ ہؤلاء انما تجب لقولہ تعالیٰ وعلی الوارث مثل ذلک فینبغی ان لا تجب الا علی الوارث۔

ترجمہ:۔ اور ایسا مالدار جس پر بوجہ مالداری صدقۂ فطر واجب ہے اس پر اپنے مفلس ماں باپ کا نفقہ واجب ہے اور اس وجوب نفقہ میں بیٹا بیٹی برابر ہیں اور نفقہ کے معاملہ میں قرابت اور جزئیت کا اعتبار ہے وراثت کا اعتبار نہیں چنانچہ جس شخص کا ایک پوتا اور ایک بیٹی ہے تو اس کا کل نفقہ بیٹی کے ذمہ ہے اسی طرح جس شخص کا ایک نواسا اور ایک بھائی ہے تو اس کا کل نفقہ نواسے پر ہے باوجود اس بات کے کہ پہلی صورت میں ترکہ دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔ اور دوسری صورت میں کل ترکہ بھائی لے لیگا اور نواسے کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔ اور نفقہ ہر ذی رحم محرم کا جو صغیر و محتاج ہو یا بالغہ لڑکی جو فقیر ہو یا معذور مرد یا اندھے کا ان کے وارث پر بقدر میراث واجب ہے اور جبراً یہ نفقہ ان سے دلوایا جائے گا اور اس ذمہ داری میں ارث کی اہلیت کا اعتبار ہے حقیقتاً وارث ہونا شرط نہیں اور یہ اس لئے کہا کہ ان ذوی الارحام کا نفقہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے "وعلی الوارث مثل ذلک" واجب ہوتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف وارث ہی پر واجب ہو۔

تشریح:۔ سلہ قولہ الفقراء الخ یہ اصول کی صفت ہے یعنی اصول کا نفقہ واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ جس کا نفقہ واجب ہو رہا ہے وہ محتاج ہو خواہ کمانے پر قادر ہو کیونکہ اگر وہ مالدار ہوگا تو اس کا نفقہ اپنے مال پر لازم ہوگا اور کسی مالدار کا نفقہ دوسرے شخص پر واجب نہیں سوائے خوشحال بیوی کے کہ اس کا نفقہ مالدار ہونے کے باوجود شوہر پر واجب ہے کیونکہ بیوی کا نفقہ اس کو اپنی خدمت میں روکنے کے باعث واجب ہے احتیاج کی بنا پر نہیں لیکن دوسرے ذوی الارحام کا نفقہ صلہ رحمی کی بنا پر واجب ہے اور صلہ رحمی کے طور پر خرچ کا وجوب احتیاج کے موقع پر ہوتا ہے اور اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے " وصاحبہما فی الدنیا معروفا " ہمارے اگرچہ والدین مراد ہیں مگر ان کے ساتھ تمام اصول ملحق ہیں کیونکہ یہ بات معروف کے خلاف ہے کہ اس کے باپ دادا میں سے کوئی بھوک سے مر رہا ہو اور وہ خود عیش سے مزا اڑا رہا ہو اور دوسری شرط یہ کہ جس پر نفقہ لازم آرہا ہے وہ خوشحال ہو کیونکہ جو خود فقیر اور غیر کا محتاج ہو اس پر دوسروں کا نفقہ کس طرح لازم آسکتا ہے اس لئے فقیر پر کسی کا نفقہ واجب نہیں سوائے اس کی بیوی اور چھوٹے بچے کے کہ ان کا نفقہ بہرحال واجب ہے۔ کما مر ۱۲

سلہ قولہ ویعتبر فیہا الخ یعنی اصول کے نفقہ میں جزئیت کے علاوہ قرب کا لحاظ ہوگا نہ کہ وارث ہونے کا یعنی اولا ولادت کے لحاظ سے جزئیت کا اعتبار ہوگا پھر الاقرب فالاقرب کا اعتبار ہوگا۔ وارث ہوتا ہے یا نہیں اس کا کوئی لحاظ نہ ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ وجوب نفقہ کا اصل سبب جزئیت کا تعلق ہے اس لئے پہلے اس کا اعتبار ہوگا اس کے بعد قرب کو دیکھیں گے۔

باقی صد آئندہ پر

فقال المعتبر اهلیۃ الارث لا حقیقتہ وذلك لان حقیقۃ الارث لا تعلم الا بعد الموت فمن لہ خالٌ وابنُ عمٍ یمکن ان یموت ابن العم ویکون الارث للخال فاعتبر الاقربیۃ مع اهلیۃ الارث فنفقۃ من لہ اخوات متفرقات علیہن اخماسا کارثہ فقولہ فنفقۃ من لہ اخوات الخ صورتہ مات احد وترك منہ ثلث اخوات واحدۃ منہن لاب وام والثانی من اب والثالث من ام فالترکۃ بینہن یقسم علی خمسۃ سہام ثلثۃ اسہم لاختٍ لابٍ وامٍ وسہمٌ لاختٍ لابٍ وسہمٌ لاختٍ لامٍ فکذلك النفقۃ ونفقۃ من لہ خال وابن عم علی الخال ولا نفقۃ مع الاختلاف دینا الا للزوجۃ والاصول والفروع۔

ترجمہ :۔ اور مصنفؒ نے یہ جو فرمایا کہ اہلیت ارث کا اعتبار ہے حقیقت کا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت ارث کا علم موت سے پہلے نہیں ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص کا ایک ماموں اور ایک چچا زاد بھائی ہے تو ممکن ہے کہ چچا زاد بھائی پہلے مرجائے اور ماموں وارث ہو جائے تو یہاں قرابت کے ساتھ اہلیت ارث کا اعتبار ہے (اسی بنا پر ماموں پر نفقہ واجب ہے اگرچہ اسکو میراث نہ ملنے کا بھی احتمال ہے جبکہ چچا زاد بھائی زندہ ہو) تو جس شخص کی تین بہنیں متفرق جہت سے (ایک حقیقی ایک علاتی اور ایک اخیافی) ہیں اس کا نفقہ ان پر پانچ بٹا حساب سے واجب ہے جس طرح اس کی میراث کے حصے ہوتے ہیں مصنفؒ کا قول "فنفقۃ من لہ اخوات الخ کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کا انتقال ہوا اور وہ تین بہنیں چھوڑ کر جائے، ایک ان میں سے باپ ماں شریک حقیقی دوسری باپ شریک علاتی اور تیسری ماں شریک اخیافی، تو ان کے درمیان ترکہ تم پانچ حصے کئے جائیں گے تین حصے حقیقی بہن کو اور ایک حصہ علاتی بہن کو اور ایک حصہ اخیافی بہن کو ملے گا۔ تو اس شخص کا نفقہ بھی ان کے اوپر اسی حساب سے واجب ہوگا۔ اور جس شخص کا ایک ماموں اور ایک چچا کا بیٹا ہو تو اس کا نفقہ ماموں پر ہوگا اور نفقہ نہیں ہے اختلاف دین کے ساتھ مگر زوجہ کا اور اصول و فروع کا نفقہ واجب ہے باوجود اختلاف دین کے

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) تاکہ ناقص پر کامل کو مقدم رکھا جائے چنانچہ اگر مسلم کے دو اولاد ہوں اور ایک ان میں سے نصرانی یا لڑکی ہو تو بھی نفقہ دونوں پر مساوی لازم ہوگا۔ اگرچہ نصرانی باپ کی وراثت سے محروم ہے اور لڑکی نصف ترکہ لے گی اسی طرح بیٹا اور پوتا ہو تو فقط بیٹے پر واجب ہے اقرب ہونے کے لحاظ سے ۱۲

۲ قولہ ونفقۃ" کل ذی رحم الخ. محرم میم کے فتحہ کے ساتھ اور اس سے مراد جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو ان دونوں قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ جو ذی رحم محرم ہو اس پر نفقہ واجب نہیں جیسے ابن عم اسی طرح جو محرم ہو مگر ذی رحم نہ ہو اس پر بھی واجب نہیں۔ جیسے ام الزوجہ یا اخ رضاعی ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) ۱ قولہ اخوات متفرقات الخ. یعنی سب بہنیں مالدار ہوں اور متفرقات سے مراد یہ ہے کہ ایک حقیقی دوسری باپ شریک ہو اور تیسری صرف ماں شریک ہو ۱۲

۲ قولہ ولا نفقۃ۔ الخ یعنی اختلاف دین کے باعث کسی کا نفقہ دوسرے پر واجب نہیں جبکہ ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو لیکن اگر ایک اہل سنت میں سے اور دوسرا شیعہ ہو کر اس کی شیعیت کفر کی حد تک نہ پہونچے تو وجوب نفقہ میں اس اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ایسے اختلاف کے باوجود نفقہ واجب ہوگا اور ان کے درمیان وراثت جاری ہوگی۔ تمام اہل اہواء اور بدعت کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے ۱۲

(باقی صد آئندہ پر)

ثم بعد هذا یحسن زیادۃ هٰذه العبارۃ ولا علی الفقیر الا لها وللفروع ولا للغنی الا لها و
الاشارۃ الی ابعد ۱۲ عدہ

عبارۃ المختصر قد غیرتها الی هٰذه العبارۃ وحاصلها ان النفقۃ لا تجب علی الفقیر الا للزوجۃ[۱]
المختصر الوقایۃ ۱۲ عدہ — ای ابق حکم بحسن زیادتہا ۱۲ عدہ

والفروع ولا تجب للغنی الا للزوجۃ واما غیر الزوجۃ فان کان غنیا لا تجب له النفقۃ علی احد
ای الا الزوج ۱۲ عدہ — فانہ تجب نفقتہا وان کانت موسرۃ علی الزوج ۱۲ عدہ

و[۲]باع الاب عرض ابنه لا عقارہ لنفقته ولا لدین له علیه سواها ای لا یبیع الاب مال الابن
او مصرفہ وما بعدہ صفۃ ۱۲ عدہ

لدین سوی النفقۃ له علی الابن قالوا ان للاب ولایۃ حفظ مال الابن وبیع المنقولات من

باب الحفظ لا بیع العقار لانه محصّن بنفسه فاذا باع المنقول فالثمن من جنس حقه وهو
اسم مفعول من الاحصان ای محرز ومحفوظ بنفسہ لا یحتاج لحفظ ای ببیعہ ۱۲ عدہ

النفقۃ فیصرفه الیها [۳]قلت الکلام۔ الی آخرہ

ترجمہ: ۔ شارح فرماتے ہیں یہاں یہ عبارت بھی بڑھا دینے سے بہتر ہوتا "اور محتاج پر کسی کا نفقہ واجب نہیں مگر زوجہ کا اور اولاد کا۔ اور غنی کا نفقہ کسی پر واجب نہیں سوائے زوجہ کے کہ وہ مالدار ہونے سے بھی اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے" چنانچہ مختصر الوقایہ کی عبارت نے مذکورہ طرز پر بدل دی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "محتاج و فقیر کے ذمہ کسی کا نفقہ واجب نہیں مگر زوجہ اور اولاد کا نفقہ فقیر پر بھی واجب ہے اور غنی کے لئے نفقہ واجب نہیں سوائے زوجہ کے کہ وہ غنی ہونے سے بھی نفقہ واجب ہے اور غیر زوجہ اگر غنی ہو تو اس کا نفقہ کسی پر واجب نہیں۔ اور جائز ہے باپ کے لئے کہ اپنے نفقہ کے لئے غائب بیٹے کا سامان بیچ ڈالے لیکن اس کی زمین کا بیچنا جائز نہیں اور سوائے نفقہ کے اور کسی قرض کی بابت جو باپ کا بیٹے پر ہو اس کے سامان کا بیچنا درست نہیں یعنی: باپ سوائے اپنے نفقہ کے بیٹے کا کوئی مال اپنے دین کی وصولیابی کے لئے بیچ نہیں سکتا ہے جو دین بیٹے کے ذمہ ہو اس مسئلہ کی علت کے طور پر فقہاء نے ذکر کیا ہے، چونکہ باپ کو بیٹے کے مال کی حفاظت کی ولایت حاصل ہے اور اموال منقولہ کا بیچ ڈالنا بھی حفاظت میں داخل ہے، بخلاف زمین کے کہ اس کی بیع حفاظت میں داخل نہیں کیونکہ یہ تو خود ہی محفوظ ہے (کوئی چوری کرکے اٹھا نہیں لے جا سکتا ہے) اب جبکہ باپ نے مال منقول کو بیچ ڈالا تو اس کا ثمن جو اس کے ہاتھ لگا وہ اپنے حق یعنی نفقہ کی جنس میں سے ہے اس لئے اپنے نفقہ پر اس ثمن کو خرچ کر سکتا ہے شارح فرماتے ہیں کہ اصل گفتگو اس بارے میں ہے۔

(تشریح) (بقیہ صرگزشتہ) [۱] قولہ الا الزوجۃ الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ زوجہ کا نفقہ عقد کے باعث احتباس کی بنا پر لازم ہوتا ہے اور اس کا یہ حق وحدت ملت کے ساتھ مخصوص نہیں اسی طرح اصول و فروع کا نفقہ ولادت اور جزئیت کی بنا پر ہے اور یہ حیثیت اختلاف ملت سے ختم نہیں ہوتی بخلاف دیگر محارم کے کہ ان کا نفقہ صلہ رحمی کے باعث واجب ہوتا ہے اور محارم کفار کے ساتھ صلہ رحمی واجب نہیں۔

[۱] قولہ الا الزوجۃ والفروع الخ یعنی بیوی کا نفقہ خاوند پر واجب ہے چاہے وہ تنگدست ہو اسی طرح تنگدست باپ پر اس کی اولاد کا نفقہ واجب ہے ۱۲

[۲] قولہ وباع الاب الخ یعنی باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی منقولہ اشیاء بیچ کر قیمت اپنے نفقہ میں خرچ کرے یہ امام صاحب کا مذہب ہے صاحبین کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ بلوغ کے سبب سے بالغ بیٹے پر باپ کی ولایت منقطع ہو گئی اس لئے وہ اس کے مال فروخت نہیں کر سکتا جیسے اس کے غیر منقول مال بالاتفاق نہیں بیچ سکتا اور جس طرح نفقہ کے علاوہ ادائے دین کی غرض سے مال منقول کو بھی بیچ نہیں سکتا اور صاحبین کا قول قیاس کے موافق ہے البتہ امام صاحب کے قول کی توجیہ عنقریب سامنے آ جائے گی، بہرحال یہ حکم تب ہے جبکہ بیٹا غائب ہو اور اگر بیٹا موجود ہو تو بالاتفاق اس کا مال بیچنا جائز نہیں ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ مسئلہ بالغ بیٹے کے بارے میں ہے لیکن چھوٹا بیٹا یا مجنون کی صورت میں باپ کو اس کا مال بلکہ زمین بھی نفقہ کی خاطر فروخت کرنا بالاتفاق جائز ہے ۱۲ ہدایہ، بحر۔

[۳] قولہ قلت الکلام الخ اس سے فقہاء کی تعلیل سابق پر اعتراض وارد کرنا مقصود ہے دو پہلو سے ۱۔ ان کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ حفاظت کی خاطر باپ کو بیٹے کا مال فروخت کرنا جائز ہے پھر بعد میں اس کی ثمن جنس حق میں ہونے کے باعث اپنے نفقہ میں خرچ کر لیگا حالانکہ یہ مدعی کے مطابق نہیں مدعی تو یہ ہے نفقہ کی غرض سے بیچ سکتا ہے یا نہیں اور یہ بات دلیل براہ راست ثابت نہیں ہوتی۔ (باقی صہ آئندہ پر)
(باقی صہ آئندہ پر)

فی انہ ھل یحل بیع العرض لاجل النفقۃ لا فی البیع لاجل المحافظۃ ثم الانفاق من الثمن علا ان العلۃ لو کانت ھٰذہٖ لجاز البیع لدین سوی النفقۃ لعین ھٰذ الدلیل بل العلۃ ان للاب ولایۃ تملک مال الابن عند الحاجۃ[1] کما فی استیلاد جاریۃ الابن فیکون لہ ولایۃ بیع عروض الابن لبقاء نفسہ وانما لا یلی بیع العقار لانہ مُعَدٌّ للانتفاع بہ مع بقائہ وھو الزراعۃ وولایۃ الاب نظریۃ ولا نظر فی بیع العقار بل بیعہ اجحاف فمصلحۃ الابن ابقاؤہ والانتفاع بہ ولا[2] للام بیع مالہ لنفقتھا لان تملک مال الابن مخصوص بالاب لقولہ علیہ السلام انت ومالک لابیک ولانہ لیس للام ولایۃ التصرف فی مال الابن۔

ترجمہ:۔ کہ نفقہ کی ضرورت سے بیٹے کا سامان بیچنا حلال ہے یا نہیں ؟ حفاظت کی غرض سے بیچنے پھر اس ثمن کو نفقہ میں خرچ کرنے کے متعلق بحث نہیں (اور سابقہ علت شق ثانی کے موافق ہے نہ کہ اول کے) علاوہ ازیں اگر فقہاء کی اس علت کو تسلیم کر لی جائے تو بعینہ اس دلیل کی رو سے نفقہ کے علاوہ وصولی قرض کے لئے بھی بیع کا جائز ہونا لازم آتا ہے (حالانکہ وہ اس کو جائز نہیں رکھتے) اس لئے حکم مذکور کی اصل علت یہ ہے کہ باپ کو بوقت ضرورت بیٹے کے مال پر مالکانہ ولایت حاصل ہے جیسے کہ بیٹے کی باندی کو ام ولد بنا لینے کا اختیار باپ کو حاصل ہے اس لئے (بیٹے کے مال کی حفاظت کی خاطر نہیں بلکہ) خود زندہ رہنے کے لئے باپ کو بیٹے کا مال بیچنے کا حق حاصل ہے اور زمین بیچنے کا اختیار اس لئے نہیں کہ زمین کی مالیت کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ اصل کو باقی رکھ کر اس سے زراعت وغیرہ کی شکل میں نفع اٹھایا جائے اور باپ کی ولایت شفقت پر مبنی ہے اور زمین کے بیچنے میں شفقت نہیں بلکہ اس کی بیع میں نقصان اور بربادی ہے اس لئے بیٹے کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھایا جائے اور ماں کے لئے اپنے نفقہ کی خاطر بیٹے کے مال کو فروخت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ بیٹے کے مال پر ولایت تملک باپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے" اور اس وجہ سے کہ یوں بھی بیٹے کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار ان کو حاصل نہیں ہے۔

تشریح) بقیہ صفحہ گذشتہ ۲۔ اگر یہ دلیل مان لی جائے تو نفقہ کے علاوہ وصولی قرض پر بھی یہ جاری ہو سکتی ہے کہ حفاظت کی غرض سے فروخت کرنے کی تو ولایت حاصل ہے اور فروخت کے بعد جنس حق میں سے ہونے کی بنا پر وہ اپنا دین وصول کر لے وہذا خلف ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ عند الحاجۃ الخ یعنی محض ضرورت کے وقت مالکانہ تصرف کا اختیار ہے اور اگر وہ اس سے بے نیاز ہو تو بیٹے کے اذن کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں ۱۲

[2] قولہ ولا للام الخ یعنی خاص خوشحال بیٹے کی ماں کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کے مال میں سے اپنے نفقہ کے لئے کچھ فروخت کرے ایسے ہی اس کی اولاد اور باقی اقارب نیز قاضی کو بھی بیع کا اختیار نہیں کیونکہ باپ کے سوا کسی کو اس کے مال کا مالک بن جانے کا اختیار نہیں اور تصرف اور فروخت کرنے کا جواز دراصل ولایت تملک کی فرع ہے ۱۲

وضمن[1] مودع الابن الغائب لو انفقها على ابويه بلا امر قاضٍ لا الابوان لو انفقا ما لعند هما واذا قضى بنفقة غير العرس ومضت مدة سقطت لان نفقة هؤلاء انما تجب كفاية للحاجة فاذا مضت المدة حصلت الكفاية وقد نُقل عن الجامع الكبير للبزدوی ان هذا اذا طالت المدة بعد القضاء اما اذا قصرت فلا تسقط وقد روا القصر بما دون الشهر الا ان ياذن القاضی بالاستدانة[2] ای باذن القاضی بالاستدانة فح يصير دينا على الغائب ونفقة المملوك على سيده فان ابى كسب وانفق وان عجز أُمِرَ ببيعه۔

(حواشی بین السطور: ای الزوجة ۱۲ عدہ — بصيغة المجهول ۱۲ عدہ — ای المشائخ ۱۲ عدہ — ای تقدير القاضی ۱۲ عدہ — ای لو لا الاذن وجبت نفقتهم ۱۲ عدہ — ولا يسقط بمضی المدة وان طالت ۱۲ عدہ)

ترجمہ:۔ اور اگر بیٹا غائب ہو اور اس کا مال کسی کے پاس امانت ہو اور اس نے قاضی کے حکم کے بغیر اس امانت میں سے اس کے ماں باپ پر خرچ کیا تو وہ ضامن ہوگا اور اگر اس کا مال ماں باپ کے پاس امانت تھا اور انہوں نے بلا حکم قاضی خرچ کیا تو ضمان لازم نہیں آئے گا۔ اور جب قاضی زوجہ کے علاوہ کسی کسی کے نفقہ کا حکم کرے اور ایک مدت تک ان کو نفقہ نہ پہونچے تو بقدر اس کے نفقہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ زوجہ کے علاوہ دوسرے اقارب کا نفقہ بقدر کفایت حاجت واجب ہوتا ہے اور جو مدت گذر گئی اس مدت کی حاجت بھی ختم ہو گئی۔ اور امام بزدوی کی جامع کبیر سے منقول ہے کہ یہ حکم تب ہے جبکہ قاضی کے حکم کے بعد مدت دراز گذر جائے لیکن اگر تھوڑی سی مدت گذری تو اس مدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا اور ایک مہینہ کے کم سے تھوڑی مدت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ لیکن اگر قاضی نے اس کو قرض لیکر خرچ کرنے کا حکم کیا ہو۔ یعنی اگر قاضی اسکو غائب کے نام پر قرض لے کر خرچ کرنے کی اجازت دے تو اس وقت وہ مال غائب کے ذمہ پر بطور دین لازم ہوگا اور مملوک کا نفقہ اس کے مالک کے ذمہ ہے اب اگر مالک نفقہ دینے سے انکار کرے تو غلام خود کمائے اور اپنی ذات پر خرچ کرے اور اگر غلام کمانے سے عاجز ہو تو مالک کو حکم دیا جائے گا کہ اسے بیچ ڈالے

تشریح:۔ [1] قولہ ضمن الخ یعنی اگر غائب بیٹے کا مال کسی امانت دار کے پاس ہے اور اس نے اس میں سے اس کے والدین پر خرچ کیا تو وہ ضامن ہوگا ایسے ہی اگر اس نے اس کی بیوی اور بچوں پر خرچ کیا مالک یا قاضی کی اجازت کے بغیر تو وہ ضامن ہوگا کہ واپس آنے کے بعد اس کو پورا مال ادا کرنا پڑے گا اور یہی حکم ہے غائب کے قرض دار کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امانتدار اور قرضدار دونوں کو امانت رکھنے والے اور قرض دینے والے کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کا حق نہیں اب اس نے اگر بغیر اجازت کے تصرف کیا تو ضامن ہوگا ہاں اگر قاضی اذن دیدے تو جائز ہے کیونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے اس لئے اس کی اجازت مالک کی اجازت کے قائم مقام ہو جائے گی۔ یہ حکم قضاءً ہے مگر دیانۃً اس پر ضمان نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس کا مقصد محض اصلاح اور خیر خواہی ہے،، واللہ یعلم المفسد من المصلح، [2] قولہ بالاستدانۃ الخ واضح رہے کہ غیر زوجہ کے لئے محض قاضی کا قرض لینے کی اجازت دیدینا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایسا فعل بھی لازم ہے جو رجوع کا موجب ہو یعنی قرض لے کر خرچ کرنا، خلاصہ یہ کہ اگر قاضی کے امر کے بغیر غیر زوجہ نے قرض لیا تو مالک پر رجوع کا حق نہ ہوگا جب تک کہ قرض لینے کا فعل اس سے صادر نہ ہو بخلاف زوجہ کے کہ وہ مقررہ نفقہ وصول کر سکتی ہے خواہ اپنے مال سے خرچ کرے یا کسی سے مانگ کر غرض اس کے لئے نفقہ کا مقرر ہونا رجوع کے لئے کافی ہے ۱۲

کتابُ العتاق

هو یَصِحُّ من حُرٍّ مکلَّفٍ بصریح لفظہٖ بلانیۃٍ کانت حرٌّ او معتَقٌ او عتیقٌ او اعتقتُکَ او حرّرتُکَ او حرّرتکَ اھٰذا مولائی او یامولای لفظ المولی مشترک احد معانیہ المعتق وفی العبد لایلیق الاھٰذا المعنی فیعتق بلانیۃٍ او رأسُکَ حرٌّ ونحوہ ممّا عُبّرَ بہٖ عن البدن وبکنایتہٖ ان نوٰی کلاملکَ لی علیکَ ولاسبیلَ ولارقّ وانما کان لاملکَ لی علیکَ کنایۃً لانہ یحتمل عدم الملک بالبیع ونحوہ او بالاعتاق وکذا لاسبیل لی الیکَ ای الی التصرف فیکَ او الی الانتفاع بکَ وکذا لاسبیل لی علیکَ ای لاملکَ لی علیکَ فان الملکَ ھو الطریق المؤدی الی التصرف والانتفاع۔

غلام آزاد کرنے کا بیان

ترجمہ: ــــــ آزاد کرنا صحیح ہوتا ہے، حُر عاقل بالغ سے، تو اگر لفظ صریح ہو تو بغیر نیت کے بھی آزاد ہو گا جیسے کہے تو حر ہے یا معتق ہے، یا عتیق ہے، یا میں نے تجھ کو آزاد کیا، یا تو محرر ہے، یا آزاد کیا میں نے تجھ کو، یا کہا یہ میرا مولیٰ ہے یا پکارا اے میرے مولیٰ" واضح رہے کہ لفظ مولیٰ" متعدد معنوں میں مشترک ہے جن میں سے ایک معنی آزاد کردہ غلام کے ہیں اور جب اس کا استعمال غلام کے بارے میں ہو تو یہی معنی لائق ہے اس لئے بغیر نیت کے بھی آزاد ہو جائے گا۔ یا کہا سر تیرا آزاد ہے یا ایسا کسی عضو کا نام لیا جس سے سارا بدن مراد لیتے ہیں اور اگر لفظ کنایہ ہو تو آزاد ہو گا اگر نیت کرے۔ مثلاً کہے میری ملک تیرے اوپر نہیں ہے یا تجھ پر میری راہ نہیں ہے یا کہا تیرے لئے رقیت نہیں ہے اور" تجھ پر میری ملک نہیں ہے" یہ لفظ کنایہ اس لئے ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ ملک سے نکل گیا ہو بسبب بیع و ہبہ وغیرہ کے یا بہ سبب آزاد کرنے کے، اسی طرح "لاسبیل لی الیک" میں احتمال ہے کہ تجھ پر تصرف کا یا تجھ سے نفع اٹھانے کا حق نہیں مراد ہو، یا اس نے یہ مراد ہو کہ مجھے تجھ پر ملک نہیں ہے کیونکہ ملک ہی سے تصرف اور انتفاع کا موقع حاصل ہوتا ہے۔

تشریح: [1] قولہ ہو یصح الخ۔ یعنی عتاق تب صحیح ہے کہ جب آزاد کرنیوالا عاقل، بالغ اور آزاد ہو اور ملک میں سے آزاد کرے اور غلام آزاد کرنا شرعاً ایک امر مندوب و مستحسن ہے، اور اس کے استحباب کے متعلق بکثرت احادیث مروی ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مسلمان نے کسی مؤمن کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کا ہر عضو نار جہنم سے آزاد کرے گا، ائمہ ستہ نے قریب قریب ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، اور کتاب اللہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے "فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا۔ اور فرمایا فک [illegible]

[2] قولہ بلانیۃ الخ یعنی الفاظ صریحہ سے عتق واقع ہونا نیت پر موقوف نہیں، چنانچہ ان الفاظ سے غلام آزاد ہو جائے گا چاہے آزاد کرنے کی نیت نہ کرے یا غیر عتق کی نیت کرے "مثلاً انت حر" کہکر عمل سے آزادی کی نیت کرے تو قضاءً اس کی نیت معتبر نہ ہوگی البتہ دیانۃً فی ما بینہ وبین اللہ تعالیٰ اس کی نیت معتبر ہوگی اور ایسی نیت پر عنداللہ غلام آزاد نہ ہوگا جیسے اگر کہے کہ میں نے مولیٰ کہکر مددگار مراد لی ہے تو دیانۃً عتق نہ ہوگا" فتح۔

[3] قولہ ان نوٰی الخ۔ نیت کی طرف احتیاج اس لئے ہوئی کہ کنایہ کے الفاظ عتق کے لئے موضوع نہیں بلکہ ان میں اس کا احتمال ہے اور اس کے غیر کا بھی احتمال ہے۔ اب ایک احتمال کی تعیین کے لئے نیت ضروری ہے۔ البتہ دلالت حال نیت کے قائم مقام ہو سکتی ہے"

[4] قولہ لانہ یحتمل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ لاملک لی علیک میں اس کا احتمال بھی ہے کہ آقا نے بیع یا ہبہ وغیرہ مفید للملک معاملہ کے ذریعہ اسے اپنی ملک سے نکال رہا ہو، ایسی صورت میں "لاملک لی علیک" کے معنی یہ ہوں گے کہ تجھ پر میری ملکیت اس لئے نہیں ہے۔

(باقی صفحہ آئندہ پر)

واما لارق لى عليك فاعلم ان الرق هو عجز شرعى يثبت فى الانسان اثر الكفر و هو حق الله تعالىٰ واما الملك فهو اتصال شرعى بين الانسان وبين شئ يكون مطلقا لتصرفه فيه وحاجزا عن تصرف الغير فيه فالشئ يكون مملوكا ولا يكون مرقوقا لكن لا يكون مرقوقا الا وان يكن مملوكا فالرق فى الابتداء يكون سببا للملك فقوله لا رق لى عليك أطلق الرق واراد به الملك وخرجت من ملكى وخليت سبيلك ولامته قد اطلقتك و بهذا ابنى للاصغر والاكبر وانما جاء بلفظ الباء فى قوله وبهذا ابنى ليعلم انه عطف على قوله وبكنايته.

اى المصنف ۱۲ عمدہ

ترجمہ :- اور مالک کا یہ قول کہ " لارق لی علیک " تو اس کے بارے جاننا چاہیئے کہ رق اصل میں اُس عجز شرعی کا نام ہے جو کفر کے سبب سے انسان پر طاری ہوتا ہے حق اللہ کی حیثیت سے ، اور ملک کسی شی کے ساتھ اس شرعی تعلق کو کہتے ہیں جس کے باعث صاحب ملک کے لئے اس میں تصرف کرنا حلال ہوتا ہے اور غیر کے لئے اس میں تصرف کرنا ممنوع ہوتا ہے پس یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شئ مملوک ہو اور اس میں رقیت نہ پائی جائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی میں رقیت پائی جائے اور وہ مملوک نہ ہو ۔ پس رقیت اپنی ابتدائی حالت میں ملکیت کا سبب ہے اس لئے جبکہ اپنے غلام کو یوں کہا کہ " تجھ پر میرے لئے رقیت نہیں ہے " تو یہاں رقیت بول کر ملکیت کا ارادہ مانا جائے گا ۔ (ارادۃ المسبب باطلاق السبب ، اس لئے ملکیت نفی کرنے کا جو حکم ہے رقیت کی نفی میں بھی وہی حکم ہوگا) یا کہا تو میری ملک سے نکل گیا ۔ یا چھوڑ دی میں نے راہ تیری ، یا لونڈی سے کہا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا (تو ان تمام الفاظ میں بوجہ کنایہ ہونے کے نیت کا اعتبار ہوگا) اور اسی طرح اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو چاہے وہ اس سے عمر میں چھوٹا ہو یا بڑا ہو ۔ یہ کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے (تو بلا نیت آزاد ہو جائے گا) اور ماتن نے یہاں " وبهذا ابنی " کا عطف کرتے ہوئے با حرف جار کی تصریح اس لئے کی ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ اس کا عطف " وبکنایۃ " کے لفظ پر ہے ۔

(بقیہ صد گزشتہ)

تشریح ۔ کہ میں نے تجھے بیچ دیا ہے یا ہبہ کر دیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ چونکہ میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے اس لئے اب تجھ پر میری کچھ ملک نہیں ہے ۔ اب اگر اس نے مؤخر الذکر کی نیت کی تو غلام آزاد ہو جائے گا ورنہ نہیں ۔

(حاشیہ صد ہذا) ملہ قولہ فاعلم الخ ۔ یہاں اس شبہ کا جواب دینا منظور ہے کہ " لارق لی علیک " کا قول ہی تو سرے سے فاسد ہے کیونکہ رقیت غلام کا وصف ہے جس کے باعث وہ مملوک ہوتا ہے یہ مالک کا حق نہیں ہے ۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ رق چونکہ سبب ملک ہے اس لئے سبب بول کر مسبب مراد لینے کے پیش نظر " لارق لی علیک " کا مطلب ہوا " لاملک لی علیک " اور ملک کی نفی میں عتق اور غیر عتق دونوں کا احتمال ہے اس لئے نیت کے بغیر عتق نہ ہوگا ۱۲

سلہ قولہ عجز شرعی الخ ۔ یعنی رق ایسا عجز اور مجبوری کا نام ہے جو کہ انسان پر کفر کے سبب سے بحکم شرع ثابت ہوتا ہے اصلی مسلمان میں غلامی کسی طرح نہیں پائی جاتی لیکن کافر پر ابتداءً غلامی ثابت ہوتی ہے اور ہمیشہ رہتی ہے اگرچہ وہ بعد میں اسلام لے آئے اور یہ غلامی اس سے اس وقت تک جدا نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا مالک اس کو آزاد نہ کر دے ۱۲

سلہ قولہ فالشئ الخ ۔ مملوک ورقیق کے معنی بیان کرنے کے بعد دونوں کے درمیان نسبت بتا رہے ہیں کہ ان میں باہمی عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر رقیق مملوک بھی ہے لیکن ہر مملوک رقیق نہیں ہے مگر غایۃ البیان کی ظاہری عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے ۱۲

سلہ قولہ لامتہ قد اطلقتک الخ ۔ یہ اطلاق مصدر سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں ، یہ بھی تخلیہ کی طرح متعدد معنی کا احتمال رکھتا ہے اس لئے بلا نیت عتق نہ ہوگا ، بخلاف اس صورت کے جبکہ لونڈی سے کہا ۔ (باقی صد آئندہ پر)

ولو لم يذكر حرف الباء اوهم انه عطف على امثلة الكناية نحو لا ملك لي
عليك الى اخره فيلزم انه كناية وليس كذلك فانّ المقرّ له ان كان يولد
مثله لمثله وهو مجهول النسب يثبت نسبه منه ويكون حرًّا وان لم ينو وان
لم يكن كذلك يكون هذا اللفظ مجازًا عن الحرية فيعتق وان لم ينو
لان المجاز متعين ولو كان كناية يحتاج الى النية وفي الاكبر سنًّا منه خلاف
ابي يوسف ومحمدٌ وقد بالغتُ في تحقيق هذه المسألة في فصل المجاز من كتاب
التنقيح وحاصله ان امكان المعنى الحقيقي لا يشترط لصحة المجاز كاطلاق
الاسد على الانسان الشجاع فلا يشترط امكان البنوة لصحة المجاز وهو الحرية۔

ترجمہ:۔ اور اگر حرف با کی تصریح نہ کرتے تو یہ خیال ہو سکتا کہ " لا ملک لی علیک " وغیرہ الفاظ کنایہ کی مثالوں پر اس کا عطف ہے اور اس وقت ہذا ابنی " الفاظ کنایہ میں سے ہونا لازم آتا حالانکہ یہ کنایہ میں سے نہیں ہے کیونکہ جس غلام کے بارے میں اپنا بیٹا ہونے کا اقرار کیا ہے اگر اس جیسی عمر والا غلام، اس جیسی عمر کے آقا کا لڑکا ہو سکتا ہے اور وہ غلام مجہول النسب ہو تو اس اقرار کی بنا پر اس کا نسب مُقِر سے ثابت ہو جائے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا چاہے وہ نیت نہ کرے، اور اگر ایسی عمر کا غلام اس کا لڑکا نہ ہو سکتا ہو تو اس لفظ کو آزاد کرنے کے معنی پر مجازاً محمول کیا جائے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا خواہ نیت نہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں معنی مجازی مراد لینا متعین ہے۔ اور اگر کنایہ ہوتا تو نیت کی ضرورت پڑتی اور غلام کی عمر آقا سے زیادہ ہونے کی صورت میں آزاد ہونے کے متعلق صاحبین کا اختلاف ہے اور (شارح فرماتے ہیں) کہ میں نے تنقیح کتاب کی فصل مجاز میں، اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معنی مجازی درست ہونے کے لئے لفظ کے معنی حقیقی کا ممکن ہونا شرط نہیں ہے جیسے بہادر آدمی پر لفظ " شیر " کا اطلاق مجازاً درست ہے (حالانکہ آدمی کے حق میں حقیقۃً شیر کا تصور ممکن نہیں) پس زیر بحث مسئلہ میں واقعۃً بیٹا ہونے کا امکان اس کے معنی مجازی، یعنی آزاد ہونا مراد لینے کی صحت کے لئے شرط نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کہ " میں نے تجھے طلاق دی " یا " تجھ کو طلاق ہے " کیونکہ یہ تو طلاق کے لئے الفاظ صریحہ ہیں جو کہ نکاح پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے ان سے مطلقاً عتق نہ ہوگا ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ فان المقر لہ الخ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس غلام کو اس کے آقا نے اپنا بیٹا ہونے کا اقرار کیا ہے، یہ کہہ کر کہ " ہذا ابنی " یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اس قابل ہوگا کہ اس کا بیٹا ہو سکے، یعنی اس کی عمر اتنی ہو کہ اس عمر کا بیٹا ہو سکتا ہے یا عمر اتنی زیادہ ہے کہ اس کے بیٹا ہونے کے لائق نہیں پھر دونوں صورتوں میں یا اس کا نسب مجہول ہوگا یا معلوم ہوگا۔ پس اگر بیٹا ہونے کے قابل ہو اور مجہول النسب ہو تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور بالاجماع آزاد ہوگا۔ اور اگر نسب معلوم ہو تب تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا لیکن آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کا لڑکا بننے کے قابل نہ ہو تو بھی امام صاحب کے نزدیک یہی حکم ہوگا اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہ ہوگا۔ اور یہی تفصیل ہے " ہذا ابی، ہذا امی، اور ہذہ بنتی کے حکم میں ۱۲ بحر
سلہ قولہ فیعتق الخ۔ یعنی اس لفظ کو اس کی ملکیت کے وقت سے اقرار بالعتق قرار دیا جائے گا۔ پس اگر وہ سچا ہوگا یعنی واقعتاً اس نے اس سے پہلے غلام کو آزاد کیا ہو تو قضاءً و دیانۃً غلام آزاد شمار ہوگا۔ اور اگر وہ جھوٹا ہو تو قضاءً غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ انسان پر اپنے اقرار سے مواخذہ ہوتا ہے ۱۲

لا بیا ابنی ویا اخی[1] لان المقصود بالنداء استحضار المنادی بصورۃ الاسم

بصیغۃ المجہول من النداء ۱۲ عمدہ

من غیر قصد الی المعنی واذا لم یکن المعنی مقصودًا لا یثبت مجازہ وھو

ای من غیر ارادۃ معنی اللفظ الذی دخل علیہ حرف النداء ۱۲ عمدہ

الحریۃ بخلاف یا حرّ لانہ صریح لا یحتاج الی قصد المعنی ولا سلطان لی علیك

حیث یعتق بہ وان لم ینو ۱۲ عمدہ

ای لا یدَ لی علیك فیمکن ان یکون عبدًا ولا یکون علیہ ید کالمکاتب ولفظ

الطلاق وکنایتہ مع نیۃ العتق[2] فانہ اذا قال لامتہ انت طالق ونوی العتق

لا تعتق عندنا وعند الشافعی تعتق لان الاعتاق ھو ازالۃ ملك الرّقبۃ والطلاق

ازالۃ ملك المتعۃ فیجوز اطلاق کل واحد منھما علی الأخر مجازًا قلنا المجاز

ای ملک الاستمتاع الحاصل بالنکاح ۱۲ عمدہ — ای الطلاق والاعتاق ۱۲ عمدہ

لفظ یذکر ویراد بہ لازمہ وازالۃ ملك المتعۃ لازم لازالۃ ملك الرقبۃ۔

ترجمہ:- اور اگر آقا نے اپنے غلام کو پکارا کہ "اے میرے بیٹے" یا "اے میرے بھائی" تو آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ پکارنے سے مقصود، منادی کا حاضر ہونا اور اس کو متوجہ کرنا ہے لفظ ندا کی صورت سے اور اس کے معنی کی طرف قصد نہیں ہوتا۔ اور جب معنی ہی مقصود نہ ہوئے تو مجاز یعنی آزاد ہونا بھی ثابت نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے جبکہ کہا "یا حر" اس لئے کہ یہ صریح ہے قصد معنی کی طرف محتاج نہیں۔ اور اسی طرح اگر کہا کہ "تجھ پر میری حکومت نہیں" (تو بھی آزاد نہ ہوگا) یعنی جب آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ "تجھ پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے" تو بھی آزاد نہ ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا غلام ہو اور اس پر تصرف کا کوئی اختیار نہ ہو جیسا کہ مکاتب ہیں، اسی طرح لفظ طلاق اور جو کنایات طلاق ہیں ان سے (لونڈی آزاد نہ ہوگی) اگرچہ نیت بھی ہو آزادی کی۔ یعنی جب مولیٰ نے اپنی لونڈی سے کہا کہ "تجھ کو طلاق ہے اور اس سے آزاد ہونے کی نیت کی تو ہمارے نزدیک آزاد نہ ہوگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد ہو جائے گی اس لئے کہ اعتاق، موضوع ہے ملک رقبہ زائل کرنے کے لئے اور طلاق ملک متعہ زائل کرنے کے لئے تو دونوں میں اس مناسبت کے پیش نظر ایک کا اطلاق دوسرے پر مجازاً ہو سکتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ مجاز وہ لفظ ہے جسے ذکر کر کے اس کے لازمی معنی مراد لئے جائیں، اور ملک رقبہ کے زوال کے لئے ملک متعہ زائل ہونا لازم ہے۔

تشریح:- [1] قولہ لا بیا ابنی الخ۔ تلویح میں بتایا کہ اگر آقا نے اپنے غلام کو "یا ابنی" کہا تو اس صورت میں بھی اس کا آزاد ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہاں حقیقت پر محمول کرنا متعذر ہے اور مجاز متعین ہے۔ لیکن ہم کہیں گے کہ ندا کا منشا یہ ہے کہ منادی حاضر ہو اور کسی لفظ کو بول کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا جس میں لفظ کا معنی مقصود ہی نہیں ہوتا اس لئے کلام کی صحت کے لئے اس کے معنیٰ حقیقی یا مجازی کے تقاضے کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بخلاف خبر کے کہ یہ مخبر بہ کے تحقق کے لئے موضوع ہے اس لئے حتی الامکان مخبر بہ کو حقیقی یا مجازی طور پر ثابت کرنا پڑتا ہے اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ "یا حر" میں آزاد نہ ہونا چاہیئے۔ تو یہ جواب دیں گے کہ لفظ "حر" تو اپنی اصل میں عتق ہی کے لئے موضوع ہے اس لئے یہ لفظ اپنے معنی کے قائم مقام ہوگا حتی کہ کوئی آدمی اگر تسبیح پڑھنے کا ارادہ کرے اور اس کی زبان پر "عبدی حر" جاری ہو جائے تو بھی وہ آزاد ہو جائے گا ۱۲

[2] قولہ مع نیۃ العتق الخ۔ ظاہر کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس قید کا تعلق ہے مذکورہ تمام صورتوں سے جو لا کے بعد وارد ہیں چنانچہ بعض مشائخ نے اس کی تصریح کی ہے کہ یا ابنی، یا اخی اور لا سلطان لی علیک وغیرہ سے غلام آزاد نہ ہوگا چاہے نیت کرے اسی طرح الفاظ طلاق خواہ صریح ہوں یا کنایہ ان سے باوجود نیت کے عتق نہ ہوگا لیکن محققین کے نزدیک "یا ابنی" "یا اخی" اور لا سلطان لی علیک کے الفاظ میں اگر عتق کی نیت ہو تو آزاد ہو جائے گا یعنی یہ سب الفاظ کنائی ہیں، لیکن الفاظ طلاق میں اگر نیت بھی کرے تب بھی آزاد نہ ہوگا۔ ۱۲ بحر

فانہ اذا اعتق امتہ یزول ملک المتعۃ ولا لزوم علی العکس فیجری المجاز من
فانہ یکرہ الوطی الذی کان حلالا بملک الیمین ۱۲ عمدہ

احد الطرفین وھو ان یذکر الحریۃ ویراد بھا الطلاق لا علی العکس وانت[1]
الحر من لا یملک رقبہ ابدا ۱۲ عمدہ

مثل الحر بخلاف ما انت الا حر ومن[2] ملک ذا رحم محرم منہ او اعتق لوجہ اللہ
الرحم فی اللغۃ القرابۃ ۱۲ عمدہ

تعالیٰ او للشیطان او للصنم[3] او مکرھا او سکران او اضاف عتقہ الی ملک
او شرط ووجد عتق قولہ ذا رحم ای ذا قرابۃ بسبب الرحم وقولہ محرم
ای ذلک الشرط او الملک الذی علق علیہ العتق ۱۲ عمدہ

صفۃ ذا وجرہ[4] للجوار وقولہ الی ملک نحو ان ملکت عبدا فھو حر او شرط ووجد
نحو ان قدم فلان فعبدی حر فوجد الشرط عتق

ترجمہ:- کیونکہ باندی آزاد کر دینے سے ملک متعہ یقیناً زائل ہو جاتی ہے لیکن اس کے برعکس صورت میں لزوم نہیں ہے (یعنی ملک متعہ زائل ہونے سے ملک رقبہ کا زوال لازمی نہیں جیسے وہ اپنی باندی کا کسی سے نکاح کر دے تو ملک متعہ زائل ہوگئی مگر ملک رقبہ باقی ہے) پس ان میں ایک ہی پہلو سے مجاز جاری ہو سکتا ہے یعنی حریت بول کر مجازاً طلاق کا ارادہ کیا جا سکتا ہے (کیونکہ یہ اس کا لازمی مفہوم ہے) لیکن اس کا برعکس نہیں ہو سکتا (کہ طلاق بول کر عتق مراد لیا جائے کیونکہ طلاق کے مدعیٰ کے لئے زوال ملک رقبہ لازمی نہیں ہے) اور اسی طرح اگر اپنے غلام سے کہا کہ "تو مثل حر کے ہے" (تو غلام آزاد نہ ہوگا) بخلاف اس صورت کے جبکہ کہا کہ "نہیں ہے تو مگر حر" تو آزاد ہو جائے گا اور جو اپنے ذو رحم محرم کا مالک ہو جائے (تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا) اور جو آزاد کرے اپنے غلام کو خدا کے واسطے، یا شیطان کے لئے، یا بت کے لئے، یا زبردستی سے، یا نشے میں، یا غلام کے عتق کی اضافت کرے اپنی ملک کی طرف یا کسی شرط کی طرف اور وہ بات پائی جائے تو (مذکورہ تمام صورتوں میں) غلام آزاد ہو جائے گا. متن کی عبارت میں "ذا رحم" سے "ذا قرابۃ لسبب الرحم" مراد ہے اور "محرم" کا لفظ "ذا" کی صفت ہے (اس لئے یہ منصوب ہونا چاہیئے تھا لیکن قریبی لفظ کے جر کی مناسبت سے اس کو بھی جر دیدیا گیا ہے اور ملک کی طرف اضافت کی مثال یہ ہے کہ کہے "اگر میں کسی غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہے" اور شرط پائی جانے کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے "اگر فلاں آدمی سفر سے واپس آئے تو میرا غلام آزاد ہے" اور شرط پائی جائے (یعنی وہ سفر سے واپس آئے) تو غلام آزاد ہو جائے گا.

تشریح: لہ قولہ وانت مثل الحر الخ. اس کا عطف ہے "یا ابنی" پر اور بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مطلقاً آزاد نہ ہوگا. اور صاحب ہدایہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لفظ مثل عرف میں بعض اوصاف کے اندر شرکت پر دلالت کرتا ہے اس لئے حریت کی صفت مراد ہونے میں شبہ ہو گیا لیکن اس علت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر نیت کی تو آزاد ہو جائے گا کیونکہ اب شک نہیں رہا، صاحب عنایہ مبسوط وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے.

۲ قولہ ومن ملک الخ مطلقاً ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مالک ہونے سے آزاد ہو جائے گا اگر مالک ہونے والا بچہ یا پاگل یا کافر ہو، یہ شبہ نہ ہو کہ بچہ اور پاگل کی صورت میں کیسے عتق ہوگا. حالانکہ ان میں تو آزاد کرنے کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ اس عتق کے ساتھ حق العبد کا تعلق ہے اس لئے یہ نفقۂ قریب سے مشابہ ہو گیا کہ صغیر کے مال پر بھی بوجہ قرابت عائد ہوتا ہے. نیز ملک کے اطلاق میں اختیاری جیسے شراء اور قبول ہبہ اور غیر اختیاری مثلاً وراثت سب کو شامل ہے اس مسئلہ میں اصل وہ حدیث ہے "من ملک ذا رحم محرم منہ فھو حر" اصحاب سنن نے اسے روایت کیا ہے.

۳ قولہ او للصنم الخ یعنی ثانی صورت میں لکڑی یا سونے یا چاندی کا بت ہو اور اگر پتھر کا بت ہو تو اسے "وثن" کہتے ہیں اور یہاں عام مراد ہے جو وثن وغیرہ سب کو شامل ہو، اگر شیطان یا صنم کے لئے آزاد کرنے میں ان کی تعظیم اور تقرب کا قصد ہو تو کافر ہو جائے گا. ۱۲ جوہرہ نیرہ.

۴ قولہ وجرہ للجوار الخ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اگر ذا رحم کا وصف ہوتا تو منصوب ہونا چاہیئے تھا. خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہاں جوار کی بنا پر جر ہے یعنی مجرور کے متصل ہونے اور اس کی مناسبت سے جر ہے. (باقی صد آئندہ پر)

لکن یشترط ان یکون العبد فی ملکہ وقت التعلیق کما عرفت فی الطلاق قولہ عتق ای عتق علیہ لیکون ضمیر علیہ راجعًا الی المبتدأ وھو من کعبدٍ لحربی خرج الینا مسلمًا و الحمل یعتق بعتق امّہ لا ھی بعتقہ واعلم ان الحمل یعتق بعتق الام لا بطریق التبعیۃ بل بطریق الاصالۃ حتی لا ینجر ولاؤہ الی موالی الاب وھذا اذا ولدت بعد عتقہا لاقل من ستۃ اشھر والولد یتبع امہ فی الملک والرق والعتق وفروعہ ای ان کانت الام فی ملک زید فالولد المولود فی ملک زید یکون ملکًا لہ وان کانت الام مشترکۃ کان الولد مشترکًا علی سہام الام وان کانت الام مرقوقۃ فالولد المولود حال رقیتہا یکون مرقوقا۔

ترجمہ:۔ لیکن اس صورت میں شرط یہ ہے کہ تعلیق کے وقت غلام اس کی ملک میں ہو جیسے طلاق کے باب میں اس کی نظیر تم کو معلوم ہو چکی ہے اور ماتن کا قول "عتق" کا متعلق "علیہ" محذوف ہے تاکہ خبر کی یہ ضمیر مبتدا یعنی "من" کی طرف راجع ہو جائے جیسا کہ حربی کافر کا غلام مسلمان ہو کر ہماری طرف چلا آئے تو آزاد ہو جاتا ہے اور حمل آزاد ہو جائے گا اس کی ماں آزاد ہونے سے لیکن حمل آزاد ہونے سے اس کی ماں آزاد نہ ہوگی جاننا چاہیئے کہ حمل آزاد ہوتا ہے ماں آزاد ہونے کے سبب سے مگر حمل کی یہ آزادی مستقل طور پر اصالۃً ہے ماں کا تابع ہونے کی حیثیت سے نہیں چنانچہ اس کی ولاء اس کے باپ کے موالی کی طرف نہ آوے گی اور یہ جب ہے کہ حاملہ ماں کی آزادی کے بعد وہ بچہ چھ مہینے سے کم میں جنے۔ اور لڑکا تابع ہوتا ہے اپنی ماں کا ملکیت و رقیت میں اور عتق اور اس کے فروع میں یعنی اگر ماں مثلاً زید کی ملک میں ہو تو جو لڑکا زید کی ملک میں پیدا ہوگا وہ بھی زید کا مملوک ہوگا اور اگر ماں مشترکہ باندی ہے تو لڑکا بھی مشترک ہوگا اپنی ماں کے حصوں کے موافق۔ اور اگر ماں رقیقہ ہے تو حالت رقیت میں پیدا شدہ ولد بھی رقیق ہوگا۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) عربی زبان میں اس قسم کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے چنانچہ وامسحوا برؤسکم وارجلکم میں ارجل کا لام جر کے ساتھ جس قراءت میں ہے وہ بھی جوار ہی کی بنا پر ہے اسی طرح "انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم" اس میں الیم کے میم پر جر ہے حالانکہ یہ مضاف یعنی عذاب کی صفت ہے جو کہ منصوب ہے یہ جر محل قرب یوم مجرور سے ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ کعبد لحربی الخ۔ یعنی کافر حربی کا غلام اگر مسلمان ہو کر دار الاسلام آجائے تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے اسلام اور ہماری طرف ہجرت کرکے آنے سے اپنی حفاظت کر لی رقیت سے اس لئے کہ ابتداءً کسی مسلمان پر غلامی نہیں ہوتی۔ چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ جب اہل طائف کے غلام مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔

ہے قولہ لا ینجر الخ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے غلام نے اس کے اذن سے ایک لونڈی سے نکاح کیا پھر لونڈی کے آقا نے لونڈی کو آزاد کر دیا اور وہ حاملہ ہے اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ حر ہوگا بتبعیت اپنی ماں کے اور ولاء اس کی ماں کو ملے گی مگر جب یہ شخص بھی اپنے غلام کو آزاد کر دے تو اس صورت میں باپ اس کے ولاء کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ لیکن اگر وہ لونڈی اپنی آزادی کے بعد چھ مہینے کے کم میں بچہ جنے اور پھر وہ غلام بھی آزاد ہو جائے تو اس بچہ کی ولاء اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ کیونکہ لڑکا کی آزادی ماں کے موالی سے اصالۃً ہوتی ہے۔

سے قولہ یتبع امہ الخ کشف الوقایہ میں بحوالہ کنز مذکور ہے کہ ملکیت، حریت، رقیت، تدبیر اور ام ولد و مکاتب ہونے میں بچہ ماں کے تابع ہونے پر امت کا اجماع ہے اور اس کی وجہ شرح تبیین میں یہ بتائی گئی کہ مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ کے ساتھ مل کر فنا ہو جاتا ہے اس لئے عورت کی جانب کو ترجیح دی گئی اور چونکہ بچہ کی نسبت عورت کی جانب یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولد الزنا اور لعان کے بچہ کا نسب عورت ہی سے ثابت مانا جاتا ہے۔

(باقی صفحہ آئندہ پر)

وكذا يتبعها في العتق وفروعه كالكتابة والتدبير فعتق الولد بتبعية الام انما يكون اذا كان بين العتق والولادة ستة اشهر او اكثر فح ينجر الولاء الى موالي الاب نعلم انه لا تكرار وولد الامة من زوجها ملك لسيدها وولدها من مولاها حر۔

ترجمہ:۔ اسی طرح آزاد ہونے میں بھی لڑکا ماں کے تابع ہوگا اور فروع آزادی جیسے کتابت اور تدبیر میں بھی ولد ماں کے تابع ہوگا۔ اور ماں کا تابع ہوکر لڑکے کی آزادی اُسی صورت میں ہوگی جبکہ آزادی اور ولادت کے درمیان چھ ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت ہو اور اس وقت بیٹے کی ولاء اس کے باپ کے مولیٰ کی طرف چلی جائے گی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ماں کے ساتھ حمل کے آزاد ہونے کا حکم (جو پہلے گذرا ہے) اور ماں کے تابع ہوکر لڑکے کے آزاد ہونے کے حکم میں تکرار نہیں ہے۔ اور لونڈی کا لڑکا جو اس کے خاوند سے ہو وہ لونڈی کے مولیٰ کی ملک ہے اور جو اس کے مولیٰ سے پیدا ہو وہ آزاد ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ گذشتہ) حتیٰ کہ وہ اس کا وارث ہوتا ہے اور یہ اس کی وارث ہوتی ہے اور اس بنا پر کہ بچہ ولادت سے پہلے تک حساً وحکماً ماں کے ایک عضو کے مانند ہے حتیٰ کہ ماں کی غذا اس کے لئے غذا ہے اور ماں کے ساتھ منتقل ہوتا رہتا ہے اور بیع عتق وغیرہ تصرفات میں بچہ بھی داخل ہوتا ہے ماں کے تابع ہوکر اس لئے ماں کی جانب کو ترجیح ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ چوپاؤں میں بھی ماں کی جانب کا اعتبار ہوتا ہے چنانچہ جنگلی اور پالتو اور حلال وحرام جانور کے ملاپ سے جو بچہ پیدا ہو اس کی ماں حلال ہونے سے بچہ بھی حلال ہوتا ہے اور ماں کی قربانی درست ہونے سے بچہ کی قربانی بھی درست ہوتی ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا:۔ [1] قولہ ینجر الولاء الخ ولاء کھینچ جانے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے غلام نے اس کے اذن سے ایک لونڈی سے نکاح کیا پھر اس لونڈی کو اس کے مالک نے آزاد کردیا اور اس سے چھ مہینہ یا اس سے زیادہ مدت میں ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ حر ہوگا ماں کے تابع ہوکر اور اس کی ولاء اس کی ماں کے مولیٰ کو ملے گی۔ اگر جب یہ شخص بھی اپنے غلام کو آزاد کردے تو اس صورت میں اس کا باپ ولاء کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ اب اگر باپ مرجائے پھر اس کا بیٹا مرے تو بیٹے کی ولاء باپ کے مولیٰ کی طرف کھینچ جائے گی۔

باب عتق البعض

وان اعتق بعض عبده صح وسعٰی فیما بقی وھو کالمکاتب بلا رد الی الرق لو عجز وقالا عتق کلہ ھذا بناء علی ان العتق لا یتجزأ بالاتفاق فکذا الاعتاق عندھما لانہ اثبات العتق کالکسر مع الانکسار فیلزم من عدم تجزی اللازم وھو العتق عدم تجزی ملزومہ وھو الاعتاق لکن ابا حنیفۃ یقول الاعتاق ازالۃ الملک لانہ لیس للمالک الا ازالۃ حقہ وھو الملک والملک متجزی فکذا ازالتہ فاعتاق البعض اثبات شطر العلۃ فلا یتحقق المعلول الا وان یتحقق تمام العلۃ وھو ازالۃ الملک کلہ ولو اعتق شریک حظہ اعتقہ الاخر او استسعاہ او ضمن المعتق موسرا ای حال کون المعتق موسرا قیمۃ حظہ الضمیر یرجع الی الاخر۔

عتق البعض کا بیان

ترجمہ: اگر کسی شخص نے اپنے غلام کا بعض حصہ آزاد کیا تو اس کا یہ آزاد کرنا صحیح ہوگا اور غلام بقیہ حصہ آزاد کرانے کے لئے سعی کرے گا اور وہ مانند مکاتب کے ہو جائے گا مگر جبکہ وہ عاجز ہو جائے تو غلام کی طرف واپس نہ ہوگا یہ مذہب امام ابو حنیفہ کا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ (بعض آزاد کرنے سے) سارا غلام آزاد ہو جائے گا۔ (اور صاحبین کے نزدیک کل کا آزاد ہو جانا) یہ اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ عتق تو بالاتفاق متجزی نہیں ہوتا تو صاحبین فرماتے ہیں کہ اعتاق بھی متجزی نہ ہوگا کیونکہ آزاد کرنے کے معنی ہیں آزادی ثابت کرنا جیسے توڑنے سے ٹوٹنا ثابت ہوتا ہے تو مسبب یعنی عتق میں تجزی نہ ہونے سے لازم آتا ہے کہ سبب یعنی اعتاق میں بھی تجزی نہ ہو۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اعتاق کی حقیقت ہے "ملک کا زائل کرنا"، کیونکہ مالک کو اس قدر اختیار ہے کہ اپنے حق کو زائل کرے اور اس کا حق محض ملک ہے اور ملک میں تجزی ہو سکتی ہے تو ملک کے زائل کرنے میں بھی تجزی ہوگی اب بعض کا آزاد کرنا در اصل علت کے ایک جزء کو ثابت کرنا ہے اس لئے معلول (یعنی عتق) متحقق نہ ہوگا جب تک کہ پوری علت متحقق نہ ہو جائے یعنی کل ملک زائل ہو جائے۔ اور اگر مشترک غلام کا ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرا شریک بھی چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے یا اس سے سعی کرا لے یا مالدار آزاد کرنے والے سے ضمان لے لے۔ یعنی اس حالت میں جبکہ آزاد کرنے والا مالدار ہو اپنے حصہ کی قیمت کا، "حظہ" کی ضمیر شریک آخر کی طرف راجع ہے (جس نے اپنا حصہ آزاد نہیں کیا تھا)

تشریح: سلہ قولہ وسعی فیما بقی الخ اور سعی کی صورت یہ ہے کہ آقا اس سے مزدوری کرائے اور بقیہ حصہ کی قیمت اس کی مزدوری سے وصول کرے پس یہ بھی بمنزلہ مکاتب کے ہے البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مکاتب کتابت کی رقم ادا کرنے سے عاجز رہے تو دوبارہ غلام بن جاتا ہے لیکن معتق البعض اگر عاجز ہو جائے تو بھی غلام نہ ہوگا کیونکہ اس میں مولی کے اعتاق سے آزادی آ چکی ہے جو باطل نہیں ہو سکتی بخلاف مکاتب

سلہ قولہ لا یتجزأ الخ۔ عنایہ میں میزان سے نقل کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارا قول "الاعتاق یتجزأ"، کا مطلب یہ نہیں کہ نفس قول یا اس کے حکم میں تجزی ہوتا ہے کیونکہ یہ تو محال ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم اعتاق قبول کرنے میں اس کے محل میں تجزیہ ہوتا ہے...... پس یہ ممکن ہے کہ آدھے میں حکم ثابت ہو اور آدھے میں نہ ہو اور حاصل خلاف اس بات کی طرف راجع ہے کہ نصف کا آزاد کرنا کیا کل غلام سے رقیت زائل کرنے کا موجب ہے؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ کل غلام رقیق ہی رہے گا البتہ بقدر نصف اس سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک کل غلام سے رقیت کو زائل کر دیتا ہے ۱۲

سلہ قولہ والملک متجزی الخ جیسے بیع، ہبہ وغیرہ میں کہ ایک آدمی نے غلام کا ایک حصہ بیچ دیا تو غلام کے اس حصہ سے اس کی ملک زائل ہو گئی اور باقی حصہ میں ملک باقی رہی ۱۲

لامعسرًا والولاء لهما ان اعتق او استسعی وللمعتق ان ضمنه ورجع به ای بالضمان علی العبد وقالا لاضمانه غنيًا ای للاخر تضمين المعتق حال كونه غنيًا والسعاية فقيرًا فقط والولاء للمعتق لان اعتاق البعض اعتاق الكل عندهما ولو شهد كل شريك بعتق الاخر سعى لهما فی حظهما والولاء لهما وقالا سعى للمعسرين لا للموسرين لان علی اصلهما الضمان مع اليسار والسعاية مع العسار فان كانا معسرين تجب السعاية۔

ترجمہ:۔ لیکن اگر تنگدست ہو تو ضمان نہ لے گا اور اس کی ولاء دونوں کے واسطے ہے اگر وہ دوسرا شریک بھی آزاد کر دے یا سعی کرا دے اور اگر ضمان لیوے تو کل ولاء آزاد کرنے والے کو ہے اور وہ آزاد کرنے والا رجوع کرے اس کو یعنی رقم ضمان کو غلام پر اور صاحبین کے نزدیک دوسرے شریک کو صرف دو باتوں کا اختیار ہے چاہے ضمان لیوے اگر غنی ہے یعنی دوسرا شریک آزاد کرنے والے کو ضامن بنائے بشرطیکہ وہ غنی ہو اور سعی کرا دے اگر وہ فقیر ہے۔ اور غلام کی ولاء صرف معتق اول کا حق ہے، اس لئے کہ صاحبین کے نزدیک بعض کا آزاد کرنا گویا کل کا آزاد کرنا ہے اور اگر دونوں شریک نے گواہی دی اس بات کی کہ دوسرے نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے تو غلام سعی کرے ان دونوں کے لئے ان کے حصے میں، اور ولاء ان دونوں کے واسطے ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام سعی کرے دونوں کے لئے اگر دونوں تنگدست ہوں اور سعی نہ کرے اگر دونوں مالدار ہوں اس لئے کہ صاحبین کی اصل پر تونگری کی صورت میں ضمان ہے اور تنگدستی کی صورت میں سعی ہے تو اگر دونوں شریک تنگدست ہوں تو غلام پر سعی واجب ہوگی

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) یا کسی کو غلام کا ایک حصہ ہبہ کر دیا تو موہوب لہ کو اس نصف حصہ میں ملک حاصل ہو گیا اور وہ اس کا شریک بن گیا، (قولہ ان اعتاق البعض الخ) یعنی غلام آزاد ہونے کی علت یہ ہے کہ اس سے سارے ملک کا ازالہ ہو تب جا کر اس سے رقیت کا وصف زائل ہوگا اور حریت کا وصف ثابت ہوگا۔ اب جبکہ اس نے بعض حصہ کو آزاد کیا تو علت بھی اسی قدر پائی گئی اور علت کے کسی جزء متحقق ہونے سے معلول متحقق نہیں ہوتا ہے نہ کلاً نہ بعضاً اس لئے وہ غلام کا کل کا کل رقیق رہ جائے گا۔ اب ادائے قیمت کے لئے اس پر سعی ضروری ہوگی تاکہ اپنے آپ کو آزاد کرا:

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ والولاء لهما الخ یعنی جبکہ شریک آخر کو تین امور مذکورہ میں کوئی ایک اختیار کرنے کا حق ہے تو اگر اس نے آزاد کرنے کو اختیار کیا تو غلام کی ولاء میں دونوں شریک ہو جائیں گے کیونکہ ہر ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا اور ولاء آزاد کرنے والے کا حق ہے اور اگر سعی کرائے تب بھی شریک ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں بھی معتق دونوں ہی ہیں البتہ ایک کا عتق بغیر بدل کے ہے اور دوسرے کا عتق بدل کے ساتھ ہے اور اگر ضمان لے لیا تو کل ولاء کا مستحق معتق اول ہوگا کیونکہ ضمان دے کر دوسرے کے حصے کا وہ مالک بن گیا اب وہی معتق ہوگا۔
سلہ قولہ ولو شهد الخ۔ یعنی اگر خبر دی تو یہاں شہادت سے مراد خبر دینی ہے، شہادت شرعی مراد نہیں کیونکہ شرعاً ایسی شہادت مقبول نہیں جہاں گواہ اپنی شہادت سے خود کوئی نفع حاصل کرنا چاہتا ہو چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں ہر ایک اپنے لئے حق تضمین (دوسرے کو ضامن بنانے کا حق) ثابت کرنا چاہتا ہے۔
سلہ قولہ سعی لهما الخ۔ یعنی غلام دونوں شریکوں کے لئے بقدر ان کے حصہ سعی کرے گا چاہے وہ دونوں مالدار ہوں یا تنگدست ہوں یا ایک مالدار اور دوسرا تنگدست ہو کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اس کا مدعی ہے کہ اس کے شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے تو اپنے قول کے مطابق یہ غلام مکاتب بن گیا ہے اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بعض آزاد بمنزلہ مکاتب ہوتا ہے اب اس کے لئے اس کو غلام بنائے رکھنا حرام ہے تو اپنے حق میں اس کی بات مقبول ہوگی اور غلام بنائے رکھنا ممنوع ہوگا۔ پس غلام سے سعی کرا سکتا ہے کیونکہ اقرار کرنیوالا سچا ہو یا جھوٹا ہو سعی کرانے کا حق اسکو یقینا ہے اور اس میں خوشحالی یا تنگدستی سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ دونوں حالتوں میں (باقی صہ آئندہ پر)

وان کانا موسرین فلا سعایۃ ولا ضمان ایضا لان کل واحد یدعی اعتاق الآخر والآخر ینکر ولا بینۃ ولو تخالفا یسارا سعی للموسر لا للمعسر لان عتقہ یثبت بقولھما ثم الموسر یزعم ان حقہ فی السعایۃ والمعسر یزعم انہ لاحق لہ فی السعایۃ لان المعتق موسر ولا یقدر علی اثبات الضمان لان شریکہ منکر فلا شئ لہ اصلا فان قلت ینبغی ان لا تجب السعایۃ فی شئ من الاحوال لان العتق انما یثبت باقرار کل منھما باعتاق شریکہ والشریک منکر فصار اقرار کل واحد منھما انشاء للعتق فلا تجب السعایۃ قلت العبد ان کذب کل واحد منھما فیما زعم لا یثبت عتقہ۔

(ثم تحقق الیسار ۱۲ عدہ) (ای قبل واحد منھما ۱۲ عدہ) (ہذا ایضا من تحقیق مذہب الصاحبین ۱۲ عدہ) (ای المعسر ۱۲ عدہ) (ای الا عتاق نصیبہ ۱۲ عدہ) (متعلق باقرار ۱۲ عدہ)

ترجمہ :۔ اور اگر دونوں مالدار ہوں تو سعی نہیں اور ضمان بھی نہیں کیونکہ ہر ایک دوسرے کے اعتاق کا دعوی کرتا ہے اور دوسرا اپنے اعتاق کا انکار کرتا ہے اور کسی کے پاس بینہ نہیں ہے۔ اور اگر دونوں کی حالت مختلف ہو مالداری میں تو جو مالدار ہے اس کے لئے سعی کرے اور تنگدست کے لئے نہیں اس لئے کہ اس کا آزاد ہونا دونوں کے قول سے ثابت ہوا ہے پھر مالدار کا گمان یہ ہے کہ غلام سے سعی کرانے میں اس کا حق ہے اور تنگدست جانتا ہے کہ سعی کرانے میں اس کا حق نہیں ہے کیونکہ آزاد کرنے والا اس کا شریک مالدار ہے اور اس پر ضمان بھی ثابت نہیں کرسکتا ہے اس لئے کہ اس کا یہ مالدار شریک اپنا حصہ آزاد کرنے کا منکر ہے تو اس کو کسی بات میں کوئی حق نہ ہوگا۔ اور اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ مذکورہ صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی غلام پر سعی واجب نہ ہونی چاہیئے کیونکہ آزادی تو ہر ایک کے اس اقرار سے ثابت ہوئی کہ اس کے شریک نے اپنا حصہ آزاد کردیا ہے درآں حالیکہ شریک اس کا منکر ہے تو ہر ایک کا اقرار گویا کہ اپنی جانب سے آزاد کرنا ہے اس لئے غلام پر سعی واجب نہ ہوگی (کہ خود آزاد کرنے سے غلام پر سعی لازم نہیں ہوتی) تو اس کے جواب میں کہوں گا، کہ غلام اگر ہر دو شریک کو ان کے اقرار میں جھوٹا ٹھہرائے تب تو اس کی آزادی ہی ثابت نہ ہوگی (اور سعی کا حکم بھی نہ ہوگا)

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) ضمان لینا یا سعی کرانے میں سے کسی ایک بات کا اس کو اختیار ہے، آزاد کرنے والا مالدار ہونے سے بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سعی کرانا ممنوع نہیں۔ اور دوسرے شریک کو ضامن بنانا ممکن نہیں کیونکہ وہ تو آزاد کرنے سے منکر ہے اس لئے غلام سے سعی کرانا ہی متعین ہوگیا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ موسر الخ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آزاد کرنے والا تنگدست ہونے کی صورت میں غلام پر سعی لازم ہے اور خوشحال ہونے کی صورت میں اس پر ضمان لازم ہے، اب خوشحال سمجھتا ہے کہ اس کا حق سعی میں ہے کیونکہ اس کا شریک تنگدست ہے اس پر ضمان نہیں آسکتا، اور آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو وہ جانتا ہے کہ اس کا حق ضمان میں ہے کیونکہ اس کا شریک مالدار ہے اس لئے اس کے لئے سعی نہ ہوگی اور ضمان ثابت کرنے کی بھی کوئی راہ نہیں کیونکہ یہ تو اس پر موقوف ہے کہ شریک مالدار کا حصہ آزاد کرنا ثابت ہو جو اس کے اقرار سے ہوسکتا ہے حالانکہ وہ تو منکر ہے اور بینہ بھی نہیں ہے ۱۲

لہ قولہ فان قلت الخ یہ اعتراض صاحبین پر پڑتا ہے امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا، کیونکہ دونوں کا یہ اقرار کہ دوسرے نے اس کا حصہ آزاد کردیا یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عتق ثابت نہیں کرتا بلکہ اس سے کتابت ثابت ہوتی ہے۔ بہر صورت اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ ان تین صورتوں میں سے کسی میں بھی غلام پر سعی واجب نہ ہونی چاہیئے یعنی خواہ دونوں مالدار ہوں یا تنگدست یا ایک مالدار دوسرا تنگدست کیونکہ غلام کی آزادی۔ اور یہی موجب سعی ہے۔ ہر ایک کے اس اقرار سے ثابت ہو رہی ہے کہ اس کے شریک نے اپنا حصہ آزاد کردیا ہے حالانکہ شریک تو اس کا منکر ہے تو گویا ہر ایک کا اقرار اپنی جانب سے انشاء عتق کے قائم مقام ہوگیا اور اس قسم کے عتق سے سعی واجب نہیں ہوتی

(باقی صفحہ آئندہ پر)

وان صدّق فتصدیقه کل واحد منهما یکون اقرارا بوجوب السعایة له علی اصل ابی حنیفة واما علی اصلهما فتصدیقه للموسرین لا یکون اقرارًا وتصدیقه للمعسرین یکون اقرارا وکذا تصدیقه للموسر اذا کان شریکه معسرًا ووُقف الولاءُ فی الاحوال ای حال یسارهما وعسارهما ویسار احدهما وعسار الأخر لان کل واحد منهما منکرٌ اعتاقه فیتوقف الولاء الی ان یتفقا علی اعتاق احدهما ولو علق احدهما عتقه بفعلٍ غدًا والأخر بعدمه فمضی وجُهل شرطه عتق نصفه وسعی فی نصفه لهما وعند محمدٌ سعی فی کله لان[3] المقضی علیه بسقوط السعایة مجهول فلا یمکن القضاء علی المجهول۔

ترجمہ:۔ اور اگر غلام تصدیق کرے تو امام ابو حنیفہؒ کے قاعدہ کے مطابق دونوں شریک کے بارے میں اس کی یہ تصدیق اپنے حق میں وجوب سعی کا اقرار شمار ہوگی اور صاحبین کے قاعدہ کے مطابق اس کی تصدیق شریکین مالدار ہونے کی صورت میں وجوب سعی کا اقرار نہیں، اور دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کے لئے وجوب سعی کا اقرار ہے اسی طرح مالدار شریک کی تصدیق بھی وجوب سعی کا اقرار ہے جبکہ اس کا شریک تنگدست ہو اور ان تمام صورتوں میں ولاء موقوف رہے گی، یعنی چاہے دونوں شریک مالدار ہوں یا تنگدست ہوں یا ایک مالدار اور دوسرا تنگدست ہو اس لئے کہ ہر ایک خود آزاد کرنے کا منکر ہے تو اس غلام کی ولاء ابھی کسی کو نہیں ملے گی یہاں تک کہ دونوں میں سے کسی ایک کے معتق ہونے پر دونوں اتفاق کریں۔ اور اگر دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے حصہ کی آزادی کو کل کے روز ایک فعل کے وجود پر معلق کیا اور دوسرے نے اسی فعل کے عدم پر معلق کیا اور کل کا روز گذر گیا اور معلوم نہ ہوا کہ شرط پائی گئی یا نہیں پائی گئی تو آزاد ہو جائے گا نصف اس غلام کا اور باقی نصف میں ان دونوں شریکوں کے واسطے سعی کرے اور امام محمد کے نزدیک سعی کرے کل کے بارے میں دونوں کے لئے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس حصہ کی سعی ساقط ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا وہ معلوم نہیں اور غیر معلوم پر فیصلہ دینا ممکن نہیں (اس لئے کل قیمت کی سعی واجب ہوگی)

تشریح (بقیہ مرگذشتہ) سکہ قولہ ثلث الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں غلام پر سعی لازم ہے جبکہ غلام تصدیق کرے اور اگر غلام دونوں کے دعوی کی تکذیب کرے اور کہے کہ کسی نے اپنا حصہ آزاد نہیں کیا تو اس کا عتق ثابت نہ ہوگا اور اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ اور اگر غلام تصدیق کرے تو اس کی تصدیق کے باعث اس پر سعی لازم ہوگی چاہے دونوں خوشحال ہوں یا تنگ حال ہوں یا ایک خوشحال اور دوسرا تنگ حال ہو یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں شریک کی خوشحالی کی صورت میں جب ان کی تصدیق کرے تو اس پر سعی لازم نہ آئے گی کیونکہ خوشحالی میں سعی نہیں ہوتی اور اگر دونوں تنگ حال ہوں اور تصدیق کرے یا شریکین کی حالت مختلف ہونے کی صورت میں مالدار کی تصدیق کرے تو اس پر سعی واجب ہوگی کیونکہ آزاد کرنیوالا تنگدست ہونے کی صورت میں سعی واجب ہوتی ہے تو غلام پر اس کے اقرار کے باعث مواخذہ ہوگا اور اس پر سعی لازم ہوگی ۱۲۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ ووقف الخ بصیغۂ مجہول یہ تتمہ ہے صاحبین کے مذہب کا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک آزاد کرنیوالا اور ولاء کا مستحق دراصل ایک ہی آدمی ہوگا کیونکہ ان کی اصل کے مطابق بعض حصہ کا آزاد کرنا کل آزاد کرنے کے حکم میں ہے اور معتق کو ولاء ملتی ہے اور یہاں مستحق ولاء متعین نہیں اس لئے کہ یہاں ہر ایک عتق و استحقاق کا انکار کر رہا ہے۔ بنا بریں اس کی ولاء اس بات پر موقوف ہوگی کہ دونوں میں اتفاق ہو جائے کہ فلاں معتق ہے تب ولاء اسی کو ملے گی اور اگر غلام ان کے اتفاق سے پہلے مرگیا تو اس کی ولاء بیت المال میں داخل ہوگی ۱۲ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

قلنا[1] نصف السعایۃ ساقط بیقین وکل واحد من الشریکین یقول لصاحبہ ان النصف الباقی ھو نصیبی والساقط نصیبک فیتنصّف بینھما ولا عتق فی عبدین ای اذا قال رجل ان دخل فلان الدار غداً فعبدہ حرّ وقال الآخر ان لم یدخل فلان الدار غداً فعبدہ حرّ فمضی ولم یُدرَ انہ دخل اولا لایعتق شیٔ من العبدین لان المقضی علیہ بالعتق والمقضی لہ مجہولان ففحشت الجہالۃ ومن ملک ابنہ مع آخر بشراء اوھبۃ اووصیۃ اواشتری نصف ابنہ من سیدہ اوعلق عتقہ بشراء نصفہ ثم اشتراہ مع آخر عتق حصتہ ولم یضمن الاب علم الشریک حالہ اولا۔

ترجمہ:۔ اور شیخین کی طرف سے ہم کہیں گے کہ نصف کی سعی کا ساقط ہونا تو یقینی طور پر معلوم ہے (اس لئے کہ شرط کی دونوں باتوں میں سے ایک امر تو ضرور ہوا ہے) اور باقی نصف کے بارے میں ہر ایک شریک دوسرے شریک سے کہتا ہے کہ یہ میرا حصہ ہے اور ساقط ہونیوالا نصف تمہارا ہے۔ اب لامحالہ اس نصف کو (رفع نزاع کے لئے) دونوں میں آدھا آدھا کر دیا جائے گا اور اگر غلام دونوں کے جدا ہیں تو کوئی بھی آزاد نہ ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے کہا کہ اگر فلاں آدمی کل گھر میں داخل ہو تو میرا غلام آزاد ہے اور دوسرے نے کہا کہ اگر فلاں آدمی کل گھر میں داخل نہ ہو تو میرا غلام آزاد ہے اور کل کا دن گذر گیا اور حال معلوم نہ ہوا کہ فلاں آدمی داخل ہوا یا نہیں تو دونوں غلاموں میں سے کوئی بھی آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں جس مالک پر اس کے غلام آزاد ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا اور جس غلام کے حق میں آزاد ہونے کا حکم دیا جائے گا دونوں مجہول ہیں اس لئے یہاں جہالت زیادہ رہ گئی (کہ ایسی جہالت میں کسی کے آزاد ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے) اور اگر کوئی شخص دوسرے کی شرکت میں اپنے بیٹے کا مالک ہو گیا، شرا یا ہبہ یا وصیت کے ذریعہ، یا اپنے بیٹے کا نصف اس کے آقا سے خرید لیا، یا کسی غلام کے نصف خریدنے پر اس کی آزادی کو معلق کیا پھر اس کا آدھا دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر خرید لیا تو ان سب صورتوں میں اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور باپ ضامن نہ ہوگا برابر ہے کہ شریک اس کا حال جانتا ہو یا نہ جانے۔

تشریح (بقیہ گذشتہ) [2] قولہ غداً الخ۔ بعض نسخوں میں ایسی ہی عبارت ہے اور بعض میں بفعل غداً اضافت کے ساتھ ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے یعنی ایسے فعل کے ساتھ جو کل واقع ہوگا اور کل کا ذکر مثال کے طور پر ہے کیونکہ حکم کا مدار اس پر ہے کہ کسی وقت معین میں فعل کے وقوع کے ساتھ عتق کو معلق کرنا آئندہ کل ہو یا آج ہو یا گذشتہ کل ہو۔

[3] قولہ لان المقضی علیہ الخ خلاصہ یہ کہ جس شرط کے تحقق کے ساتھ اس شریک نے عتق کو معلق کیا ہے جب معلوم نہیں کہ وہ متحقق ہوئی یا دوسرے شریک نے جس شرط کے ساتھ معلق کیا تھا وہ متحقق ہوئی، تو کس کے بارے میں سعی ساقط ہوگی یہ بات مجہول رہ گئی کیونکہ جس شریک کی شرط پائی گئی اس کے لئے سعی نہیں ہے بلکہ دوسرے کے نصف کے لئے سعی لازم ہوگی، اور اول کے لئے سعی کرانے کا حق ساقط ہو گیا اور یہ معلوم نہیں اور مجہول پر فیصلہ دینا ممکن نہیں اس لئے کسی ایک کے لئے حق سعایہ ساقط ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے بلکہ دونوں کے لئے کل کی قیمت کی سعی کا حکم دیا جائے گا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ قلنا الخ یہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے امام محمدؒ کا جواب ہے یعنی مذکورہ صورت میں ایک شریک یقیناً حانث ہے اور یہ وہ شریک ہے جس کی شرط پائی گئی پس نصف غلام کا آزاد ہونا اور نصف سعی کا ساقط ہونا یقینی امر ہے پھر کس طرح غلام پر پوری قیمت کی سعی واجب ہونے کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ باقی رہ گیا کس کے حق میں کیا فیصلہ ہوگا اس کا مجہول رہ جانا مضر نہیں۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ای علم الشریك انه ابن لشریکه او لم یعلم کما لو ورثاه ای لا یضمن الاب نصیب الشریك فی الصور المذکورة کما لا یضمن الاب اذا ورث هو و شریکه ابنه و صورته ماتت امرأة ولها عبد هو ابن زوجها فترکت الزوج والاخ فورث الاب نصف ابنه فعتق علیه لا یضمن حصة اخیها اتفاقا لان[1] الارث ضروری الثبوت ولا اختیار للاب فی ثبوته واعتقه الاخر او سعی له ای لما لم یکن للشریك ولایة التضمین بقی[2] له (ای للشریک الاخر) احد الامرین اما الاعتاق او السعایة۔

ترجمہ :۔ یعنی چاہے شریک اس بات کو جانتا ہو کہ یہ بیٹا ہے اس کے شریک کا یا نہ جانتا ہو جیسا کہ اگر دونوں وارث ہو جائیں اس کا یعنی مذکورہ صورتوں میں غلام کا باپ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن نہ ہوگا جس طرح کہ باپ ضامن نہیں ہوتا ہے جبکہ وہ وارث ہو جائے اپنے شریک کے ساتھ غلام کا جو کہ اس کا بیٹا ہے۔ اور صورت اس کی یوں ہے کہ ایک عورت مر گئی اور اس کا ایک غلام تھا کہ وہ اس کے خاوند کا بیٹا تھا اور وہ عورت چھوڑ گئی اپنے بھائی اور خاوند کو تو باپ بحق ارث غلام بیٹے کے نصف کا مالک ہو جائے گا اور یہ نصف حصہ (بحکم شرع) آزاد ہو جائے گا لیکن وہ اس کی بیوی کے بھائی کے حصہ کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ ارث کی ملکیت اضطراری ہے اس کے ثبوت میں باپ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اب دوسرے شریک کو اختیار ہے چاہے اپنا حصہ بھی آزاد کر دے یا غلام سے اپنے لئے سعی کرا دے یعنی جبکہ اس شریک کے لئے باپ کو ضامن بنانے کا حق نہیں ہے تو اب اس کے لئے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں چاہے وہ بھی بخوشی اپنا حصہ آزاد کر دے یا غلام سے (اپنے حصہ کی قیمت وصول کرنے کے لئے) سعی کرا دے۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) کیونکہ یہ جہالت اس طرح رفع ہو سکتی ہے کہ آزاد شدہ نصف کو دونوں کے حصہ میں شائع مانا جائے اور نصف کی سعی کو بھی دونوں میں تقسیم کر دی جائے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کرے اور معین نہ کرے پھر دنات سے پہلے مر جائے تو حکم یہ ہے کہ دونوں غلام میں سے نصف نصف آزاد ہو جائے گا اور دونوں پر باقی نصف میں سعی لازم ہوگی۔

[1] قولہ ومن ملک الخ اس کی صورت یوں ہے کہ دو آدمی ایک غلام خریدیں، اور یہ غلام ان دونوں میں سے ایک کا لڑکا ہو یا غلام کا آقا انہیں ہبہ کر دے یا ان دونوں کے لئے اس کی وصیت کر جائے اپنی موت کے وقت جس کی رو سے وہ دونوں مالک ہو گئے اور یہی حکم ہے ہر ذی رحم محرم کا اگر انسان اسباب ملک میں کسی سبب سے دوسرے اجنبی کے اشتراک میں مالک بن جائے۔

[2] قولہ عتق حصتہ الخ یعنی تعلیق کرنیوالا یا خریدار یا مالک کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ تعلیق کی صورت میں اس لئے کہ جب اس نے نصف کے خریدنے پر عتق کو معلق کر دیا پھر اسے خریدا تو شرط پائی گئی، لہذا یہ مقدار آزاد ہوگی اور دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر کسی سبب ملک سے ذی رحم محرم کے مالک بننے میں اس لئے آزاد ہوگا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوتا ہے وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے" اب جب وہ نصف کا مالک ہوا تو نصف آزاد ہو گیا۔

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ لان الارث ضروری الخ واضح رہے کہ مالک ہونے کے اسباب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ اختیاری مثلاً خرید و فروخت وغیرہ ۲۔ اضطراری مثلاً وراثت، اس لئے فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ وراثت ساقط کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوتی کیونکہ یہ جبری چیز ہے حتی کہ اگر مورث کے مرنے کے بعد وارث کہدے کہ میں ترکہ میں سے اپنا حصہ نہیں لیتا اور پھر بعد میں اس کا دعوی کر دے تو اس کا دعوی درست ہوگا اور جب ارث غیر اختیاری امر ہے تو باپ کے حصہ آزاد ہونے میں اس کی طرف سے شریک کا حق فاسد کرنے کا ارادہ نہیں پایا جاتا ہے کہ اس پر ضمان لازم آئے۔

[2] قولہ بقی لہ الخ۔ خواہ آزاد کرنیوالا مالدار ہو یا تنگ دست ہو ۱۲

(ای سعی العبد لذلک الشریک حین کون الاب معسرا ۱۲ عمدہ)

وقالا فی غیر الارث ضمن نصف قیمتہ غنیا وسعی لہ فقیرا لان شراء القریب

(ای فی صورۃ تملک الاب ابنہ بسبب من اسباب الملک غیر الارث ... ای حال کون الاب غنیا ۱۲ عمدہ)

اعتاق فان کان موسرا یجب الضمان وان کان معسرا سعی العبد وابوحنیفۃ

یقول انہ رضی بافساد نصیبہ فلا یضمنہ کما[1] اذا اذن باعتاق نصیبہ

حیث شارکہ فی علۃ العتق وھو الشراء وان[2] جھل فالجھل لا یکون عذرا

وان اشتری نصفہ ثم الاب باقیہ غنیا ضمن لہ او سعی وخالفاہ فیھا ففی

ھذہ الصورۃ لم[3] یرض الشریک بافساد نصیبہ فیخیر وعندھما لا تجب

سعایتہ لان المعتق غنی ولو دبرہ احد الشرکاء واعتقہ الآخر وھما موسران

ضمن الساکت مدبرہ لا معتقہ والمدبر معتقہ ثلثہ مدبرا لا ما ضمنہ۔

ترجمہ:۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غیر میراث میں باپ ضامن ہوگا اس کی نصف قیمت کا اگر وہ غنی ہے اور سعی کرے گا غلام اگر وہ فقیر ہے اس لئے کہ اپنے قریب کو خریدنا درحقیقت اس کو آزاد کرنا ہے پس (آزاد کرنے کا حکم اس پر عائد ہوگا کہ) اگر وہ مالدار ہے تو ضمان واجب ہوگا اور تنگدست ہے تو غلام سعی کرے گا۔ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ شریک خود اپنے حصہ کے فاسد ہونے پر راضی ہوگیا ہے اس لئے اب باپ کو ضامن نہیں بنا سکتا ہے۔ جیسا کہ اپنے شریک کو جب اس کا حصہ آزاد کرنے کی اجازت دیدے (تو اس سے ضمان نہیں لے سکتا ہے) اور اس موقع پر باپ کے ساتھ عتق کے سبب یعنی شرا میں شریک ہو جانا خود دلیل رضامندی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے وہ اس بات کو نہ جانتا ہو ورنہ شریک نہ ہوتا تو امور شرعیہ میں نہ جاننا کوئی عذر نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے نصف غلام خریدا اس کے بعد باپ نے اس غلام کے بقیہ حصہ کو خرید لیا اور باپ غنی ہے تو اس شخص کو اختیار ہے چاہے باپ سے ضمان لیوے یا غلام سے سعی کرائے۔ اور صاحبینؒ سعی کرانے کے حق میں اختلاف کرتے ہیں۔ غرض اس صورت میں اپنے حصہ کو فاسد کرنے میں شریک کی رضامندی متحقق نہیں اس لئے اسے اختیار ہوگا (ضمان یا سعی کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت وصول کرلے) اور صاحبینؒ کے نزدیک غلام پر سعی نہیں آسکتی ہے کیونکہ معتق مالدار ہے۔ اور اگر (ایک غلام میں تین شخص برابر کے شریک تھے اور) ایک شریک نے اس کو مدبر کیا اور دوسرے نے اس کو آزاد کیا اور وہ دونوں مالدار ہیں (اور تیسرا چپ رہا) تو چپ رہنے والا اپنے حصہ کا ضمان لیوے مدبر کرنے والے سے نہ کہ آزاد کرنے والے سے اور مدبر ضمان لے آزاد کرنے والے سے تہائی حصہ غلام مدبر کا نہ اس مقدار کا جس کا وہ خود ضامن ہوا ہے۔

تشریح[1] قولہ اذا اذن الخ۔ یعنی ایک شریک نے دوسرے کو اس کا حصہ آزاد کرنے کا اذن دیدیا یعنی کہا "تم اپنا حصہ آزاد کردو" اور اس نے آزاد کردیا اس صورت میں ضمان نہ ہوگی کیونکہ بلک شریک فاسد کرنے کا الزام اس پر نہیں آسکتا۔

[2] قولہ وان جھل الخ۔ یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ اپنے حصہ کی ملک فاسد ہونے پر راضی رہنے کا اعتبار اسی وقت درست ہے جب کہ شریک کو اس کا علم بھی ہو لیکن جب اس کو اس بات کا علم ہی نہ ہو تو کس طرح اس کو راضی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ امور شرعیہ میں جہالت عذر شمار نہیں ہوتا اس لئے علت عتق میں شرکت ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اُسے اپنا حصہ خراب کرنے پر رضامند قرار دیا جائے۔

[3] قولہ لم یرض الشریک الخ۔ کیونکہ شریک کی خریداری باپ کی خریداری سے مقدم ہے اور اس کی ملک فساد سے محفوظ تھی اس کے بعد جب باپ نے بقیہ حصہ خرید لیا تو باپ نے اس کی ملک میں خرابی پیدا کردی اس لئے ضامن ہوگا اگر مالدار ہو ورنہ غلام پر سعی واجب ہوگی

(باقی صفحہ آئندہ پر)

هذا عند ابی حنیفة رحمه الله وذلك لان التدبیر متجزئ عنده کالاعتاق فیقتصر
علی نصیبه لکنه افسد نصیب شریکیه فاحدهما اختار اعتاق حصته
فتعین حقه فیه فلم یبق له اختیار امر اٰخر کالتضمین وغیره ثم للساکت
توجه سببا ضمان ای ضمان التدبیر والاعتاق لکن ضمان التدبیر ضمان
المعاوضة لانه قابل للانتقال من ملك الی ملك وضمان المعاوضة
هو الاصل فیضمن المدبر ثم للمدبر ان یضمن المعتق ثلث قیمة العبد
مدبرا او قیمة المدبر ثلثا قیمته قنا لان المنافع ثلثة انواع الوطی والاستخدام
والبیع فبالتدبیر فات البیع ولا یضمن المدبر المعتق الثلث الذی ضمنه
الساکت مع ان ذلك الثلث صار ملکا للمدبر بسبب الضمان۔

ترجمہ :۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک جس طرح اعتاق میں تجزی ہوتی ہے اسی طرح تدبیر میں بھی تجزی ہوتی ہے، اس لئے صرف اپنے ہی تہائی حصہ میں تدبیر محدود رہے گی لیکن اس نے اپنے حصہ کو مدبر بناکر اور دونوں شریک کے حصوں میں خرابی پیدا کردی۔ پھر جب اُن میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو آزاد کرنے ہی کی شکل میں اس کا حق متعین ہوگیا اب اس کو ضمان لینے یا سعی وغیرہ کرانے کا کوئی اختیار باقی نہ رہا۔ اس کے بعد خاموش رہنے والے کا معاملہ رہ گیا جس کے سامنے ضمان لینے کے دو سبب موجود ہیں یعنی تدبیر و اعتاق لیکن تدبیر کرنے والے کی ضمان میں معاوضہ کی صفت پائی جاتی ہے کہ یہ غلام مدبر بنانے کے وقت ایک کی ملک سے دوسرے کی ملک میں منتقل ہونے کے قابل تھا اور مدبر بناکر اس نے اس راستہ کو بند کردیا، اور اصل ضمان میں ضمان معاوضہ ہے اس لئے خاموش رہنے والا مدبر کرنے والے کو ضامن بنائے گا۔ پھر مدبر کرنے والے کو حق ہے کہ معتق سے ضمان وصول کرے غلام کی تلث قیمت کی بحیثیت مدبر کے، اور مدبر کی قیمت خالص مملوک کی دو تہائی ہوتی ہے اس لئے کہ مملوک کے منافع تین نوع کے ہیں۔ ۱۔ وطی کرنا (کنیز میں) ۲۔ خدمت حاصل کرنا۔ ۳۔ اور بیع۔ تو تدبیر کی وجہ سے بیع کی منفعت فوت ہوگئی (اس لئے مدبر کی قیمت دو تہائی رہ گئی) اور مدبر آزاد کرنے والے سے اس تہائی کی ضمان نہیں لے سکتا ہے جو اس نے خاموش رہنے والے کو دی ہے باوجودیکہ یہ تلث بھی ضمان ادا کرنے کے بعد مدبر کی ملک ہوگیا ہے (اور معتق نے آزاد کرکے اس ملک کو فاسد کیا ہے)

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) ؎ قولہ فلو دبرہ الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی غلام تین آقاؤں کے درمیان مشترک تھا ایک نے اپنا حصہ مدبر بنادیا اور وہ مالدار ہے اور دوسرے نے اپنا حصہ آزاد کردیا اور تیسرا خاموش رہا اس نے اپنا حصہ نہ مدبر بنایا نہ آزاد کیا تو اگر یہ خاموش اور مدبر بنانے والا ضمان لینا چاہیں تو تدبیر کرنے والا ساکت کو ضمان دے گا اور آزاد کرنے والا مدبر بنانے والے کو ضمان دے گا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ قولہ ضمان المعاوضۃ الخ نہایہ وغیرہ میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ مدبر اپنی تدبیر کے باعث جو نقصان کرتا ہے اسی کا وہ ضامن ہوگا اور غلام تدبیر سے پہلے ایک کی ملک سے دوسرے کی ملک میں منتقل ہونے کے قابل تھا جس قابلیت کو اس نے مدبر بناکر ختم کردی۔ اب اس نقصان کے معاوضہ کے طور پر تاوان لازم ہوگا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

لانہ ملکہ باداء الضمان ملکاً مستنداً وھو ثابتٌ من وجہٍ دون وجہٍ فلا یظھر فی حق التضمین واما الولاء فثلثاہ للمدبر وثلثہ للمعتق وقالا ضمن مدبرہ لشریکہ موسراً او معسراً لانہ ضمان تملک فلا یختلف بالیسار والعسار بخلاف ضمان الاعتاق اذھو ضمان جنایۃ ولو قال ھی ام ولد شریکی انکر تخدمہ یوماً وتوقف یوماً ھذا عند ابی حنیفۃ وذلک لان المقر اقران لا حق لہ علیھا فیواخذ باقرارہ۔

ترجمہ:۔ کیونکہ ادائے ضمان کے بعد وہ اس حصہ کا مالک ہوا ہے اپنی تدبیر کے وقت سے محض حکمی نسبت کے طور پر اور ایسی حکمی ملک من وجہ ثابت ہوتی ہے اور من وجہ ثابت نہیں ہوتی اس لئے دوسرے کو ضامن بنانے کے حق میں ایسی ملک کا اثر ظاہر نہ ہوگا البتہ اس غلام کی دو تہائی ولاء مدبّر کا حق ہے اور ایک تہائی معتق کا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں مدبر اپنے دونوں شریکوں کا ضامن ہوگا چاہے وہ مالدار ہو یا فقیر، اس لئے کہ یہ خود مالک ہونے کا تاوان ہے جس میں تونگری اور تنگدستی کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بخلاف ضمان اعتاق کے اس لئے کہ وہ ضمان جنایت ہے۔ اور اگر لونڈی کے دو شریکوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ میرے دوسرے شریک کی ام ولد ہے اور اس نے انکار کیا تو وہ لونڈی ایک دن منکر کی خدمت کرے گی اور ایک دن خالی بیٹھی رہے گی یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مقر کے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ باندی پر اس کا کوئی حق نہیں ہے تو اس کا اقرار اس پر لازم ہوگا۔

تشریح:۔ دلیلیہ مدگذشتہ) پس تدبیر سبب ضمان بن گئی۔ ضمان معاوضہ کا یہی مطلب ہے بخلاف اعتاق کے کہ جب معتق نے اپنا حصہ آزاد کیا تو وہ غلام سابقہ تدبیر کے باعث ایک ملک سے دوسری ملک میں منتقل ہونے کے قابل ہی نہ تھا اس لئے اس نے آزاد کر کے جو کچھ تلف کیا وہ معاوضہ سے مالک ہونے کے قابل نہیں تو اس کی ضمان جنایت کی ضمان ہوگی معاوضہ کی ضمان نہ ہوگی۔

[1] قولہ ولا یظہر الخ اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر غلام کی قیمت ستائیس درہم ہو اب تین شریکوں میں سے ایک شریک نے اپنا حصہ مدبر بنایا اور دوسرے نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور تیسرا خاموش رہا تو یہ خاموش مدبر بنانے والے سے تہائی قیمت نو درہم وصول کرے گا اور مدبر بنانے والا معتق سے چھ درہم وصول کرے گا کیونکہ مدبر کی قیمت غلام کے مقابلہ میں دو تہائی ہے اب جب غلام کی قیمت ستائیس درہم تھی تو مدبر کی قیمت اٹھارہ درہم ہوگی اور اٹھارہ کا ثلث چھ ہے چنانچہ معتق یہ مقدار لے گا کیونکہ اس نے مدبر ہونے کی حالت میں خرابی پیدا کی ہے اور مدبر نے ساکت کو جو نو درہم دیئے ہیں وہ معتق سے طلب نہیں کر سکتا ہے اگرچہ وہ ضمان دے کر ساکت کے حصہ کا مالک ہو چکا تھا اور معتق نے اصلی حصہ کے ساتھ اس حصہ کو بھی تلف کیا ہے کیونکہ ساکت کے حصہ پر اس کی ملک اداء ضمان سے ثابت ہوئی ہے پہلے سے ثابت نہیں اس لئے دوسرے پر ضمان عائد کرنے کے معاملہ میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ وانکر الخ یعنی اگر اس کا شریک انکار کرے لیکن اگر اس نے تصدیق کی تو اس کی ام ولد ہو جائے گی اور اس کی آدھی قیمت لازم ہوگی۔ اور نصف عقر لازم آئے گا۔ جیسا کہ مشترکہ لونڈی اگر بچہ جنے اور ایک اس کا دعویٰ کرے اور یہی حکم ہوگا جبکہ مدعی بینہ کے ساتھ یہ ثابت کر دے۔ ۱۲ بحر

[2] قولہ وتوقف یوماً الخ یعنی ایک دن شریکین میں سے کسی کی خدمت نہیں کرے گی، منکر کی اس لئے نہیں کرے گی کہ اس کو تو خدمت لینے کا حق ہر دن نہیں بلکہ ایک دن بعد ایک دن ہے اور مقر کی اس لئے نہیں کرے گی کہ اس نے اپنے اس دعویٰ سے کہ یہ میرے شریک کی ام ولد ہے اس باندی پر اپنا حق نہ رہنے کا اقرار کر لیا ہے اب چاہے شریک انکار کرے لیکن اپنا اقرار اپنے اوپر لازم ہوگا۔

ثم المنكر يزعم انها كما كانت فلاحق له عليها الا في نصفها واما عندهما فللمنكر[1] ان يستسعى الجارية في نصف قيمتها ثم تكون حرة لانه لما لم يصدقه صاحبه انقلب اقراره عليه كانه استولدها فتعتق بالسعاية ولا قيمة لام ولد فلا يضمن غنى اعتقها مشتركة اعلم ان ام الولد غير متقومة عند ابی حنیفة وعندهما متقومة حتى لو كانت ام ولد مشتركة بين شريكين اعتقها احدهما وهو موسر لا يضمن عند ابی حنیفة وعندهما يضمن ولو قال لعبدين عنده من ثلثة له احد كما حر فخرج واحد ودخل آخر فاعاد ومات بلا بيان.

ترجمہ ۱۔ پھر منکر کا دعوی یہ ہے کہ باندی جیسے پہلے تھی اب بھی ویسے ہی ہے اس لئے اس کو بھی باندی کے صرف نصف ہی پر حق رہے گا جیسے پہلے تھا لیکن صاحبین کے نزدیک منکر لونڈی سے اس کی نصف قیمت میں سعی کرائے پھر وہ آزاد ہو جائے گی اس لئے کہ جب اس کے شریک نے اپنی ام ولد ہونے کی تصدیق نہ کی تو مقرر کا اقرار اسی پر پلٹ جائے گا تو گویا اس نے باندی کو اپنی ام ولد قرار دیدی اب وہ منکر کے حصہ کے موافق سعی کے ذریعہ آزاد ہو جائے گی اور ام ولد کی کچھ قیمت نہیں ہوتی پس اگر ایک ام ولد دو شخصوں میں مشترک ہو اور ان میں سے ایک اس کو آزاد کر دے اور وہ غنی ہو تو دوسرے کے حصہ کا ضامن نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ام ولد کی کوئی قیمت نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک وہ قیمت دار ہے چنانچہ ام ولد اگر دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک اسے آزاد کر دے اور وہ غنی ہو تو بھی وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسرے شریک کا ضامن نہ ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا۔ اور جس شخص کے تین غلام تھے اور دو اس کے پاس موجود تھے اور اس نے کہا ایک تم میں آزاد ہے پھر ایک ان دو میں چلا گیا اور تیسرا غلام آیا اور پھر کہا ایک تم میں سے آزاد ہے اور بعد اس کے وہ شخص مر گیا اور کچھ بیان نہیں کیا۔

تشریح: [1] قولہ فللمنکر الخ صاحبین کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ منکر اس لونڈی سے اپنی نصف قیمت کے عوض سعی کرالے اور یہ آزاد ہو جائیگی کیونکہ جب اس کے ساتھی نے اس کی تصدیق نہ کی تو مقر کا اقرار اس کے اوپر ہی پلٹ گیا جیسا کہ کوئی خریدار بیچنے والے کے متعلق اقرار کرے کہ اس نے بیع سے پہلے غلام مبیع کو آزاد کر دیا ہے اور بائع انکار کرے ایسی صورت میں یہی قرار دیا جاتا ہے کہ گویا مشتری نے خود اس غلام کو آزاد کیا ہے اب اس مسئلہ کے اندر شریک کے حق میں ام ولد بنانے کا اقرار بھی یہی قرار پائے گا کہ گویا خود مقر نے اس کو ام ولد بنا لیا ہے اس لئے اب لونڈی منکر کی خدمت نہیں کر سکتی ہے اور اقرار کرنے والے کو منکر ضامن بھی نہیں بنا سکتا ہے کیونکہ اس نے تو اپنے لئے ام ولد ہونے کا اقرار نہیں کیا ہے پس منکر کا حصہ اس کی ملک میں باندی کے قبضہ میں آجائے گا جو سعی کر کے آزادی حاصل کرے گی اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اگر شریک تصدیق کرے تو ساری خدمت اسی کے لئے ہوگی اور اگر تکذیب کرے تو جو اس کا یقینی حق ہے یعنی نصف خدمت وہ اس کے لئے ثابت رہے گا اور اقرار کرنے والے شریک کے لئے نہ خدمت ہے اور نہ ہی سعی ہے کیونکہ وہ خود ہی دوسرے کے حق میں ام ولد ہونے کا دعوی کر کے ان امور سے محروم ہو چکا ہے! ور ام ولد ہونے کا اقرار در اصل اقرار بالنسب پر مشتمل ہے اور اقرار بالنسب ایک لازمی امر ہے جو رد سے بھی رد نہیں ہوتی اس لئے یہاں اقرار کرنے والے کو گویا خود ام ولد بنانے والا قرار نہیں دیا جا سکتا ہے ۱۲

عتق ممن ثبت ثلثة ارباعه ومن کل من غیرہ نصفه وعند محمد ربع من دخل ومن غیرہ کما قالا لان الایجاب الاول دائر بین الخارج و الثابت فینصّف بینهما ثم الایجاب الثانی دائر بین الثابت والداخل فینصّف بینهما فالنصف الذی اصاب الثابت شاع فیه فما اصاب النصف النصف الذی عتق بالایجاب الاول لغا وما اصاب النصف الفارغ وهو الربع بقی فعتق من الثابت ثلثة ارباعه واما من الداخل فیعتق ربعه عند محمد لان هذا الایجاب لما اوجب عتق الربع من الثابت فکذا من الداخل لانه متنصف بینهما وهما یقولان ان المانع من عتق النصف یختص بالثابت و لا مانع فی الداخل فیعتق نصفه.

ترجمہ:۔ تو جو غلام دونوں مرتبہ حاضر تھا اس کے تین ربع آزاد ہو گئے اور نصف آزاد ہو گیا باقی دو غلاموں کا (شیخین کے نزدیک) اور امام محمد کے نزدیک بعد میں داخل ہونے والے غلام کا ایک ربع آزاد ہوگا اور باقی دونوں کا حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ شیخین نے فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا کے پہلے دفعہ کا قول، نکل جانے والا اور موجود رہنے والا دونوں غلام پر لاعلی التعیین مشتمل تھا اس لئے ایک کی آزادی دونوں کے درمیان نصف نصف کر کے بٹ جائے گی. پھر دوسری دفعہ کا قول بھی حاضر رہنے والا اور داخل ہونے والا دونوں غلام پر لاعلی التعیین مشتمل ہے اس لئے اس بار کی آزادی بھی ان دونوں میں نصف نصف کر کے بٹ جائے گی تو وہ نصف جو حاضر رہنے والا غلام کے حق میں ثابت ہوا اس کے پورے وجود میں پھیل جائے گا (یعنی پہلی دفعہ جو نصف آزاد ہو چکا اور جو نصف ابھی تک غلام ہے ان دونوں کے مجموعہ پر دوسری دفعہ کا نصف سرایت کرے گا) پس اس نصف کا جتنا حصہ پہلی دفعہ کے آزاد شدہ حصہ سے متعلق ہوا وہ لغو ہو جائے گا (کیونکہ آزاد شدہ حصہ کا پھر آزاد ہونا بے معنی ہے) اور جو بقیہ نصف کے ساتھ متعلق ہوگا اس کا اثر باقی رہے گا اور وہ ایک ربع کی مقدار ہے (کیونکہ نصف النصف ربع ہی ہوتا ہے) پس حاضر رہنے والے غلام کے تین ربع آزاد ہو جائیں گے. (پہلی دفعہ میں ایک نصف یعنی دو ربع اور دوسری بار ایک ربع مجموعہ تین ربع ہو گئے) اور امام محمدؒ کے نزدیک دوسری بار داخل ہونے والے غلام کا ایک ربع آزاد ہونا متعین ہے تو داخل ہونے والے کا بھی ایک ربع ہی آزاد ہوگا کیونکہ اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں میں نصف نصف برابر بٹ جائے. شیخین اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ پورا النصف آزاد ہونے کا مانع خاص کر حاضر رہنے والے غلام میں پایا جاتا ہے اور داخل ہونے والے میں یہ مانع نہیں ہے اس لئے اس کا پورا النصف آزاد ہو جائے گا۔

تشریح:۔ قولہ لان الایجاب الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلا ایجاب یعنی اپنے پاس موجود دو غلاموں کو اس کا پہلا قول کہ "تم دو میں سے ایک آزاد ہے" یہ ثابت اور خارج کے درمیان دائر ہے اب اگر مراد بیان کرنے سے پہلے آقا مر گیا تو ایجاب کا عتق دونوں میں بٹ جائے گا اور ثابت و خارج دونوں کا نصف نصف آزاد ہو جائے گا اور دوسرا ایجاب یعنی تم دو میں سے ایک آزاد ہے" جو کہ ثابت اور نئے داخل ہونے والے غلام کے لئے کہا اس سے بھی دونوں کا نصف آزاد ہونا لازم آتا ہے. البتہ ثابت کا یہ نصف بوجہ عدم تعین کے اس کے دونوں نصفوں میں پھیل گیا. اب پہلے ایجاب سے جس نصف کا استحقاق عتق ہوا تھا اتنا حصہ لغو ہو گیا کیونکہ وہ محل ہی نہ رہا اور جو حصہ عتق سے خالی تھا اس میں پہونچا ہوا حصہ آزاد ہوگا اس طرح اس کا پورا تین چوتھائی حصہ بالاتفاق آزاد ہو گیا ایسے ہی خارج کا بھی نصف آزاد ہوگا کیونکہ وہ صرف ایجاب اول میں شامل تھا جس نے خارج اور ثابت دونوں کے لئے نصف نصف عتق لازم کیا تھا. (باقی صد آئندہ پر)

وان قال له مریضا ولم یجز وارث جعل کل عبد سبعة کسهام عتق عندهما وعتق ممن ثبت ثلثة ومن کل من غیره سهمان وعند محمدؒ کل ستة کسهام عتق عنده وعتق ممن خرج سهمان وممن ثبت ثلاثة وممن دخل سهم وسعی کل فی باقیه علی القولین ویصح الثلث والثلثان ولو قال ذلك فی مرض الموت ولم یجز وارث ولا مال له سوی العبید الثلثة وقیمتهم مساویة جُعل کل عبد سبعة عندهما کسهام العتق۔

(اي الخارج والداخل ۱۲ عاد) (اي سهمان ۱۲ عاد)

ترجمہ :۔ اور اگر آقا یہی بات مرض الموت میں کہے اور ورثاء اسے تسلیم نہ کریں تو شیخین کے نزدیک عتق کے مجموعی حصوں کے موافق ہر غلام کے سات حصے کریں گے تو جو غلام دونوں ایجاب کے وقت حاضر تھا اس کے تین حصے آزاد ہوں گے۔ اور اس کے علاوہ (خارج و داخل میں سے) ہر ایک کے دو حصے آزاد ہوں گے اور امام محمد کے نزدیک ہر غلام کے چھ حصے کریں گے کیونکہ ان کے نزدیک عتق کے مجموعی حصے بھی چھ ہیں اور نکل کر جانے والے غلام کے دو حصے اور حاضر رہنے والے کے تین حصے آزاد ہوں گے اور بعد میں داخل ہونے والا غلام کا ایک حصہ آزاد ہوگا اور ان میں سے ہر غلام دونوں قولوں کے مطابق باقی ماندہ حصوں میں سعی کرے گا اس طرح ثلث (میں نفاذ وصیت) اور دو ثلث (میں حق ورثہ کے اثبات) کا حساب درست ہو جائے گا۔ یعنی اگر آقا نے مذکورہ بات مرض الموت میں کہی اور وارث اسے جائز قرار نہ دیں اور آقا کا مال ان تین غلاموں کے علاوہ نہ ہو اور ان کی قیمت مساوی ہو تو عتق کے مجموعی حصوں کے موافق شیخین کے نزدیک ہر غلام کے سات حصے قرار دیئے جائیں گے۔

تشریح (بقیہ صد گزشتہ) البتہ ثابت کے لئے تیسرا ربع عتق بڑھ گیا کیونکہ وہ ایجاب ثانی میں شامل تھا اور خارج ہونے والا اس میں شامل نہ تھا یہ حکم بھی اتفاقی ہے لیکن دوسرے ایجاب کے وقت داخل ہونے والے غلام کے بارے میں امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ اس کا ایک ربع آزاد ہوگا کیونکہ ایجاب ثانی نے ثابت رہنے والے غلام کے لئے اس کے ایک ربع کے عتق کو لازم کیا۔ اب بحکم تنصیف داخل کا بھی ایک ربع آزاد ہوگا۔ شیخین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ایجاب ثانی بھی حاضر و داخل دونوں کے نصف آزاد ہونے کو لازم کرتا ہے لیکن چونکہ حاضر کے حق میں شیوع نصف کیوجہ سے پورے نصف آزاد ہونے میں مانع ہے اس لئے اس کا ربع آزاد ہوگا اور داخل کے حق میں کوئی مانع نہیں اس لئے اس کا نصف آزاد ہو جائے گا۔

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ جعل کل عبد الخ شارح ہروی نے فرمایا کہ شیخین کے نزدیک آزادی کے حصے سات تک بڑھائے جائیں گے تاکہ ایک ہی جنس سے ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ثابت غلام میں تین ربع کا اعتبار ہے جس کا مخرج چار ہے کیونکہ ربع کا حصہ نکالنے کے لئے سب سے کمتر عدد چار ہے اور خارج و داخل کے لئے دو دو ربع نکالنا ہے اب ان کا مجموعہ سات ہوا جو ایک ہی جنس کے حصے ہیں اور چار سے سات تک بڑھ گئے۔ یعنی تین غلام سے سات ربع نکالے جائیں گے پھر تین کے مجموعہ کو ایک شمار کیا جائے گا اور سات کے مجموعہ کی طرف ربع کی نسبت ہو گی یعنی ہر غلام کے سات حصے قرار دیئے جائیں گے کیونکہ ان کی قیمت برابر ہے اب ہر ایک کی قیمت کے حصے ان کے عتق کے حصوں کے برابر ہو جائیں گے اور مریض کے کل مال یعنی تین غلام کے اکیس حصے ہو جائیں گے جو کہ آزاد ہونے والے مجموعی حصوں کا تین گنا ہے اب تین غلام کے ان (۲۱) حصوں کے آزاد ہونے والے سات حصے نکالے جائیں گے۔

سه قولہ ویصح الثلث الخ ہروی فرماتے ہیں یعنی عتق کے حصے جو میت کے وصیت کردہ مال کی تہائی سے نکالے جائیں گے وہ ثلث اور دو ثلث جو وارثین کا حصہ ہے اس کا نکالنا دونوں قول کے مطابق صحیح ہوگا کیونکہ اگر ہر غلام کی قیمت مثلاً اکیس دینار ہو تو ثابت کا تین سُبع آزاد ہوگا یعنی نو دینار اور وہ سعی کرے گا چار سُبع یعنی بارہ دینار میں اور خارج کے دو سُبع آزاد ہوں گے یعنی چھ اور سعی کرے گا پانچ سُبع یعنی پندرہ دینار میں اور داخل کا بھی یہی حساب رہے گا۔ اب عتق کے حصے ہو گئے اکیس اور سعی کے حصے بیالیس تو شیخین کے قول کے مطابق ایک ثلث اور دو ثلث کا حساب ٹھیک رہا۔ (باقی صد آئندہ پر)

لان مخرج[1] الكسور اربعة لانه يعتق من الثابت ثلثة ارباع وهي ثلثة من اربعة ومن الخارج النصف وهو اثنان من اربعة ومن الداخل كذلك فصار المجموع سبعة بطريق العول من اربعة الى سبعة وعند محمد يعتق من الداخل ربعه وهو واحد من اربعة فيعول[2] الى ستة فعندهما يجعل سهام العتق وهي سبعة ثلث المال ويجعل كل عبد سبعة لان قيمة كل عبد تساوي ثلث المال فيعتق من الخارج اثنان وهو السبعان ويسعى في خمسة اسباع قيمته وكذا الداخل واما الثابت فيعتق منه ثلثة وهي ثلثة اسباعه ويسعى في اربعة اسباع قيمته.

ترجمہ:۔ کیونکہ کسور کا مخرج چار ہے اس لئے کہ حاضر رہنے والے غلام کے تین رُبع آزاد ہوں گے اور یہ تین حصے ہیں چار میں سے اور نکل جانے والے غلام کا نصف آزاد ہوگا جو کہ دو حصے ہیں چار میں سے اور داخل ہونے والے غلام کا بھی یہی حکم ہے کہ دو حصے آزاد ہوں گے چار میں سے، پس عتق کے ان تمام حصوں کا مجموعہ بطریق عول چار سے سات ہو جائے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک داخل ہونے والے غلام کا ربع آزاد ہوگا جو چار کا ایک ہے لہٰذا مجموعی سہام چھ کی طرف عول ہوگا تو شیخین کے نزدیک کل سات حصے آزاد قرار دیئے جائیں گے جو کہ اس کے مال کی ایک تہائی ہے اور ہر غلام کے سات حصے کئے جائیں گے اس لئے کہ ہر غلام کی قیمت تہائی مال کے برابر ہے پس چلے جانے والے غلام کے دو حصے آزاد ہوں گے اور وہ اس کے دو سُبع ہیں اور وہ سعی کرے گا اپنی قیمت کے پانچ سبع میں اور یہی حکم داخل ہونے والے غلام کا ہوگا لیکن حاضر رہنے والے غلام کے تین حصے آزاد ہوں گے اور یہ اس کے سات حصوں میں سے تین ہیں اور وہ اپنی قیمت کے چار سُبع میں سعی کرے گا۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق آزاد ہو جائے گا ثابت کا نصف یعنی ساڑھے دس اور باقی آدھے میں سعی کرے گا۔ اور خارج کا ثلث یعنی سات آزاد ہوگا اور دو ثلث یعنی چودہ میں سعی کرے گا اور داخل کا ایک سُدس یعنی ساڑھے تین آزاد ہوگا اور پانچ سدس یعنی ساڑھے سترہ میں سعی کرے گا اب عتق کے حصے امام محمدؒ کے نزدیک بھی اکیس ہو گئے اور سعی کے حصے بیالیس اور ثلث و ثلثین کا حساب صحیح ہو گیا۔

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ مخرج الکسور الخ۔ مخرج اس کمتر عدد کو کہتے ہیں جس سے ہر بٹے ہوئے حصہ کو پورا نکالنا ممکن ہو چنانچہ نصف کا مخرج دو اور رُبع کا مخرج چار اور سبع کا مخرج سات ہیں اس پر باقی کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

[2] قولہ فیعول الی ستۃ الخ: لغۃً عول کے معنی میلان، ظلم، غلبہ اور رفع کے آتے ہیں اور فرائض کی اصطلاح میں مخرج حصص کے اندر اضافہ کو کہتے ہیں جبکہ مخرج سہام مستحقین کو پورا کرنے سے قاصر رہے۔ یعنی مخرج جب تمام حصوں کو پورا کرنے سے قاصر ہو تو اس پر حسب تقاضا عدد بڑھا کر تقسیم کرتے ہیں آخر کار تمام وارثین کے حصوں میں ایک ہی نسبت سے کمی آجاتی ہے (شریفیہ) چنانچہ شیخین کے نزدیک جب کہ عتق کے کل حصے سات ربع ہوئے تین ربع ثابت کے لئے اور دو دو ربع خارج و داخل کے لئے اور ربع کا مخرج چار ہے مگر چار کے عدد سے سات ربع نہیں نکل سکتے ہیں تو چار کا مسئلہ بطریق عول سات سے ہوگا اور امام محمد کے نزدیک عتق کے حصے چھ رُبع ہیں تین ربع ثابت کے لئے دو ربع خارج کے لئے اور ایک ربع داخل کے لئے تو ان کے نزدیک چار کا مسئلہ چھ کی طرف عول ہوگا۔ (باقی صہ آئندہ پر)

وعند محمد يُجعل سهام العتق وهى ستة ثلث المال فكل عبد يُجعل ستةً فيعتق من الخارج اثنان وهو ثلث الستة ويسعى فى ثلثى قيمته ومن الثابت ثلثة وهى نصف الستة ويسعى فى النصف ومن الداخل واحد وهو السدس ويسعى فى خمسة اسداس قيمته فلو كان قيمة كل عبد اثنين واربعين درهما وهى الثلث فكل المال مائة وستة وعشرون فعندهما يعتق من الخارج السُّبعان اى اثنا عشر ويسعى فى خمسة اسباع وهى ثلثون وكذلك الداخل ويعتق من الثابت ثلثة اسباع وهى ثمانية عشر ويسعى فى اربعة اسباع وهى اربعة وعشرون وعند محمد يعتق من الخارج من اثنين واربعين ثلثها وهو اربعة عشر و من الثابت نصفه وهو احد وعشرون ومن الداخل سدسه وهو سبعة فمجموع سهام العتق على القولين اثنان واربعون وهو ثلث المال وسهام السعاية اربعة وثمانون وهى ثلثا المال۔

(حواشی بین السطور: ای ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ ۱۲ عمدہ — ای قولہما وقول محمدؒ ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک کل چھ حصے آزاد قرار دیئے جائیں گے اور یہ چھ اس کے کل مال کا ایک ثلث ہے پس ہر غلام کے چھ حصے ہوں گے اور نکل جانے والے غلام کے دو حصے آزاد ہوں گے جو چھ کی تہائی ہے اور اپنی قیمت کی دو تہائی میں سعی کرے گا اور حاضر رہنے والے غلام کے تین حصے آزاد ہوں گے جو کہ چھ کا نصف ہے اور باقی نصف میں وہ سعی کرے گا اور داخل کا ایک حصہ آزاد ہوگا جو کہ چھ کا سدس ہے اور اپنی قیمت کے باقی پانچ سدس میں وہ سعی کرے گا پس اگر ہر غلام کی قیمت بیالیس درہم ہو اور یہی ثلث مال ہے تو کل مال ایک سو چھبیس[۱۲] درہم ہوں گے۔ اب شیخین کے نزدیک خارج کے دو سبع یعنی بارہ حصے آزاد ہوں گے اور پانچ سبع یعنی تیس میں وہ سعی کرے گا داخل کا بھی یہی حکم ہے اور ثابت کے تین سبع یعنی اٹھارہ حصے آزاد ہوں گے اور وہ چار سبع یعنی چوبیس میں سعی کرے گا اور امام محمد کے نزدیک خارج غلام کے بیالیس میں سے ایک ثلث یعنی چودہ حصے اور موجود رہنے والے کا نصف یعنی اکیس حصے اور داخل کا ایک سدس یعنی سات حصے آزاد ہوں گے، تو سب سہام عتق دونوں قولوں کے مطابق بیالیس ہوگا اور یہی کل مال کا تہائی ہے اور سعی کے حصے چوراسی ہوں گے جو کہ کل مال کا دو ثلث ہے۔

(بقیہ مرگزشتہ)
تشریح:۔ [۱] قولہ ثلث المال الخ کیونکہ مسئلہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ معتق کا ان تین غلاموں کے سوا کچھ مال نہیں اور ان کی قیمت برابر ہے اب ہر ایک غلام اس کا ثلث مال ہے پس ہر غلام کے سات حصے کئے جائیں گے کیونکہ عتق کے حصے بھی سات ہیں پھر مجموعی حصوں سے سات حصے آزاد قرار دیئے جائیں گے۔

[۲] قولہ وہما السبعان الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کے آزاد ہونے کی مقدار نصف تھا جو کہ چار کا دو ربع ہوتا ہے لیکن جب مسئلہ بطریق عول سات کا بن گیا اور سات میں سے دو دو سبع ہوتے ہیں تو وہ غلام دو سبع کی مقدار آزاد ہوگا اور پانچ سبع کی مقدار سعی واجب ہوگی (باقی صد آئندہ پر)

ولو طلق کذالک قبل وطی سقط ربع مہر من خرجت وثلثۃ اثمان من ثبتت وثمن من دخلت ای ان کانت لہ ثلث زوجات مھورھن علی السواء فطلقھن قبل الوطی علی الصفۃ المذکورۃ فبالایجاب الاول سقط نصف مھر الواحدۃ متنصفا بین الخارجۃ والثابتۃ فسقط ربع مھر کل واحدۃ ثم بالایجاب الثانی سقط الربع متنصفا بین الثابتۃ والداخلۃ فاصاب کل واحدۃ الثمن فسقط ثلثۃ اثمان مھر الثابتۃ بالایجابین وسقط ثمن مھر الداخلۃ وانما فرضت المسألۃ فی الطلاق قبل الوطی لیکون الایجاب الاول موجبا للبینونۃ فما اصابہ الایجاب الاول لایبقی محلا للایجاب الثانی فیصیر فی ھذا المعنی کالعتق

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی شخص (تین عورتیں رکھتا ہے اور ان کو) اسی طریقہ مذکور کے مطابق قبل وطی طلاق دیدے تو جو عورت نکل گئی تھی اس کے مہر میں سے ربع مہر ساقط ہوگا اور جو موجود رہی اس کے مہر سے تین ثمن ساقط ہوں گے اور جو داخل ہوئی اس کا ایک ثمن ساقط ہوگا یعنی اگر اس کی تین بیویاں ہوں اور تینوں کا مہر مساوی ہو، پھر ان کو وطی سے پہلے مذکورہ طور پر طلاق دی تو ایجاب اول سے (یعنی پہلے مرتبہ یہ کہنے سے کہ تم دونوں میں سے ایک طالق ہے) ایک عورت کا نصف مہر ساقط ہوگا اور یہ نصف نکل جانے والی اور موجود رہنے والی پر آدھا آدھا بٹ جائے گا لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک کا ربع مہر ساقط ہوگا۔ پھر ایجاب ثانی سے ربع مہر ساقط ہوگا اور یہ ربع داخل ہونے والی اور موجود رہنے والی پر آدھا آدھا بٹ جائیگا اور دونوں میں سے ہر ایک کے حق میں ایک ایک ثمن آئے گا پس دو بار کے ایجاب سے موجود رہنے والی کے مہر سے تین ثمن ساقط ہوگئے اور بعد میں داخل ہونے والی کے مہر سے ایک ثمن ساقط ہوگیا) اور طلاق قبل الوطی کا مسئلہ اس لئے فرض کیا گیا تاکہ ایجاب اول میں عورت بائنہ ہو جائے اور ایجاب اول کی مقدار ایجاب ثانی کی طلاق کا محل نہ رہے تو اس لحاظ سے اس کا حکم عتق کے مانند ہو جائے گا۔

تشریح (بقیہ صد گزشتہ) [۱] قولہ فلو کان قیمۃ الخ۔ مسئلہ کی دلیل اور اس کے متعلقات بیان کرنے کے بعد اب مثال کے طور پر اس کی صورت بتلا رہے ہیں یعنی جب یہ فرض کر لیا کہ اس کے تین غلاموں کے سوا کچھ مال نہیں ہے اور ان غلاموں کی قیمت بھی برابر ہے اب اگر ہر غلام کی قیمت مثلاً بیالیس بیالیس درہم ہو تو تینوں کی مجموعی قیمت ایک سو چھبیس درہم ہوگی جو کہ بیالیس کو تین پر ضرب دینے کا حاصل ہے اور یہی اس کا سارا مال ہے تو پھر آزاد ہونے اور سعی واجب ہونے کے حصوں کی تعداد دس ہوگی جس کی تفصیل شارح نے کی ہے۔

(حاشیہ صد ہذا) [۱] قولہ ولو طلق کذالک الخ یعنی اس نے اپنی دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق، اس کے بعد ایک بیوی گھر سے باہر نکل گئی اور تیسری بیوی اندر داخل ہوئی اب اس نے موجود رہنے والی اور داخل ہونے والی کو مخاطب کرکے پھر کہا تم میں سے ایک کو طلاق اور دونوں ایجابوں میں سے کسی کا مصداق بیان نہیں کیا۔

[۲] قولہ وثمن من دخلت الخ۔ شرح زیادات میں ہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں مہر کا مسئلہ اور میراث کا، مہر کی تفصیل یہ ہے کہ خارجہ کو مہر کا تین ربع ملے گا کیونکہ پہلے ایجاب کے ذریعہ خارجہ اور ثابتہ کے درمیان آدھا مہر ساقط ہوگیا تو خارجہ کے حصہ میں ربع مہر ساقط ہوا اور باقی تین چوتھائی مہر رہ گیا۔ اور ثابتہ کو پانچ ثمن (۵/۸) مہر ملے گا۔ کیونکہ پہلے ایجاب سے اس کا ربع مہر (۱/۴) ساقط ہوگیا جیسے ابھی ہم ذکر چکے ہیں اور ایجاب ثانی سے ثمن (۱/۸) ساقط ہوا۔ کیونکہ ایجاب ثانی ایک تقدیر پر صحیح ہے اگر ایجاب اول سے خارجہ مراد ہو، اور غیر صحیح ہے دوسری تقدیر میں اگر ایجاب اول سے ثابتہ مراد ہو، اور جبکہ ایک تقدیر میں صحیح اور ایک تقدیر میں غیر صحیح تو اس کا حکم بھی بمقابلہ صحیح کے نصف ہو کر ثابت ہوگا۔ یعنی ثابتہ اور خارجہ کے درمیان ایک ربع مہر منقسم ہو کر ساقط ہوگا۔ لہٰذا ہر ایک کے مہر سے ایک ثمن ساقط ہوگا اب دو ایجابوں سے ثابتہ کے مہر میں سے تین ثمن (۳/۸) مہر ساقط ہوگا اور پانچ ثمن (۵/۸) مہر رہ جائے گا اور داخلہ کے مہر میں سے ایجاب ثانی سے ایک ثمن (۱/۸) مہر ساقط ہوا اور سات ثمن (۷/۸) رہ گئے۔

ثم قال بعض المشائخ هذا قول محمدؒ خاصة وقیل هو قولهما ایضاً فعلی هذه الروایة لابدَّ[۱] لهما من الفرق بین العتق والطلاق وهو انَّ[۲] الایجاب الاول فی العتق والطلاق اوجب التنصیف بین الخارج والثابت فلما مات قبل البیان تبیّن ان فی صورة العتق کما تکلم صار متنصّفا بینهما لان الاصل فی الانشاآت ان یثبت حکمها مقارناً للتکلم بها الا ان یمنع مانع ففی العتق ارادة الخارج تعارضها ارادة الثابت فالایجاب الاول یوزّع بینهما حتی صار کل واحد معتق البعض وهذا عند ابی حنیفةؒ او یصیر متردّداً بین الحریة والرّقیة کالمکاتب وهذا عند ابی یوسفؒ۔

بیان لوجہ الفرق ۱۲ عمدہ — ای المعتق او الزوج ۱۲ عمدہ — ای الایجاب الاول ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ پھر بعض مشائخ نے کہا کہ یہ قول خاص طور پر امام محمدؒ کا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ شیخین کا بھی یہی قول ہے تو اس روایت کی رو سے شیخین کے نزدیک عتق اور طلاق میں وجہ فرق معلوم ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ایجاب اول سے عتق اور طلاق میں خارج اور ثابت کے درمیان تنصیف لازم ہوئی پھر جب وہ (معتق یا شوہر) بیان سے پہلے مرگیا، تو عتق کی صورت میں ظاہر ہوگیا کہ ایجاب کے وقت ہی دونوں کے درمیان عتق کی تنصیف ہوگئی، کیونکہ انشاء میں اصل یہ ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو حکم تکلم کے ساتھ مقارن ہوکر فوراً ثابت ہو پس عتق کے مسئلہ میں خارج کا ارادہ معارض ہے ثابت کے ارادہ کو اس لئے ایجاب اول دونوں میں منقسم ہوگا۔ چنانچہ دونوں میں سے ہر ایک کا بعض آزاد ہوجائے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے یا ایجاب اول سے مکاتب کی طرح دونوں کی حریت اور رقیت کے بارے میں تردد پیدا ہوگیا ہے اور یہ امام ابویوسفؒ کا مسلک ہے۔

تشریح (بقیہ صر گذشتہ) ۳ قولہ متنصفا الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر امد کما کا مصداق معلوم ہوتا کہ وہ ثابتہ ہے یا خارجہ ہے تو دخول طلاق کے لئے وہی عورت متعین ہوجاتی اور اس کا نصف مہر ساقط ہوتا لیکن جب یہ بات معلوم نہیں ہوئی تو یہ سقوط مہر دونوں میں منقسم ہوجائیگا۔ اور ہر ایک کے مہر میں سے ربع ساقط ہوگا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] قولہ لابد لہما من الفرق الخ یعنی اگر طلاق کا مسئلہ اتفاقی ہو تو طلاق اور عتق کا باہمی فرق ظاہر ہونا ضروری ہے کہ شیخین نے عتق کی صورت میں خارج اور داخل دونوں کے لئے نصف عتق بتایا اور طلاق میں آکر خارجہ کا ربع مہر اور داخلہ کا ثمن مہر ساقط ہونے کو اختیار کیا ہے حالانکہ شیخین کے نزدیک عتق پر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ داخلہ کا بھی ربع مہر ساقط ہونا چاہیئے اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق فرق بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے دونوں مسئلہ میں ایک ہی طرح کا حکم دیا ہے چنانچہ باب عتق میں داخل کے لئے ایجاب ثانی سے ایک ربع کے عتق کا حکم دیا اور یہاں ایجاب ثانی میں داخلہ کے لئے ثمن مہر ساقط ہونے کا حکم لگا۔ کیونکہ نصف کی دوہری تقسیم کا حاصل ثمن ہے۔

[۲] قولہ ان الایجاب الاول الخ۔ خلاصہ فرق یہ ہے کہ عتق کے مسئلہ میں ثابت اس قابل ہے کہ اس پر ایجاب ثانی واقع ہو اس لئے وہ ایجاب ثانی میں داخل ہوگا اور عتق داخل و ثابت پر منقسم ہوجائے گا اور داخل کا نصف آزاد ہوجائے گا کہ اس کے نصف آزاد ہونے میں کوئی مانع نہیں ہے اور ثابت کا ایک ربع آزاد ہوگا۔ کیونکہ ایجاب ثانی سے جو اُسے نصف ملا وہ ایجاب اول کے باعث آزاد نصف اور بقیہ نصف میں بٹ جانے کی وجہ سے اس ایجاب کی بنا پر اس کا رُبع آزاد ہوگا۔ بخلاف ثابتہ کے مسئلہ طلاق میں کہ اس کے بارے میں ایجاب ثانی کا محل ہوسکتی ہے یا نہیں اسی میں تردد اور شبہ ہے۔

فالایجاب الثانی لایمکن ان یراد بہ الاخبار للکذب[۱] فیکون انشاء فلابد من المحل فالداخل کلہ محل فیعتق نصفہ والثابت لوکان کلہ محلا یعتق بھذا الایجاب نصفہ فاذا کان نصفہ محلا یعتق منہ ربعہ اما[۲] فی الطلاق فلایمکن ان یکون کل واحد منھما مطلقۃ البعض لان مطلقۃ البعض مطلقۃ کلھا فلم یتنصف الایجاب الاول فالمطلقۃ اما الخارجۃ واما الثابتۃ فان کانت الثابتۃ طُلِّقت بالاول فلاحکم للایجاب الثانی لانہ یمکن ان یراد بہ الاخبار وان کانت الخارجۃ فالایجاب الثانی یکون دائرا بین الثابتۃ والداخلۃ علی السویۃ فیثبت ربعہ لان الایجاب الثانی باطل علی احد التقدیرین۔

(حواشی بین السطور: الدائر بین الثابت والخارج ۱۲ عدہ — لعدم دخولہ فی الایجاب الاول ۱۲ عدہ — ای قولہ للثابتۃ والداخلۃ احدکما طالق ۱۲ عدہ)

ترجمہ :- اب ایجاب ثانی کو خبر دینے پر محمول کرنا ممکن نہیں بوجہ کذب صریح کے اس لئے انشاء پر محمول کرنا ہوگا جس کے لئے محل کا صالح ہونا ضروری ہے اور داخل ہونے والا پوری طرح محل صالح ہے تو اس کا نصف آزاد ہو جائے گا۔ اور موجود رہنے والا اگر پورا محل ہوتا تو اس کا بھی نصف آزاد ہو جاتا لیکن جب اس کا نصف محل صالح ہے تو اس کا ربع آزاد ہوگا، لیکن طلاق میں یہ ممکن نہیں کہ ہر ایک ان دونوں میں سے مطلقہ بعض ہو جائے اس لئے کہ بعض حصہ کی طلاق بھی کل کی طلاق ہے تو ایجاب اول کی طلاق میں تنصیف نہ ہوگی۔ بس طلاق پانیوالی ایجاب اول سے یا خارجہ ہوگی یا ثابتہ لہذا اگر پہلے ایجاب سے ثابتہ کو مطلقہ مانا جائے تو پھر ایجاب ثانی سے حکم طلاق ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس سے وہ پچھلی طلاق کی خبر دے رہا ہو۔ اور اگر ایجاب اول سے خارجہ کو مطلقہ قرار دیا جائے تو ایجاب ثانی کی طلاق ثابتہ اور داخلہ پر پڑے گی برابر طور پر۔ پس اس کا ایک ربع ثابت ہوگا دونوں کے حق میں کیونکہ ایک احتمال پر ایجاب ثانی سرے سے باطل ہے۔

تشریح :[۱] قولہ للکذب الخ۔ کیونکہ ثابت یقیناً آزاد نہیں بلکہ یا تو وہ معتق البعض ہے کما ہو مذہب ابی حنیفہؒ اور یا تو مکاتب کی طرح اس کی حریت اور رقیت میں تردد ہے کما ہو مذہب ابی یوسفؒ۔

[۲] قولہ واما فی الطلاق الخ خلاصہ یہ کہ ایجاب اول یعنی اس کا یہ قول اپنی دو بیویوں کو کہ "تم میں سے ایک کو طلاق" اگرچہ مراد ظاہر نہ ہونے کی بناء پر بظاہر تنصیف کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ بات یہاں ممکن نہیں، کیونکہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی اس لئے بعض طلاق کل طلاق کے حکم میں ہے جیسا کہ باب طلاق میں گذر چکا۔ اب اگر ایجاب اول میں ہر ایک کا نصف طلاق ہونے کا حکم دیا جائے تو ہر دونوں کا کلیۃً مطلقہ ہونا لازم آئے گا اور یہ بات اس کے ایجاب کے خلاف ہے کیونکہ اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ ایک مطلقہ ہو نہ یہ کہ یہ دونوں ہی مطلقہ ہو جائیں۔ اسی سبب سے حکم دیا گیا کہ پہلے ایجاب کی تنصیف نہ کی جائے بلکہ دونوں میں سے صرف ایک ہی مطلقہ ہوا اور اس کا مصداق یا ثابتہ ہوگی یا خارجہ اب اگر ثابتہ مطلقہ ہو تو اس کا دوسرا ایجاب ثابتہ اور داخلہ کے لئے کہ "تم میں سے ایک کو طلاق" کچھ بھی واجب نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ یہ خبر ہو اس بات کی کہ تم میں سے ایک یعنی ثابتہ ایجاب اول کی بناء پر مطلقہ ہو چکی ہے اور جبکہ یہ کلام طلاق سابق کی خبر پر محمول ہوگا تو اس سے اور کوئی زائد بات ثابت نہ ہوگی، تو اس تقدیر پر اس کلام کو انشاء قرار دینا درست نہ ہوگا اور دوسرا ایجاب ہوگا بلکہ خبر اور اگر ایجاب اول سے خارجہ کو مطلقہ قرار دیا جائے، تو پھر ایجاب ثانی کو انشائیہ ماننا درست ہوگا جو کہ ثابتہ اور داخلہ کے درمیان دائر ہوگا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی مطلقہ نہیں۔ پس اگر ایجاب دوم ہر اعتبار سے صحیح ہوتا جیسا کہ عتق کی صورت میں تھا تو ثابتہ اور داخلہ میں برابر طور پر نصف نصف حکم ثابت ہو جاتا لیکن جب معاملہ اس طرح نہیں بلکہ انشاء ثانی ایک تقدیر پر صحیح اور دوسری تقدیر پر لغو تو ثابتہ اور داخلہ میں نصف کا حکم ثابت نہ ہوگا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

(باقی صہ آئندہ پر)

وهو ارادة الثابتة بالايجاب الاول وهو صحيح على التقدير الآخر وهو نصف التقديرين فيتنصّف ونصف النصف ربع فيسقط به ثمن المهر والوطی والموت بیان[1] في طلاق مبهم كبيع وموت وتدبير واستيلاد وهبة وصدقة مسلّمتين[2] في عتق مبهم دون وطی فيه اى قال لزوجتيه احدٰكما طالق فوطی احدٰهما اوماتت احدٰهما فكل منهما بيان ان المراد هي الاخرٰى اما الوطی فلان النكاح عقدٌ وُضع لحل الوطی والطلاق وُضع لازالة ملك النكاح اى لازالة حل الوطی اما في الحال او بعد انقضاء العدة فالوطی دلیل على ان الموطوءة لم تكن مرادةً بالطلاق.

ترجمہ :۔ یعنی جب ایجاب اول سے ثابتہ مراد لی ہو اور دوسرے احتمال پر صحیح ہے اور صحت کی یہ صورت دونوں صورتوں کا نصف ہے تو اثر طلاق میں یوں تنصیف ہو جائے گی اور (قبل وطی کی طلاق کا مجموعی اثر ہی نصف مہر تھا اب اس کی تنصیف کے بعد) نصف کا نصف ایک ربع رہ جاتا ہے۔ (جو ثابتہ اور داخلہ میں مساوی طور پر بٹ جائے گا) تو ایجاب ثانی سے داخلہ اور ثابتہ ہر ایک کا ثمن مہر ساقط ہو جائے گا۔ اور مبہم طور پر طلاق دینے کی صورت میں ان میں سے کسی ایک سے وطی، یا کسی ایک کی موت بمنزلہ بیان کے ہے (کہ یہ مراد نہیں بلکہ دوسری مراد ہے) جس طرح کہ عتق مبہم میں کسی ایک کی بیع، یا موت، یا تدبیر، یا ایک کو ام ولد بنانا، یا ایک کو ہبہ یا صدقہ کرکے حوالہ کر دینا بھی بیان ہے (کہ عتق سے یہ مراد نہیں) البتہ عتق مبہم میں وطی بیان نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص نے اپنی دونوں عورتوں سے کہا کہ "ایک کو تم میں سے طلاق ہے"، اس کے بعد ایک کے ساتھ وطی کی یا ایک مر گئی تو یہ وطی اور موت دونوں میں سے ہر ایک بیان ہے کہ اس طلاق سے مراد دوسری عورت تھی۔ وطی کا بیان ہونا تو اس لئے ہے کہ عقد نکاح دراصل وطی حلال ہونے کے لئے موضوع ہے اور طلاق موضوع ہے اس نکاح کی ملک کو زائل کرنے کے لئے یعنی حلت وطی جو بسبب نکاح حاصل ہوئی تھی اس کو ختم کرنے کے لئے طلاق کی وضع ہے خواہ یہ علت فوری طور پر ختم ہو (جیسے طلاق بائن میں) یا عدت پوری ہونے کے بعد (جیسے طلاق رجعی میں)، اب ایک سے ہمبستری اس کی دلیل ہے کہ طلاق سے یہ بیوی مراد نہیں (ورنہ تو یہ اس پر حرام ہو جاتی اور کسی مسلمان پر یہ گمان کرنا مناسب نہیں کہ وہ جان بوجھ کر حرام کا مرتکب ہوا ہے)

تشریح :۔ (بقیہ ص گذشتہ) بلکہ نصف النصف یعنی ربع کا پھر یہ ربع دونوں میں بٹ جائے گا تو ہر ایک کے لئے ثمن ثابت ہوگا۔ اور مہر ساقط ہوگا۔ ★

(حاشیہ ص ہذا) [1] قولہ فی طلاق مبہم الخ۔ اس سے مراد وہ طلاق ہے جس کی عدت میں وطی حلال نہیں یا تو عدت ہی نہ ہو جیسے غیر موطوءۃ کی طلاق کی صورت میں، یا عدت تو ہو مگر وطی حرام ہو جیسے تین طلاق کی صورت میں یا الفاظ کنائی سے بائن طلاق کی صورت میں لیکن اگر مدخولہ دو بیویوں کو مبہم طور پر طلاق رجعی دینے کے بعد ایک کے ساتھ وطی کرلے تو یہ بیان نہ ہوگا اس بات کا کہ طلاق سے دوسری بیوی مراد ہے اس لئے کہ مطلقہ رجعیہ کے ساتھ عدت میں وطی کرنا حلال ہے۔

[2] قولہ مسلّمتین الخ۔ یہ حال ہے ہبہ اور صدقہ کا یعنی ہبہ اور صدقہ اس حال میں ہو کہ یہ چیز موہوب لہ یا متصدق علیہ کو سپرد کر دی جائے مصنفؒ نے یہ قید صاحب ہدایہ کی پیروی میں ذکر کیا ہے ورنہ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے اس لئے اسے حذف کر دینا ہی بہتر تھا کیونکہ محض ہبہ اور صدقہ خود ہی بیان ہے البتہ موہوب لہ اور متصدق علیہ کی ملک حاصل ہونے کے لئے حوالہ کر دینا شرط ہے اور یہ ایک علیحدہ امر ہے اور بیان تو مبہم آزاد کرنے والا کے ایسے فعل سے حاصل ہوتا ہے جو کہ اس کی ملکیت کے ساتھ مختص ہے (باقی ص آئندہ پر)

واما الموت فلما عُرف ان البیان انشاءٌ من وجہٍ فلا بدّ لہ من محل وان قال احد کما حرٌ فباع احدھما او مات احدھما او دبّر احدھما او استولد احدٰھما او وھب احدھما وتصدق بہ وسلّم فکل ذلک بیانٌ ان المراد ھو الاٰخر اما ان وطی احدھما لا یکون بیاناً لان الاعتاق ازالۃ الملک فالبیع ونحوہ یدل علی ان الملک باقٍ فی المبیع فلا یکون مراداً بالاعتاق واما الوطی فلان الاعتاق لم یوضع لازالۃ حل الوطی بل حلُّ الوطی انما یزول بتبعیۃ زوال الرقّ او زوال ملک الرقبۃ ولم یزل شئ منھما۔

ترجمہ:۔ اور موت اس بنا پر بیان ہے کہ بیان ایک لحاظ سے انشار کا حکم رکھتا ہے پس ضرور ہے کہ اس کے لئے (ایسا) محل ہو (جو حکم انشار واقع ہونے کے قابل ہو) اور میت محل طلاق ہونے کے قابل نہیں اس لئے زندہ بیوی مراد طلاق ہونے کے لئے متعین ہوگئی) اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے دو غلاموں سے کہا کہ "ایک تم میں سے آزاد ہے" اس کے بعد ایک کو بیچا، یا ایک مرگیا، یا ایک کو مدبر کیا، یا دو لونڈیوں میں سے ایک کو ام ولد بنالیا یا ایک کو ہبہ کردیا یا صدقہ کردیا اور اس کو سپرد کردیا تو ان میں سے ہر تصرف بیان ہے اس بات کا ذکر عتق سے یہ مراد نہ تھا بلکہ دوسرا مراد ہے (لہذا وہی دوسرا آزاد ہوجائے گا) لیکن اگر ان دونوں لونڈیوں میں سے (جن کو کہا تھا ایک تم میں سے آزاد ہے ان میں سے) ایک سے وطی کرلینا بیان نہیں ہے۔ اس لئے کہ آزاد کرنا درحقیقت مملوک سے اپنی ملک کو زائل کردینا ہے اب ان میں سے ایک کو بیچنا یا اس کے ساتھ مذکورہ تصرفات میں سے کوئی تصرف کرنا دلالت کرتا ہے کہ اس مبیع میں اس کی ملک باقی ہے (ورنہ ایسا تصرف نہ کرتا) لہذا اس کے آزاد کرنے میں یہ غلام مراد نہیں ہوسکتا ہے مگر وطی سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اعتاق کی اصل وضع اس لئے نہیں ہے کہ حلت وطی زائل ہوجائے بلکہ (یہ ملک رقبہ کے ازالہ کے لئے موضوع ہے اور) حلت وطی (زوال رقیت یا زوال ملک رقبہ کے تابع ہوکر ہی زائل ہوتی ہے اور (مبہم طور پر احدکما حرۃ کہنے سے قبل البیان) ان میں سے کوئی چیز زائل نہیں ہوئی (تو برابر دونوں کے ساتھ وطی حلال ہے اس لئے ایک کے ساتھ وطی دوسری کی آزادی کا بیان نہیں ہوسکتی)

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) تو محض ہبہ اور صدقہ اس کے لئے کافی ہے پہلے اس نے حوالہ نہ کیا ہو۔

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ واما الموت الخ. خلاصہ یہ کہ ایجاب مبہم میں بیان ایک لحاظ سے خبر ہے اور ایک لحاظ سے انشا ہے کیونکہ اس اعتبار سے کہ ایجاب سابق کی مراد ظاہر کرتا ہے اور مبہم سے جو مقصود ہے اس کو واضح کرتا ہے یہ اظہار ہے اور اس لحاظ سے کہ اس کے ذریعہ سابق ایجاب انشائی کا حکم مکمل ہوتا ہے اور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے خود یہ بیان ہی انشا ہے گویا بوقت بیان اس سے ایجاب صادر ہوا ہے اور انشار جب کسی سے صادر ہوتا ہے اس وقت محل کا قابل ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے مردہ غلام کو کہا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" تو محل صالح نہ ہونے کی بنا پر لغو ہوگا لہذا ابہم کے بیان کے وقت ہر ایک کا محل قابل ہونا لازمی ہے اب جب ایک عورت مرگئی تو وہ محلیت سے نکل گئی اور جو زندہ ہے وہی محل ہونے کے لئے متعین ہوگئی پس ایجاب کا اثر اسی پر واقع ہوگا، عتق مبہم میں بھی موت کا بیان ہونا اسی قیاس پر ہے۔
سلہ قولہ باق فی المبیع الخ اس کی وضاحت یہ ہے کہ شرع میں اعتاق دراصل ملک رقبہ زائل کرنے کے لئے موضوع ہے اب جب اس نے عتق مبہم کے بعد دونوں میں سے ایک کے ساتھ تصرف کیا جو ملک کے ساتھ مختص ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں اس کی ملک باقی ہے اس لئے اس نے اسکو بیچا یا ہبہ کیا۔ اب ظاہر ہوگیا کہ مبہم سے یہ مراد نہیں بلکہ دوسرا مراد ہے پس عتق کے لئے وہی متعین ہوگیا لیکن وطی کا تصرف ملک رقبہ کے ساتھ مختص نہیں ہے کیونکہ وطی کا حق منکوحہ میں ہے حالانکہ اس میں ملک رقبہ نہیں بلکہ وطی ملک متعہ کے لوازم میں سے ہے اور اعتاق ملک متعہ کو زائل کرنے کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے، ہاں کبھی ملک رقبہ زائل ہونے کے ساتھ تبعاً ملک متعہ بھی زائل ہوجاتا ہے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

وهذا اقول عند ابی حنیفةؒ واما عندهما فالوطی فی العتق المبهم بیانٌ ایضًا لان الوطی لا یحل الا فی الملك فیدل علی ان الموطوءة ملکه فلم تکن مرادة بالاعتاق وباول ولدٍ تلدینه ابنًا فانت حرة ان ولدت ابنا وبنتا ولم یدر الاول عتق نصف الامّ والبنتِ والابنُ عبدٌ لان الاول ان کان هو الابنُ فالام والبنت حرتان وان کانت البنت لم یعتق احد فیعتق نصف الامّ والبنت واما الابن فهو عبد فی کلتا الحالتین ولو شهد ابعتق احد عبدیه بطلت الا فی الوصیة ای شهدا انه اعتق احد عبدیه فالشهادة باطلة عند ابی حنیفةؒ لعدم المدعی الا ان یکون هذا فی الوصیة بان شهدا انه اعتق احدهما فی مرض موته او شهدا علی تدبیره۔

ترجمہ :۔ اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے مگر صاحبین کے نزدیک مبہم طور پر آزاد کرنے کی صورت میں وطی بھی بیان کا حکم رکھتی ہے اس لئے کہ (مملوکہ کے ساتھ) وطی ملکیت ہی میں حلال ہوتی ہے تو اس کا ایک کے ساتھ وطی کرنا ضرور دلالت کریگی کہ موطوءہ اس کی ملک ہے اور اس کے آزاد کرنے سے یہ موطوءہ مراد نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اگر اول بار تو لڑکا جنے تب تو آزاد ہے اور اس نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنی اور معلوم نہ ہوا کہ کون اول پیدا ہوا تو آدھی لونڈی اور آدھی لڑکی آزاد ہو جائے گی اور لڑکا غلام رہ گیا۔ اس لئے کہ اول اگر لڑکا پیدا ہوا ہو تو ماں (شرط پائی جانے کی وجہ سے) اور بیٹی (ماں کی تبعیت میں) دونوں آزاد ہوں گی اور اگر اول لڑکی پیدا ہوئی ہو تو (شرط مفقود ہونے کے سبب سے) کوئی آزاد نہ ہوگا پس (اولیت معلوم نہ ہونے کی بنا پر ماں اور بیٹی کے آزاد ہونے اور نہ ہونے میں تردد ہو گیا اس لئے) نصف ماں آزاد ہو گی۔ اور نصف بیٹی۔ لیکن لڑکا دو تو دونوں حالتوں میں غلام ہی رہے گا۔ اور اگر دو شخصوں نے گواہی دی کہ فلاں نے اپنے دو غلاموں سے ایک غلام کو آزاد کیا ہے تو ان کی یہ گواہی باطل ہوگی، البتہ وصیت میں درست ہوگی، یعنی اگر دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں شخص نے اپنے دو غلاموں سے ایک کو آزاد کر دیا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ گواہی باطل ہے اس لئے کہ (اس مقدمہ) کا کوئی مدعی ہی نہیں ہے ہاں اگر یہ گواہی وصیت کے بارے میں ہو (تو معتبر ہوگی) مثلاً دو گواہ اس بات پر گواہی دیں کہ اس نے اپنے مرض موت میں دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کیا یا دو آدمی نے اس بات کی گواہی دی۔

تشریح :۔ (بقیہ صہ گذشتہ) جیسے لونڈی کو آزاد کرنے میں ہوتا ہے اور لبھی ملک رقبہ زائل ہونے کے باوجود ملک متعہ کا زائل ہونا نہیں پایا جاتا مثلاً غلام کو آزاد کرنے میں، اس لئے عتق مبہم میں بعض وطی کو بیان قرار نہیں دے سکتے، بخلاف وطی کے طلاق مبہم کی صورت میں کیونکہ طلاق واصل ملک متعہ زائل کرنے کے لئے وضع ہوئی ہے اور ایک سے وطی یہ بتا رہی ہے کہ اس پر ملک متعہ باقی ہے اب یہ بیان ہو جائے گا کہ طلاق سے مراد غیر موطوءہ ہے۔
سے قولہ زوال الرق الخ یعنی اسے آزاد کر دیا اب کوئی اس کا مالک نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس میں کسی کا کوئی تصرف جاری ہو سکتا ہے نہ وطی کا اور نہ بیع وغیرہ کا۔ وقولہ او زوال ملک الرقبۃ یعنی ملک رقبہ زائل ہوا اور رقیت باقی رہے مثلاً اسے فروخت کر دیا یا ہبہ کیا یا اس پر کوئی ایسا تصرف کیا کہ وہ اس کے ملک سے نکل کر دوسرے ملک میں چلا گیا اور زیر بحث مسئلہ میں عتق مبہم سے نہ رقیت زائل ہوئی اور نہ ملک رقبہ اسی لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں سے وطی حلال ہے اب ایک سے وطی بیان نہیں ہو سکتی۔
(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ والابن عبد الخ۔ یعنی چاہے لڑکا کی ولادت پہلے ہو یا بعد میں ہو کیونکہ اس کا پہلے پیدا ہونا ماں کی آزادی کی شرط ہے لہذا ماں اس کی پیدائش کے بعد آزاد ہوگی اب چونکہ یہ پہلے پیدا ہو چکا ہے اس لئے آزادی میں یہ ماں کا تابع نہ ہوگا۔ (باقی صہ آئندہ پر)

فی الصحۃ او المرض واداء الشهادۃ فی مرض موته او بعد الوفاۃ تقبل[۱] استحسانا لان التدبیر والعتق المذکور وصیۃ والخصم ای المدعی فی اثبات الوصیۃ انما هو الموصِی لان نفعه یعود الیه وهو معلوم وله خَلَف وهو الوصی او الوارث وَ[۲]لان العتق یشیع بالموت فیکون کل واحد من العبدین خصمًا متعینًا اقول[۳] الدلیل الاول مشکل لان المتنازع فیه ما اذا انکر المولی تدبیر احد عبدیه او الوارث ینکر ذٰلك بعد موت المورث والعبد ان یرید ان اثباته فکیف یقال ان المدعی هو الموصی او نائبه۔

ترجمہ:۔ کہ صحت میں یا مرض موت میں ایک کو مدبر کیا تو یہ گواہی بطور استحسان مقبول ہوگی خواہ مولیٰ کے مرض الموت میں یا اس کی وفات کے بعد یہ گواہی پیش ہو۔ دلیل استحسان یہ ہے کہ (۱) مدبر بنانا اور مرض موت میں آزاد کرنا بمنزلہ وصیت کے ہے اور وصیت ثابت کرنے میں خود وصیت ثابت کرنے والا مدعی ہے کیونکہ اثبات وصیت کا نفع اس کو حاصل ہوتا ہے اور وہ مدعی یہاں معلوم و متعین ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے قائم مقام موجود ہے یعنی اس کا وصی یا اس کا وارث (پس جب متعین مدعی موجود ہے تو گواہی باطل نہ ہوگی) (۲) اور اس بنا پر بھی کہ مولیٰ کے مرجانے کے بعد عتق مبہم دونوں غلاموں میں پھیل جائے گا اور (دونوں کو حق حریت حاصل ہونے کی وجہ سے) دونوں غلاموں میں سے ہر ایک متعین مدعی ہو جائے گا۔ (شارح فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ دلیل اول میں یہ اشکال ہے کہ زیر بحث مسئلہ تو اس حالت پر مبنی ہے جبکہ آقا اپنی زندگی میں دونوں غلاموں میں سے ایک کے مدبر کرنے کا انکار کرے یا آقا کے انتقال کے بعد اس کے وارث اس کا انکار کریں اور دونوں غلام آزادی ثابت کرنا چاہتے ہوں تو پھر موصی (آقا) یا اس کے نائب کو جو کہ منکر عتق ہیں کس طرح مدعی قرار دیا جاسکتا ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ گذشتہ) اور اگر بعد میں پیدا ہو تو شرط مفقود ہونے کے باعث۔ ان ہی آزاد نہ ہوگی لڑکا کا کیا ذکر۔

[۲] قولہ بطلت الخ۔ یعنی جب دو گواہ ایک آدمی کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے اپنا ایک غلام آزاد کر دیا ہے اور مبہم آزادی دی ہے تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ حقوق العباد میں دعویٰ پر گواہی کا دار و مدار ہوتا ہے اس لئے قبول شہادت کے لئے پہلے کسی مدعی کا دعویٰ ہونا ضروری ہے اور یہاں دعویٰ ہی نہیں ہے کیونکہ مشتق تو غلاموں میں سے ایک ہے جو متعین نہیں اس لئے ان میں سے کوئی بھی مدعی نہیں بن سکتا اور جب دعویٰ ہی نہ پایا گیا تو شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ گواہ ایک متعین غلام کے عتق کی گواہی دیں کہ یہاں ملک موجود ہے یعنی یہ غلام خود مدعی ہوگا۔

حاشیہ صد ہذا [۱] قولہ استحسانا الخ۔ یعنی یہاں بھی ظاہر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ شہادت قبول نہ ہو جیسا کہ گذر چکا ہے کہ جب دعویٰ نہ ہو تو شہادت بھی معتبر نہیں اور دعویٰ کا تحقق جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ صاحب حق متعین ہو جائے اور یہ متعین نہیں بلکہ دو میں سے ایک مبہم اور غیر معین ہے لیکن یہاں قیاس خفی اور نظر دقیق کا تقاضا یہ ہے کہ شہادت مقبول ہونی چاہیئے اس کو فقہاء کی اصطلاح میں استحسان کہتے ہیں، وجہ استحسان یہ ہے کہ تدبیر چاہے صحت یا مرض میں ہو اور عتق اگر مرض میں ہو تو یہ دونوں بمنزلہ وصیت کے ہیں۔ اور اثبات وصیت کا مدعی خود وصیت کنندہ ہے کیونکہ وہ اپنی وصیتوں کو نافذ کرنے اور انہیں ثابت کرنے کا ضرورتمند ہے تاکہ اسے دنیا اور آخرت میں اس کا نفع حاصل ہو لہذا یہاں مدعی معلوم و متعین ہے اور مدعی کے مرنے کے بعد اس کا وارث یا وصی۔ یعنی وارث چھوٹے ہونے کی بنا پر جس کو اس نے اپنے معاملات اور گھر کے انتظامات کا نگران بنایا وہ۔ اس کا قائم مقام ہوگا اس لئے شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قابل اعتبار دعویٰ کے بعد پائی گئی۔

[۲] قولہ ولان العتق الخ۔ یہ استحسان کی دوسری دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آقا کے مرنے کے بعد عتق مبہم دونوں غلاموں کے درمیان بٹ جائے گا اب ہر ایک مدعی بن سکتا ہے کیونکہ ہر ایک صاحب حق ہے اس لئے مدعی پا یا گیا بخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں مبہم ایک کی آزادی کے بارے میں گواہی تھی۔ (باقی صد آئندہ پر)

والدلیل الثانی یوجب ان الشہادۃ بعتق احد عبدیہ بغیر وصیۃ ان اقیمت

بعد الموت تقبل لشیوع العتق بالموت وقبلت فی طلاق احدیٰ نسائہ

لشرطیۃ الدعوٰی فی عتق العبد عند ابی حنیفۃؒ لا الطلاق وعتق الامۃ

ان حرّم الفرج نلغت فی عتق احدیٰ امتیہ لعدم التحریم ای قبلت الشہادۃ

فی طلاق احدیٰ نسائہ وھذا الفرق وھو عدم قبول الشہادۃ فی عتق احد

العبدین والقبولُ فی طلاق احدی النساء انما ھو عند ابی حنیفۃؒ خلافاً لہما

فان الشہادۃ مقبولۃ عندھما فی الصورتین وانما فرق ابو حنیفۃؒ لان الدعوٰی

شرطٌ فی عتق العبد عند ابی حنیفۃؒ دون الطلاق۔

ترجمہ ۱۔ اور دوسری دلیل میں یہ اشکال ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آقا کی حالت صحت میں احد العبدین کے آزاد کرنے پر گواہی بھی مقبول ہو جائے جبکہ یہ شہادت آقا کی موت کے بعد قائم ہو اس لئے کہ معتق کے موت کے بعد عتق مبہم دونوں غلاموں میں پھیل جائے گا (دوسری دلیل کی رو سے حالانکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حالت صحت کے عتق مبہم پر شہادت باطل ہے) اور اگر دونوں گواہوں نے اس پر شہادت دی کہ فلاں نے اپنی بیبیوں میں سے ایک کو طلاق دی ہے تو یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام کی آزادی میں تو دعوٰی شرط ہے لیکن طلاق میں اور لونڈی کے آزاد کرنے میں دعوٰی شرط نہیں جبکہ اس کے ساتھ حرمت وطی وابستہ ہو چنانچہ دو لونڈیوں میں سے کسی ایک کو آزاد کرنے پر شہادت لغو ہو جائے گی کیونکہ اس سے حرمت وطی ثابت نہیں ہوتی یعنی چند بیویوں میں سے بلا تعیین کسی ایک کو طلاق دینے کی گواہی مقبول ہوگی۔ اور یہ فرق مذکور یعنی دو غلاموں میں سے کسی ایک کی آزادی کے بارے میں گواہی مقبول نہیں اور بیویوں میں سے کسی ایک کی طلاق کے بارے میں گواہی مقبول ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک دونوں صورتوں میں شہادت مقبول ہے اور ان دونوں کے درمیان امام ابو حنیفہؒ اس لئے فرق کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک غلام کی آزادی کی شہادت کے لئے دعوٰی شرط ہے اور طلاق میں شرط نہیں۔

تشریح :۔ (بقیہ مدگذشتہ) اور آقا کی حیات میں عتق منقسم نہیں ہوا اس لئے دونوں مدعی نہیں بن سکتے تھے بلکہ جو بھی ایک غلام مدعی ہو سکتا تھا اور وہ مجہول ہے اور آقا کو مدعی نہیں بنایا جا سکتا ہے کیونکہ عتق غلام کا حق ہے اور وہی اس کے اثبات کا محتاج ہے یہ مولیٰ کا حق نہیں بلکہ وہ تو منکر ہے اس لئے اس صورت میں دعوٰی نہ ہونے کی بناء پر شہادت قبول نہ ہوگی۔

۲ؐ قولہ اقول الدلیل الخ یہ آستان کی مذکورہ دونوں دلیلوں پر اعتراض ہے پہلی دلیل پر اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آقا کو جبکہ وہ زندہ ہو اور اسکے نائب کو جب وہ مر جائے مدعی قرار دینا ممکن نہیں کیونکہ اس قسم کی شہادت کی ضرورت تب ہوتی ہے جبکہ غلام عتق ثابت کرنا چاہیں اور مولیٰ یا اس کا جانشین منکر ہو اس لئے کہ اگر وہ اقرار کرے تو پھر شہادت کی حاجت ہی نہ ہوگی اور ایک ہی آدمی کو مدعی اور منکر قرار دینا درست نہیں کیونکہ مدعی وہی ہوتا ہے جسکا دوسرے پر حق ہو اور منکر وہ ہے جس پر دوسرے کا حق ہو تو آقا یا اسکے قائم مقام کو مدعی بنایا جا سکتا ہے بلکہ مدعی ہونے کے لائق دونوں غلام یا ان دونوں میں سے ایک ہو سکتا تھا لیکن سابق وجہ سے انکو بھی مدعی قرار دینا درست نہیں اور دوسری دلیل پر اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ مولیٰ کے مرنے کے بعد دونوں غلاموں میں عتق بٹ جائیگا اگر اعتبار کیا جائے تو پھر مرض موت میں آزاد کرنے کی صورت فرض کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ اگر مولیٰ اپنی صحت کی حالت میں احد العبدین کو آزاد کرے اور اسکے بعد مر جائے تب بھی تو دونوں غلاموں میں عتق بٹ جائے گا بنا دونوں کو مدعی قرار دیکر شہادت مقبول ہونی چاہیئے البتہ اس حکم کو اگر تسلیم کر لیا جاتا تو پھر کوئی اشکال نہیں بنتا جیسا کہ ابن کمال پاشا نے محیط سے نقل کر کے بتایا ہے کہ قاعدہ کی رو سے اس صورت میں بھی گواہی مقبول ہوگی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱ؐ قولہ لا الطلاق الخ صاحب بحر ابن نجیم نے الاشباہ میں اور حموی نے اس کے حواشی میں بتایا ہے۔ (باقی مد آئندہ پر)

لانّ[1] فی الطلاق تحریم الفرج و هو حق اللّٰہ تعالیٰ فلا یشترط الدعوٰی و فی العبد یشترط الدعوٰی فاذا لم یکن المدعی و هو[2] احد العبدین متعینا لا یصح الدعوٰی و اما عتق الامۃ فلا یشترط فیہ الدعوٰی عند ابی حنیفۃؒ اذا[3] کان فیہ تحریم الفرج اما اذا لم یکن فیشترط ففی عتق احد الامتین لغت الشہادۃ اذ لیس فیہ تحریم الفرج عند ابی حنیفۃؒ فلا بد من الدعوٰی فاذا لم یکن المدعی متعیّنا لم یصح الدعوٰی فلغت الشہادۃ۔

ترجمہ :۔ کیونکہ طلاق سے شرمگاہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو کہ اللہ کا حق ہے اور حق اللہ کے اثبات کے لئے دعوٰی کی شرط نہیں اور غلام کی آزادی میں دعوٰی کا متحقق ہونا شرط ہے (کیونکہ یہ حق العبد ہے) تو دو غلاموں میں سے ایک آزاد ہے کی صورت میں، جبکہ مدعی یعنی وہ ایک غلام جو مراد ہے متعین نہیں تو دعوٰی ہی درست نہ ہوگا۔ البتہ عتق امۃ کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دعوٰی شرط نہیں جبکہ اس میں تحریم فرج بھی پائی جائے لیکن اگر تحریم فرج نہ ہو تو پھر دعوٰی شرط ہوگا۔ چنانچہ دو لونڈیوں میں سے ایک کی آزادی کی صورت میں شہادت لغو اور بے کار ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے مبہم عتق میں شرمگاہ حرام نہیں ہوتی لہٰذا دعوٰی ضروری ہوگا۔ اب جبکہ (عتق مبہم رہنے کی وجہ سے) مدعی متعین نہیں تو دعوٰی بھی صحیح نہ ہوگا، اس لئے گواہی باطل ہوگی۔

تشریح :۔ (بقیہ صد گذشتہ) کہ حقوق اللہ میں گواہی بلا دعوٰی معتبر ہے اس لئے کہ قاضی اللہ کی طرف سے نائب ہوتا ہے تو یہ گواہی مدعی کے حق میں ہوگی لیکن حقوق العباد میں بلا دعوٰی گواہی مقبول نہیں یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس سے بہت سے مسائل نکلتے ہیں۔

سلہ قولہ لعدم التحریم الخ یعنی صورت عتق میں کسی کے ساتھ حرمت وطی ثابت نہ ہونے کی بنا پر، کیونکہ امام صاحب کے نزدیک دونوں کے ساتھ وطی حلال ہے اس لئے کہ وطی تو معینہ کے ساتھ ہوگی اور مولیٰ کی طرف سے عتق مبہم میں ہوا ہے اور طلاق مبہم کا حکم یہ ہے کہ اس میں دونوں کے ساتھ وطی حرام ہے جب تک کہ وہ اپنی مراد متعین نہ کرے۔

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ لان فی الطلاق الخ طلاق اور عتق میں فرق یہ ہے کہ طلاق حرمت فرج ثابت ہونے کے لئے وضع ہوئی ہے چاہے فی الحال ہو یا آئندہ جیسے طلاق رجعی میں ہوتا اس لئے طلاق کبھی حرمت فرج سے جدا نہیں ہوتی۔ بخلاف عتق کے کہ یہ دراصل حرمت فرج کے لئے موضوع نہیں۔ دیکھئے عتق عبد میں کہ وہ اس سے جدا ہو جاتی ہے اور لونڈی کی صورت میں حرمت فرج ثابت ہوتی ہے رقیت یا ملک رقبہ زائل ہونے کی تبعیت میں نہ کہ اصالۃً۔

سکہ قولہ و ہو احد العبدین الخ یہ ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ ہے شبہ یہ کہ جب دونوں غلام عتق کا دعوٰی کریں تو شہادت قبول ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہاں بھی تو دعوٰی پایا گیا۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو عتق ثابت ہے وہ دونوں میں سے ایک کا ہے نہ کہ دونوں کا تو مدعی درحقیقت دونوں غلاموں میں سے ایک ہوگا کیونکہ صاحب حق ایک ہی ہے اور ایک متعین نہیں بلکہ مجہول ہے اور مجہول سے دعوٰی متحقق نہیں ہوتا اس لئے گویا مدعی موجود ہی نہیں۔

سکہ قولہ اذا کان فیہ الخ یہ تب ہے جبکہ عتق غیر مبہم ہو کیونکہ جب متعینہ لونڈی میں عتق پایا گیا تو اس کے بعد اس سے یقینی طور پر وطی حرام ہوگئی۔

بابٌ الحلف بالعتق

ویعتق بان دخلتُ الدّار فکل عبد لی یومئذٍ حرٌ من لہ حین دخل مَلَکَہ بعد حلفہ او قبلہ وبلا یومئذٍ من لہ وقت حلفہ فقط مثل کل عبد لی او املکہ حر بعد غدٍ عندہ فقولہ مثل کل عبد لی ای کما یعتق من لہ وقت حلفہ فقط فی قولہ کل عبد لی او املکہ حر بعد غدٍ عندہ ای یعتق عند بعد الغد لا الحمْلُ بکل مملوکٍ لی ذکرٍ حرٌ وان ولدت لہ لاقل من نصف سنۃ

عتق کو معلق کرنے کا بیان

ترجمہ:۔ جس شخص نے کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوں تو میرا ہر وہ غلام "جو اس دن ہو" وہ آزاد ہے تو جو غلام اس کی ملک میں گھر میں داخل ہونے کے وقت ہوگا وہ آزاد ہو جائے گا، اگرچہ قسم کے بعد اس کا مالک ہوا ہو یا قسم سے پہلے اور اگر "اس دن" کی قید نہیں لگائی تو جو غلام قسم کے وقت اس کی ملک میں تھے فقط وہی آزاد ہوں گے، جس طرح اگر کوئی کہے کہ "میرا جو غلام ہے" یا "جو غلام کہ میں اس کا مالک ہوں" وہ کل کے بعد آزاد ہے تو جو غلام قسم کے وقت اس کی ملک میں تھے فقط وہی آزاد ہوگا" تو ماتن کا قول "مثل کل عبد لی" کا مطلب یہ ہے کہ "جس طرح آزاد ہوتا ہے صرف وہ غلام جو قسم کے وقت اس کی ملک میں موجود تھا" اس شخص کے قول میں جو کہے "جو غلام میرا ہے یا جس غلام کا میں مالک ہوں وہ آزاد ہے کل کے بعد اور "عندہ" کا مطلب یہ ہے کہ کل کے فوراً بعد غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر کسی نے کہا "جو میرا مذکر مملوک ہے وہ آزاد ہے" اور اس کی ایک لونڈی حاملہ ہے اور وہ لڑکا جنی تو وہ لڑکا آزاد نہ ہوگا اگرچہ قسم کے وقت سے چھ مہینے کے کم میں جنے

تشریح:۔ ؎۱ قولہ باب الحلف الخ. حلف کا لفظ مصدر ہے "حلفتُ باللہ" (میں نے قسم کھائی اللہ کے نام) سے حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے اور طلاق کے باب میں گذر چکا ہے کہ حلف کا اطلاق تعلیق بالشرط پر ہوتا ہے تو حلف بالعتق کا مطلب یہ ہے کہ عتق کو کسی شرط کی جزاء قرار دیا جائے، یعنی عتق کو کسی چیز سے معلق کر دیا ہے۔

؎۲ قولہ من لہ حین دخل الخ. "مَن" میم کے زبر سے موصولہ ہے اور "یعتق" کا فاعل ہے یعنی اس تعلیق سے دخول دار کے وقت جو غلام اس ملکیت میں ہوں وہ سب آزاد ہو جائیں گے. چاہے تعلیق کے وقت اس کے مملوک ہوں یا نہ ہوں اور یہ اس بنا پر کہ "یومئذٍ" کا مطلب "یوم اذا دخلت" (جس وقت کہ میں داخل ہوں) اس سے معلوم ہوا کہ دخول کے وقت ملکیت قائم ہونے کا اعتبار ہے لہذا اس تعلیق سے ہر وہ غلام آزاد ہوگا جو کہ حلف کے وقت سے لے کر دخول کے وقت تک اس کا مملوک ہو اسی طرح وہ غلام بھی جس کو اس نے حلف کے بعد خریدا ہے اور دخول دار کے وقت وہ اس کی ملک میں ہے۔

؎۳ قولہ لا الحمل الخ یعنی اگر کسی نے کہا "کل مملوکٍ لی ذکر فھو حر" اور اس کی ایک حاملہ لونڈی ہو اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہو تو یہ لڑکا آزاد نہ ہوگا چاہے اس کے اس قول کے بعد چھ ماہ پر یا اس سے زائد مدت میں یا کم مدت میں پیدا ہو. پہلی دو صورتوں میں تو حکم ظاہر ہے کیونکہ عرف ولغت میں مملوک کا لفظ حال کے لئے اور حلف کے وقت قیام حمل میں احتمال ہے اس لئے کہ اس کے بعد اقل مدت حمل کا وقفہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ حلف کے بعد باندی حاملہ ہوئی ہو تو مملوک کا لفظ اس کو شامل نہ ہوگا. اور تیسری صورت میں اس لئے آزاد نہ ہوگا کہ حلف کے وقت حمل کا ہونا اگرچہ یقینی ہے لیکن لفظ مملوک کامل اور مستقل پر بولا جاتا ہے اور حمل تو ماں کے تابع ہو کر مملوک ہے مستقل نہیں بلکہ یہ تو ابھی تک ماں کا ایک جزء اور عضو ہے اس لئے حمل کی علیحدہ بیع درست نہیں ۱۲

وانما قید بالذکر لانہ لو لم یقید یعتق الحمل بتبعیۃ الام و دُبّر بکل عبد لی او املکہ حر بعد موتی مَن لہ یوم قال لا من ملک بعدہ فقولہ من لہ یوم قال مفعول[1] قولہ و دُبّر و ان مات عتِقا من الثلث اعلم[1] انہ لما اضاف العتق الی الموت فمن حیث انہ ایجابُ العتق یتناول المملوک فی الحال فیصیر مدبّر التعلیقہ بالموت فلا یجوز بیعہ و من حیث انہ ایجاب بعد الموت یصیر وصیۃ فیتناول ما یملکہ بعد ہذا القول لان المعتبر فی الوصایا الملک حالۃ الموت فلا یکون مدبّرا لانہ لم یوجد زمان الایجاب حتی یستحق العتق فیجوز بیعہ و من اعتق علی مال او بہ[2] فقبل عتق و المال دَینٌ علیہ یکفل بہ بخلاف بدل الکتابۃ۔

ترجمہ ــــــ اور مصنف نے "مذکر" کی قید اس لئے لگائی کہ اگر یہ قید نہ ہو تو (مملوک کے اطلاق سے لونڈی بھی آزاد ہو جائے گی اور) اس کے تابع ہو کر حمل (خود بخود) آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے کہا کہ "جو غلام میرا ہے یا جس غلام کا میں مالک ہوں وہ میری موت کے بعد آزاد ہے تو جو غلام اس کہنے کے وقت اس کی ملک میں ہوگا وہ مدبر ہو جائے گا اور جو غلام اس کے بعد ملک میں آئے گا وہ مدبر نہ ہوگا تو مصنف کا قول "من لہ یوم قال" یہ مفعول ہے "و دُبّر" فعل کا، اور جب آقا مر جائے تو دونوں اس کے ثلث مال سے آزاد ہو جائیں گے۔ واضح ہے کہ جب آقا نے عتق کی اضافت موت کی طرف کی تو اس حیثیت سے کہ اس کا قول موجب عتق ہے اس لئے فی الحال جس غلام کا مالک ہے صرف اس کو شامل ہوگا اور وہ مدبر ہو جائے گا کیونکہ اس کی آزادی کو اپنی موت پر معلق کیا ہے اب اس کی بیع جائز نہ ہوگی اور اس حیثیت سے کہ اس ایجاب کا تعلق موت کے بعد سے ہے اس لئے یہ وصیت ہو جائے گی اور ہر اس مملوک کو بھی شامل ہوگا جس کا وہ مالک ہوگا اس قول کے بعد کیونکہ وصیتوں میں وہ ملک معتبر ہے جو مرنے کے وقت پائی جائے تو وہ غلام (جس کا وہ مالک ہوا حلف کے بعد وہ) مدبر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ غلام ایجاب عتق کے وقت موجود نہ تھا کہ وہ عتق کا حقدار ہوتا، لہٰذا اس کی بیع جائز ہوگی۔ اور جس شخص نے اپنے غلام کو آزاد کیا اتنے مال پر یا مال کے عوض میں اور اس نے قبول کیا تو فوراً آزاد ہو جائے گا اور مال اس پر قرض ہو جائے گا کہ اس کی ضمانت بھی درست ہوگی بخلاف بدل کتابت کے (کہ ضمانت اس کی جائز نہیں)۔

تشریح: [1] قولہ اعلم الخ۔ حلف کے بعد جس غلام کا مالک ہوا اس کے مدبر نہ ہونے اور موت کی صورت میں آزاد ہو جانے کی یہ توجیہ فرما رہے ہیں جیسا کہ شروح ہدایہ وغیرہ میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آقا کا قول "کل عبد لی او املکہ حر بعد موتی" ایک لحاظ سے انشاء عتق ہے اور دوسرے لحاظ سے وصیت ہے انشاء عتق ہونا تو خود لفظوں سے ظاہر ہے اور وصیت ہونا "بعد موتی" کہنے کے سبب سے ہے اور وصایا میں حال اور آئندہ دونوں حالتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کسی نے ایک تہائی مال کی وصیت کسی شخص کے لئے کی تو اس میں وہ مال بھی داخل ہوگا جو اس قول کے بعد اور موت سے پہلے اس کی ملکیت میں داخل ہوا ہے اسی طرح اگر کسی کی اولاد کے لئے کچھ وصیت کی تو اس میں وہ بھی داخل ہوگا جو وصیت کے بعد اور موصی کی موت سے پیدا ہو تو انشاء عتق کے اعتبار سے یہ صرف موجودہ مملوک پر شامل ہوگا اور وہ مدبر ہو جائے گا اور جس کا وہ بعد میں مالک بنے گا وہ مدبر نہ ہوگا حتی کہ اس کی بیع جائز ہوگی اور اس اعتبار سے کہ یہ وصیت ہے اس میں وہ بھی شامل ہو جائے گا جو ایجاب کے بعد اور موت سے پہلے اس کی ملک میں آئے گا گویا اس نے موت کے وقت یہ کہا "کل مملوک أملکہ حر" اس کے برخلاف وہ پہلی صورت ہے جس میں اس نے "بعد غد" کہا تھا، کیونکہ وہاں ایک ہی تصرف ہے یعنی ایجاب عتق اور وصیت کا پہلو نہیں ہے۔

[2] قولہ او بہ الخ اگر کسی کو شبہ ہو کہ مال قبول کرنے پر غلام کا فی الحال آزاد ہو جانا حرف با میں تو ظاہر ہے لیکن اگر "علی" استعمال کرے تب تو فی الحال آزاد نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ تو شرط کے لئے آتا ہے پس اس کے ذریعہ عتق اداء مال پر معلق ہو جائے گا۔ (باقی صد آئندہ پر)

صورته ان یقول انت حرٌّ علی الف او بالف فقبل عتق والمال دینٌ علیه فتصح

الکفالة به لانّه[1] دین صحیح لکونه دینًا علی حرٍّ بخلاف بدل الکتابة فانه دینٌ

علی عبده والمعلّق[2] عتقه بالاداء مأذونٌ ان ادّی عتق لا مکاتبٌ صورته ان

(لان المکاتب عبد ما بقی علیه درهم علی انه سیاتی تفصیله فی کتاب المکاتب ۱۲ عمده)

یقول ان ادّیتَ الیّ کذا فانت حرٌّ فانّه یصیر مأذونا بالتجارة لیتمکن من اداء

المال ویقید اداؤه بالمجلس ان علق بانْ وباذا[3] لا ای لا یقید بالمجلس

(ای علق بکلمة ان ۱۲ عمده)

ورجع المولی علیه ان ادّی ممّا کسبه قبل التعلیق لا مما بعده وعتق فی حالیه

(ای ما کسبه بعد التعلیق ۱۲ عمده)

ای فی حال ادائه مما کسبه قبل التعلیق وحال ادائه ممّا کسبه بعده وان

خلّی بینه وبینه

ترجمہ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ آقا اپنے غلام سے کہے کہ "تو ہزار درہم پر یا ہزار درہم کے بدلے آزاد ہے اور وہ اس کو قبول کرے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور مال اس کے ذمہ دَین ہو جائے گا اور اس کی کفالت صحیح ہوگی کیونکہ یہ دَین صحیح ہے اس لئے کہ اب یہ دَین ایک آزاد شخص کے ذمہ میں ہے، بخلاف بدل کتابت کے کہ وہ قرض غلام پر ہے (اور غلام کے ذمہ کا قرض دین صحیح نہیں ہے) اور اگر کسی نے اپنے غلام کے عتق کو ادا مال کے ساتھ معلق کیا تو وہ ماذون بہ تجارت ہوگا جب اس نے مال ادا کر دیا تو آزاد ہو جائے گا۔ ایسا غلام مکاتب نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی اپنے غلام سے کہے "اگر تو اتنی مقدار مجھکو ادا کر دے تب تو آزاد ہے، تو (مال کے ادا کرنے تک) وہ غلام تجارت کی اجازت یافتہ شمار ہوگا، تاکہ مال مشروط کی ادائیگی کی قدرت اس کو حاصل ہو جائے اس تعلیق مذکور میں اگر مولی نے کلمہ "اِن (بمعنی اگر) استعمال کیا تو ادائے مال، مجلس تعلیق کے ساتھ مقید ہوگا اور اگر کلمۂ اِذا (بمعنی جب) استعمال کیا تو نہیں۔ یعنی تب ادائے مال اس مجلس کے ساتھ مشروط نہ ہوگا اب اگر غلام نے تعلیق سے پہلے کے اپنے کمائے ہوئے مال میں سے آقا کو ادا کر دیا تو مولی کو اس سے دوبارہ وصول کرنے کا حق ہوگا۔ اور اگر بعد کی کمائی سے ادا کیا تو رجوع نہیں کر سکتا ہے لیکن دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا۔ یعنی چاہے قبل التعلیق کی کمائی سے ادا کرے یا بعد التعلیق کی کمائی سے ادا کرے (دونوں حالتوں میں آزاد ہو جائے گا) اگرچہ ان کے درمیان تخلیہ ہی کر دے۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ اس حالت پر مبنی ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ مولی کا منشا فوری آزاد کرنا ہے مال کے عوض میں تعلیق مقصود نہیں تو قرینۂ حال شرطیت کے ارادہ سے مانع ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ لانہ دین صحیح الخ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ کفالت صرف دین صحیح میں درست ہے اور صحیح اس دین کو کہتے ہیں جو مال کی ادائے گی یا صاحب حق کے معاف کرنے کے بغیر مدیون کے ذمہ سے ساقط نہ ہو اور بدل کتابت دین صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بعض وقت ادائیگی یا معاف کئے بغیر بھی ساقط ہو جاتا ہے مثلاً مکاتب رقم کی ادائیگی سے عاجز آ جائے اب وہ پہلے کی طرح غلام بن جائے گا اور دین اس سے ساقط ہو جائے گا اس لئے اس کی کفالت درست نہیں بخلاف مذکورہ صورت کے کہ یہاں بدل قبول کرنے کے ساتھ ہی غلام آزاد ہو جائے گا اور مال اس کے ذمہ قرض رہے گا واجب الاداء تو یہ دین صحیح ہے اور کفالت درست ہے۔

[2] قولہ والمعلق الخ اس میں لام موصولہ ہے اور "عتقہ" رفع کے ساتھ فاعل ہے یعنی وہ غلام جس کا عتق ادائے مال کے ساتھ معلق ہو وہ کاروبار کا اذن یافتہ غلام ہے فی الحال آزاد نہیں ہوتا بلکہ ادائے مال کے بعد آزاد ہوگا اس میں اور مکاتب میں فقہاء نے متعدد فرق بیان کیا ہے۔ ۱۔ معلق بالاداء کا عتق اس کے قبول پر موقوف نہیں بخلاف مکاتب کے کہ اس کا عتق قبول پر موقوف ہے۔ ۲۔ یہ رد کرنے۔ مثلاً میں راضی نہیں۔ کہنے۔ سے باطل نہیں ہوتا اور مکاتب نے اگر رد کیا تو اس کی کتابت باطل ہو جائے گی۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ای بین المولیٰ وبین المال بان وضع المال فی موضعٍ یتمکن المولیٰ من اخذہ و

قولہ وان خلی ینصل بقولہ وعتق ای یعتق وان کان الاداء بطریق التخلیۃ[1]

ای الاداء یحصل بالتخلیۃ لا ان ادی بعضہ ای لایعتق ان ادی بعضہ وان

نزل قابضاً فی فصلیہ ینصل بما ذکر من العتق باداء الکل وعدم العتق

باداء البعض فانہ یعتق فی الفصل الاول ولایعتق فی الفصل الثانی مع انہ

یتزل قابضاً فی کلا الفصلین وانما قال ھٰذا لان عند بعض المشایخ

ان ادی البعض لایجبر علی لقبول فعلی ھٰذہ الروایۃ ان ادی البعض بطریق

التخلیۃ لایتزل المولیٰ منزلۃ القابض لکن المختار انہ یکون قابضاً لکنہ لایعتق

لان شرط العتق اداء الکل فلا یعتق لھٰذا المعنی لا لانہ لم یصر قابضاً بل صار قابضاً

للبعض۔

ترجمہ:۔ یعنی مولیٰ اور مال مشروط کے درمیان تخلیہ کر دے اس طور پر کہ مال ایسی جگہ میں رکھ دے کہ مولیٰ اس کو بغیر کسی مانع کے لے سکتا ہے اور ماتن کا قول "وان خلی" کا تعلق ہے "وعتق" سے مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد ہو جائے گا اگرچہ مال کی ادائیگی بطریق تخلیہ ہو، یعنی تخلیہ کر دینے سے ادائیگی متحقق ہو جائے گی۔ البتہ بعض مال ادا کرنے سے نہ ہوگا یعنی اگر بعض مال کو ادا کیا تو آزاد نہ ہوگا۔ اگرچہ مولیٰ دونوں صورتوں میں قابض ہو جاتا ہے اس سے پہلے جو مصنف نے عتق بہ اداء کل مال اور عدم عتق باداء البعض کا ذکر کیا ہے ان دونوں کے ساتھ اس جملہ کا تعلق ہے یعنی پہلی صورت میں غلام آزاد ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں آزاد نہیں ہوتا تاہم مال اور مولیٰ کے درمیان تخلیہ کر دینے سے دونوں صورتوں میں مولیٰ کا قبضہ درست قرار دیا جائے گا اور یہ بات مصنف نے مراحۃً اس لئے کہی کہ بعض مشائخ کے نزدیک اگر غلام بعض مال مشروط ادا کرے تو آقا کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا پس اس روایت کی رو سے اگر غلام کچھ مال بطریق تخلیہ ادا کر دے تو حکماً آقا بمنزلہ قابض شمار نہ ہوگا۔ لیکن قول مختار یہ ہے کہ وہ قابض شمار ہوگا لیکن غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ آزادی کی شرط کل مال ادا کرنا ہے تو یہ شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے وہ آزاد نہ ہوگا اس کا آزاد نہ ہونا اس بنا پر نہیں کہ مولیٰ قابض نہیں ہوا بلکہ بعض کا بھی وہ قابض قرار پائے گا۔

تشریح (بقیہ مرگذشتہ) سے شرط پوری کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز ہے اور مکاتب کی بیع اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ان کے علاوہ اور بھی وجوہ فرق ہیں جو مبسوط کتابوں میں تفصیلاً مذکور ہیں۔

سے قولہ رجع المولیٰ الخ یعنی اگر غلام نے مولیٰ کی تعلیق سے پہلے جو کمائی کی تھی اس سے مال مشروط ادا کر دیا تو آقا اس پر اس مال کے بارے میں رجوع کر سکتا ہے کیونکہ یہ تمام مال آقا کی ملک تھا تعلیق کے بعد کی کمائی میں سے نہیں ہے حالانکہ شرط کا تقاضا یہ ہے کہ نئے طور پر کمائی کر کے ادا کرے۔

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ بطریق التخلیۃ الخ۔ یعنی کوئی مانع قبض نہ ہو اور مال اس طرح آقا کے سامنے رکھ دے کہ اگر وہ ہاتھ بڑھا کر لینا چاہے تو لے سکتا ہے ایسی صورت میں حاکم فیصلہ دے گا کہ اس نے قبضہ کر لیا ہے، ثمن بیع، بدل اجارہ اور دوسرے تمام حقوق کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔ اس عبارت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ مولیٰ کے حقیقی قبضہ سے بطریق اولیٰ آزاد ہو جائے گا البتہ تخلیہ کے قبضہ ہونے میں یہ شرط ہے کہ عوض صحیح ہو لیکن اگر عوض فاسد ہو مثلاً مولیٰ نے شراب یا ثمن مجہول ادا کرنے کی شرط لگائی (باقی صہ آئندہ پر)

وفی انت حر بعد موتی بالف ان قبل بعد موته واعتقه الوارث عتق والا فلا ای لا یعتق بالمال المذکور وانما قیدتُ بهذا القید لانه قال والا فلا ای وان لم یوجد المجموع وهو القبول بعد الموت واعتاق الوارث لا یعتق فیشمل ما اذا قبل بعد الموت لکن الوارث لم یعتقه فح لا یعتق فیصدق ان یقال لا یعتق بالمال المذکور ویشمل ما اذا لم یقبل بعد الموت لکن الوارث اعتقه فح یصدق ایضا انه لا یعتق بالمال المذکور ولا یصدق ان یقال انه لا یعتق ضرورة انه یعتق مجانا ولو حرره علی خدمته سنة فقبل عتق وخدمه مدته ای وجب علیه الخدمة فی المدة المذکورة والضمیر فی مدته یرجع الی العبد اضاف المدة الیه بادنی ملابسة ای مدته ضربت له ومدتها فی نسخة بخط المصنف یعنی مدة الخدمة ای مدة ضربت للخدمة۔

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا میری موت کے بعد تو آزاد ہے ہزار درہم کے بدلے میں تو اگر غلام نے بعد موت کے اس کو قبول کیا اور وارث نے اسکو آزاد کر دیا تو یہ آزاد ہو جائیگا ورنہ نہیں یعنی ذکر کردہ مال کے بدلے میں آزاد نہ ہوگا شارح فرماتے ہیں کہ "میں نے مال کے بدلے میں آزاد نہ ہوگا" کی قید اسلئے لگائی کہ مصنف نے تو مطلقاً فرمایا ہے "والا فلا" (ورنہ نہیں) جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر مجموعی طور پر دونوں شرطیں پائی جائیں یعنی آقا کے مرنے کے بعد غلام کا قبول کرنا اور وارث کا آزاد کرنا یہ دونوں باتیں متحقق نہ ہوں تو غلام آزاد نہ ہوگا یہ کلام مشتبہ ہے (اور دو صورتوں پر) جبکہ آقا کے مرنے کے بعد غلام نے قبول کر لیا لیکن وارث اسکو آزاد نہ کرے تو اس صورت میں غلام آزاد نہ ہوگا اور اس پر یہ بات صادق آئیگی کہ مال مشروط کے بدلے میں غلام آزاد نہ ہوگا اور چونکہ مولیٰ کی موت کے بعد غلام نے مال کی ادائیگی قبول نہ کی لیکن وارث نے اسکو آزاد کر دیا تو اس وقت بھی یہ صادق آئیگی کہ غلام مال مذکورہ کے بدلے میں آزاد نہ ہوگا لیکن یہ بات درست نہ ہوگی کہ اس صورت میں وہ آزاد نہ ہوگا بلکہ یقیناً وہ مفت آزاد ہو جائیگا اسلئے مطلقاً عتق کی نفی صحیح نہ ہوگی البتہ مال مذکور کی قید کے ساتھ نفی صحیح ہوگی) اور اگر آقا نے ایک سال کی خدمت پر غلام کو آزاد کیا اور اس نے قبول کیا تو آزاد ہو جائیگا وہ اس مدت کی خدمت اس پر لازم ہوگی یعنی ذکر کردہ مدت کی خدمت غلام پر واجب ہوگی اور ماتن کا قول "فی مدته" کی ضمیر عبد کی طرف راجع ہے مصنف نے ادنیٰ مناسبت کی بنا پر مدت کی اضافت غلام کیطرف کر دی یعنی (اصل میں غلام کی مدت نہیں بلکہ) وہ مدت جو خدمت غلام کے لئے مقرر کی گئی ہے اور مصنف کے لکھے ہوئے نسخہ میں (مدته کی بجائے) "مدتها" واقع ہے جس کے معنی ہوں گے "مدة الخدمة" یعنی وہ مدت جو خدمت کے لئے مقرر کی گئی ہے۔

تشریح: (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اس نے یہ چیز آقا کے سامنے رکھ دی تو جب تک مولیٰ باختیار اس کو نہیں لے گا اس وقت تک قابض نہیں قرار دیا جائیگا ۱۲

لہ قولہ ان ادی بعضہ الخ کیونکہ ادائے کل شرط ہے تو بعض ادا کرنے سے شرط متحقق نہیں ہوگی اور مشہور قاعدہ ہے "اذا فات الشرط فات المشروط" ۱۲

لہ قولہ لکن یجبر الخ یعنی آقا کو مجبور نہ کیا جائے گا اور یہاں عدم جبر کا مطلب یہ ہے کہ محض تخلیہ سے اس کو قابض قرار نہ دیا جائے گا اسی طرح جبر علی القبول کے معنی یہ ہیں کہ اسے بحکم حاکم قابض قرار دیا جائیگا اور یہاں جبر کا یہ مطلب نہیں کہ مار پٹائی وغیرہ کے ذریعہ آقا کو مجبور کیا جائے ۱۲ بنایہ۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ ان قبل الخ یعنی اگر غلام آقا کی موت کے بعد قبول کرے لیکن اگر اس نے آقا کی موت سے پہلے قبول کر لیا تو آزاد نہ ہوگا یہ قول ایسا ہے جیسے کہے "انت حر غدا بالف" کہ یہاں بھی محل قبول "غد" ہے کیونکہ قبول کا اعتبار تب ہی ہے جبکہ عتق کی مجلس میں ہو اور وقت وجود ہی اس کی مجلس ہے اور موت یا غد کی طرف اضافت نے اس کے وجود کو مضاف الیہ کے وجود تک مؤخر کر دیا ہے اور یہاں مضاف الیہ ما بعد الموت ہے بخلاف "انت مدبر بالف" کے کہ اس میں فی الحال قبول کرنا شرط ہے کیونکہ یہاں انشاء تدبیر فی الحال ہے البتہ ادائے مال فی الحال واجب نہیں کیونکہ رقیت مانع وجوب ہے اور آقا غلام پر قرض کا مستحق نہیں ہوتا ۱۲ فتح۔

لہ قولہ واعتقہ الوارث الخ یہی حکم وصی اور قاضی کا بھی ہے جبکہ وارث نہ ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں عتق ثابت ہوگا موت کے بعد اور غلام آقا کے مرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ملکیت سے نکل کر وارث کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اب جبکہ شرط پائی گئی اس وقت وہ دوسرے کی ملک میں ہے تو اس کی طرف سے بھی اعتاق لازمی ہے ورنہ آزاد نہ ہوگا ۱۲

لہ قولہ فح لا یعتق الخ کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ غلام آقا کے مرنے کے بعد وارث کی ملکیت کی جانب منتقل ہو جاتا ہے اس لئے اس کی طرف سے عتق کا پایا جانا شرط ہے قولہ فیصدق الخ کیونکہ مطلق کی نفی سے مقید کی نفی بھی لازم آتی ہے اب جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ مطلقاً آزاد نہ ہوگا تو یہ بھی ثابت ہوگا کہ وہ مال مذکور کے بدلے میں آزاد نہ ہوگا ۱۲

لہ قولہ عتق الخ یعنی فوراً آزاد ہو جائے گا کیونکہ کسی شی کے عوض پر آزاد کرنے میں شرط یہ ہے کہ اسی مجلس میں قبول ہو مقبول کا پایا جانا شرط نہیں ہے جیسے کہ تمام دوسرے عقود کا حکم ہے بخلاف اس کے کہ آقا یہ کہے کہ "ان خدمتنی سنة فانت حر" اگر تو سال بھر میری خدمت کرے تب تو آزاد ہے کہ اس صورت میں ایک سال کی خدمت کے بعد ہی آزاد ہوگا کیونکہ یہاں شرط خدمت پر اس نے آزادی کو معلق کر دیا ہے ۱۲

فان مات مولاہ قبلہا ای قبل المدۃ تجب قیمتہ ای قیمۃ العبد وعند محمد قیمۃ خدمتہ کبیع عبد منہ بعین فہلکت تجب قیمتہ وعند محمد قیمتہا ای الاختلاف فی مسألۃ مدۃ الخدمۃ بناء علی الاختلاف فی ہذہ المسألۃ وہی ما اذا قال لعبدہ بعتُ نفسک منک بہذہ العین کثوبٍ معینٍ مثلاً فہلکت العین تجب قیمۃ العبد وعند محمد قیمۃ العین لتعذر الوصول الی البدل ہٰہنا کما فی تلک الصورۃ و انما تجب قیمۃ العین عندہ لان العین بدل لشئ لیس بمال وہو العتق والعتق لا قیمۃ لہ فتجب قیمۃ العین ولہما ان العین بدل نفس العبد فصار کما اذا باع عبداً بجاریۃٍ فمات العبد ثم فسخا العقد فی الجاریۃ تجب قیمۃ العبد.

ترجمہ :- اور اگر مولیٰ مرگیا اس سے پہلے یعنی مدت گذرنے سے پہلے تو اس کی قیمت واجب ہوگی یعنی غلام کی قیمت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی خدمت کی قیمت واجب ہوگی، اسی طرح اگر غلام کو اس کے ہاتھ کسی معین چیز کے بدلے میں بیچا اور قبل قبض کرنے کے وہ چیز ہلاک ہوگئی تو غلام کی قیمت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک اس شئ معین کی قیمت واجب ہوگی یعنی مدت خدمت کے مسئلہ کے بارے میں مذکورہ اختلاف (بیع العبد بالعین کے مسئلہ میں) اختلاف پر مبنی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تجھ کو تیرے ہی ہاتھ میں اس معین چیز۔ مثلاً اس معین کپڑے۔ کے بدلے میں بیچا، پھر وہ معین چیز (مولیٰ کے قبضہ کرنے سے پہلے) ہلاک ہوگئی تو شیخین کے نزدیک غلام کی قیمت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک اس شئ معین کی قیمت واجب ہوگی (ان دونوں مسئلہ میں وجہ مناسبت یہ ہے) کہ جس طرح شئ معین ہلاک ہوجانے کی صورت میں بدل کا ادا کرنا ناممکن ہے اسی طرح مسئلہ خدمت میں ادائے بدل ممکن نہیں امام محمدؒ کے نزدیک معین شئ کی قیمت اس لئے واجب ہوتی ہے کہ معین ایسی شئ کا بدل ہے جو مال نہیں یعنی یہ عتق کا بدل ہے اور شرعاً عتق کی کوئی قیمت نہیں ہے تو لامحالہ معین ہی کی قیمت واجب ہوگی، اور شیخین فرماتے ہیں کہ معین شئ (عتق کا نہیں بلکہ) غلام کی ذات کا بدل ہے (اور غلام مال متقوم ہے) تو یہ مسئلہ مشابہ ہوگیا اس صورت کے جبکہ کسی نے اپنا غلام دوسرے کے پاس اس کی باندی کے عوض بیچا، پھر غلام (مشتری کے قبضہ میں جاکر) مرجائے اس کے بعد بائع اور مشتری باندی کے عقد بیع کو فسخ کر ڈالیں تو (مشتری کے ذمہ) غلام کی قیمت واجب ہوگی (کہ یہاں بدل یعنی باندی ادا کرنا متعذر ہونے کی بنا پر باندی کی قیمت ادا کرنا نہیں پڑتا جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں امام محمدؒ بدل کی قیمت ادا

تشریح :- [1] تجب قیمتہ الخ. فقیہ عیسیٰ بن ابان فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں غلام بقیہ مدت وارثین کی خدمت کرے کیونکہ خدمت اس کے ذمہ دین ہے اس لئے وارثین مولیٰ کے قائم مقام ہوں گے جیسے کہ اس نے اگر غلام کو ایک ہزار کے عوض آزاد کیا اور اس میں کچھ مقدار وصول پانے کے بعد مرگیا تو بقیہ رقم وارثین کو ادا کرنا پڑتا ہے لیکن ظاہر روایت میں یہ ہے کہ وارثین کی خدمت نہ کرے کیونکہ خدمت مال نہیں بلکہ منفعت ہے اور منفعت میں وراثت جاری نہیں ہوتی. علاوہ ازیں خدمت لینے میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں اس لئے ایک کی خدمت پر راضی ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے کی خدمت پر بھی راضی ہو۔

[2] قولہ بناء علی الاختلاف الخ. عنایہ میں امام محمد کے قول کی توجیہ یہ بیان کی کہ خدمت ایسی چیز کا بدل ہے جو کہ مال نہیں یعنی عتق کا بدل ہے اور عتق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اب خدمت سپرد کرنا ناممکن ہوگیا تو اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگا اور شیخین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ خدمت مال کا بدل ہے کیونکہ یہ ذاتِ غلام کا بدل ہے اور غلام مال ہے لیکن جب بدل۔ خدمت۔ کا ادا کرنا ناممکن ہوگیا تو مبدل۔ غلام۔ کا ادا کرنا واجب ہوا۔ مگر غلام کا دینا اس لئے ناممکن ہوگیا کہ عتق فسخ قبول نہیں کرتا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

(باقی صفحہ آئندہ پر)

وفی اَعتِقہا بالف علی ان تزوّجنیہا ان فعل وابت عتقت ولاشئ علی اٰمرہ ای قال رجل لاٰخر اعتق امتک بالف عَلیَّ بشرط ان تُزوّجنیہا فاعتقہا المولیٰ وابت الجاریۃ التزوّجَ فلاشئ علی الاٰمر لان اشتراط البدل علی الغیر لایجوز فی العتق ولو ضم عنّی قسم علی قیمتہا ومہرہا وتجب حصۃ القیمۃ ای لو قال اعتق امتک عنّی بالفٍ وباقی المسألۃ بحالہا فانہ یقع الاعتاق عن الاٰمر بطریق الاقتضاء کماعرفت فیقسّم الالف علی قیمتہا ومہر مثلہا۔

مجہول من التقسیم ۱۲ عدہ

ترجمہ:۔ اور اگر کسی شخص نے باندی کے مالک سے کہا کہ اس باندی کو ہزار درہم کے بدلے اس شرط پر آزاد کر کہ میرے ساتھ اس کا نکاح کر دے اور مالک نے اس کو آزاد کر دیا لیکن باندی نے اس کے ساتھ نکاح بیٹھنے سے انکار کر دیا تو باندی آزاد ہو جائے گی اور حکم کرنے والے کے ذمہ کچھ لازم نہ ہوگا۔ یعنی کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو اپنی باندی کو بعوض ہزار اس شرط پر آزاد کر دے کہ اس کے بعد میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیوے پھر مولیٰ نے تو اس کو آزاد کر دیا لیکن لونڈی نے نکاح سے انکار کیا تو اس حکم کرنے والے پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ اپنا مملوک آزاد کرنے کے لئے دوسرے پر بدل کی شرط کرنی جائز نہیں۔ اور اگر آمر نے "میری طرف سے" کا لفظ بڑھا دیا تو اس ہزار کو اس کی قیمت اور مہر مثل پر تقسیم کریں گے اور اس شخص پر قیمت کا حصہ واجب ہوگا۔ یعنی اگر اس نے کہا کہ "تم اپنی باندی کو میری طرف سے ہزار کے بدلے میں آزاد کر دو" اور مسئلہ کی باقی صورت حسب سابق رہے تو بطریق اقتضاء آزادی آمر کی طرف سے ہوگی۔ جیسا کہ قاعدہ معلوم ہے اس لئے وہ ہزار درہم باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثل پر تقسیم کئے جائیں گے۔

تشریح (بقیہ صر گذشتہ) اس لئے اب اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی کیونکہ اب یہی ممکن رہ گیا، یہی توجیہ اس مسئلہ کی ہے جس پر یہ مسئلہ مبنی ہے۔
سے قولہ کما ازا باع الخ اس بیع کو بیع مقایضہ کہا جاتا ہے یعنی وہ بیع جس میں ثمن اور مبیع میں سے کوئی بھی نقود میں سے نہ ہو اس طرح کی بیع میں ہر ایک بدل ومبدل ایک اعتبار سے مبیع اور دوسرے اعتبار سے ثمن ہوتا ہے۔

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ ولاشئ علی آمرہ الخ ہدایہ میں ہے کہ جس نے دوسرے کو کہا "اپنا غلام آزاد کر دو اور میرے ذمہ ایک ہزار ہے" اور اس نے آزاد کر دیا تو کہنے والے کے ذمہ کچھ لازم نہ ہوگا اور عتق مامور سے واقع ہو جائے گا۔ بخلاف اس کے کہ جو دوسرے سے کہے کہ "اپنی بیوی کو طلاق دیدو اور میرے ذمہ ایک ہزار ہے" جس کے بعد اس نے طلاق دی تو آمر کے ذمہ ایک ہزار لازم ہوگا کیونکہ طلاق میں اجنبی سے بدل لینے کی شرط۔ بدل خلع پر قیاس کرکے۔ جائز ہے اور عتاق میں جائز نہیں۔
سے قولہ وابت الجاریۃ الخ یعنی لونڈی اس آمر کے ساتھ نکاح بیٹھنے سے انکار کر دے اور اب اس پر جبر بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کی مالک بن چکی اس لئے اس کو پورا اختیار حاصل ہے جس کے ساتھ چاہے نکاح کرے۔
سے قولہ ولو ضم عنی الخ۔ یعنی اگر آمر نے حکم دیتے وقت "عنّی" کا لفظ بڑھا دیا اور کہا "اعتق امتک عنی بالف علی ان تزوجنیہا" پھر آقا نے اسے آزاد کر دیا اور لونڈی نے آزادی کے بعد نکاح کرنے سے انکار کر دیا، اس صورت میں ہزار کو لونڈی کی قیمت اور مہر میں تقسیم کر دیا جائے گا اور آمر پر لازم ہوگا کہ وہ قیمت کا حصہ آقا کو ادا کرے کیونکہ "عنّی" (میری طرف سے) کا لفظ خریداری کے مضمون پر بطریق اقتضاء مشتمل ہے گویا اس نے یوں کہا کہ تم اپنی باندی کو میرے پاس ہزار کے بدلے بیچ دو پھر میری طرف سے اس کو آزاد کرنے کا وکیل بن جاؤ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی کی لونڈی کا عتق دوسرے کی طرف سے واقع نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے بیع وشراء کا اعتبار کیا جائے پھر اس پر اعتاق کا ترتب مانا جائے اور یہ بھی واضح ہے کہ اس نے جب دو باتوں کا ذکر کیا تو ہزار کو بطور خرید رقبہ کے عوض اور بطور نکاح منافع بضع کے عوض میں قرار دیا ہے اس لئے یہ ہزار لازماً دونوں میں بٹ جائے گا اب جبکہ باندی کے نکاح کرنے سے انکار کی وجہ سے منافع بضع اس کو حاصل نہیں ہوئے تو مہر مثل کے مقابل جو رقم لازم آتی وہ ساقط ہوگئی (باقی صہ آئندہ پر)

ففرضنا ان قیمتہا الف ومھر مثلہا خمسمائۃ فیقسم الالف علی الف وخمسمائۃ فثلثا الالف حصۃ القیمۃ وثلثہ حصۃ مھر المثل فوجب علیہ اداء ثلثی الالف الی المولی وسقط عنہ ثلث الالف لانہ قابل الالف بالرقبۃ شراءً وبالبضع نکاحًا فسلم لہ الرقبۃ دون البضع فوجب حصۃ ما سلم لہ ولم یجب حصۃ ما لم یسلم لہ فلو نکحت فحصۃ مھرہا فی وجہیہ ھذا الذی ذکرنا انما ھو علی تقدیر الاباء اما اذا لم تاب ونکحت فمہرہا حصۃ مھر المثل من الالف وھو ثلث الالف فیما فرضناہ وقولہ فی وجہیہ ای فیما لم یقل عنّی وفیما قال عنّی۔

ترجمہ:۔ اب مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ اس کی قیمت ہزار درہم ہے اور اس کا مہر مثل پانسو (مجموعہ/ ۱۵۰۰) جس کی دو تہائی قیمت اور ایک تہائی مہر ہے ا تو اس شرط کے ہزار کو اس ڈیڑھ ہزار پر تقسیم کریں گے جس کا نتیجہ، ہزار کی دو تہائی قیمت کا حصہ اور ہزار کی ایک تہائی مہر مثل کا حصہ ہوا الہٰی اس شخص پر باندی کے مالک کے لئے ہزار کی دو تہائی واجب ہوں گی اور ایک تہائی ہزار کی ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس نے بصورت خرید باندی کے رقبہ کی ملکیت اور بصورت نکاح منافع بضع حاصل کرنے کے مقابلہ میں ہزار کا وعدہ کیا تھا. اب اسے رقبہ کی ملکیت تو حاصل ہوئی (لیکن نکاح کو انکار کر دینے کے باعث) منافع بضع حاصل نہ ہونے تو جو حاصل ہوا اس کے حصہ کی قیمت واجب ہوگی اور جو حاصل نہ ہوا اس کے حصہ کی قیمت واجب نہ ہوگی اور اگر باندی اس آمر کے ساتھ نکاح بیٹھ جائے تو اس کا مہر کا حصہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اس کا مہر ہوگا یعنی پچھلا حکم اس صورت میں تھا جبکہ باندی نکاح کرنے سے انکار کر دے لیکن اگر انکار نہ کرے اور اس سے نکاح کر لے تو ہزار میں سے مہر مثل کا حصہ اس کا مہر ہوگا یعنی مفروضہ شکل میں ہزار کی ایک تہائی اور متن کے اندر دونوں صورتوں میں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس صورت میں "میری طرف سے" کا لفظ نہیں کہا اور جس صورت میں "میری طرف سے" کا لفظ کہا (نکاح بیٹھنے کی حالت میں دونوں کا حکم یکساں ہے)

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) لـه قولہ بما اباہا الخ یعنی اس نے "اعتق امتک عنی بالف" کے بعد "علی ان تزوجنیہا" بھی کہا اور آقا نے آمر کے حکم کی تعمیل کی لیکن لونڈی نے نکاح سے انکار کر دیا اس صورت میں بعد کے جملہ کے ساتھ "علی" کا کلمہ ذکر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے حکم میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لـه قولہ فلو نکحت الخ یعنی مذکورہ دونوں صورتوں کا وہ حکم تو گذر رہا ہے جبکہ باندی نکاح بیٹھنے سے انکار کر دے لیکن اگر وہ اس آمر کے ساتھ نکاح کرلے تو پہلی صورت میں ہزار میں سے بقدر حصہ قیمت ساقط ہو جائے گا اور صرف بقدر حصہ مہر لازم آئے گا اور دوسری صورت میں۔ یعنی جب اس نے "عنی" کا لفظ بڑھا دیا تھا۔ بقدر حصہ قیمت مولیٰ کو دینا پڑے گا اور حصہ مہر بھی بطور مہر ادا کرنا پڑے گا۔

باب التدبير والاستيلاد

من أعتق عن دُبُرٍ مطلقًا[1] بإذا متُّ فأنت حرٌّ أو أنت حرٌّ عن دبرٍ منّي أو أنت مدبّر أو دبّرتك أو إن متُّ إلى مائة سنة وغلب موته قبلها فمدبّر فقوله من أعتق مبتدأ وخبره فمدبّر واعلم أنه قال في الهداية إن التدبير إثبات العتق عن دبر وإنما فسّره بهذا رعاية لموضع اشتقاق التدبير فلهذا قال في المتن من أعتق عن دبر وإنما قال مطلقًا احترازًا[2] عن المقيد فالمطلق أن يعلق العتق بموت مطلق أو مقيد بقيد[3] يكون الغالب وقوعه والمقيد أن يعلقه بموت مقيد بقيد لا يكون كذلك عادة نحو إن متُّ في مرضي هذا فهو كذا۔

مدبر اور ام ولد کا بیان

ترجمہ :۔ ——— جس غلام کو آزاد کیا جائے مولیٰ کے بعد بغیر کسی قید کے مثلاً مولیٰ یوں کہے کہ جب میں مرجاؤں تب تو آزاد ہے یا تو آزاد ہے میرے بعد، یا تو مدبر ہے، یا میں نے تجھ کو مدبر کیا یا اگر سو برس کے اندر میں مرجاؤں تب تو آزاد ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ سو سال سے پہلے مرجائے گا تو (ان سب صورتوں میں) وہ غلام مدبر ہو جائے گا۔ مصنف کا قول "من اعتق" مبتدا اور "فمدبر" اس کی خبر ہے۔ واضح رہے کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ "اپنے مرنے کے بعد آزادی ثابت کرنے کو تدبیر کہتے ہیں" اشتقاقی مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے تدبیر کی یہ تفسیر کی ہے اور اس کی پیروی کرتے ہوئے ماتن نے تدبیر کی تعریف میں فرمایا "من اعتق عن دبر" اور "مطلقا" کے لفظ میں مقید سے احتراز ہے، اور مطلق یہ ہے کہ ۱۔ آزادی کو بلا کسی قید و شرط کے مطلقاً موت کے ساتھ معلق کیا جائے۔ ۲۔ یا ایسی قید کے ساتھ مقید کیا جائے جس کا واقع ہونا غالباً یقینی ہو۔ اور مقید یہ ہے کہ کسی ایسی قید کے ساتھ مقید موت پر آزادی کو معلق کرے جس کا واقع ہونا عادۃً یقینی نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مرجاؤں تو یہ غلام آزاد ہے۔

تشریح :۔ [1] قولہ عن دُبُرٍ الخ۔ دونوں پر ضمہ کے ساتھ اور کبھی ثانی ساکن بھی ہوتا ہے، ہر چیز کے سامنے کے بالمقابل کو دُبُر کہتے ہیں اور اس مفہوم سے آخری عمر کو دُبُر کہا جاتا ہے اور یہاں مراد ہے آقا کے پیچھے یعنی غلام کی آزادی اس کی موت کے بعد، اگر دوسرے آدمی کی موت کے ساتھ عتق کو معلق کرے تو یہ تدبیر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تعلیق ہے ۱۲ بحر

[2] قولہ احترازاً الخ اکثر فقہاء کے ظاہر کلام کا تقاضا یہ ہے کہ مدبر مطلق ہی شرعاً مدبر ہے اور مدبر مقید شرعاً مدبر سے خارج ہے اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ مطلق و مقید دونوں پر مدبر کا لفظ معنیً مشترک ہے بہر حال مدبر کے خصوصی احکام جن کو مصنف آگے بتائیں گے مثلاً اس کی بیع وغیرہ کا جائز نہ ہونا یہ سب مدبر مطلق کے ساتھ خاص ہیں مقید میں نہیں پائے جاتے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہو گیا اس لئے مصنف نے مطلقاً کا لفظ بڑھایا۔

[3] قولہ او مقید الخ غرض مدبر مطلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ غلام کی آزادی کو مطلق موت کی طرف نسبت کرے کسی خاص حالت یا وقت معین کے ساتھ مقید نہ کرے ۲۔ دوم یہ کہ مقید موت کی طرف نسبت کرے مگر قید ایسی ہو جس کا واقع ہونا تقریباً یقینی ہے اور مدبر مقید وہ ہے جو ان دونوں صورتوں کے برخلاف ہو ۱۲

فقوله ان مت الى مائة سنة وهو ابن[1] ثمانين سنة مثلا وان كان فى الصورة مقيدا
(الواو وصلية ١٢ منه)
فهو فى المعنى مطلق لان الغالب ان يموت قبل هذه المدة فقوله ان مت الى مائة
سنة يكون بمنزلة قوله ان مت فيكون فى حكم المطلق وقوله ان مت الى مائة
(اى بدون ذكر القيد ١٢ منه)
سنة تقديره ان مت فى وقت .... من هذا الزمان الى مائة سنة ثم شرع
فى حكم المدبر فقال لايباع[2] ولا يوهب ويستخدم ويستاجر والامة توطأ وتنكح
هذا عندنا واما عند الشافعیؒ فيجوز[3] انتقاله من ملك الى ملك فان مات سيده عتق
من ثلث[4] ماله وسعى فى ثلثيه ان لم يترك غيره وفى كله ان استغرق دينه لانه
لما كان ايجابا بعد الموت كان له حكم الوصية.

ترجمہ:۔ تو جس شخص کی عمر مثلاً اسی سال ہو چکی ہے اس کا یہ کہنا کہ "اگر میں سو سال تک مرجاؤں تو یہ غلام آزاد ہے" اگرچہ بظاہر کلام مقید ہے لیکن حقیقت میں یہ مطلق ہی ہے کیونکہ اغلبا ایک سو برس پورے ہونے سے پہلے اس کی موت تقریباً یقینی ہے لہٰذا اس کا "ان مت الی مائۃ سنۃ" کا قول بمنزلہ "ان مت" کے ہے اس لئے ایسا مقید کلام مطلق کے حکم میں ہے۔ اور اس کا قول "اگر میں سو سال تک مرجاؤں" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اس گفتگو کے وقت سے لے کر ایک سو سال پورے ہونے سے پہلے مرجاؤں (یہ مراد نہیں کہ اگر مجموعی عمر سو سال ہونے تک میں مرجاؤں" کیونکہ اس عمر کے اندر موت کا واقع ہونا عادۃً یقینی نہیں ہے) (تدبیر کی تعریف اور اس کے الفاظ بتانے کے بعد) اب مصنف مدبر کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے بیع اس کی اور نہ ہبہ اس کا اور جائز ہے کہ اس سے خدمت لے اور اس کو مزدوری میں دیدے اور اگر مدبر باندی ہو تو اس سے وطی کرنا اور اس کا نکاح کردینا جائز ہے یہ تو ہمارا مذہب ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک مدبر کو ایک ملک سے دوسری ملک میں منتقل کرنا جائز ہے۔ اور جب مولیٰ مرجائے تو مدبر اس کے ثلث مال میں سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس نے اس کے علاوہ اور کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو اس کا ایک ثلث آزاد ہو جائے گا اور دو ثلث میں سعی کرے گا اور اگر اتنا بڑا قرض ہے کہ تمام میت عبد کو گھیرتا ہے تو کل کے واسطے سعی کریگا اس لئے کہ تدبیر میں جب ایجاب عتق موت کے بعد ہوتا ہے تو یہ بمنزلہ وصیت کے ہوگا (اور دین مقدم ہے وصیت پر)

تشریح:۔ [1] قولہ ابن ثمانین الخ یعنی مولیٰ جو کہ اس کلام کا قائل ہے اس کی عمر اس وقت مثلاً اسی سال ہو چکی ہے اب یہ ظاہر ہے کہ جس کی عمر اسی برس ہو گئی ہے وہ اس وقت کے بعد اور سو سال تک زندہ نہیں رہے گا۔

[2] قولہ لایباع الخ ان دونوں کا ذکر بطور تمثیل کے ہے ورنہ جتنے تصرفات آزاد میں ممنوع ہیں مثلاً مہر میں دینا، رہن رکھنا، وصیت، بیع، خواہ ہبہ اور صدقہ وغیرہ یہ سب مدبر میں بھی ممنوع ہیں الغرض تدبیر کے بعد مدبر سوائے اعتاق اور کتابت کے کسی اور صورت سے مولیٰ کی ملک سے نہیں نکل سکتا ہے ہذغیرہ، بحر۔

[3] قولہ فیجوز الخ امام شافعیؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر بنایا اور اس کا اور کوئی مال نہ تھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اسے مجھ سے کون خریدے گا چنانچہ نعیم بن نحام نے اسے خریدا ہمارے اصحاب کیطرف سے اس کے متعدد جواب ہیں۔ ا۔ یہ واقعہ مدبر مقید کا ہے ۲۔ یہ بیع خدمت ہے بیع رقبہ نہیں ہے چنانچہ ابو جعفرؒ نے صراحت کی ہے کہ آپؐ نے بیع خدمت کی اجازت دی ہے (دارقطنی) اور ہماری دلیل حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ "مدبر کی نہ بیع ہو سکتی ہے اور نہ ہبہ اور وہ آزاد ہے ثلث مال سے" (دارقطنی) لیکن اس کی سند ضعیف ہے البتہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے (مزید تفصیل تخریج زیلعی میں ہے) ۱۲

[4] قولہ من ثلث مالہ الخ یعنی آقا کے ثلث مال سے جو کہ موت کے وقت اس کے پاس تھا اس کی اصل یہ ہے کہ تدبیر درحقیقت وصیت کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ یہ موت کے بعد لازم ہوتی ہے اور وصیت صرف ثلث مال ہی میں نافذ ہوتی ہے اب اگر مدبر کی قیمت ثلث مال کے برابر یا اس سے زیادہ ہے مثلاً مدبر کی قیمت تین سو درہم اور اس کا کل مال نو سو درہم کا یا اس سے زیادہ ہو تو سارا مدبر آزاد ہو جائے گا اور اگر تہائی مال سے غلام کی قیمت زیادہ ہو تو ایک تہائی کے برابر آزاد ہو جائے گا اور باقی زائد کی مقدار کے لئے وہ سعی کرے گا۔

وبِیْعَ[1] ان قال لہ ان مت فی سفری او مرضی ھٰذا او الی سنۃ او نحوھا ممّا یمکن غالبًا وعتق ان وجد شرطہ کعتق المدبّر فقولہ وبیع ای صح بیعہ وکذا جمیع مایوجب الانتقال من مِلك الی مِلك وقولہ ممّا یمکن غالبًا ای ممّا لایکون وقوعہ واجبًا فی الغالب ذکر الامکان واراد التردد وانہ ولدت من سیدھا او من زوج[2] فملکھا صارت ام ولد وحکمھا[3] کالمدبرۃ الا انھا تعتق عند موتہ من کل مالہ ولم تسع لدینہ ولایثبت نسب ولدھا الا ان یقر بہ فان اقر فولدت اٰخر یثبت نسبہ بلادِعوۃ وانتفی بنفیہ۔

ترجمہ:۔ اور آقا نے اگر غلام سے کہا کہ "میرا اس سفر میں یا اس مرض میں یا ایک سال میں انتقال ہو جائے تب تو آزاد ہے" یا اس قسم کی اور کسی حالت کے ساتھ معلق کیا جو کہ غالبًا ممکن ہے (یعنی اسکا وقوع ضروری نہیں) تو (مولی کے مرنے سے پہلے) اس کی بیع (اور ہبہ) جائز ہے، اور اگر یہ شرط متحقق ہو جائے تو مدبر کے عتق کی طرح یہ بھی آزاد ہو جائے گا تو مصنف کا قول "وبیع" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیع صحیح ہوگی، اور اس طرح وہ تمام تصرفات بھی درست ہوں گے جن کے ذریعہ ایک ملک سے دوسری ملک میں منتقل ہونا پایا جاتا ہے اور "ما یمکن غالبًا" کا مطلب یہ ہے کہ غالب گمان میں اس کا وقوع ضروری نہ ہو، تو "امکان" ذکر فرماکر تردد مراد لیا ہے۔ اگر لونڈی مالک سے جنی تو وہ ام ولد ہو گئی اگرچہ پہلے سے وہ اس کا مالک تھا بلکہ باندی اس کے نکاح میں تھی اور پھر مالک ہو گیا اور اس کا حکم مدبر کی مانند ہے مگر یہ کہ وہ اس کے کل مال سے آزاد ہو جائے گی اور مولی کے دین کے واسطے سعی نہیں کرے گی اور لونڈی کی اولاد کا نسب ثابت نہ ہوگا مگر یہ کہ مولی اس کا اقرار کرے اب اگر اس نے ایک بچہ کا اقرار کر لیا اور اس کے بعد دوسرا بچہ جنی تو اس کا نسب بغیر اقرار کے ثابت ہو جائے گا، البتہ انکار کر دینے سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

تشریح:۔ [1] قولہ وبیع الخ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی اگر اس نے اپنی موت کے ساتھ ایسی قید لگا کر عتق کو معلق کیا کہ اس کا واقع ہونا ضروری نہ ہو تو وہ مدبر نہ ہوگا چنانچہ اس کی بیع اور دیگر تصرفات جائز ہوں گے کیونکہ سبب عتق متحقق نہیں ہوا بوجہ واقع ہونے میں تردد رہنے کی وجہ سے اور مطلق موت پر معلق کرنے سے اس کا وقوع یقینی ہونے کی بنا پر فی الحال سبب منعقد ہو گیا اس لئے اب ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔

[2] قولہ او من زوج الخ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک آزاد آدمی دوسرے کسی کی لونڈی سے نکاح کرے۔ پھر اس سے بچہ پیدا ہو پھر یہ خاوند، خرید کر یا ہبہ کے ذریعہ یا وارث بن کر غرض کسی طرح اس باندی کا مالک بن جائے خواہ کل کا مالک ہو یا بعض کا مثلاً وہ اور دوسرا کوئی مل کر اس لونڈی کو خرید لیں پھر متعدد مالک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور شرکت کی صورت میں اپنے شریک کے حصہ کی قیمت اس پر لازم ہوگی ۱۲ بحر۔

[3] قولہ وحکمہا الخ یعنی آقا کی موت کے بعد آزاد ہونے میں اور اپنی ملک سے نکال کر دوسرے کی ملک میں بیع وغیرہ کے ذریعہ منتقل کرنا ناجائز ہونے میں ام ولد، مدبر کے مانند ہے، اس کی دلیل (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں جو آپ کی باندی اور آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی ماں تھیں " اعتقہا ولدہا" (ان کو ان کے لڑکا نے آزاد کر دیا) ابن ماجہ، بیہقی وغیرہ ہمانے بسند ضعیف روایت کی (۲) اور آپ نے فرمایا جو لونڈی اپنے آقا سے بچہ جنے تو وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہے (احمد ابن ماجہ وغیرہما بسند ضعیف) (۳) اور سنن نسائی وغیرہ میں ہے کہ صحابہ کرام ام ولد کو فروخت کر دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے انہیں منع فرمایا اور اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا ۱۲

اعلم ان الفراش اما ضعیف او متوسط او قوی فالضعیف هی الامۃ فلا یثبت نسب ولدها الا بدعوۃ سیدها فاذا ادعی صارت ام ولد وهی الفراش المتوسط یثبت نسب ولدها بلا دعوۃ لکنه ینتفی بنفیه والفراش القوی هی المنکوحۃ فیثبت نسب ولدها بلا دعوۃ ولا ینتفی بالنفی بل یجب اللعان وام ولد النصرانی اذا اسلمت تسعی فی قیمتها وتعتق بعدها ای بعد السعایۃ ان عرض علیه الاسلام فابی وهی بحالها ان عرض فاسلم ای تکون ام ولد له کما کانت فان ادعی ولد امۃ مشترکۃ ای بین المدعی وبین اٰخر یثبت نسبه منه وهی ام ولده وضمن نصف قیمتها ونصف عقرها لا قیمۃ ولدها لانه لما استولد لجاریۃ یثبت النسب فی النصف لصادفته ملکه فیثبت فی الباقی ضرورۃ ان النسب

ترجمہ:- واضح رہے کہ فراش یا تو ضعیف ہے یا متوسط، یا قوی۔ تو ضعیف فراش باندی کا ہے اس لئے اس کے بچہ کا نسب مولیٰ کے دعویٰ کے بغیر ثابت نہ ہوگا تو جب اول بار نسب کا دعویٰ کرلے تو وہ باندی ام ولد ہوجائے گی اور وہ فراش متوسط بن گئی اب اس کے بچہ کا نسب بلا دعویٰ ثابت ہوجائے گا۔ لیکن اگر نفی کردے تو پھر اس بچہ کا نسب منتفی ہوجائے گا اور فراش قوی منکوحہ کا فراش ہے اس کا نسب بلا دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نفی کردینے سے بھی منتفی نہیں ہوتا بلکہ ایسی صورت میں "لعان" واجب ہوتا ہے اور اگر کسی نصرانی شخص کی ام ولد اسلام قبول کرلے تو اپنی قیمت ادائیگی کے لئے سعی کرے گی اور اس کے بعد آزاد ہوجائے گی۔ یعنی سعی کرکے قیمت ادا کرنے کے بعد آزاد ہوجائے گی یہ اس وقت ہے جبکہ اس کے نصرانی آقا پر اسلام پیش کرنے کے بعد اسلام لانے سے وہ انکار کرے، لیکن اگر اس پر اسلام پیش کرنے کے بعد وہ بھی اسلام قبول کرلے تو وہ بحال رہے گی، یعنی وہ اس کی ام ولد رہے گی جیسے پہلے تھی۔ اور اگر مشترکہ باندی کا بچہ کا ایک نے دعویٰ کیا، یعنی یہ باندی مشترک تھی اس مدعی اور دوسرے ایک شخص کے درمیان تو بچہ کا نسب اس مدعی سے ثابت ہوجائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہوجائے گی اور وہ ضامن ہوگا اس کی نصف قیمت کا اور نصف عقر (یعنی نصف مہر مثل یا نصف تاوان وطی) کا البتہ قیمت ولد کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ جب ایک شریک نے باندی کو ام ولد بنا لیا تو نصف میں تو نسب ثابت ہوگا اپنی ملکیت کی بنا پر اور اس ثبوت سے باقی نصف میں بھی لازمی طور پر نسب ثابت ہوجائے گا۔

تشریح: [1] قولہ وام ولد النصرانی الخ یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ ہر ذمی کافر کی ام ولد کا یہی حکم ہے، خلاصہ یہ کہ ذمی کافر کی ام ولد اگر اسلام لے آئے تو اس کے کافر مولیٰ پر بھی اسلام پیش کیا جائے گا، اگر وہ بھی اسلام قبول کرلے تو یہ ام ولد اسی کے پاس باقی رہے گی جیسے کہ پہلے اس کے پاس تھی اور اگر وہ اسلام نہ لائے تو ام ولد آقا کے لئے اپنی قیمت میں سعی کرے گی اور سعی کے ذریعہ قیمت ادا کرنے کے بعد آزاد ہوجائے گی اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ آزاد تو فوراً ہوجائے گی اور سعی کر کے قیمت ادا کرنا اس پر قرض رہے گا، کیونکہ اسلام لانے کے بعد اس پر سے ذلت دور کرنا لازم ہوگیا اور مسلمہ کا کافر کی ملکیت میں رہنا ذلت ہے اب ازالہ ملکیت کے لئے بیع ممکن نہیں کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اس لئے عتق متعین ہوگیا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو مکاتب قرار دیدینے میں دونوں جانب کی رعایت ہے کہ حق حریت حاصل ہوگئی باندی کو اور مولیٰ کو اس کی ملکیت کا بدل مل جائے گا۔

[2] قولہ فان ادعی الخ یعنی اگر باندی دو آدمیوں کی مشترکہ ملکیت ہو اور اس کے یہاں بچہ پیدا ہوا اب ان میں سے ایک اس کا دعویٰ کرے تو اس سے بچہ کا نسب ثابت ہوجائے گا اور یہ باندی اسی کی ام ولد بن جائے گی اور اس پر دوسرے شریک کو نصف قیمت دینا لازم ہوگی اور نصف عقر بھی لازم ہوگا البتہ اس پر بچہ کی قیمت ادا کرنا لازم نہ ہوگا جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے۔

لا یتجزأ لان الولد لا یعلق من مائین فیلزم تملك الباقی[1] فیجب علیه نصف قیمتها وایضاً نصف عقرها لحرمة الوطی بخلاف وطی جاریة الابن فان قوله[2] علیه السلام انت ومالك لابیك لایراد به المعنی الحقیقی وهو ان یکون ملکاً للاب ضرورة کونه ملك الابن یدل علیه قوله علیه السلام انت ومالك لابیك فیراد به المعنی المجازی وهو حل الانتفاع فنصیر قبیل الوطی ملکاً للاب لیکون الوطی حلالاً فلا یجب العقر وفی مسألتنا وقع الوقاع فی محل بعضه ملك الغیر ولا سبب لحل الوطی فیحرم فیجب العقر والتملك یثبت ضرورة ثبوت النسب منه فیثبت قبیل العلوق لکن بعد ابتداء الوطی فلا یجب قیمة الولد۔

ترجمہ:۔ اس لئے کہ نسب میں تجزیہ نہیں ہوا کرتا ہے کیونکہ دو آدمیوں کے نطفوں سے بچہ کا حمل قرار پانا ممکن نہیں، اب بچہ کا پورا نسب ثابت ہو جانے کا تقاضا یہ ہے کہ باندی کے بقیہ حصہ کا بھی وہ مالک بن جائے تو اس ملکیت کے عوض میں باندی کی آدھی قیمت اس پر واجب ہوگی. نیز نصف عقر بھی واجب ہوگا اس لئے کہ (بوجہ شرکت) اس کے لئے وطی حرام تھی (اور اس حرام کے ارتکاب میں دوسرے کے نصف حق پر تعدی پائی گئی اس لئے اس کا نصف تاوان واجب ہوگا) ہاں اگر کوئی شخص اپنے لڑکا کی باندی سے وطی کرلے تو اس پر عقر واجب نہیں اس لئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ,,تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے،، اس ارشاد میں بیٹے کا مال، باپ کا مال قرار دینے سے حقیقی طور پر بیٹے کے مال پر باپ کی ملکیت ثابت کرنا مراد نہیں کہ بیٹے کی ملکیت لازماً باپ کی ملکیت ہو جائے گی خود حضور ؐ کے قول ,, ومالک،، میں مال کی اضافت بیٹے کی طرف کی گئی جو کہ بیٹے کی مستقل ملکیت پر دلالت کرتی ہے، اس لئے یہاں معنی مجازی مراد ہوگی، یعنی بیٹے کے مال سے باپ کے لئے نفع اٹھانا حلال ہے تو استفاع بالوطی کو حلال قرار دینے کی ضرورت سے وطی سے پہلے ہی باندی باپ کی ملک میں شمار ہوگی اور عقر (تاوان وطی) واجب نہ ہوگا اور ہمارے زیر بحث مسئلہ متن میں ایسے محل کے اندر جماع واقع ہوا ہے جس کے بعض دوسرے شریک کی ملک میں ہے اور یہاں حلت وطی کا کوئی سبب نہیں پس وطی حرام ہوگی اور عقر واجب ہوگا. باقی مدعی کا مالک بن جانا ثبوت نسب کی ضرورت کی بنا پر ہے اس لئے یہ ملکیت ثابت ہوگی بس استقرار حمل سے پہلے پہلے لیکن وطی شروع کرنے کے بعد یہی وجہ ہے کہ بچہ کی قیمت اس پر واجب نہ ہوگی۔

تشریح:۔ [1] قولہ تملک الباقی الخ یعنی نسب میں تجزی نہیں اور مدعی کے حق میں ثبوت نسب کا تقاضا یہ ہے کہ وطی کرنے والا اپنے ساتھی کے حصہ کا مالک بن جائے کیونکہ حصہ اس قابل ہے کہ ایک کی ملک سے دوسرے کی ملک میں منتقل ہو جائے اور مالک بن جانے کی تفریع میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نصف قیمت یا نصف عقر کے ضمان واجب ہونے میں اس صورت کے اندر مدعی کے خوشحال یا تنگدست ہونے کا کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ ضمان تملک ہے بخلاف ضمان اعتاق کے کہ وہ تنگدست پر واجب نہیں جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حمل قرار پانے کے دن یہ ملکیت ثابت ہوگی لہذا اس دن کی قیمت اور عقر کا اعتبار ہوگا، فتح

[2] قولہ فان قولہ الخ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ سے جھگڑنے والے کسی شخص کو خطاب کرکے جو یہ فرمایا کہ ,,تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اس سے ظاہری مفہوم مراد نہیں کہ بیٹے کے تمام اموال کا مالک باپ ہے جیسے چاہے اپنی املاک کی طرح ان سے نفع اٹھا سکتا ہے یا ان میں بیع وغیرہ تصرفات کر سکتا ہے کیونکہ ایک تو ,,انت،، کا لفظ ظاہری مفہوم کے لئے مانع ہے ورنہ لازم آئے گا بیٹا باپ کا مملوک ہو جائے اور وہ اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں دوسرے یہ کہ ,,مالک،، میں مال کی اضافت بیٹے کی طرف کی گئی ہے جس سے اس مال کے ساتھ بجائے باپ کے بیٹے کی ملکیت اور خصوصیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ ایک ہی مال میں بیک وقت دو آدمی کی پوری اور مستقل ملکیت متحقق ہونا ممکن نہیں ۱۲

وان ادّعیاہ معًا فھو منھما خلافًا للشافعی فان عندہ یُرجَعُ[1] الی قول القائف وھو الذی یتّبع اٰثار الاٰباء فی الابناء وھی ام ولد لھما وعلی کلٍ نصفُ عقرھا وتقاصّا ویرث من کلٍّ ارث ابنٍ لان المقرّ یؤاخذ باقرارہ وورثا منہ ارث اب لان الاب احدھما لکنّہ غیر معلوم فیوزّعُ میراث الاب علیھما وان ادّعی ولدَ امۃ مکاتبہ لزمہ عقرھا ونسبُ الولد وقیمتہ لانہ وطی متعمدًا علی الملک فیکون ولدہ ولدَ[2] المغرور وھو ثابت النسب وھو حر بالقیمۃ لا الامیّۃ[3] ای لا تصیر الامۃ امَّ ولدٍ لہ اذ لا ملک لہ فیھا حقیقۃ۔

ترجمہ:۔ اور اگر بیک وقت دونوں شریک بچہ کے نسب کا دعویٰ کرے تو دونوں سے نسب ثابت ہو گا۔ لیکن امام شافعیؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کے فیصلہ کے لئے "قیافہ شناس" کی رائے کی طرف رجوع کریں گے یعنی جو باپ کے آثار دیکھ کر بیٹوں کی شناخت میں ماہر ہیں (وہ دیکھ کر جس کا لڑکا بتا دیگا اس سے نسب ثابت ہو جائے گا) اور (ہمارے نزدیک) وہ دونوں کی ام ولد ہو جائے گی اور ہر ایک پر دوسرے کے واسطے نصف عقر لازم ہو گا۔ البتہ دینا کسی کو نہیں پڑے گا بلکہ وہ آپس میں معاوضہ کر لیں اور لڑکا ہر ایک سے بیٹے ہونے کی حیثیت سے پوری میراث لے گا اس لئے کہ مقر سے اس کے اقرار کے بموجب مواخذہ ہوتا ہے اور وہ دونوں اس بچہ سے ایک باپ کی میراث کے مستحق ہوں گے اس لئے کہ واقع میں باپ ایک ہے مگر معلوم نہیں کہ کون ہے تو ایک باپ کا حصۂ ارث دونوں پر تقسیم ہو گا۔ اور اگر کسی نے اپنے مکاتب کی لونڈی کے ولد کا دعویٰ کیا (کہ یہ میری طرف سے ہے) تو مولیٰ پر عقر لازم ہو گا اور لڑکے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لڑکے کی قیمت بھی اس پر لازم ہوگی اس لئے کہ اس نے اس اعتماد پر وطی کی ہے کہ یہ میری مملوکہ ہے تو یہ لڑکا، دھوکہ یافتہ شوہر کے لڑکا کی مانند ہو جائے گا جس کا حکم یہ ہے کہ وہ اس شوہر سے ثابت النسب ہوتا ہے اور قیمت کے بدلہ میں آزاد ہوتا ہے اور امیت ثابت نہ ہوگی یعنی صورت مذکورہ میں مکاتب کی باندی اس کے آقا کی ام ولد نہ ہوگی اس لئے کہ یہ باندی آقا حقیقۃً اس کی ملک میں نہیں ہے بلکہ مکاتب کی ملک میں۔

تشریح: [1] قولہ یرجع الی قول القائف الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو شخصوں سے نسب ثابت کرنا ممکن ہے کیونکہ بچہ دو نطفوں سے پیدا نہیں ہوتا اس لئے شباہت سے فیصلہ ہو گا اور شباہت کی صحیح شناخت کرنیوالوں کو قائف کہا جاتا ہے جو کہ نسب دریافت کرلیتے ہیں باپ کے نشانات بیٹے میں دیکھ کر محسوس کرلیتے ہیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور قیافہ کیوں معتبر نہ ہو گا حالانکہ صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس خوش وخرم تشریف لائے اور فرمایا کہ ارے جانتی ہو مجزز مدلجی نے اسامہ اور زید کو چادر اوڑھے لیٹے ہوئے حالت میں صرف پیر دیکھ کر بتا دیا کہ یہ پیر ایک دوسرے سے ہے (یعنی یہ باہم باپ بیٹے ہیں) تو اگر قائف کی بات اور شباہت کا اعتبار باطل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجزز قائف کی بات پر خوشی ظاہر نہ فرماتے ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ حضور کی خوشی اس بنا پر تھی کہ حضرت اسامہ کالے اور زید گورے ہونے کی بنا پر کفار ان کے نسب میں طعن کرتے تھے اب قائف کی بات سے کفار کے طعن کی جڑ کٹ گئی کیونکہ وہ قیافہ پر اعتماد کرتے تھے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قائف کا قول ثبوت نسب میں بھی شرعاً معتبر ہے بیہقی اور طحاوی میں حضرت عمر و علی کا فیصلہ مروی ہے کہ انہوں نے ایسے دعویٰ میں دونوں کے لئے نسب ثابت کیا اور دونوں کا وارث قرار دیا۔

[2] قولہ ولد المغرور الخ یعنی کسی نے باندی سے اس گمان پر نکاح کیا کہ وہ آزاد ہے اب اس سے بچہ پیدا ہونے سے نسب تو ثابت ہو گا مگر اس کی ماں ام ولد نہ ہوگی اور لڑکا آزاد ہو گا جس کی قیمت زوج کے آقا کو دینی پڑے گی۔

[3] قولہ لا الامیۃ الخ یعنی مکاتب کی لونڈی جس سے مکاتب کے آقا نے وطی کی ہے وہ آقا کی ام ولد نہ ہوگی کیونکہ ام ولد ہوتی ہے اپنی مملوکہ سے وطی کے بعد بچہ ہونے سے اور یہ تو اس کی مملوکہ نہیں ہے۔ اب اگر یہ شبہ ہو کہ جب یہ ام ولد نہ ہوئی تو کس جہت سے نسب ثابت ہو گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ام ولد ہونا تو وطی کرنے والے کی مملوکہ ہونے پر موقوف ہے اور جب ملکیت نہیں تو ام ولد بھی نہ ہوگی اور ثبوت نسب کے لئے ملک شرط نہیں بلکہ من وجہ حق ملکیت کافی ہے اور مکاتب کی کمائی پر آقا کا حق ملک من وجہ

ان صدّقہ مکاتبہ ای انما یثبت النسب ان صدّق المکاتبُ المولیٰ وعند ابی یوسف لایشترط تصدیق المکاتب للمولیٰ والا لا یثبت نسبہ الا اذا ملکہ یوماً ای ان لم یُصَدّق المکاتب المولیٰ لایثبت النسب الا اذا ملك المولیٰ الولد یوماً۔

ای المولی المدعی ۱۲ عمدہ

ای نسب ذلک الولد من المولی ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ بشرطیکہ مکاتب بھی اس بات کی تصدیق کرے، یعنی لڑکے کا نسب اس وقت ثابت ہوگا جبکہ مکاتب بھی مولیٰ کے دعویٰ کی تصدیق کرے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مولیٰ کے حق میں مکاتب کی تصدیق کی شرط نہیں اور اگر وہ آقا کی تصدیق نہ کرے تو بچہ کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ آقا ایک دن کے لئے بھی اس لڑکے کا مالک ہوجائے (تو نسب ثابت ہوجائے گا) یعنی اگر مکاتب اپنے مولیٰ کے دعویٰ کی تصدیق نہ کرے تو لڑکے کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا، ہاں اگر آقا ایک دن کے لئے بھی اس لڑکے کا مالک ہوجائے تو پھر اس سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا۔

كتابُ الأيمانِ

اليمين تقوى الخبر بذكر الله او التعليق وهي ثلث اي الأيمان التي اعتبرها الشرع ورتب عليها الاحكام ثلث وانما قلنا هذا لان مطلق اليمين اكثر من الثلث كاليمين على الفعل الماضي صادقا وعَنَيْنَا بترتب الاحكام عليها ترتب المواخذة على الغموس وعدمها على اللغو والكفارة على المنعقدة فحلفه على فعلٍ او تركٍ ماضٍ كاذبًا عمدًا غموس يمكن ان يراد بالفعل مصطلح النحاة او مصطلح اهل الكلام وهو المصدر اعم من ان يكون قائما بالعقلاء اوُ بالجمادات نحو والله لقد هبّتِ الريحُ.

قسم کا بیان

ترجمہ :۔ .... قسم کہتے ہیں کسی خبر کو اللہ کا نام لے کر یا تعلیق کے ذریعہ مضبوط کرنا اور اس کی تین قسمیں ہیں یعنی وہ قسمیں جنہیں شریعت نے اعتبار کیا ہے اور جن پر احکام شرعی مرتب ہیں تین قسم ہیں۔ شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل ہم نے اس لئے کی ہے کہ مطلق یمین کی قسمیں تین سے زیادہ ہیں مثلاً یہ بھی یمین ہے کہ فعل ماضی پر کوئی سچی قسم کھائے (مگر اس پر کوئی حکم مرتب نہیں اس لئے یہ مقسم سے خارج ہے) اور ترتّبِ احکام سے ہماری مراد یہ ہے کہ خواہ اخروی مواخذہ مرتب ہو جیسے یمین غموس کا حکم ہے یا شرعی کوئی مواخذہ نہ ہو جیسے یمین لغو کا حکم ہے یا کفارہ مرتب ہو جیسے یمین منعقدہ کا حکم ہے۔ (۱) پس اگر کسی نے گذشتہ کسی فعل کے ہونے یا نہ ہونے پر قصداً جھوٹی قسم کھائی تو یہ یمین غموس ہے، متن کے لفظ "فعل" سے ممکن ہے نحویوں کا اصطلاحی فعل مراد ہو یا اہل کلام کا اصطلاحی فعل یعنی معنی مصدری مراد ہو خواہ ذوی العقول کے ساتھ قائم ہو یا جمادات کے ساتھ مثلاً کسی نے کہا خدا کی قسم ضرور ہوا چلی ہے۔

تشریح :۔ لـه قوله الأيمان الخ۔ أیمان کے الف پر زبر ہے "یمین" کی جمع ہے جس کے اصل معنی قوت کے ہیں اس لئے انسان کے دائیں ہاتھ کو "یمین" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں دوسرے ہاتھ کی نسبت زیادہ قوت ہوتی ہے اور حلف کو بھی "یمین" کہتے ہیں کیونکہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانے سے اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے یہی حال تعلیق کا بھی ہے کہ ناپسند چیز پر معلق کرنے سے اس کام سے رُک جانے کا پہلو قوی ہو جاتا ہے اور پسندیدہ امر پر معلق کرنے سے اس کام پر آمادگی کا پہلو قوی ہوتا ہے اس لئے تعلیق کو فقہاء کی اصطلاح میں "یمین" کہتے ہیں۔

سـه قوله وهي ثلث الخ یعنی اللہ کے نام پر کھائی جانے والی أیمان کی تین قسمیں ہیں مطلق أیمان کی یہ تقسیم نہیں ہے کیونکہ تعلیق بالطلاق وغیرہ کی یمین میں یمین غموس یا یمین لغو کا حکم لگانا ممکن نہیں اس لئے کہ جھوٹ اور لغو تعلیق سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے امام عینیؒ نے شرح کنز میں اس کی تصریح کی ہے

سـه قوله غموس الخ یہ لفظ فعول کے وزن پر غمس سے ماخوذ ہے جس کے معنی ڈوبنے یا ڈبونے کے ہیں اس کا نام غموس اس لئے رکھا گیا کہ گویا اس نے اپنے آپ کو اس کی وجہ سے گناہ میں ڈبو دیا۔ کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے چاہے اس سے کسی مسلمان کا حق باطل ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث بخاری میں ہے کہ کبائر گناہ یہ ہیں:۔

۱۔ اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ ۲۔ والدین کی نافرمانی ۳۔ ناحق قتل کرنا۔ ۴۔ اور یمین غموس (یعنی جھوٹی قسم) ۱۲ منہ۔

فان قلت اذا قیل واللہ ان ھذا حجر کیف یصح ان یقال ھذا الحلف علی الفعل قلت یقدر کلمۃ کان او یکون ان ارید فی الزمان الماضی او المستقبل والمراد بالترک عدم الفعل وقولہ کاذبا حال من الضمیر فی قولہ فحلفہ ثم بین حکم الغموس بقولہ یاثم بہ ثم عطف علی قولہ کاذبا قولہ او ظانا انہ حق وھو ضدہ لغو ثم بین حکمہ بقولہ یرجی عفوہ ثم عطف علی فعل او ترک قولہ وعلی اٰتٍ منعقدۃ الاحسن ان یقال واٰتٍ منعقدۃ بلا کلمۃ علی لیکون معطوفا علی ماضٍ فانہ اذا ذکر لفظۃ علی یکون معطوفا علی فعلٍ او ترکٍ ثم لا بد ان یقدر لقولہ اٰتٍ موصوف وھو فعل او ترک فیکون فیہ اطناب مع وجوب تقدیر الیمین بمذکور ولو اسقط لفظۃ علی حتی یکون عطفا علی ماض ففیہ ایجاز بلا احتیاج تقدیر شئ غیر ملفوظ۔

ترجمہ:۔ پس اگر تم یہ شبہ کرو کہ اگر کسی نے یوں قسم کھائی "خدا کی قسم یہ پتھر ہے" تو اس کو یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ یہ فعل پر قسم ہے تو اس کے جواب میں کہوں گا کہ ایسے جملوں میں اگر زمانہ ماضی مراد ہو تو "کان" مقدر اور اگر زمانہ مستقبل مراد ہو تو "یکون" مقدر ہوگا۔ مقدر ہے (اب لا محالہ یہ فعل قرار ہوگا) اور متن میں "ترک" کے لفظ سے عدم فعل مراد ہے، اور ماتن کا قول "کاذبا" یہ حال واقع ہے "فحلفہ" کی ضمیر سے، اس کے بعد مصنف نے یمین غموس کا حکم بیان فرمایا اپنے اس قول سے کہ ایسی قسم کھانے سے گنہگار ہوگا۔ پھر مصنف نے سابق لفظ "کاذبا" پر عطف کیا اپنے اس اگلے قول کو کہ (۲) یا گویہ گمان کرتے ہوئے قسم کھائی کہ یہ گذشتہ فعل حق اور صحیح ہے حالانکہ اصل میں یہ جھوٹ ہے تو یہ یمین لغو ہے۔ آگے مصنف نے یمین لغو کا حکم بتایا اپنے اس قول سے کہ اس میں مغفرت کی امید ہے۔ پھر مصنف نے "فعل او ترک" پر عطف کیا اپنے اس قول کو کہ (۳) اور اگر آئندہ والی بات پر قسم کھائی تو یہ یمین منعقدہ ہے، بہتر یہ تھا کہ مصنف یہاں "وعلی آتٍ" کی بجائے "واٰتٍ منعقدۃ" فرماتے یعنی لفظ "علی" کے بغیر عبارت لاتے تاکہ اس کا عطف ہو جاتا لفظ "ماض" پر، کیونکہ جب کلمۂ "علی" لائے تو "اٰتٍ" کا عطف "ماض" پر نہیں ہو سکتا ہے بلکہ لامحالہ اس کا عطف ہوگا۔ "فعل او ترک" پر، پھر "اٰتٍ" کا مفہوم واضح کرنے کے لئے اس کا موصوف مقدر ماننا پڑے گا یعنی وعلی فعل او ترک اٰتٍ، اس میں ایک تو طوالت ہے علاوہ ازیں غیر مذکور موصوف کو لازمی طور پر مقدر ماننا پڑ رہا ہے، لیکن اگر لفظ "علی" نہ لاتے تاکہ اس کا عطف "ماض" پر ہو جاتا تو اس صورت میں ایک تو اختصار ہوتا نیز غیر مذکور کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ یقدر الخ یہاں تقدیر سے لفظاً کے اندر مقدر ماننا مراد نہیں کیونکہ جملہ کی تصحیح کے لئے اس کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کی دوسری چیز کی طرف نسبت میں کون (یعنی اس کے متحقق ہونے) کا مفہوم ضرور پایا جاتا ہے اور یہ کون (یعنی تحقق) آخر کسی ایک زمانہ میں یا تمام زمانوں میں پایا جائیگا۔

؎۲ قولہ ظانا الخ یعنی ماضی پر اس گمان سے حلف کرنا کہ وہ جیسے واقعہ کے مطابق ہے حالانکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے یہی لغو ہے حضرت ابن عباس سے یہی تفسیر منقول ہے آیت قرآنی "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم" الخ کے ذیل میں (ابن جریر و ابن المنذر) اور امام بخاری وغیرہ نے حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ "یمین لغو یہ ہے کہ انسان گھریلو گفتگو یا مذاق میں کہے "نہیں اللہ کی قسم" یا "ہاں اللہ کی قسم" جس میں یمین کی نیت نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ نے یہی مطلب لیا ہے۔

؎۳ قولہ یرجی عفوہ الخ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم" (باقی صد آئندہ پر)

فان قلت الحلف كما يكون على الماضي والاتي يكون على الحال ايضا فلم لم يذكره وهو من اي قسم من اقسام الحلف قلت انما لم يذكره لمعنى دقيق وهو ان الكلام يحصل اولا في النفس فيعبر عنه باللسان فالاخبار المتعلق بزمان الحال اذا حصل في النفس فيعبر عنه باللسان فاذا تم التعبير باللسان انعقد اليمين فزمان الحال صار ماضيا بالنسبة الى زمان انعقاد اليمين فاذا قال كتبتُ لابد من الكتابة قبل ابتداء التكلم واذا قال سوف اكتب لابد من الكتابة بعد الفراغ من التكلم بقي الزمان الذي من ابتداء التكلم الى اخره فهو زمان الحال بحسب العرف وهو ماض بالنسبة الى ان الفراغ وهو ان انعقاد اليمين فيكون الحلف عليه الحلف على الماضي۔

ترجمہ :۔ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ قسم جس طرح گذشتہ اور آئندہ کے امر پر ہوتی ہے اسی طرح حال پر بھی تو ہو سکتی ہے تو پھر مصنف نے اسے کیوں نہیں ذکر کیا؟ اور یہ حلف کی کس نوع میں پڑتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ذکر نہ کرنے میں ایک باریک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ جو بھی کوئی کلام ہو وہ اولاً ذہن میں پیدا ہوتا ہے پھر زبان سے اُسے ظاہر کیا جاتا ہے پس زمانۂ حال سے متعلق خبر جب ذہن میں سوچی جائے پھر زبان سے اس کی تعبیر کی جائے، تو جب زبان کی تعبیر پوری ہوگی تب ہی یمین منعقد ہوگی۔ اب جو زمانۂ حال ہے وہ قسم منعقد ہونے کے وقت کے لحاظ سے ماضی شمار ہوگا، مثلاً جب کسی نے کہا "کتبتُ" (میں نے لکھا ہے) تو اس قول کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کے تلفظ سے پہلے لکھنا پایا جائے، اور اگر کہا "سوف اکتب" (عنقریب لکھوں گا) تو ضروری ہے کہ کتابت اس کلام سے فارغ ہونے کے بعد واقع ہو، اب باقی رہ گیا وہ زمانہ جو کہ اس بات کے تلفظ کا ابتداء سے لے کر اختتام تک کا وقت ہوتا ہے جسے عرف میں زمانۂ حال کہتے ہیں لیکن یہ بھی درحقیقت زمانۂ ماضی ہی ہے اس لمحہ کے لحاظ سے جبکہ اس کا کلام ختم ہوا اور یہی لمحۂ اختتام یمین منعقد ہونے کا لمحہ ہے اس لئے حال پر قسم بھی دراصل زمانۂ ماضی کی قسم میں داخل ہے۔

تشریح :۔ (بقیہ صد گذشتہ) البتہ اس معانی کے ساتھ امید کی قید اس لئے لگائی ہے کہ یمین لغو کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ اب یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ صورت مذکورہ یمین لغو ہے یا نہیں بنا بریں قطعی طور پر معافی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ یحصل اولا الخ یعنی کلام کرنے سے پہلے حاصل فی الذہن ہوتا ہے اور اس وقت اس کا نام ہوتا ہے "کلام نفسی" چنانچہ شاعر نے ذیل کے شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎ ان الکلام لفی الفؤاد وانما ۔ جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا ۔ (بلاشبہ کلام اولاً دل میں پیدا ہوتا ہے ۔ اور زبان تو دل ہی کی ترجمانی کرتی ہے) تو دل میں پیدا ہونے والا کلام وہ نہیں ہے جو کہ زبان سے بولنے کے بعد حاصل ہوتا ہے، یہ کلام لفظی ہے جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے، یعنی شئ کی اجمال اور بسیط صورت جو ذہن میں آتی ہے وہ کلام نفسی ہے اور زبان اس کی تفصیل کرتی ہے ایسے الفاظ بول کر جو اس صورت ذہنیہ پر دلالت کرتے ہیں، مزید تفصیل کے لئے علم کلام کی بحث کلام دیکھو۔ ۱۲

سلہ قولہ بحسب العرف الخ یعنی جس زمانہ کو صیغۂ حال سے بیان کیا جاتا ہے اور عرف کے ذکر سے اس طرف اشارہ ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل پر زمانہ کی تقسیم عرف اور ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت پر نظر کرتے ہوئے زمانہ کی دو ہی قسمیں ہیں ماضی اور مستقبل اور ان کے درمیان اور کوئی زمانہ نہیں ہے بلکہ وہ صرف ایک لمحۂ مشترکہ ہے جو کہ ماضی اور مستقبل کے درمیان حد فاصل ہے ۱۲

وکفّر فیه فقط ان حنث انما قال فقط احترازا عن مذهب الشافعیؒ من الکفارۃ فی الغموس ولو سہوًا او کرہًا حلف او حنث یعنی تجب الکفارۃ وان کان الحلف بطریق السہو او بالاکراہ خلافا للشافعیؒ وقال فی الھدایۃ القاصد فی الیمین و المکرَہ والنّاسی سوآءٌ والمراد بالنّاسی السّاھی وھو الذی حلف من غیر قصد کما یقال الا تأتینا فقال بلٰی واللہِ من غیر قصد الیمین وکذا ان کان الحنث بطریق السہو والاکراہ تجب الکفارۃ لان الفعل الحقیقی لا یعدمہ السہو والاکراہ وکذا الاغماء والجنون فتجبُ الکفارۃُ بالحنث کیفما کان والقسم باللہ او باسم من اسمائہ کالرحمٰن والرّحیم والحق۔

ترجمہ:۔ اور فقط اسی یمین منعقدہ میں کفارہ لازم ہے اگر قسم توڑ دے اور مصنفؒ نے فقط کا لفظ اس لئے بڑھایا تاکہ امام شافعیؒ کے مذہب سے احتراز ہو جائے کہ ان کے نزدیک یمین غموس میں بھی کفارہ ہے، خواہ بھولے سے یا کسی کے جبر سے قسم کھائے یا قسم توڑ دے یعنی کفارہ واجب ہے اگرچہ بھول کر قسم کھائی ہو یا کسی کے دباؤ سے کھائی ہو اس میں امام شافعیؒ کا خلاف ہے (ان کے نزدیک ان صورتوں میں کفارہ واجب نہیں) اور صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ یمین میں قصد کرنیوالا مجبور اور بھولنے والا سب برابر ہیں اور یہاں بھولنے والا سے مراد سہوًا قسم کھانیوالا، یعنی جو بلا ارادہ قسم کھا بیٹھے مثلاً کسی نے پوچھا کیا تم میرے یہاں نہیں آؤگے؟ اور اس نے جواب میں بے ساختہ حلف کا ارادہ کئے بغیر ہی کہہ دیا "خدا کی قسم ضرور آؤں گا"۔ اسی طرح کفارہ واجب ہے اگر سہوًا یا جبرًا قسم توڑ دے، کیونکہ جو فعل واقعۃً متحقق ہے سہو یا اکراہ اس کو معدوم نہیں کر سکتا ہے اور یہی حکم ہے بے ہوشی اور دیوانگی کا کہ ان حالتوں میں بھی قسم ٹوٹ جانے سے کفارہ واجب ہوگا۔ اور قسم منعقد ہو جاتی ہے لفظ اللہ سے یا اس کے ناموں میں سے کسی نام سے جیسے لفظ رحمٰن، رحیم، اور حق سے

تشریح:۔ ؎۱ قولہ فقط الخ بعضوں نے فقط کا یہ مطلب بتایا ہے کہ صرف کفارہ واجب ہوگا اور اس کے علاوہ کوئی مواخذہ یا گناہ نہ ہوگا اگرچہ بعض حلف کے توڑنے میں یہ حکم لگانا درست ہے کہ گناہ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات حلف توڑنا مستحب یا واجب ہوتا ہے جیسا کہ صحاح ستہ کی حدیث میں ہے کہ قسم کھا لینے کے بعد اگر دیکھو کہ اس کا خلاف کرنا بہتر ہے تو قسم توڑ دو اور کفارہ ادا کردو" لیکن تمام قسموں میں یہ حکم لگانا درست نہیں کیونکہ جہت مخالف اگر بہتر نہ ہو تو قسم پوری کرنی واجب ہے اور اس کا توڑنا موجب گناہ ہے بلکہ یوں کہنا بجا ہے کہ حنث دراصل موجب گناہ ہی ہے البتہ کسی عارض سے اس کے برخلاف بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے راجح قول یہ ہے کہ فقط کا تعلق فیہ کی ضمیر کے ساتھ ہے چنانچہ شارح نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے یعنی کفارہ صرف یمین منعقدہ میں واجب ہوتا ہے جبکہ اُسے توڑ دے۔ یمین غموس یا لغو میں کفارہ نہیں ہے البتہ شارح نے صرف غموس کے ذکر پر اکتفا کیا کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں کفارہ ہے اور لغو کے ذکر کی ضرورت نہیں کیونکہ کوئی بھی اس پر کفارہ کا قائل نہیں ۱۲

؎۲ قولہ سواء الخ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ "ثلث جدھن جد و ہزلھن جد النکاح والطلاق والیمین (یعنی تین کام ایسے ہیں کہ ان میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ہی مذاق بھی سنجیدگی ہے یعنی نکاح طلاق یمین) اب جبکہ مذاق سے یمین منعقد ہو جاتی ہے تو جبر کی صورت میں بطریق اولیٰ منعقد ہوگی کیونکہ مذاق کرنیوالا تو حکم جاری کرنے کا قصد ہی نہیں کرتا ہے اور مجبور اجراء حکم کا قصد کرتا ہے چاہے غیر کے جبر کے باعث ہو اور سہو تو مذاق ہی کی طرح ہے اس لئے ان یمینوں کا حکم یکساں ہے (دفیہ ابحاث لا تلیق بہذا المختصر)

او بصفة[1] يحلف بها من صفاته كعزة الله وجلاله وكبريائه وعظمته وقدرته لا بغير[2] الله كالنبي والقران والكعبة ولا بصفة لا يحلف بها من صفاته عرفا كرحمته وعلمه ورضائه وغضبه وسخطه وعذابه وقوله لعمر الله وايم الله وعهد الله وميثاقه واقسم[3] واحلف واشهد وان لم يقل بالله وعلىّ نذر او يمين او عهد وان لم يضف الى الله وان فعل كذا فهو كافر ان لم يكفر علقه بماضٍ او اٰتٍ وسوگند میخورم بخدا ای قسم فقوله لعمر الله مبتدأ وقسم خبره والمراد بقاء الله تقديره لعمر الله قسمي وقوله ايم الله قد[4] قيل هو جمع يمين حذفت النون منه خفة لكثرة استعماله تقديره ايمن الله يميني وقيل هو من ادوات القسم كالواو.

ترجمہ:۔ یا اس کی ایسی صفات سے جن سے عموماً قسم کھائی جاتی ہے جیسے اللہ کی عزت کی قسم اور اس کے جلال کی، اس کی کبریائی کی، اس کی عظمت کی یا اس کی قدرت کی قسم، اور جو غیر اللہ کے نام سے قسم کھائے، مثلاً نبی کی قسم، قرآن کی قسم، کعبہ کی قسم تو قسم منعقد نہ ہوگی اسی طرح جو اللہ کی ایسی صفتوں سے قسم کھائے جن سے عرف میں قسم نہیں کی جاتی مثلاً کہا اللہ کی رحمت کی قسم یا اس کے علم کی، اس کی رضا کی، اس کے غضب کی، اس کے غصہ کی، اس کے عذاب کی تو قسم منعقد نہ ہوگی۔ اور قسم منعقد ہو جائے گی اگر ان الفاظ سے) قسم کھائے لعمر اللہ یا ایم اللہ یا وعہد اللہ یا ومیثاق اللہ سے، یا تو کہا میں قسم کرتا ہوں یا میں حلف کرتا ہوں یا شہادت دیتا ہوں اگرچہ ان کے ساتھ لفظ "اللہ" نہ کہے اور اسی طرح قسم منعقد ہو جائے گی اگر کہا) میرے اوپر نذر ہے یا یمین ہے یا عہد ہے اگرچہ اللہ کی طرف نسبت نہ کرے، یا کہا اگر ایسا کام کیا تو وہ کافر ہے (تو قسم منعقد ہو جائے گی) اگرچہ (اس کے خلاف ہونے پر) کافر نہ ہوگا خواہ گذشتہ فعل پر معلق کرے یا آئندہ کے فعل پر اسی طرح (قسم منعقد ہو جائے گی) اگر یوں کہا "سوگند میخورم بخدا ای (میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں) تو ماتن کی عبارت میں "قولہ لعمر اللہ" مبتدا ہے اور "قسم" اس کی خبر ہے اور "عمر اللہ" سے مراد اللہ کی بقا ہے اور تقدیر کلام یوں ہے کہ "میں اللہ کی بقا اور حیات کی قسم کھاتا ہوں" اور "ایم اللہ" کے بارے میں بعضوں نے کہا ہے کہ یہ یمین کی جمع ہے، اصل لفظ ایمن تھا کثرت استعمال کی بنا پر تخفیف کے لئے نون کو حذف کر دیا گیا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے "ایمن اللہ یمینی" اور بعضوں نے کہا ہے کہ "ایم" کا لفظ حروف قسم میں سے ہے جس طرح کہ واو حرف قسم ہے۔

تشریح:[1] قولہ او بصفۃ الخ عنایہ میں ہے کہ یہاں اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو ذات موصوفہ پر دلالت کرے جیسے رحمٰن و رحیم اور صفت سے مراد وہ مصادر ہیں جو کہ اللہ کے وصف سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً رحمت، علم، عزت وغیرہ۔

[2] قولہ لا بغیر اللہ الخ بلکہ غیر اللہ سے قسم کھانا حرام ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "اللہ تمہیں اپنے باپ دادا کے نام پر قسم کھانے سے منع فرماتا ہے تو جسے قسم کرنی ہے وہ اللہ کے نام سے قسم کرے یا تو خاموش رہے (بخاری مسلم وغیرہما عن ابن عمرؓ) اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے نام پر قسم بلا شبہ یمین ہے اور اللہ کی صفات سے قسم میں عرف کا اعتبار ہے اور غیر اللہ کے ساتھ قسم مطلقاً یمین نہیں ہے۔

[3] قولہ واقسم الخ یہ افعال مضارع کے صیغے ہیں اور ماضی کے صیغے کا حکم بھی ایسا ہی ہے مثلاً حلفتُ، شہدتُ یا اقسمتُ کیونکہ یہ الفاظ لغت اور عرف دونوں میں یمین کے لئے مستعمل ہیں اس لئے ان کے ساتھ اللہ کا نام ذکر نہ کرنے سے بھی قسم منعقد ہو جائے گی۔

[4] قولہ قد قیل الخ اس سے نحویوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے چنانچہ کوفیین کے نزدیک یہ لفظ ایمن سے ماخوذ ہے اور قسم میں اس کا نون لازمی طور پر محذوف رہتا ہے اور "ایمن" ہمزہ پر زبر "یا" پر جزم اور میم پر ضمہ کے ساتھ "یمین" کی جمع ہے اور بصریین کے نزدیک "وایم اللہ" کا مطلب ہے "واللہ" تو واو قسم کی ہے اور ایم کا کلمہ مستقل طور پر حلف کے لئے موضوع ہے جو زائد واقع ہوا ہے۔

وعھد اللہ بالجر بواسطۃ حرف القسم وقولہ وان لم یکفر انما قال ھذا لانہ علق الکفر بالفعل المذکور فیکون قسمًا بسبب التعلیق فعدم الکفر بذلک الفعل دل علی عدم صحۃ التعلیق فلا یصح القسم فعدم الکفر لما اوھم عدم صحۃ القسم فلدفع ھذا الوھم قال انہ قسم وان لم یکفر وانما یکون قسمًا لانہ لما علق الکفر بذلک الفعل فقد حرم الفعل وتحریم الحلال یمین وقولہ علقہ بماضٍ اواٰتٍ ای لا یکفر بھذا القول سواء علق الکفر بفعل ماضٍ او مستقبل وعند البعض ان علقہ بفعل ماضٍ یکفر لان التعلیق بفعل یعلم انہ قد وقع تنجیز لکن الصحیح انہ لا یکفر ان کان یعلم انہ یمین فان کان عندہ انہ یکفر بالحلف یکفر فیھما۔

ترجمہ:۔ اور " وعہد اللہ " دال پر زیر کے ساتھ، بسبب حرف قسم کے، اور مصنفؒ نے " وان لم یکفر " اس لئے فرمایا کہ جب اس نے کسی فعل پر کفر کو معلق کیا تو تعلیق کے سبب سے قسم ہوگی اب اگر اس فعل کے ارتکاب پر کفر لازم نہ آئے تو یہ دلالت کرے گا کہ تعلیق ہی صحیح نہیں ہوئی اور جب تعلیق صحیح نہیں تو قسم بھی صحیح نہ ہوگی اس لئے کفر لازم نہ ہونے سے قسم صحیح نہ ہونے کا وہم ہو سکتا تھا تو مصنف نے اس کو دفع کرنے کے لئے فرمایا کہ اگرچہ وہ کافر نہ ہوگا، لیکن پھر بھی قسم اس لئے ہو جائے گی کہ جب اس نے اس فعل پر کفر کو معلق کیا تو درحقیقت اس نے فعل مذکور کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور حلال کو حرام کر لینا قسم ہے اور مصنف کا قول " علقہ بماضٍ او اٰتٍ " اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس قول سے کافر نہ ہوگا خواہ اس نے فعل ماضی پر کفر کو معلق کیا ہو یا مستقبل پر، اور بعضوں کے نزدیک اگر فعل ماضی کے ساتھ معلق کیا ہو تو کافر ہو جائے گا کیونکہ جب اس نے جان بوجھ کر ایسے فعل کے ساتھ کفر کو معلق کیا جو کہ واقع ہو چکا ہے تو اسی وقت اس پر کفر ثابت ہو جائے گا، لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ اگر اسے یہ معلوم ہو کہ ایسی تعلیق یمین ہے تو وہ کافر نہ ہوگا اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ کفر کی قسم کھانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو ماضی و مستقبل دونوں صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔

تشریح:۔ لہ قولہ انما قال ہذا الخ یعنی حلف کرنے والے نے جب کسی امر کو کفر کے ساتھ معلق کیا اور کہا " اگر میں نے یہ کام کیا یا فلاں کام نہ کیا تو میں کافر ہوں " تو کفر کے ساتھ تعلیق کے باعث یہ قسم ہو گئی، اس سے لازم آتا ہے کہ اگر یہ شرط پائی جائے تو اس پر کفر ثابت ہو جائے حالانکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالبًا تعلیق ہی درست نہیں ہوئی اس لئے مصنفؒ نے " وان لم یکفر " کہہ کر عدم کفر کی صراحت کر دی، اور اس قول کو قسم قرار دے کر واضح کر دیا کہ کفر لازم نہ آنے سے بھی تعلیق صحیح ہے کیونکہ یہ تعلیق التزام کفر کے قصد سے نہیں بلکہ امتناع عن الفعل کی غرض سے ہے تو گویا اس نے اس فعل کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور تحریم حلال یمین ہے ۱۲

سلہ قولہ لان التعلیق الخ۔ یعنی ایسے امر کے ساتھ معلق کرنا جس کے واقع ہونے کا اسے علم ہو وہ بحکم تنجیز ہے چنانچہ اگر اس نے کہا کہ " فلاں کام اگر میں نے کیا ہو تو میں کافر ہوں " تو اگر وہ سچا ہو تب تو نہ وہ کافر ہوگا اور نہ اس پر کوئی مواخذہ ہوگا اور اگر جھوٹا ہو تو کافر ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں گویا اس نے خود اپنے اوپر کفر کو واقع اور ثابت کر دیا، اس کی تائید ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ " جس نے ملت غیر اسلام کی جھوٹی قسم کھائی قصد و ارادہ کے ساتھ تو وہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسا اس نے کہا (بخاری ومسلم)

سلہ قولہ لکن الصحیح الخ۔ کیونکہ یہ یمین محض اس فعل سے باز رہنے اور اپنی بات کو پکی کرنے کی غرض سے ہے اس لئے جب تک اس کا اعتقاد پختہ ہے اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی ہاں اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اس قسم کی بات سے کفر لازم آتا ہے پھر بھی جان بوجھ کر جھوٹا حلف کرتا ہے تو اس کی تکفیر کی جائیگی اس لئے نہیں کہ کفر کے ساتھ تعلیق کی تھی بلکہ کفر پر خود راضی ہو جانے کی بنا پر کیونکہ کفر پر راضی ہو جانا کفر ہے ۱۲

وحقاً وحق الله وحرمته وسوگند خورم بخدا ای یا بطلاق زن وان فعله فعلیه غضبه او سخطه او لعنته او انا زانٍ او سارق او شارب خمر او آکل ربوا لا و حروف القسم الواو والباء والتاء وتضمر كالله افعله وكفارته عتق رقبةٍ او اطعام عشرة مساكين كما مر في الظهار او كسوتهم لكل ثوب يستر عامة بدنه فلم يجز السراويل فان عجز عنها وقت الاداء اى عجز عن الاشياء الثلثة وقت ارادة الاداء صام ثلثة ايام ولاءً ولم تجز بلا حنث التكفير قبل الحنث لا يجوز عندنا حتى لو كفر قبل الحنث ثم حنث تجب الكفارة خلافاً للشافعيؒ فعنده اليمين سبب الكفارة والحنث شرط وجوب الاداء فيجوز التقديم عليه۔

ترجمہ:- اور قسم منعقد نہ ہوگی "حقا" اور "حق اللہ" اور "حرمت اللہ" سے اور اس طرح اگر کہے "سوگند خورم بخدائے" (قسم کھاؤں گا اللہ کی) یا قسم ہے عورت کے طلاق کی، یا اگر اس کام کو کرے تو اس پر اللہ کا غضب یا اس کی ناراضی یا اس کی لعنت نازل ہو، یا کہے اگر اس کام کو کروں تو میں زانی ہوں یا میں چور ہوں یا شارب خمر ہوں، یا سود خور ہوں تو قسم نہ ہوگی، اور قسم کے حروف واؤ، باء اور تاء ہیں اور کبھی قسم کا حرف حذف کر دیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں "اللہ افعلہ" کہ تقدیر اس کی باللہ لا فعلہ یعنی اللہ کی قسم میں اسے کروں گا، اور قسم (توڑنے) کا کفارہ ہے ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا (اس تفصیل کے ساتھ) جیسا کہ ظہار میں گذرا ہے یا دس مسکینوں کو پوشاک دینا اس طرح پر کہ ہر مسکین کو اتنا کپڑا دے کہ اس کا اکثر بدن چھپ جائے، تو اگر فقط پاجامہ (یا ازار) دے تو جائز نہ ہوگا، اور اگر ادا ئیگی کے وقت ان سے عاجز ہو یعنی جب کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کرے اگر اس وقت ان تینوں چیزوں میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو، تو لگاتار تین روزے رکھے اور حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں۔ یعنی ہمارے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں چنانچہ اگر قبل حنث کے کفارہ دیدیا پھر حانث ہوا تو دوبارہ کفارہ دینا واجب ہوگا۔ بخلاف امام شافعیؒ کے (کہ ان کے نزدیک قبل حنث کے کفارہ دینا درست ہے) کیونکہ ان کے نزدیک کفارہ کا سبب یمین ہے اور حنث وجوب ادا کی شرط ہے اس لئے (چونکہ سبب متحقق ہو چکا ہے تو) حنث پر کفارہ کو مقدم کرنا جائز ہوگا۔

تشریح:- لہ قولہ وحقا الخ "حقا" اور "حق اللہ" میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اکثر کا خیال یہ ہے کہ یہ یمین نہیں ہے، اور "حرمتہ" یہ احترام کا اسم ہے اور حرمت اللہ وہ ہے جس کی خلاف ورزی حلال نہیں، اس لئے کہ حقیقت میں یہ غیر اللہ کی قسم ہے، ایسے ہی "بحرمۃ لا الٰہ الا اللہ" اور بحق الرسول یا بحق الایمان یا بحق الصلوٰۃ وغیرہ حلف نہیں ہے اور "سوگند خورم" اس لئے یمین نہ ہوگی کیونکہ یہ تو آئندہ کے لئے وعدہ ہے جیسے "سوگند خوردہ ام" ماضی میں قسم کھانے کی خبر ہے، بخلاف "سوگند می خورم" کے کہ فی الحال انشاء یمین پر دلالت کرنے کی وجہ سے یہ یمین ہے اور "عورت کی طلاق کی قسم" اس لئے یمین نہیں کہ یہ غیر اللہ سے حلف ہے، نیز اس سے قسم کھانا متعارف نہیں، اگلے الفاظ ان فعلت کذا فعلی غضب اللہ الخ وغیرہ سے یمین نہ ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان سے قسم کھانا متعارف نہیں ۱۲

سلہ قولہ الواو الخ یہاں مصنفؒ نے صرف کثیر الاستعمال حروف قسم ذکر کئے، ان میں سے واؤ صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اور باء مظہر و مضمر دونوں پر داخل ہوتی ہے اور تاء صرف لفظ اللہ کے ساتھ آتی ہے اور حروف قسم میں سے "لام" مکسورہ بھی ہے اور یہ صرف اللہ کے نام پر آتی ہے بڑے بڑے امور میں قسم کھانے کے موقع پر جیسے "للہ" اور "ہا" بھی حرف قسم ہے جو بغیر الف اور الف کے ساتھ وصل کر کے اور جدا کر کے ہر طرح استعمال ہوتا ہے، اور میم مکسورہ یا مضمومہ بھی حرف قسم ہے جیسے "مُ اللہ" میم زبر کے ساتھ بھی آتا ہے ۱۲ (رد مامینی شرح التسہیل)

وعندنا الحنث سبب لان الیمین انعقدت للبرّ[1] والکفارۃ علی تقدیر الحنث
فلا یکون الیمین سببًا لها فالحنث سببٌ والیمین شرط فلا تقدام علی
الحنث وخلاف الشافعیؒ فی الکفارۃ المالیۃ فانہ یمکن ان یثبت نفس
الوجوب لا وجوب الاداء کما فی الثمن فنفس وجوبہ یتعلق بالمال ووجوب
الاداء بالفعل قلنا[2] المال غیر مقصود فی حقوق اللّٰہ[3] تعالیٰ فالکفارۃ المالیۃ
وغیر المالیۃ علی السواء علا ان نفس الوجوب ینفکّ عن وجوب الاداء
فی العبادات البدنیۃ فنفس الوجوب یتعلق بالھیأۃ الحاصلۃ للعبادۃ و
وجوب الاداء یتعلق بایقاع تلک الھیأۃ علی ما حققناہ فی شرح التنقیح۔

ترجمہ:۔ اور ہمارے نزدیک قسم کا توڑنا سبب کفارہ ہے، کیونکہ یمین تو منعقد ہوا ہے اس کو پورا کرنے (اور اس پر قائم رہنے) کے لئے اور کفارہ واجب ہوتا ہے قسم توڑنے کی صورت میں اس لئے یمین سبب کفارہ نہیں ہوگا بلکہ حنث کفارہ کا سبب ہے اور یمین شرط وجوب ہے لہٰذا کفارہ حنث پر مقدم نہیں ہو سکتا اور امام شافعیؒ کا یہ اختلاف صرف کفارہ مالیہ میں ہے کیونکہ مالی کفارہ میں یہ ممکن ہے کہ نفس وجوب ثابت ہو اور وجوب ادا ثابت نہ ہو جیسے ثمن کے اندر (نفس وجوب ثابت ہوتا ہے، بیع سے اور وجوب ادا، مطالبۂ ثمن سے) تو نفس وجوب کا تعلق مال سے اور وجوب ادا کا تعلق فعل سے ہوگا۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حقوق اللہ میں مال مقصود نہیں ہوا کرتا اس لئے کفارہ مالیہ اور غیر مالیہ دونوں برابر ہوں گے، علاوہ ازیں عبادت بدنیہ میں بھی نفس وجوب وجوب ادا سے جدا ہوتا ہے چنانچہ نفس وجوب عبادت کی مخصوص ہیئت سے متعلق ہوتا ہے اور وجوب ادا، اس ہیئت مخصوصہ کے ایقاع سے متعلق ہوتا ہے۔ شرح تنقیح میں ہم نے اس کی پوری تحقیق کی ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) [3] قولہ وقت ارادۃ الاداء الخ اس میں اشارہ ہے کہ وقت الاداء میں مضاف محذوف ہے کیونکہ وجوب صوم میں یہ شرط ہے کہ مال کفارہ سے عاجز ہو جبکہ وہ کفارہ ادا کرنے کا قصد کرے نہ اس وقت نہ اس سے پہلے نہ حنث سے پہلے اور نہ بعد میں اور نہ ادائیگی کے بعد اب اگر تونگری میں اس نے قسم توڑی پھر وہ تنگدست ہو گیا تو اسے روزے رکھنا جائز ہے اور اس کے عکس میں جائز نہیں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ للبرّ الخ باء پر کسرہ اور راء میں تشدید کے ساتھ "بررت فی القول والیمین" کہا جاتا ہے جبکہ دونوں میں سچا ہو۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ یمین کا انعقاد اُسے پورا کرنے اور جس پر قسم کھائی اس پر قائم رہنے اور اپنے حلف میں سچا ہونے ہی کی غرض سے ہوا کرتا ہے اور شریعت نے بھی قسم پوری کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "واحفظوا ایمانکم" (اپنی قسموں کی حفاظت کرو) لہٰذا یمین کفارہ کی طرف لیجانے والا نہیں ہے بلکہ یمین کے بعد جب حنث پایا جائے تو یہی مفضی الی الکفارہ ہوتا ہے تو حنث سبب کفارہ ہوگا اور یمین وجوب کفارہ کی شرط، اسی بنا پر حنث پر کفارہ کو مقدم کرنا جائز نہیں ورنہ سبب پر وجوب کا مقدم ہونا لازم آئیگا جو کہ درست نہیں ۱۲

[2] قولہ قلنا المال الخ خلاصہ یہ کہ مال سے متعلق حقوق اللہ مثلاً زکوٰۃ و کفارہ وغیرہ میں نفس مال مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے جس طرح عبادت بدنی میں ادا، فعل مقصود ہوتا ہے اس لحاظ سے عبادت مالی اور بدنی دونوں برابر ہیں تو اگر کفارہ بدنی کی تقدیم اس بنا پر ناجائز ہو کہ اس کا نفس وجوب وجوب ادا سے جدا نہیں ہوتا ہے اور اس میں ادا ہی مقصود ہے تو کفارہ مالی کی تقدیم بھی ٹھیک اسی سبب سے جائز نہ ہوگی ۱۲

[3] قولہ حقوق اللہ الخ یہ قید اس لئے لگائی تاکہ حقوق العبد جیسے بیع و شراء اور ہبہ وغیرہ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ومن حلف علی معصیۃ کعدام الکلام مع ابویہ حنث وکفر ولا کفارۃ فی

حلف کافر وان حنث مسلمًا ومن حرّم ملکہ لا یحرّم وان استباحہ کفّر

ای وان عامل بہٖ معاملۃ المباح کفّر لان تحریم الحلال یمینٌ لقولہ تعالٰی قد فرض

اللہ لکم تحلۃ ایمانکم علا ان الیمین ان کان علی فعل وجودیٍ فہو ایجابُ

المباح وان کان علی عدمیّ فہو تحریم الحلال ومن نذر مطلقًا ای غیر معلق

بشرطٍ نحو للہ علی صوم ھذا الیوم او معلقًا بشرط یریدہ کان قدِم

غائبی فوجد وفی وبما لم یردہ کان زنیتُ وفی او کفر ھو الصحیح۔

ترجمہ :۔ اور جو شخص کہ معصیت پر قسم کھائے مثلاً والدین کے ساتھ کلام نہ کرنے پر تو (واجب ہے اس پر کہ) وہ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے اور اگر کافر نے قسم کھائی تو اس پر کفارہ نہیں ہے اگرچہ اسلام لانے کے بعد وہ حانث ہو اور جو شخص اپنی مملوک شئ کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیز اس کے لئے حرام نہ ہوگی پھر اگر اس نے اس کو مباح کرلیا تو کفارہ ادا کرے۔ یعنی حرام کردہ چیز کے ساتھ اگر اس نے مباح کا سا معاملہ کیا (کہ اس سے نفع اٹھایا اور اس کو استعمال کیا) تو کفارہ لازم ہوگا کیونکہ کسی حلال شئ کو حرام کرلینا یمین ہے کیونکہ (اسی تحریم حلال کے بارے میں) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم" (اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرما دیا ہے) علاوہ ازیں یمین اگر کسی فعل کے کرلے پر ہو تو یہ دراصل مباح کو واجب کرنا ہے (کہ اس کے خلاف کرنے کو اپنے اوپر حرام کر دیا) اور اگر کسی فعل کے نہ کرنے پر ہو تب تو یہ سراسر حلال کو حرام کرنا ہے (اور جب یمین میں تحریم پائی جاتی ہے تو لامحالہ تحریم سے یمین منعقد ہو جائے گا) اور جو شخص نذر مطلق کرے یعنی نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق نہ کرے مثلاً کہے، اللہ کے لئے مجھ پر آج کے دن کا روزہ ہے یا کسی شرط کے ساتھ معلق کرے اور شرط بھی ایسی ہے کہ اس کے وجود کو وہ چاہتا ہے مثلاً کہے کہ "اگر میرا فلاں غائب واپس آجائے (تو مجھ پر ایک روزہ ہے) اور وہ شرط پائی گئی تو اپنی نذر پوری کرے اور اگر شرط ایسی ہے کہ اس کے ہونے کو نہیں چاہتا (بلکہ اس سے باز رہنے کا ارادہ ہے) مثلاً کہے کہ "اگر میں زنا کروں (تو مجھ پر ایک روزہ ہے) تو صحیح یہ ہے کہ اس میں اختیار ہے چاہے نذر پوری کرے اور چاہے کفارہ دے۔

تشریح :۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) سے احتراز ہو جائے کیونکہ ان معاملات میں ال ہی منصور داصل ہوا کرتا ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ ولا کفارۃ الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارہ ایک لحاظ سے عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ یہ روزے سے بھی ادا ہوتا ہے اور کافر عبادات کا اہل نہیں نیز وہ یمین کا بھی اہل نہیں اس لئے کہ وہ اللہ کی تعظیم کے لئے منعقد ہوتا ہے اور کفر اس کی منافی ہے اور اس کا شاہد اللہ تعالیٰ کا قول "تعالٰی فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم" جو کہ کفار کے ایمان شرعًا غیر معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وجوب کفارہ یمین کے معتبر ہونے پر موقوف ہے ۱۲

سلہ قولہ ومن نذر الخ چونکہ نذر یمین سے مشابہ ہے کہ دونوں میں تحریم حلال اور ایجاب مباح پایا جاتا ہے اس لئے اس کو باب الایمان میں ذکر فرمایا چنانچہ جس نے کہا "علی نذر" اور کسی قربت کا نام نہیں لیا اس پر کفارہ قسم واجب ہے جیسا کہ گذر چکا ۱۲

سلہ قولہ وفی الخ یعنی اس پر نذر کا ادا کرنا اور پورا کرنا لازم ہے حق تعالیٰ نے فرمایا "ولیوفوا نذورہم" اور صحت نذر اور وجوب وفا کی متعدد شرائط ہیں (۱) نذر اللہ کے تقرب کے لئے ہو کہ غیر اللہ کی نذر حرام ہے اور اس کو پورا کرنا لازم نہیں بلکہ غیر اللہ کی نذر کھانا حرام ہے۔ قاسم بن قطلوبغا نے تصریح کی ہے کہ وہ سب منتیں جو مُردوں کے نام پر عوام میں مروج ہیں مثلاً اے میرے سردار! اگر میرا غائب واپس آجائے یا میرا مریض شفا حاصل کرے تو تیرے لئے اتنا سونا، چاندی یا اتنے کپڑے یا اتنا کھانا، یا تیل یا بتیاں ہیں۔ ایسی نذریں حرام اور باطل ہیں۔ کیونکہ یہ مخلوق کے نام پر ہیں اور اولیاء کی قبروں یہاں کے تقرب کے لئے جو چراغ، تیل، دراہم اور حلوے لے جاتے ہیں وہ حرام ہیں (باقی صفحہ آئندہ پر)

انما قال هذا احترازا عن القول الاخر وهو وجوب الوفاء سواء علقه بشرط یریده اولا یریده وانما کان هذا صحیحا لانه اذا علقه بشرط لا یریده ففیه معنی الیمین وهو المنع لکنه بظاهره نذر فیتخیر اقول ان کان الشرط امرا حراما کان زنیت مثلا ینبغی ان لا یتخیر لان التخییر تخفیف والحرام لا یوجب التخفیف ومن وصل ان شاء الله تعالی بحلفه بطل۔

ترجمہ:۔ مصنفؒ نے ہو الصحیح اس لئے فرمایا تاکہ دوسرے قول سے احتراز ہو جائے اور وہ قول یہ ہے کہ ہر حال میں نذر پوری کرے خواہ شرط کا وجود اس کا منشا ہو یا منشا نہ ہو۔ اور قول مذکور (فی المتن) صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنی نذر کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جس کے وجود کا وہ خواہاں نہیں تو اس میں یمین کے معنی پیدا ہو گئے یعنی اس نے نذر کے ذریعہ اس فعل سے باز رہنے کو اپنے اوپر لازم کیا لیکن بظاہر نذر ہے اس لئے اسے اختیار دیا جائے گا۔ شارح فرماتے ہیں کہ اگر حرام کام کی شرط ہو مثلاً کہے کہ "اگر میں زنا کروں" تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ اختیار نہ دیا جائے کیونکہ اختیار دینے میں سہولت ہے اور حرام کا ارتکاب موجب سہولت نہیں، اور اگر قسم کھائی اور اس کے متصل کہا "ان شاء اللہ تعالیٰ" تو قسم باطل ہو جائیگی

تشریح (بقیہ صدگذشتہ) اس کا کھانا جائز نہیں نہ فقیر کو نہ غنی کو اور قبروں کے خادم کے لئے بھی ان کا لینا جائز نہیں البتہ اگر نیت اللہ کے تقرب کا ہو اور ولی کا نام محض خرچ کا محل بیان کرنے کے لئے ہو تو فقیر خدام اور مجاور کے لئے لینا جائز ہے غنی کے لئے جائز نہیں کیونکہ غنی نذر کا مصرف نہیں (۲) نذر معصیت کی نہ ہو اگر حرام لعینہ ہو تب نذر منعقد ہی نہیں ہوگی اور اگر حرام لغیرہ ہو تو نذر منعقد ہو جائے گی جیسے نذر یوم النحر کے روزہ کی۔ (۳) نذر سے پہلے وہ چیز اس پر واجب نہ ہو ورنہ نذر لغو ہوگی مثلاً حج فرض یا نماز ظہر ادا کرنے کی نذر کہ اس سے زائد کوئی بات لازم نہ ہوگی (۴) غیر مملوک کی نذر نہ ہو (۵) نذر کی ہوئی چیز امر محال نہ ہو (۶) امر منذور شرعی واجب کی جنس میں سے ہو۔ (۷) عبادت مقصودہ ہو۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مجلس میلاد وغیرہ کی نذر جس کا رواج عوام میں ہے اس کا پورا کرنا لازم نہیں۔

(حاشیہ صدہذا) ؎ قولہ ومن وصل الخ۔ اس سے احتراز ہو گیا اس صورت سے جبکہ حلف کے بعد منفصل کر کے ان شاء اللہ کہے کہ اس سے قسم باطل نہ ہوگی کیونکہ استثناء معتبر ہے جبکہ متصل ہو اور جدا ہونے سے معتبر نہیں جیسا کہ کتب اصول میں مذکور ہے ۱۲

بابُ الحلف بالفعل

من حلف لا يدخل بيتاً يحنث بدخول صُفّة لا الكعبة او مسجد او بيعة او كنيسة او دهليز وظلّة باب دار لان البيت موضع اُعِدّ للبيتوتة فالصُفّة بيتٌ لا هذه المواضع كما في لا يدخل داراً فدخل داراً خربة حيث لا يحنث وفي هذه الدار يحنث ان دخلها منهدمة صحراء او بعد ما بُنِيت اخرى او وقف على سطحها وقيل في عرفنا لا يحنث به اى بالوقوف على السطح كما لو جعلت مسجداً او حمّاماً او بستاناً او بيتاً او دخلها بعد هدم الحمّام حيث لا يحنث لانها لم تبق داراً اصلاً وكهذا البيت ودخله منهدماً صحراء او بعد ما بنى بيتاً آخر فانه لا يحنث لزوال اسم البيت۔

کسی کام پر قسم کھانے کا بیان

ترجمہ:۔ جس شخص نے قسم کھائی کہ "گھر میں داخل نہ ہوگا" اور سائبان میں چلا گیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر کعبہ میں، یا مسجد میں یا معبد نصاریٰ یا یہود میں یا دہلیز میں یا گھر کے دروازے کے چھجے میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اس لئے کہ بیت (گھر) وہ جگہ ہے جو رات بسر کرنے کے لئے بنائی جاتی ہو پس سائبان تو گھر ہے مگر یہ مواضع گھر نہیں ہیں۔ جیسے کہ قسم کھائے کہ دار میں داخل نہ ہوگا پھر کسی ویرانہ جگہ میں داخل ہو جائے کہ اس سے قسم نہیں ٹوٹے گی، اور اگر حلف کرے کہ اس دار میں داخل نہ ہوگا پھر اگر اس میں داخل ہوا گھر منہدم ہو کر میدان ہو جانے کے بعد یا اس کی جگہ دوسرا گھر بنا لینے کے بعد یا اس کی چھت میں چڑھ گیا، تو حانث ہو جائے گا۔ اور بعضوں نے کہا کہ ہمارے عرف میں اس سے حانث نہ ہوگا۔ یعنی چھت پر چڑھنے سے حانث نہ ہوگا۔ جس طرح اگر وہ دار مسجد یا حمام یا باغ یا بیت بنا لیا جائے یا حمام بنانے کے بعد وہ گر جائے پھر اس میں داخل ہو، تو حانث نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ سرے سے دار ہی باقی نہ رہا اور اگر قسم کھائی کہ اس بیت میں داخل نہ ہوگا پھر وہ گر کر میدان ہو جانے کے بعد یا دوسرا گھر بن جانے کے بعد اس میں داخل ہوا۔ تو حانث نہ ہوگا کیونکہ (ان تغیرات کے بعد) اس گھر کا نام جاتا رہا

تشریح:۔ لہ قولہ یحنث الخ۔ اس باب میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ایمان کی بنیاد عرف پر ہے جب تک کہ متکلم اپنے لفظ سے دوسرے کسی احتمالی مفہوم کی نیت نہ کرے کیونکہ متکلم عرف کے مطابق کلام کرتا ہے، اور اسی اصل پر اس باب کے فروع متفرع ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایمان کی بنیاد حقیقت لغویہ پر ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کی بنیاد استعمال قرآنی پر ہے ۱۲

سلہ قولہ وفی ہذہ الدار الخ۔ تلخیص جامع کبیر کی شرح میں ہے کہ اگر کہے "واللہ لا ادخل ہذہ الدار" یعنی متعین گھر کی طرف اشارہ کرکے، پھر وہ گھر لوٹ کر خالی میدان ہو جائے اور اس میں داخل ہو تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ عمارت منہدم ہونے کے بعد بھی مکان کا نام باقی ہے اس لئے کہ لغت میں اس احاطہ کو مکان کہا جاتا ہے اور یمین جب کسی نام سے متعلق ہو تو اس کا نام باقی رہنے تک یمین باقی رہے گا اور نام مٹ جانے سے یمین بھی ختم ہو جائیگا اور ان اوصاف کا اعتبار نہ ہوگا جن پر یہ نام مشتمل نہیں، بخلاف اس صورت کے جب نکرہ استعمال کرے اور کہے "واللہ لا ادخل دارا" کیونکہ نکرہ جو کہ غائب ہے وہ وصف ہی سے پہچانا جاتا ہے، تو ویران گھر میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔ اور غائب سے غیر معین مراد ہے، اور عمارت دار کا وصف ہے کیونکہ دار کی حقیقت وہ احاطہ ہے جس پر عمارت بنائی جاتی ہے اب جبکہ دار نکرہ لایا اور نکرہ وصف سے پہچانا جاتا ہے تو گویا اس نے یوں کہا "کہ میں ایسے مکان میں داخل نہ ہونگا جو کہ موصوف بالبناء ہے" پس حانث ہونے میں وصف بناء کا پایا جانا معتبر ہوگا اور معرفہ میں مزید تعریف کی ضرورت نہیں۔ اس لئے وصف لغو ہوگا اور اس سے معرفہ مقید نہ ہوگا ۱۲ (باقی صہ آئندہ پر)

واعلم انهم قالوا في لا يدخل هذه الدار فدخلها منهدمة انه يحنث لان اسم الدار يطلق على الخربة فهذه العلة توجب الحنث في لا يدخل دارًا فدخل دارًا خربة ثم فرقوا بان الوصف في الحاضر لغو فرق واه لان معناه انه اذا وصف المشار اليه بصفة نحو لا يكلم هذا الشاب فكلمه شيخا يحنث لان الوصف بالشباب صار لغوا وفي قولنا لا يدخل هذه الدار ولا يدخل دارًا اين الوصف حتى يكون لغوًا في احدهما وغير لغو في الآخر۔

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ فقہاء فرماتے ہیں "اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس دار میں داخل نہ ہو گا پھر منہدم ہو جانے کے بعد اس میں داخل ہوا تو حانث ہو گا۔ کیونکہ دار کا اطلاق منہدم شدہ پر بھی ہوتا ہے" تو اس علت سے لازم آتا ہے کہ اگر مطلق دار میں داخل نہ ہونے کی قسم کھائے پھر کسی ویران مکان میں داخل ہو جائے تو حانث ہو جائے گا (حالانکہ متن کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس صورت میں حانث نہیں ہو گا) پھر جنہوں نے ان دونوں صورتوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ شئ حاضر میں وصف کا اعتبار نہیں، یہ وجہ فرق بالکل ضعیف ہے، کیونکہ وصف حاضر معتبر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب حاضر مشار الیہ کو کسی خاص صفت سے موصوف کیا جائے، مثلاً یوں کہے کہ "اس جوان شخص سے گفتگو نہیں کرے گا" پھر بوڑھا ہو جانے کے بعد اس سے گفتگو کرے تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ یہاں جوانی کا وصف معتبر نہیں، لیکن ہمارے مذکورہ قول "لا یدخل ہذہ الدار" یا "لا یدخل داراً" میں وصف کہاں ہے جو کہ دونوں میں سے ایک میں لغو ہو جائے گا اور دوسرے میں لغو نہیں ہو گا۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) سے قولہ کما لو حلفت الخ یعنی اگر قسم کھائے کہ "اس گھر میں داخل نہ ہو گا" پھر گھر منہدم ہو جائے اور اس کی جگہ مسجد بن جائے یا باغ لگا دیا جائے یا گرمبے یا حمام بنے پھر وہ اس میں داخل ہو تو حانث نہ ہو گا اس لئے کہ اب اس پر دار کا نام نہیں رہا بلکہ دوسرا نام آگیا۔ اور اگر پھر وہ حمام وغیرہ منہدم ہو جائے اور اس جگہ پر دوبارہ گھر بنا لیا جائے تو بھی اس میں داخل ہونے سے حانث نہ ہو گا کیونکہ اب اس پر دار کا اطلاق نئے سبب سے ہو رہا ہے اس لئے یہ بھی دوسرے نام کے حکم میں ہو گا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ واعلم انہم الخ دار نکرہ اور معرفہ کا جو فرق بتلایا گیا ہے کہ معرفہ کی صورت میں ویران گھر میں داخل ہونے سے حانث ہو جائے گا۔ اور نکرہ کی صورت میں حانث نہ ہو گا۔ اس پر یہاں سے چند اشکالات پیش کر رہے ہیں نیز دار معرفہ اور بیت معرفہ کے درمیان فرق پر بھی اشکال ہے کہ دار منہدم ہو کر بیدان ہو جانے کے بعد داخل ہونے سے حانث ہو گا اور بیت کی قسم کی صورت میں انہدام کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہو گا ۱۲

سے قولہ این الوصف الخ شارح کے اعتراضات کا حاصل یہ ہے کہ (۱) دار معرفہ منہدم کی صورت میں جس علت کے باعث حانث ہوا اس کا تقاضا یہ ہے کہ نکرہ کی صورت میں بھی حانث ہو جائے۔ اور (۲) حاضر میں عدم اعتبار وصف اور غائب میں وصف کے اعتبار کا فرق صحیح نہیں کیونکہ یہ ضابطہ اس وقت کار آمد ہے جبکہ مشار الیہ مستقل وصف سے موصوف ہو۔ "جیسے ہذا الشاب" کی مثال میں وصف شباب لغو ہو جاتا ہے اور یہیں متعلق بنا آفات موصوف ہے، لیکن زیر بحث مسئلہ میں یعنی لا ادخل ہذہ الدار" یا "لا ادخل داراً" میں سرے سے کوئی وصف ہی نہیں کہ معرفہ میں اس کے لغو ہونے کا حکم دیا جائے، اور نکرہ میں معتبر ہو۔ (۳) تیسرا اعتراض ثم ہذا المعنی الخ سے وارد کیا کہ اگر وصف کے لغو اور اعتبار کی مذکورہ تقریر ثابت ہو جائے تو لازم آئے گا کہ بیت معرف میں حانث ہو جائے اور بیت منکر میں حانث نہ ہو کیونکہ بیتوتت بھی تو وصف ہے تو حاضر میں اس کا اعتبار نہ ہو اور غائب میں اعتبار ہونا چاہیئے، اس لئے دار معرفہ اور بیت معرفہ میں یہ فرق صحیح نہیں کہ اول میں انہدام کے بعد داخل ہونے سے حانث ہو گا اور دوسرے میں انہدام کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہو گا۔ (۴) اور چوتھے اعتراض کی طرف اشارہ کیا ثم قالوا الخ سے ۱۲

ثم هذا الفرق يوجب الحنث في لا يدخل هذا البيت وعدمه في لا يدخل بيتًا [۱] ان دخله منهدمًا صحراء لان البيتوتة وصف فيلغو في المشار اليه فزوال اسم البيت ينبغي ان لا يعتبر في المشار اليه ثم قالوا في لا يدخل هذه الدار فدخلها بعد ما بنيت حمامًا انه لا يحنث لانه لم يبق دارًا اقول لفظ الدار في الدار المعمورة غالب الاستعمال وقد يطلق ايضًا على المنهدمة فاذا قيل لا ادخل دارًا فالاولى ان يراد الدار المعمورة وايضًا وجوب صرف المطلق الى [۲] الكامل اوجب ارادة الدار المعمورة واذا قيل لا يدخل هذه الدار فانهدم بناؤها [۳] فصحة اطلاقها على المنهدمة ترجحت بالاشارة فيحنث ان دخلها منهدمة۔

ترجمہ :۔ پھر اگر اس دو فرق کا اعتبار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ "لا یدخل ہذا البیت" میں حانث ہو جائے اور "لا یدخل بیتا" میں حانث نہ ہو، جبکہ گھر منہدم ہو کر میدان ہونے کے بعد اس میں داخل ہو، کیونکہ لفظ بیت میں بیتوتت (شب گذاری کے قابل ہونا) وصف ہے تو مشار الیہ کی صورت میں لغو ہوگی اس لئے اشارہ کے ساتھ تعیین کی صورت میں (منہدم ہو کر) اسم بیت زائل ہونے کا اعتبار نہ ہونا چاہیے (حالانکہ اشارہ کی صورت میں بھی وصف کا اعتبار کیا گیا ہے کما فی المتن) نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ "لا یدخل ہذہ الدار" کی صورت میں اگر اس کے انہدام اور اس کی جگہ حمام بننے کے بعد داخل ہو تو حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ دار نہیں رہا (حالانکہ حاضر میں وصف کا اعتبار نہ ہونے سے حمام بننے کے بعد داخل ہونے سے بھی حانث ہونا چاہیے۔ بہرحال فقہاء کا بیان کردہ وجوہ مذکورہ جبکہ لندوش ہیں تو آگے خود شارح وجہ فرق کے سلسلہ میں اپنی رائے ظاہر فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں لفظ "دار" عموما تعمیر شدہ مکان پر استعمال ہوتا ہے اور کبھی ویران مکان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے پس جب یہ کہا جائے "لا ادخل دارا" (میں مکان میں داخل نہ ہوں گا) تو اس سے تیار مکان مراد لینا ہی مناسب ہے عرف عام کا لحاظ کرتے ہوئے نیز لفظ مطلق کو جبکہ فرد کامل پر محمول کرنا ضروری ہے تو (اس قاعدہ کی رو سے) بنا ہوا مکان مراد لینا ضروری ہوگا۔ (کیونکہ حلف میں لفظ دار مطلق ہے اور تعمیر شدہ مکان ہی اس کا فرد کامل ہے) اور جب یوں کہے "لا یدخل ہذہ الدار" پھر وہ گھر منہدم ہو جائے تو چونکہ ویران مکان پر بھی دار کا اطلاق صحیح ہے تو اشارہ پائے جانے کی بنا پر اس استعمال کی ترجیح ہوگی۔

تشریح: [۱] قولہ ان دخلہ الخ۔ یہ ہذا البیت، معرفہ اور بیتا منکر دونوں کی قید ہے ۱۲

[۲] قولہ الی الکامل الخ۔ یعنی اس کے فرد کامل کی طرف، کیونکہ مطلق کے اطلاق پر فرد کامل ہی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے اسی بنا پر فقہاء کے استعمال میں جب "من السنۃ" بولا جاتا ہے تو یہ سنت مؤکدہ پر محمول ہوتا ہے اور "ہذا مکروہ" کو مکروہ تحریمی پر محمول کیا جاتا ہے اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔

[۳] قولہ فصحۃ الخ۔ دار نکرہ اور دار معرفہ میں فرق کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کہا "لا ادخل دارا" تو اس میں دار کو تعمیر شدہ مکان پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہی دار کا فرد کامل ہے۔ اور دار کا زیادہ تر استعمال اسی پر ہوتا ہے تو اگر انہدام کے بعد داخل ہو تو حانث نہ ہوگا۔ اور معرفہ کی صورت میں جب گھر مشار الیہ ہوا اور اشارہ ذات کی طرف ہوا کرتا ہے (دوسری تمام چیزوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس لئے یہاں مطلق دار پر محمول ہوگا خواہ تعمیر شدہ ہو یا منہدم ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ دار کا اطلاق بلا شبہ غیر تعمیر شدہ پر بھی صحیح ہے اگرچہ یہ استعمال کم ہے (باقی صفحہ آئندہ پر)

وان بُنیت دارا اخری یحنث بدخولها ایضاً امّا لو جعلت حمّامًا او بستانًا فلا یحنث لانه زال عنها اسم الدار بالکلیة واما البیت فلا یطلق الا علی موضع اُعِدَّ للبیتوتة فاذا خرب لم یصح اطلاق البیت علیه اصلاً و لا یقال ان البیتوتة وصف والوصفُ فی المشار الیه لغو لانّ البیت اسم جنس مع انه مشتق من البیتوتة ولیس اسمَ صفة کالشاب ونحوه فاسم الاشارة اذا دخل فی الصفات یکون الوصف لغوا نحو لا یکلم هٰذا الشاب فکلّمه شیخًا یحنث امّا ان دخل فی اسماء الاجناس وان کانت مشتقة نحو والله لا یشرب هٰذه الخمر فلابُدّ من بقاء حقیقتها حتی لو تخلّل فشرب لا یحنث ولو حلف لا یشرب هٰذه الخمر الحلو فشرب بعد ما صار مرًّا یحنث فاحفظ هٰذا البحث فانه مزلّة الاقدام۔

ترجمہ:۔ اسی طرح اس مکان کے انہدام کے بعد اگر اس کی جگہ دوسرا مکان بنالیا جائے اور اس میں داخل ہو تب بھی حانث ہوگا، ہاں اگر اس کی جگہ حمام بنالیا یا باغ آباد کرلیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اب اس سے اسم دار بالکل ختم ہوگیا لیکن لفظ بیت صرف اُس موضع کے لئے بولا جاتا ہے جو رات بسر کرنے کے لئے بنایا جائے تو جب وہ ویران ہوجائے اس پر بیت کا اطلاق ہی سرے سے صحیح نہ ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا ہے کہ بیتوتت تو وصف ہے اور مشار الیہ حاضر میں وصف کا اعتبار نہیں ہوتا۔ کیونکہ لفظ بیت بیتوتت سے مشتق ہونے کے باوجود لفظ شاب وغیرہ کی طرح اسم صفت نہیں بلکہ اسم جنس ہے اور اسم اشارہ جب صفات میں داخل ہو تب وصف لغو ہوجاتا ہے مثلاً کہے "لا یکلم ہذا الشاب" پھر کلام کرے اس کے بوڑھے ہونیکے بعد ہو تو حانث ہوجائے گا، لیکن اسم اشارہ اگر اسم جنس پر داخل ہو، خواہ وہ اسم جنس مشتق ہو، مثلاً یوں کہا "واللہ لا یشرب ہذہ الخمر" تو ضروری ہے کہ اس کی حقیقت اور اصلیت باقی رہے چنانچہ اگر وہی شراب سرکہ بننے کے بعد پئے تو حانث نہ ہوگا اور اگر یوں حلف کرے "لا یشرب ہذہ الخمر الحلو" (یعنی میٹھی کی صفت بڑھاکر) پھر یہ شراب تلخ اور کڑوی ہونے کے بعد پی لے تو حانث ہوجائے گا، اس تحقیق کو خوب یاد رکھو کیونکہ یہ لغزش کا مقام ہے۔

تشریح (بقیہ در گذشتہ) تعمیر شدہ پر استعمال کے مقابلہ میں لیکن اشارہ پائے جانے کی وجہ سے اس معنی پر محمول کرنے کی ترجیح حاصل ہوگئی اس لئے انہدام کے بعد داخل ہونے سے بھی حانث ہوجائے گا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ اُعِدّ الخ یعنی جو رات گذارنے کے لئے تیار کیا گیا ہو اور یہ تب ہوسکتا ہے کہ وہاں گھر ہو، خلاصہ یہ کہ بیت محض خالی احاطہ کا نام نہیں اور ویران پر اس کا استعمال نہیں ہوتا نہ زیادہ نہ کم بلکہ اسکا استعمال خاص ہے بنا والے گھر پر بخلاف دار کے کہ اس کا اطلاق ویران پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ حقیقت احاطہ مکان کا نام ہے، اسی لئے دار معرفہ اور دار نکرہ کے حکم میں فرق ہوگیا اور بیت معرفہ اور بیت نکرہ کا حکم ایک رہا کہ بیت منہدم ہوجانے کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا ۱۲

لہ قولہ لان البیت الخ یہ لا یقال کی علت ہے اور اس اشکال کا جواب ہے خلاصہ یہ کہ بیت اگرچہ بیتوتت سے مشتق ہے لیکن یہ اسم جنس ہے، جو کہ موضوع ہے اس کے لئے جہاں شب بسر کی جاتی ہے اس وصف سے قطع نظر کرکے، و باقی صفحہ آئندہ پر

او هٰذه الدار فوقف فی طاق باب لو اُغلِق کان خارجًا او لا یسکنها وهو ساکنها او لا یلبسه وهو لابسه او لا یرکبه وهو راکبه فاخذ فی النقلة ونزع ونزل بلا مکث اي اذا حلف لا یسکن هذه الدار وهو ساکنها فلا بُدّ من ان یاخذ فی النقل بلا مکث حتی لو مکث ساعة یحنث وهذا عندنا واما عند زفرؒ یحنث لوجود السکنی وان قلّ قلنا الیمین شرعت للبرّ فزمان تحصیل البرّ یکون مستثنی وکذا فی لا یلبسه وهو لابسه ولا یرکبه وهو راکبه او لا یدخل فقعد فیها فانه لا یحنث به فان الدخول هو الانتقال من الخارج الی الداخل فلا یحنث بالمکث بخلاف السکنی واللبس والرکوب فانه فی حال المکث ساکن ولابس وراکبٌ فمن قولنا.

ترجمہ:۔ یا اگر حلف کرے کہ اس دار میں داخل نہ ہوں گا پھر وہ گھر کے دروازہ کی چوکھٹ کے ایسے مقام پر آ کر کھڑا ہو کہ دروازہ بند کر دینے سے وہ باہر رہ جائے تو حانث نہ ہوگا یا اگر کوئی شخص ایک مکان میں ساکن ہے یا ایک کپڑا پہنا ہوا ہے یا ایک جانور پر سوار ہے اور قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا یا یہ کپڑا نہیں پہنے گا یا اس جانور پر سوار نہ ہوگا اور بلا توقف اسی وقت اس گھر سے نکل گیا اور اس کپڑے کو اتار دیا اور اس جانور سے اتر پڑا تو حانث نہ ہوگا۔ یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس مکان میں سکونت نہیں کرے گا حالانکہ وہ اس حلف کے وقت وہاں سکونت پذیر ہے تو ضروری ہے کہ وہ بلا توقف وہاں سے منتقل ہو جائے یہاں تک کہ اگر وہ اس کے بعد ایک لمحہ بھی ٹھہر جائے تو حانث ہو جائے گا۔ یہ ہمارا مذہب ہے لیکن امام زفرؒ کے نزدیک بہرحال حانث ہو جائے گا کیونکہ قسم کے بعد سکونت پائی گئی اگرچہ تھوڑی دیر ہی سہی، ہماری دلیل یہ ہے کہ قسم اس واسطے مشروع ہے کہ اُسے پوری کی جائے تو قسم پوری کرنے کا موقع حاصل ہونے کا زمانہ، قسم سے مستثنیٰ ہوگا ورنہ تکلیف مالایطاق لازم آئے گا اور یہی حکم ہے یہ کپڑا نہ پہننے کی قسم میں جبکہ وہ اس کو پہنا ہوا ہو اور اس جانور پر سوار نہ ہونے کی قسم میں جبکہ وہ اس جانور پر سوار ہو (کہ قسم پوری کرنے کی مقدار وقت کی مہلت ملے گی) یا اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوں گا (حالانکہ وہ حلف کے وقت اس گھر میں موجود تھا) پھر اس میں بیٹھ رہا تو اس بیٹھ رہنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اس نے تو داخل نہ ہونے کی قسم کھائی ہے اور دخول کہتے ہیں باہر سے اندر آنے کو، تو ٹھہرنے کے باعث حانث نہ ہوگا۔ (کہ یہ دخول نہیں ہے) بخلاف سکونت اور پہننے اور سوار ہونے کے کہ ٹھہر کی حالت میں وہ سکونت کرنے والا اور کپڑا پہننے والا اور سوار ہونے والا ہے (اس لئے ان صورتوں میں ادنیٰ توقف سے قسم ٹوٹ جائے گی) پس مصنفؒ کا قول (متن کتاب میں)

تشریح:۔ (دبقیہ گذشتہ) اور مذکورہ ضابطہ اسماء اوصاف میں جاری ہوتا ہے اسماء اجناس میں نہیں اور اسماء اجناس میں حقیقت باقی رہنے اور نہ رہنے کا اعتبار ہوتا ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) لہ قولہ او ہٰذہ الدار الخ اس کا عطف ہے سابق عبارت "وکذا البیت" پر یعنی اگر حلف کرے "اس گھر میں داخل نہ ہوگا" تو دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے ہونے سے حانث نہ ہوگا بشرطیکہ اگر دروازہ کو بند کیا جائے تو وہ دروازے سے باہر رہے کیونکہ اس طرح کی جگہ گھر سے باہر شمار کیا جاتا ہے اس لئے اس میں اگر کھڑا ہو تو داخل ہونے کے حکم میں نہیں ہے، اور اگر یہ چوکھٹ ایسی ہو کہ دروازہ بند کرنے سے اندر پڑ جائے تو داخل ہونے کی قسم میں حانث ہو جائیگا اور اگر کسی نے قسم کھائی "لا اخرج من ہٰذہ الدار" پھر وہ چوکھٹ پر کھڑا ہو تو دونوں حالتوں میں حکم پلٹ جائے گا، چنانچہ پہلی صورت میں حانث ہوگا اور دوسری صورت میں حانث نہ ہوگا ۱۲

سلے قولہ فی النقلۃ الخ نون پر پیش اور قاف پر سکون کے ساتھ یعنی نہ رہنے کی قسم کے بعد اگر اس گھر سے فوری منتقل ہونے لگے، قولہ "نزع" یعنی اس کپڑے کو نہ پہننے کی قسم کے بعد فوری طور پر اسے بدن سے اتار ڈالے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وقیل فی عرفنا لایحنث الی ھھنا الحکم عدم الحنث الا ان یخرج ثم یدخل ھذا استثناء[1] مفرّغ من قبیل الظرف فانہ قولہ الا ان یخرج معناہ الا الخروج ثم المصدر یقع حینًا نحو اٰتیك خفوق النجم ای وقت خفوقہ فتقدیر الکلام فی قولہ لایدخل نقعد لایحنث فی وقت[2] الا وقت خروجہ ثم دخولہ وفی لایسکن ھذہ الدار لابد من خروجہ باھلہ ومتاعہ اجمع حتی یحنث بوتد بقی ھذا عند ابی حنیفۃ واما عند ابی یوسف فیعتبر نقل الاکثر واما عند محمد فیعتبر ما یقوم بہ کدخدائیتہ[3] قالوا ھذا احسن وارفق بالناس بخلاف المصر والقریۃ فانہ لایشترط نقل الاھل والمتاع۔

ترجمہ:۔ "وقیل فی عرفنا لایحنث" سے لے کر یہاں تک قسم نہ ٹوٹنے کے احکام تھے (پھر فرمایا) مگر یہ کہ گھر سے نکل جائے پھر اندر داخل ہو (تو حانث ہو جائے گا) یہ استثناء مفرغ (یعنی مستثنیٰ منہ محذوف ہے) جو ظرف زمان کے معنی پر مشتمل ہے کیونکہ ماتن کا قول "الا ان یخرج" (اَن مصدریہ کے سبب سے) بمعنی "الا الخروج" ہے پھر مصدر ظرف کے لئے بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "آتیک خفوق النجم" (میں تیرے پاس ستارہ ڈوبنے پر آؤں گا یعنی ستارہ ڈوبنے کے وقت آؤں گا، تو تقدیر کلام اس طرح ہوگی کہ "جب کہا داخل نہ ہوں گا پھر گھر ہی میں بیٹھ رہا تو حانث نہ ہوگا کسی وقت میں مگر جس وقت کہ وہ نکل جائے پھر داخل ہو (تو حانث ہو جائے گا۔) اور جس نے حلف کیا کہ اس گھر میں سکونت نہیں کروں گا تو ضروری ہے کہ خود اور کل اہل و اسباب نکال لے جائے یہاں تک کہ اگر ایک میخ بھی وہاں باقی رہے گی حانث ہو جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر اکثر اسباب منتقل کر لیا تو حانث نہ ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر اتنا سامان لے گیا ہے جس سے کتخدائی اور ضرورت معاش پوری ہو سکتی ہے تو حانث نہ ہوگا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ قول لوگوں کے حق میں بہتر اور زیادہ آسان ہے اس کے برخلاف اگر قسم کھائی کہ اس شہر یا اس گاؤں میں سکونت نہ کروں گا تو اس صورت میں ضروری نہیں کہ تمام اہل اور متاع لے جائے (بلکہ تنہا نکل جانے سے بھی حانث نہ ہوگا)

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) قولہ "نزل" یعنی اس سواری پر سوار نہ ہونے کی قسم کھانے کے بعد ہی اس سے اتر پڑے تو حانث نہ ہوگا ۱۲

سے قولہ قلنا الخ یہ امام زفرؒ کے قول کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ یمین کے انعقاد کی غرض یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے اور شریعت نے اس کا اعتبار کیا ہے اس منشاء سے کہ قسم کھائی ہوئی چیز انجام دی جائے تو اس قدر زمانہ کی مہلت ملنی ضروری ہے جس میں قسم پوری کرنی کی قدرت حاصل ہو اور یہ زمانہ تحصیل بر کے واسطے مستثنیٰ ہوگا بالضرورۃ، اب اگر اس قدر میں بھی حنث لازم آ جائے تو تکلیف مالایطاق لازم آئے گا جو کہ سراسر باطل ہے۔

سے قولہ بالمکث الخ اس لفظ سے شارحؒ نے اس طرف اشارہ کیا کہ متن میں قعود کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ ہر طرح ٹھہرنے کا حکم یکساں ہے چاہے بیٹھا رہے یا کھڑا رہے یا لیٹا رہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ استثناء مفرغ الخ مفرغ اسم مفعول کا صیغہ ہے اور استثناء مفرغ اس استثناء کو کہتے ہیں جس میں مستثنیٰ منہ محذوف ہو حاصل یہ ہے کہ "الا ان یخرج" "الا الخروج" کے معنی میں ہے اس لئے کہ ان یخرج پر اَن مصدریہ ہے جو کہ اپنے مابعد کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اور یہاں مصدر ظرف زمان کے لئے ہے تو اب معنی یہ ہوں گے "الا وقت الخروج ثم الدخول" اور مستثنیٰ منہ "اوقات" کا لفظ ہے ۱۲

[2] قولہ فی وقت الخ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مستثنیٰ منہ کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ عام مستثنیٰ اور غیر مستثنیٰ سب کو شامل ہو تاکہ استثناء صحیح ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ جواب میں ہم کہیں گے کہ فی وقت میں وقت نکرہ تحت النفی واقع ہوا ہے اور نکرہ تحت النفی عام ہوا کرتا ہے تو گویا اس نے یوں کہا "لایحنث فی کل وقت الا وقت خروجہ ثم دخولہ" ۱۲ (باقی صد آئندہ پر)

وحنث فی لا یخرج لو حُمل واُخرج بامره لا ان اُخرج بلا امره مُکرَهًا او راضیًا

ومثله لا یدخل اقسامًا وحکمًا فالاقسام ان یخرج بامره وان یخرج بلا امره

امّا مکرهًا او راضیًا والحکم الحنث فی الاول وعدمه فی الاٰخرین ولا فی لا یخرج

الا الی جنازة ان خرج الیها ثم الی امر اٰخر فانه لا یحنث لان خروجه لم یکن الا

الی الجنازة وحنث فی لا یخرج الی مکة فخرج یریدها ورجع لان الخروج الی

مکة قد تحقق لا فی لا یاتیها حتی یدخلها ای لو حلف ان لا یاتی مکة لا یحنث

حتی یدخلها.

ترجمہ:- اور اگر کسی نے حلف کیا کہ اس گھر سے باہر نہ جاؤں گا اور اس کو کوئی اٹھا کے باہر لے گیا تو اگر اس کے حکم سے لے گیا ہے تو حانث ہوگا اور اگر اس کے حکم کے بغیر لے گیا چاہے وہ راضی ہو یا ناراض تو حانث نہ ہوگا اور اگر حلف کیا ہو کہ اس گھر کے اندر نہ جاؤں گا تو یہ بھی اقسام اور حکم کے لحاظ سے "باہر نہ جاؤں گا" کے حلف کی مانند ہے۔ اقسام میں مانند ہونے سے مراد اس کے حکم سے نکالا جائے یا بلا حکم کے نکالا جائے خواہ زبردستی سے یا رضامندی کے ساتھ اور حکم میں مانند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اول صورت میں حانث ہوگا اور آخری دونوں صورتوں میں حانث نہ ہوگا۔ اور جس نے قسم کھائی کہ نہیں نکلوں گا مگر جنازہ کے لئے، پھر جنازہ کے لئے نکل کر دوسرے کام کے لئے چلا گیا تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ اس کا نکلنا تو صرف جنازہ ہی کے لئے ہوا اگرچہ ضمناً دوسرا کام بھی کر لیا اور اگر قسم کھائی کہ مکہ کی طرف نہ نکلوں گا اور مکہ کے قصد سے نکلا اور لوٹ آیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ مکہ کی طرف نکلنا تو پا لیا گیا، لیکن اگر حلف کرے کہ مکہ میں نہ آؤں گا تو حانث نہ ہوگا جب تک اس کے اندر نہ جاوے یعنی اگر یہ قسم کھائی کہ مکہ میں نہیں پہنچوں گا تو جب تک اس میں داخل نہ ہوگا حانث نہ ہوگا۔

تشریح۔ (بقیہ صد گذشتہ) ؎ قولہ کدخدائیۃ الخ کاف پر فتحہ، دال ساکن، خا پر ضمہ، پھر دال مہملہ اس کے بعد الف پھر ہمزہ اس کے بعد یا مشدد۔ یہ فارسی لفظ ہے، اردو میں کتخدائی بھی کہتے ہیں جس کے معنی ہیں خانہ داری اور ازدواجی زندگی ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) ؎ قولہ وحنث الخ یعنی اگر قسم کھائی کہ اس گھر سے یا اس مسجد سے نہ نکلے گا پھر کسی شخص نے اس کے حکم سے اُسے اٹھا کر باہر نکال دیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ مامور کا فعل آمر کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ اس سے خروج واقع ہوا لیکن اگر اس کے حکم کے بغیر کسی نے اٹھا کر باہر نکال دیا خواہ زبردستی نکالا ہو یا اس کی رضامندی سے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ خروج کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا امر سے نہ کہ محض رضامندی سے ۱۲

؎ قولہ مکرہًا الخ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی حالف خواہ مجبور ہو یا راضی ہو، ابن ہمام نے فتح القدیر میں بتلایا ہے کہ یہاں جبری اخراج سے مراد یہ ہے کہ اُسے اٹھا کر زبردستی نکال دے، صرف اکراہ مراد نہیں کہ کوئی اسے صرف ڈرائے اور وہ ڈر کر خود نکل جائے ایسا نکلنے سے حانث ہو جائے گا کیونکہ ہمارے نزدیک محض ڈرانے سے فاعل کا فعل معدوم نہیں ہوتا ۱۲

؎ قولہ وحنث الخ اس لئے کہ لفظ خروج، ذہاب اور رواح میں جانے کی نیت سے روانہ ہونا شرط ہے پہنچنا شرط نہیں اور اتیان، عیادت اور زیارت کے الفاظ میں منزل تک پہنچنا شرط ہے، اب اگر حلف کرے کہ فلاں کی عیادت کرے گا یا فلاں سے ملاقات کرے گا اور اس کے دروازہ تک آیا لیکن اس نے داخل ہونے کی اجازت نہ دی اور اس تک نہ پہونچ کر لوٹ گیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر دروازہ تک آیا اور اجازت نہ مانگی تو حانث ہو جائے گا اور اگر حلف کرے کہ فلاں کے پاس نہ جائے گا تو اس کے گھر میں یا دکان میں جانے سے حانث ہو جائے گا چاہے اس سے ملاقات ہو یا نہ ہو البتہ اگر اس کی مسجد میں آیا تو حانث نہ ہوگا ۱۲

؎ قولہ لا فی لا یاتیہا الخ یعنی مکہ میں پہونچے اور داخل ہونے بغیر حانث نہ ہوگا کیونکہ اتیان میں وصول شرط ہے اور اسی پہونچنے کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے "فاتیاہ" یعنی فرعون کے پاس جاؤ، منقول از رسولا رحمہ ۱۲

وذهابه كخروجه في الاصح اي لو حلف لا يذهب الى مكة فالاصح انه مثل لا يخرج الى مكة وعند البعض هو مثل لا ياتي مكة والاول اصح لقوله تعالى إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي اي متوجه اليه واما الوصول فليس في وسعه وفي ليأتين مكة ولم يأتها لا يحنث الا في آخر حياته لانه ح يتحقق عدم الاتيان وحنث في ليأتينه غداً ان استطاع ان لم يأته بلا مانع كمرض او سلطان ودين بنية الحقيقة اي قال عنيت الاستطاعة الحقيقية وهي القدرة التامة التي يجب عندها صدور الفعل فهي لا تكون الا مقارنة للفعل يصدق ديانة لا قضاء لانها تطلق في العرف على سلامة الاسباب والآلات فالمعنى الآخر خلاف الظاهر فلا يصدق قضاء۔

ترجمہ:۔ اور جانا نکلنے کے مانند ہے صحیح قول کے مطابق یعنی اگر قسم کھائی کہ مکہ کی جانب نہ جاؤں گا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم ایسا ہے کہ حلف کرے مکہ کی طرف نہیں نکلوں گا (یعنی روانہ ہونے ہی سے حانث ہو جائے گا) اور بعض کے نزدیک یہ ایسا ہے کہ کہے کہ میں نہ آؤں گا مکہ کہ میں داخل ہوئے بغیر حانث نہ ہوگا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "انی ذاہب الی ربی" یعنی اس کی طرف متوجہ ہونے والا ہوں باقی وصول الی الرب یہ تو اپنی وسعت سے باہر ہے اور اگر قسم کھائی کہ ضرور میں مکہ میں آؤں گا اور نہیں گیا تو حانث نہیں ہوگا مگر اپنی حیات کے آخری لمحہ میں کیونکہ اس وقت ہی اس کا نہ آنا معلوم ہوگا۔ اور اگر حلف کرے کہ اگر استطاعت ہو تو کل میں ضرور اس کے پاس جاؤں گا اور اس روز کوئی مانع مثلاً مرض یا بادشاہ کی طرف سے حکم امتناعی پیش نہیں آیا پھر بھی نہ گیا تو حانث ہوگا۔ اور اگر حقیقی استطاعت کی نیت کرے تو دیانۃً تصدیق کی جائے گی یعنی اگر وہ کہے کہ میں نے اس استطاعت سے حقیقی استطاعت مراد لی ہے یعنی ایسی قدرت تامہ جس سے فعل کا صدور اور وجوب واجب ہو جاتا ہے اور جو فعل کے مقارن ہوتی ہے تو اس کی یہ نیت دیانۃً مصدق کی جائے گی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی (کہ قاضی کے نزدیک حانث ہو جائے گا) کیونکہ عرف میں سلامت اسباب اور صحت آلات پر استطاعت کا اطلاق ہوتا ہے تو اس کے دوسرے معنی (حقیقی استطاعت) ظاہر کے خلاف ہے اس لئے قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ فی الاصح الخ کیونکہ ذہاب کا مطلب محض روانہ ہو جانا اور نکل جانا ہے اور اس میں پہنچنا شرط نہیں دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جبکہ انہوں نے اپنے شہر سے ہجرت کی "انی ذاہب الی ربی سیہدین" اور اللہ تک وصول ان کی قدرت میں نہیں ہے تاہم ذہاب کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اس سے پتہ چلا کہ ذہاب کا مطلب محض نکل پڑنا اور متوجہ ہونا ہے نہ کہ پہنچنا ۱۲

؎۲ قولہ الا فی آخر الخ یعنی موت کے ساتھ متصل حصہ وقت کیونکہ اس سے پہلے قسم پوری کر لیتے کو توقع ہے ایسے ہی اگر حلف کرے کہ وہ "فلاں کے پاس جائے گا" تو کسی ایک کی موت پر ہی حانث ہوگا اور یہی حکم ہر مطلق یمین کا ہے چنانچہ جس فعل مستقبل کا حلف کرے اور وقت کی قید نہ لگائے تو حانث نہ ہوگا جب تک کہ قسم پوری کرنے سے نا امیدی نہ ہو جائے مثلاً کہا "میں ضرور زید کو ماروں گا" یا "ضرور طلاق دوں گا" زوجہ ۱۲ بحر۔

؎۳ قولہ ودین الخ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی دیانۃً بینہ وبین اللہ تصدیق کی جائے گی جبکہ استطاعت سے حقیقی استطاعت مراد لی ہو کیونکہ کتب اصول میں قدرت واستطاعت کے دو معنی بتلائے گئے ہیں ۱۔ قدرت حقیقیہ جس کے ہونے کے ساتھ ساتھ فعل بھی وجود میں آجائے یعنی زمانہ کے لحاظ سے دونوں کا تحقق ایک ساتھ ہو صرف ذاتی اعتبار سے یہ قدرت فعل سے مقدم ہوتی ہے کیونکہ وہ فعل کی علت تامہ ہے اس لئے فعل اس سے جدا نہیں رہ سکتا اور اس لئے احکام شرعیہ کی تکلیف اس قدرت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ تکلیف موقوف ہے قدرت سابقہ پر اور قدرت حقیقیہ تو فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ ۲۔ قدرت ممکنہ یعنی جس قدرت کے ہونے سے فعل کا وجود ممکن ہو جاتا ہے (جس کی تفسیر رفع موانع کے ساتھ صحت آلات اور سلامتی اسباب سے کی گئی ہے) اور اسی قدرت پر تکلیف عباد کا مدار ہے کیونکہ یہ قدرت فعل سے مقدم ہوتی ہے اور یہی استطاعت مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے "ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا" ۱۲

وشرط للبر فی لا تخرج الا باذنہ لکل خروج اذنٌ لان تقدیرہ لا تخرج الا خروجًا ملصقًا باذنہ فالمستثنیٰ ھو الخروج الملصق بالاذن فما سواہ بقی فی صدر الکلام لا فی الا ان اذن ای ان قال لا یخرج الا ان اذن لا یشترط لکل خروج اذنٌ لان الا ان للغایۃ مثل الی ان فاذا اذن مرۃ انتہی الحرمۃ ویمکن ان یراد الا وقت اذنی بان یجعل المصدر حینًا فیجب لکل خروج اذن والجواب انہ اذا اذن مرۃ فخرج ثم خرج مرۃ اخریٰ بلا اذن فعلی التاویل الاول لا یحنث وعلی الثانی یحنث فلا یحنث بالشک وللحنث

وان خرجت وان ضربت لمریدۃ خروج او ضرب عبد فعلھما فورًا ای شرط للحنث فی ان خرجت وان ضربت فعلھما فورًا۔

ترجمہ :۔ اور اگر حلف کرے کہ فلاں کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جاؤں گا تو قسم پوری ہونے کے لئے ہر مرتبہ نکلنے کے وقت اجازت لینی ہوگی "کیونکہ لا یخرج الا باذنہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہیں نکلے گا مگر ایسا نکلنا جو اذن کے ساتھ متصل ہو تو مستثنیٰ درحقیقت ایسا نکلنا ہے جو کہ اذن کے ساتھ ہو اور اس کے سوا نکلنا شروع کلام (یعنی نفی) میں داخل رہے گا اور اگر کہا یہاں تک کہ وہ اجازت دے تو ہر بار اذن شرط نہیں یعنی اگر حلف کرے باہر نہیں نکلے گا تاوقتیکہ فلاں اجازت نہ دے تو ہر دفعہ اجازت لینی شرط نہیں کیونکہ "الا ان" (مگر یہ کہ) الی ان (یہاں تک کہ) کی طرح انتہائے غایت کے لئے ہے تو جب ایک مرتبہ اجازت دیدی قسم کی حرمت ختم ہوگئی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ "الا ان" سے وقت اذن مراد لیا جائے بایں طور کہ مصدر (یعنی ان لا یخرج) کو ظرف زمان قرار دیا جائے تو اس صورت میں ہر بار نکلنے کے وقت اجازت ضروری ہوگی، اس (احتمالی شبہ) کا جواب یہ ہے کہ وہ جب ایک مرتبہ اجازت لے کر نکلا اس کے بعد دوسری مرتبہ بلا اجازت نکلا تو پہلی توجیہ کے مطابق حانث نہ ہوگا اور دوسرے احتمال کے مطابق حانث ہو جائے گا (اب حانث ہونے اور نہ ہونے میں شک پیدا ہوگیا) تو شک کی بناء پر حانث نہ ہوگا۔ اگر کسی (شخص) کی بیوی نے گھر سے نکلنے کا یا کسی غلام کو مارنے کا ارادہ کیا اور شوہر نے کہا اگر تو نکلے گی یا مارے گی تو تجھ کو طلاق ہے تو حانث ہونے کے لئے ان دونوں فعل کا فوراً کرنا شرط ہے یعنی "اگر تو نکلے گی" یا "اگر تو مارے گی" کے یمین میں حانث ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ نکلنا اور مارنا فوراً پایا جائے (اور جو وہ اب بیٹھ گئی اور پھر نکلی یا غلام کو اب چھوڑ دیا پھر مارا تو حانث نہ ہوگا)

تشریح :۔ ؎۱ قولہ فما سواہ الخ تلویح میں ہے کہ یہ استثناء مفرغ ہے جس کے لئے ایک عام مفہوم کا مستثنیٰ منہ مقدر ماننا ضروری ہے جو کہ مستثنیٰ کی جنس اور وصف سے مناسبت رکھتا ہو چنانچہ تقدیر کلام یوں ہو گا "لا تخرج خروجا الا خروجا ملصقا باذنہ" اور نکرہ تحت النفی عام ہوتا ہے تو اس عام سے جبکہ بذریعہ استثناء بعض فرد نکالا جائے تو باقی افراد حکم نفی میں رہ جائیں گے۱۲

؎۲ قولہ ای ان قال الخ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان فعل کے ساتھ مصدر کے معنی میں آتا ہے تو "ان اذن" اذن مصدر کے معنی میں ہو جائے گا مگر اذن و خروج ہم جنس نہیں اس لئے حقیقی معنی یعنی استثناء کا ارادہ صحیح نہ ہو گا لامحالہ "الا ان" کو مجازاً غایت کے معنی پر محمول کرنا پڑے گا کیونکہ استثناء اور غایت میں بالکل کھلی مناسبت موجود ہے، اب معنی یہ ہوں گے "تاوقتیکہ اجازت دے" تو جو اذن کے وقت تک خروج ممنوع ہو گا اور جب ایک بار اذن پایا گیا تو منت

؎۳ قولہ والجواب الخ حاصل جواب یہ ہے کہ "لا تخرج الا ان آذن" کے قول میں جبکہ "الا ان" کو غایت پر محمول کیا جائے تو ایک دفعہ اذن کی شرط ثابت ہوتی ہے اور اگر ظرف زمان پر محمول کیا جائے تو ہر بار اجازت کی شرط ثابت ہوتی ہے۔ اب پہلی بار کے بعد اذن شرط ہونے پر شبہ پڑ جائے گا تو شک سے شرطیت ثابت نہ ہوگی بخلاف پہلی صورت کے یعنی "الا باذنہ" کے کہ اس میں ایک ہی معنی کے سوا دوسرا کوئی احتمال نہیں ہے۱۲

؎۴ قولہ لمریدۃ الخ یعنی جب عورت گھر سے نکلنے کا ارادہ کر رہی ہو اور اس کے لئے بالکل تیار ہو اس وقت خاوند کہے "اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے" یا عورت غلام کو مارنے کا قصد کر رہی ہو ایسے وقت خاوند کہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وفي ان تغدّيتُ بعد ان يقال تعال تغدّ معي تغدّيه معه اي شرط للحنث في ان تغديتُ تغدّيه معه وكفى مطلق التغدي ان ضمّ اليوم اي كفى للحنث مطلق التغدي ان قال ان تغديتُ اليوم فانه لو كان جوابا يكفي قوله ان تغديت فلمّا زاد اليوم عُلِم انه كلام مبتدأ فيحنث بمطلق التغدي في هذا اليوم ولا يشترط للحنث التغدي معه ومركبُ المأذون ليس لمولاه في حق الحلف الا اذا لم يكن عليه دَين مستغرِق ونواه اي ان حلف لا يركب دابة زيد فركب دابة عبدِ المأذون فان كان عليه دينٌ مستغرقٌ لرقبته وكسبه لا يحنث لان هذه الدابة ليست لزيد وان لم يكن عليه دين مستغرق فان نوى بدابة زيد دابته الخاصّة لا يحنث وان نوى دابة هي ملك زيد اعم من ان تكون خاصة له او تكون دابة عبده المأذون فحينئذٍ يحنث۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ "آؤ صبح کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ" اور اس نے کہا کہ اگر صبح کا کھانا کھاؤں" (تو میرا غلام آزاد ہے) تو اس کے ساتھ کھانا شرط ہے یعنی اگر صبح کا کھانا کھاؤں کے یمین میں حانث ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ داعی کے ساتھ کھائے (اگر گھر جاکر صبح کا کھانا کھا لیا تو حانث نہ ہوگا) اور اگر آج کے روز کا لفظ زیادہ کیا تو مطلقاً صبح کا کھانا کافی ہوگا یعنی اس کے بلانے پر اگر یہ کہا کہ "آج کے دن اگر صبح کا کھانا کھایا تو میرا غلام آزاد ہے تو حانث ہونے کے لئے مطلق صبح کا کھانا کافی ہے (چاہے اس کے ساتھ کھائے یا دوسری جگہ) کیونکہ جواب کے لئے تو اتنا کہنا کافی تھا کہ "اگر میں صبح کا کھانا کھایا" پھر بھی جب اس نے "آج کے دن کا لفظ" بڑھایا تو اس سے پتہ چلا کہ یہ از سر نو کلام ہے (بلانے والے کے جواب کے طور پر نہیں) تو اس دن جہاں بھی صبح کا کھانا کھائے گا حانث ہو جائے گا، حانث ہونے کے لئے داعی کے ساتھ کھانے کی شرط نہیں، اور اگر حلف کرے کہ فلاں کے جانور پر سوار نہ ہوں گا تو اس کے عبد ماذون کی سواری اس کے مولیٰ کی سواری شمار نہ ہوگی (یعنی اس پر سوار ہونے سے حانث نہ ہوگا) ہاں اگر عبد ماذون پر اتنا دین نہ ہو جو اس کی قیمت اور کسب کو محیط ہو جائے اور نیت بھی عام کی تو حانث ہو جائے گا یعنی اگر قسم کھائی کہ زید کے جانور پر سوار نہ ہوگا اس کے بعد زید کے عبد ماذون (فی التجارۃ) کے جانور پر سوار ہوا تو اگر غلام اتنا مدیون ہے کہ دین اس کی قیمت اور کسب کو محیط ہے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ایسی حالت میں دراصل زید اس جانور کا مالک نہیں ہے (بلکہ عبد ماذون ہی مالک ہے) اور اگر عبد ماذون پر دین محیط نہیں ہے تو اگر اس کی نیت جانور سے وہ جانور تھا جو زید کے خاصے کا ہے تو بھی حانث نہ ہوگا، اور اگر نیت ہے مطلق جانور کی جو ملک زید میں ہو چاہے اس کے خاصے کا ہو یا اس کے غلام کا ہو تو اس وقت حانث ہوگا

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اگر تونے اپنے غلام کو یا میرے غلام کو مارا تو تجھے طلاق ہے" تو ان دونوں صورتوں میں اور ان کے مشابہ مسائل میں حانث ہونے اور شرط پر جزاء مرتب ہونے کی شرط یہ ہے کہ محلوف علیہ فعل پر فوراً عمل ہو، اب اگر شوہر اس وقت رک جائے اور کچھ دیر کے بعد اس نے غلام کو مارا یا وہ گھر سے باہر نکلی تو طلاق واقع نہ ہوگی اس قسم کے یمین کو "یمین الفور" کہا جاتا ہے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ تعال الخ ابو البقاء کفوی نے کلیات میں بتایا "تعالَ" امر کا صیغہ ہے لام کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی "آؤ" اس کا اصل استعمال یہ ہے کہ کسی بلند جگہ میں موجود ہو وہ نشیبی جگہ میں کھڑے رہنے والے کو کہتا ہے "تعال" (یعنی تم بھی اوپر کی طرف آؤ) (باقی صد آئندہ پر)

وقال ابویوسفؒ یحنث فی الوجوہ کلہا اذا نواہ وقال محمدؒ یحنث وان لم ینو ویتقید
الاکل من ھذہ النخلۃ بثمرھا لان المعنی الحقیقی مھجور حسًّا وھذا البُرّ باکلہ
قضمًا ھذا عند ابی حنیفۃؒ خلافا لہما بناء علی ان اللفظ ان کان لہ معنی حقیقی
مستعمل ومعنی مجازی متعارف فابوحنیفۃؒ یُرجّح المعنی الحقیقی وھما یرجحان
المعنی المجازی فالمراد عندھما اکل باطنہ مجازا فیحنث باکلہ سواء کان بالقضم
اوغیرہ فیعملان بعموم المجاز وھذا الدقیق باکل خبزہ فلا یحنث لو استفہ کماھو
ای یحنث باکل ما یتخذ منہ کالخبز ونحوہ لان المعنی الحقیقی مھجور فیراد المجازی۔

ترجمہ:۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک سب صورتوں میں حانث ہو جائے گا جبکہ مطلق مجاز کی نیت کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر صورت حانث ہو جائے گا اگرچہ نیت نہ کرے اور اگر حلف کرے کہ اس کھجور کے درخت سے نہ کھائے گا تو یہ قسم اس کے پھل کھانے کے ساتھ محدود رہے گی، کیونکہ معنی حقیقی حسًّا دعرفًا متروک ہیں تو اس کی لکڑی پتّے کھانے سے حانث نہ ہوگا، اور اگر قسم کھائے کہ یہ گیہوں نہ کھائے گا تو یہ قسم اس کو صرف چبا کر کھانے پر محمول ہوگی یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے بخلاف صاحبینؒ کے (ان کے نزدیک اس کا آٹا یا روٹی وغیرہ کھائے تو بھی حانث ہوگا) یہ اختلاف اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ایک لفظ کے اگر معنی حقیقی مستعمل ہوں اور اس کے معنی مجازی بھی متعارف ہوں تو امام ابوحنیفہؒ ایسی صورت میں معنی حقیقی کو ترجیح دیتے ہیں اور صاحبینؒ معنی مجازی کو ترجیح دیتے ہیں تو صاحبین کے نزدیک گندم کھانے سے معنی مجازی مراد ہیں یعنی اس کا گودا کھانا (جس طرح بھی ہو) چنانچہ حانث ہو جائے گا خواہ چبا کر کھائے یا دوسرے کسی طریقے سے کھائے تو صاحبینؒ عموم مجاز پر محمول کرتے ہیں (یعنی ایسے معنی مجازی مراد لیتے ہیں جو معنی حقیقی پر مشتمل ہے) اور اگر حلف کرے کہ اس آٹے سے نہ کھاؤں گا تو یہ قسم اس کی روٹی کھانے کے ساتھ مقید رہے گی اور اگر بعینہ وہ آٹا ہی پھانک گیا تو حانث نہ ہوگا یعنی آٹا سے جو چیز بنائی جاتی ہے مثلاً روٹی وغیرہ کھانے سے حانث ہوگا کیونکہ اس کے معنی حقیقی (یعنی آٹے کا سفوف پھانک جانا) عرفًا متروک ہیں اس لئے یہاں معنی مجازی مراد لئے جائیں گے۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) پھر کثرت استعمال کے باعث اونچی نیچی سب جگہوں میں استعمال ہونے لگا ۱۲

سلہ قولہ الماذون الخ یعنی وہ غلام جس کو مالک نے تجارت کے لئے اجازت دے رکھی ہو، لیکن غلام اگر غیر ماذون ہو تو حانث ہو جائے گا جبکہ یہ کہے "لا یرکب دابۃ فلاں" پھر غیر ماذون غلام کی سواری پر سوار ہو گیا اور نیت تھی اس مالک کی مطلق ملکیت کی، اور اگر مکاتب کی سواری پر سوار ہوا تو حانث نہ ہوگا اس لئے کہ مکاتب کی ملکیت مولیٰ کی طرف نہ بالذات منسوب ہے اور نہ باعتبار قبضہ کے۔ ۱۲ محیط۔

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ ثمرہا الخ ثاء اور میم کے زبر کے ساتھ بمعنی پھل، لیکن یہاں اس کا مفہوم عام مراد ہے کیونکہ جُمّار کھانے سے بھی حانث ہو جاتا ہے۔ جُمّار درخت کھجور کے پیڑے کا وہ نرم اور سفید حصہ ہے جو نہایت ذائقہ دار ہوتا ہے لیکن جو انسانی صنعت سے تیار ہو مثلاً سرکہ، شیرہ وغیرہ ان کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

سلہ قولہ مستعمل الخ اس سے احتراز ہو گیا اس سے جبکہ حقیقی معنی میں استعمال متروک ہو جائے کیونکہ اس وقت بالاتفاق معنی مجازی مراد ہوں گے جیسے کہ گذر چکا تھا معنی حقیقی متعذر یعنی غیر معمولی مشقت کے بغیر عمل میں نہ لایا جاسکے جیسے یعنی درخت کا کھانا عادۃً متعذر ہے یا ہو کر ممکن، لیکن عرف و عادت میں لوگوں نے اس مفہوم کو بالکل ہی چھوڑ رکھا ہے جیسے کوئی کہے کہ "فلاں کے گھر میں پاؤں نہ رکھے گا" تو پاؤں رکھنے کے حقیقی معنی صرف ننگے پیر رکھنے کا مفہوم تھا، کے نزدیک متروک ہے بلکہ اس لفظ کو وہ دخول کے معنی میں لیتے ہیں ۱۲

سلہ قولہ مجاز الخ اس کو عموم مجاز کہتے ہیں یعنی ایسے مجازی معنی مراد لینا جو کہ حقیقی معنی کو بھی شامل ہیں کیونکہ گندم کا اندرونی حصہ کا کھانا یعنی اس کا مغز اور چھلکے کے اندر کا گودا یہ عام ہے چاہے اس سے بنی ہوئی چیز روٹی وغیرہ کھائے یا بعینہٖ گندم بھون کر کھائے ۱۲

واکل الشِواء باللحم لا الباذنجان والجزر والطبیخ بما طُبِخ من اللحم والرّاس براس یُکبس فی التنانیر ویُباع فی مصرہ عملاً بالعرف فان الایمان مبنیة علیه و الشحم بشحم البطن هذا عند ابی حنیفةؒ وعندهما یتناول شحم الظهر ایضاً والخبز بخبز البُرّ والشعیر لا خبز الاُرز ببلدة لا یعتادُ فیه والفاکهة بالتفاح والمشمش والبطیخ لا العنب والرُّمان والرُّطب والقثاء والخیار هذا عند ابی حنیفةؒ وعندهما العنب والرمان والرطب فاکهة والشرب من نهر بالکرع منه فلا یحنث لو شرب منه باناء هذا عند ابی حنیفةؒ فان من عنده لابتداء الغایة وعندهما للتبعیض ای لا یشرب من مائه۔

ترجمہ :- اور جو حلف کرے کہ بریان نہ کھاؤں گا تو صرف بھونا ہوا گوشت کھانے سے حانث ہوگا، بھونے ہوئے بینگن یا گاجر وغیرہ کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ اور اگر قسم کھائی کہ پکا ہوا نہ کھاؤں گا تو گوشت کا سالن کھانے سے حانث ہوگا، اور جو حلف کیا کہ سری نہ کھاؤں گا تو جو سری اس کے شہر کے تنوروں میں پک کر بکتی ہے اس کے کھانے سے حانث ہوگا۔ عرف پر عمل کرتے ہوئے، کیونکہ قسموں کا مدار عرف پر ہے، اور اگر قسم کرے کہ چربی نہ کھاؤں گا تو پیٹ کی چربی کھانے سے حانث ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک پشت کی چربی بھی اس میں شامل ہے اور روٹی نہ کھانے کا حلف کرے تو گندم اور جو کی روٹی کھانے سے حانث ہوگا، چاول کی روٹی کھانے سے ایسے شہر میں جہاں اس کا رواج نہیں ہے، حانث نہ ہوگا۔ اور اگر حلف کرے کہ میوہ نہ کھاؤں گا تو سیب، آڑو، خربوزہ کھانے سے حانث ہوگا، لیکن انگور، انار، تازہ کھجور، ککڑی اور کھیرا کھانے سے حانث نہ ہوگا یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک انگور، انار اور تازہ پختہ کھجور بھی میوہ ہیں، کہ ان کے کھانے سے حانث ہو جائے گا، اور اگر قسم کھائے کہ نہر سے (پانی) نہ پیوں گا تو یہ منہ لگا کر پینے پر محمول ہوگا اس لئے اگر کسی برتن سے پیئے تو حانث نہ ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہاں "من" ابتدائے غایت کے لئے ہے (تو حانث ہونے کے لئے ابتدائے شرب نہر سے ہونا ضروری ہے) اور صاحبینؒ کے نزدیک "من" تبعیض کے لئے ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس کے پانی میں سے نہ پیوں گا۔

تشریح: سلہ قولہ مبنیة علیه الایمان عرف پر مبنی ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے اس باب میں جس سے بہت سے فروعی مسائل نکلتے ہیں چنانچہ الفاظ میں سے عرفاً جو مفہوم سمجھا جاتا ہے یا عرف میں وہ جس معنی پر مستعمل ہو گئے ہیں، حلف اسی معنی اور مفہوم پر محمول ہوگا اس میں لغوی یا شرعی مفہوم کا اعتبار نہ ہوگا۔

سلہ قولہ والفاکهة الخ ہدایہ میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ فاکہہ اس میوے کو کہتے ہیں جو کھانے کے پہلے یا بعد میں بطور تفکہ کھایا جاتا ہے جس سے معمول سے زیادہ آسودگی حاصل ہوتی ہے اور تازہ اور خشک کھجور اس میں برابر ہے جبکہ اس سے تفکہ حاصل کرنے کا رواج ہو، سیب وغیرہ مذکورہ پھل میں یہ بات موجود ہے اس لئے ان کے کھانے سے حانث ہوگا لیکن ککڑی میں یہ صفت موجود نہیں اس کا شمار سبزیوں میں ہے، انگور، انار اور تازہ کھجور کے متعلق صاحبین فرماتے ہیں کہ ان میں معنی تفکہ موجود ہے عرف میں ان کو فاکہہ کہتے ہیں۔ اور دوسرے پھلوں کے مقابلہ میں ان سے اور زیادہ آسودگی اور فرحت حاصل ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان سے غذا اور دوا کا کام لیا جاتا ہے تو بقاء حیات کی ضرورت پر استعمال ہونے کی وجہ سے ان میں تفکہ کے معنی کے اندر کمی آ گئی۔

سلہ قولہ والشرب الخ یعنی اگر کہا کہ اس نہر سے یا دریا سے پانی نہ پیوں گا تو منہ لگا کر نہ پینے کے ساتھ حلف مقید رہے گا۔ کرع فتح کے باب سے منہ لگا کر پانی پینے کو کہتے ہیں اگر چلو سے لے کر یا کسی برتن کے ذریعہ پانی پیا تو یہ کرع نہ ہوگا اور "کرع فی الاناء" کہا جاتا ہے برتن کو اپنی جگہ رکھ کر گردن نیچی کر کے اس میں منہ لگا کر پانی پینا، اور کرع کا تحقق تب ہے جبکہ اس میں سے منہ لگا کر پیا جاتا ہو لیکن اگر حلف کرے کہ اس کنویں یا گڑھے سے پانی نہ پیئے گا تو کسی چیز سے پانی نکال کر پینے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ یہاں منہ لگا کر پینے کے حقیقی معنی عرف و عادت میں متروک ہیں حتی کہ اگر مشقت اٹھا کر اندر اتر کر منہ لگا کر پیئے تو خلاف عرف ہونے کی بنا پر حانث نہ ہوگا۔

بخلاف الحلف من مائه وتحليف الوالى رجلا ليعلمه بكل داعر اتى بحال ولايته

اى يُقيّد تحليف الوالى رجلًا ليُعلِمه بكل مفسدٍ اتى البلد بحال ولايته والضرب

والكسوة والكلام والدخول عليه بالحياة لا الغسل اى ان حلف ليضربنّ زيدا

يقيّد بحال حياته ولو حلف لاغسلنّ زيد الايتقيد بحال حياته والقريب

بما دون الشهر اى يُقيد القريبُ بما دون الشهر فى ليقضينّ دينه الى قريب

والشهر بعيد وما اصطبغ به فادامٌ وكذا الملح لا الشواء فى المغرب قال ابن

الانبارىّ الادام ما يُطيّبُ الخبز ويصلحه ويتلذ ذبه الاكل وهو يعم المائع

وغير المائع واما الصبغ فمختص بالمائع وهو ما يُغمسُ فيه الخبز ويُلوّن به۔

ترجمہ:۔ اس کے برخلاف اگر حلف کرے نہر کا پانی نہ پیوں گا (تو جس طرح سے پیئے حانث ہو گا) اور اگر حاکم شہر نے کسی شخص سے حلف لیا کہ جو مفسد و باغی شہر میں آئے اس سے اس کو خبر کرے تو یہ حلف اس کے زمانہ ولایت کے ساتھ مخصوص رہے گا۔ یعنی حاکم اگر کسی شخص کو قسم دے کہ شہر میں کوئی مفسد آئے تو اس کے بارے میں اس کو اطلاع دے تو یہ قسم اس کے زمانۂ حکومت کے ساتھ مقید رہے گی (اس کی حکومت چلی جانے کے بعد اگر خبر نہ کرے تو حانث نہ ہو گا۔) اور اگر کسی کو مارنے، یا کپڑا پہنانے یا اس سے کلام کرنے یا اس کے پاس جانے کی قسم کھائی تو (ان باتوں کی قسم) اس کی حیات کے ساتھ مقید رہے گی لیکن غسل دینے کی قسم مقید نہ ہو گی۔ یعنی اگر حلف کرے کہ وہ زید کو ضرور مارے گا تو (قسم پوری ہونے کے لئے) شرط یہ ہے کہ زید کی زندگی میں مارے، لیکن اگر اس نے کہا کہ میں زید کو غسل دوں گا تو اس کی زندگی میں غسل دینا شرط نہیں (مرنے کے بعد بھی اگر اس کو غسل دے تو بھی حانث نہ ہو گا) اور حلف میں قریب کا لفظ ایک مہینہ سے کم پر محمول ہو گا، یعنی قریب کا لفظ ایک مہینہ سے کم مدت کے ساتھ مقید رہے گا، اگر حلف کرے کہ عنقریب اس کا قرض ادا کر دے گا، اور ایک مہینہ کی مدت بعید ہے (اگر ایک مہینہ میں یا زیادہ میں ادا کیا تو حانث ہو جائے گا) اگر (سالن نہ کھانے کا حلف کرے تو) شوربا دار چیز لگا کر کھانے تو یہ سالن ہے اور ایسا ہی نمک بھی سالن کے حکم میں ہے اور بھونا ہوا گوشت سالن نہیں (یہ کھانے سے حانث نہ ہو گا) مغرب کتاب میں ہے کہ ابن انباریؒ نے کہا "ادام وہ چیز ہے جو روٹی کو خوش مزا اور کھانے کے لائق کر دے اور جس سے کھانا لذیذ ہو جائے اور یہ عام ہے کہ سیال (بہتا ہوا) ہو یا سیال نہ ہو اور صبغ سیال کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جس میں روٹی ڈبوئی جائے اور رنگین ہو جائے۔

تشریح: ۱؎ قولہ بالحیاۃ الخ ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ جو فعل حالت زندگی سے مخصوص ہو یعنی جس فعل سے لذت حاصل ہوتی ہو یا تکلیف ہوتی ہو یا غم و سرور حاصل ہوتا ہو تو اس امور کا حلف اس کی حیات کے ساتھ مقید رہے گا، چنانچہ اگر قسم کھائی "لا یضرب فلانا اولا یکسوہ ثوبا او لا ید خل علیہ او لا یقبلہ او لا یقتلہ او لا یکلمہ" تو ان افعال کی قسم اس کی حالت حیات کے ساتھ مقید رہے گی، لہٰذا اگر اس شخص کو مارا یا کپڑا پہنایا، یا اس کا بوسہ لیا یا اس کو قتل کیا یا اس سے کلام کیا اس کی موت کے بعد تو حانث نہ ہو گا ۱۲

۲؎ قولہ والقریب الخ قریب یا بعید کا لفظ استعمال کرتے ہوئے اگر اس نے کسی معین مدت کی نیت کی تو دیانۃً معتبر ہو گی لیکن جس پہلو میں سہولت ہو قضاءً اس کے بارے میں نیت معتبر نہ ہو گی اور کوئی نیت نہ ہو تو قریب کہنے سے ایک ماہ کے اندر اندر مدت مراد ہو گی اور دور بولنے سے ایک ماہ سے لے کر موت تک مراد ہو گی اور لفظ عاجل وسریع، قریب کی طرح ہے اور لفظ آجل دور کے لئے آتا ہے اور اصل میں ان احکام کا مدار عرف پر ہے ۱۲۔

ولا يحنث في لا يأكل من هٰذا البُسر فأكل رطبه او من هٰذا الرطب او اللبن فأكل تمرا او شيرازا او بسرًا فأكل رطبًا اي لا يحنث في لا يأكل بسرا فأكل رطبًا واعلم انه لا فرق بين قولنا لا يأكل من هٰذا البُسر فأكله رطبا وبين قولنا لا يأكل بسرًا فأكل رطبا بناءً على ان البُسر والرطب من اسماء الاجناس فاذا صار رطبا صار ماهيةً اخرى كما بيّنا في لا يدخل بيتا ولحمًا فأكل سمكًا اي لا يحنث في لا يأكل لحمًا فأكل سمكًا او لحمًا او شحمًا فأكل أليةً ولا في لا يشتري رطبًا فاشترى كباسة بُسرٍ فيها رطب وحنث لو حلف لا يأكل رطبًا او بسرًا او ولا بسرًا فأكل مذنّبًا.

ترجمہ:- اور اگر حلف کرے کہ اس کچے کھجور میں سے نہ کھاؤں گا پھر اس کے پکنے کے بعد کھایا یا تو حلف کرے کہ اس پکے ہوئے تر کھجور میں سے نہ کھاؤں گا پھر وہ خرما ہونے کے بعد کھایا یا کہا اس دودھ سے نہ کھاؤں گا پھر وہ پنیر ہونے کے بعد کھایا یا کہا، کوئی کچا کھجور نہ کھاؤں گا پھر پکا ہوا کھجور کھایا تو ان تمام صورتوں میں) حانث نہ ہوگا یعنی اگر مطلقاً کچا کھجور نہ کھانے کی قسم کرے پھر کوئی پکا ہوا تر تازہ کھجور کھالیا تو حانث نہ ہوگا. واضح رہے کہ "لا یا کل من ہذا البسرہ" کا قول (متعین کھجور کی طرف اشارہ کرکے) اور "لا یا کل بسرا" میں (جبکہ بلا تعیین مطلق کچے کھجور کا ذکر کرے) حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں خواہ وہ متعین کھجور پکنے کے بعد کھائے یا (دوسری صورت میں) مطلق پکا ہوا تازہ کھجور کھائے (دونوں صورتوں میں حانث نہ ہونے کا حکم) اس بات پر مبنی ہے کہ کھجوروں میں "بسر" اور "رطب" دو الگ جنس کا نام ہے، تو جب کھجور (بسر کی حالت سے) رطب ہوجائے تو اس کی ماہیت (بدل کر اس کی حقیقت) دوسری ہوجاتی ہے، جیسا کہ ہم نے "لا یدخل بیتا" کے مسئلہ میں بتایا ہے. یا گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی اور مچھلی کھائی، یعنی اگر حلف کرے کہ گوشت نہ کھاؤں گا اس کے بعد مچھلی کھائی تو حانث نہ ہوگا. یا قسم کھائی کہ گوشت یا چربی نہ کھاؤں گا پھر دنبہ کی چکتی (چوڑی دُم) کھائی (تو حانث نہ ہوگا) اور اگر قسم کھائی کہ رطب خرید نہ کرے گا پھر بُسر کا خوشہ خرید کیا کہ اس میں کچھ رطب بھی ہیں تو حانث نہ ہوگا (کیونکہ غالب کا اعتبار ہے اور غالب بُسر ہے) اور اگر حلف کرے کہ پکا کھجور نہ کھائے گا، یا کچا کھجور نہ کھائے گا یا پکا اور کچا دونوں نہ کھائے گا پھر نیم پختہ کھجور کھایا تو حانث ہوگا.

تشریح:- لہ قولہ من ہذا البسر الخ با کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ یہ کھجور کے چھ مراتب میں سے چوتھے مرتبہ کا نام ہے، جو ابھی پکا نہیں لیکن پکنے کے قریب ہوگیا اور "رطب" را کے ضمہ اور طا کے فتحہ کے ساتھ، پکا ہوا تر کھجور اور خشک ہوجانے کے بعد اس کا نام تمر ہے ۱۲

لہ قولہ بناء الخ ذخیرہ میں ہے کہ تر کھجور اور انگور جب خشک خرما اور کشمش ہوجائے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ رطب و عنب کھجور و انگور کی ذات اور ان کی رطوبت و تازگی کے مجموعہ کا نام ہے اب جب اس نے خشک ہونے کے بعد کھایا تو گویا اس نے یمین جس پر منعقد ہوا اس کا بعض حصہ کھایا بخلاف صبی کے جب جوان ہوجائے یا بکری کا بچہ جب بڑا بکرا ہوجائے کہ ان کا حکم نہیں بدلتا ہے کیونکہ ان میں کسی چیز کی کمی نہیں آئی بلکہ اور زیادتی ہوگئی اور زیادتی حانث ہونے میں مانع نہیں اور ان میں باہمی یہی فرق صحیح ہے جس پر اعتماد ہے ۱۲

سہ قولہ ولحما الخ یعنی اگر حلف کیا کہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا، کیونکہ مچھلی کے گوشت کو اگرچہ قرآن حکیم میں لحم کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا "تأکلون منہ لحما طریا" مگر عرف میں اسے گوشت نہیں کہتے اور یمین کا مدار عرف پر ہے، بلکہ حقیقت میں وہ گوشت نہیں ہے کیونکہ گوشت وہ ہے جو خون سے پیدا ہو اور مچھلی میں خون نہیں اس لئے کہ وہ پانی میں رہتی ہے. ہاں اگر اس نے بکری، بھینس اور گائے وغیرہ کا گوشت کھایا تو حانث ہوگا، بلکہ خنزیر اور انسان کا گوشت کھانے سے بھی حانث ہوگا. کیونکہ یہ عرف اور حقیقت میں گوشت ہے چاہے حرام کیوں نہ ہو ایسے ہی جگر یا اوجھڑی کھانے سے حانث ہوگا. جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے.

سہ قولہ مذنبا الخ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے "تذنیب" مصدر سے، اور فقہاء کے استعمال میں نون پر فتحہ بھی آیا ہے "ذنبت البسرۃ" کہا جاتا ہے جبکہ دم کی جانب سرخ ہونے لگے ۱۲

ای حلف لا یأکل رطبا فاکل مُذنّبا وحلف لا یأکل بُسرا فاکل مذنبا اوحلف لا یاکل رطبًا ولا بُسرًا فاکل مذنبا حنث عند ابی حنیفۃؒ لان المذنّب بعضُه رطب وبعضه بُسر فمن اکله اکل البسر والرطب وقال فی الھدایۃ ان عندھما اذا حلف لا یأکل رطبا لا یحنث بالبسر المذنب واذا حلف لا یاکل بُسرًا لا یحنث بالرطب المذنّب وقد قال فی المغرب البُسر المذنب وقد ذَنّب اذا بدأ الارطاب من قِبَل ذَنَبه وھو ما سفل من جانب القِمع والعِلاقۃ ولاشك ان الارطاب لیس الا من جانب واحد وھو الذی لیس علیه القِمع والعِلاقۃ فھذا الجانب ھو الذنب[۱] اذا عرفتَ ھٰذا فکیف یصح ما قال فی الھدایۃ ان رطب المذنب ما یکون فی ذنبه قلیل بُسرٍ البسرُ المذنب علی العکس ای ما فی ذنبه قلیل رطب فاقول اصناف التمر التی رأیناھا من تمر بغداد[۲] وفارس وکِرمان یبدأ ارطابھا من الجانب الذی لیس علیه القِمع۔

ترجمہ:۔ یعنی قسم کھائی کہ رطب نہ کھائے گا پھر مذنب کھالیا، یا تو قسم کھائی کہ بسر نہ کھائے گا اور مذنب کھایا، یا قسم کھائی کہ رطب اور بُسر دونوں میں سے کوئی نہ کھائے گا اس کے بعد مذنب کھایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا، کیونکہ مذنب کا کچھ حصہ پختہ اور کچھ کچا ہوتا ہے تو جس نے مذنب (نیم پختہ) کھایا اس نے گویا بسر اور رطب دونوں ہی کھایا۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ صاحبینؒ کے نزدیک جو شخص حلف کرے کہ "رطب" نہ کھائے گا تو "بُسر مذنب" کھانے سے حانث نہ ہوگا اسی طرح اگر حلف کرے کہ "بُسر" نہ کھائے گا تو "رطب مذنب" کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ اور مغرب میں ہے کہ "بسر مذنب" اور "قد ذنّب" اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ کھجور دُم کی طرف سے پکنے لگے اور دُم سے مراد کھجور کی نچلی جانب جو کہ اس کے بالائی خول اور ٹہنی کے بالمقابل ہوتی ہے اور بے شک کھجور کا پکنا ایک ہی طرف سے شروع ہوتا ہے یعنی اس طرف سے جدھر خول اور ٹہنی نہیں ہے اور یہی جانب "ذنب" (دُم) ہے جب یہ معلوم ہو چکا تو پھر ہدایہ کی یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ "رطب مذنب" وہ ہے جس کے سرے میں کچھ کچا پن ہو اور "بُسر مذنب" وہ ہے جو اس کے برعکس ہو یعنی جس کے سرے میں پختگی آجائے؟ شارح فرماتے ہیں (صاحب ہدایہ کے کلام کی توجیہ اس طرح ہو سکتی ہے) کہ بغداد، فارس اور کرمان کے کھجوروں کی جو قسمیں ہم نے دیکھیں ہیں ان کی پختگی اس طرف سے شروع ہوتی ہے جس جانب میں خول نہیں ہے۔

تشریح:۔ [۱] قولہ اذا عرفت الخ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی جو توجیہ صاحب ہدایہ نے کی ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ "رطب مذنب" جس کی دُم میں کچا پن ہو" اور "بسر مذنب" جو اس کے برعکس ہو، یہ تفصیل صاحب مغرب کی تنقیح کے خلاف ہے شارح ہروی کہتے ہیں کہ "بسر مذنب" وہ ہے جس میں دُم کی جانب سے پکنا شروع ہو یعنی اس جانب سے جو کھجور کے درخت سے متصل نہ ہو اور عقلا ونقلا ایسی "رطب مذنب" نہیں پائی جاتی جس میں اس طرف سے بسورۃ شروع ہو، کیونکہ اس جانب میں حرارت کا اثر شدید ہوتا ہے اس لئے یہ حصہ زیادہ میٹھا اور لطیف ہوتا ہے تو ہدایہ کی بات کہ "رطب مذنب" جس کی دُم میں کچا پن ہو اور "بسر مذنب" اس کے برعکس ہوتا ہے، یہ تکلف سے خالی نہیں، اور عرف عجم میں اس حصہ کو راس کہا جاتا ہے جیسے عرف عرب میں "ذنب" کہتے ہیں، تمام پھل انگور، خربوزہ وغیرہ میں یہی محاورہ ہے اور کافی میں ہے کہ "بسر مذنب" وہ ہے جس کا اکثر حصہ بُسر ہو اور تھوڑا سا پکا ہو "اور رطب مذنب" وہ ہے جس کا اکثر حصہ پک گیا ہو۔ اور بالکل تھوڑا سا کچا رہ گیا ہو۔ ۱۲

[۲] قولہ بغداد الخ یہ ایک بڑے شہر کا نام ہے جسے دار السلام بھی کہا جاتا ہے موجودہ عراق کا دار السلطنت (راجدھانی) ہے، وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ "بغ" ایک بت کا نام ہے جو کہ وہاں کے باشندوں کا تھا اور "داد" فارسی میں عطیہ کو کہتے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ "بغ" کے معنی باغیچہ اور داد ایک آدمی کا نام تھا۔

ففي غير هٰذه البلاد ان كان ابتداء الارطاب من طرف القمع فما قال صاحب الهداية يكون صحيحًا وان لم يكن الارطاب من جانب القمع فوجه صحته ان الرطب المذنب ما يكون اكثره رطبًا والبسر المذنب ما يكون اكثره بسرًا ثم لما كان البسر من طرف القمع فراس البسر ما يلي القمع وذنبه الطرف الآخر ولما كان الرطب هو الطرف الآخر فراس الرطب طرفه الحاد وذنبه طرف القمع فهٰذا وجه صحته او لا يأكل لحمًا فاكل كبدًا او كرشًا او لحم خنزير او انسان قيل لا يحنث باكل الكبد والكرش في عرفنا لانهما في عرفنا لم يعدّ الحمًا واما لحم الخنزير والانسان فهما لحم حقيقة فيحنث بهما والغداء الاكل من طلوع الفجر الى الظهر والعشاء منه الى نصف الليل والسحور منه الى الفجر وفي ان لبستُ او اكلتُ او شربتُ ونوى عينًا لم يصدّق اصلًا اي نوى ثوبًا معينًا او طعامًا معينًا او شرابًا معينًا لم يصدق قضاءً ولا ديانةً لان المنفي ماهية اللبس ولا دلالة له على الثوب الا اقتضاء والمقتضى لا عموم له فلا يصح فيه نية التخصيص.

ترجمہ :- اب ان علاقوں کے علاوہ دوسری جگہوں کے کھجور کی پختگی اگر خول کی جانب سے شروع ہوئی ہو تو پھر صاحب ہدایہ کی بات بالکل ٹھیک رہے گی اور اگر ان جگہوں کے کھجور کی پختگی بھی خول کی جانب سے نہ ہو تو اس کلام کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ "رطب مذنب" وہ ہے جس کا اکثر حصہ پختہ ہو اور "بسر مذنب" وہ ہے جس کا اکثر حصہ کچا ہو (خواہ جس جانب سے پکنا شروع ہو) پھر جب کچا پن خول کی طرف رہتا ہے تو بسرہ کا اصل وہ حصہ ہوگا جو خول کے متصل ہے اور دوسری جانب اس کا ذنب ہوگا، اور پکنا شروع ہوتا ہے نچلی جانب سے تو رطب کا اصل نیچے کی جانب کا حصہ ہوگا اور اس کا ذنب، خول کی طرف واقع ہوگا اس توجیہ سے صاحب ہدایہ کا کلام صحیح ہو جائیگا اور اگر قسم کھائی کہ گوشت نہ کھائیگا پھر جگر یا اوجھڑی یا سور کا یا آدمی کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائیگا اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جگر یا اوجھڑی کھانے سے حانث نہ ہوگا ہمارے عرف کے اعتبار سے کیونکہ ان چیزوں کو ہمارے عرف میں گوشت نہیں کہتے البتہ سور اور آدمی کا گوشت کھانے سے حانث ہوگا کیونکہ یہ دونوں حقیقۃً گوشت ہیں (اگرچہ حرام ہیں) اور غداء کہتے ہیں اس کھانے کو جو طلوع فجر سے ظہر تک ہو اور عشاء اسکو کہتے ہیں جو ظہر سے آدھی رات تک ہو اور "سحور" اسے کہتے ہیں جو آدھی رات سے طلوع فجر تک ہو اور جس نے کہا، اگر میں نے پہنا، یا کھایا، یا پیا، تو ایسا ہوگا۔ مثلا میرا غلام آزاد ہے یا بی بی پر طلاق ہے، اور نیت کی معین کی تو بالکل تصدیق نہیں کیجائیگی یعنی اگر معین کپڑے یا معین کھانا یا معین شربت ... کی نیت کرے تو نہ قضاءً اس کی تصدیق کیجائیگی اور نہ دیانۃً کیونکہ اس کلام میں پہننے کی حقیقت کی نفی کی گئی ہے لفظ کے اندر خاص کپڑے پر کوئی دلالت نہیں ہے البتہ اقتضاءً کپڑا سمجھ میں آتا ہے اور اقتضاءً جو بات سمجھ میں آتی ہے اس میں عموم نہیں ہوا کرتا ہے اس لئے اس کے اندر تخصیص کی نیت بھی صحیح نہ ہوگی

تشریح: سلہ قولہ فاکل کبدا الخ کاف پر زبر اور با پر زیر کے ساتھ فارسی میں اسے جگر کہتے ہیں اور "کرش" کاف کے زبر اور را کے سکون کے ساتھ معدہ اور اوجھڑی کو کہتے ہیں، دل، پھیپھڑا اور تلی کا حکم بھی ایسا ہی ہے کہ ان کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ بحر میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو معدہ کی کوئی چیز مثلاً تلی، ذفیو کھانے سے اہل کوفہ کے عرف میں حانث ہو جائے گا لیکن ہمارے عرف میں حانث نہ ہوگا محیط اور مجتبیٰ میں بھی ایسا ہی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اہل مصر کے عرف میں انہیں گوشت نہیں کہا جاتا اس سے معلوم ہوا۔ (باقی صدا ملاحظہ ہو)

ولو ضم ثوباً او طعاماً او شراباً دِیْنَ ای صُدِّقَ دیانۃً لا قضاءً لان اللفظ عام فنیۃ التخصیص خلاف الظاہر فلا یُصَدَّقُ فی القضاء وتصورُ البِرِّ شرط صحۃ الحلف خلافاً لابی یوسفؒ فمن حلف لا شربنّ ماءَ ھذا الکوز الیوم ولا ماءَ فیہ او کان فصُبَّ فی یومہ لا یحنث اعلم ان امکان البِرِّ شرط صحۃ الحلف عند ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ سواء کان الحلف باللہ تعالیٰ او بالطلاق او بالعتاق وعند ابی یوسفؒ لیس بشرط۔

ترجمہ :۔ اور اگر ان قسموں کے ساتھ کپڑا، یا کھانا یا شراب کا لفظ شامل کر دیا جائے (مثلاً یہ کہ نہ پہنوں گا کپڑا، یا نہ کھاؤں گا کھانا، یا نہ پیوں گا شراب اور معین کی نیت کی) تو دیانۃً تصدیق کی جائے گی، یعنی فیما بینہ وبین اللہ اس کی نیت معتبر ہوگی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی کیونکہ لفظ عام ہے اس لئے تخصیص کی نیت ظاہر کے خلاف ہونے کے بنا پر قضاءً نیت تعیین معتبر نہ ہوگی۔ اور قسم صحیح ہونے کے لئے محلوف علیہ کا ممکن ہونا شرط ہے بخلاف امام ابو یوسفؒ کے کہ ان کے نزدیک ممکن ہونا شرط نہیں، پس اگر یوں حلف کرے کہ آج کے دن اس پیالہ میں جو پانی ہے پیوں گا حالانکہ اس پیالہ میں پانی نہ ہو یا تھا و اسی دن اس کو گرا دیا جائے تو حانث نہ ہوگا واضح رہے کہ حلف صحیح ہونے کے لئے طرفین کے نزدیک قسم پوری ہونے کا امکان شرط ہے، چاہے اللہ کے نام سے قسم کھائے یا طلاق یا عتاق کی قسم ہو اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک (حلف منعقد ہونے کیلئے امکان محلوف علیہ) شرط نہیں۔

تشریح :۔ (بقیہ صد گذشتہ) کہ منفرد اور کنز کا مسئلہ اہل کوفہ کے عرف پر مبنی ہے اور عرف کے اختلاف سے حکم میں بھی اختلاف ہوگا۔ ۱۲

سلہ قولہ لم یصدق اصلاً الخ یعنی نہ قضاءً اور نہ دیانۃً تو مطلق کھانے، مطلق پینے اور مطلق پہننے سے جزاء مرتب ہوگی مثلاً طلاق یا عتاق کی شرط کی نفی تو یہ واقع ہو جائے گی ۱۲

سلہ قولہ والمقتضی الخ تلویح میں ہے کہ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ اس لازمی معنی کو کہا جاتا ہے جو کہ تصحیح کلام کی خاطر اس سے پہلے مانا جاتا ہے تو جب اس کے ماتحت بہت افراد ہوں تو ان سب کا اثبات ضروری نہیں کیونکہ ایک فرد کے اثبات سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے اس لئے دوسرے اور افراد کو ثابت کرنے پر اس کی کوئی دلالت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عموم تو لفظ کے عوارض میں سے ہے اور مقتضی معنی ہوتا ہے نہ کہ لفظ ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ ولو ضم الخ یعنی اگر صرف "لبستُ" کے بجائے "لبستُ ثوباً" کہا اور معین کپڑے کی نیت کی اور "اکلتُ" کے ساتھ "طعاماً" کا لفظ ملایا اور معین کھانے کی نیت کی یا "شربتُ" کے ساتھ "شراباً" بھی ملایا اور معین مشروب کی نیت کی تو دیانۃً یہ نیت معتبر ہوگی کیونکہ اس نے عام لفظ ذکر کیا، اس لئے کہ جس طرح نکرہ تحت النفی عام ہوتا ہے اسی طرح شرط کے ساتھ بھی نکرہ عام ہوا کرتا ہے، تو ان مثالوں میں "ثوباً"، "طعاماً"، اور "شراباً" کا مفہوم عام ہوگا کیونکہ اثباتی شرط کے ساتھ حلف میں معنی نفی پائے جاتے ہیں۔ اور جب یہ الفاظ عام ہوئے تو ان میں تخصیص کی نیت صحیح ہوگی اور اصل یہ ہے کہ لفظ عام میں تخصیص کی نیت معتبر ہے اور جہاں لفظ ہی نہیں وہاں نیت کا بھی اعتبار نہیں ۱۲

سلہ قولہ وتصور البر الخ۔ یہ مبتدا ہے اور "شرط صحۃ الحلف" اس کی خبر ہے اور یہاں تصور سے مراد امکان ہے محض ذہنی تصور مراد نہیں۔ جو کہ محال امور میں بھی پایا جاتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حلف صحیح ہونے کے لئے چاہے اللہ کے نام پر حلف ہو یا طلاق وعتاق پر ہو، اول و آخر اس کا ممکن ہونا شرط ہے اور اگر وہ امر ممکن ہی نہ ہو تو یمین منعقد نہ ہوگا اور ایسے یمین کے حانث ہونے پر کفارہ لازم نہ ہوگا ۱۲

فان حلف واللّٰہ لاشربنّ الماء الذی فی ھذا الکوز الیوم ولا ماء فیہ او حلف ان لم اشرب الماء الذی فی ھذا الکوز الیوم فامرأتہ طالق ولا ماء فیہ لا یحنث عندھما وعند ابی یوسفؒ یحنث وان حلف وکان فیہ ماء فاریق فی الیوم فالحکم علی ما ذکر وان اطلق فکذا فی الاول دون الثانی ای ان لم یقل الیوم لا یحنث فیما لم یکن فی الکوز ماء عندھما خلافا لابی یوسفؒ وان کان فصُبّ یحنث اجماعا وذلک لانہ اذا لم یکن فی الکوز ماء فالبرّ غیر ممکن سواء ذکر الیوم اولا وان کان فیہ ماء فان ذکر الیوم فالبرّ انما یجب علیہ فی الجزء الاخیر من الیوم فاذا صُبّ لم یکن البرّ متصورا وان لم یذکر الیوم فالبرّ انما یجب علیہ اذا فرغ من التکلم لکن موسّعا بشرط ان لا یفوتہ فی مدۃ عمرہ والبر متصوّر عند الفراغ من التکلم فانعقد الیمین وعند ابی یوسفؒ یحنث فی الکل ففی الموقّت بعد مضی الوقت وفی غیر الموقّت یحنث فی الحال

ترجمہ:۔ اب اگر کوئی حلف کرے کہ واللہ اس پیالہ کا پانی آج ضرور پیوں گا۔ حالانکہ اس میں پانی نہ ہو، یا یوں قسم کھائے کہ اگر آج میں وہ پانی نہ پیوں جو اس پیالہ میں ہے تو میری بیوی پر طلاق ہے اور پیالہ میں پانی نہ ہو تو طرفین کے نزدیک حانث نہ ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک حانث ہو جائے گا اور اگر حلف کے وقت پیالہ میں پانی تھا پھر اسی دن وہ پانی گرا دیا گیا تو بھی حکم حسب سابق ہوگا۔ (کہ طرفین کے نزدیک حانث نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث ہوگا) اور اگر مطلقاً قسم کھائی (یعنی پانی پینے یا نہ پینے کے حلف میں آج کی قید نہ لگائے) تو پہلی صورت میں حکم اسی طرح ہوگا لیکن دوسری صورت میں وہ حکم نہ ہوگا یعنی اگر "آج کا دن" نہ کہے تو طرفین کے نزدیک پیالہ میں پانی نہ ہونے کی صورت میں حانث نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا اور اگر پانی موجود تھا پھر گرا دیا گیا تو بالاتفاق حانث ہو جائے گا کیونکہ اگر پیالہ میں پانی نہ ہو تو قسم کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں برابر ہے کہ آج کا دن مذکور ہو یا نہ ہو اور اگر پیالہ میں پانی ہو اور بوقت حلف "آج کا دن" ذکر کیا جائے تو دن کے آخر حصہ تک قسم پوری کرنی واجب ہوگی اب جب کہ پانی ——— گرا دیا گیا تو پھر قسم کی تکمیل ممکن نہ ہوگی اور اگر "آج کا دن" ذکر نہ کرے تو قسم سے فارغ ہوتے ہی قسم کی تکمیل اس پر واجب ہو جائے گی البتہ وجوب ادا میں اتنی وسعت ہوگی کہ اپنی زندگی میں قسم ضرور پوری کرے کہ ہرگز فوت ہونے نہ پائے اور چونکہ قسم سے فارغ ہونے کے وقت اس کی تکمیل کا امکان موجود تھا اس لئے یمین منعقد ہو گیا (اب پانی گر جانے سے اسے معذور قرار نہ دیا جائے گا بلکہ حانث ہو جائے گا) اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر صورت میں حانث ہوگا، موقت کی صورت میں وقت گذر جانے کے بعد اور غیر موقت میں فی الحال حانث ہوگا۔

تشریح:۔ سلہ قولہ فالحکم علی ما ذکر الخ یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قسم منعقد ہو جائے گی جس کا اثر وجوب کفارہ میں ظاہر ہوگا کیونکہ قسم پوری کرنا ممکن نہیں اور طرفین کے نزدیک یمین منعقد ہی نہیں ہوگا اس لئے کہ تکمیل قسم ممکن نہیں پس حنث میں کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ قسم پوری کر سکنا ابتداء یمین اور اس کی بقاء کے لئے شرط ہے جب امکان ہی نہیں تو قسم بھی باقی نہ رہے گی اگر کوئی شبہ کرے کہ پانی گرا دینے کے بعد بھی تو تکمیل ممکن ہے کہ دوبارہ اس میں پانی رکھا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں قسم پوری کرنا دن کے آخری لمحہ میں واجب ہے اور اس لمحہ میں دوبارہ پانی رکھنے اور پینے کی گنجائش نہیں ہو سکتی ۱۲
سلہ قولہ فکذا فی الاول الخ۔ یعنی پہلی صورت میں اور وہ یہ ہے کہ جب پیالہ میں پانی نہ ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک حانث ہوگا اور طرفین کے نزدیک حانث نہ ہوگا۔ بخلاف دوسری صورت کے یعنی جب پیالہ میں پانی موجود ہو پھر گرا دیا جائے (باقی صفحہ آئندہ پر)

وفی لیصعدن السماء اولیقلبن ھذا الحجر ذھبا اولیقتلن فلانا عالما بموتہ انعقد الیمین لتصور البر وحنث للعجز وان لم یعلم فلا وفیہ خلاف زفر فعندہ لا ینعقد الیمین لکون البر مستحیلا عادۃ قلنا ھذہ الامور ممکنۃ فی ذاتھا فیکفی ھذا لانعقاد الیمین ویحنث فی الحال بلا توقف الی زمان الموت للعجز عادۃ وانما قلنا عالما بموتہ لانہ حینئذ یراد قتلہ بعد احیاء اللہ تعالی وھو ممکن غیر واقع فینعقد الیمین ویحنث فی الحال اما اذا لم یکن عالما بموتہ فالمراد القتل المتعارف ولما کان میتا کان القتل المتعارف ممتنعا فصار کمسألۃ الکوز ومد شعرھا وخنقھا وعضھا کضربھا وقطن ملکہ بعد ان لبست من غزلک فھدی فغزلتہ ونسج ولبس ھدی۔

ترجمہ :۔ اور اگر قسم کھائی کہ میں آسمان پر چڑھوں گا یا اس پتھر کو سونا بناؤں گا یا فلانے کو قتل کروں گا حالانکہ جانتا ہے کہ وہ مرگیا ہے تو قسم منعقد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ان قسموں کا پورا ہونا فی نفسہ ممکن ہے لیکن ان کی تعمیل سے عاجز ہونے کی بنا پر حانث ہو جائے گا اور اگر یہ بات نہیں جانتا کہ وہ شخص مرچکا ہے تو حانث نہ ہوگا۔ اور ان مسئلوں میں امام زفرؒ خلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک قسم منعقد ہی نہیں ہوگی کیونکہ ان میں قسم پوری کر سکنا عادۃً محال ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ امور بذات خود ممکن ہیں اور انعقاد یمین کے لئے نفس امکان ہی کافی ہے البتہ فی الحال حانث ہو جائیگا۔ عادۃً ان امور سے عاجز ہونے کی بنا پر اس کی موت کے وقت تک توقف نہیں کیا جائے گا اور یہ جو کہا گیا جانتا ہے کہ وہ مرگیا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں قتل سے اس کی مراد ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ کردے پھر وہ اسے مارے اور یہ بات فی نفسہ ممکن ہے اگرچہ واقع ہونے کی امید نہیں اس لئے قسم منعقد ہو جائے گی اور فی الحال حانث ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کی موت کو نہ جانتا ہو تو قتل سے اس کی مراد متعارف قتل ہوگا اور جبکہ وہ مرچکا ہے تو قتل متعارف ممکن نہیں تو یہ حلف پیالہ سے پانی پینے کے مسئلہ کے مانند ہو جائے گا۔ اور اگر قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہ ماروں گا پھر اس کے بال کھینچے یا گلا دبایا یا اس کو دانت سے کاٹا تو یہ اس کو مارنا ہی ہوا اور حانث ہو جائے گا، اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے کاتے ہوئے سوت کے کپڑے پہنوں تو وہ ہدی ہے پھر وہ روئی کا مالک ہوا اور بی بی نے اس میں سے سوت کاتا اور مرد نے کپڑا بنا اور پہنا تو وہ ہدی ہو جائے گا۔

تشریح (بقیہ صدگذشتہ) تو طرفین کے نزدیک بھی حانث ہو جائے گا اور ہدایہ میں ہے کہ امام ابو یوسف نے مطلق اور مقید میں یہ فرق کیا ہے کہ موقت میں گنجائش ہوتی ہے اس لئے آخر وقت ہی میں فعل لازم ہوگا۔ پس اس سے پہلے حانث نہ ہوگا اور مطلق میں قسم پوری کرنا لازم ہے تکلم سے فارغ ہوتے ہی اور پانی نہ ہونے کی بنا پر وہ اس سے عاجز ہے اس لئے فوراً حانث ہوگا، اور طرفین نے یہ فرق کیا ہے کہ مطلق میں جونہی فارغ ہو قسم پوری کرنا لازم ہے اب پانی گر جانے کی بنا پر اگر قسم پوری نہ کر سکے تو اپنے یمین میں حانث ہو جائے گا جیسے کہ حانث قرار دیا جاتا ہے جبکہ حالف مر جائے اور پانی باقی ہو اور موقت میں تو وقت کے آخری حصہ ہی میں قسم پوری کرنا واجب ہوتا ہے اور اس وقت قسم پوری کرنے کا محل ہی باقی نہ رہا کیونکہ پانی نہ رہنے کی وجہ سے امکان ہی ختم ہوگیا اس لئے اس وقت قسم پوری کرنا واجب نہیں اور یمین باطل ہو جائے گا جیسے پانی نہ ہونے کی حالت میں ابتداءً قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوتی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ انعقد الیمین الخ عنایہ میں ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کا اپنے اوپر کوئی امر واجب کرنا اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کے حکم میں ہے اور ایجاب الٰہی کا دار و مدار تصور امکان پر ہے خواہ وہ فعل ممکن ہو یا اس کا کوئی قائم مقام ہو، قدرت ہونی شرط نہیں۔ دیکھئے کہ شیخ فانی پر روزہ واجب ہے حالانکہ اسے روزہ رکھنے کی قدرت نہیں کیونکہ اس کا تصور ممکن ہے اور خلف موجود ہے ایسا ہی یہاں وجوب بر کے بعد حانث ہوگا تو کفارہ لازم ہوگا، عادۃً عجز ثابت ہونے کی بنا پر جیسا کہ وہاں وجوب روزہ کے بعد فدیہ واجب ہے ۱۲

لہ قولہ وحنث للعجز الخ یعنی فوراً حانث ہوگا اگر یمین مطلق ہو اور اگر یمین کسی وقت سے مقید ہو تو وہ وقت گذرنے کے بعد حانث ہوگا۔ (باقی صد آئندہ پر)

قطن مبتدأ وھدیٌ خبرہ ومعنی الھدی ما یُھدیٰ الی مکۃ لیتصدق وعندھما ان
بصیغۃ المجہول ای یتصدق علی فقراء مکۃ ۱۲ عمدہ۔

کان القطن ملکہ یوم الحلف فغزلتہ ونسج ولبس یجب ان یھدی الی مکۃ وان لم
ای بقولہا ان لبست من غزلک فہو ھدی ۱۲ عمدہ

یکن القطن ملکہ یوم الحلف لا وخاتم ذھب حُلی لا خاتم فضۃ وعندھما
بفتح التاء بالفارسیۃ انگشتری ۱۲ عمدہ

عِقدُ لؤلؤ لم یُرصّع حلی وبہ یفتی ومن حلف لا ینام علی ھذا الفِراش فنام
بالکسر بمعنی القلادہ ۱۲ عمدہ — ای بقربہا فی مسائل العقد ۱۲ عمدہ

علیٰ قِرامٍ فوقہ حنث لا من جعل فوقہ فراشا اٰخر لان القرام تبعٌ للفراش
ای الفرق الفراش ۔ ای لا یحنث ۱۲ عمدہ

لا الفراش الاٰخر وحلف لا یجلس علی الارض فجلس علی بساطٍ او حصیر
بالکسر ۱۲ عمدہ علی وزن فعیل ۱۲ عمدہ

فوقہ حیث لا یحنث لانہ لم یجلس علی الارض ولو حال بینہ وبینھا لباسہ
فان الجلوس علی الارض عبارۃ عن الجلوس علیہا بلا حائل ۱۲ عمدہ

حنث لانہ جلس علی الارض ولباسہ تبعٌ لہ۔
ای لباس الحالف ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ ماتن کی اس عبارت میں ”قطن“ مبتدا ہے اور ”ہدیٌ“ اس کی خبر ہے اور ہدی کے معنی وہ شئ جو کہ مکہ کی طرف بھیجی جائے تاکہ وہاں کے فقراء پر صدقہ کیا جائے۔ اور صاحبین کے نزدیک حلف کے وقت اگر روئی اس کی ملک میں تھی پھر عورت نے سوت کاتا اور اس نے بُنا اور پہنا تو اس پر واجب ہے کہ مکہ مکرمہ میں صدقہ کیا جائے، اور اگر حلف کے وقت روئی اس کی ملک میں نہ تھی تو تصدق واجب نہیں۔ اور جو حلف کرے کہ زیور نہ پہنوں گا پھر سونے کی انگشتری پہنے تو قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر چاندی کی انگوٹھی پہنے تو قسم نہ ٹوٹے گی، اور موتیوں کا ہار اگرچہ جڑاؤ نہ ہو صاحبین کے نزدیک زیور میں داخل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، اور جو شخص حلف کرے کہ اس بچھونے پر نہ سوئے گا پھر اس پر ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر سویا تو حانث ہوگا اور اس بچھونے پر دوسرا بچھونا بچھا کر سو جائے تو حانث نہ ہوگا۔ اس لئے کہ چادر بچھونے کے تابع ہے اور دوسرا بچھونا تابع نہیں ہے اور اگر قسم کھائی کہ میں زمین پر نہ بیٹھوں گا، پھر فرش یا چٹائی پر بیٹھے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ تو زمین پر نہیں بیٹھا اور اگر اس کے اور زمین کے درمیان صرف اس کا لباس حائل ہو تو حانث ہو جائے گا کیونکہ لباس تو اس کا تابع ہے اس لئے زمین پر بیٹھنا متحقق ہو گیا

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) ۳؎ قولہ ممکنۃ فی ذاتہا الخ یعنی یہ امور بذات خود ممتنع نہیں ہیں چنانچہ فرشتے ہر روز آسمان پر چڑھتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ادریس علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں آسمان پر تشریف لے گئے قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ ہے اگر آسمان پر چڑھنا فی نفسہ ناممکن ہوتا تو کسی مخلوق میں یہ بات نہ پائی جاتی اور پتھر کا سونا بننا بھی ممکن ہے کہ اللہ ایسا بنادے اور کیمیا گر تو اپنی صنعت سے ایسا کر لیتے ہیں اور اس کے عدم امکان پر کوئی دلیل نہیں اسی طرح مردے کا قتل کرنا بھی ممکن ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کر دے ایسے واقعات بارہا ہو چکے ہیں ۱۲

۴؎ قولہ لانہ حینئذ الخ یعنی جب اُسے اس کی موت کا علم ہوا اور پھر بھی وہ اس کے قتل کا حلف اٹھائے تو اس کا یہ حلف محمول ہوگا دوبارہ زندگی حاصل ہونے کے بعد قتل پر جو کہ بذات خود ممکن ہے ہاں عادۃً محال ہے اس لئے امکان ذاتی کے لحاظ سے یمین منعقد ہو جائے گا اور عجز عادی کے باعث کفارہ لازم ہوگا، لیکن اگر موت کا علم نہ ہو تو اس کا حلف قتل متعارف پر محمول ہوگا جو کہ اس کی حیات معلومہ میں واقع ہو نہ کہ موت کے بعد نئی زندگی میں ۱۲

۵؎ قولہ ورد شعرہا الخ یہ صاحب ہدایہ کی اس عبارت کا اختصار ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اپنی عورت کو نہ مارے گا پھر اس نے اس کے بال کھینچے یا اس کا گلا گھونٹ دیا یا اسے کاٹ کھایا تو حانث ہوگا کیونکہ ضرب جسمانی ایذا دینے کا نام ہے اور ان حرکتوں سے ایذا پائی گئی اس لئے بعضوں نے کہا ہے کہ اگر ہنسی مذاق میں ایسا کیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ مزاح ہے ضرب نہیں ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) ۱؎ قولہ حلی الخ۔ حاربر فتحہ ادولام پر سکون کے ساتھ بمعنی زیور، اور سونے، چاندی کی انگوٹھی میں وجہ فرق یہ ہے کہ عرفاً و شرعاً سونے کی انگشتری تو زیور شمار ہوتی ہے نہ کہ چاندی کی انگوٹھی اسی لئے مردوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننی مباح اور سونے کی انگوٹھی پہننی حرام ہے (بنایہ) البتہ اگر چاندی کی انگوٹھی عورتوں کی انگوٹھیوں کی خاص شکل پر بنی ہو تو اس کے پہننے سے حانث ہو جائے گا ۱۲ (زیلعی) (باقی صد آئندہ پر)

کمن حلف لا یجلس علیٰ ھٰذا السریر فجلس علیٰ بساط فوقہ لان الجلوس علی السریر لا یعتاد بدون ان یجعل علیہ بساط فالجلوس علی البساط جلوسٌ علی السریر بخلاف جلوسہ علی سریرٍ اٰخر فوقہ فان الجلوس علی السریر الاٰخر لا یکون جلوسًا علیٰ ذلک السریر ولا یفعلہ یقع علی الابد ویفعلہ علیٰ مرۃ اعلم ان قولہ لا یفعل ھٰذا فی العرف سلبٌ لقولہ یفعلہ وقولہ یفعلہ واقع علی مرۃ فقولہ لا یفعلہ یکون للابد وبعلیّ المشیُ الی بیت اللّٰہ تعالیٰ اوالی الکعبۃ یجب حجٌّ او عمرۃٌ مشیًا ودمٌ ان رکب ولا شئ بعلیّ الخروج اوالذھاب الی بیت اللّٰہ تعالیٰ اوالمشی الی الحرم ھٰذا عند ابی حنیفۃؒ واما عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ فیلزمہ حجٌّ او عمرۃ مشیا۔

(حواشی بین السطور: علی کمنفسیخ ۱۲ عمدہ — ای الذی حلف بعدم الجلوس علیہ ۱۲ عمدہ — کما فی الحقیقۃ بھذہ الشیخ ۱۲ عمدہ — ای لا یجب شئ من الحج والعمرۃ ۱۲ عمدہ — ای فی قولہ علی المشی الی الحرم ۱۲ عمدہ)

ترجمہ :- ایسے ہی وہ شخص جو حلف کرے کہ اس چوکی پر نہ بیٹھوں گا پھر اس پر کوئی فرش بچھا کر بیٹھے (تو حانث ہو جائے گا) اس لئے کہ چوکی پر فرش بچھائے بغیر بیٹھنا خلاف عادت ہے تو فرش بچھا کر بیٹھنا گویا اسی پر بیٹھنا شمار ہوگا بخلاف اس صورت کے جبکہ اس چوکی پر دوسری چوکی رکھ کر بیٹھے (کہ حانث نہ ہوگا) اس لئے کہ دوسری چوکی پر بیٹھنا اس چوکی پر بیٹھنا قرار نہیں دیا جاتا ہے، اور جو قسم کرے کہ فلاں کام نہ کروں گا تو اس سے دوام مراد ہوگا اور اگر کہے کہ یہ کام کروں گا تو ایک بار کر لینا کافی ہے۔ واضح رہے کہ "لا یفعل ہذا" کا قول باعتبار عرف کے "یفعل ہذا" کی مطلق نفی ہے اس لئے "لا یفعلہ" کا قول ہمیشہ کی نفی پر محمول ہوگا (یعنی ایک بار کر لینے سے بھی حانث ہو جائے گا) اور "یفعلہ" کا حلف ایک دفعہ کر لینے ہی سے پورا ہو جائے گا۔ اور اگر کہے کہ مجھ پر واجب ہے پیادہ جانا خانۂ خدا کو یا کعبہ کی طرف، تو واجب ہے کہ پیادہ حج یا عمرہ کرے اور دم دینا واجب ہوگا اگر ان میں سوار ہوگا، اور اگر کہے مجھ پر واجب ہے نکلنا یا جانا بیت اللہ کی طرف یا چلنا حرم کی طرف تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔ یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک ان صورتوں میں بھی اس پر حج یا عمرہ پیادہ لازم آئے گا

تشریح :- (بقیہ صد گذشتہ) لہ قولہ لم یرصّع الخ مجہول کا صیغہ ہے ترصیع مصدر سے جس کے معنی ہیں ترکیب اور جڑاؤ، مطلب یہ کہ جب کسی نے حلف اٹھایا کہ زیور نہیں پہنے گا پھر موتیوں کا ہار پہن لیا جن میں سونے چاندی وغیرہ کی کوئی کاریگری نہیں کی گئی تو امام صاحب کے نزدیک حانث نہ ہوگا کیونکہ کاریگری کے بعد ہی عرف میں بطور زیور استعمال ہوتا ہے اور قسم کی بنیاد عرف پر ہے اور صاحبین کے نزدیک حانث ہو جائے گا کیونکہ موتی حقیقت میں زیور ہی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے وصف میں اس کا نام زیور رکھا ہے چنانچہ فرمایا "یحلون فیہا من اساور من ذہب ولؤلؤا" اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ اختلاف زمانہ اور دور کے اختلاف کے سبب سے ہے کہ زمانہ بدلنے پر عرف بدل گیا ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ واقع علی مرۃ الخ۔ کیونکہ فعل کے مفہوم میں اس کا مصدر نکرہ ہوا کرتا ہے مثلاً "لا اکلم زیدا" کے یہ معنی ہوں گے۔ "لا یصدر منہ معہ کلام" (اس کے ساتھ کلام واقع نہ ہوگا) اور اثبات میں نکرہ خاص ہوا کرتا ہے اس لئے ایک بار کے فعل سے قسم پوری ہو جائے گی اور مقام نفی میں نکرہ عام ہوتا ہے اس لئے "لا یفعلہ" کا قول دوام اور ہمیشگی پر محمول ہوگا۔ ۱۲ غایۃ البیان۔

(باقی صد آئندہ پر)

او المسجد الحرام او الصفا او المروة ولا يعتق عبد قيل له ان لم احج العام فانت حر فشهدا بنحره بكوفة هذا عند ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد يعتق لانه قامت شهادتهما على امر معلوم وهو التضحية بكوفة ومن ضرورته عدم الحج وهو شرط العتق وقالا هذه شهادة على النفي فنقول النفي الذي يحيط به علم الشاهد هو مثل الاثبات على ما بين في اصول الفقه في الترجيح وحنث بصوم ساعة بنية في لا يصوم لا في لا يصوم يوما او صوما حتى يتم يوما۔

ترجمہ:۔ ——— یا اگر کہا مجھ پر واجب ہے چلنا مسجد حرام کی طرف یا صفا یا مروہ کی طرف تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اور جب کوئی اپنے غلام سے کہے تو آزاد ہے اگر میں اس سال حج نہ کروں (پھر وہ حج کا مدعی ہو) اور دو گواہ گواہی دیں کہ نحر کے دن کوفہ میں رہ کر اس نے قربانی دی ہے تو غلام آزاد نہ ہوگا۔

یہ شیخین کا مذہب ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک غلام آزاد ہو جائے گا اس لئے کہ ان گواہوں نے ایک امر معلوم یعنی کوفہ میں قربانی دینے کی شہادت دی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس نے حج نہیں کیا ہے اور حج نہ کرنا آزادی کی شرط ہے شیخین فرماتے ہیں کہ یہ شہادت ہے نفی پر اور نفی پر شہادت مقبول نہیں ہوتی، شارح فرماتے ہیں کہ ایسی نفی جس پر گواہ کو (بذریعہ دلیل) علم یقینی حاصل ہو جائے وہ بمنزلہ اثبات کے ہے جیسا کہ اصول فقہ میں ترجیح کی بحث میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اگر حلف کرے کہ میں روزہ نہ رکھوں گا تو روزے کی نیت سے ایک ساعت کا روزہ رکھنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر کہے کہ میں ایک دن کا روزہ یا ایک روزہ نہ رکھوں گا تو تمام دن روزہ رکھے بغیر قسم نہ ٹوٹے گی۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) سلہ قولہ الی بیت اللہ الخ جب بیت اللہ مطلقاً بولا جاتا ہے اس سے کعبہ مراد ہوتا ہے اور بیت کی اضافت اللہ کی طرف شرافت وعظمت کے لئے ہے اور اسی معنی میں مسجد کو بیت اللہ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ وکلمۃ اللہ کہا جاتا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نور سے پیدا ہوا، یا اللہ کے نور کا ایک نور ہے اور اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے جیسا کہ بعض عوام کا خیال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے جو کہ نور محض ہے ایک مٹھی نور لے لیا اور اس کو اپنے حبیب کا نور بنا دیا۔ اس طرح ذات محمدی کا مادہ اور اصل ذات خداوندی ہو گئی، معاذ اللہ حق تعالیٰ اس سے بہت بلند وبرتر ہے ۱۲

سلہ قولہ یجب حج او عمرۃ الخ۔ اس لئے کہ اس لفظ سے اپنے اوپر حج یا عمرہ واجب کرنا معروف ومروج ہے پس یہ لفظ اس معنی میں مجاز لغوی اور حقیقت عرفی بن گیا اب یہ ایسا ہی ہو گیا کہ کوئی کہے "علی حج" یا "علی عمرۃ" ورنہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ کچھ بھی واجب نہ ہو کیونکہ اس نے ایسے امر کا التزام کیا ہے جو کہ نہ عبادت مقصودہ ہے اور نہ واجب ہے یعنی پیدل چلنا۔ ۱۲ فتح۔

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ علی ما بین الخ۔ شارحؒ نے تنقیح الاصول میں فرمایا کہ جب ایک قول مثبت اور دوسرا نافی ہو تو اگر نفی دلیل سے معلوم ہو تو یہ اثبات کی طرح ہو گی لیکن اگر دلیل سے معلوم نہ ہو بلکہ عدم اصلی پر مبنی ہو تو مثبت ہی اولیٰ وارجح ہو گا جیسا کہ ہم محرم اور مبیح کی بحث میں بتا چکے ہیں اور اگر دونوں پہلو کا احتمال ہو تو اس میں غور کیا جائے گا، نفی پر گواہی کا حکم بھی اسی اصل پر متفرع ہے ۱۲

فان[1] قلت الصوم الشرعی هو صوم الیوم واللفظ اذا کان له معنی لغوی ومعنی شرعی یحمل علی المعنی الشرعی قلت الشرع قد اطلقه علی ما دون الیوم فی قوله تعالیٰ ثم اتموا الصیام الی اللیل فالصوم التام صوم یوم فاذا قال لا اصوم یوما او لا اصوم صوما یراد به الصوم التام وبرکعة[2] فی لا یصلی لا بما دونها ولو ضم صلوٰة فبشفع لا باقل وبولد میت فی ان ولدت فانت کذا وعتق[3] الحی فی ان ولدت فهو حر ان ولدت میتا ثم حیا هذا عند ابی حنیفة واما عندهما فلا یعتق۔

ترجمہ:۔ اور اگر تم یہ سوال کرو کہ صوم شرعی تو ایک دن کے روزے کا نام ہے، اور کسی لفظ کے جب ایک معنی لغوی اور دوسرے معنی شرعی ہوں تو وہ معنی شرعی ہی پر محمول کیا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں بھی ایک دن سے کم پر صوم کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا "ثم اتموا الصیام الی اللیل" (پھر رات تک روزے کو پورا کرو) تو سارے دن کا روزہ پورا روزہ ہے اس لئے اگر اس نے کہا کہ ایک دن کا روزہ نہ رکھوں گا یا ایک روزہ نہ رکھوں گا تو اس سے پورا روزہ مراد ہوگا۔ اور اگر حلف کرے کہ میں نماز نہ پڑھوں گا تو ایک رکعت کے پڑھنے سے حانث ہو جائے گا نہ کہ اس سے کم میں، اور اگر پوری نماز کہے گا تو دو گانہ پڑھنے سے قسم ٹوٹے گی اس سے کم میں نہ ٹوٹے گی، اور اگر کوئی اپنی باندی کو کہے کہ اگر تو بچہ جنے تو تو آزاد ہے (یا بیوی کو کہے کہ تجھ کو طلاق ہے) اور اس کے بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی (لونڈی آزاد ہو جائے گی یا بیوی پر طلاق پڑ جائے گی) اور اگر کسی نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تو بچہ جنے تو وہ بچہ آزاد ہے اور اس کے مردہ بچہ پیدا ہوا پھر زندہ بچہ پیدا ہوا تو وہ زندہ بچہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ امام صاحب کا مذہب ہے لیکن صاحبین رحؒ کے نزدیک وہ آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح: [1] قولہ فان قلت الخ یہ اعتراض ہے اس حکم پر کہ "لا اصوم" کے حلف میں اگر ایک ساعت روزہ رکھا تو حانث ہو جائے گا خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حقیقت لغویہ پر حقیقت شرعیہ مقدم ہوتی ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ شرعاً روزہ پورے دن کا روزہ ہے اگرچہ لغت میں ایک ساعت کے روزے پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے اس لئے "لا اصوم" میں ایک دن پورا روزہ رکھے بغیر حانث نہ ہونا چاہیے اس کے شرعی معنی پر حمل کرتے ہوئے ۱۲

[2] قولہ برکعة الخ اور اس کی تکمیل سجدے سے ہوگی یعنی زمین پر پیشانی رکھنے سے زمین سے سر اٹھانے کی شرط نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز مختلف افعال کے مجموعہ کا نام ہے تو جب تک ان افعال مختلفہ کو بجا نہ لائے گا اس کا نام نماز نہ ہوگا بخلاف روزے کے کہ وہ ایک ہی رکن ہے اور ہر دوسرے جزء سے اس میں تکرار آتا ہے، اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ قعدہ بھی تو نماز کا رکن ہے اور ایک رکعت میں قعدہ نہیں پایا جاتا اس لئے اس سے حانث نہ ہونا چاہیے کیونکہ نماز کی پوری حقیقت نہیں پائی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے حقیقی ارکان قیام، قرارت، رکوع اور سجود ہیں اور قعدہ رکن زائد ہے جو کہ ختم نماز کے لئے لازم ہے اس لئے حنث میں اس کا اعتبار نہ ہوگا ۱۲ فتح

[3] قولہ وعتق الحی الخ یعنی اگر اس نے کہا "ان ولدت ولدا فذلک الولد حر" اور اس نے مردہ بچہ جنا پھر زندہ بچہ جنا تو یمین کی رو سے زندہ بچہ آزاد ہوگا، مردہ بچہ کی ولادت کے باعث یمین ختم نہ ہوگا کیونکہ اس کا قول "فهو حر" یہ زندہ بچہ کی ولادت مراد ہونے کا قرینہ ہے کیونکہ مردہ بچہ کی آزادی کا امکان ہی نہیں ۱۲

لان الیمین انحلت بولادۃ المیت قلنا لم تنحل لان قولہ ان ولدت المراد بہ الحی بقرینۃ قولہ فھو حر فان المیت لایمکن حریتہ وفی لیقضین دینہ الیوم وقضاہ زیوفا اونبھرجۃ اومستحقۃ اوباعہ بہ شیئا وقبضہ بر ولو کان ستوقۃ اورصاصا اووھبہ لہ لا سیجیٔ فی مسائل شتی من کتاب القضاء ان الزیف مایردہ بیت المال والنبھرجۃ مایردہ التجار والستوقۃ ماغلب غشہ فالزیف والنبھرجۃ مایکون الفضۃ غالبۃ علی الغش حتی یکون من جنس الدراھم لکن یرد للغش وفی المغرب قیل الزیف دون النبھرجۃ فی الرداءۃ لانہ یردہ بیت المال والنبھرجۃ مایردہ التجار وفی لایقبض دینہ درھما دون درھم حنث بقبض کلہ متفرقا لا بعضہ دون باقیہ اوکلہ بوزنین لم یتخلل بینھما الا عمل الوزن۔

(حواشی بین السطور: ای الدین الحال ۱۲ عمدہ — ای الدین بل یحنث لعدم وجود قضاء الدین ۱۲ عمدہ — ای یتفق نیہ ثان اہل بیت المال انما یاخذ الجید ۱۲ عمدہ — ای الاعلی فضۃ ۱۲ عمدہ — ای العبرۃ للاکثر ۱۲ عمدہ — ای الزیف ۱۲ عمدہ — لزیادۃ النقصان فیہا ۱۲ عمدہ — ای جمیع دینہ بصفۃ التفرق ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:- کیونکہ پہلے ہی مردہ بچہ جننے سے اس کی قسم تمام ہوگئی (امام صاحب کی طرف سے) ہم کہتے ہیں کہ قسم تمام نہیں ہوئی کیونکہ بچہ سے اس کی مراد زندہ بچہ ہے بقرینہ اس بات کے کہ اس نے کہا تھا کہ "وہ بچہ آزاد ہے" اور میت کی آزادی ممکن نہیں، اور اگر قسم کھائے کہ فلانے کا قرض آج ادا کردوں گا پھر ایسے درہم ادا کئے جو کھوٹے ہوں یا چلتے نہ ہوں یا کسی اور کے ہوں، یا قرض کے عوض کوئی چیز اس کے پاس بیچی اور قرضدار نے اس کا قبضہ کرلیا تو قسم پوری ہو جائے گی اور اگر وہ دراہم بالکل ردی ہوں یا رانگے کے ہوں یا قرض خواہ اس قرض دار کو قرض ہبہ کردے تو قسم ٹوٹ جائے گی، کتاب القضاء کے مسائل متفرقہ میں اس کی تفصیل آجائے گی کہ "زیف" وہ سکہ ہے جسے بیت المال قبول نہ کرے اور "نبہرجہ" وہ جسے تاجر قبول نہ کرے اور "ستوقہ" وہ ہے جس میں کھوٹ کی مقدار زیادہ ہو تو "زیف" اور "نبہرجہ" کے اندر کھوٹ کے مقابلہ میں چاندی کی مقدار غالب ہوتی ہے حتی کہ وہ دراہم کی جنس ہی شمار ہوتے ہیں لیکن کچھ کھوٹ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کئے جاتے اور "مغرب" کتاب میں ہے کہ "زیف" بہ نسبت "نبہرجہ" کے کھوٹے پن میں کمتر ہے اس لئے کہ . . . .

. . . . اس کو بیت المال ہی رد کرتا ہے اور "نبہرجہ" کو تاجر بھی رد کردیتے ہیں اور اگر حلف کرے کہ میں اپنے قرض کے وصول کرنے میں ایک درہم کو بدون دوسرے درہم کے نہ لوں گا (یعنی متفرق طور پر نہ لوں گا) تو کل قرض علیحدہ علیحدہ وصول کرنے سے حانث ہو جائے گا اور حانث نہ ہوگا اگر بعض قرض وصول کیا اور بعض باقی رہ گیا، یا کل قبضہ کیا مگر دو وزنوں میں جبکہ ان دونوں وزن میں تولنے کی فرد دی قصل کے علاوہ اور کوئی عمل نہ ہو۔

تشریح: ۱؎ قولہ بر الخ یعنی ان تمام صورتوں میں قسم پوری ہوجائے گی اور حانث نہ ہوگا، زیوف اور نبہرجہ میں اس لئے کہ یہ دونوں جنس دراہم سے ہیں کیونکہ چاندی کھوٹ پر غالب ہے اور غالب پر حکم ہوتا ہے بخلاف ستوقہ اور رصاص کے کہ ان میں یا تو چاندی نہیں ہے یا کھوٹ کا حصہ غالب ہے، اور مستحقہ دراہم ادا کرنے سے اس لئے حانث نہ ہوگا کہ مستحقہ ہونا ادائے قرض سے مانع نہیں کیونکہ دراہم مستحق پر قبضہ موقوف رہتا ہے اگر ان کے حقدار نے اجازت دیدی تو ان سے ادائے قرض جائز ہو جائے گا اور بیع کی صورت میں اس لئے کہ اس سے اَدَلْ بَدَلْ ہو جاتا ہے کیونکہ قرض تو اس کے مثل سے ادا کیا جاتا ہے اب جبیع دیدینا اپنے ذمہ قرض کے بدلے میں یہ قرض ہی ادا کرنا ہوا۔

۲؎ قولہ مایردہ التجار الخ یعنی یہ زیوف سے اور ناقص ہوتا ہے کیونکہ تاجر لوگ عموماً ایسے سکوں کو کل چشم پوشی کرکے لیتے ہیں جنہیں بیت المال قبول نہیں کرتا۔

۳؎ قولہ لا ببعضہ الخ یعنی صرف بعض دین قبضہ کرنے سے حانث نہ ہوگا بلکہ اس کا حانث ہونا موقوف رہے گا باقی کے قبضہ پر جب باقی پر بھی قبضہ کرلیگا حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے کل دین کو متفرقاً قبضہ نہ کرنے پر قسم کھائی ہے اور کل دین پر متفرق طور پر قبضہ صادق نہیں آئے گا جب تک کہ باقی پر بھی قبضہ نہ کرلے۔

ولانی ان کان لی الا مائۃ فکذا او لا یملک الا خمسین هذا بناء علی ان الاستثناء عندنا تکلم بالباقی بعد الثنیا ولیس الاستثناء من النفی اثباتًا فان قوله ان کان لی الا مائۃ فکذا معناه لیس لی الا مائۃ فهو لنفی ما فوق المائۃ واما اثبات المائۃ فغیر لازم عندنا ولانی لا یشم ریحانًا ان شم وردًا او یاسمینًا لان الریحان ما لا ساق له والورد والیاسمین لهما ساق والبنفسج والورد علی الورق ای ورق الورد دون اعیانهما التی علیها الورق۔

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی کہے کہ میرے پاس اگر ہو سوائے سو کے تو ایسا ہو (مثلاً بیوی پر طلاق یا غلام آزاد ہے) اور وہ صرف پچاس کا مالک ہے تو حانث نہ ہوگا یہ مسئلہ اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ استثناء میں ہمارے نزدیک مستثنیٰ کے بعد جو بچ جائے وہی کلام سے مراد ہوا کرتا ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ استثنا نفی سے اثبات کا فائدہ دیتا ہو تو حالف کا قول "لان کان لی الا مائۃ فکذا" کے معنی یہ ہیں کہ "لیس لی الا مائۃ" (نہیں ہے میرے پاس سوائے سو کے) تو یہ کلام سو سے زیادہ کی نفی کے لئے ہے لیکن سو کا اثبات تو یہ ہمارے نزدیک اس کلام سے لازم نہیں آتا۔ اور جو حلف کرے کہ ریحان کو نہ سونگھوں گا اور اس کے بعد گلاب کا یا چنبیلی کا پھول سونگھا تو حانث نہ ہوگا، اس لئے کہ ریحان اس سبزہ خوشبو کا نام ہے جس میں تنہ نہ ہو اور گلاب و یاسمین تنہ دار پھول ہیں اور اگر بنفشہ یا گلاب کی قسم کھائے تو اس کے پتے مراد ہوں گے یعنی پھول کے پتے مراد ہوں گے نہ کہ اس کے تنہ اور شاخیں جن پر پتیاں ہوتی ہیں۔

تشریح:۔ لہ قولہ ولا یملک الا خمسین الخ یعنی در انحالیکہ اس کی ملک میں محض پچاس ہوں اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک سو سے کم کا مالک ہو، ایسے ہی اگر ایک سو کا مالک ہو تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام سے قائل کی غرض یہ ہے کہ سو سے زیادتی کی نفی ہو جائے، کم کی نفی مقصود نہیں اس لئے ایک سو یا اس سے کم کا مالک ہونے سے حانث نہ ہوگا ہاں اگر زیادہ کا مالک ہو تو حانث ہوگا ۱۲

سلہ قولہ فهو لنفی الخ کیونکہ صدر کلام یعنی مستثنیٰ منہ وہ مال ہے جو کہ سو اور اس سے زیادہ پر مشتمل ہے اور استثناء نے مستثنیٰ کے غیر کی نفی پر دلالت کی ہے تو گویا اس نے یوں کہا کہ "میں سو سے زیادہ کا مالک نہیں ہوں، اگر سو سے زیادہ کا مالک ہوا تو میری بیوی پر طلاق یا میرا غلام آزاد ہے" ۱۲

سلہ قولہ ریحانا الخ بعضوں نے کہا کہ یہ نباتات میں سے جس کی خوشبو خوشگوار ہو، اور بعض نے کہا وہ پودے ہیں جس کے ساق میں خوشبو ہوتی ہے جیسے گلاب کے پھول میں اور ایک قول میں یہ سبزیوں کی قسم ہے جس میں تنہ نہیں ہوتا اور خوشبو نہایت عمدہ ہوتی ہے اس کا مدار عرف پر ہے، چنانچہ فقہاء بتلاتے ہیں کہ اگر کوئی بنفشہ یا گلاب نہ خریدنے کی قسم کھائے تو ان کے پتے خریدنے سے حانث ہوگا لیکن تیل خریدنے سے حانث نہ ہوگا ۱۲ فتح

بَابُ الحَلف بالقول

وحنث في حلف لا يكلمه ان كلمه نائمًا بشرط[1] ايقاظه وفي الا باذنه اي وحنث في حلف لا يكلمه الا باذنه ان اذن وان لم يعلم به فكلمه لان الاذن اعلام فان اذن ولم يعلم فهذا لا يكون اذنًا وعند ابي يوسف لا يحنث لان الاذن هو الاطلاق وفي لا يكلم صاحب هذا الثوب فباعه فكلمه وفي لا يكلم هذا الشاب فكلمه شيخًا لان الوصف المذكور لا يصلح[2] مانعًا من التكلم فيراد الذات وفي هذا حر ان بعته او اشتريته ان عقد بالخيار[3]

قول کے بارے میں قسم کا بیان

ترجمہ: اگر قسم کھائے کہ فلانے سے نہ بولوں گا پھر اس کو سوتے میں پکارا کہ وہ جاگ اٹھا تو حانث ہو جائے گا اور اس کے اذن کے بغیر کی قسم میں یعنی حانث ہو جائے گا اگر اس نے قسم کھائی کہ فلانے سے کلام نہیں کروں گا اس کے اذن کے بغیر اگر اس شخص نے اجازت دے تو دی مگر اجازت کا حال اس کو معلوم نہ ہوا اور اس سے کلام کر لیا، کیونکہ اذن میں خبر دینے کا مفہوم ہے اب اگر اس نے اجازت تو دی اور حلف کرنے والے کو علم نہ ہوا تو اس کا نام اذن نہ ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حانث نہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک اذن مطلقًا اجازت کا نام ہے (اسے خبر ہو یا نہ ہو) اور اگر قسم کھائی کہ اس کپڑے کے مالک سے گفتگو نہ کروں گا پھر جب اس نے وہ کپڑا بیچ ڈالا تب اس سے گفتگو کی یا قسم کھائی کہ اس جوان سے بات نہ کروں گا پھر جب وہ بوڑھا ہو گیا تب اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ وصف مذکور کلام سے مانع ہونے کا سبب بننے کے لائق نہیں اس لئے یہاں ذات ہی مراد ہوگی اور اگر کہے کہ اس غلام کو اگر میں فروخت کروں یا خریدوں تو وہ آزاد ہے پھر اس کو خریدا یا بیچا بشرط خیار تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: [1] قولہ بشرط ایقاظہ الخ اور بہت سے مشائخ نے جاگنے کی شرط نہیں لگائی۔ بنایہ میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ تکلم اسماع کلام کو کہتے ہیں جیسے خود اپنی ذات سے بات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنانا۔ لیکن دوسرے کو سنانا ایک مخفی امر ہے جو معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے اسماع حاصل ہونے کے سبب کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور وہ یہ کہ مخاطب ایسے مقام میں ہو کہ اگر وہ متکلم کی طرف کان لگائے اور سننے سے کوئی چیز مانع نہ ہو تو سن لے، اب حکم سبب کے ساتھ وابستہ ہوگا اور حقیقی سنانے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ اور مختار قول یہ ہے کہ اگر وہ جاگ اٹھے تو حانث ہوگا ورنہ نہیں اس لئے کہ اگر وہ نہ جاگے تو ایسا ہو جائے گا کہ گویا بہت دور مقام سے اُسے پکارا ہے جہاں سے وہ اس کی آواز نہیں سن سکتا ہے ۱۲

[2] قولہ لا یصلح مانعًا الخ اس عبارت سے ایک ضابطۂ کلیہ کی طرف اشارہ کیا جس کا ذکر بار ہا گذر چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وصف ایسا ہو کہ وہی یمین کا باعث ہے تو وہ وصف معتبر ہوگا اور اگر وصف باعث یمین نہ ہو بلکہ اتفاقًا اس کا ذکر آ گیا تو وصف لغو ہوگا اور حکم ذات سے متعلق رہے گا ۱۲

[3] قولہ بالخیار الخ یعنی خیار شرط جو کہ تین دن یا اس سے کم کے لئے ہوا کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خیار بائع کے لئے ہو تو بالاتفاق بائع کی ملکیت سے خروج مبیع کو مانع ہوگا اور اگر خیار مشتری کے لئے ہو تو بالاتفاق بائع کی ملکیت سے خروج مبیع کو مانع نہ ہوگا۔ لیکن کیا خریدار کی ملکیت میں داخل ہونے سے مانع ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک مانع ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک مانع نہ ہوگا، اس کی تفصیل کتاب البیوع میں ان شاء اللہ آئے گی ۔ ۱۲

اى قال ان بعتُه فهو حر فباعه على انه بالخيار يعتق لانه لم يخرج عن ملكه وقد وجد الشرط وهو البيع ولو قال ان اشتريته فهو حر فشراه على انه بالخيار عتق اما على اصلهما فلانه دخل فى ملك المشترى واما على اصل ابى حنيفة فلانّه علق العتق بالشراء فكانه قال بعد الشراء بالخيار فهو حر فيعتق وفى ان لم ابعه فكذا فاعتق اودبر اى قال ان لم ابعه فكذا اى امرأته طالق فاعتقه او دبّره طُلقت امرأته لان الشرط وهو عدم البيع قد تحقق وبفعل وكيله فى حلف النكاح والطلاق والخلع والعتق والكتابة والصلح عن دم عمد والهبة والصدقة والقرض والاستقراض والايداع والاستيداع والاعارة والاستعارة والذبح وضرب العبد وقضاء الدين وقبضه والبناء والخياطة والكسوة والحمل۔

ترجمہ :۔ یعنی کسی نے کہا کہ اگر میں اس غلام کو بیچوں تو وہ آزاد ہے پھر اس نے اس کو بیچا اس شرط پر کہ اس کو خیار حاصل رہے گا تو غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ خیار رہنے کی وجہ سے غلام اس کی ملک سے نہیں نکلا ہے اور شرط یعنی بیع پائی گئی (اس لئے آزاد ہو جائے گا) اور اگر کہا کہ اس غلام کو خرید کروں تو وہ آزاد ہے پھر اسے خرید البشرط خیار تو بھی آزاد ہو جائیگا صاحبینؒ کے اصل کے مطابق تو اس لئے کہ (خیار کے باوجود) غلام مشتری کی ملک میں داخل ہو چکا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے اصل کے مطابق اس بنا پر آزاد ہوگا کہ اس نے عتق کو خریدنے پر معلق کیا ہے تو گویا اس نے خیار شرط پر خریدنے کے بعد کہا کہ وہ آزاد ہے (اور خیار شرط کے ساتھ خریدنے کے بعد وہ حر کہنے سے آزاد ہو جاتا ہے) اس لئے آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر یہ کہا کہ میں اس کو نہ بیچوں تو ایسا ہو پھر اس کو آزاد یا مدبر کر دیا تو حانث ہو جائے گا۔ یعنی اگر کسی نے کہا کہ میں اس غلام کو نہ بیچوں تو میری بیوی کو طلاق ہے پھر اس نے اس غلام کو آزاد کر دیا مدبر بنا لیا تو اس کی عورت پر طلاق پڑ جائے گی کیونکہ نہ بیچنے کی شرط متحقق ہو گئی اور حانث ہو جائیگا اپنے وکیل کے فعل سے اگر قسم کھائی نکاح کے بارے میں یا طلاق یا خلع یا آزاد کرنے، یا مکاتب بنانے یا قتل عمد سے صلح کرنے یا ہبہ کرنے یا صدقہ دینے یا قرض دینے یا قرض لینے یا امانت رکھنے یا امانت لینے یا عاریت دینے یا عاریت لینے یا جانور کو ذبح کرنے یا غلام کو مارنے یا قرض ادا کرنے یا قرض وصول کرنے یا گھر بنانے یا کپڑا سلوانے یا کپڑے پہنانے یا بوجھ اٹھانے کے بارے میں۔

تشریح :۔ لہ قولہ فلانہ علق الخ حاصل یہ کہ اس نے خریداری کے ساتھ عتق کو معلق کیا ہے چنانچہ کہا۔ اگر میں نے اس کو خریدا تو یہ آزاد ہے ۱۲ اور معلق شرط پائی جانے کے بعد منجز (اسی وقت تصرف کرنے) کی طرح ہوتا ہے اب اگر کوئی شخص خیار کے ساتھ غلام خریدنے کے بعد اس کو آزاد کر دے تو اس کی طرف سے خیار فسخ کر کے پہلے اس کی ملک ثابت مانی جاتی ہے پھر عتق نافذ ہوتا ہے ایسا ہی اس مسئلہ میں بھی ہوگا ۱۲

سلہ قولہ قد تحقق الخ کیونکہ یمین اگرچہ مطلق ہے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں لیکن پورے ہونے کا امکان ختم ہو گیا محل نہ رہنے کی وجہ سے اس لئے کہ عتق و تدبیر کے بعد اس کی بیع نہیں ہو سکتی کیونکہ پہلی صورت میں تو وہ ملک ہی سے نکل گیا ہے اور دوسری صورت میں وہ عتق کا مستحق ہو چکا جسے اب رد نہیں کیا جا سکتا ہے ۱۲،

فان الوکیل فی ھٰذہ العقود سفیرٌ محض حتی ان الحقوق ترجع الی الأمر فکان الأمر

فعل بنفسہ لا فی حلف البیع والشراء والاجارۃ والاستیجار والصلح عن مال

والخصومۃ والقسمۃ وضرب الولد لان العقد صدر من الوکیل حتی ان الحقوق

ترجع الیہ ولم یصدر من المؤکل فلا یحنث والفرق بین ضرب العبد وضرب

الولد ان الضرب فعلٌ حسیٌ لا ینتقل من احد الی اٰخر الا اذا صحّ التوکیل وصحۃ

التوکیل یکون فی الاموال فیصحّ فی العبد دون الولد ولا فی لا یتکلم فقرأ القراٰن

او سبّح او ھلّل او کبّر فی الصلوٰۃ او خارجھا ھٰذا عندنا فانہ لا یسمّی متکلمًا عرفًا

وشرعًا وعند الشافعیؒ یحنث وھو القیاس لانہ کلام حقیقۃ ویوم اکلمہ علی الملوین

ترجمہ :۔ اس لئے کہ ان امور میں وکیل محض سفیر اور واسطہ ہوا کرتا ہے چنانچہ ان میں تمام حقوق آمر ہی کی طرف لوٹتے ہیں تو گویا آمر نے خود ہی ان امور کو انجام دیا ہے۔
اور حانث نہ ہوگا وکیل کے فعل سے اگر قسم کھائی بیع کے بارے میں یا خریدنے یا اجارہ دینے یا اجرت پر لینے یا مال کے بدلے میں صلح کرنے، یا مقدمات کی پیروی کرنے یا تقسیم کرنے یا لڑکے کو مارنے کے بارے میں، کیونکہ یہ عقود وکیل سے صادر ہوئے چنانچہ ان کے حقوق بھی وکیل ہی کی طرف لوٹتے ہیں مؤکل سے صادر نہیں ہوئے اس لئے وکیل کے فعل سے مؤکل حانث نہ ہوگا، اور غلام کے مارنے اور لڑکے کے مارنے میں فرق یہ ہے کہ مارنا تو ایک محسوس فعل ہے جس میں اس کا امکان نہیں کہ ایک کرے اور دوسرے کی طرف منسوب ہو جائے ہاں اگر اس فعل میں وکیل بنانا صحیح ہو (تو حکمًا مؤکل کی طرف منسوب ہو سکتا ہے) اور مال میں تصرف کے لئے وکیل بنانا درست ہے اس لئے غلام میں توکیل صحیح ہوگی (کہ وہ مال ہے) اور لڑکے میں صحیح نہ ہوگی (کہ وہ مال نہیں) اور اگر حلف کرے کہ میں کلام نہیں کرونگا پھر قرآن یا تسبیح پڑھے یا لا الٰہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہے نماز کے اندر یا نماز کے باہر تو حانث نہ ہوگا۔ یہ ہمارا مذہب ہے کیونکہ ان امور کو عرفًا اور شرعًا کلام کرنا نہیں کہا جاتا اور امام شافعیؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔ اور یہی ظاہر قیاس کا تقاضا ہے کیونکہ واقعۃً یہ بھی تو کلام ہے اور اگر جس دن میں فلاں سے کلام کروں کہے تو رات دن دونوں شامل ہوں گے۔

تشریح :۔ سلہ قولہ سفیر محض الخ اسی وجہ سے ان امور کی انجام دہی میں آمر کے نام کی تصریح ضروری ہے چنانچہ اگر کسی بھی طریقہ سے آمر کا نام نہ لے تو یہ عقود مامور کی طرف سے واقع ہوں گے ۱۲

سلہ قولہ لا فی حلف الخ اور یہی حکم ہے عوض پر ہبہ کرنے اور سلم اور اقالہ وغیرہ کا چنانچہ ان معاملات میں بھی وکیل کے فعل سے حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ عقود وکیل خود ہی انجام دیتا ہے اور اپنی طرف نسبت کرتا ہے اس لئے اس کا فعل آمر کا فعل نہ ہوگا ۱۲

سلہ قولہ وضرب الولد الخ اس سے مراد بالغ لڑکا کیونکہ باپ کو چھوٹے لڑکے کے مارنے کا حق ہے اس لئے دوسرے کو یہ حق تفویض کرنے کا بھی حق ہے بنا بریں وکیل کے فعل سے وہ حانث ہوگا جیسے قاضی، سلطان اور محتسب کو جنہیں مارنے کا حق ہے انہیں مارنے کے لئے دوسرے کو وکیل بنانے سے فعل وکیل سے وہ حانث ہو جاتے ہیں ۱۲ خانیہ۔

سلہ قولہ حتی ان الحقوق الخ یعنی حقوق کا مطالبہ وکیل ہی سے ہوگا۔ مثلاً خریدنے کی صورت میں ثمن ادا کرنا اور بیچنے میں مبیع حوالہ کرنا اور اسی قیاس پر دوسرے امور کا تعلق وکیل سے ہوگا، اس مقام کا ضابطہ یہ ہے کہ جس عقد کی نسبت وکیل مؤکل کی طرف کرتا ہے اس کے حقوق بھی مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں اور جس عقد کی نسبت وکیل اپنی طرف کرتا ہے اور اس میں مؤکل کے ذکر کی ضرورت نہیں پڑتی اس کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہوں گے اس کی تفصیل انشاء اللہ کتاب الوکالۃ میں آئے گی ۱۲

ھہ قولہ وشرعًا الخ جس کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں نماز کے اندر کلام کرنے کی ممانعت وارد ہے حالانکہ یہ امور نماز میں مباح ہیں۔ نیز ایسے مواقع میں جہاں کلام مکروہ ہے مثلاً وضو وغیرہ وہاں ایسے اذکار مشروع ہیں ۱۲۔

(باقی صد آئندہ پر)

قال لامرأته انت طالق يوم اكلم فلانا فهو على الليل والنهار لما مر في باب ايقاع الطلاق ان اليوم اذا قرن بفعل غير ممتد يراد به مطلق الوقت وصح نية النهار لانه مستعمل فيه ايضا وعند ابي يوسف يصدق ديانة لا قضاء لانه خلاف المتعارف وليلة اكلمه على الليل والا ان للغاية كحتى ففي ان كلمته الا ان يقدم زيد او حتى حنث ان كلمه قبل قدومه وفي لا يكلم عبده او صديقه او امرأته او لا يدخل داره ان زالت اضافته وكلمه لا يحنث في العبد اشار اليه بهذا اولا وفي غيره ان اشار بهذا حنث والا فلا حلفه لا يكلم عبد فلان او حلف لا يكلم عبد فلان هذا فزالت اضافته۔

ترجمہ:۔ یعنی اگر اپنی بیوی سے کہے تجھ کو طلاق ہے جس دن میں فلاں سے کلام کروں تو اس سے رات اور دن دونوں سمجھے جائیں گے جیساکہ ایقاع طلاق کے باب میں گذر چکا ہے کہ "یوم" جب فعل غیر ممتد سے متصل ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور اگر اس سے صرف دن کی نیت کی تو یہ نیت معتبر ہوگی۔ کیونکہ یوم کا لفظ خاص دن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دیانۃً اس کی یہ نیت معتبر ہوگی لیکن قضاءً نہ ہوگی کیونکہ یہ مشہور استعمال کے خلاف ہے اور اگر یہ کہے کہ "جس رات فلانے سے بولوں تو ایسا ہو" تو اس کلام سے خاص رات ہی مراد ہوگی اور "الا آن" (مگر یہ کہ) کلمہ "حتی" کی طرح غایت کے لئے ہے پس اگر کہے کہ اس سے نہ بولوں گا مگر یہ کہ زید آجائے یا یہاں تک کہ زید آجائے، پھر اس نے زید کے آنے سے پہلے اس سے کلام کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی (اور آنے کے بعد کیا نہ ٹوٹے گی) اور اگر قسم کھائے کہ فلانے کے غلام سے یا اس کے دوست سے یا زوجہ سے کلام نہ کروں گا، یا فلانے کے گھر میں داخل نہ ہوں گا، اس کے بعد اگر ان کی فلاں شخص سے زائل ہو جائے پھر کلام کرے تو حانث نہ ہوگا۔ غلام سے کلام کرنے پر چاہے حلف کے وقت اشارہ کر کے اس غلام سے کہا ہو یا اشارہ نہ کیا ہو، اور دوسروں کے بارے میں اگر "اس" کہکر اشارہ کیا ہو تو حانث ہوگا ورنہ نہیں۔ یعنی حلف کیا فلاں کے غلام سے کلام نہ کروں گا یا حلف کیا فلاں کے "اس غلام سے کلام نہ کروں گا اس کے بعد مالک سے اس کی نسبت زائل ہو گئی)

تشریح:۔ (بقیہ گذشتہ) لہ قولہ الملوین الخ میم لام اور واؤ تینوں کے فتحہ کے ساتھ یہ ملا کا تثنیہ ہے اور اس سے رات و دن مراد ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ للغایۃ الخ یہ جب ہے جبکہ اس کا استعمال شرط کے ساتھ ہو اور اگر کسی نے کہا "امرأۃ طالق الا ان یقدم زید" تو یہاں "الا ان" غایت کے لئے نہ ہوگا۔ بلکہ شرط کے لئے ہوگا کیونکہ غایت کے لئے ان امور میں ہوتا ہے جن کے لئے وقت مقرر کرنے کا احتمال ہو، اور طلاق میں اس کا احتمال نہیں، اس لئے اس میں شرط کے لئے ہوگا۔ اور شرط معنی نفی پر مشتمل ہے کیونکہ اس نے زید کے آنے کو طلاق کا مانع قرار دیا اس لئے اگر وہ آیا تو طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اس کی موت سے طلاق واقع ہوگی۔ ۱۲۔

سکہ قولہ حنث ان کلمہ الخ۔ اور اگر وہ شخص مرجائے جس کے قدوم کے ساتھ حلف کیا تو حلف ساقط ہو جائے گا کیونکہ کلام کی ممنوعیت اس کے قدوم کے ساتھ ختم ہونے پر حلف ہے اور موت کے بعد پھر اس کے آنے کا امکان نہیں رہا۔ اس لئے یمین ساقط ہو جائے گا اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے اس اصل کی بنیاد پر کہ ان کے نزدیک امکان شرط نہیں ۱۲

سکہ قولہ لا یحنث الخ ہدایہ میں ہے کہ یہ اس بنا پر کہ اس نے ایسے عمل کے ساتھ ایک عمل پر قسم کھائی جو محل فلاں کی طرف منسوب ہے یہ نسبت خواہ ملک کی ہو۔ یا تعلق کی ہو اب جبکہ نسبت نہیں رہی تو حانث بھی نہ ہوگا، ملک کی نسبت میں تو بالاتفاق یہ حکم ہے اور دوسرے تعلق کی نسبت میں امام محمدؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا جیسے فلانے کے دوست یا فلانے کی زوجہ کے ساتھ کلام نہ کرنے کی قسم میں اس شخص سے نسبت زائل ہونے پر بھی حانث ہوگا کیونکہ زیادات میں بتایا ہے کہ یہ نسبت محض تعارف کے لئے ہے اور اصل مقصود ان دونوں کی ذات سے قطع تعلق ہے اس لئے حانث ہونے میں اسی انتساب کا باقی رہنا شرط نہیں۔ تو اشارہ کی صورت کی طرح حکم کا تعلق ان کی ذات سے ہوگا۔ ۱۲۔

اى لم يبق عبداً له فكلمه لا يحنث اما اذا لم يشر فظاهر وان اشار فلان العبد لسقوط منزلته لا يعادى لذاته بل لمعنى فى المضاف اليه فالاضافة تكون معتبرة فاذا زالت لا يحنث وان حلف لا يكلم صديق فلان او قال صديق فلان هذا او حلف لا يدخل دار فلان او قال دار فلان هذه فلم يبق الصداقة وباع الدار فكلمه ودخل الدار ففى صورة عدم الاشارة لا يحنث لان الاضافة معتبرة وفى صورة الاشارة يحنث لان هذه الاشياء يمكن ان تهجر لذاتها فاذا كانت الذات معتبرة كان الوصف وهو كونه مضافاً الى فلان فى الحاضر لغواً وحين وزمان بلانية نصف سنة نكّر او عرّف لقوله تعالى تؤتى اكلها كل حين باذن ربها ومعها مانوى والدهر لم يدر منكرا قال ابوحنيفة لا ادرى ما الدهر وعندهما نصف سنة مثل لا اكلمه حيناً۔

ترجمہ :۔ یعنی اس کا غلام نہ رہا اب اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا، اشارہ نہ کرنے کی صورت میں حانث نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے اور اشارہ کی صورت میں بھی اس لئے حانث نہ ہوگا کہ غلام ایسا کم رتبہ ہوتا ہے کہ بذات خود قابل عداوت نہیں بلکہ اس کی وجہ سے ہو سکتی ہے جس کی طرف اس کی نسبت ہے اس لئے لامحالہ نسبت کا اعتبار ہوگا اور جب نسبت ختم ہو گئی تو حانث بھی نہ ہوگا، لیکن اگر حلف کرے فلاں کے دوست سے کلام نہ کرے گا یا فلاں کے اس دوست سے کلام نہ کرے گا یا حلف کرے کہ داخل نہ ہوگا فلاں کے گھر میں یا کہے فلاں کے اس گھر میں اس کے بعد ان دونوں کے درمیان دوستی نہ رہی اور فلانے نے وہ گھر بیچ دیا پھر اس دوست سے کلام کیا اور اس کے گھر میں داخل ہوا تو اشارہ نہ ہونے کی صورت میں حانث نہ ہوگا کیونکہ ان میں فلاں کی طرف کی نسبت کا اعتبار ہے اور اشارہ ہونے کی صورت میں (بعد میں کلام کرنے سے) حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ بذات خود ان سے ترک تعلق کا ارادہ ممکن ہے اب جبکہ ان کی ذات کا اعتبار ہو سکتا ہے تو پھر اشارہ کے ساتھ حاضر کی تعیین کی صورت میں فلاں کی طرف نسبت کا وصف لغو ہو جائے گا۔ اور اگر قسم میں "حین" یا "زمان" کا لفظ استعمال کیا اور کسی مدت کی نیت نہیں کی تو اس سے مراد نصف سال ہوگا چاہے ان لفظوں کو نکرہ استعمال کرے یا معرفہ۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا" کہ یہاں حین کی تفسیر نصف سال سے کی گئی ہے، اور اگر معین مدت کی نیت کی تو جیسی نیت ہے وہی مراد ہوگا۔ اور دہر کا لفظ جب نکرہ ہو تو اس کی مدت معلوم نہیں امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ "دھر" کی مقدار کیا ہے اور صاحبین فرماتے ہیں "لا اکلم حینا" کی طرح دہر سے بھی مراد نصف سال ہے۔

تشریح: اسلئے قولہ یمکن ان تہجر الخ۔ یعنی فلاں کی طرف منسوب ہونے سے قطع نظر ان سے ترک تعلق کیا جائے، بخلاف غلام کے کہ وہ کم رتبہ ہونے کے باعث اس کی ذات سے عداوت نہیں ہو سکتی بلکہ غیر کے سبب سے ہو سکتی ہے اس لئے اشارہ کے باوجود اس میں اضافت کا اعتبار ہوگا۔

سلہ قولہ والدہر الخ شرح تلخیص جامع کبیر میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا "اگر کسی نے کہا "ان صمت دہرا" اور اس کی کوئی نیت نہ ہو تو اس پر چھ مہینہ روزہ رکھنے سے حانث ہو جائے گا۔ خواہ ایک ساتھ رکھے یا متفرق طور پر کیونکہ اس کا استعمال "حین" کی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے "لم ار فلانا منذ دھر ۔ ومنذ حین" اس لئے حین کا جو حکم ہے وہی حکم ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے کیونکہ نام اور الفاظ لغوی کی مقداریں نقل پر موقوف ہیں اور دہر کی مقدار کے سلسلہ میں نہ کوئی نص ہے اور نہ اہل لغت میں سے کسی نے کوئی تفسیر کی ہے تو جب معلوم ہونے کا ذریعہ نہیں ہے تو توقف ضروری ہے کیونکہ توقیفی امور میں قیاس لڑانا باطل ہے ۱۲

وللابد معرفا وايام منكرة ثلثة وايام كثيرة والايام والشهور والسنين عشرة وفي
اول عبد اشتريته حر ان اشترى عبدا عتق اي لا يحتاج لاوليته الى شراء عبد
اخر وان اشترى عبدين ثم اخر فلا اصلا لان الاول فرد لا يكون غيره من
جنسه سابقا عليه ولا مقارنا له ولم يوجد فان ضم وحده عتق الثالث اي قال
اول عبد اشتريته وحده حر فاشترى عبدين ثم اخر عتق الثالث لانه اول
عبد شراه وحده وفي اخر عبد ان اشترى عبدا فمات لم يعتق قال اخر عبد
اشتريته حر فاشترى عبدا فمات المشتري لا يعتق هذا ولا يتوهم انه اذا مات
يكون ذلك العبد اخر لان الاخر لا بد له من اول ولم يوجد۔

ترجمہ :- اور اگر "الدہر" معرفہ کہا تو تمام عمر مراد ہوگی اور اگر "ایام" کا لفظ نکرہ کہا تو اس سے مراد تین دن ہوں گے اور اگر ایام کثیرہ یا الایام یا الشہور یا السنون کہا تو ان سے دس دس مراد ہوں گے اور اگر کہا کہ جس غلام کا میں اول مالک ہوں تو وہ آزاد ہے پھر وہ ایک غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یعنی اس کی اولیت متحقق ہونے کے لئے دوسرے غلام کا خریدنا شرط نہیں۔ اور اگر پہلے دو غلاموں کو خریدا پھر تیسرے کو خریدا تو ان میں سے کوئی بھی آزاد نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اول اس فرد کا نام ہے جس کے جنس سے اس کا دوسرا نہ ہو اور نہ اس پر سابق اور نہ اس کی مقارن و متصل اور اس صورت میں ایسا فرد نہیں پایا گیا) اور اگر کہا جس تنہا غلام کا پہلا مالک ہوں وہ آزاد ہے تو تیسرا غلام آزاد ہو جائے گا۔ یعنی اگر یوں کہے اول غلام جسے میں تنہا خریدوں وہ آزاد ہے پھر اس نے دو غلام ایک ساتھ خریدے پھر اکیلا ایک غلام خریدا تو یہ تیسرا غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی اول غلام ہے جسے تنہا خریدا ہے۔ اور اگر یوں کہا کہ پچھلا غلام جس کا میں مالک ہوں وہ آزاد ہے پھر وہ ایک غلام کا مالک ہوا اور مرگیا تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا۔ یعنی یوں کہے کہ پچھلا غلام جسے میں خرید کروں وہ آزاد ہے پھر اس نے ایک غلام خرید کیا اس کے بعد اس کی موت واقع ہوگئی تو اس کا یہ غلام آزاد نہ ہوگا۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہ مرگیا تو (اس کی ملکیت میں آنے کے لحاظ سے) یہی آخری غلام ہوگا۔ (کہ اس کے بعد اور کسی غلام کے مالک ہونے کا امکان نہیں) کیونکہ پچھلے کے لئے اگلا کا ہونا ضروری ہے اور یہاں اس غلام سے اگلا کسی دوسرے غلام کا مالک ہونا نہیں پایا گیا۔

تشریح :- لـه قوله عشرة الخ یعنی مذکورہ ہر لفظ میں دس دس مراد ہوں گے، اس لئے کہ لفظ جمع سے زیادہ سے زیادہ دس ہی مراد ہوتے ہیں اور اس سے جب بڑھ جائے یعنی گیارہ وغیرہ میں مفرد تمیز آتی ہے "مثلا احد عشر یوما" اور یہی حکم ہے لفظ "ازمنہ" "احایین" اور "دہور" کا۔ یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ ایام اور "ایام کثیرہ" سے سات دن مراد ہیں۔ اور "لفظ "شہور" سے بارہ مہینے اور ان کے علاوہ دوسرے الفاظ ابد اور دوام کے لئے ہیں۔

سـه قوله لا یکون غیرہ من جنسہ الخ جنس کے لفظ میں احتراز ہے اس بات سے کہ اگر غیر جنس میں سے کوئی سابق ہو تو اول کے اول ہونے میں مضر نہیں اسی طرح اگر غیر جنس میں کوئی لاحق ہو تو آخر کے آخر ہونے کا مانع نہیں، دیکھئے سب کا اتفاق ہے کہ اول نبی سیدنا آدم علیہ السلام ہیں حالانکہ ان کے غیر جنس میں سے ان پر متقدم اور بہت ہیں اسی طرح آخری نبی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں باوجودیکہ آپ کے غیر جنس میں سے آپ کے بعد اور بہت ہیں۔

سـه قوله وفی آخر عبد الخ ہمزہ پر مداد. خا میں کسرہ کے ساتھ جس کے معنی آخری فرد اور "آخر" خا پر فتحہ کے ساتھ اس کے معنی دوسرے کے ہیں اس لئے اس کا اطلاق سابق ولاحق دونوں پر ہوتا ہے کیونکہ اس معنے کے لحاظ سے ہر ایک دوسرے کے لئے آخر (دوسرا) ہے، فتح القدیر میں ہے کہ اس مسئلہ کو سابق مسئلہ کے ساتھ ملانے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آخری کے تحقق کے لئے اس سے پہلے ایک کا بالفعل پایا جانا ضروری ہے لیکن اول ہونے کے لئے اس کے بعد کسی کا بالفعل پایا جانا ضروری نہیں، ہاں اس سے پہلے کسی کا نہ ہونا لازمی ہے ۱۲

فان اشتری عبدًا ثم اٰخر ثم مات عتق الاٰخر یوم شری من کل ماله وعندهما یوم مات من ثلثه لان الاٰخریة تحققت بالموت فیعتق عند الموت من ثلث ماله وله ان بالموت تبیّن انه کان اٰخرًا عند الشراء فیعتق فی ذلک الوقت ولا یصیر الزوج فارًّا لو علّق الثلث به خلافًا لهما والضمیر فی به یرجع الی الاٰخر وصورة المسألة رجل قال اٰخر امرأةٍ تزوجها طالق ثلثا فتزوج امرأة ثم اخری ثم مات طلقت عند ابی حنیفة عند التزوج فلا یصیر فارًّا فلا ترث عنده وعندهما تطلق عند الموت فیصیر فارًّا فترث وبکل عبدٍ بشّرنی بکذا فهو حرٌّ عتق اول ثلثةٍ بشروه متفرقین والکل ان بشروه معًا وتسقط بشراء ابیه بکفارته هی۔

ترجمہ:- ہاں اگر اس نے پہلے ایک غلام خریدا پھر دوسرا خریدا اس کے بعد مرگیا، تو دوسرا غلام اس شخص کی ابتدائے ملکیت سے کل مال سے آزاد ہوجائے گا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ کے نزدیک فوت ہونے کے دن سے آزاد ہوگا اس کے ثلث مال سے، کیونکہ اس غلام کا پچھلا ہونا اس کی موت سے متحقق ہوا ہے اس لئے موت کے وقت اس کے ثلث مال سے آزاد ہوگا اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اس کی موت سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہی غلام آخری تھا اس کی ملکیت میں آنے کے لحاظ سے اس لئے ملکیت میں آنے کے وقت سے آزاد ہوگا۔ اور اگر شوہر پچھلی عورت کے نکاح کے ساتھ تین طلاق معلق کرے پھر دوسری عورت کے ساتھ نکاح کے بعد مرجائے تو (امام صاحب کے نزدیک) فار بالطلاق شمار نہ ہوگا بخلاف صاحبینؒ کے کہ ان کے نزدیک فار بالطلاق شمار ہوگا، ان کی عبارت میں "بہ" کی "ضمیر" "آخر" کی طرف راجع ہے، مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا پچھلی عورت جس سے میں نکاح کروں اس کو تین طلاق ہیں، پھر نکاح کیا ایک عورت سے پھر اور ایک عورت سے، اس کے بعد مرگیا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری عورت پر طلاق پڑجائے گی اس کے ساتھ نکاح کے وقت سے اس لئے شوہر بوقت موت بیوی کو طلاق دے کر اس کی وراثت سے فرار اختیار کرنے والا شمار نہ ہوگا، بلکہ موت سے پہلے طلاق پڑ جانے کی بنا پر ان کے نزدیک عورت وارث نہ ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک شوہر کی موت کے وقت طلاق پڑے گی اس لئے وہ فار بالطلاق شمار ہوگا اور عورت وارث ہوگی۔ اور اگر کوئی کہے کہ جو غلام مجھ کو فلاں معاملہ کی خوشخبری سنائے گا وہ آزاد ہے پھر تین غلاموں نے جدا جدا یہ خوشخبری اس کو سنائی تو جس نے اول سنائی وہ آزاد ہوگا اور اگر تینوں نے ایک ساتھ سنائی تو سب آزاد ہوجائیں گے۔ اور اگر کوئی شخص کفارہ ادا کرنے کی نیت سے اپنے باپ کو خریدے تو اس کا کفارہ ساقط ہوجائیگا۔

تشریح:- سلہ قولہ یوم شری الخ یعنی حالف کی موت کے بعد حکم دیا جائے گا آخری غلام کی آزادی کا اس دن سے جس دن اس نے غلام کو خرید اتھا، کیونکہ موت سے تو صرف اس کا آخری ہونا متعین ہوا اور آزادی خریدنے کے ساتھ مشروط تھی اس لئے خریدنے کے دن سے آزادی کا حکم ثابت ہوگا۔ اور اس وقت چونکہ وہ صحت مند تھا اس لئے اس کے سارے مال سے آزاد ہوگا یعنی چاہے غلام کی قیمت ثلث مال سے بڑھ جائے، کیونکہ ثلث مال سے عتق کا انحصار اس صورت میں ہے جبکہ موت کے وقت عتق ہو، یہی وجہ ہے کہ جب امام ابویوسفؒ و محمدؒ نے روز موت پر عتق کا حکم دیا، تو فرمایا کہ اس کے ایک تہائی مال سے آزاد ہوگا چنانچہ ان کے نزدیک اگر اس کی قیمت ثلث مال متروکہ سے بڑھ گئی تو سارا آزاد نہ ہوگا بلکہ بقدر ثلث آزاد ہوگا۔

سلہ قولہ فارًّا الخ۔ یہ فرار سے اسم فاعل کا صیغہ ہے کتاب الطلاق میں طلاق فار کی بحث گذر چکی ہے، اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا آخری عورت جس سے میں نکاح کروں اس پر تین طلاق پھر اس نے ایک عورت سے نکاح کیا اس کے بعد اس نے دوسری سے نکاح کیا، پھر خاوند مرگیا تو اب بالاتفاق دوسری عورت پر طلاق پڑگئی۔ اس لئے کہ خاوند کی موت کے باعث آخری ہونے کا وصف دوسری میں پایا گیا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا آقا کی موت کے وقت طلاق پڑی ہے یا جب اُس نے دوسری سے نکاح کیا تھا اس وقت سے طلاق کا حکم دیا جائے گا، صاحبینؒ کے نزدیک موت کے وقت طلاق پڑے گی جیسے سابق مسئلہ میں موت کے وقت عتق واقع ہوتا ہے، اور موت کے وقت طلاق سے خاوند فار بن جاتا ہے اور بیوی خاوند کے ترکہ سے وارث ہوتی ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہوگا، اور امام صاحب کے نزدیک نکاح کے وقت سے طلاق پڑجائے گی وباقی ما آئندہ

ای الکفارۃ ھذا عندنا واما عند زفرؒ والشافعیؒ لا تسقط فالحاصل ان النیۃ لابد ان تکون مقارنۃ لعلۃ العتق فھما جعلا القرابۃ علۃ العتق والملک شرطا ونحن جعلنا علی العکس لان الشرع جعل شراء القریب اعتاقا فاذا اشتری اباہ بنیۃ الکفارۃ کانت النیۃ مقارنۃ لعلۃ العتق وعندھما لا حیث جعلا القرابۃ علۃ لا الشراء عبد حلف بعتقہ ای قال ان اشتریت ھذا العبد فھو حر فشراہ بنیۃ الکفارۃ لا تسقط الکفارۃ لان علۃ العتق الیمین والشراء شرط لہ فلا تکون النیۃ مقارنۃ للعلۃ یرد علیہ انہ قد ذکر فی اصول الفقہ ان التعلیق عندنا یمنع العلیۃ فاذا وجد الشرط یصیر المعلق علۃ فتکون النیۃ مقارنۃ لعلۃ العتق ومستولدۃ بنکاح علق عتقھا عن کفارتہ بشرائھا۔

ترجمہ:۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک، لیکن امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ساقط نہ ہوگا۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ کفارہ میں ادا ہونے کے لئے علت عتق کے ساتھ نیت کفارہ کا متصل ہونا سب کے نزدیک ضروری ہے۔ اب امام زفرؒ اور شافعیؒ نے قرابت کو عتق کی علت اور ملک کو اس کی شرط قرار دی ہے اور ہمارے نزدیک حکم اس کے برعکس ہے (کہ ملک عتق کی علت ہے اور قرابت اس کی شرط ہے) کیونکہ شریعت نے قریب کے خریدنے کو اعتاق قرار دیا ہے (تولا محالہ ملک ہی عتق کی علت ہوگی) اب جب اس نے اپنے باپ کو بہ نیت کفارہ خریدا تو نیت علت عتق سے متصل ہوگئی۔ (اس لئے کفارہ ادا ہو جائے گا) اور امام زفرؒ و شافعیؒ کے نزدیک نیت علت سے متصل نہیں ہوئی کیونکہ انھوں نے تو قرابت کو علت قرار دیا ہے (پس کفارہ ادا نہ ہوگا، لمقارنۃ النیۃ للشرط لا للعلۃ) لیکن اگر کسی غلام کی آزادی کو اپنی خریدنے پر مشروط کر دیا تو اس کے خریدنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، یعنی یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کو خرید کروں تو وہ آزاد ہے پھر اسے کفارہ کی نیت سے خریدے تو کفارہ ساقط نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں علت عتق یمین ہے اور خرید اس کی شرط ہے تو یہاں نیت علت سے متصل نہیں ہو رہی ہے (بلکہ شرط سے متصل ہوئی ہے) البتہ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اصول فقہ میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک تعلیق معلق کو علت ہونے سے روکدیتی ہے اور جب شرط پائی جائے اس وقت معلق علت ہو جاتی ہے، اس قاعدہ کی رو سے تو (غلام خریدنے کے وقت) نیت علت عتق سے بھی متصل ہوگئی۔ اور یہی حال منکوحہ ام ولد کا ہے جس کی آزادی کو بہ نیت کفارہ اس کے خریدنے پر معلق کیا ہو۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اس لئے ان کے نزدیک خاوند فارشمار نہ ہوگا اور عورت اس کے ترکہ کی وارث نہ ہوگی، اس اختلاف کا ثمرہ وجوب مہر اور عدت میں بھی ظاہر ہوگا، چنانچہ امام صاحب کے نزدیک اگر مرد نے اس سے دخول کیا ہے تو وطی بالشبہ کی بنا پر مہر مثل واجب ہوگا اور قبل الدخول طلاق پڑ جانے کی بنا پر نصف مہر مسمی لازم آئے گا اور اس کی عدت حیضوں سے ہوگی اور سوگ نہ منائیگی اور صاحبین کے نزدیک اس کے لئے ایک مہر ہوگا۔ اور اس کی عدت طلاق اور موت کی عدت میں سے جس کی مدت دراز ہے وہی ہوگی ۱۲

سے قولہ والکل الخ کیونکہ ان کا اجتماع ہر ایک کے خوشخبری دینے والا ہونے میں مارج نہیں جس کی دلیل وہ واقعہ ہے جس میں چند فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوشخبری دی چنانچہ حق تعالٰی نے فرمایا "فبشرناہ بغلام حلیم" (یہاں بشارت کی نسبت سب کی طرف کی)

سے قولہ لکفارۃ الخ یعنی کوئی بھی کفارہ ہو چاہے یمین کا کفارہ، یا ظہار کا کفارہ، یا قتل خطاء کا کفارہ۔ ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) قولہ لا لعبد الخ۔ یعنی بہ نیت کفارہ ایسے غلام کی خریداری سے کفارہ ساقط نہ ہوگا جس غلام کے عتق کو اس نے اس کی خریداری (باقی صفحہ آئندہ)

قوله ومستولدةٍ بالجر عطف علی عبدٍ ای ولا بشراءِ مستولدةٍ وصورتها ان یقول لامةٍ استولدها بالنکاح ان اشتریتُكِ فانت حرة عن کفارة یمینی فاشتراها تعتق لوجود الشرط ولا یجزیه عن الکفارة لان حریتها مستحقةٌ بالاستیلاد وتعتق بان تسریتِ امةً فهی حرة من تسراها وهی ملکه یوم حلف لا من شراها فتسراها لان هذه الامة لم تکن فی ملکه زمان الحلف ولم یضف عتقها الی الملك او سببه وفیه خلاف زفرؒ

ترجمہ :۔ ماتن کا قول "ومستولدۃٍ" جر کے ساتھ، سابق لفظ "عبدٍ" پر اس کا عطف ہے تو گویا عبارت یوں ہوگی "ولا بشراء مستولدۃٍ" (اور ام ولد کو خریدنے سے کفارہ ساقط نہ ہوگا) اور صورت اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی منکوحہ سے جو لونڈی ہو اور اس سے اولاد رکھتی ہو یوں کہے کہ اگر میں تجھے خریدوں تو تو آزاد ہے اور خریدنے کے وقت کفارہ کی نیت کرلے پھر اس کو خریدے تو شرط پائی جانے کی وجہ سے ام ولد آزاد ہو جائے گی۔ لیکن اس کی یہ آزادی کفارہ کے لئے کافی نہ ہوگی، کیونکہ ام ولد ہو جانے کی وجہ سے اس کو پہلے ہی سے حریت کا حق حاصل ہو چکا تھا، اور اگر کہے جو باندی کہ میں اسے حرم بناؤں وہ آزاد ہے، تو وہ لونڈی آزاد ہوگی جس کو حرم بنایا اور وہ حلف کے وقت اس کی ملک میں ہو اور اگر اس وقت ملک میں نہ ہو اور حلف کے بعد خریدا اور حرم بنایا تو وہ آزاد نہ ہوگی کیونکہ یہ باندی حلف کے زمانہ میں اس کی ملکیت میں نہ تھی اور حلف کرنے والے نے ملک یا سبب ملک کی طرف اس کے عتق کی نسبت نہیں کی، البتہ اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے۔ (کہ ان کے نزدیک حرم بنانے کا ذکر گویا ملکیت کا ذکر ہے)

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) کے ساتھ پہلے ہی سے معلق کر پایا تھا کیونکہ اس صورت میں علت عتق سابقہ حلف ہے اور خریداری عتق کی شرط ہے اور نیت خریداری سے متصل ہوئی اس لئے کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ ادائے کفارہ کے لئے نیت کا علت کے ساتھ مقارن ہونا شرط ہے ۱۲

ے قولہ یرد علیہ الخ امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ کافی میں بیان ہوا کہ درحقیقت علت عتق اس کا قول "ہو حر" ہے۔ لیکن تعلیق کے وقت اس کی علیت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ شرط پائی جانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے تو جب شرط پائی جائے گی اس وقت عتق کا حکم منسوب ہوگا سابقہ علت کی طرف، اب گویا ایسا ہوا کہ پہلے ہی سے علت ہے اور اس وقت نیت نہیں تھی اور ذات علت مقدم ہونے ہی کی وجہ سے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یمین کے وقت حالف کے لئے اہلیت شرط ہے لیکن شرط کے تحقق کے وقت اس کی اہلیت لازمی نہیں ۱۲

ے قولہ ومستولدۃٍ الخ یہ استیلاد سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی جسے نکاح کے ذریعہ ام ولد بنایا گیا، مطلب یہ کہ غیر کی لونڈی سے اس نے نکاح کیا اور اس کے نطفہ سے بچہ ہوا۔ اس طرح نکاح کے ذریعہ ام ولد بن گئی، اب اس کے عتق سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کی رقیت ناقص ہے کیونکہ ام ولد ہو جانے کے باعث وہ تو پہلے ہی سے آزادی کی مستحق بن چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنی ملکیت کی ام ولد کو براہ کفارہ میں ادا کرنا کافی نہیں، اب اس کے عتق کو خریداری کے ساتھ معلق کرکے خریدنا ایک اعتبار سے عتق ہے اور ایک اعتبار سے (یعنی پہلے کے اسباب کے لحاظ سے) عتق نہیں ہے اس لئے کفارہ سے کافی نہ ہوگا۔ بخلاف شراء قریب کے کہ اس میں رقیت کامل ہے اور اس کا اعتاق ہر اعتبار سے ہے کیونکہ خریداری سے پہلے کسی اعتبار سے بھی اس کا عتق ثابت نہیں ۱۲ فتح۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ے قولہ خلاف زفرؒ الخ وہ فرماتے ہیں چونکہ صرف ملک ہی میں تسری صحیح ہوتی ہے اس لئے اس کا ذکر درحقیقت ملک کا ذکر ہے جیسے کوئی اجنبیہ سے کہے "ان طلقتک فعبدی حر" تو اس میں تزویج کا بھی ذکر ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ملک مذکور مانا جاتا ہے تاکہ تسری صحیح ہو جو کہ شرط ہے اس لئے بقدر ضرورت محدود رہے گی اور صحت جزا یعنی آزادی کے حق میں ظاہر نہ ہوگی اور طلاق کے مسئلہ میں شرط کے بارے میں ظاہر ہوتی ہے نہ کہ جزاء کے ثبوت میں چنانچہ اگر اس نے کہا "ان طلقتک فانت طالق ثلثا" پھر اس نے نکاح کرکے طلاق دی تو وہ تین طلاق واقع نہ ہوں گی تو یہ مسئلہ بھی زیر بحث مسئلہ کے مانند ہو گیا ۱۲ ہدایہ۔

وبكل مملوكٍ لي حرٌّ امهاتُ اولاده ومدبّروه وعبيده لا مكاتبوه الا بنيته لانه
لا يملكهم يدا وهٰذا حرٌّ او هٰذا وهٰذه العبيد عتق ثالثهم وخيّر في الاولين كالطلاق[2]
كانّه قال احدهما حرٌّ وهٰذا فان قلت بل هو كقوله هٰذا حرٌّ او هٰذان قلت قد اجبتُ
عنه في شرح التنقيح بجوابين فان شئت فطالعه ولامٌ[3] دخل على فعلٍ يقع من
غيره كبيع وشراءٍ واجارة وخياطة وصياغة وبناء يقتضي امره ليخصه به فلم
يحنث في ان بعتُ لك ثوبًا فعبدي حرٌّ ان باعه بلا امره ملكه او لا اراد بدخوله على
فعلٍ تعلقه به ففي قوله ان بعتُ لك ثوبًا فعبدي حرٌّ فاللام متعلق بالبيع فيقتضي اختصاص البيع
بالمخاطب والفعل لا يختص بغير الفاعل الا بالامر اي التوكيل فلهذا اقتضى الامر

ترجمہ:۔ اور اگر کہے کہ میرے جتنے مملوک ہیں سب آزاد ہیں تو اس لفظ سے اس کے غلام، ام ولد اور مدبر سب آزاد ہو جائیں گے، البتہ مکاتب آزاد نہ ہوں گے ہاں اگر ان کی بھی نیت کرے تو آزاد ہو جائیں گے، کیونکہ مکاتب پر مولی کا (اگرچہ ملک رقبہ ہے لیکن) ملک تبضہ نہیں ہے اور جس شخص نے اپنے تین غلاموں کے بارے میں کہا کہ یہ آزاد ہے یا یہ اور یہ تو تیسرا غلام آزاد ہوگا اور پہلے دو میں مولی کو اختیار ہوگا (کہ جس کو چاہے آزادی کے لئے معین کرے) اور یہی حکم ہے عورتوں کی طلاق میں گویا اس نے کہا کہ ان دو غلاموں میں سے ایک آزاد ہے اور یہ (اس لئے تیسرا متعین ہوگیا اور پہلے دونوں میں سے ایک کی تعیین کا اختیار ہوگا) اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے (کہ اس کلام کا مفہوم وہ نہیں جو بتایا گیا) بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ غلام آزاد ہے یا یہ دونوں غلام آزاد ہیں تو شارح فرماتے ہیں کہ میں نے شرح تنقیح میں اس کا دو جواب دیا ہے اگر تم چاہو تو اس کا مطالعہ کر سکتے ہو۔ اور جو فعل غیر سے نیابۃً ہو سکتا ہے مثلاً بیع شراء، اجارہ، سلائی، زرگری، تعمیر (وغیرہ افعال) ان پر اگر لام تخصیص داخل ہو تو یہ اس بات کو چاہتا ہے کہ وہ فعل اس شخص کی اجازت سے ہو (جس کے ساتھ اس کو مشروط کیا ہے) تاکہ اس شخص کے ساتھ فعل کا اختصاص صحیح ہو جائے، پس اگر کوئی کہے "ان بعت لک ثوبا فعبدی حر" (اگر میں تیرے لئے کپڑا بیچوں تو میرا غلام آزاد ہے) پھر اس نے مخاطب کی اجازت کے بغیر بیچا تو وہ حانث نہ ہوگا خواہ مخاطب کپڑے کا مالک ہو یا نہ ہو۔ فعل پر لام داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے ساتھ لام کا تعلق ہو، تو اس کا قول "ان بعت لک ثوبا فعبدی حر" میں لام بیع سے متعلق ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع مخاطب کے ساتھ مختص ہو اور کوئی فعل اس کے فاعل کے علاوہ دوسرے کے ساتھ مختص نہیں ہوا کرتا جب تک کہ اس کی جانب سے حکم نہ پایا جائے یعنی وہ وکیل نہ بنائے اس لئے لام تخصیص کا تقاضا یہ ہے کہ مخاطب سے اجازت (توکیل پائی جائے (پس اس کی اجازت کے بغیر اس کام کو کرنے سے حانث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ [1] قولہ امہات اولادہ الخ کیونکہ ام ولد، مدبر، غلام اور لونڈی میں ملک کامل ہوتا ہے اگرچہ ام ولد اور مدبر میں بسبب استحقاق حریت غلامی ناقص ہوتی ہے، بخلاف مکاتب کے کہ اس میں ملک ہی ناقص ہے کیونکہ اس پر ملک رقبہ ہے ملک قبضہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ تصرفات اور معاملات میں بالکل مستقل ہے پس بلا نیت مملوک کے لفظ میں وہ داخل نہ ہوگا۔۱۲

[2] قولہ کالطلاق الخ یعنی اگر اپنی تین بیویوں کے بارے میں کہا کہ یہ طالق ہے یا یہ اور یہ، تو تیسری عورت مطلقہ ہو جائے گی اور پہلی دونوں میں شوہر کو اختیار ہوگا۔ کہ جس کو چاہے طلاق کے لئے معین کرے ۱۲

[3] قولہ ولام دخل الخ یہ مبتدا ہے اور یقتضی اس کی خبر ہے اور دخول سے مراد اس کا قریب ہونا ہے کہ فعل اور مفعول کے درمیان واقع ہو جیسے "ان بعت لک ثوبا" اس سے احتراز ہے اس صورت سے جبکہ لام مفعول کے بعد واقع ہو جیسے "ان بعت ثوبا لک" اس لئے کہ درمیان میں واقع لام فعل کے قرب کی وجہ سے فعل سے متعلق ہے فعل کا صلہ نہیں ہے کہ تعدیہ فعل کے لئے آیا ہو کیونکہ یہ فعل تو خود ہی دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے "بعت زیدا ثوبا"۱۲

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

وان دخل علی عین او فعل لا یقع عن غیرہ کاکل وشرب ودخول وضرب الولد اقتضی ملکہ فحنث فی ان بعت ثوبًا لك ان باع ثوبہ بلا امرہ هذا نظیر الدخول علی العین وهو الثوب اما نظیر دخولہ علی فعل لا یقع عن غیرہ فقولہ ان اکلت لك طعامًا او شربت لك شرابًا اقتضی ان یکون الطعام والشراب ملك المخاطب کما فی قولہ ان اکلت طعامًا لك فانہ وان کان متعلقًا بالاکل صورۃ فهو فی المعنی متعلق بالطعام واما ضرب الولد نحو ان ضربت لك الولد فعبدہ حر فاقتضاء الملك فیہ غیر ممکن الا ان یراد بالملك الاختصاص وفی کل عرس لی فکذا بعد قول عرسہ نکحت

(حواشی بین السطور: ای اللام ۱۲ عدہ — ای دخول بیت ۱۲ غ — الحلف صفۃ لکلمۃ ۱۲ عدہ — فان اکل طعاما غیر مملوک لم یحنث وان کان الاکل بازنہ ۱۲ عدہ — ای بحسب الظاہر ۱۲ عدہ — ای المرأۃ خطاب لزوجہا)

ترجمہ: اور اگر لام ذات پر داخل ہو یا ایسے فعل پر جو غیر سے نیابۃً نہیں ہوتا ہے جیسے کھانا، پینا، داخل ہونا، لڑکے کو مارنا تو وہ چاہتا ہے اس بات کو کہ وہ شی اس شخص کی ملکیت میں ہو، مثلاً یوں کہے "ان بعت ثوبًا لک" (اگر میں بیچوں تیرا کپڑا تو ایسا ہو) تو اس صورت میں اگر اس کا کپڑا بیچا۔ تو حانث ہو جائے گا، خواہ اس کی اجازت کے بغیر ہی بیچا ہو، یہ مثال ہے ذات پر لام داخل ہونے کی اور وہ کپڑا ہے (یعنی ثوب جو کہ ذات ہے اس کے ساتھ لام کا تعلق ہے۔) اور ایسے فعل پر لام داخل ہونے کی مثال جو غیر کی طرف سے نیابۃً واقع نہ ہو سکے یہ ہے کہ کہے "ان اکلت لک طعامًا" "او شربت لک شرابًا" (اگر میں تیرا کھانا کھاؤں، یا تیرا پانی پیوں۔ تو ایسا ہو) اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ طعام و شراب مخاطب کی ملک میں ہو جیسا کہ "ان اکلت طعامًا لک" کے قول میں مخاطب کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے، کیونکہ بظاہر اگرچہ لام کا تعلق فعل اکل سے معلوم ہوتا ہے لیکن معنی کے لحاظ سے اس کا تعلق طعام سے ہے (اس لئے کہ دوسرے کی طرف سے کھانا واقعۃً ممکن نہیں، ہاں اس کے مملوک طعام خود کھا سکتا ہے) لیکن لڑکے کو مارنے کے بیچ مثلاً کہے "ان ضربت لک الولد فعبدی حر" (اگر میں تیرے لئے لڑکے کو ماروں تو میرا غلام آزاد ہے) تو اس کے اندر ملک کا اقتضاء اتنا ممکن نہیں۔ (اس لئے کہ ولد مملوک نہیں ہوا کرتا) ہاں اگر ملک سے محض خصوصیت مراد لی جائے (تو اس صورت پر بھی اقتضائے ملک کا اطلاق صحیح ہو جائے گا۔) اگر کسی عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ تو نے میرے اوپر اور بی نکاح کرلی ہے۔

تشریح: سلہ قولہ لیخیبہ الخ یعنی تاکہ قسم کھانے والا اس غیر کو جو کہ اس کا مخاطب ہے اس فعل محلوف علیہ کے ساتھ خاص کرے اور بعضوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "تاکہ لام اس کا فائدہ دے کہ یہ غیر اس فعل کے ساتھ مختص ہے" ۱۲

(حاشیہ صہٰذا) سلہ قولہ علی عین الخ عین سے مراد ذات شی کہ فعل کے مقابلہ میں ہونا اس کا قرینہ ہے، خلاصہ مقام یہ ہے کہ فعل نیابت کا احتمال رکھے گا یا نہیں! اور ہر صورت میں لام یا تو فعل پر داخل ہوگا یا مفعول پر۔ یعنی عین پر۔ تو اگر داخل ہو ایسے فعل پر جو نیابت کا احتمال رکھتا ہے تو فعل کا مخاطب کے ساتھ مختص ہونا ضروری ہے اور اگر ایسے فعل پر داخل ہو جو نیابت کا احتمال نہیں رکھتا ہے یعنی جس میں توکیل نہیں ہوتی مثلاً کھانا، پینا، وغیرہ یا لام عین پر داخل ہو چاہے فعل پہلی قسم سے ہو یا دوسری قسم سے مثلاً کہا۔ "ان بعت ثوبًا لک" یا کہا "ان اکلت طعامًا لک" تو ان تمام صورتوں میں مخاطب کا عین کے مالک ہونا ضروری ہے فعل چاہے اس کے امر سے ہو یا بلا اجازت ہو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

سلہ قولہ ان اکلت لک طعامًا الخ۔ یعنی لام کو عین پر مقدم کرکے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کھانا ایسا فعل ہے جس میں نیابت نہیں ہو سکتی اس لئے اس فعل کو مخاطب کے لئے مختص کرنا درست نہ ہوگا۔ اس بنا پر لام کو عین پر مقدم کرنا اور مؤخر کرنا دونوں برابر ہیں ۱۲

سلہ قولہ کل عرس الخ۔ عین میں کسرہ کے ساتھ، بمعنی زوجہ، یعنی جب بی بی نے خاوند سے کہا کہ تو نے مجھ پر ایک اور عورت کرلی ہے اور خاوند اس کے جواب میں کہے کہ کل عرس لی طالق، تو اس وقت اس کی جتنی بیویاں ہوں گی سب پر طلاق پڑ جائے گی یہاں تک کہ اس عورت پر بھی جس نے اسے اس حلف پر آمادہ کیا اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس پر طلاق نہ پڑے گی کیونکہ اس کا قول سوال کے جواب میں واقع ہوا ہے اس لئے جواب سوال ہی پر منطبق ہوگا۔ اور سوال میں وہ خارج تھی۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

علیّ طلقت هی وصحّ نیتهٗ غیرها دیانةً فانه قال هذا الکلام ارضاءً لها فیکون المراد غیرها لا هی لکن هذا خلاف الظاهر لانّ کلّا کلمة العموم فلا یصدق قضاءً۔

ترجمہ:۔ اور مرد نے جواب میں کہا کہ جو عورت میری ہے اس پر طلاق ہے تو وہ عورت بھی مطلقہ ہو جائے گی اور اگر وہ کہے کہ میری نیت اس عورت کے سوا دوسری عورتیں تھیں تو عند اللہ اس کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ مرد نے یہ بات تو عورت کو خوش کرنے کے لئے کہی تھی، تو اس کلام سے اپنی پہلی بی بی کے علاوہ دوسری عورتیں ہی مراد ہوں گی لیکن چونکہ یہ مراد ظاہر لفظ کے برخلاف ہے کیونکہ لفظ "کل" عموم کے لئے آتا ہے اس لئے قاضی اس کا اعتبار نہ کرے گا۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اس لئے جواب میں بھی خارج رہے گی۔ نیز اس جواب کی غرض عورت کو راضی کرنا ہے اور یہ غرض پوری ہوتی ہے اس کے غیر پر طلاق پڑنے سے اس لئے غیر کے ساتھ مقید رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے قسم دینے والی عورت کے سوا اوروں کی نیت کی تو طرفین کے نزدیک بھی اس کی یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی مگر خلاف ظاہر ہونے کی بنا پر قضاءً معتبر نہ ہوگی ۱۲۔

کتابُ الحُدُود

الحدُّ عقوبۃٌ مقدرۃٌ یجب حقاً للّٰہ تعالیٰ فلا تعزیر ولا قصاص حدٌّ امّا التعزیر فلعدم التقدیر واما القصاص فلانہ حقُّ ولی القصاص والزنیٰ وطیٌ فی قُبُلٍ خالٍ عن ملکٍ وشبہۃٍ کمعتدۃ البائن او الثلث ویثبت بشہادۃ اربعۃٍ بالزنا لا بوطیٍ او جماعٍ فیسالہم الامام عنہ ما ھو وکیف ھو واین زنیٰ ومتی زنیٰ وبمن زنیٰ امّا السؤال عن الماھیۃ فلانّ بعض الناس یطلقونہ علی کل وطیٍ حرام۔ وایضاً قد اطلقہ الشارع علی غیر ھذا الفعل نحو العینان تزنیان واما عن الکیفیۃ فلانہ قد یقع الوطی من غیر التقاء الختانین

ای ختان المراۃ وختان الرجل ہو بالکسر موضع القطع والتقائہما عبارۃ عن وجود حشفۃ ... ولانہ تربع الزنا کمر ... فلا یجب الحد ۱۲ عدہ

حدود کا بیان

ترجمہ: ــــــ حد وہ مقررہ سزا ہے جو حق اللہ کے لئے واجب ہوتی ہے تو تعزیر اور قصاص حد نہیں ہے. تعزیر تو اس لئے حد نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مقرر نہیں اور قصاص اس لئے نہیں کہ وہ ولی کا حق ہے (اللہ کا حق نہیں) اور زنا اس وطی کو کہتے ہیں جو ایسی شرمگاہ میں ہو جو ملک اور شبہہ ملک سے خالی ہے یعنی مثلاً طلاق بائن یا تین طلاق کی عدت میں نہ ہو اور زنا ثابت ہوتا ہے چار آدمیوں کی گواہی سے لفظ زنا کے ساتھ اور اگر لفظ وطی یا جماع سے گواہی دیں گے تو زنا ثابت نہ ہوگا (جب تک وہ شہادت نہ دیں) حاکم شرع ان گواہوں سے یوں پوچھے کہ زنا کیا چیز ہے اور کس طرح ہوا اور کہاں ہوا اور کب زنا کیا اور کس عورت سے زنا کیا، یہ سوال کہ زنا کی حقیقت کیا ہے اس لئے ہے کہ بعض آدمی ہر وطی حرام کو زنا سمجھتے ہیں. (حالانکہ بعض وطی حرام شرعاً زنا نہیں ہے) نیز شارع نے بھی زنا کا استعمال غیر فعل مذکور پر کیا ہے جیسا کہ (حدیث میں آیا ہے کہ) دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور کیفیت زنا کے بارے میں سوال اس لئے ہے کہ کبھی دونوں شرمگاہوں کے ملے بغیر وطی واقع ہوتی ہے۔

تشریح: لہ قولہ مقدرۃ الخ یہ تقدیر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، یعنی اس کی ایک خاص مقدار شارع کی طرف سے مقرر ہے اس قید کی بنا پر تعزیر سے استثناء ہوگیا، اس لئے کہ شرع میں اس کی مقدار مقرر نہیں، چنانچہ تعزیر مارنے، قید کرنے یا قتل وغیرہ سے ہوتی ہے جیسا کہ حاکم وقت مناسب سمجھے اور کوڑے مارنے کی تعزیر اگرچہ مقرر ہے جیسے کہ عنقریب ذکر آئے گا کہ اس کی اقل مقدار تین کوڑے ہیں اور زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں لیکن ان کے درمیان کی تعداد مقرر نہیں بلکہ یہ امام کی رائے پر موقوف ہے ۱۲۔

لہ قولہ بشہادۃ اربعۃ الخ یعنی چار مرد گواہ ہوں اس لئے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں جیسے کہ کتاب الشہادات میں انشاء اللہ عنقریب ذکر آجائے گا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے " واللاتی یأتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم" اور شہادت بھی صاف لفظ زنا سے ہونی چاہیئے چنانچہ اگر گواہی دیں کہ اس نے حرام وطی کی ہے یا حرام زنا کیا ہے تو زنا ثابت نہ ہوگا ۱۲

لہ قولہ فلان بعض الناس الخ یعنی لوگ ہر حرام وطی پر زنا بول دیتے ہیں حالانکہ وطی حرام زنا سے عام تر ہے مثلاً حالت حیض میں وطی حرام ہے لیکن یہ زنا نہیں، اسی طرح جہاں ملک کا شبہہ ہو یا نکاح کا شبہہ ہو وہاں وطی حرام ہے حالانکہ وہ زنا نہیں اس لئے حاکم کو لوگوں کی شہادت کے موقع پر استفسار کرنا ضروری ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انہوں نے وطی حرام کے ایسی انواع پر زنا کا اطلاق نہیں کیا ہے جو در حقیقت زنا نہیں ۱۲

لہ قولہ وایضاً الخ یہ ماہیت زنا کے بارے میں سوال کی دوسری وجہ ہے کہ شرع میں ایسے فعل پر بھی زنا کا اطلاق ہوا ہے جس پر حد لازم نہیں ہوتی، اس لئے ضروری ہے کہ گواہوں سے زنا کے مصداق کے بارے میں استفسار کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی مراد وہ نہیں جس پر حد لازم نہیں آتی ۱۲

واما عن اين فلان الزنا في دار الحرب لا يوجب الحد واما عن متى فلان التقادم لا يوجب الحد واما عن المزنية فلانه قد يكون في وطيها شبهة فان بينوه وقالوا رأيناه وطيها في فرجها كالميل في المكحلة وعدّلوا سرًّا وعلانية حكم به ثم عطف على قوله بشهادة اربعة قوله وباقراره اربعًا اي اربع مرات في اربعة مجالس ردّه كل مرة ثم سأله كما مرّ. اعلم ان في قوله ردّه كل مرّة تسامحًا لانه يدل على ان الامام يردّه اربع مرات وليس كذلك بل الامام يردّه ثلث مرات فاذا اقرّ مرّة رابعة لا يردّه بل يقبله فيسأله كما مرّ من قبل الا في السؤال عن متى لانه انما يسأل عنه احترازًا عن التقادم وهو يمنع الشهادة لا الاقرار وقيل يسأل عن متى ايضًا لاحتماله في زمان الصبى

ترجمہ :- اور مقام زنا کے بارے میں سوال اس لئے ہے کہ اگر دار الحرب میں زنا کرے تو حد واجب نہیں ہوتی، اور وقت زنا کے بارے میں سوال اس بنا پر ہے کہ بہت پرانا واقعہ زنا موجب حد نہیں ہے اور اس عورت کے بارے میں سوال جس سے زنا ہوا کیونکہ کبھی وطی شبہ پر ہو سکتی ہے پس اگر وہ گواہ سب باتیں بیان کر دیں اور یوں کہیں کہ ہم نے اس مرد کو اس عورت سے زنا کرتے ایسا دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور علانیہ اور پوشیدہ طور پر ان گواہوں کے عادل ہونے کی تحقیق کر لی گئی ہو تو قاضی ان کی گواہی کی بنا پر زنا کا فیصلہ کر دے، پھر مصنف نے اپنے قول "بشہادۃ اربعۃ" پر عطف کیا اگلے قول کا کہ "اور ثابت ہوتا ہے زنا چار اقرار سے" یعنی چار بار اقرار کرنے سے چار مجلسوں میں ہر مرتبہ حاکم اس کے اقرار کو مسترد کر دے پھر اس سے دریافت کرے (وہ باتیں) جیسا کہ گذرا، واضح رہے کہ ماتن کے اس قول میں کہ "ہر مرتبہ اقرار کو مسترد کر دے" کچھ تسامح ہے کیونکہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ چاروں دفعہ حاکم اس کے اقرار کو مسترد کر دے حالانکہ حکم تو ایسا نہیں ہے بلکہ امام تین بار رد کرے گا اس کے بعد جب وہ چوتھی بار بھی اقرار کرے تو پھر رد نہیں کرے گا بلکہ اس کے اقرار کو قبول کرتے ہوئے اس سے ان باتوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے البتہ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ کب زنا کیا، کیونکہ یہ سوال اس لئے ہوتا ہے کہ مدت مدید کے واقعہ سے احتراز ہو سکے اور یہ بات قبول شہادت کے لئے تو مانع ہے قبول اقرار کے لئے مانع نہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس بارے میں بھی سوال کرے کیونکہ اس کا تو احتمال ہے کہ یہ زنا بچپن کے زمانہ میں واقع ہوا ہو (جو کہ موجب حد نہیں)

تشریح :- لہ قولہ وعدلوا الخ یہ تعدیل سے مجہول کا صیغہ ہے اور کتاب الشہادات میں تعدیل کا بیان آگیا۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ حدود میں مستور کی شہادت مقبول نہیں۔ بلکہ ظاہری اور مخفی پر دو طرح گواہوں کی عدالت کی تحقیق ضروری ہے، مخفی تحقیق کی صورت یہ ہے کہ قاضی گواہوں کے نام نسب محلہ بازار وغیرہ کی تفصیل دے کر معدّل کے پاس بھیجے وہ تحقیق کر کے جو عادل ہیں ان کے نام پر لکھدے کہ عادل مقبول الشہادۃ ہیں اور جو عادل نہ ہوں ان کے ساتھ یا تو کچھ نہ لکھے یا لکھدے "اللہ اعلم" اور علانیہ تعدیل یہ ہے کہ قاضی معدّل اور گواہ دونوں کو حاضر کرے اور معدّل سامنے بتادے کہ میں نے اس گواہ کی تعدیل کی ہے ۱۲ بنایہ۔

لہ قولہ اربعا الخ اس کی دلیل ماعز اسلمی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کا اقرار کیا تو آپ نے ان سے اعراض فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے جب چار بار اقرار کیا تو آپ نے حد قائم کی اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی، اور اس اقرار میں شرط یہ ہے کہ (۱) اقرار کرنے والا باہوش ہو چنانچہ نشہ والے کا اقرار معتبر نہیں (۲) صریح لفظوں میں اقرار ہو چنانچہ گونگے کا اشارہ یا تحریر کے ذریعہ اقرار معتبر نہیں (۳) دوسرا اس اقرار کی تکذیب نہ کرے اب اگر مرد نے کہا کہ فلاں عورت سے میں نے زنا کیا ہے اور وہ تکذیب کر دے تو مرد پر حد جاری نہ ہوگی (۴) ظاہرا کذب نہ ہو مثلا مرد کا ذکر کٹا ہوا ہے یا تو عورت کی شرمگاہ بند ہے تو اقرار کا اعتبار نہ ہوگا (بحر) اور اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ حدود شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں اس لئے ہر ممکن طریقہ سے دفع شبہات کی کوشش کی جائے گی۔ (باقی صد آئندہ پر)

ای تعلیماً اشارۃ الی ان یکرّر الزنا ویرجع عن اقرارہ ۱۲ عدہ

فان بیّن حُبِّبَ تلقینہ برجوعہ بلعلك لمستَ او قبّلتَ او وطیتَ بشبھۃ فان رجع قبل

من التقبیل بالفارسیۃ بوسہ گرفتہ ۱۲ عدہ ای اقامۃ الحد

حدّہ او فی وسطہ خلّی والا حُدّ وھو للمحصن ای لحر مکلّف مسلم وطی بنکاح صحیح

ای فی اثناء اقامۃ الحد علیہ ۱۲ عدہ من الحریۃ التکلیف والاسلام ۱۲ عدہ

وھما بصفۃ الاحصان ای وطی حال کونھما بصفۃ الاحصان ۔ ای الامور التی یثبت

بھا الاحصان ما عدا الوطی کانت حاصلۃ قبیل ھذا الوطی فاذا

وجد الوطی تمّ جمیعُ ما یثبتُ بھا الاحصان فقولہ وھو للمحصن مبتدأ وخبرہ قولہ

غیر محرم ان زنا بعد ذلک ۱۲ عدہ

رَجَمُہ فی فضاءٍ حتّی یموت یبدأ بہ شھودہ فان ابوا او غابوا او ماتوا سقط ثم الامام

ای بالاحجار والاجارۃ ۱۲ عدہ ای من تلک البلدۃ ۱۲ عدہ

ثم الناس وفی المقر یبدأ الامام ثم الناس وغُسّل وکُفّن وصُلّی علیہ

ولغیر المحصن جلدہ مائۃ وسطاً بسوط لا ثمرۃ لہ۔

ترجمہ :۔ پس اگر وہ سب کچھ بیان کر دے تو قاضی کے لئے مستحب ہے کہ وہ اُسے اس طرح رجوع کر لینے کی تلقین کرے کہ شاید تو نے ہاتھ لگایا ہوگا یا بوسہ لیا ہوگا یا شبہے سے صحبت کی ہوگی، تو اگر وہ حد قائم کرنے سے پہلے یا عین حد کے بیچ میں اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کو رہا کر دے ورنہ حد نافذ کی جائے اور حد یہ ہے اگر زانی محصن ہو یعنی آزاد مکلف مسلمان ہو اور وطی کر چکا ہو نکاح صحیح کے ساتھ اور مرد وعورت دونوں صفت احصان پر ہوں یعنی وطی کریں اس حال میں کہ دونوں میں صفت احصان موجود ہو، مطلب یہ کہ وطی کے علاوہ جو امور احصان کے لئے شرط ہیں وہ اس وطی سے پہلے متحقق ہوں پھر جب نکاح صحیح کے ساتھ وطی پائی جائے گی تو تمام وہ امور مکمل ہو جائیں گے جن سے احصان ثابت ہوتا ہے تو مصنف کا قول "وھو للمحصن" مبتدا ہے اور اس کی خبر یہ قول ہے کہ اسے سنگسار کرے "کسی میدان میں یہاں تک کہ وہ مرجائے اور سنگسار کرنا گواہ پہلے شروع کریں اگر یہ لوگ انکار کریں یا غائب ہو جائیں یا مرجائیں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ گواہ کے بعد حاکم رجم کرے پھر عام لوگ اور اگر زانی خود مقر ہو تو اس کو اول حاکم پتھر مارے پھر اور لوگ اور بعد میں اس کو غسل دیا جائے اور اس کی تکفین کی جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر وہ زانی محصن نہ ہو تو اس کی حد یہ ہے کہ سو کوڑے مارے جائیں متوسط چوٹ سے اور کوڑا ایسا ہو کہ اس کی چوٹی میں گرہ نہ ہو۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اسی بنا پر ثبوت زنا کے لئے چار مردوں کی گواہی یا چار مرتبہ اقرار ضروری ہے اور حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار کے بعد رجوع کی تلقین کرے جیسا کہ سامنے آ چکا ہے۔

سے قولہ کما مر یعنی چار مجلسوں میں چار بار صریح اقرار کر لینے کے بعد حاکم اس سے ماہیت زنا، کیفیت زنا، مقام زنا اور کس کے ساتھ زنا کیا ان امور کے بارے میں سوالات کرے اگر جوابات غیر مشتبہ ہوں تو حد قائم کی جائے گی، البتہ زمانۂ زنا کے بارے میں سوال کرنے کے متعلق مشائخ کے اندر اختلاف ہے مگر اصح یہ ہے کہ اقرار کی صورت میں بھی سوال کرنا چاہیئے کیونکہ جس زنا کا اقرار کر رہا ہے اس میں اس کا امکان ہے کہ اس نے بچپن میں زنا کیا ہو جو کہ موجب حد نہیں ہے۔ اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ المحصن الخ۔ صاد پر زبر اور زیر دونوں مستعمل ہیں، کلیات ابو البقاء کفوی میں ہے کہ احصان، عفت اور اپنے آپ کو حرام میں گرنے سے بچانے کا نام ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا " والذین یرمون المحصنٰت" الآیۃ اور شادی شدہ ہو چکے کے معنی میں آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " فاذا احصن " اور حریت کے معنی میں جیسے حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں " نصف ما علی المحصنٰت من العذاب " اور نکاح کے ساتھ وطی کرنے میں جیسے کہ اس ارشاد میں محصنین غیر مسافحین " اور محصن کا لفظ ان کلمات میں سے ہے کہ جن کا اسم فاعل مفعول فتح عین کے ساتھ بھی آتا ہے اگرچہ باب اِفعال کے اسم فاعل قیاس کے مطابق کسرۂ عین کلمہ کے ساتھ آنا چاہیئے اور اسم مفعول فتحہ کے ساتھ البتہ بطور شاذ بعض الفاظ فتح عین کے ساتھ پائے جاتے ہیں جیسے اسھب سے مسھَب (جس کے معنی زباندانی اور طول کلام کے ہیں) اور افلج سے مفلَج بمعنی مفلس ہونا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

فی المغرب الثمرۃ العذبۃ وھی ذنبہ وقیل العقدۃ قال الاول اصح وفی الصحاح ثمرۃ السیاط عقد اطرافھا ینزع ثیابہ الا الازار ویفرق علی بدنہ الا راسہ ووجھہ وفرجہ قائما فی کل حد بلا مد ای من غیر ان یلقی علی الارض ویمد رجلاہ وقیل ان یمد الضارب یدہ فوق راسہ وقیل ان یمد السوط علی العضو بعد الضرب للعبد نصفھا ولا یحدہ سیدہ بلا اذن الامام ھذا عندنا خلافا للشافعی۔

ترجمہ:۔ مغرب میں ہے کہ "ثمرۃ" سے چوٹی یعنی کوڑے کی دم مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک گرہ مراد ہے صاحب مغرب فرماتے ہیں کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور صحاح میں ہے کہ کوڑوں کا ثمرہ ان کے سرے کے گرہ کو کہا جاتا ہے (اور کوڑے مارنے کے وقت) مرد کے کپڑے اتار لئے جائیں سوائے ازار کے اور بدن کے متفرق جگہوں پر مارے جائیں سوائے سر، چہرے اور شرمگاہ کے اور ہر قسم کی حد میں مرد کو کھڑا رکھ کر حد لگائی جائے اور کھینچ کر نہ مارے یعنی ایسا نہ ہو کہ زمین پر گرا کر اس کے دونوں پاؤں پھیلا دیا جائے اور بعض کے نزدیک کھینچ کر مارنا یہ ہے کہ مارنے والا اپنا ہاتھ سر کے اوپر تک لیجائے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ کوڑا مار کر بدن پر اُسے کھینچتا ہوا لیجائے اور غلام کے لئے سو کوڑوں کا نصف (پچاس) ہے اور مالک اپنے غلام کو حاکم کے اذن کے بغیر حد نہ مارے یہ ہمارا مذہب ہے بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک مار سکتا ہے۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) بہر حال احصان سات باتوں کے اجتماع کا نام ہے۔ ۱۔ بلوغ، ۲۔ عقل، ۳۔ حریت، ۴۔ نکاح صحیح، ۵۔ دخول، ۶۔ صفت احصان میں زوجین ایک دوسرے کے مماثل ہوں، ۷۔ اسلام، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اسلام احصان کی شرط نہیں۔ اور ایسے ہی ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی ۱۲ کفایہ۔

سکہ قولہ سقط الخ یعنی رجم کی حد ساقط ہو جائے گی اس لئے کہ گواہوں کا آغاز کرنا شرط ہے نیز ان کے غائب ہونے کی صورت میں اس کا احتمال ہے کہ شہادت سے رجوع کر لیا ہو اور موت کی صورت میں گواہی ختم ہو گئی حالانکہ رجم کے وقت تک اس کی بقاء شرط ہے اور رجم سے انکار کی صورت میں تو رجوع عن الشہادت ظاہر ہے البتہ انکار رجم کے سبب سے حد قذف لازم نہ آئے گی اس لئے کہ یہ صریح رجوع نہیں ہے بلکہ قرینۂ رجوع ہے جو کہ سقوط حد زنا کے لئے تو کافی ہے مگر حد قذف قائم کرنے کے لئے کافی نہیں، کذا فی الفتح اور منح الغفار میں ہے کہ اگر بعض گواہ اہلیت شہادت سے نکل جائیں بسبب فسق کے یا اندھا، گونگا ہو جانے سے یا حد قذف قائم ہونے سے تو بھی زانی سے حد ساقط ہو جائے گی ۱۲

سکہ قولہ وصلی علیہ الخ یعنی مرجوم کو دوسرے مُردوں کی طرح غسل دیا جائے گا کفن پہنایا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس میں اصل حضرت علیؓ کا قول ہے کہ انہوں نے ایک عورت کے رجم کے بعد فرمایا "جس طرح تم اپنے مُردوں کے ساتھ کرتے ہو اس کے ساتھ بھی کرو (بیہقی) صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدی عورت پر جنازہ پڑھا جسے اقرار زنا پر رجم کیا گیا تھا اور بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز پر جنازہ پڑھا ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ ویفرق الخ مجہول کا صیغہ ہے تفریق سے یعنی مارنے میں تفریق کی جائے اور بدن کے مختلف مقامات پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک ہی مقام پر مارنے سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے اور بعینہ اسی سبب سے سر، چہرہ اور شرمگاہ کو کوڑے مارنے سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے جلاد کو فرمایا کہ کوڑے مار دو اور ہر عضو کو اس کا حق دو اور چہرے اور شرمگاہ سے بچو (ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق، سعید بن منصور) اور صحیحین میں مرفوع روایت ہے کہ جب کوئی کسی کو مارے تو چہرے کو بچائے، بعض مشائخ نے سینہ کا بھی استثناء کیا ہے لیکن اس میں تامل ہے کیونکہ سینہ میں ضرب کے تحمل کی قوت ہے اور متوسط کوڑے سے پیٹ میں بھی چند ضرب مہلک نہیں تو سینے پر مارنا کیسے مہلک قرار دیا جائے گا ۱۲

سلہ قولہ خلافا للشافعی رح الخ ان کی دلیل یہ ہے کہ شرعاً آقا کو اپنے غلام باندی پر پوری ولایت حاصل ہے اس لئے وہ حد بھی قائم کر سکتا ہے جیسے کہ اسے تعزیر کا اختیار ہے اور بعض صحابہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے کہ انہوں نے اپنے غلام کو کوڑے لگائے (موطا) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسی وجہ سے بندے کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا اس لئے شرع کی رو سے جو اللہ کا نائب ہے یعنی امام یا اس کا قائم مقام اسی کو اس کا حق ہے بخلاف تعزیر کے کہ وہ بندے کا حق ہے (ہدایہ) حضرت حسن بصری کا قول ہمارے مذہب کا شاہد ہے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

ولا یُنزع ثیابھا الا الفرو والحشو وتحدّ جالسةً وجاز الحفر لھا لالہ ولا جمع بین جلد

ای المرأۃ ۱۲ عمدہ الزانیۃ ۱۲ عمدہ لان فیہ ستر او ہو مطلوب فی المرأۃ ۱۲ عمدہ

ورجمٍ ولا بین جلد ونفیٍ الا سیاسةً ھٰذا عندنا وعند الشافعیؒ یجمع فی البکر

ای عدم الجمع بین الجلد والنفی الا سیاسۃ ۱۲ عمدہ

بین الجلد والنفی وھو تغریبُ عامٍ ویُرجم مریضٌ زنیٰ ولا یُجلد حتی یبرأ و

صفۃ لمریض ۱۲ عمدہ

حاملٌ زنت ترجم حین وضعت وتجلد بعد النفاس۔

الا اذا لم یکن للمولود من یربیہ فتمہل حتی یستغنی ولدہا وہذہ روایۃ عن الامام اختارہا صاحب المختار وحسنہا فی النہر ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اور عورت کے کپڑے نہ اُتارے جائیں سوائے چمڑے اور روئی دار لباس کے اور اسے حد ماری جائے بٹھا کر اور رجم کے وقت عورت کے لئے گڑھا کھودنا جائز ہے مرد کے لئے جائز نہیں، اور جائز نہیں جمع کرنا کوڑے اور رجم کی سزا کے درمیان اسی طرح کوڑے اور جلا وطنی کی سزا کے درمیان البتہ یہ بطور سیاست کے جائز ہے یہی ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی کے نزدیک غیر محصن میں کوڑے اور جلا وطنی کی سزا جمع کی جائے اور جلا وطنی یہ ہے کہ ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا۔ اور زنا کار مریض ہو تو اسے رجم کیا جائے گا اور کوڑے نہیں مارے جائیں گے جب تک کہ اچھا نہ ہو اور حاملہ عورت پر زنا ثابت ہو تو وضع حمل کے بعد رجم کی جائے گی اور کوڑے لگائے جائیں گے نفاس کے بعد۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) انہوں نے فرمایا چار چیزیں سلطان کی طرف راجع ہیں۔ ۱۔ نماز (یعنی اقامت جمعہ وجماعت) ۲۔ زکوٰۃ، ۳۔ حدود، ۴۔ قصاص (ابن ابی شیبہ) اور حضرت عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ سلطان کے اختیارات میں سے ہیں۔ ۱۔ زکوٰۃ، ۲۔ جمعہ، ۳۔ حدود ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ؎ قولہ ویرجم الخ کیونکہ رجم کی غرض اُسے ہلاک کرنا ہے اس لئے مرض کی حالت میں رجم کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ تو ادر معین مقصود ہے کہ جلد مر جائے گا۔ بخلاف کوڑے لگانے کے کیونکہ اس کا مقصود ہلاک کرنا نہیں ہے بلکہ محض زجر اور تکلیف پہونچانا ہے اور مرض کی حالت میں کوڑے مارنے سے ہلاک کا اندیشہ ہے اس لئے مرض وضعف دور ہو کر تندرستی حاصل ہونے تک کوڑے لگانے سے توقف کیا جائے گا ۱۲

باب الوطی الذی یوجب الحد اولا

الشبہۃ دارئۃ[1] للحد اعلم ان الشبہۃ ضربان فی الفعل وفی المحل فشرع فی الضرب الاول بقولہ وھی فی الفعل یثبت بظن[2] غیر الدلیل دلیلا فلا یحد الجانی ان ظن انھا تحل لہ فی وطی امۃ احد ابویہ وعرسہ وسیدہ والمرتھن المرھونۃ فی الاصح والمعتدۃ بثلث وبطلاق علی مال وباعتاق ام ولدہ اعلم ان اتصال الاملاک بین الاصول والفروع قد یوھم ان للابن ولایۃ وطی جاریۃ الاب کما فی العکس وغنی[3] الزوج بمال الزوجۃ المستفاد من قولہ تعالٰی ووجدک عائلا فاغنی ای بمال خدیجۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قد یورث شبہۃ کون مال الزوجۃ ملکا للزوج۔

موجب حد اور غیر موجب حد وطی کا بیان

ترجمہ:۔ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے واضح رہے کہ شبہے کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ فعل میں شبہ ۲۔ محل میں شبہ تو مصنف رحمہ نے پہلی قسم کا بیان شروع کیا اپنے اس قول سے کہ "اور فعل میں شبہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ (وطی کرنیوالا) غیر دلیل کو دلیل حلت ہونے کا گمان کرے مثلاً کوئی وطی کرے اپنے باپ کی یا ماں کی یا بیوی کی یا آقا کی لونڈی سے یا مرتہن اس لونڈی سے جو اس کے پاس رہن ہے صحیح مذہب میں یا شوہر اپنی اس عورت سے جو عدت میں ہے تین طلاق کی یا مال کے بدلے کی طلاق کی یا اس ام ولد سے جو عتق کی عدت میں ہے۔ ان سب صورتوں میں اگر اس وطی کو اپنے گمان میں حلال جانتا ہو تو اس مجرم پر حد لازم نہ آئے گی۔ واضح رہے کہ باپ بیٹے کی ملکیتوں میں اتصال اور وابستگی کی وجہ سے اس وہم کی گنجائش ہے کہ بیٹے کو باپ کی لونڈی پر وطی کا اختیار بھی حاصل ہے جس طرح باپ کو بیٹے کی لونڈی سے وطی کی ولایت حاصل ہے اور بیوی کے مال کے سبب سے شوہر کو غنی قرار دینا ارشاد ربانی ووجدک عائلا فاغنی (اور آپ کو محتاج پایا پھر غنی کر دیا) سے ثابت ہے کیونکہ مال تو اصل میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا نہ کہ حضور کا ۔ اس سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عورت کا مال شوہر کی ملک میں ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ دارئۃ الخ یہ درء سے اسم فاعل ہے جس کے معنی دفع کرنا، اس باب میں اصل یہ حدیث ہے "ادرؤا الحدود بالشبہات" حدود کو ساقط کرو شبہات کے سبب سے جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ نے مرفوعاً تخریج کی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، اور دارقطنی و بیہقی میں حضرت علی سے مرفوع روایت ہے کہ "حدود دفع کرتے رہو اور ثابت ہو جانے کے بعد امام کو نہ چاہیئے کہ حدود معطل کر دے" اور ترمذی و بیہقی اور حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ "جہاں تک تم میں استطاعت ہو مسلمانوں سے حدود دفع کرو، اگر تم کسی مسلمان کے لئے خلاصی کا راستہ پاؤ تو اس کو خلاص کر دو، کیونکہ حاکم کے لئے معافی دینے میں غلطی کر لینا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے"، اس باب میں اور بھی بکثرت روایات ہیں۔

[2] قولہ بظن غیر الدلیل الخ یعنی جو بات حقیقت میں حلت کی دلیل نہیں اسے دلیل گمان کر لیا، تو یہ شبہ صرف اسی شخص کے حق میں متحقق ہوگا جسے حلت و حرمت کے اندر اشتباہ ہو گیا کیونکہ ایسی کوئی دلیل سمعی تو ہے نہیں جس سے حلت ثابت ہو بلکہ اس نے غیر دلیل کو دلیل خیال کر لیا مثلاً بیوی کی لونڈی کے بارے میں گمان کر لیا کہ یہ حلال ہے اس خیال سے کہ یہ بھی تو ایک قسم کی خدمت لینی ہے اور بیوی سے خدمت لینی حلال ہے تو اس فعل میں شبہ پائے جانے کے لئے حلت کا گمان ہونا ضروری ہے، ورنہ نفس الامر میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ ثبوت شبہ کی کوئی دلیل نہیں، اب اگر اس کو بھی حلال ہونے کا گمان نہ ہو تو پھر کسی طرح کا شبہ اس میں نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر حرام جان کر وطی کی تو حد لازم ہوگی) ۱۲ نتیجہ

(باقی صد آئندہ پر)

واحتیاج العَبِید الی اموال الموالی اذ لیس لھم مالٌ ینتفعون بہ مع کمال الانبساط بین
ای العبید ۱۲ عدہ
ممالیک مولیٰ واحدٍ مع انھم معذورون بالجھل مظنۃٌ لاعتقادھم حلَّ وطی اماء
ای وقع وتقرر اعتقادھم الحل وھو خبر لقولہ سابقاً ۱۲ ای الامۃ
الموالی ومالکیۃُ المرتھن المرھونۃَ ملکَ ید قد توھم حِلَّ وطی المرھونۃ و بقاء
ای ملک تصرف ۱۲ عدہ
اثر النکاح وھو العدۃ لا یبعد ان یصیر سبباً لان یشتبہ علیہ حلَّ وطی المعتدۃ
خبر لقولہ بقاء ۱۲ عدہ
بثلث والمعتدۃِ بطلاقٍ علی مالٍ والمعتدۃِ بالاعتاق حال کونھا ام ولدہ ثم

شرع فی الضرب الثانی من الشبھۃ بقولہ وفی المحل[۱] بقیام دلیل نافٍ للحرمۃ ذاتاً
ای المستفتی ۱۲ عدہ عطف علی قولہ من انفعل ۱۲ عدہ

فلم یحدَّ وانْ اقر بحرمتھا علیہ فی وطی امۃ ابنہ و معتدۃِ الکنایات والبائع البیعۃ
والزوج الممھورۃ قبل تسلیمھا والمشترکۃ الدلیل الثانی للحرمۃ قولہ علیہ السلام
ای الامۃ التی جعلت مہراً ۱۲ عدہ
انت ومالک لابیک۔

ترجمہ:- اور غلاموں کی تمام ضروریات آقا ہی کے اموال سے پوری ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کا تو کوئی علیحدہ مال نہیں ہوتا کہ اس سے وہ نفع اٹھائیں اس کے ساتھ ایک آقا کے غلاموں میں خوب باہمی بے تکلفی ہوتی ہے، علاوہ ازیں عذر جہالت بھی ان میں موجود ہے ایسی حالت میں ان کو مولیٰ کی لونڈی کی وطی بھی حلال ہونے کا اعتقاد کر لینے کی گنجائش ہے اور رہن میں رکھی ہوئی لونڈی پر مرتہن کا ملک تصرف حاصل ہونے سے فرد دیہ وہم ہوتا ہے کہ غالباً اس کے لئے مرہونہ باندی سے وطی بھی حلال ہے اسی طرح اثر نکاح یعنی عدت کے باقی رہنے کے باعث مرد کے نزدیک اس عورت سے وطی حلال ہونے کا اشتباہ ہو نابعید نہیں، جو تین طلاق کی یا مال کے بدلے کی طلاق پر عدت گذار رہی ہو، یا ام ولد ہے جو آزادی کی عدت میں ہو۔ یہ تو تھی نعل میں شبہ کی تفصیل اب مصنف، شبہ کی دوسری قسم کا بیان شروع فرماتے ہیں اور محل میں شبہ کی صورت یہ ہے کہ جو دلیل شرعی نفی حرمت پر قائم ہو جیسے وطی کرے اپنے بیٹے کی لونڈی سے یا اس عورت سے کہ کنایہ طلاق کی عدت میں ہو یا بائع وطی کرے اپنی لونڈی سے بعد بیع کے تسلیم کرنے سے پہلے یا اس لونڈی سے جس کو عورت کے مہر میں دیا ہو لیکن ابھی تسلیم نہیں کیا یا اس لونڈی سے جو مشترک ہو تو ان تمام صورتوں میں۔ حد لازم نہیں آئے گی گو وہ شخص ان کی حرمت کا گمان رکھتا ہو۔ چنانچہ بیٹے کی لونڈی حرام نہ ہونے پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے۔

تشریح:- (بقیہ صد گذشتہ) سلہ قولہ وغنی الزوج الخ یہ اپنی بیوی کی باندی سے وطی پر حد ساقط ہونے کی وجہ ہے خلاصہ یہ کہ کبھی بیوی کا غنا خاوند کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس مال کے باعث خاوند کو دولت مند شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا۔ یہ آپ کی پہلی بیوی تھیں اور اس وقت حضور خود دولت مند نہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ والضحیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فرما کر اپنا احسان ظاہر فرمایا۔ "ووجدک عائلاً فاغنیٰ" اس میں اللہ تعالیٰ نے بیوی کے غنا کو آپ کی طرف منسوب فرمایا کیونکہ زوجین میں باہمی بے تکلفی کی بنا پر شوہر کو بیوی کے مال میں تصرف کرنے کا پورا اختیار رہتا ہے اور یہ بات بیوی کی لونڈی سے وطی کے حلال ہونے میں شبہ پیدا کرتی ہے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ بقیام دلیل الخ یعنی یہاں دلیل شرعی پائی جاتی ہے جو کہ مزنیہ کے حلال ہونے پر دال ہے اس وجہ سے اس کو شبہ حکمیہ یعنی حکم شرع سے ثابت شدہ کہتے ہیں اور اس شبہ کی صورت میں زانی پر حد نہیں آتی، اگرچہ وہ علم بالحرمۃ کا اقرار کرے کیونکہ اس کے گمان کو قطع نظر کر کے یہاں دلیل کی رو سے شبہ موجود ہے، بخلاف سابقہ شبہ نعل کے کہ اس میں موطوءہ کے حلال ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر محض اس کے گمان میں حلت وطی کا اشتباہ ہوا ہے ۱۲ (باقی صد آئندہ پر)

وقول بعض الصحابۃ رضی اللہ عنہم[1] ان الکنایات رواجع وکون المبیعۃ فی ید البائع بحیث لو ھلکت ینتقض البیع دلیلُ الملک وکونُ المھر صلۃً ای غیر مقابلٍ بمالٍ دلیلُ عدم زوال الملک کالھبۃ والملکُ فی الجاریۃ المشترکۃ دلیل حِلّ الوطی فمعنی قولہ نافٍ للحرمۃ ذاتًا انا لو نظرنا[2] الی الدلیل مع قطع النظر عن المانع یکون منافیًا للحرمۃ فان ادّعی[3] النسب یثبت فی ھذہ لا فی الاولیٰ ای فی شبھۃ المحل لا فی شبھۃ الفعل۔

ترجمہ:۔ اور معتدہ کنایہ حرام نہ ہونے پر دلیل بعض صحابہ کا یہ قول ہے کہ طلاق کنایہ طلاق رجعی ہے اور چونکہ بکی ہوئی لونڈی بائع کے قبضہ میں رہتی ہوئی مرجانے سے بیع ٹوٹ جاتی ہے اس لئے یہ بات اس پر دلیل ہے کہ ہنوز لونڈی پر بائع کی ملکیت قائم ہے اور چونکہ مہر ایک طرح کا عطیہ ہے کیونکہ یہ کسی مال کے معاوضہ میں نہیں ہے، یہ دلیل ہے اس پر کہ تسلیم کرنے سے پہلے شوہر کی ملکیت زائل نہ ہوگی جیسے ہبہ میں قبل التسلیم ملکیت زائل نہیں ہوتی، اور شرک باندی میں ملکیت حاصل ہونی اس بات پر دلیل ہے کہ اس سے وطی بھی حلال ہوگی تو مصنف کا قول "ناف للحرمۃ ذاتا"، کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم دوسرے موانع سے قطع نظر کرتے ہوئے نفس دلیل پر غور کریں تو اس سے حرمت وطی کی نفی (یعنی حلت وطی) ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر نسب کا دعویٰ کرے تو صرف اس صورت میں نسب ثابت ہوگا، پہلی صورت میں ثابت نہ ہوگا یعنی شبہ محل کی صورت میں نسب ثابت ہوگا۔ شبہ فعل کی صورت میں ثابت نہ ہوگا۔

(بقیہ صہ گذشتہ) [1] قولہ علیہ السلام الخ یہ اپنی اولاد کی لونڈی سے وطی کرنے کی حلت کی دلیل ہے کیونکہ ظاہر حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیٹے کا ملک باپ کا ملک ہے اور باپ کو اس میں تعرف کرنا حلال ہے اور دادا بھی باپ کے حکم میں ہے اور اس حدیث کا مقصد کتاب الایمان سے کچھ پہلے باب التدبیر والاستیلاد میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ وقول بعض الصحابۃ الخ یہ کنایہ الفاظ سے طلاق شدہ معتدہ کے بارے میں ہے چنانچہ عبدالرزاق نے حضرت عمرو بن مسعود رضہ سے روایت کی ہے کہ (عورت کو اختیار دیئے جانے کے بعد) اگر عورت نے اپنے خاوند ہی کو اختیار کیا تو مرد پر کچھ لازم نہ آئے گا اور اگر اس نے اپنے آپ کو اختیار کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور مرد کو رجعت کا حق ہوگا۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں ایسا ہی روایت کی ہے) اور اس باب میں بکثرت روایت و آثار ہیں جو کہ زیلعی کی تخریج احادیث ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جب اخبار و آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ الفاظ کنایہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے تو ان سے مطلقہ کنایات کی عدت میں وطی حلال ہونے کا شبہ پیدا ہوگیا اگرچہ ہمارے نزدیک یہ آثار معمول بہا نہیں ہیں لیکن وطی کرنے والے پر اس وطی کی بنا پر حد جاری نہ ہوگی ۱۲

[2] قولہ انا لو نظرنا الخ یعنی شبہ حکمیہ ثابت ہونے کے لئے اس کے حلال ہونے پر دلالت کرنے والی ایسی دلیل قائم ہونا کافی ہے جو حرمت کی نفی کرتی ہو مانع حلت وجوہ اور دوسرے دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے کیونکہ شبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ ثابت سے مشابہ ہو اس لئے یہاں نفی حرمت کی دلیل کا دوسرے راجح دلائل سے معارض ہونا یا دوسرے موانع پر نظر کرتے ہوئے حرمت کا ثبوت وجود شبہ کے بارے میں نقصان دہ نہیں ہے ۱۲

[3] قولہ فان ادعی النسب الخ یعنی اگر وطی کرنے والے زانی نے اپنی وطی سے پیدا ہونے والے بچہ کے نسب کا دعویٰ کیا تو شبہ محل کی صورت میں دعویٰ معتبر ہوگا کیونکہ دلیل حلت موجود ہے مگر شبہ فعل کی صورت میں معتبر نہ ہوگا کیونکہ وہاں سرے سے دلیل حلت موجود نہیں اس لئے شبہ کا اثر صرف دفع حد میں ظاہر ہوگا ثبوت نسب میں نہ ہوگا۔ اور شبہ محل کی صورت میں بھی اگر دعویٰ نہ کیا تو نسب ثابت نہ ہوگا ۱۲

وحدّ بوطی امۃ اخیہ وعمہ واجنبیۃ وجدھا علی فراشہ وان ھو اعمٰی وذمیۃ زنٰی بھا حربی وذمی زنٰی بحربیۃ لا الحربی والحربیۃ یعنی الذٰی اخلین دارنا بامانٍ وذٰلک لانہ ان کان ھٰذا فی دار الحرب لایجب الحد وعند ابی یوسفؒ یحدون جمیعًا وعند محمدؒ ان زنی الحربی لایحد و قولہ وذمیۃ عطف علی الضمیر المستتر فی حد وھٰذا جائز لوجود الفاصلۃ ولا من وطی اجنبیۃ زفت الیہ وقلن ھی عرسک وعلیہ مھرھا ومحرمۃ نکحھا عطف علی قولہ اجنبیۃ وھٰذا عند ابی حنیفۃؒ فانہ جعل النکاح شبھۃ فی درء الحد۔

(حواشی: ای الزانی ۱۲ عدہ — للتجارۃ ونحوہا ۱۲ عدہ — من الامام ۱۲ عدہ — ای الحربی والحربیۃ والذمی والذمیۃ ۱۲ عدہ — ای المصنف ۱۲ عدہ — بصیغۃ المجہول ای بعثت الیہ — ای النسوۃ — بکسر العین ای زوجتک ۱۲ عدہ — ای زفت العروس الی الزوج ۱۲ عدہ)

ترجمہ:۔ اور اگر اپنے بھائی یا چچا کی لونڈی سے زنا کرے تو حد قائم کی جائے گی اسی طرح اگر کوئی اجنبی عورت کو اپنے بستر پر پائے اور اس سے وطی کرے خواہ وطی کرنے والا اندھا ہو بہر حال اس پر حد نافذ کی جائے گی، اور ذمی عورت پر حد قائم ہوگی اگر اس کے ساتھ کوئی حربی زنا کرے اسی طرح ذمی مرد پر حد قائم ہوگی اگر وہ حربی عورت کے ساتھ زنا کرے۔ البتہ حربی اور حربیہ پر حد قائم نہیں کی جائے گی، اور یہاں حربی اور حربیہ سے مراد وہ کافر حربی ہیں جو دار الاسلام میں امان حاصل کرکے آئے ہوئے ہوں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اگر وہ دار الحرب میں ہوتے ہوئے زنا کا ارتکاب کریں تب تو ان میں سے کسی پر حد واجب نہ ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دار الاسلام میں سب پر حد قائم کی جائے گی، اور امام محمدؒ کے نزدیک جس صورت میں حربی زنا کرے ذمی عورت سے تو کسی پر حد نہیں آئے گی۔ اور مصنفؒ کی عبارت میں "وذمیۃ" کا عطف ہے "حدّ" کی ضمیر مرفوع متصل پر اور یہاں معطوف و معطوف علیہ کے درمیان فاصلہ ہو وہاں ایسا عطف جائز ہے اور اس اجنبی عورت کی وطی سے حد لازم نہ آئے گی جسے اس کی خلوت گاہ میں بھیج دی جائے اور عورتیں کہیں کہ یہ تیری دلہن ہے، البتہ اس پر اس کا مہر واجب ہوگا اور اس عورت کی وطی پر حد لازم نہ ہوگی جو مرد پر حرام تھی اور اس سے نکاح کر لیا ماتن کی عبارت میں "ومحرمۃ" کا عطف ہے "اجنبیۃ" پر۔ اور یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے کہ انہوں نے مطلقاً نکاح کو مانع حد شبہ قرار دیا ہے۔

تشریح:۔ [۱] قولہ وذٰلک الخ حربی اور حربیہ سے دونوں کا مستامن ہونا مراد ہونے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں، خلاصۂ وجہ یہ ہے کہ مستامن کی قید اس لئے لگائی کہ اگر دار الحرب میں حربی ذمیہ سے زنا کرے یا ذمی حربیہ سے زنا کرے تو ہمارے آئمہ کے نزدیک بالاتفاق ان پر حد واجب نہیں کیونکہ دار الحرب کا زنا موجب حد ہی نہیں خواہ زانی اور مزنیہ دونوں مسلمان ہی کیوں نہ ہو اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سامنے آجائے گی ۱۲

[۲] قولہ وعلیہ مہرہا الخ کیونکہ کوئی وطی حد یا عقر سے خالی نہیں ہوتی اور عُقر سے مراد مہر مثل ہے اب جبکہ شبہ کے باعث حد ساقط ہوگئی تو مہر مثل ضرور واجب ہوگا۔

[۳] قولہ ومحرمۃ الخ اس کا عطف اجنبیۃ پر ہے یعنی اگر اس نے اپنی محارم، ماں خالہ، بہن وغیرہ میں سے کسی محرم سے نکاح کرکے وطی کی تو حد جاری نہ ہوگی۔ بعض شیعوں نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ پر سخت طعن کیا ہے اور انہوں نے مشہور کر دیا کہ محارم سے نکاح اور وطی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے اور ان میں سے بعض نے احادیث صحیحہ کے مخالفت کا الزام دیا ہے باقی شیعوں سے ایسی خرافات تعجب خیز نہیں، جب انہوں نے ابو حنیفہؒ سے بڑے بزرگوں یعنی صحابہ کرام پر بے پر وا تبرّا اور طعن کیا ہے تو ابو حنیفہؒ پر یہ طعن کیا حیثیت رکھتا ہے حالانکہ ان کا یہ اعتراض ہر سمجھدار کے نزدیک سراسر باطل اور لغو ہے اس لئے کہ حد کا ساقط ہونا ایک بات ہے اور فعل کا حلال ہونا اور بات ہے حد ساقط ہونے سے وطی کا حلال ہونا کہاں لازم آتا ہے آخر شبہات سے حد کا ساقط ہونا تو احادیث صحیحہ اور آثار قویہ سے ثابت ہے علاوہ ازیں امام ابو حنیفہؒ نے نکاح کے بعد وطی محارم پر سخت سزا اور تعزیر کا فتویٰ دیا ہے۔

[۴] قولہ فانہ جعل النکاح الخ یعنی نکاح کو مطلقاً دلیل شبہ قرار دیا ہے تو جس طرح محارم سے نکاح کے بعد وطی موجب حد نہیں ہے اسی طرح دوسرے کی بیوی یا عدت گذارنے والی عورت یا مطلقہ ثلثہ سے نکاح کے بعد اگر وطی کرے تو حد نہیں آئے گی ایسے ہی چوتھی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنے اور بیوی کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنے اور مجوسیہ سے نکاح اور آزاد پر باندی سے نکاح اور غلام یا باندی کا آقا کی اجازت کے بغیر نکاح اور بغیر گواہوں کے نکاح کا حکم ہے۔ ان سب صورتوں میں چاہے وہ کہے کہ مجھے ان کے حرام ہونے کا علم تھا مگر حد واجب نہ ہوگی اور صاحبین فرماتے ہیں حرام جان کر وطی کرنے سے ہر اس نکاح کی صورت میں حد واجب نہ ہوگی جس کے صحیح اور فاسد ہونے میں اختلاف ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

او بھیمۃ او اتی فی دبر ھذا عند ابی حنیفۃ اما عندھما و عند الشافعی فی احد قولیہ یحد حد الزنا لانہ فی معنی الزنا لانہ قضاء الشھوۃ فی محل مشتھی علی سبیل الکمال علی وجہ تمحض حراما و لہ انہ لیس بزنا فان الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنھم اختلفوا فی موجبہ من الاحراق و ھدم الجدار والتنکیس من مکان مرتفع باتباع الاحجار فعند ابی حنیفۃ یعزر بامثال ھذہ الامور او زنی فی دار حرب او بغی ھذا عندنا خلافا للشافعی ولا بزنا غیر مکلف بمکلفۃ اصلا ای لا علی ھذا ولا علی ھذہ و عند زفر والشافعی تحد ھی و فی عکسہ حد ھو فقط ولا ان اقر واحد بہ والاخر بنکاح و فی قتل امۃ بزنا یجب الحد والقیمۃ والخلیفۃ لا یحد لانہ صاحب الحق نیابۃ عن اللہ تعالی و یقتص و یؤخذ بالمال لان من لہ الحق ھو الوارث والمالک۔

ترجمہ:۔ اسی طرح حد نہیں آتی چوپایہ سے زنا کرنے سے یا پیچھے کے راستہ سے وطی کرنے سے، یہ بس امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے لیکن صاحبین کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق لواطت پر حد زنا قائم کی جائے گی، اس لئے کہ اس میں زنا کی حقیقت موجود ہے کیونکہ یہ تو ایسے محل میں شہوت رانی ہے جہاں پوری شہوت تحقق ہوتی ہے اور شریعت کی رو سے قطعی حرام ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اس کو زنا نہیں کہتے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے اندر اس کے حکم میں اختلاف رہا ہے بعض نے اس کو جلا دینے کا حکم دیا اور بعض نے اس پر دیوار گرا دینے کا حکم دیا اور بعض نے فرمایا کہ کسی بلند مکان سے اسے گرا دیا جائے اور اوپر سے پتھر پھینکے جائیں، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بس ان جیسے امور سے تعزیر کی جائے گی اور حد قائم نہ ہوگی اگر زنا کرے دار الحرب میں یا باغیوں کے مقام میں یہ ہمارا مذہب ہے بخلاف امام شافعیؒ کے (کہ ان کے نزدیک اس پر بھی حد جاری ہوگی) اور اگر غیر مکلف (لڑکا یا دیوانہ) مکلفہ (عاقلہ بالغہ) عورت سے زنا کرے تو کسی پر حد نہ ہوگی، یعنی نہ مرد پر اور نہ عورت پر اور امام زفرؒ و شافعیؒ کے نزدیک عورت پر حد قائم ہوگی۔ اور اگر اس کا الٹا ہو (کہ مکلف غیر مکلفہ سے زنا کرے) تو فقط مرد پر حد واجب ہوگی اور اگر ایک زنا کا اقرار کرے اور دوسرا نکاح کا دعوی کرے تو کسی پر حد نہ ہوگی اور جو شخص کسی کی لونڈی سے زنا کرے اور وہ اس فعل سے مرجائے تو اس پر حد واجب ہوگی اور لونڈی کی قیمت بھی دینی پڑے گی، اور خلیفہ پر حد قائم نہ ہوگی، کیونکہ وہ اللہ تعالی کے نائب ہونے کی حیثیت سے خود ہی صاحب حق ہے، البتہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور مال کا مواخذہ کیا جائے گا، کیونکہ قصاص وارث کا حق ہے اور ضمان مالک مال کا حق ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) جیسے بغیر گواہوں کے نکاح، بغیر ولی کے نکاح اور موقت یا متعہ کا نکاح، لیکن جو نکاح بالاتفاق حرام ہے اس میں حرام ہونے کا اقرار کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی اور بعضوں نے صاحبین کے اس قول کو ابدی محرمہ کے نکاح پر محمول کیا ہے ۱۲؎

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ لانہ فی معنی الزنا الخ اس میں اشارہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک لواطت پر وجوب حد دلالۃ النص سے ثابت ہے جو نص کہ زنا کے بارے میں وارد ہے، زنا پر قیاس کرکے نہیں اب ان پر یہ اعتراض نہ رہا کہ قیاس سے حدود ثابت نہیں ہوتیں۔ ۱۲؎

سلہ قولہ تحد ھی الخ اس لئے کہ مرد کی جانب کا عذر عورت پر سے حد ساقط نہیں کرتا جیسے کہ عورت کی جانب کا عذر مرد سے حد ساقط نہیں کرتا کیونکہ ہر ایک سے اپنے اپنے فعل کا مواخذہ ہوگا اور ہم کہتے ہیں کہ زنا کا فعل مرد سے صادر ہوتا ہے اور عورت تو محل فعل ہے اس لئے عورت کے حق میں حد متعلق ہوگی جبکہ وہ زنا

باقی صفحہ آئندہ پر)

باب شهادة الزنا والرجوع عنها

من شهد بحدٍ متقادمٍ قريبًا من امامه لم تقبل الا في حد القذف فيه (اي لم تقبل شهادة من شهد بالحد متقادم ۱۲ عمدہ) حق العبد وهو لا يسقط بالتقادم وضمن السرقة اي ان شهدوا بالسرقة المتقادمة يثبت الضمان لانه حق العبد وهو لا يسقط بالتقادم وعند الشافعي تقبل وان اقر به حد اي ان اقر بالحد المتقادم حد الا في الشرب على ما ياتي لان المانع من قبول الشهادة انه قد هيجته على الشهادة عداوة حادثة وهذا المعنى لا يوجد في الاقرار وتقادم الشرب بزوال الريح ولغيره بمضي شهر فان شهدوا بزنا وهي غائبة حد وبسرقة من غائب لا

زنا پر گواہی دینے اور اس سے رجوع کرنے کا بیان

ترجمہ:- گواہوں نے کسی پرانے موجب حد واقعہ کی شہادت دی اور وہ امام سے بعید بھی نہ تھے تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی مگر بہتان زنا کی شہادت ہو تو مقبول ہوگی کیونکہ بہتان کی حد میں بندہ کا بھی حق ہے اور بندہ کا حق پرانا ہونے سے بھی ساقط نہیں ہوتا، اور مال مسروقہ کا ضامن ہوگا یعنی اگر گواہ پرانے واقعہ چوری کی شہادت دیں تو اگرچہ چور پر حد واجب نہ ہوگی لیکن مال مسروقہ کا تاوان لازم ہوگا کیونکہ یہ بندے کا حق ہے جو کہ پرانا ہونے سے بھی ساقط نہیں ہوتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک پرانے واقعہ کی شہادت حد کے حق میں بھی مقبول ہے اور اگر اقرار کرے تو حد قائم ہوگی یعنی موجب حد پرانے واقعہ کے بارے میں خود ہی اقرار کرے تو اس پر حد جاری ہوگی مگر شرب خمر کے بارے میں اقرار کے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ کیونکہ پرانی شہادت قبول ہونے کا مانع یہ سبب ہے کہ شاید کسی نئی دشمنی نے اس کو ایسی شہادت دینے پر ابھارا ہے اور اقرار کی صورت میں یہ وجہ نہیں پائی جاتی۔ اور پرانا ہونا شرب کے واقعہ میں یہ ہے کہ اس کی بو جاتی رہے اور اس کے علاوہ میں پرانا ہونے کی مدت ایک ماہ کا گذر جانا ہے۔ اور اگر گواہ زنا کی شہادت دیں اور عورت غائب ہو تو مرد پر حد لگائی جائے گی اور اگر کسی غائب کے مال کی چوری کی شہادت دیں تو حد قائم نہ ہوگی۔

(بقیہ صد گذشتہ)

جیسے تبیع نعل کا موقع دے اور فعل زنا کا اعتبار ہوتا ہے اس شخص سے جو اس سے باز رہنے کا مخاطب اور مکلف ہے اور بچہ اور پاگل کو تکلیف و خطاب کی حیثیت نہیں ہے اس لئے ان کا فعل اصلی درجہ میں نہیں ہے ۱۲

سلہ قولہ والخلیفۃ الخ یعنی وہ امام جس کے اوپر اور کوئی حاکم نہ ہو۔ ہدایہ میں ہے کہ حدود اللہ کا حق ہے اور انہیں قائم کرنا اس کے سپرد ہے دوسرے کسی پر نہیں اور اپنے آپ پر اقامت حد ممکن نہیں اس لئے کہ یہ غیر مفید ہے بخلاف بندوں کے حق کے کہ اس میں ولی اپنا حق پورا حاصل کرے گا، خواہ خلیفہ اس کو حق حاصل کرنے کا اختیار خود دیدے یا عامۃ المسلمین کی قوت سے مدد لے کر وہ اپنا حق حاصل کرے اور قصاص اور اموال کا حق العباد ہونا ظاہر ہے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ لم تقبل الخ۔ ہدایہ میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ حدود خالص اللہ کے حقوق ہیں جو کہ پرانا ہونے کے باعث باطل ہو جاتے ہیں بخلاف شافعیؒ کے کہ وہ انہیں بندوں کے حقوق پر قیاس کرتے ہیں اور اقرار پر بھی قیاس کرتے ہیں کہ دونوں کی حجتوں میں سے یہ بھی ایک قسم ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک میں تقادم کا اعتبار ہو اور دوسرے میں ہو اور ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہ کو دو نیکیوں میں سے ایک کا اختیار ہے چاہے وہ گواہی دیدے یا تو ستر و خفا کا پہلو اختیار کرے اب اگر اس نے ستر کی نیت سے تاخیر کی تھی تو پھر مدت کے بعد گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کو کینہ و عداوت نے اس پر برانگیختہ کیا ہے اس لئے وہ متہم ہو جائے گا اور اگر ستر کی نیت سے اخفا نہ تھا تو وہ فاسق قرار پائے گا جس کی شہادت مقبول نہیں اس لئے مانع شہادت یقینی ہے بخلاف حق العباد کے کہ اس میں تاخیر شہادت موجب فسق نہیں ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

لشرطية الدعوى في السرقة دون الزنا على ما يأتي الفرق في كتاب السرقة ان شاء الله تعالى ولو اختلف اربعة في زاويتي بيت او اقر بزنا وجهلها حد اذ التوفيق ممكن بان يكون ابتداء الفعل في زاوية وانتهاؤه في اخرى وجهل المقر لا يضره اذ لو كانت امرأته او ام ولده لا يخفى عليه فان شهدوا كذلك او اختلفوا في طوعها او بلدة او اتفق جهتاه في وقته واختلفا في بلده او شهدوا بزنا وهي بكر او هم فسقة او هم شهود على شهود لم يحد احد وان شهد الاصول ايضا بعدهم۔

ترجمہ:۔ کیونکہ چوری کی صورت میں مالک کی طرف سے دعویٰ شرط ہے اور زنا میں کسی کے دعویٰ کی شرط نہیں جیسا کہ کتاب السرقہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کا فرق آجائے گا۔ اور اگر چار گواہ زنا کے بارے میں شہادت دیں لیکن گھر کے گوشے بتانے میں باہم اختلاف ہو یا کوئی زنا کا اقرار کرے اور اس عورت کو نہ پہچانتا ہو تو حد قائم کی جائے گی کیونکہ (پہلی صورت میں) یہ تطبیق ممکن ہے کہ ایک گوشہ میں فعل شروع کریں اور آخر میں دوسرے گوشے چلے گئے ہوں۔ اور (دوسری صورت میں) زنا کا اقرار کرنے والے کے لئے عورت مزنیہ کا نہ پہچاننا قبول اقرار میں مضر نہیں کیونکہ اگر اس کی بیوی یا ام ولد ہوتی تو ہرگز اس پر پوشیدہ نہ ہوتی۔ اور اگر گواہ نامعلوم عورت سے زنا کی شہادت دیں یا وہ اختلاف کریں عورت کی رضامندی کے بارے میں یا مقام زنا کے بارے میں یا چار چار آدمی کی دو شہادتیں بالاتفاق ایک وقت بتائیں لیکن مقام زنا بتانے میں دونوں اختلاف کریں یا جس عورت کے بارے میں زنا کی شہادت دی گئی اس کا باکرہ رہنا ثابت ہو جائے، یا گواہ فاسق ہوں، یا اس بات پر گواہی دیں کہ چار معتبر شخصوں نے اس پر زنا کی گواہی دی ہے گو وہ اصل گواہ بھی بعد میں اگر اس زنا پر گواہی دیں تو ان تمام مذکورہ صورتوں میں کسی پر حد واجب نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (بقیہ صدگذشتہ) ۳ہ قولہ حد الزنا اور چوری میں فرق یہ ہے کہ غائب رہنے سے دعویٰ نہیں پایا جائے گا غائب کی طرف سے اور چوری میں دعویٰ شرط ہے زنا میں شرط نہیں، اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مزنیہ غائب ہونے کی صورت میں اس کی طرف سے شبہ کے دعویٰ کا احتمال تو موجود ہے اس لئے حد لازم نہ ہونی چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس احتمال سے وجود شبہ کا حکم نہیں دیا جا سکتا جس سے کہ حد ساقط ہو جائے بلکہ وجود شبہ کا محض وہم ہے اس لئے زیادہ زیادہ شبہ کا شبہ پایا گیا اور سقوط حد کے باب میں شبہ کا اعتبار ہے اور شبہ سے کم تر شبہۃ الشبہۃ کا اعتبار نہیں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ اقر بزنا الخ یعنی زانی نے زنا کا اقرار کیا پھر کہا کہ میں عورت کو جانتا نہیں یا پہچانتا نہیں تو بھی حد قائم کی جائے گی اور مزنیہ کا نہ پہچاننا اقرار کے بارے میں نقصان دہ نہ ہوگا کیونکہ جس کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے وہ اس سے مخفی رہنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ اس کی بیوی یا ام ولد ہوتی یا معاملہ اس کے نزدیک واقعی مشتبہ ہوتا تو وہ زنا کا اقرار ہی نہ کرتا، کہ انسان جس طرح اپنے خلاف جھوٹا اقرار نہیں کرتا اسی طرح اشتباہ ہونے پر بھی اقرار نہیں کیا کرتا تو جب اس نے صریح اقرار زنا کیا اس سے خود بخود معلوم ہو گیا کہ وہ جانتا ہے اور وہ عورت اس پر مشتبہ نہیں ہے اب اس کے یہ کہنے کا کہ میں نہیں پہچانتا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے اس کا نام و نسب نہ جانتا ہو مگر اجنبیہ ہونا جانتا ہے، بخلاف گواہوں کے کہ ان کے بارے میں اس کا امکان ہے کہ جس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں وہ مشتبہ رہے اس لئے گواہ اگر کہیں کہ ہم اس کو نہیں پہچانتے تو حد قائم نہ ہوگی ۱۲

ﷺ قولہ او ہم شہود علی شہود الخ اس کی صورت یہ ہے کہ جن گواہوں نے خود زنا کا مشاہدہ کیا وہ کسی عذر کی بنا پر حاکم کے اجلاس میں حاضر نہ ہو سکیں اور ان کی شہادت دوسرے چار آدمی سن لیں پھر یہ ان کی طرف سے حاکم کے اجلاس میں آکر شہادت دیں تو ایسی شہادت پر حد واجب نہ ہوگی۔ ۱۲

واعلم ان فی هٰذه الصور لا یُحدّ احد لا المشهود علیهما بالزنا ولا الشهود بسبب القذف

فقوله فان شهدوا کذٰلک ای شهدوا وجهلوا الموطوءة لاحد علی المشهود علیه (عن الزنا عن الشهود ثم نزع ای — ای الزانی ۱۲ عمدہ)

الاحتمال ان تکون المرأة زوجته او امته ولا علی الشهود لوجود اربعة شهداء وان (التی وطیها ۱۲ عمدہ — ای لاحد علی الشهود بسبب القذف ثبت)

شهد اربعة وقال اثنان منها کانت طائعة واثنان منها کانت مکرهة فلا حدّ علیهما (بصیغة اسم المفعول من الاکراه ۱۲ عمدہ)

عند ابی حنیفة رحمه الله وعندهما یُحدّ الرجل لاتفاق الاربعة علی زناه لا المرأة للاختلاف

فی طوعها وله ان الفعل المشهود به ان کان واحدًا فبعضهم کاذب لان الفعل الواحد

لا یکون بطوعها وکرهها وان لم یکن واحدًا فلا نصاب للشهادة علی کل منهما ولا

یحد الشهود لوجود العدد۔ (ای المشهود بہ ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں کسی پر بھی حد نہ آئے گی نہ اُن دونوں پر جن پر زنا کی شہادت دی گئی اور نہ گواہوں پر حد آئے گی قذف کے جرم میں، تو ماتن کا قول "فان شہدوا کذالک" کا مطلب یہ ہے کہ گواہ زنا پر گواہی دیں اور یہ بتائیں کہ انہوں نے موطوءہ کو نہیں پہچانا تو زانی پر حد اس لئے نہ آئے گی کہ ممکن ہے وہ عورت اس کی بیوی یا اس کی لونڈی ہو، اور گواہوں پر حد قذف اس لئے لازم نہ ہوگی کہ چار گواہ موجود ہیں اور اگر (زنا کے معاملہ میں) چار آدمی گواہی دیں لیکن ان میں سے دو بتائیں کہ عورت بھی راضی تھی اور دو کہیں کہ جبرًا عورت سے زنا کیا گیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک دونوں میں سے کسی پر حد نہیں، اور صاحبین رحمہ اللہ کے نزدیک مرد پر حد قائم ہوگی کیونکہ مرد کے زنا پر چاروں گواہ متفق ہیں البتہ عورت پر حد نہیں آئے گی کیونکہ اس کی رضامندی کے بارے میں گواہوں کا باہم اختلاف ہے (اور جبری زنا سے عورت پر حد نہیں آتی) امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جس فعل زنا پر گواہی دی گئی اگر یہ ایک ہی واقعہ ہے تو بعض گواہ کا جھوٹا ہونا یقینی ہے کیونکہ فعل واحد نہیں ہو سکتا کہ عورت کی خوشی سے بھی ہو اور ناراضی سے بھی ہو اور اگر واقعہ ایک نہ ہو (بلکہ دو واقعہ مانا جائے) تو ہر دو واقعہ کے لئے نصاب شہادت پورا نہ ہوگا۔ اس لئے زانی پر حد نہیں آسکتی) اور گواہوں پر بھی حد نہیں آئے گی کیونکہ چار کا عدد موجود ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ ان الفعل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب گواہوں میں اختلاف ہو تو مشہود بہ میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا اس لئے کہ زنا ایک فعل ہے جو کہ مرد اور عورت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور فعل واحد جو دونوں کے ذریعہ قائم ہو بیک وقت دو متضاد وصفوں میں متصف نہیں ہو سکتا۔ اور زیر بحث مسئلہ میں گواہوں نے دو متضاد وصف ثابت کئے اس لئے کہ رضامندی کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں فعل زنا میں برابر کے شریک ہیں اور جبر و اکراہ کا تقاضا یہ ہے کہ صرف مرد ہی اکیلا زنا کا مرتکب ہے اور بیک وقت دونوں باتیں ہونی ناممکن ہے غرض ہر ایک دوسرے کے خلاف ہے اس لئے شہادت دی ہوئی بات بھی مختلف ہو گئی اور دونوں میں سے کسی پر نصاب شہادت مکمل نہیں ہوا۔ ۱۲ عنایہ۔

[2] قولہ فلا نصاب الخ اس لئے کہ دونوں نے عورت کی مرضی سے زنا ہونے کی گواہی دی اور دو نے اس پر جبر و اکراہ کے ساتھ زنا ہونے کی گواہی دی۔ اب ہر فعل پر دو گواہیاں گذریں اور زنا کے معاملہ میں نصاب شہادت چار ہے اس لئے دونوں فعل میں سے کسی میں نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ثابت نہ ہوا تو نہ مرد پر حد آسکتی ہے اور نہ عورت پر۔ ۱۲

[3] قولہ ولا یحد الشہود الخ یعنی اگرچہ زنا ثابت نہ ہوا لیکن گواہوں پر حد قذف نہیں آئے گی کیونکہ شہادت کا نصاب مکمل ہے اگرچہ اختلاف ہو جانے کی بنا پر یہ قبول نہیں ہوئی۔ اور حد قذف واجب ہوتی ہے جبکہ شہادت کا نصاب پورا نہ ہو چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو انہیں اسّی درے مارو"۔

وان شهد اربعة بزناه واختلفوا فی بلد زناه فلا حدّ[1] علیهما الما مرّ ولا علی الشهود خلافاً لزفرؒ لوجود العدد وان شهد اربعة بزناه فی وقتٍ معینٍ فی بلد معینٍ واربعةٌ اخری بزناه فی ذلک الوقت فی بلد اٰخر فلا حد علیهما لان شهادة احد الفریقین مردودة لتیقن کذبه ولا رجحان[2] لاحدهما فیرد الجمیع ولا علی الشهود لاحتمال صدق احد الفریقین یرد علیه انه یحتمل ان یکون کل واحد منهما کاذبا والظاهر هذا لما مرّ من تیقن کذب احدهما وعدم رجحان احدهما فیکون صدق احدهما محتملاً احتمالاً بعیداً ثم علی تقدیر صدق احدهما یحتمل ان یکون الصادق هذا الفریق المعین او ذلک الفریق ففی صدق کل واحد احتمال الاحتمال وهو شبهة الشبهة فلا اعتبار لها۔

ترجمہ :- اور اگر چار گواہ زنا کی شہادت دیں اور ان میں اس شہر کے متعلق اختلاف ہو جہاں زنا سرزد ہوا تو دونوں میں سے کسی پر حد واجب نہ ہوگی دلیل وہی ہے جوکہ اوپر کی صورت میں گذری اور گواہوں پر بھی حد نہ آئے گی کیونکہ نصاب شہادت موجود ہے۔ بخلاف امام زفرؒ کے کہ ان کے نزدیک گواہوں پر حد قذف آئے گی اور اگر چار گواہ معین وقت اور معین شہر میں زنا سرزد ہونے کی گواہی دیں اور دوسرے چار گواہ اسی وقت میں دوسرے شہر میں اسی شخص کے متعلق زنا کی گواہی دیں تو مرد و عورت کسی پر حد نہ آئے گی کیونکہ گواہوں کے دونوں گروہ میں سے ایک کی شہادت لامحالہ ناقابل قبول ہے اس لئے کہ یقینا ایک گروہ جھوٹا ہے اب جبکہ دونوں گروہ میں سے کسی کے حق میں وجہ ترجیح نہیں ہے تو سب کی شہادت مسترد ہوجائے گی، اور گواہوں پر بھی حد قذف لازم نہ ہوگی کیونکہ ہر ایک کے صدق کا احتمال موجود ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے یہاں تو یہ احتمال ہے کہ دونوں گروہ کاذب ہوں اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ پہلے بتایا جاچکا کہ ایک گروہ کا کذب یقینی ہے اور کسی کے متعلق وجہ ترجیح نہیں ایسی صورت میں دونوں فریق میں سے ایک کے سچے ہونے کا احتمال محض احتمال بعید ہے۔ پھر دونوں فریق میں ایک کو سچا تسلیم کرنے پر اس کا احتمال رہتا ہے کہ یہ معین فریق سچا ہے یا وہ فریق سچا ہے اب ہر ایک کے سچا ہونے کے احتمال میں احتمال پیدا ہوگیا جوکہ شبہۃ الشبہۃ کے درجہ میں ہے پس یہ ناقابل اعتبار ہوگا۔

تشریح :- [1] قولہ فلا حد علیہما الخ یعنی نہ مرد پر اور نہ عورت پر، کیونکہ گواہوں کے دونوں فریق میں سے ایک فریق کا جھوٹا ہونا یقینی ہے اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی فعل ایک شخص سے ایک ہی وقت میں دو مختلف و متباعد جگہوں میں متحقق ہو پس کسی ایک فریق کی شہادت سے زنا ثابت نہ

[2] قولہ ولا رجحان الخ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ یہ حکم جب ہے کہ دونوں فریق میں سے کسی میں ایسی کوئی وجہ ترجیح نہ پائی جائے کہ دوسرے فریق کے مقابلہ میں وہ راجح ہوجائے اس سے احتراز ہوگیا اس صورت سے جبکہ ایک فریق میں مثلاً قبول شہادت کی شرائط نہ پائی جائیں۔ اور دوسرے فریق میں پائی جائیں کیونکہ اگر ایسا ہوا ہو تو جس فریق کی شہادت میں صفات قبول موجود ہیں اس کی شہادت مقبول ہوگی اور اس کے مقابل جس فریق کی شہادت میں صفات قبول نہیں ہیں وہ مسترد ہوجائے گی۔ ۱۲ ک۔

فاقول[1] وانما لایحد الشهود لوجود اربعة شهداء فشهادة كل فريق ان لم توجب حدًّا على المشهود عليه فلا[2] اقل من ان توجب تهمة يندرئ بها الحد عن الفريق الأخر وان نظرت امرأة واحدة فقالت هی بكر تثبت بشهادتها البكارة فيندرئ حد الزنى ولا يثبت حد القذف لشرطية الرجال واذا كانوا فسقة يندرئ الحد ولا يحد الشهود لان الفسقة اهل الشهادة فوجدت شهادة الاربعة وان كانوا شهودا على شهود لم يحد لان فی شهادتهم زيادة شبهة لان الكلام اذا تداولته الألسنة يتطرق اليه زيادة ونقصان ثم ان جاء الاصول فشهدوا على ذلك الزنا بعينه بعد شهادة الفروع لم يحد ايضًا لان شهادتهم قد ردت من وجه برد فروعهم والشهادة اذا ردت مرة فی حادثة لاتقبل فيها ابدًا۔

بسبب تعارض الشهادتين ۱۲ عده — ای على الشهود ۱۲ — ای الفروع لشهود الاصول ۱۲ — وان فی حادثة اخرى تقبل ۱۲ عده

ترجمہ:۔ شارح فرماتے ہیں کہ گواہوں پر حد نہ آنے کی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر فریق میں چار گواہ موجود ہیں تو کسی فریق کی شہادت سے اگرچہ جن کے خلاف شہادت دی گئی ان پر حد لازم نہیں آئے گی تاہم کم از کم اس پر تہمت زنا قائم ہو جائے گی اور زنا سے متہم اشخاص پر زنا کا الزام عائد کرنے سے حد قذف نہیں آتی اس لئے تہمت زنا کے باعث فریق آخر سے حد قذف ساقط ہو جائے گی۔ اور جس عورت کی نسبت سے زنا کی گواہی دی گئی، اگر اس مزنیہ کو ایک عورت نے دیکھ کر بتایا کہ یہ تو ابھی تک باکرہ ہے تو اس ایک عورت کی شہادت سے بکارت ثابت مانی جائے گی اور مرد و عورت دونوں سے حد زنا ساقط ہو جائے گی اور گواہوں پر بھی حد قذف واجب نہ ہوگی کیونکہ حد قذف کے ثبوت کے لئے مردوں کی شہادت شرط ہے (اور یہاں تو ان کے خلاف ایک عورت کی گواہی پائی گئی) اور اگر زنا کا الزام لانے والے گواہ فاسق ہوں تو ان کی گواہی سے حد زنا جاری نہ ہوگی اور ان گواہوں پر بھی حد قذف نہیں لگے گی کیونکہ فاسق بھی دراصل اہل شہادت ہیں (اگرچہ حد زنا میں ان کی شہادت معتبر نہیں) اور یہاں چار آدمی کی شہادت (جو کہ پورا نصاب ہے) پائی گئی اور اگر زنا کی شہادت دینے والے خود شاہد واقعہ نہ ہوں بلکہ دوسرے گواہوں کی گواہی پر شہادت دیں تو حد زنا قائم نہ ہوگی کیونکہ ان کی گواہی میں تو اور زیادہ شبہ ہے اس لئے کہ باتیں جبکہ ایک کی زبان سے دوسروں کی زبان میں منتقل ہوتی ہیں تو ان میں کمی بیشی آہی جاتی ہیں اب ان نقلی گواہوں کی شہادت کے مسترد ہو جانے کے بعد اگر اصل گواہ آکر بعینہ اسی واقعہ زنا کے بارے میں گواہی دیں تو بھی ان ملزمین پر حد زنا قائم نہ ہوگی کیونکہ ان کی شہادت بھی من وجہ مسترد ہو چکی ہے ان کی طرف سے ناقلین کی شہادت رد ہونے کے ضمن میں، اور کسی واقعہ میں جبکہ ایک دفعہ شہادت (کسی وجہ سے) مسترد ہو جائے تو پھر اس واقعہ میں اور کبھی یہ شہادت مقبول نہیں ہوتی۔

تشریح:۔ [1] قولہ فاقول الخ یہ فریقین سے حد ساقط ہونے کی دوسری توجیہ ہے جس پر سابقہ اشکال وارد نہیں ہو سکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ہر جانب میں نصاب شہادت موجود ہے اور ہر فریق کی شہادت سے ان دونوں پر (زنا کی تہمت ثابت ہو جاتی ہے اور تہمت کی موجودگی میں دوسرے فریق سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے ۱۲۔

[2] قولہ فلا اقل الخ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تہمت کا ثابت ہونا احتمال کے احتمال پر مبنی ہے حالانکہ وہ تو درجہ اعتبار سے ساقط ہے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کسی معین فریق کے صدق کے بارے میں احتمال کا احتمال ہے لیکن غیر معین کسی ایک فریق کے صدق کے بارے میں احتمال کا احتمال نہیں بلکہ صرف احتمال ہے اور یہ ثبوت تہمت کے لئے کافی ہے ۱۲

(باقی صفحہ آئندہ پر)

وهذا ضعيف لان رد شهادتهم لمعنى يختص بها لا يسري الى الاصول بعد ذلك المعنى في شهادتهم ويمكن ان يقال انما ترد شهادة الاصول لانهم سعوا الى اثبات الزنا بامر غير مشروع فلا تكون شهادتهم حسبة لله تعالى بل سعيا الى اشاعة الفاحشة لعداوة ونحوها فترد شهادتهم لهذه التهمة وان شهد عميانا او محدودين في قذف او ثلثة او احدهم محدود او عبد او وجد كذا بعد الحد حدوا لعدم اهلية الشهادة او عدم النصاب فيجب الحد لقوله تعالى وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً الآية وارش جرح جلده هدر ودية رجمه في بيت المال

ترجمہ:۔ (شارح فرماتے ہیں) یہ توجیہ کمزور ہے اس لئے کہ فروع کی شہادت مسترد ہونے کی وجہ اسی کے ساتھ مختص ہے یہ حکم اصول تک نہیں پہونچ سکتا ہے کیونکہ رد شہادت کی یہ وجہ تو اصول کی شہادت میں نہیں ہے البتہ یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اصلی شاہدوں کی گواہی اس بنا پر مسترد ہوگی کہ انہوں نے غیر مشروع طریقہ پر زنا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے ان کی گواہی لوجہ اللہ نہیں رہی بلکہ وہ تو دشمنی وغیرہ کی بنا پر کسی کی برائی کی اشاعت کے درپے ہوئے ہیں اس تہمت کی بنا پر ان کی شہادت بھی مردود ہوگی۔ اور اگر زنا کی گواہی دینے والے اندھے ہوں، یا کسی پر زنا کے بہتان لگانے پر ان کو حد لگ چکی ہو، یا تین ہی آدمی گواہی دیں، یا کوئی ان میں سے حد کی سزا یافتہ ہو یا غلام ہو، یا جس پر الزام لایا گیا اس پر حد لگانے کے بعد گواہوں کے اندر ان باتوں میں سے کوئی بات معلوم ہوئی تو (ان تمام صورتوں میں) ان گواہوں پر حد لگائی جائے گی (یعنی ان پر حد قذف جاری ہوگی) کیونکہ ان میں شہادت کی اہلیت نہیں ہے، یا نصاب شہادت مکمل نہیں اس لئے ان پر حد قائم ہوگی اس ارشاد باری کی بنا پر کہ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ۔ اور جن کی شہادت کے سبب سے حد لگی اور زخم یا چوٹ پہونچی اس کا تاوان کسی پر لازم نہیں اور اگر ان کی گواہی سے وہ سنگسار ہو گیا تو اس کا خون بہا، بیت المال کے ذمہ ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) ؏ قولہ اہل الشہادۃ الخ ہدایہ میں ہے کہ فاسق اداء شہادت کا اہل ہے اگرچہ اس پر فسق کی تہمت رہنے کی وجہ سے اس کی ادائیگی شہادت میں ایک طرح کا نقص ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اگر قاضی نے فاسق کی گواہی پر حکم نافذ کر دیا تو ہمارے نزدیک نافذ ہوگا، اس لئے ان کی شہادت سے شبہ زنا ثابت ہو جائے گا اور تہمت فسق کی بنا پر اداء شہادت میں نقص کے باعث عدم زنا کا شبہ بھی قائم رہے گا تو دونوں حدیں حد قذف اور حد زنا۔ ساقط ہو جائیں گی۔ اس میں امام شافعی رح کا اختلاف ہے جس کی تفصیل سامنے آجائے گی، یہ اختلاف اس اصل پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک فاسق شہادت کا اہل ہی نہیں، جس طرح کہ غلام اہل ہی نہیں ۱۲ ؏

؏ قولہ والشہادت اذا ردت الخ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ فروع کی شہادت فسق وغیرہ کی بنا پر رد ہو جانے سے اصول کی شہادت اموال وغیرہ کے مقدمات میں بھی مقبول نہ ہو حالانکہ حکم تو ایسا نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فروع کی شہادت کا رد ہونا حقیقۃً اصول کی شہادت کا رد ہونا ــــــــــــ نہیں ہے بلکہ شبہ رد پیدا ہو جاتا ہے تو حدود میں اس کا اعتبار ہوگا کیونکہ حدود شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہیں لیکن اموال وغیرہ معاملات میں یہ بات نہیں کہ محض شبہ سے رد ہو جائے ۱۲؏

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؏ قولہ ویمکن الخ جبکہ شارح نے پہلی توجیہ کو ضعیف گمان کیا تو اپنی جانب سے دوسری توجیہ پیش کر دی اور واضح رہے کہ شارح کی یہ توجیہ اگر تسلیم کی جائے تو اس سے لازم آتا ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

(باقی صفحہ آئندہ پر)

ای شهد الشهود بالزنا والزانی غیر محصن فجُلِد نجرحه الجلدُ ثم ظهر احد الشهود عبدًا او محدودًا فی قذف فارْشُ الجلد هَدَرٌ عند ابی حنیفة وقالا فی بیت المال لان فعل الجلّاد ینتقل الی القاضی وهو عامل للمسلمین فالغرامة فی مال المسلمین وله ان الفعل الجارح لا ینتقل الی القاضی لانه لم یأمر بالجرح فیقتصر علی الجلّاد ثم هو لا یُضَمَّن کیلا یمتنع النّاس عن الاقامة مخافة للغرامة وان شهدوا والزانی محصن فرجم ثم ظهر احدهم عبدًا او نحوه فدیة الرجم فی بیت المال۔

(حاشیہ: ای الزانی ۱۲ ؛ بفتح الجیم وتشدید اللام من یجلده ۱۲ ؛ ای اقامة الحدود ۱۲)

ترجمہ:۔ یعنی گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور زانی غیر محصن تھا اور اس کو کوڑے مارے گئے جس کے باعث اس کا بدن زخمی ہو گیا پھر ظاہر ہوا کہ گواہوں میں ایک غلام ہے یا تو تہمت زنا کی بنا پر حد لگ چکی ہے، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوڑوں کے زخم کا تاوان نہیں ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا تاوان بیت المال کے ذمہ ہے کیونکہ جلاد کا فعل قاضی کی طرف منسوب ہوتا ہے اور وہ تمام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے عمل کرتا ہے تو تاوان بھی مسلمانوں کے مال سے دلائے گا، امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ زخم کی کارروائی قاضی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی کیونکہ اس نے تو زخمی کرنے کا حکم نہیں دیا ہے اس لئے یہ جلاد ہی کا فعل قرار دیا جائے گا اور جلاد کو ضامن نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو تاوان کے ڈر سے کوئی بھی حد قائم کرنے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ اور اگر گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور زانی محصن ہوا اور اس کو سنگسار کیا جائے پھر پتہ چلے کہ گواہوں میں کوئی غلام ہے یا (اہلیت شہادت کے منافی) اس جیسی کوئی بات ہے، تو رجم کی دیت بیت المال کے ذمہ ہے (جو اس کے وارثوں کو دی جائے گی)

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ اگر شاہدین زنا قاضی کی مجلس میں آنے سے پہلے اس خبر کی اشاعت کریں تو ان کی شہادت قبول نہ ہونی چاہیئے حالانکہ اس لزوم کا التزام مشکل ہے ۱۲ ؛

؎ قولہ وان شہدوا الخ ان تمام صورتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ایسے آدمی زنا کی شہادت دے جسے شہادت کی اہلیت نہیں جیسے اندھا، تذف میں حد لگا ہوا، غلام، پاگل اور کافر وغیرہ تو اس سے مشہود علیہ پر حد جاری نہ ہو گی اس لئے کہ ان کی گواہی سے مال بھی ثابت نہیں ہوتا تو حد کیسے ثابت ہو گی اب ان کی گواہی بدل کر قذف بن جائے گی چنانچہ ان پر حد قذف جاری ہو گی، یہ حکم عام ہے چاہے کسی گواہ میں اہلیت نہ ہو یا بعض گواہ میں اہلیت نہ ہو اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب بعض میں اہلیت نہ ہو تو صرف اس پر حد قذف جاری ہونی چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب بعض گواہ میں اہلیت نہ ہو تو باقیوں کی شہادت ان کی اہلیت ہونے کے باوجود حجت زنا نہیں اس لئے کہ نصاب شہادت کامل نہیں اب گویا ہر ایک قاذف بن گیا اس لئے سب پر حد قذف جاری ہو گی ۱۲ ؛

؎ قولہ فارْشُ الخ ہمزہ پر فتحہ ہے یعنی دیت اور ہدرٌ ہا پر فتحہ ہے یعنی باطل اور فارسی میں کہتے ہیں رائیگاں، یہی حکم ہے جبکہ کوڑے مارنے سے مر جائے یعنی صاحبین کے نزدیک اس کی جان کی دیت بیت المال پر ہے اگر سزا دینے کے بعد یہ ظاہر ہو کہ کوئی گواہ غلام یا اندھا یا قذف میں سزا یافتہ تھا اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک کچھ لازم نہ آئے گا ۱۲ ؛ عنایہ۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ قولہ لانہ لم یامر بالجرح الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ واجب تو صرف کوڑے مارنا ہے، اور کوڑا مارنا ایسے ضرب کو کہتے ہیں جو محض تکلیف دہ ہو اور زخم یا ہلاک کرنے والا نہ ہو اور قاضی کے حکم کا تعلق صرف اس امر کے ساتھ ہے جو کہ شرعاً واجب ہے باقی کوڑے کا موجب زخم ہونا کوڑے مارنے والے کے سبب سے ہے کہ اس نے مارنے میں احتیاط نہیں کی تو یہ فعل جلاد پر منحصر رہے گا۔ قاضی کی طرف منتقل نہ ہو گا کہ بیت المال سے تاوان دلایا جائے ۱۲

(باقی صفحہ آئندہ پر)

وايّ رجعَ من الاربعة بعد رجم حُدّ اي حُدّ الراجع فقط حدّ القذف وعند زفرؒ لا يحدّ لانّه ان كان قاذفَ حيٍّ فقد سقط بالموت وان كان قاذفَ ميتٍ فهو مرجوم بحكم القاضي فلا يجب الحدّ قلنا هو قاذف ميّت لانّ شهادته بالرجوع انقلبت قذفا فصار قاذفا بعد الموت ولم يبق مرجوما بحكم القاضي لانفساخ الحكم بانفساخ الحجّة وغرم ربع الدية هذا عندنا وعند الشافعيؒ يُقتل بناءً على اصله في شهود القصاص كما قال في الديات وقبله حُدّوا فقط اي انْ رجع من الاربعة قبل الرجم حُدّ جميع الشهود حدّ القذف ولا يُحدّ المشهود عليه فان كان الرجوع بعد الحكم فعند محمدؒ حُدّ الراجع فقط۔

ترجمہ:۔ اور اگر رجم قائم کرنے کے بعد چار گواہوں میں کوئی پھر گیا تو اس پر حد لگائی جائے گی یعنی فقط رجوع کرنے والے پر حد قذف لگائی جائے گی۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک پھر جانے والے پر حد قائم نہیں کی جائے گی کیونکہ اگر وہ زندہ پر تہمت لگانیوالا شمار ہو تو حد قذف موت مقذوف سے ساقط ہو گئی اور اگر مردہ پر تہمت لگانیوالا قرار دیا جائے تب تو وہ سنگسار ہوا ہے قاضی کے حکم سے اس لئے رجوع کرنے والے پر حد قذف نہیں کرے گی ہم امام زفرؒ کی دلیل کے جواب میں کہیں گے کہ رجوع کرنیوالا میت ہی پر تہمت لگانیوالا ہے اس لئے کہ اس کے رجوع کرنے سے اس کی گواہی بہتان سے بدل گئی اور وہ مرنے کے بعد تہمت لگانیوالا قرار پایا اور وہ مرجوم اب قاضی کے حکم سے مرجوم نہ رہا کیونکہ حجت یعنی شہادت فسخ ہو جانے سے، حکم قاضی بھی (جو کہ اسی شہادت پر مبنی تھا) فسخ ہو گیا۔ اور اس پر چوتھائی دیت کا تاوان لازم ہوگا۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رجوع کرنے والا قصاصاً قتل ہوگا۔ قصاص کے گواہوں کے بارے میں ان کے یہاں جو ضابطہ ہے اس پر بنا کرتے ہوئے جیسا کہ انہوں نے ابواب الدیات میں بتایا ہے، اور اگر اس کے سنگسار کرنے سے پہلے کوئی گواہ پھرے گا تو صرف ان چاروں کو حد لگے گی یعنی اگر ان چار گواہوں میں سے کوئی ایک رجم قائم کرنے سے پہلے رجوع کرے تو ان تمام گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی اور جس پر گواہی دی تھی ان پر حد نہ لگے گی اور اگر قاضی کے حکم کے بعد رجم کرنے سے پہلے رجوع ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک فقط پھرنے والے کو حد لگے گی۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) ؎ قولہ فی بیت المال الخ یہ حکم ہمارے ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک متفق علیہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رجم ان کی گواہی کی طرف منسوب ہے اب اگر وہ گواہی سے رجوع کریں تو وہ خود ضامن ہوں گے، اور اگر وہ رجوع نہ کریں تو بیت المال سے ضمان دلوایا جائے گا کیونکہ اس کا رجم قاضی کے حکم کی بنا پر ہے اور وہ مسلمانوں کی طرف سے کام انجام دیتا ہے اس لئے ضمان بھی انہیں کے مال سے ادا کیا جائے گا بخلاف کوڑے مارنے کے کہ وہاں مامور یہ ایسے کوڑے ہیں کہ جن سے زخم نہ آئے اس لئے زخم کرنے والے کا فعل قاضی کی طرف منتقل نہ ہوگا، بلکہ جلاد پر منحصر رہے گا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ قولہ لانہ ان کان الخ خلاصہ یہ ہے کہ رجوع کرنے والا اگرچہ رجوع کے باعث قاذف بن گیا لیکن اس کو یا تو قاذف مانا جائے گا مرجوم کی حیات میں رجم سے پہلے اس بنا پر کہ رجوع کرکے گویا اس نے یہ واضح کر دیا کہ شہادت زنا میں وہ جھوٹا تھا اور شہادت چونکہ اس کی حیات میں ہوئی تھی اس لئے درحقیقت اس کی زندگی ہی میں وہ قاذف ہوا، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کو قاذف مانا جائے رجم کے سبب مرنے کے بعد اس بنا پر کہ قذف کا حکم تو انکار جرم کرنے کے سبب سے اور رجوع واقع ہوا ہے موت کے بعد، بہر صورت رجوع کرنے والے پر حد نہیں لگ سکتی، پہلی صورت میں تو اس لئے کہ جب اس کی حیات میں قاذف ہوا تو اب اس کے مر جانے کے باعث حد قذف ساقط ہو گئی کیونکہ یہ اپنی جگہ میں بتایا جا چکا ہے کہ مقذوف کے مر جانے سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے اور دوسری صورت میں اس لئے کہ بوقت قذف اس مقذوف پر رجم لگ چکا ہے قاضی کے حکم سے بسبب زنا کے اور زنا سے جو متہم ہو جائے اس کی قذف موجب حد نہیں۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ولا يحد الباقون لتأكد شهادتهم بالقضاء قلنا انفسخ القضاء وان كان الرجوع قبل الحكم يحد عند زفر حد الراجع فقط ولا شئ على خامس رجع فان رجع اخر حدا وغرما ربع ديته فان المسألة فيما اذا كان الرجوع بعد الرجم والمعتبر بقاء من بقى لا رجوع من رجع وقد بقى ثلثة ارباع النصاب وضمن الدية من قتل المامور برجمه اى امر بالرجم فقتله لطريق اخر او زكى شهود الزنا فرجم فظهر واعبيدا او كفارا فيهما اى فى مسألة القتل والتزكية والضمان على المزكين فى قول ابى حنيفة وعندهما لا ضمان عليهم بل فى بيت المال وبيت المال ان لم يزك فرجم اى ضمن بيت المال اذا شهد الشهود بالرجم فلم يزكوا فرجم فظهر واعبيدا او نحو ذلك.

ترجمہ:- دوسرے گواہوں پر حد نہیں آئے گی کیونکہ قاضی کے فیصلہ کر دینے کی وجہ سے ان کی گواہیاں مؤکد ہو چکیں (اس لئے اب کسی ایک کے رجوع سے دوسروں کی شہادتیں باطل نہیں ہوں گی)، ہم اس کے جواب میں کہیں گے ایک کے رجوع سے بھی قاضی کا فیصلہ منسوخ ہو جاتا ہے (اس لئے اب قضاء کا کوئی اثر نہ رہے گا) اور اگر قاضی کے فیصلہ سے پہلے رجوع ہو تو بھی امام زفرؒ کے نزدیک فقط پھرنے والے پر حد لازم ہوگی۔ اور اگر زنا کے پانچ گواہوں میں سے ایک پھر جائے تو اس پر (حد و تاوان) کچھ بھی نہیں، لیکن اگر دوسرا گواہ اور پھرے گا تو اس وقت دونوں کو حد ماری جائیگی اور دونوں کو مل کر چوتھائی خون بہا دینا پڑیگا یہ حکم اس لئے ہے کہ مسئلہ اس صورت پر مفروض ہے جبکہ رجم کرنے کے بعد رجوع پایا جائے اور دیت وغیرہ کے احکام میں شہادت پر قائم رہنے والے گواہوں کے حصے کا اعتبار ہے رجوع کرنے والوں کی تعداد کا اعتبار نہیں اور یہاں نصاب شہادت کے تین ربع باقی ہیں (اس لئے صرف ایک ربع کا تاوان پھرنے والے پر عائد ہوگا خواہ وہ ایک ہو یا متعدد) اگر کسی پر رجم کا حکم ہوا اور دوسرے نے اس کو قتل کر دیا تو قاتل دیت کا ضامن ہوگا یعنی حکم تو کیا گیا تھا رجم کا اور کسی نے اس کو دوسرے کسی طریقہ سے قتل کر دیا ایسے ہی اگر گواہوں کا تزکیہ مزکی نے کیا پھر رجم کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ غلام تھے یا کافر تھے تو تزکیہ کرنے والے پر دیت آئے گی یعنی مسئلہ قتل اور مسئلہ تزکیہ دونوں میں قتل یا رجم کے بعد معلوم ہوا کہ گواہ غلام یا کافر تھے تو کافر اور مزکی پر دیت لازم ہوگی امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین کے نزدیک مزکی پر ضمان نہیں ہے بلکہ بیت المال کے ذمہ ہے اور اگر بلا تزکیہ ہی رجم کیا گیا تو اس کی دیت (بالاتفاق) بیت المال پر ہے، یعنی اگر گواہ رجم کی شہادت دیں اور ان کا تزکیہ نہیں کرایا گیا اور رجم کر دیا گیا اس کے بعد گواہ کا غلام وغیرہ ہونا ظاہر ہوا (تو مرجوم کی دیت بیت المال کے ذمہ ہے)

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) اگرچہ اس کا جھوٹ ظاہر ہونے کی وجہ سے مرجوم کا احصان ساقط نہیں ہوتا لیکن شبہ ضرور پیدا کر دیتا ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے ۱۲ع

سلہ قولہ قلنا الخ حاصل جواب یہ ہے کہ ہم شق ثانی اختیار کرتے ہیں لیکن قاضی کے حکم سے اس کا مرجوم ہونا در اصل بقائے شہادت پر موقوف ہے اور جب رجوع کی وجہ سے شہادت ہی باطل ہو گئی تو قاضی کا حکم بھی سرے سے فسخ ہو گیا، اب مرجوم قاضی کے حکم سے مرجوم نہ رہا اور نہ اس کا احصان باطل ہوا اور نہ ایسا شبہ لاحق ہوا جو کہ حد کو ساقط کر دیتا ہے ۱۲ع

سلہ قولہ حد الراجع فقط الخ اس لئے کہ رجوع کے باعث وہ قاذف بن گیا اور دوسروں کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اس لئے اس کے رجوع سے ان پر حد نہیں آئے گی اور ہم کہتے ہیں کہ شاہدوں کا کلام تو اصل میں صریح تہمت ہے البتہ قضاء قاضی کے وقت اس کو شہادت شمار کرتے ہیں اب جبکہ قاضی کا فیصلہ نہیں پایا گیا تو یہ تہمت ہی شمار ہوگی اور سب پر تہمت کی حد لازم ہوگی ۱۲ع

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ من قتل الخ یعنی چار آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی اور قاضی نے اس کے رجم کرنے کا حکم دیا پھر کسی دوسرے آدمی نے اس کو قتل کر دیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ گواہ غلام یا کافر تھے تو قاتل پر دیت لازم آئے گی۔ (باقی صد آئندہ پر)

فان شهدوا بزنا واقروا انهم نظروا عمدًا[1] قبلت ای شهادتهم لانه یباح لهم النظر لتحمل
(عندالحاکم او نیة الزنا ای عمدہ)

الشهادة وزان انکر وطی عرسه وقد ولدت منه او شهد باحصانه رجل وامرأتان
(بالکرزوجتہ ہ عمدہ)

رُجم هذا عندنا خلافا لزفرؒ والشافعیؒ فشهادة النساء لاتقبل عند الشافعیؒ
(ای فی غیرالاموال ۱۲ عمدہ)

وزفرؒ جعل الاحصان شرطا فی معنی العلة فلا تقبل فیه شهادة النساء۔

ترجمہ:۔ اور اگر زنا کی شہادت میں گواہ یہ اقرار کریں کہ ہم نے قصداً زانی اور زانیہ کی طرف دیکھا تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ گواہی دینے کے لئے (محل حرام کی طرف) نظر کرنا جائز ہے اور اگر زنا کرنے والا (ثبوت زنا کے بعد) اپنی بیوی سے صحبت کا انکار کرے (تاکہ محصن نہ ہونے کی بنا پر رجم سے بچ جائے) حالانکہ اس کی طرف سے اس کی بیوی کا بچہ ہو چکا ہے یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کے محصن ہونے کی شہادت دیں تو وہ رجم کیا جائے گا، یہ حکم ہمارے نزدیک ہے بخلاف امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک عورتوں کی شہادت (غیر اموال میں) مقبول نہیں اور امام زفرؒ نے احصان کو جو شرط رجم ہے معنی علت میں قرار دیا ہے اس لئے اس کے اثبات میں عورتوں کی گواہی مقبول نہ ہوگی (جس طرح اثبات علت (زنا) میں ان کی شہادت مقبول نہیں)

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ قصاص لازم آئے کیونکہ اس نے ایک معصوم الدم کو ناحق قتل کیا لیکن وجہ استحسان یہ ہے کہ قتل کے وقت ظاہرا رجم کا فیصلہ صحیح ہے اس لئے عصمت دم میں شبہ پیدا ہو گیا جس سے قصاص ساقط ہو جائے گا لیکن اگر اس نے فیصلہ سے پہلے ہی قتل کیا ہو تو قصاص لازم ہوگا۔

[2] قولہ وزکی الخ یہ تزکیہ سے ماضی کا صیغہ ہے اس کا عطف قتل پر ہے اور تزکیہ کہتے ہیں گواہوں کی صفت اوصاف بیان کرنا کہ وہ اہل شہادت میں سے ہیں خلاصہ یہ کہ چار آدمیوں نے کسی کے خلاف گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے اور مزکی نے گواہوں کی صفائی دی کہ وہ شہادت کے اہل ہیں جس پر قاضی نے رجم کا حکم دیا اور اسے رجم کر دیا گیا، پھر معلوم ہوا کہ گواہ غلام یا کافر تھے تو تزکیہ کرنے والے پر دیت لازم آئے گی، البتہ مزکی پر ضمان لازم ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ۱۔ مزکی نے گواہوں کے آزاد ہونے اور مسلمان ہونے کی گواہی دی ہو، اور اگر مزکی نے صرف یہ کہا کہ یہ گواہ عادل ہیں پھر ظاہر ہوگیا کہ وہ غلام ہیں تو بالاتفاق ضامن نہ ہوگا کیونکہ پوری تزکیہ نہیں ہے اور اتنی بات پر اکتفا کرنا قاضی کی غلطی ہے۔ ۲۔ مزکی اپنے تزکیہ سے پھر کر رجوع کرلے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا لیکن اگر کہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا، یا تو اپنے تزکیہ پر قائم رہے تو پھر اس پر دیت نہیں آئے گی (فتح) اس سے معلوم ہوا کہ اس کی عبارت ناقص ہے کہ صرف ظہور کا ذکر کیا ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ لتحمل الشہادۃ الخ یعنی زنا کرنے والوں کی شرمگاہ دیکھنے سے گواہوں کا مقصد جبکہ یہ ہو کہ وہ بار شہادت اٹھائیں اور حاکم تک واقعہ پہنچائیں تو ان کا یہ دیکھنا مباح ہے اس کے سبب سے ان پر فسق کا حکم نہیں لگے گا یہی حکم ہے، دائی، ختنہ کرنے والے اور طبیب کے دیکھنے کا جبکہ مرض ایسی جگہ ہو جس کا دیکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح شرمگاہ دیکھنا جائز ہے ختنہ کرنے کے موقع پر یا بکارت کا دیکھنا نامردی معلوم کرنے کے لئے یا عیب کی بنا پر رد کرنے کے لئے ۱۲ ع

باب حد الشرب

هو كحد القذف ثمانون سوطاً للحر ونصفها للعبد بشرب الخمر ولو قطرة فمن اخذ بريحها وان زالت لبعد الطريق او سكران زائل العقل بنبيذ التمر واقر به مرة اي بشرب الخمر او بالسكر بالنبيذ او شهد به رجلان وعلم شربه طوعاً يحد صاحياً فان اقر به او شهد عليه بعد زوال الريح او تقيأها او وجد ريحها منه اي علم الشرب بان تقيأها او وجد ريح الخمر منه بلا اقرار او شهادة او رجع عن اقرار شرب الخمر او السكر او اقر سكران لا.

شراب پینے کی حد کا بیان

ترجمہ :۔ ——— شراب کی حد تذف کی حد کی مانند ہے یعنی آزاد شخص کے لئے اسی کوڑے اور غلام کے لئے اس کا نصف (چالیس کوڑے) اگرچہ اس نے ایک قطرہ شراب کا پیا ہو۔ تو جس نے شراب پی اور اس طرح گرفتار ہوا کہ شراب کی بو موجود ہے اگرچہ راہ کی دوری کی وجہ سے (حاکم کے سامنے لانے تک اس کی) بو جاتی رہی ہو، یا پکڑا جائے نشہ کی حالت میں کہ عقل اس کی زائل ہو اگرچہ نبیذ تمر کے پینے سے یہ نشہ ہو۔ پھر وہ اس کا اقرار کرے ایک ہی بار، یعنی شراب پینے یا نبیذ کی وجہ سے سکر ونشہ کا اعتراف کرے یا دو مرد اس پر شراب پینے کی گواہی دیں اور یہ معلوم ہو کہ اس نے اپنی خواہش سے پی ہے تو اس پر حد لگائی جائے گی ہوش ہونے کی حالت میں۔ اور اگر شراب کی بو زائل ہونے کے بعد وہ اقرار کرے یا دو گواہ گواہی دیں یا تو اس نے شراب کی قے کی یا اس کے منہ سے شراب کی بو پائی جائے یعنی اس کا شراب پینا یا یں طور معلوم ہوا ہو کہ اس کی قے میں شراب نکلی یا اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو لیکن شراب پینے پر کوئی گواہی یا اقرار نہ ہو۔ یا شراب پینے یا نشہ کے اقرار کے بعد وہ اس اقرار سے رجوع کرلے یا تو حالت مستی میں اقرار کرے تو (ان تمام صورتوں میں) حد واجب نہ ہوگی۔

تشریح : [۱] قولہ باب حد الشرب الخ شین کے ضمہ کے ساتھ یعنی مسکر پینے کی حد اور پینا سیال چیزوں کے ساتھ مختص ہے اب اگر کسی نے غیر سیال نشہ دار چیز کھائی جیسے افیون وغیرہ تو اس پر پینے کا اطلاق نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے ان کے استعمال سے نشہ ہو تو حد نہیں لگائی جائے گی بلکہ تعزیر ہے

[۲] قولہ ہو کحد القذف الخ اس کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کہ حد تذف قرآن سے ثابت ہے اور شراب پینے کی اصل حد تو احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے اور اس کی مقدار صحابہ کے اتفاق سے ثابت ہے چنانچہ موطا مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ اس پر اسی درے مارے کیونکہ جب وہ شراب پیئے گا تو اس پر سکر طاری ہوگا۔ اور بکواس کرے گا اور جب بکواس کرے گا تو افترا باندھے گا اور افترا باندھنے والے پر اسی درے ہیں اس لئے اس پر تہمت کی حد مقرر کیجئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی درے مقرر کر دیئے ۱۲!

[۳] قولہ او شہد بہ الخ۔ اس کا عطف ہے اقر بہ پر، حاصل کلام یہ ہے کہ محض حالت سکر میں گرفتاری یا بو کا پایا جانا موجب حد نہیں جب تک اقرار نہ کرے یا گواہ گواہی نہ دیں اور شراب پینے یا دوسری چیزسے مستی پر شہادت بھی مفید ہے بو پائی جانے کے ساتھ تو شرب خمر کی شہادت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حاکم کے نزدیک بوقت شہادت بو کا موجود ہونا ثابت ہو یعنی یہ دونوں گواہ شراب پینے اور اس کی بو موجود ہونے کی شہادت دیں یا بعض پینے کی گواہی دیں اور قاضی کسی کو اس کے منہ کی بو سونگھنے کا حکم دیں ۱۲!

واعلم ان فی الاقرار بعد زوال الریح لا یحدّ خلافا[1] لمحمدؒ فان التقادم عنده

فانه یحد عنده باقرار مطلقا لان الانسان لا یقر علی نفسه ولا یعادی نفسه ۱۲

لا یمنع الاقرار کما فی سائر الحدود وانما لا یحدّ عندهما لان حد الشرب[2]

ای فی الاقرار مع التقادم ۱۲ عمده

انما یثبت باجماع الصحابۃ رضی اللہ عنہم وبدون رأی ابن مسعود رضی

ای عبد اللہ ۱۲ عمده

اللہ عنه لا یتم الاجماع وقد قال فان وجدتم رائحۃ الخمر فاجلدوه وبدون

ای ابن مسعود ۱۲ عمده

الرائحۃ لا یحدّ عنده فلا اجماع فلا دلیل علی وجوب الحد واعلم[3] ان

لان الدلیل کان اجماع الصحابۃ وهو مقتصر علی ما اذا وجدت الرائحۃ ۱۲ عمده

السکر عند ابی حنیفۃؒ فی حق وجوب الحد ان لا یعرف شیئا حتی الارض

من السماء وفی حق حرمۃ الاشربۃ ان یهذی وعندهما ان یهذی مطلقا

والیه مال اکثر المشائخ وعند الشافعیؒ ان یظهر اثره فی مشیه وحرکاته

واطرافه ولو ارتد[4] هو لا تحرم علیه عرسه۔

ای بسبب ارتداده فان کلمتها وقعت بلا قصد کما مر ۱۲ عمده

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ شراب کی بو زائل ہونے کے بعد اگر اقرار کرے تو حد نہ لگے گی بخلاف امام محمدؒ کے کہ ان کے نزدیک یہاں مدت مدید کا گذر جانا قبول اقرار کے لئے مانع نہیں جیسا کہ دوسری حدود مانع نہیں، اور شیخین کے نزدیک اس لئے حد نہ لگے گی کہ شراب پینے پر حد کا حکم صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے اور جس صورت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی رائے نہ ہو اس میں اجماع کامل نہ ہوگا۔ اور آپ نے فرمایا اگر تم شراب کی بو پاؤ تو اس کے کوڑے لگاؤ۔ تو شراب کی بو کے بغیر ان کے نزدیک حد نہیں لگائی جائے گی لہٰذا اس صورت میں حد کے حکم پر اجماع نہ رہا اور وجوب حد پر دلیل نہ رہی۔ اور جاننا چاہیئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حد واجب ہونے میں نشہ کی علامت یہ ہے کہ کچھ نہ پہچانے یہاں تک کہ زمین و آسمان میں فرق نہ کر سکے اور شرابوں کی حرمت کے حق میں نشہ کی علامت یہ ہے کہ بیہودہ بکواس کرے اور صاحبینؒ کے نزدیک بیہودہ گوئی مطلقاً (یعنی وجوب حد اور حرمت دونوں میں) نشہ کی علامت ہے اور اسی طرف اکثر مشائخ مائل ہوئے ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک نشہ کی علامت یہ ہے کہ شراب کا اثر اس کی چال اور حرکات و سکنات میں ظاہر ہو۔ اور اگر شراب کا مست مرتد ہو جائے تو اس پر اس کی بیوی حرام نہ ہو گی۔

تشریح:۔ [1] قولہ خلافا لمحمدؒ الخ کہ ان کے نزدیک مطلقاً اقرار موجب حد ہے خواہ زمانۂ دراز کے بعد ہو کیونکہ انسان اپنے خلاف بے بنیاد اقرار نہیں کرتا ہے اور نہ اپنی ذات سے عداوت رکھتا ہے۔ (قولہ لان حد الشرب انما ثبت الخ سے مراد دُرّے مارنے کی تعداد ثابت ہے اجماع صحابہ سے ورنہ اصل حد تو حدیث مرفوع سے ثابت ہے (قولہ "لا یتم الاجماع" کیونکہ کسی امر شرعی پر ایک زمانے کے تمام مجتہدین کے اتفاق کو اجماع کہتے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود اپنے دور میں بڑے درجہ کے مجتہد تھے اس لئے ان کا اختلاف رہتے ہوئے اجماع منعقد نہیں ہو سکتا ہے ۱۲

[3] قولہ واعلم الخ۔ چونکہ مراتب سکر مختلف ہوتے ہیں اس لئے امام صاحب نے وجوب حد میں اس کے آخری درجہ کو شرط قرار دیا، یعنی دو چیزوں میں باہم امتیاز نہ کر سکے اور مرد و عورت میں فرق نہ کر سکے، کیونکہ حدود کے معاملہ میں احتیاط لازمی ہے اس حدیث کی رو سے کہ "شبہ کی بنا پر حد دفع کرو"، لیکن شراب کی حرمت کے بارے میں امام صاحب نے صاحبینؒ سے اتفاق کیا ہے کہ خمر کے علاوہ بھی جس چیز کے پینے سے ہذیان اور بکواس کرنے لگے وہ حرام ہے۔ صاحب فتح القدیر نے بتایا ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلیل کمزور ہے۔

[4] قولہ ولو ارتد ہو الخ۔ یعنی اگر نشہ والا حالت نشہ میں کلمہ کفر بکے تو اس کے مرتد ہو جانے کا حکم نہ دیا جائے گا چنانچہ اس پر اس کی بیوی حرام نہ ہو گی اور اس کا قتل واجب نہ ہو گا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اعلم ان الاحکام الشرعیة کصحة الاقرار والطلاق والعتاق جاریةٌ علیه زجرًا له لکنّ ارتداده لا یثبت لانه امرٌ حقیقیٌّ اعتقادیٌّ لا حکمی فعند عدم العقل لا یثبت اعتقاد الکفر ولما لم یصحّ ارتداده لا یثبت توابعه کفسخ النکاح ونزع ثوبه وفرق جلده کما فی الزنا۔

ای امر یثبت فی نفس الامر بسبب الاعتقاد ۱۲ عمدہ — ای لا یتعلق بالاحکام ۱۲ عمدہ — ای ما یترتب علی فسخ النکاح ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ نشہ کی حالت کا اقرار طلاق اور عتاق کی صحت کے احکام شرعیہ اس پر جاری ہوتے ہیں زجر و تنبیہ کے طور پر لیکن ارتداد کا حکم اس پر ثابت نہ ہوگا کیونکہ ارتداد حقیقی اعتقاد پر مبنی ہے محض حکمی معاملہ نہیں تو عقل زائل ہونے کی صورت میں اعتقاد کفر ثابت نہ ہوگا۔ اور جب اس کا ارتداد صحیح نہ ہوا تو اس کے توابع مثلاً فسخ نکاح وغیرہ بھی ثابت نہ ہوں گے اور شراب کی حد کے کوڑے بھی حد زنا کی طرح شرمگاہ بچاکر کپڑے اتار کر بدن کے متفرق جگہوں پر لگائے جائیں گے۔

تشریح:۔ دلیلہ وہ گذشتہ ، اس لئے کہ کفر اعتقادی امر ہے یا شریعت کو ناقابل اعتبار سمجھنے کا نام ہے اور نشہ والے کا نہ اعتقاد ہوتا ہے اور نہ اس میں شریعت کو خفیف سمجھنے کی صلاحیت ہے، کیونکہ یہ باتیں ادراک اور سمجھ بوجھ پر مبنی ہیں اور نشہ کی حالت میں وہ سمجھ بوجھ سے محروم ہے۔ ۱۲ فتح۔

باب حدّ القذف

من قذف محصناً ای حرًّا مکلفًا مسلمًا عفیفًا عن الزنا بصریحه او بزنأت
فی الجبل معناه زنیت فی الجبل فانه کما جاء ناقصًا جاء مهموزًا ایضًا وعند محمدؒ
لا یحد لان المهموز هو الصعود او مشترک والشبهة دارئة للحدّ قلنا حالة
الغضب ترجّح ذلک او لست لابیک او لست بابن فلانٍ ابیه فی غضب ای قال
لست بابن زید الذی هو ابو المقذوف فقوله ابیه لفظ المصنفؒ لا لفظ القاذف
وقوله فی غضب یتعلق بالالفاظ الثلثة ولست لابیک فی غیر الغضب یحتمل
المعاتبة او یا ابن الزانیة لمن امّه میتة محصنة حُدّ ان طلب هو لیس المراد
ان الطلب مقصور علی المخاطب فانه ان طلب ابوها حُدّ ایضًا۔

تہمت زنا کی حد کا بیان

ترجمہ: جو شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے، یعنی آزاد، مسلمان، مکلف، پاک دامن کو زنا کی تہمت لگائے صریح لفظ زنا کے ساتھ، یا تو کہے، زنات فی الجبل " (تونے پہاڑ میں زنا کیا) کیونکہ اس کے معنی ہیں " زنیتَ فی الجبل " کے، اس لئے کہ لفظ زنا جس طرح ناقص یائی آتا ہے اسی طرح ہمزہ کے ساتھ بھی مستعمل ہوتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس طرح کہنے سے حد نہیں لگے گی اس لئے کہ ہمزہ کے ساتھ پڑھنے کے معنی میں آتا ہے یا تو چڑھنے اور زنا کے معنی میں مشترک ہے (جس کی وجہ سے زنا مراد ہونے میں شبہ پیدا ہو گیا) اور شبہ سے حد دفع ہو جاتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ غصہ کی حالت میں اس لفظ کا استعمال معنی زنا مراد ہونے پر دلیل ہے یا کہے نہیں ہے تو اپنے باپ سے، یا اس کے باپ کا نام لے کر کہے کہ تو فلانے کا بیٹا نہیں، غضب کی حالت میں یعنی مثلاً اس نے کہا کہ تو زید کا بیٹا نہیں حالانکہ زید ہی اس مقذوف کا معروف باپ ہے تو متن کی عبارت میں " ابیہ " کا لفظ مصنفؒ کا قول ہے تہمت لگانے والے کا نہیں اور " فی غضب " کا لفظ تینوں جملوں سے متعلق ہے اور " لست لابیک " اگر غصے میں نہ کہا ہو تو اس کا احتمال ہے کہ بطور عتاب کے کہا ہے (اس لئے اس لفظ پر حد نہ آئے گی) یا پکار کر کہا کہ اے زانیہ کا بیٹا اس شخص کو جس کی ماں مر گئی ہو اور عفیفہ ہو تو ان تمام صورتوں میں تہمت لگانے والے پر) حد لگائی جائے گی اگر مقذوف مطالبہ کرے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حد کے مطالبہ کا حق صرف مخاطب بالقذف کو ہے بلکہ اگر اس کا باپ بھی دعویٰ کرے تو حد لگائی جائے گی۔

تشریح: ۔ [1] قولہ حرًّا الخ ہدایہ میں ہے کہ احصان یہ کہ مقذوف آزاد، عاقل بالغ، مسلمان اور عفیف (یعنی فعل زنا سے پاک دامن) ہو، حریت اس لئے شرط ہوئی کہ قرآن حکیم میں آزاد پر محصن کا اطلاق کیا گیا ہے جیسے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا " فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب " یہاں محصنات سے مراد آزاد عورتیں۔ اور عقل و بلوغ اس لئے شرط ہے کہ ان کو زنا کے سبب سے ننگ و عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ صبی اور مجنون سے فعل زنا کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی اور اسلام اس لئے شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جو اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ محصن نہیں۔ اور عفت کی شرط اس لئے ہے کہ غیر عفیف کے لئے کوئی ننگ و عار نہیں ہے وہ پہلے ہی سے متہم ہے تو قاذف بھی اس کے اوپر تہمت لگانے میں سچا ہوگا۔
[2] قولہ فی غضب الخ اس لئے کہ حالت غضب میں گالی گلوچ مراد لینے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور غضب کی حالت کے علاوہ " زنأت فی الجبل " سے اس کے معنی لغوی چڑھنے کے لئے جائیں گے ایسے غیر غضب میں یہ کہنا کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں، یا تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں، عتاب اور ملامت پر محمول ہوگا، مطلب یہ کہ تو اس کے طریقہ اور شریفانہ طور پر نہیں ہے۔ ۱۲۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

لا بلست یا ابن فلان جدہ و بنسبتہ الیہ او الی خالہ او عمہ او رابہ ای زوج امہ فالجد اب مجازًا فلو نفی ابوتہ لا یحد وکذا لو نسبہ الیہ وھکذا الخال والعم والرابّ وقولہ یا ابن ماء السماء و یا نبطی لعربی اذ لا یراد بھما نفی النسب بل التشبیہ فیما یوصفان بہ والطلب بقذف المیت للوالد والولد وولدہ ولو محرومًا ھذا عندنا واما عند الشافعیؒ فحق الطلب لکل وارث فان حد القذف یورث عندہ وعندنا لا بل یثبت لمن یلحق بہ العار بنفی النسب وقولہ ولدہ یشمل ولد البنت عندنا خلافا لمحمدؒ وقولہ ولو محرومًا کولد الولد مع وجود الولد والکافر والعبد خلافا لزفرؒ وکالقاتل ولا یطالب احد سیدہ وابٰاہ بقذف امہ۔

ترجمہ: ۔ اور حد نہیں لگائی جائے گی اگر اس کو کہے کہ تو اپنے دادا کا بیٹا نہیں یا دادا کی طرف نسبت کر کے کہے تو اس کا بیٹا ہے اسی طرح اگر اس کے ماموں یا چچا، یا سوتیلے باپ کے بیٹا ہونے کی نفی کرے یا ان کا بیٹا کہے رابّ (پرورش کنندہ) سے مراد سوتیلے باپ ہے، تو دادا مجازا باپ ہے اس لئے اگر اس کے باپ ہونے کی نفی کرے تو حد نہیں آئے گی اسی طرح اس کی طرف بیٹے ہونے کی نسبت کرنے سے بھی حد نہیں آئے گی یہی حکم ہے ماموں، چچا اور سوتیلے باپ کا کہ ان کی طرف بیٹا ہونے کی نسبت کرنے یا نفی کرنے سے حد لازم نہ ہوگی) یا کسی عرب کو کہے اے آسمان کے پانی کے بیٹے یا اے نبطی کیونکہ ان دونوں سے نفی نسبت مراد نہیں ہوتی بلکہ جس صفت کے ساتھ یہ دونوں موصوف ہیں ان سے تشبیہ دینی مقصود ہے (کہ پانی کا وصف فیاضی اور صفائی ہے اور نبطی میں گنوارپن اور لحن فی الکلام ہے۔ اور جو شخص کسی میت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کے باپ، لڑکا اور پوتے، نواسے کو حد کے مطالبہ کا حق ہے اگر یہ وہ میراث سے محروم ہوں یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر وارث کو حق ہے کہ حد کا مطالبہ کرے اس لئے حد قذف کا حق ان کے نزدیک وراثتا منتقل ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک حد کی میراث نہیں ہوتی بلکہ نفی نسب کی بنا پر جس کو ننگ و عار لاحق ہو سکتا ہے اس کو حد کے مطالبہ کا حق ہے اور مصنفؒ کے قول "ولدہ" میں ہمارے نزدیک نواسے بھی شامل ہیں بخلاف امام محمدؒ کے اور "ولو محرومًا" سے مراد مثلا پوتے ہیں بیٹے کی موجودگی میں یا کافر ہونے یا غلام ہونے کے سبب سے محروم ہوں۔ اس میں خلاف ہے امام زفرؒ کا۔ اور مثلا قاتل ہو کہ محروم الارث ہونے کے باوجود حد کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور اگر باپ یا آقا اپنے لڑکے یا غلام کی ماں کو تہمت زنا کی لگائی (یعنی لڑکا اور غلام کو) ان سے حد کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

تشریح: (بقیہ صفحہ گذشتہ) سلہ قولہ لست لامہ الخ یعنی جس کی ماں محصنہ ہو اور مرچکی ہو اس کو اے زانیہ کا بیٹا بلا کر پکارا، لیکن اگر اس کی ماں زندہ ہونے کی حالت میں پکارے اور اس کے بعد ماں مرگئی تو مقذوف کی موت کی وجہ سے حد ساقط ہو جائیگی۔ ہدایہ میں ہے کہ میت کے لئے حد قذف کا مطالبہ وہی کر سکتا ہے جس کے نسب میں عیب لگتا ہو مثلا میت کے والد یا لڑکا کیونکہ باہمی جزئیت کا تعلق ہونے کی بنا پر یہ الزام ان کے لئے موجب عار ہے اس لئے گویا ان پر تہمت لگائی ہے (۱ ھ) اور اگر اس کی ماں غیر محصنہ ہو تو حد لازم نہ آئے گی اس لئے کہ غیر محصن پر قذف سے حد نہیں لازم آتی ما ھذا یہ قید سابق دونوں صورتوں میں بھی معتبر ہے یعنی "لست لابیک" اور "لست یا ابن فلان" میں اس لئے کہ وہاں بھی اصل میں مقذوف اس کی ماں ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ وبنسبتہ الیہ الخ یعنی دادا کی طرف نسبت کی اور اس کا نام لے کر کہا کہ تو اس کا بیٹا ہے کیونکہ دادا بھی مجازا باپ شمار ہوتا ہے اس لئے یہ قذف نہ ہوگا ایسے ہی چچا پر بھی باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی یعقوب کے قول کو ان کے باپ یعقوبؑ کے بارے میں نقل فرمایا ہے نعبد الٰھک والٰہ آبائک ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق الخ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وليس فيه ارث ولا عفو واعتياض عنه هذا عندنا وعند الشافعي يجري فيه الارث ونحوه بناء على ان حق العبد فيه غالب بناء على الاصل المشهور وهو ان حق العبد يغلب على حق الله تعالى اذا اجتمعا لاحتياج العبد واستغناء الله تعالى ونحن نغلب فيه حق الله تعالى لان حق العبد وهو دفع العار راجع الى حق الله تعالى ايضا لان النسبة الى الزنا انما تكون سببا للعار لان الله تعالى حرمه فان قال يا زاني فرده بلا بل انت حدا ولو قال لعرسه يا زانية فردت به حدت ولا لعان.

ترجمہ:۔ اور حد قذف میں میراث جاری نہ ہوگی اور نہ اس میں معافی کا اعتبار ہے اور نہ اس کے بدلے میں کوئی عوض لینے کا اختیار ہے۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک حد قذف میں اور اسی طرح معاف کرنے اور بدلہ لینے کے حق میں میراث ہوتی ہے اس لئے کہ یہاں حق عبد غالب ہے اور حق عبد کا غلبہ اس مشہور قاعدہ پر مبنی ہے کہ جب حق اللہ اور حق العبد جمع ہو جائیں تو حق العبد ہی غالب ہوا کرتا ہے، کیونکہ بندہ محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں اور ہم حد قذف میں حق اللہ کو غالب قرار دیتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ کا حق یعنی اپنے سے عار اور بٹہ کو دور کرنا خود یہ بات حق اللہ کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ زنا کی طرف نسبت انسان کے حق میں اس لئے موجب عار اور شرم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے (اگر اللہ کی طرف سے حرمت نہ ہوتی تو زنا ہرگز موجب عار نہ ہوتا) ....

.... اور اگر کوئی شخص کسی کو کہے اے زانی! اور وہ اس کے جواب میں کہے نہیں بلکہ تو زانی ہے تو دونوں پر حد قائم ہوگی اور اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا اے زانیہ! اور وہ جواب میں کہے، نہیں بلکہ تو زانی ہے تو عورت پر حد لگائی جائے گی اور ان کے درمیان لعان واجب نہ ہوگا۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) حالانکہ حضرت اسمعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا تھے اور ایسے باپ کا اطلاق ماموں پر کیا جاتا ہے جیسے کہ حدیث میں وارد ہے "الخال هو الدس لاوالدله" (یعنی جس کا باپ زندہ نہیں تو اس کا ماموں اس کا باپ ہے) اس لئے ان کی طرف نسبت کرنے سے قاذف نہ ہوگا۔

سلہ قولہ یا ابن ماء السماء الخ یعنی اس سے حد لازم نہ ہوگی کیونکہ اس میں جود و سخاوت میں تشبیہ مراد ہے اس لئے کہ عامر بن حارثہ ازدی کا لقب ماء السماء تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ قحط سالی کے وقت اس کا مال آسمان کی بارش کی طرح لوگوں پر برس رہا تھا اس نے جود و بخشش میں ماء السماء سے اس کو ملقب کیا گیا اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حالت غضب اس تشبیہ کے مراد ہونے سے مانع ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی نسب پر جبکہ اس کا استعمال معلوم نہیں تو حالت غضب میں اس کو ہمکم دشمنی پر محمول کیا جائے گا جیسے "لست بعربی" کا قول نفی نسب کے لئے مستعمل نہیں اس لئے کسی عرب کو غصہ میں یہ کہنے سے نفی نسب مراد نہ ہوگی بلکہ شجاعت و سخاوت کی نفی مراد ہوگی ۱۲ (فتح)

سلہ قولہ وعندنا الا الخ یعنی ہمارے نزدیک حد قذف میں وراثت جاری نہیں ہوتی جیسا کہ سامنے اس کا بیان آئیگا بلکہ نفی نسب کے باعث جیسے عار لاحق ہوگی اس کے لئے یہ حق ثابت ہوگا اور یہ بات صرف اس کے اصول اور فروع میں معتبر ہوگی اس لئے مقذوف کے مرنے کے قائم مقام ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ بطریق اصالت ان کو حد قذف کے مطالبے کا حق ہوگا۔ ۱۲ ع

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ وعفو الخ معافی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مقذوف نے معاف کردیا تو بھی حاکم خود ہی قاذف پر حد قائم کرے گا کیونکہ اقامت حد مطالبہ پر مبنی ہے اور جب مقذوف نے معاف کردیا اور مطالبہ نہ کیا تو حد بھی قائم نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ معاف کردے تو اس کی معافی لغو ہے چنانچہ اگر معاف کرنے کے بعد دوبارہ دعویٰ کرے تو اسے اس کا حق حاصل ہے ۱۲ ع

سلہ قولہ بناء علی الاصل الخ اس سے اشارہ ہے کہ یہ اصل ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان متفق علیہ ہے اور یہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ بندے کا حق اللہ کے حق کی طرف راجع ہے یا اس کا حق مستقل ہے ہمارے نزدیک حق اللہ کی طرف راجع ہے اور ان کے نزدیک مستقل ہے تو لامحالہ وہی راجح ہوگا ۱۲ ع

لانها قذفت الزوج فتحد وقذفه اياها لا يوجب الحد بل اللعان وهي لم تبق اهلاً للعان ثم لابد[1] من تقديم الحد لانه اقوى لانه ان قدم يسقط اللعان لانها لم تبق اهلا له وان قدم اللعان لا يسقط الحد واذا وجب تقديم ما يقدم ويسقط اللعان وبزنيت بك هدرا اي قال لزوجته يا زانية فردت بقولها زنيت بك هدر لان[2] قول المرأة يحتمل ان يكون تصديقا له يعني زنيت بك قبل النكاح ويحتمل ان يكون ردا يعني ان وجد مني زنى فهو ليس الا تمكيني اياك لاني ما مكنت غيرك وتمكيني اياك ليس بزنى فلا يكون لها دعوى اللعان لاحتمال المعنى الاول ولا حد عليها لاحتمال المعنى الثاني.

ترجمہ:-

حد قذف لگائی جائیگی کیونکہ شوہر زنا ... کی تہمت رکھی ہے اور شوہر کا اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگانا موجب حد نہیں بلکہ موجب لعان ہے اور یہاں لعان بھی اس لئے نہ ہوگا کہ عورت پر حد قذف لگ چکنے کی وجہ سے وہ اہل لعان نہیں رہی۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ حد کو لعان پر مقدم کرنا ضروری ہے کیونکہ لعان سے حد قوی تر ہے (اور اعتبار حکم میں قوی مقدم ہوتا ہے ضعیف پر) اور حد قوی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حد کو مقدم کرنے سے لعان ساقط ہو جاتا ہے اس لئے کہ محدود فی القذف اہل لعان نہیں اور لعان کو مقدم کرنے سے حد ساقط نہیں ہوتی (کیونکہ لعان کرنے والی پر حد قذف آسکتی ہے تو جس میں دوسرے کو ساقط کرنے کی طاقت ہو یقیناً وہی قوی ہوگا) اور قوی کو حق تقدم حاصل ہے اور (اس قاعدہ کے مطابق) جبکہ حد کو مقدم کرنا واجب ہوا تو پہلے حد لگائی جائے گی اور لعان ساقط ہو جائے گا (لعدم الاہلیۃ بسبب الحد)

اور اگر عورت یوں جواب دے کہ میں نے تجھ سے زنا کیا ہے تو دونوں باطل ہو جائیں گے، یعنی شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اے زانیہ! اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں نے تیرے ساتھ زنا کیا ہے تو حد اور لعان دونوں باطل ہو جائیں گے، کیونکہ عورت کے قول میں اس کا احتمال ہے کہ وہ شوہر کے قول کی تصدیق کے طور پر ہو، یعنی میں نے نکاح سے پہلے تیرے ساتھ زنا کیا ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ بطور انکار کے ہو، مطلب یہ ہے کہ میں نے تو تیرے سوا کسی کو اپنے ساتھ وطی کا موقع نہیں دیا ہے ایسی حالت میں (تیرے کہنے کے مطابق) اگر مجھ سے زنا پایا گیا تو اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تجھ کو وطی کا موقع دیا ہے اور تجھے اپنے ساتھ وطی کا موقع دینا زنا نہیں ۔۔۔ اب پہلے معنی کے احتمال کی بنا پر عورت کو لعان کے دعوی کا حق نہیں (کیونکہ شوہر کا الزام تسلیم کر لینے سے حق لعان باطل ہو جاتا ہے) اور دوسرے معنی کا احتمال رہنے کی وجہ سے عورت پر حد بھی قائم نہ ہوگی (کیونکہ اس صورت میں زنا کا اطلاق صرف صورۃً تسلیم کر رہی ہے حقیقۃً نہیں)

تشریح:- [1] قولہ ثم لابد الخ یہ جواب ہے اس اعتراض کا کہ عورت کی حد کیوں مقدم کی کہ لعان ساقط ہو گیا! اگر لعان مقدم کیا جاتا تب تو حد ساقط نہ ہوتی کیونکہ لعان کرنے والی پر حد قذف جاری ہوتی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ لعان میں دراصل معنی حد پائے جاتے ہیں اس لئے یہ بھی بمنزلہ حد ہے اور جب دو حد جمع ہو جائیں اور ان میں سے ایک کو مقدم کرنے سے دوسری کا اسقاط پائی جائے تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے تاکہ حتی الامکان یہ دفع حد کا ذریعہ بن جائے اور یہاں اگر لعان مقدم کیا جائے تو حد ساقط نہیں ہوتی اور اگر حد قذف مقدم کر دی جائے تو لعان ساقط ہو جاتا ہے اس لئے حد ہی کو مقدم کرنا واجب ہوا۔۱۲ک

[2] قولہ لان قول المرأۃ الخ حاصل یہ کہ مرد کے قول "اے زانیہ" کے جواب میں عورت کا یہ کہنا کہ "ہاں میں نے تیرے ساتھ زنا کیا ہے" اس میں (۱) یہ احتمال ہے کہ مرد کے قول کی تصدیق ہو اور معنی یہ ہوں گے کہ نکاح سے پہلے میں نے تیرے ساتھ زنا کیا تھا اس لئے کہ نکاح کے بعد کی وطی زنا نہیں ہو سکتی اس صورت میں عورت کی طرف سے لعان کا دعوی ساقط ہو جائے گا۔ (باقی صد آئندہ)

ولاعن ان اقر بولد ثم نفی وحُدّ ان عكس لان النسب يثبت باقراره ثم بالنفی يصير قاذفا فيجب اللعان اما ان نفاه ثم اقر به فقد اكذب نفسه فيجب الحدّ والولد له اى ولد اقرّ به ثم نفاه وولد نفاه ثم اقرّ به يثبت نسبهما منه للاقرار ولا شئ بليس بابنی ولا بابنكِ لانه نفی الولادة ولا يجب به شئ ولا حدّ بقذف مَن لها ولد لا اب له او لاعنت بولد انما قال بولد لانها لو لاعنت بدون الولد فبقذفها يجب الحدّ والفرق بينهما انه وُجد فی الاول اَمارة الزنا وهی الولد المنفی ولم توجد فی الثانی ولا بقذف من وطی حراما لعينه۔

ترجمہ:۔ اور اگر شوہر نے پہلے اپنے بیٹے کا اقرار کیا پھر کہا یہ لڑکا میرا نہیں تو لعان کرے اور اگر اول کہے کہ لڑکا میرا نہیں پھر اقرار کرے تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی اس لئے کہ پہلی صورت میں) اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا ہے پھر انکار کی وجہ سے قاذف ہو گیا تو قذف کی بنا پر لعان واجب ہوگا لیکن (دوسری صورت میں) جب کہ اول اس نے انکار کیا اور پھر اقرار کیا تو خود اپنی بات کو جھٹلایا (اور جھوٹی تہمت لگانے پر حد قذف آتی ہے) اس لئے حد واجب ہوگی اور دونوں صورتوں میں لڑکا اسی کا ہے یعنی وہ بچہ جس کا اول اقرار کرے پھر اس کا انکار کر دے اور وہ بچہ جس کا اول انکار اور پھر اقرار کرے دونوں کا نسب بوجہ اقرار پلٹ جانے کے اس سے ثابت ہوگا۔ اور اگر عورت سے کہا کہ یہ لڑکا نہ میرا ہے نہ تیرا تو حد و لعان کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس نے (اپنی عورت سے بچہ کی) ولادت کی نفی کی ہے اور نفی ولادت سے حد و لعان واجب نہیں ہوتا کیونکہ اس سے عورت پر تہمت زنا نہیں آتی ہاں اس کا بچہ مان کر اگر اپنے سے نسب کی نفی کرے تب تہمت آتی ہے جو موجب حد یا لعان ہے) اور اگر زنا کی گالی ایسی عورت کو دی جس کے بچہ کا باپ معلوم نہ ہو یا جو عورت اپنے بچہ کے بارے میں لعان کر چکی ہو تو حد واجب نہ ہوگی، بچہ کے بارے میں لعان اس لئے کہا کیونکہ اگر بغیر بچہ کے لعان ہوا ہو تو اس کی قذف سے حد واجب ہوگی اور دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ بچے کے ساتھ لعان ہونے کی صورت میں اس پر ولد منفی کے سبب سے زنا کا نشان لگ چکا ہے اور دوسری صورت میں یہ بات نہیں پائی گئی۔ اور نہ ایسے شخص کو زنا کی گالی دینے سے حد واجب ہوگی جو پہلے ہی سے بعینہٖ حرام وطی کا مرتکب ہو۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) اس لئے کہ جب عورت مرد کے قول کی تصدیق کرے تو پھر لعان نہیں آتا، ۲۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خاوند کے قول کو رد کرنا ہو اور غرض یہ ہو کہ میں نے تو تیرے سوا کسی کو اپنے اوپر موقع نہیں دیا اب اگر یہ زنا ہو تو بس یہی ہے اور اس مطلب کے پیش نظر عورت سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ تو الزامی جواب ہے حقیقۃً اعتراف زنا نہیں) تو جب عورت کے کلام میں دونوں مفہوم کا احتمال موجود ہے تو شک پڑ گیا کہ کونسا مراد ہے اس لئے شک کی بنا پر حد اور لعان دونوں ساقط ہو جائیں گے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) لہ قولہ ولاعن الخ یعنی اگر اس نے اپنی زوجہ سے لڑکا کا اقرار کیا پھر اپنے آپ سے اس کے نسب کی نفی کر دی تو لعان واجب ہوگا کیونکہ نسب کی نفی موجب قذف ہے اور اگر پہلے نسب کا انکار پھر لعان سے پہلے ہی نسب کا اقرار کرے تو اس پر حد لازم ہوگی کیونکہ جب اس نے اقرار نسب کے ذریعہ اپنے آپ کو جھٹلادیا تو نفی ولد کے سبب جو لعان واجب ہوتا وہ باطل ہو جائے گا اس لئے کہ زوجین کی باہمی تکذیب کی بنا پر بطور ضرورت حد قذف کی بجائے لعان کی طرف رجوع کرنا پڑا تھا تو گویا یہ حد کا خلف ہے اب جب اقرار نسب سے خلف یعنی لعان باطل ہو گیا تو اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور دونوں صورتوں میں لڑکا اسی کا شمار ہوگا خواہ اقرار سابق ہو یا اقرار لاحق ہو۔ اگر تم یہ اعتراض کرو کہ لڑکے کی نفی ہی تو لعان کا سبب تھی اب جبکہ لڑکا کا نسب منتفی نہ ہوا تو ان کے درمیان لعان بھی نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ جس چیز کے ضمن میں کوئی بات ثابت ہوتی ہے وہ چیز باطل ہو جانے سے ضمنی بات بھی باطل ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قطع نسب کے بغیر بھی تو لعان صحیح ہوتا ہے جیسے کہ اگر لڑکا نہ ہی ہو اور مرد تہمت لگائے تو لعان ہوگا اس لئے یہاں بھی اقرار سے نسب ثابت ہونے کے باوجود تہمت رہ جائے گی جس کی بنا پر لعان جاری ہوگا ۱۲۔

(باقی صہ آئندہ پر)

ای حُدَّ بقذف مجوسی نکح اُمّہ وھذا عند ابی حنیفۃ خلافًا لہما فان عندہ لنکاح المحارم حکم الصحۃ فیما بینہم خلافًا لہما وقولہ ومستامن بالرفع عطف علی الضمیر المستتر فی حُدَّ وکفی حدٌّ لجنایاتٍ اتحد جنسہا فان اختلف لا ھذا عند نا وعند الشافعیؒ ان اختلف المقذوف او المقذوف بہ وھو الزنا کما اذا قذف زیدًا وعمرًا او قذف زیدًا بزنیً ثم بزنیً اٰخر لایتداخل اما اذا قذف زیدًا بزنیً واحد وکرّر ھذا القذف یتداخل وھذا بناء علی ان حق العبد فیہ غالبٌ عندہ

ترجمہ۔ یعنی ایسے مجوس پر تہمت زنا لگانے سے حد لازم ہوگی یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے صاحبین اس سے اختلاف کرتے ہیں وجہ اختلاف یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مجوسیوں کا باہدیگر محارم سے نکاح ان کے عقیدہ میں حلال ہونے کی وجہ سے صحیح ہے، بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک محارم سے نکاح کسی حالت میں صحیح نہیں، اور مصنف کا قول ”ومستامن“ رفع کے ساتھ ”حُدَّ“ کی ضمیر مستتر پر اس کا عطف ہے اور ایک جنس کی متعدد جنایتوں کے واسطے ایک حد کافی ہے اور اگر مختلف جنس کی جنایتیں ہوں تو ایک حد کافی نہ ہوگی۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر متعدد شخصوں پر تہمت لگائی یا متعدد واقعات۔ زنا۔ کی تہمت لگائی شلاً زید اور عمر پر تہمت لگائی یا زید ہی پر تہمت لگائی پہلے ایک واقعہ زنا سے پھر دوسرے واقعہ زنا سے تو ان کی حدوں میں تداخل نہ ہوگا لیکن اگر زید کو ایک ہی واقعہ زنا کی تہمت دے پھر اس تہمت کو متعدد بار مختلف اوقات میں دہرا دہرا کر اس کی طرف نسبت کرے تو حدیں تداخل ہو جائے گا اور ایک ہی حد کافی ہوگی اور یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک حد قذف میں حق العبد غالب ہے اس لئے صرف اختلاف جنس جنایت نہیں۔ بلکہ تعدد حقوق کی جہت کی رعایت بھی ضروری ہے۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) سے تو حالت کفر کا زنا اس احصان کا کیوں مانع ہوگا جو بشرف اسلام اسے حاصل ہوا ہے اور کیوں اس کے قاذف کو معاف رکھا جائے گا؟ جواب یہ ہے کہ اسلام سے معاصی معاف ہوتے ہیں ننگ وعار کے امور سے اس کا تعلق نہیں اس لئے محدود فی القذف بھی توبہ کرنے سے صالح و پاک ہو جاتا ہے مگر معاملات میں مقبول الشہادت نہیں ہوتا۔ اور لونڈی میں زنا توبہ کے بعد بھی عیب شمار ہوتا ہے ۱۲ ف

سلہ قولہ کوطی عرس حائضا الخ یہی حکم نفاس کا بھی ہے کیونکہ اس حالت میں اذی اور گندگی کی علت کی بنا پر وطی حرام ہے عدم ملک یا نقصان ملک کے سبب سے حرام نہیں ایسے ہی اس زوجہ کے ساتھ وطی کرنا جس سے اس نے ظہار کیا تھا اور ابھی کفارہ ظہار ادا نہیں کیا نیز فرض روزہ دار عورت سے وطی کرنا ۱۲

سلہ قولہ ومستامن الخ یعنی حربی کا فر اگر امان حاصل کر کے دار الاسلام میں داخل ہو تو اس پر حد قذف لازم ہوگی اس لئے کہ اس نے حقوق العباد پورا کرنے کا عہد کر کے داخلہ لیا تھا اور حد قذف بندے کا حق ہے، بخلاف زنا اور چوری کی حد کے کہ اس میں اللہ کا حق غالب ہے اس لئے ان دونوں کے سبب سے مستامن پر حد جاری نہ ہوگی اور ذمی پر ہر صورت میں حد جاری ہوگی سوائے شراب پینے کی حد کے ۱۲ (غایۃ البیان) (حاشیہ صد ہذا)

لہ قولہ وکفی حد الخ اس میں تنوین وحدت کے لئے ہے یعنی ایک حد کافی ہوگی، حاصل یہ کہ جب کسی نے متعدد جرائم کئے جو موجب حد ہیں۔ تو اب وہ یا مختلف جنس کے ہوں گے جیسے کہ وہ زنا کرے، چوری کرے، شراب پیئے اور محصن پر زنا کی تہمت رکھے اور یا ان کی جنس متحد ہوگی جیسے کہ متعدد بار زنا کی تہمت لگائے یا کئی بار زنا کرے، تو پہلی صورت میں ہر جرم کی الگ الگ سزا ملے گی، ایک سزا کافی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ہر ایک جرم کا مقصد دوسرے کے مقصد سے جدا ہے اور ایک حد سے جو زجر و تنبیہ حاصل ہوتی ہے وہ دوسری نوع کی حد سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ (باقی صد آئندہ پر)

کوطی فی غیر ملک من کل وجہ او من وجہ کامۃ مشترکۃ او وطی مملوکۃ حرمت ابدًا کامتہ التی ھی اختہ رضاعًا ولا بقذف من زنت فی کفرھا ومکاتب مات عن وفاء ای لاحد بقذف مکاتب مات وترک ما لا یفی ببدل الکتابۃ لان الحد انما یجب بقذف الحر وفی حریۃ ھذا المکاتب اختلاف الصحابۃ وحُدّ بقذف من وطی حرامًا لغیرہ کوطی عرسہ حائضا او وطی مملوکۃ حرمت موقتۃ کامۃ مجوسیۃ او مکاتبۃ فان حرمتا الاولی موقتۃ الی زمان الاسلام والثانیۃ الی زمان العجز وعند ابی یوسف وطی المکاتبۃ یسقط الاحصان کمجوسی نکح امہ فی کفرہ فاسلم ومستامن قذف مسلمًا ھنا۔

ترجمہ:۔ مثلاً ہر لحاظ سے غیر مملوک باندی سے یا بعض لحاظ سے غیر مملوک ہے جیسے مشترکہ باندی اس سے وطی کی ہو یا اس مملوکہ سے جو ہمیشہ کے حرام ہے مثلاً وہ باندی جو اس کی رضاعی بہن بھی ہے اور نہ اس پر حد قذف آئے گی جس نے اس مسلمان پر زنا کی تہمت دی جس نے حالت کفر میں زنا کیا ہو یا تہمت لگائی اس مکاتب پر جو کافی مال چھوڑ کر مرا ہو، یعنی ایسے مکاتب پر تہمت رکھنے سے حد نہیں آئے گی جو مرتے وقت اتنا مال چھوڑ جائے کہ اس کی کتابت کا عوض ہو سکتا ہو کیونکہ حد تو آزاد پر تہمت لگانے سے واجب ہوتی ہے اور اس مکاتب کی حریت میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ اور حد لگائی جائے گی قاذف پر اگر اس نے ایسے شخص پر زنا کی تہمت لگائی جو وطی حرام کا مرتکب ہوا ہو لیکن اس کی حرمت دلعینہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے مثلاً اس کے حائضہ بیوی سے صحبت کی یا آتش پرست باندی سے یا مکاتبہ باندی سے جن کی حرمت موقتہ ہے کہ آتش پرست باندی کی حرمت اس کے اسلام لانے کے وقت تک ہے اور مکاتبہ کی حرمت بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہونے کے وقت تک ہے البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک مکاتبہ کے ساتھ وطی سے احصان ساقط ہو جائے گا اور اس لئے اس پر تہمت لگانے سے حد نہیں آئے گی۔ جیسے حد ماری جائے گی اس پر جس نے ایسے شخص پر تہمت لگائی جو پہلے مجوسی تھا اور اس نے نکاح کیا تھا اپنی ماں سے حالت کفر میں پھر اسلام لے آیا۔ اسی طرح مستامن پر حد قذف لگائی جائے گی اگر وہ دار السلام میں کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگائے۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) سلہ قولہ ولاحد بقذف الخ یعنی اگر کسی عورت کا کوئی بچہ ہے مگر اس شہر میں اس کا کوئی باپ معلوم نہ ہو اب ایک آدمی نے اس پر زنا کی تہمت لگائی تو حد نہیں آئے گی اس لئے کہ بغیر باپ کے بچہ کا وجود زنا کی دلیل ہے اس لئے اس کی عفت نہ رہی اور محصنہ ہونے کے لئے عفت شرط ہے اور احصان وجوب حد کی شرط ہے ۱۲

سلہ قولہ ولا بقذف من وطی الخ ہدایہ میں ہے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ جس نے ایسی وطی کی جس کی حرمت لعینہ ہے تو اس کے قذف پر حد لازم نہ ہوگی کیونکہ حرام لعینہ وطی در حقیقت زنا ہے اور زانی پر تہمت سے حد نہیں آتی۔ اور اگر ایسی وطی کی جس کی حرمت لغیرہ ہے تو اس کے قذف پر حد آئے گی اس لئے کہ یہ زنا نہیں ہے چنانچہ بالکل غیر مملوک باندی یا جو من وجہ غیر مملوکہ ہے اس سے وطی حرام لعینہ ہے اسی طرح اس مملوکہ سے جس کی حرمت ابدی ہے، لیکن اگر حرمت وقتی ہو تو اس سے وطی حرام لغیرہ ہے اور ایسی وطی سے احصان ساقط نہیں ہوتا اس لئے اس کے قذف پر حد ہوگی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ من زنت فی کفرھا الخ اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اسلام لانے سے جب ایام کفر کے تمام معاصی معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ۔۔۔ الاسلام یھدم ما کان قبلہ (باقی صفحہ آئندہ میں)

اما عندنا فلما کان حق اللہ تعالیٰ غالباً فیتداخل اذ المقصود الانزجار

اما اذا اختلف الجنایات فالمقصود من کل واحد غیرُ المقصود من الآخر فلا یتداخل.

ترجمہ:۔ ———— اور ہمارے نزدیک چونکہ اس میں حق اللہ غالب ہے اس لئے (ایک جنس کی جنایتوں کی حد میں) تداخل ہو جائے گا، کیونکہ اصل مقصود زجر و تنبیہ ہے (جو ایک دفعہ حد قائم کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے) ہاں اگر جنایتیں مختلف ہوں تو چونکہ ہر ایک جنایت کی حد کا مقصود (اس دوسری جنایت کی حد کی غرض سے مختلف ہے اس لئے ان کی حدود میں باہمی تداخل نہ ہوگا (بلکہ ہر ایک جرم کی حد مستقل طور پر قائم کرنی ہوگی۔)

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اس لئے ان سزاؤں میں تداخل ناممکن ہے اور دوسری صورت میں اس پر ایک ہی حد قائم کی جائے گی یعنی جب مثلاً کئی بار قذف کرے چاہے مقذوف ایک ہو یا متعدد، چاہے قذف ایک ہی کلمہ سے ہو یا متعدد کلمات سے اور چاہے ایک ہی دن میں دہرائے یا متعدد دنوں میں بہر صورت ایک ہی حد واجب ہوگی۔ ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) ملہ قولہ غیر المقصود الخ. کفایہ کتاب میں مذکور ہے کہ زنا کی حد کا مقصود ہے نسب کی حفاظت اور چوری کی حد کا مقصود ہے مال کی حفاظت اور شراب پینے کی حد کا مقصود عقل کی حفاظت اور قذف کی حد کا مقصود عزت و حرمت کی حفاظت تو جب ان کے مقاصد مختلف ہیں ان کی حدود میں تداخل نہیں ہو سکتا ہے ۱۲

فصل التعزير[1]

هو تاديب دون الحد واصله من العزر بمعنى الرد والردع اكثره تسعة وثلثون سوطا واقله[2] ثلثة لان التعزير ينبغى ان لا يبلغ الحد واقل الحد اربعون وهى حد العبيد فى القذف والشرب وابو يوسف اعتبر حد الاحرار وهو ثمانون ونقص عنها سوطا فى رواية وخمسة فى رواية وصح حبسه مع ضربه وضربه اشد ثم للزنا ثم للشرب ثم للقذف قالوا ليحصل الانزجار[3] بالتعزير۔

تعزیر کا بیان

ترجمہ :- تعزیر وہ سزا ہے جو حد سے کم ہو۔ اصل میں تعزیر کا لفظ عزر سے ماخوذ ہے جس کے معنی واپس کرنا اور روکنا۔ اور تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار انتالیس کوڑے ہیں۔ اور کمتر مقدار تین کوڑے ہیں۔ کیونکہ (قاعدہ کی رو سے) تعزیر حد کی مقدار میں نہ پہونچنی چاہئے۔ اور کم از کم حد کی مقدار چالیس کوڑے ہیں۔ چنانچہ قذف اور شراب کی حد غلاموں کے حق میں چالیس کوڑے ہیں۔ البتہ امام ابو یوسفؒ نے آزاد کی مقدار حد کا اعتبار کیا ہے جو کہ اسی ہے اس لئے ان کے نزدیک تعزیر کی مقدار ایک کم اسی (یعنی اناسی) کوڑے۔ اور ایک روایت میں پانچ کم اسی (یعنی پچہتر) کوڑے ہیں۔ اور حاکم کے لئے جائز ہے کہ تعزیر کی سزا میں ضرب اور قید دونوں کو جمع کرے۔ اور تعزیر کی مار سخت تر ہے۔ پھر زنا کی حد میں، پھر شراب پینے کی حد میں پھر قذف کی حد میں، مشائخ فقہاء نے اس کی حکمت یہ بتائی ہے کہ تعزیر (کی مار سخت تر اس لئے ہونی چاہئے تاکہ اس کا منشا زجر و تنبیہ پوری طرح حاصل ہو۔

تشریح :- [1] قوله التعزير الخ۔ تعزیر اور حد میں کئی طرح سے فرق ہے ۱۔ حد شرعاً مقرر ہے اور تعزیر امام کی رائے پر مفوض ہے ۲۔ حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور تعزیر شبہ کے باوجود قائم ہوتی ہے ۳۔ بچہ پر حد جاری نہیں ہوتی لیکن تعزیر اس پر بھی مشروع ہے ۴۔ ذمی پر حد آتی ہے اور اس کی سزا کو حد کہا جاتا ہے لیکن اس کی تادیب کو عقوبت کہتے ہیں۔ اس پر تعزیر کا اطلاق نہیں ہوتا ۵۔ حد قائم کرنے کا اختیار صرف امام کو ہے۔ اور تعزیر، شوہر، آقا، اور ہر وہ آدمی لگا سکتا ہے کہ جو گناہ ہوتا ہوا دیکھے ۶۔ حد میں رجوع کا اثر ہوگا لیکن تعزیر میں نہ ہوگا ۷۔ حد میں مدعی علیہ کو قید کیا جا سکتا ہے تاکہ گواہوں سے تحقیقات مکمل ہو جائے اور تعزیر میں ثبوت جرم سے پہلے قید نہیں کیا جا سکتا ہے ۸۔ حد میں سفارش جائز نہیں تعزیر میں جائز ہے ۹۔ واقعہ پرانا ہونے سے حد ساقط ہو جاتی ہے مگر تعزیر ساقط نہیں ہوتی ۱۰۔ حد کو امام معاف نہیں کر سکتا اور تعزیر معاف کر سکتا ہے ۱۲ (تاتارخانیہ)

[2] قوله واقله الخ اس لئے کہ اس سے کم میں زجر و تنبیہ نہیں ہوتی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ کم کی مقدار مقرر نہیں۔ بلکہ امام کی رائے پر محمول ہے وہ جتنی مقدار مناسب خیال کرے، کیونکہ اشخاص کے اختلاف سے زجر کا اعتبار بھی مختلف ہوا کرتا ہے ۱۲۔

[3] قوله ليحصل الانزجار الخ۔ کیونکہ تعزیر حد سے کم ہوتی ہے عدد کے اعتبار سے اب اگر وصف میں بھی تخفیف ہو تو مجرم کو زجر نہ ہو سکیگا اور تعزیر قائم کرنے کا مقصد ہی ختم ہو جائے گا۔ وحد الزنا ثابت بالكتاب یعنی حد زنا کتاب اللہ کی آیت "الزانية والزاني" سے ثابت ہے تو اس کی مار شراب پینے کی حد سے سخت ہونی چاہئے۔ کیونکہ حد شراب صحابہ کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے نص قطعی میں اس کا ثبوت نہیں ہے اور چونکہ اس کا سبب یقینی ہے اور حد قذف کا سبب مشکوک ہے اس لئے حد قذف کی مار سے اس کی ضرب شدید ہونی چاہئے ۱۲

وحدّ الزنا ثابتٌ بالنصّ وحدّ الشرب ثبت باجماع الصحابۃ رضٖ وسببہ متیقن و سبب حدّ القذف محتمل لاحتمال الصدق اقول حد القذف ثابتٌ بالنصّ وھو قولہ تعالیٰ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃً وحدّ الشرب قلیس علی حدّ القذف وعُزِّرَ بقذف مملوك او کافر بزنا ومسلم بیا فاسق یا کافر یا خبیث یا سارق یا فاجر یا مخنّثُ یا خائن یا لوطی یا زندیق یا لِصّ یا دَیُّوث یا قرطبان یا شارب الخمر یا اٰکلَ الرّبٰوا یا ابن القَحْبَۃ یا ابن الفاجرۃ انت تاوی اللصوص انت تاوی الزوانی یا من یلعب بالصّبیان یا حرام زادہ لا بیا حمارُ یا خنزیر یا کلب یا تیس یا قِرد یا حجّام یا ابنہ وابوہ لیس کذلك یا مواجر یا بغا یا ناکس یا ضحکۃ یا سخرۃ ومن حُدّ او عُزِّر فمات ھَدَرَ دمہ ولو عزّر زوجٌ عرسہ لا۔

ترجمہ:۔ اور (اس کے بعد زنا کی ار سخت ہونی چاہیئے کیونکہ) حد زنا نص قطعی سے ثابت ہے اور (اس سے کمتر حد شراب ہونی چاہئے کیونکہ) شراب پینے کی حد صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے اور (حد قذف اس سے بھی ہلکی ہونی چاہیئے کیونکہ) شراب کی حد کا سبب (یعنی شرب خمر بہ مشاہدہ نشہ) یقینی ہے اور حد قذف کا سبب (یعنی مقذوف کی پاک دامنی) امر مشکوک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ حقیقت میں قاذف سچا ہو (اور محض دوسرے گواہ پیش نہ کرسکنے کی وجہ سے اس پر حد لگ رہی ہو۔ اس توجیہ پر نقص وارد کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ حد قذف نص قطعی سے ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے "فاجلدوہم ثمانین جلدۃ" اور اسی حد قذف پر قیاس کر کے حد شراب ثابت کی گئی ہے تو حد قذف کے مقابلہ میں حد شراب کی دلیل کمزور ہے پس اس کی مار بھی کمزور ہونی چاہیئے) اگر کوئی شخص غلام یا کافر پر زنا کی تہمت لگائے یا مسلمان کو ان الفاظ سے گالی دے، اے فاسق، اے کافر، یا خبیث، اے چور، اے بدکار، اے ہجڑے، اے دغاباز، اے لونڈے باز، اے بے دین، اے لٹیرا، اے دیوث، اے بھڑوا، اے شرابی، اے سود خور، اے رنڈی کا بیٹا، اے فاحشہ کا لڑکا، اے چوروں کا ٹھکانے دار، اے بدکاروں کے اڈہ دار، اے بچہ باز، اے حرام زادہ تو ان سب صورتوں میں تعزیر لازم ہوگی، اور اگر مسلمان کو کہے، او گدھے، اے سور، اے کتا، او پاٹھا، او بندر، او نائی، او نائی کے بیٹے، حالانکہ اس کا باپ نائی نہیں ہے۔ یا کہے اے زنا کی کمائی کھانے والے، اے کانڈو، اے بیوقوف، اے ٹھٹھے باز، اے مسخرہ تو ان صورتوں میں تعزیر لازم نہ ہوگی۔ اور جس شخص پر حد یا تعزیر قائم کی جائے اور وہ مرجائے تو ان کا خون معاف ہے اور اگر شوہر اپنی بیوی کو تعزیرا مارے اور وہ مرجائے) تو اس کا خون معاف نہ ہوگا بلکہ اس پر دیت واجب ہوگی)

تشریح:۔ [1] قولہ یا زندیق الخ۔ زندیق فارسی لفظ زندہ یا زندی سے معرب ہے اور یہ زند نامی کتاب کی طرف نسبت ہے جیسے مثنوی کا قرآن کے مزدکی گروہ کے سردار مزدک نے لکھا تھا یہ گروہ قبادکسری کے زمانہ میں تھا۔ اور کئی خداؤں کا قائل تھا اس کے ساتھیوں نے اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا پھر کسری نوشیرواں نے اس کو قتل کیا، چونکہ زنادقہ کا مذہب تمام ادیان سماویہ سے خارج تھا اس لئے عربوں نے ہر اس آدمی کو زندیق کہنا شروع کیا جو کہ آسمانی ادیان سے باہر ہو اور فارسی میں اُسے بے دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

[2] قولہ دیوث الخ دال پر فتحہ یا، مشدد مضموم پھر واؤ ساکن آخر میں ثاء مثلثہ، امام زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ وہ آدمی ہے جو اپنی بیوی یا محرم کے ساتھ دوسرے آدمی کو دیکھے پھر بھی اُسے تنہائی میں ملنے کا موقع دے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ دیوث وہ شخص ہے جو دو آدمیوں کے درمیان ناشائستہ کام کے لئے ملنے کا سبب بنے اور ایک قول یہ ہے کہ جو اپنی بیوی کو کسی نوجوان یا نوکر کے ہمراہ کھیتی یا کاروبار دیکھنے کے لئے بھیجے

(باقی صفحہ آئندہ پر)

قیل القحبۃ من یکون ھمتہ الزنا فلا یحدّ اقول[1] القحبۃ فی العرف افحش من الزانیۃ لان الزانیۃ قد تفعل سرًّا (ای خفیۃ ۱۲ عمدہ) وتانف (ای تعار سنہ وتعدہ عیبا ۱۲ عمدہ) منہ والقحبۃ من تجاھر (مضارع معروف ای تعلن بالذی زنا تاخذ علیہ اجرۃ ۱۲) بہ بالاجرۃ والفاجرۃ تکون بکل معصیۃ فلا حد بہ ولفظ حرام زادہ معناہ المتولد من الوطی الحرام وھو اعم[2] من الزنا کالوطی حالۃ الحیض لکن فی العرف لا یراد ذلک بل یراد ولد الزنا وکثیرا ما یراد بہ الجُربز (عطف بیان للجربز ۱۲ عمدہ) الخبّ فلھذا لا یجب الحد والمواجر یستعمل فیمن یواجر اھلہ للزنا لکن معناہ الحقیقی المتعارف لا یوذن بالزنا (ای زوجتہ او غیرہا من محارمہ ۱۲ عمدہ) یقال اجرت الاجیر مواجرۃ اذا جعلت لہ علی فعلہ اجرۃ ولفظ بغا (ای کالیتیم ۱۲ عمدہ) من شتم العوام یتفوّھون بہ ولا یعرفون ما یقولون۔

ترجمہ :۔ بعضوں نے کہا ہے کہ "قحبہ" (رنڈی) اس کو کہتے ہیں جو زنا کی فکر میں ہوتی ہے اس لئے یہ کہنے پر حد قذف نہیں آئے گی (شارح فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ رنڈی کا لفظ عرف میں زانیہ سے زیادہ فحش گالی ہے کیونکہ زانیہ تو اسے کہتے ہیں جو پوشیدہ بدکاری کرتی ہے اور اس الزام سے عار محسوس کرتی ہے اور رنڈی تو وہ ہے جو علی الاعلان اجرت پر پیشہ کرتی ہے البتہ "فاجرہ" کا اطلاق ہر قسم کی معصیت کے ارتکاب کرنے والے پر ہوتا ہے اس لئے اس سے حد قذف نہیں آئے گی۔ اور "حرام زادہ" کے لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ وطی حرام سے جنا ہوا اور وطی حرام زنا سے عام ہے چنانچہ بہ حالت حیض کی وطی کو بھی شامل ہے لیکن عرف میں یہ مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے ولد الزنا مراد ہوتا ہے اور زیادہ تر اس کا اطلاق ہوتا ہے کمینہ اور دھوکہ باز کے لئے اس لئے اس سے حد واجب نہیں ہوتی۔ اور "مواجر" کا استعمال ہوتا ہے۔ اس شخص پر جو اپنی بیوی کو زنا کے لئے اجرت پر دیتا ہے لیکن اس کے حقیقی معنی میں زنا کا مفہوم نہیں ہے چنانچہ "اجرت الاجیر مواجرۃ" اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ نوکر کے کام پر مزدوری مقرر کرے۔ اور "بغا" کا لفظ عوام کی گالیوں میں سے ہے جسے وہ بولتے تو ہیں مگر اس کے معنی و منشا کیا ہے وہ خود نہیں جانتے۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) یا اپنی غیر حاضری میں انہیں بیوی کے پاس جانے کی اجازت دے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) [1] قولہ اقول الخ یہ اس پر اعتراض ہے کہ اگر قحبہ (رنڈی) یا ابن القحبہ سے گالی دی تو اس پر حد نہ آئے گی حالانکہ قحبہ کا لفظ زنا سے بھی عرف میں فحش تر ہے اس لئے کہ زانیہ چھپ کر زنا کرتی ہے اور اس پر قحبہ کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ اس کا اطلاق ہوتا ہے اس پر جو برملا زنا کراتی اور اجرت لیتی ہے اس لئے لبریہ اور جامع المضمرات میں ہے کہ قحبہ کی گالی پر حد واجب ہوگی مؤلف تنویر الابصار نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قحبہ جبکہ اجرت لے کر برملا زنا کرتی ہے تو شبہ عقد پائے جانے کی بنا پر امام صاحب کے نزدیک حد ساقط ہو جائے گی چنانچہ فتح القدیر میں شبہ عقد کی ایک صورت یہ بتائی گئی ہے کہ اگر کسی نے ایک عورت کو کرایہ پر لیا تاکہ اس کے ساتھ زنا کرے پھر اس نے زنا کیا تو اس پر حد نہ ہوگی البتہ تعزیر لازم ہوگی لیکن صاحبین، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس پر حد لازم ہوگی ۱۲

[2] قولہ وھو اعم من الزنا الخ یعنی زنا کا لفظ وطی حرام سے اخص ہے کہ حالت حیض یا نفاس میں بیوی سے وطی کرنا حرام ہے مگر یہ زنا نہیں ہے اس لئے یہ قول زنا کی تہمت شمار نہ ہوگا اور حد نہ آئے گی، البتہ عرفی معنی کے لحاظ سے حد آنی چاہیئے اس لئے کہ لوگ اس لفظ سے ولد الزنا مراد لیتے ہیں لیکن چونکہ اس لفظ سے بسا اوقات دھوکہ باز اور کمینہ بھی مراد لیتے ہیں اس لئے اس پر حد لازم نہ ہوگی ۱۲

والضُحكة بوزن الصُفرة من يضحك عليه الناس وبوزن الهمزة من يضحك
(بضم الصاد المهملة وسكون الفاء ١٢ عمده)
على الناس وكذا السُخرة ونحوه واعلم ان الالفاظ الدالة على القبائح لا
تعدّ ولا تُحصى فالواجب ان يذكر لها ضابطة يعرف به احكام جميعها فاقول
(مجهول من العد وكذا قرينه من الاحصاء ١٢ عمده)
قد عرفت ان نسبة المحصن الى الزنا توجب حدّ القذف فنسبة غير المحصن
(ای بما سبق ١٢ عمده)
كالعبد والكافر اليه لا توجب الحد لانحطاط درجتهما بل توجب التعزير
(ای دنية مرتبتهما عن مرتبة المحصن ١٢ عمده)
لاشاعة الفاحشة ونسبة المحصن الى غير الزنا لا توجب حدّ القذف فهل
توجب التعزير ام لا فان نسبه الى فعل اختياري محرم في الشرع ويعد عارا
في العرف يجب التعزير والا لا الا ان يكون تحقيرا للاشراف۔
(استثناء من قوله الا لا ١٢ عمده)

ترجمہ:۔ اور "ضحکہ" صفرۃ کے وزن پر (ضاد کے ضمہ کے ساتھ) اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر لوگ ہنستے ہیں اور ہمزۃ کے وزن پر (ضاد کے فتحہ کے ساتھ) وہ شخص ہے جو لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے اور "سخرۃ" وغیرہ الفاظ بھی ایسے ہی معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ کسی کی برائی پر دلالت کرنے والے الفاظ بے شمار ہیں (سو ہر ایک کا حکم جدا بیان کرنا ممکن نہیں) اس لئے ان کے لئے ایسا ضابطہ بتلانا ضروری ہے جس سے سب کا حکم معلوم ہو جائے تو (شارح فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ (۱) یہ تو معلوم ہو چکا کہ محصن کی طرف زنا کی نسبت کرنے سے حد قذف واجب ہوتی ہے لہذا غیر محصن مثلاً غلام یا کافر پر زنا کی تہمت لگانے سے حد نہیں آئے گی کیونکہ ان کا درجہ گھٹا ہوا ہے البتہ فحش بات کی اشاعت پائی جانے کی بنا پر تعزیر واجب ہوگی۔ (۲) اور محصن کو زنا کے علاوہ دوسری کسی برائی سے گالی دینے سے حد قذف واجب نہیں ہوتی، اب (سوال یہ ہے کہ ایسے گالیوں کے سبب سے) کیا تعزیر واجب ہوگی یا نہیں؟ تو اگر ایسے فعل اختیاری کا ذکر کر کے گالی دے جو کہ شرعاً حرام ہے اور عرف میں اسے باعث عار شمار کیا جاتا ہے تو تعزیر لازم ہوگی ورنہ اس پر تعزیر نہ ہوگی۔ البتہ اگر شرفاء کے حق میں ایسی بات بھی موجب تحقیر و توہین ہو تو تعزیر آئے گی۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ ضابطۃ الخ۔ ضابطہ قاعدۂ کلیہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ تمام جزوی احکام منضبط ہو جاتے ہیں اس قسم کے ضابطہ کو قاعدہ اور قانون بھی کہا جاتا ہے ۱۲

۲؎ قولہ فنسبۃ غیر المحصن الخ اس میں اشارہ ہے کہ متن میں کافر اور مملوک کا ذکر احتراز کے لئے نہیں بلکہ اتفاقی ہے کیونکہ ہر غیر محصن مثلاً کافر مملوک، مجنون، صبی، اور زنا سے غیر عفیف پر بھی یہی حکم ہے ۱۲

۳؎ قولہ بل توجب التعزیر الخ جس کی غایت مقدار حد سے کم یعنی انتالیس کوڑے تک پہنچ سکتی ہے مثلاً کسی اجنبیہ کے ساتھ جماع کے علاوہ تمام ناجائز حرکتوں کا مرتکب ہوا یا چور کو سامان جمع کر لینے کے بعد سے کر نکل جانے سے پہلے پکڑ لیا گیا۔ اور ان تینوں مواقع کے علاوہ انتہائی تعزیر نہیں لگائی جائے گی (بحر) اور درّ میں ہے کہ بعض کا قول یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ پر تعزیر ہے اور اسے اس قدر مارا جائے کہ اس سے خون بہ نکلے اور خانیہ میں ہے کہ جس نے کسی لڑکے سے وطی کی اس پر شدید ترین تعزیر کرنی چاہیئے ۱۲

۴؎ قولہ الی فعل اختیاری الخ۔ یعنی ایسا فعل جو اپنے اختیار سے صادر ہو، مثلاً کہے "انت خائن" یعنی اپنے پاس رکھی ہوئی امانتوں میں خیانت کرتا ہو، یا کہے "انت اباحی" یعنی جو تمام افعال کو مباح جانتا ہو۔ یا کہے "انت عوانی" یعنی حکام کے پاس لگا بجھا کر لوگوں پر ظلم کرنے والا ہے یا کہے "انت منافق" اور اس کی دو قسمیں ہیں ۱۔ اعتقادی جو زبان سے ایمان ظاہر کرے اور دل میں کفر چھپائے۔ ۲۔ عملی جو منافقین جیسا عمل کرے مثلاً ترک جماعت، جھگڑے کے وقت گالی گلوچ، وعدہ خلافی، جھوٹ کی عادت وغیرہ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے یا کہے تو رافضی ہے، خارجی ہے تو بدعتی ہے تو وہابی ہے یہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی طرف منسوب ہے یا کہے تو یہودی ہے تو نصرانی ہے تو کافر ہے تو جادوگر ہے تو جوا باز ہے (باقی صفحہ آئندہ پر)

وانما قلنا الى فعل اختيارىّ احترازًا عن الامور الخلقية فلا تعزير فى يا حمار لانّ معناه الحقيقى غير مراد بل معناه المجازى كالبليد مثلًا وهو امرٌ خلقىٌّ وكذا القرد يراد به قبيح الصورة والكلب يراد به سيّئ الخلق الّا ان يقال لانسانٍ شريف النفس كعالم او علوىّ او رجل صالح فانهم اهل الاكرام فيعزّر باهانتهم بخلاف الارذال اذ يتفوّهون بامثال هذه الكلمات كثيرًا ولا يبالون من ان يقال لهم وانما قلنا يحرّم فى الشرع احترازًا عن افعال اختيارية لا تحرم فى الشرع مع انّه يعد عارًا فى العرف كالحجّام ونحوه يراد به دنىّ الهمّة وكذلك يقال بالفارسية يا ناكس ان قيل للاشراف عزّر ولغيرهم لا۔

(حواشی بین السطور: بيان لفوائد القيود ۱۲ عمده — ليس للعبد فيه اختيار — اى من هو فى خلقه وهو بالفتح فى طبعه عادة سيئة ۱۲ — لما تقدم ۱۲ عمده — اى البالغ — اى الاختيارية — اى تطلق عليهم هذه الالفاظ ۱۲ عمده)

ترجمہ:۔ اور فعل اختیاری کی قید اس لئے لگائی کہ اس سے پیدائشی امور کی نسبت خارج ہو جائے، مثلاً کسی نے اے گدھے، کہکر گالی دی تو اس پر تعزیر نہ ہوگی کیونکہ ظاہر ہے کہ اس سے معنی حقیقی مراد نہیں بلکہ معنی مجازی مراد ہے یعنی بے وقوف اور کند ذہن وغیرہ جو کہ پیدائشی صفت ہے اور ایسا ہی حکم ہے اگر کسی کو کہا "اے بندر" جس سے بدصورتی مراد ہوتی ہے یا کہا اے کتے جس سے بداخلاق مراد ہوتی ہے۔ ہاں اگر کسی شریف آدمی مثلاً عالم دین، یا سید یا نیک آدمی کو ایسی گالی دے تو تعزیر واجب ہوگی کیونکہ یہ حضرات تعظیم واحترام کے مستحق ہیں اس لئے ان کی اہانت موجب تعزیر ہوگی، بخلاف ادنیٰ لوگوں کے کہ ان میں تو اس قسم کی باتیں بکثرت چلتی رہتی ہیں اور انھیں اس طرح کسی کے کہنے کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اور شرعاً حرام ہونے کی قید اسلئے لگائی کہ ایسے افعال اختیاریہ خارج ہو جائیں جو کہ شرعاً حرام نہیں اگرچہ عرف میں انہیں موجب عار سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً حجام وغیرہ جن سے پست ہمتی اور احساس کمتری مراد لی جاتی ہے، اسی طرح فارسی کے "اے ناکس" کا لفظ ہے۔ ایسے الفاظ سے اگر شرفاء کو گالی دی جائے تو تعزیر ہوگی اور دوسروں کو کہنے سے تعزیر نہ ہوگی۔

تشریح:۔ (بقیہ صگذشتہ) لوگانڈو ہے وغیرہ افعال اختیاری محرمہ جیسا کہ شارحین ہدایہ اور اصحاب فتاویٰ نے تصریح کی ہے۔ ۱۲ عمدہ۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ یا حمار الخ ایسے ہی اگر کہا "اے بیل" یا "اے گائے" یا "اے سانپ" وغیرہ کیونکہ ان الفاظ میں اس کا جھوٹا ہونا ظاہر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جن گالیوں میں گالی کا طعن خود گالی دینے والے کی طرف پلٹ آئے ان میں تعزیر نہیں ہے اور جن کا طعن گالی دئے ہوئے شخص کی طرف آئے ان میں تعزیر لازم ہوگی (بحر) اور اس سے معلوم ہوا کہ اگر یا حمار وغیرہ سے حقیقی معنی اس کی مراد ہو تو بھی تعزیر لازم نہ ہوگی کیونکہ اس ارادہ میں اس کا کذب بالکل ظاہر ہے اسلئے اس کا طعن گالی دینے والے کی طرف پلٹ جائے گا۔ مسبوب کی طرف نہیں آئے گا ۱۲

سلہ قولہ باہانتہم الخ۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ علماء کی اہانت اور دوسرے اہل کرام کی اہانت سے کفر لازم نہیں۔ اور بعض فتاویٰ میں مذکور ہے کہ علماء کی توہین کرنا کفر ہے لیکن یہ حکم اس پر محمول ہے جب کہ اس کے علم دین کی حیثیت سے اس کی توہین کرے ۱۲

الاتری ان السّوقیۃ لایبالون بافعال فیہا الخِسّۃُ والدّنَاءۃُ انما قلنا یعدّ عارًا فی العرف احترازًا عن افعال اختیاریۃ تحرم شرعًا ولا یُعدّ عارًا فی العرف کلعب[1] النرد والغناء واعمال الدّیوان فی زماننا[2] ثم کیفیۃ التعزیر وکمیتہ بفوّضان[3] الی رائی الامام فیراعی عظم الجنایۃ وصِغَرَہَا وحال القائل والمقول فیہ۔

ترجمہ :۔ کیونکہ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ بازاری قسم کے لوگ خست اور دنائت کی باتوں کا کوئی پروا نہیں کرتے، اور عرف میں ننگ و ذلت سمجھے جانے کی قید اس لئے لگائی تاکہ ایسے افعال اختیاریہ خارج ہو جائیں جو شرعاً حرام ہیں مگر عرف میں وہ باعث عار شمار نہیں ہوتے مثلاً شطرنج بازی، گانا باجا اور موجودہ زمانہ کی دفتری ملازمت۔ اور تعزیر کی کیفیت اور مقدار کی تعیین حاکم کی رائے پر سپرد ہے، جرم کے چھوٹے بڑے ہونے اور گالی دینے والے اور جسکو گالی دی گئی ان کی حیثیتوں کا لحاظ کر کے وہ اپنی صوابدید سے تعزیر کی نوعیت اور مقدار کا فیصلہ کرے گا۔

تشریح :۔ [1] قولہ کلعب النرد والغناء الخ نرد ایک قسم کا کھیل جسکو اردشیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا اور شطرنج کے مہرہ کو بھی کہتے ہیں، نرد اور شطرنج کی مذمت اور ممانعت کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہیں جنہیں عبدالعظیم منذری نے ترغیب و ترہیب میں اور ابن حجر مکی نے الزواجر عن اقتراف الکبائر میں جمع کیا ہے اور اکثر علماء ان کے حرام ہونے کے قائل ہیں جن میں فقہاء احناف بھی ہیں۔ البتہ شوافع کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے ساتھ جوابازی نہ ہو اور ان کی مشغولیت سے نماز ضائع نہ ہو اور گالی گلوچ نہ ہو تو حلال ہیں علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیوٰۃ الحیوان میں نرد و شطرنج کے حکم اور ان کے واضعین کی تفصیل کی ہے۔ من شاء فلیراجع ثم عند ذکر العقرب اور الغناء (بمعنی سرود) کو لعب النرد پر عطف کرنے سے مطلق غناء کی حرمت ظاہر ہوتی ہے جیساکہ بعض مشائخ کا مسلک ہے لیکن اس میں شدید اختلاف ہے بعضوں نے تو اس پر خوب سختی کی ہے اور بعضوں نے بڑی ڈھیل دی ہے اور حق یہ ہے کہ سرود مطلقاً حرام نہیں بلکہ دوسرے اسباب حرمت مثلاً مزامیر وغیرہ پر مشتمل ہو تو حرام ہے اور اگر جمیع اسباب حرمت سے خالی ہو تو جائز ہے تفصیل کے لئے مبسوطات کی طرف رجوع کیا جائے ۱۲

[2] قولہ فی زماننا الخ اس کی قید اس لئے لگائی کہ ہمارے زمانہ ہی میں ایسے اعمال ظلم، حق تلفی اور دوسرے مفسدہ اور امور محرمہ سے عموماً خالی نہیں ہوتے ورنہ سلف صالحین کے دور میں یہ اعمال نیک اور برائیوں سے پاک تھے ۱۲

[3] قولہ بفوضان الخ امام زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا ہے کہ تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں، امام کی رائے پر موقوف ہے جس قدر جرم کا تقاضا ہو اسی قدر سزا دے اس لئے کہ جرائم کے اختلاف سے سزاؤں میں بھی فرق ہو جاتا ہے تو کبیرہ گناہ میں تعزیر ہونی چاہئے۔ مثلاً کوئی اجنبیہ کے ساتھ سوائے جماع کے تمام محرمات کا مرتکب ہو یا چور گھر کا سامان جمع کر کے نکلنے سے پہلے گرفتار ہو جائے اسی طرح سزائیں دینے میں مرتکب جرائم کی حالت پر نظر رکھنی پڑتی ہے اس لئے کہ بعض لوگ معمولی سزا سے متنبہ ہو جاتے ہیں اور بعض زیادہ سزا کے بغیر نہیں ڈرتے ۱۲

كتاب السرقة

رُكنها الاخذُ خُفيةً ومحلها مالٌ محرزٌ مملوكٌ وهو شرط فان محلّ الفعل شرط للفعل لكونه خارجاً عنه محتاجاً اليه ونصابها قدر عشرة دراهم مضروبة اعلم ان المال المذكور مقدّر بالنصاب وهو مقدار عشرة دراهم مضروبة من فضة وعند الشافعيؒ ربع دينار ذهب وعند مالك ثلثة دراهم وحكمها القطع فان سرق مكلف حرٌّ او عبدٌ قدر النصاب محرزاً بلا شبهة احتراز عمّا يكون في الحرز شبهة كما اذا سرق من بيت ذي رَحِم محرم۔

چوری کا بیان

ترجمہ: چوری کا بیان۔ چوری کا رکن (اور اس کا لغوی مفہوم) یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر کسی چیز کو لے لینا۔ اور اس کا محل وہ مال ہے جو کسی کا مملوک اور محفوظ ہو اور چوری کے (تحقق کے) لئے یہی شرط ہے اس لئے کہ محل فعل شرط فعل ہوا کرتا ہے کیونکہ فعل (اپنے تحقق میں) اس کی طرف محتاج ہوتا ہے اور وہ اصل فعل سے خارج ہے۔ اور چوری کا نصاب سکہ دار دس درہم ہیں۔ واضح رہے کہ (شرعاً چوری کے تحقق کے لئے) جس مال محفوظ و مملوک کا ذکر کیا گیا ہے اس کے لئے ایک نصاب مقرر ہے اور وہ نصاب چاندی کے سکہ رائجہ کے دس درہم ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ربع دینار ذہبی (سونے کی اشرفی) نصاب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک نصاب سرقہ تین درہم ہیں۔ اور (چوری ثابت ہو جائے تو) اس کا حکم ہاتھ کاٹنا ہے، تو اگر مکلف (یعنی عاقل بالغ) نے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام قدر نصاب مال چرایا جو کہ محفوظ ہو بلا شبہ، یہ قید اس لئے ہے تاکہ وہ مال نکل جائے جس کی حفاظت میں شبہ ہو جیسے کسی نے ذی رحم محرم کے گھر سے چرایا (اور اس کی حفاظت ہو)

تشریح ۱؎ قولہ کتاب السرقۃ الخ۔ لغت میں سرقہ کے معنی چھپ کر دوسرے آدمی کی چیز لے لینا، اور شرع میں ایسے مقدر بہ مال کو مخفی طور پر لے لینا سرقہ ہے جو اجنبی کی حفاظت میں ہو اور اس میں شبہ نہ ہو اور مالک اس کی حفاظت کا اہتمام رکھتا ہو خواہ اس کے سونے کی حالت میں اٹھا لے یا اس کی غیر حاضری میں اور اگر موجود آدمی کا مال لے جو جاگتے ہوئے مال کی حفاظت کر رہا ہے تو اسے طرّ (چھیننا) کہا جاتا ہے اور ایسا کرنے والے کو "طرار" کہا جاتا ہے ۱۲ (کلیات ابو البقاء)

۲؎ قولہ قدر عشرۃ دراہم الخ اس میں اشارہ ہے کہ چاندی کے سکہ میں دس دراہم اور دوسری چیزوں میں بلحاظ قیمت اتنی مقدار معتبر ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "لا تقطع الید الا فی دینار او عشرۃ دراہم۔ اور امام طحاوی نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ "جس ڈھال کی چوری پر حضورؐ نے قطع ید کیا تھا اس کی قیمت دس درہم تھی" اس باب میں اور بھی متعدد حدیثیں ہیں جنہیں علامہ لکھنوی نے عمدۃ الرعایہ اور حاشیہ موطا محمد میں ذکر فرمایا ہے۔ نیز عمدۃ الرعایہ میں ان اشکالات کا بھی مفصلاً جواب دیا ہے جو اس استدلال پر وارد ہوتے ہیں۔ من شاء فلیراجع ثمہ ۱۲

۳؎ قولہ کما اذا سرق الخ چاہے ذی رحم محرم کا مال چرائے یا دوسرے کا مال اس کے گھر سے چرائے اس میں قطع نہیں ہے اس لئے کہ یہاں پوری حفاظت پائی جانے میں شبہ ہے اور شبہ مانع حد ہے، وجہ شبہ یہ ہے کہ ذی رحم محرم کے گھر میں تو داخل ہونے کی یوں ہی اجازت رہتی ہے خاص کر جبکہ باہمی ولادت کی قرابت ہو تو پھر اس سے کیا حفاظت ہوگی ۱۲

بمكان كبيت او صندوق او بحافظ كجالس في طريق او مسجد عنده ماله واقرّ بها مرّة هذا عند ابي حنيفة ومحمدؒ وعند ابي يوسفؒ لا بد ان يقرّ مرّتين قياسًا على الزنا فان كل اقرار بمنزلة شاهد واحد قلنا انما يشترط الاربعة في الزنا بالنص على خلاف القياس فما سواه بقي على الاصل وهو ان المرء يؤاخذ باقراره او شهد رجلان وسألهما الامام كيف هي وما هي ومتى هي واين هي وكم هي وممن سرق وبيّناها قطع يسأل عما هي لانه ربما يتوهم انه لا احتياج الى الخفية كما في السرقة الكبرى اي قطع الطريق وعن كيف كانت هذه السرقة ليعلم انه اخرج او ناول من هو خارج وعن متى كانت ليعلم انها متقادمة ام لا۔

ترجمہ:۔ بذریعہ مکان کے مثلاً گھر میں یا صندوق میں رکھا ہوا ہو یا بذریعہ محافظ کے مثلاً مال تو راستہ یا مسجد میں ہے اور صاحب مال اس کے پاس بغرض حفاظت بیٹھا ہوا ہو اور وہ چور خود چوری کا ایک بار ہی اقرار کرلے۔ اور یہ (ایک مرتبہ کا اقرار کافی ہونا) امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک (حکم سرقہ نافذ ہونے کے لئے) دو مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے وہ اس مسئلہ کو زنا پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ ہر اقرار ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حد زنا میں چار دفعہ اقرار کی شرط خلاف قیاس بذریعہ نص ثابت ہے اس لئے زنا کے علاوہ دیگر معاملات میں حکم اپنے اصل پر باقی رہے گا اور اصل ضابطہ یہ ہے کہ "المرء یؤاخذ باقرارہ" (انسان پر گرفت کیا جائے گا اس کے اقرار کی بنا پر) یا دو مرد اس کی چوری پر گواہی دیں اور امام ان سے پوچھ لے کہ سرقہ کیسا ہے اور کیا ہے اور کب ہوا اور کس جگہ ہوا اور کتنے مال کا ہوا اور کس کے مال کا ہوا اور وہ گواہ ان سب باتوں کو بیان کردیں تو اس چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔ چوری کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے ہونا چاہیئے کہ بسا اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چوری کے تحقق کے لئے چھپ کر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ سرقہ کبریٰ یعنی ڈاکہ ڈالنے میں۔ اور یہ سوال کہ چوری کس طرح ہوئی؟ اس لئے ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ چور نے از خود اس مال کو محفوظ جگہ سے نکالا یا نکال کر لے جانے والے کے حوالہ کیا۔ اور کب ہوا کا سوال اس لئے ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ چوری کا یہ واقعہ

تشریح:۔ ١؎ قولہ قلنا الخ یہ جواب ہے طرفین کی جانب سے امام ابو یوسفؒ کے قول کا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زنا میں بھی قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ ایک بار کا اقرار کافی ہو لیکن نص کے باعث چار بار اقرار کے شرط ہوئی جو کہ خلاف قیاس ہے اس لئے اس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

٢؎ قولہ او شہد رجلان الخ پچھلا جملہ "واقر بہا" پر اس کا عطف ہے اور دو آدمیوں کا ذکر کرکے اشارہ کیا کہ اس میں چار گواہ شرط نہیں چار کی شرطیت صرف زنا کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے تمام حقوق میں دو گواہ کافی ہیں۔ اور مرد کی تصریح کرکے اس طرف اشارہ کیا کہ حد سرقہ میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں، کتاب الشہادات میں اس کی تفصیل آئے گی۔ حاکم کی کتاب کافی وغیرہ میں مذکور ہے کہ اگر ایک مرد اور دو عورتیں چوری کے بارے میں گواہی دیں تو قطع ید کے حق میں یہ گواہی مقبول نہ ہوگی البتہ مال کی ادائیگی کے حق میں مقبول ہوگی ایسے ہی گواہی پر گواہی میں بھی قبول ہوگی ١٢

٣؎ قولہ لیعلم انہا الخ چنانچہ اگر سرقہ پرانا ہو تو حد جاری نہ ہوگی۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں تو تاخیر شہادت کی بنا پر گواہ کے اوپر تہمت عائد نہیں ہوتی اس لئے کہ مدعی کے دعویٰ کے بغیر یہاں شہادت قبول نہیں ہوتی لہذا تاخیر میں گواہ کا قصور نہیں بلکہ مدعی کا قصور ہے تو جس طرح اقرار کے ذریعہ ثبوت کی صورت میں زمانہ نہیں پوچھا جاتا ہے کہ پرانا ہونا صحت اقرار کا مانع نہیں۔ اسی طرح بینہ سے ثبوت کی صورت میں بھی زمانۂ چوری کے بارے میں سوال نہ ہونا چاہیئے۔ (باقی صد آئندہ پر)

وعن اين كانت اي في دار الاسلام او دار الحرب وكم هي ترجع الى السرقة والمراد

المسروق فيسأل عن الكمية ليعلم ان المسروق كان نصابًا ام لا وممن سرق

كان لا تقطع فيما دون النصاب ١٢ عده

ليعلم انه من ذي رحم محرم ام لا فان شارك جمع فيها واصاب كلًا اي كل واحد

فانه لا تقطع في السرقة من ذي رحم محرم

قدر نصاب قطعوا وان اخذ بعضهم اي مع ان الاخذ صدر من بعضهم فقط

وقطع بالساج والقنا والابنوس والصندل والفصوص الخضر والياقوت والزبرجد

واللؤلؤ والاناء والباب متخذين من خشب انما عدت هذه الاشياء لانها من

جنس الخشب و الحجر المباحين في الصحاري والجبال فيتوهم ان لا قطع فيها

بالفارسية جوب و بيزه ١٢ عده

لا بتافه يوجد مباحًا في دارنا.

ترجمہ:۔ اور جگہ کے بارے میں سوال تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ چوری دار الاسلام میں ہوئی یا دار الحرب میں، اور "کم ہی" کی ضمیر لفظ "سرقہ" کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد مال مسروق ہے۔ یعنی حاکم مال مسروق کی مقدار سے سوال کرے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ چوری کردہ مال قدر نصاب تھا یا نہیں، اور یہ سوال کہ کس شخص سے چرایا۔ اس لئے ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس کا مال چرایا وہ اس کا ذی رحم محرم ہے یا نہیں؟ اور اگر بہت لوگوں نے مل کر مال چرایا اور پہونچا سب کو، یعنی ہر ایک کو بقدر نصاب تو سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگرچہ ان میں سے بعض مال اٹھانے والے ہوں یعنی اگرچہ ان میں سے صرف بعضوں ہی سے مال اٹھانے کا فعل پایا گیا ہو۔ اور ہاتھ کاٹا جائیگا اگرچہ انہے ساگوان کی لکڑی یا نیزے کی چھڑیا، یا آبنوس کی لکڑی، یا صندل، یا سبز نگینہ، یا یاقوت، یا زبرجد، یا موتی، یا ظرف، یا دروازے جو لکڑی کے بنے ہوئے ہوں، ان اشیاء کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ چیزیں جنس لکڑی یا پتھر سے ہیں جو پہاڑ اور جنگل میں مباح ہیں۔ تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ان میں قطع ید نہیں۔ اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا حقیر شئی کے چرانے میں جو ہمارے دیار میں مباح ہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اس کا جواب یہ دیا گیا کہ دعویٰ مال لازم ہونے کی شرط ہے قطع کی شرط نہیں اس لئے پڑا ہونا قطع ید کا مانع ہوگا۔ ثبوت مال کا مانع نہ ہوگا ١٢ نہایہ

(حاشیہ صد ہذا) ؎ قولہ قدر نصاب الخ جوہرۂ نیرہ میں ہے کہ اگر نصاب سے کم مال حصہ میں آیا تو قطع نہ ہوگا بلکہ جس قدر حصہ میں آیا اس کا ضامن ہوگا، اور اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ چند آدمی مل کر ایک کو قتل کرنے سے قصاص میں سب کو قتل کیا جاتا ہے اگرچہ ہر ایک سے کامل قتل نہیں پایا گیا۔ اس پر قیاس کا تقاضا ہے کہ چوری میں شرکت ہونے سے سب کا ہاتھ کاٹا جائے خواہ ہر ایک کو بقدر نصاب نہ ملا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قصاص کا تعلق جان لینے سے ہے اور جان لینے میں تجزی نہیں ہو سکتی اس لئے ہر ایک کی طرف جان لینے کی نسبت ہوگی کمل طور پر بخلاف سرقہ کے کہ اس کا تعلق مال سے ہے اور مال میں تجزیہ ہوا کرتا ہے۔

؎ قولہ لا بتافہ الخ یعنی کسی حقیر شئی کی چوری پر قطع نہ ہوگا، تافہ دراصل فاعل کے وزن پر ہے، یعنی حقیر اور اس سے مراد وہ چیز ہے۔ جو دار الاسلام میں مباح الاصل ہو اور اسے قیمتی بنانے کے لئے کوئی کاری گری نہ کی گئی ہو اور نہ اس کی طرف عام رغبت ہو لیکن کاری گری کے بعد چوری ہونے سے قطع ہوگا۔ مثلاً لکڑی سے بنائے ہوئے برتن یا دروازہ کی چوری ہے۔ ایسی رغبت و تنافس کی چیز جیسے کان سے نکلے ہوئے سونے، چاندی، یاقوت، موتی وغیرہ جواہرات کی چوری میں قطع ہے ١٢ (حاشیہ ہدایہ)

کخشب وحشیش وقصب وسمك وصید وزرنیخ ومُغرۃ ونُورۃ ولا بما یفسد

سریعًا کلبن ولحم وفاکھۃٍ رطبۃٍ وثمرٍ علی شجر وبطیخ ھٰذا عند ابی حنیفۃ

ومحمدٌ واما عند ابی یوسفؒ یقطع فی کل شئ الا فی الطین والتراب والسرقین

وعند الشافعیؒ لا یمنع القطعَ کونُ الشئِ مباح الاصل کالحطب ولا کونُه رطبًا

کالفواکہ ولا کونہ متعرضًا للفساد کالمرقۃ ولنا قول عائشۃؓ کانت الید لا

تقطع فی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الشئ التافہ ای الحقیر

وقولہٗ لا قطع فی الطیر وقولہٗ لا قطع فی ثمر ولا شجر وزرعٍ لم یحصد لعدم

الحرز ولا فی اشربۃ مطربۃ وآلات لہوٍ وصلیبٍ من ذہب او فضۃ وشطرنج

ونرد لانہ یقول اخذتہ للاراقۃ والکسر وباب مسجد لعدم الاحراز خلافًا للشافعیؒ

ترجمہ:- مثلاً لکڑی اور گھانس اور بانس اور مچھلی اور شکار اور ہڑتال اور گیرو، اور چونا وغیرہ چرانے میں) اور نہ اس شئ کے چرانے میں جو جلدی بگڑجاتی ہے۔ مثلاً دودھ اور گوشت اور تر میووں میں اور کھجور میں جو درخت پر ہو اور خربوزے میں یہ طرفین کا مذہب ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بجز گارے، مٹی اور گوبر کے ہر شئ میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک قطع ید میں مانع نہ ہوگا شئ کا مباح الاصل ہونا مثلاً لکڑی اور نہ اس کا تر ہونا جیسے میوے اور نہ اس کا سریع الفساد ہونا جیسے سالن اور ہماری دلیل (۱) حضرت عائشہؓ کی روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا حقیر شئ کی چوری پر اور (۲) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرند میں قطع نہیں ہے اور (۳) فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع نہیں ہے پھل میں اور درخت میں اور قطع نہیں ہے اس کھیتی کی چوری میں جو کٹی نہ ہو۔ اس واسطے کہ وہ محفوظ نہیں ہے، اور نشہ لانے والی شرابات میں اور الات لہو میں اور صلیب میں خواہ سونے کی ہو یا چاندی کی اور شطرنج میں اور چوسر میں، اس لئے کہ ان چیزوں کا چوری کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ میں نے یہ اشیاء گرانے اور توڑ ڈالنے کے لئے لی ہیں اور قطع نہیں ہے مسجد کے دروازہ کی چوری میں ہمارے نزدیک اس لئے کہ یہ بھی مال محفوظ نہیں ہے، بخلاف امام شافعیؒ کے (ان کے نزدیک ان میں قطع ہے)

تشریح:- ۱؎ قولہ وثمر علی شجر الخ۔ اس لئے کہ اس میں حرز نہیں پایا جاتا اگرچہ درخت حرز (حفاظت) میں ہے اکثر نسخوں میں یہاں یہ لفظ تاء کے ساتھ ہے یعنی تمر اور بعض نسخوں میں ثاء مثلثہ کے ساتھ ثمر ہے اور ثمر ہونا ہی اولیٰ ہے تاکہ ہر قسم کے پھل شامل ہو جائیں ۱۲

۲؎ قولہ وآلات لہو الخ یعنی من آلات کو کھیل کود اور گانے بجانے کی مجلسوں میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ڈھول طنبورہ وغیرہ چاہے فوجیوں کا ڈھول ہو، اس لئے کہ اسے بھی لہو لعب کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اس لئے شبہ پیدا ہوگیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آلات لہو صاحبینؒ کے نزدیک متقوم نہیں چنانچہ انہیں تلف کرنے پر ضمان لازم نہیں ہوتی، اور امام صاحب کے نزدیک اگرچہ تلف کرنے والے پر ضمان لازم ہوتی ہے لیکن اسے اٹھالے جانے میں نہی عن المنکر کا شبہ ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے ۱۲ فتح

ومصحفٍ لانه يقول اخذته للقراءة خلافاً لابي يوسفؒ والشافعيؒ وصبيٍّ حرٍّ لانه ليس بمالٍ ولو محليين يرجع الى المصحف والصبي فان الحلية تبع وعند ابي يوسفؒ ان بلغت الحلية النصاب يقطع وعبدٍ ودفترٍ الا الصغير ودفتر الحساب لان اخذ العبد الكبير يكون غصباً او خداعاً لا سرقة

(بالفتح بالفارسية فريب ۱۲ عده)

والمقصود من الدفتر ما فيه وهو ليس بمالٍ وايضاً يسرق لما فيه وهو ليس بمالٍ واما دفتر الحساب فالمقصود منه المال وهو لا يسرق لفائدة غير مالية ولا في كلبٍ وفهدٍ وخيانةٍ وخلسٍ ونهبٍ ونبشٍ ومال عامةٍ كمال بيت المال ومالٍ له فيه شركة ومثل حقه حالاً او مؤجلاً اي كان له على اخر دراهم سواءً كانت حالة او مؤجلة فسرق مثلها۔

(اسم مفعول من التاجيل ۱۲ عده)

ترجمہ۔ اور نہ مصحف کی چوری میں اس لئے کہ چور یوں کہہ سکتا ہے کہ میں نے قرآن شریف تلاوت کی غرض سے اٹھایا ہے، بخلاف امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک اس میں بھی قطع ید ہے، اور نہ آزاد لڑکے کے چرانے میں، کیونکہ وہ مال نہیں، اگرچہ وہ دونوں سونے یا چاندی سے مزین ہوں۔ دونوں سے مراد مصحف اور صبی ہے اس لئے کہ زیور کی زینت اصل کی تابع ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر زیور کی مقدار نصاب تک پہونچ جائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور نہ غلام کے یا رجسٹر کے چرانے میں مگر جبکہ غلام نابالغ ہو یا حساب کا رجسٹر ہو (تو ہاتھ کاٹا جائے گا) وجہ اس کی یہ ہے کہ بالغ غلام کو لے جانا غصب یا فریب میں داخل ہے چوری نہیں، اور مقصود رجسٹر سے وہ باتیں ہیں جن پر یہ رجسٹر مشتمل ہے اور وہ باتیں مال نہیں ہیں نیز رجسٹر چوری کرنے کا منشا بھی اس کے مضمونات کو لے جانا ہے جو کہ مال نہیں ہیں لیکن حساب کے رجسٹر کا مقصد مال کا تحفظ ہے اور وہ مال فائدہ ہی کے لئے چرایا جاتا ہے (اس لئے اس پر قطع ید ہے) اور قطع نہیں ہے کتے یا چیتے کی چوری میں اور امانت میں خیانت کرنے سے اور اچک لے جانے سے اور لوٹ لینے سے اور کفن چرا لینے سے اور عامۃ الناس کے مال چرانے سے جیسے کہ بیت المال سے چرالیا اور اس مال کے چرالینے سے جس میں اس کی شرکت ہے یا اپنے حق کی جنس میں سے چرانے سے چاہے اس کا یہ حق موجل ہو یا معجل ہو۔ یعنی اس کا کسی پر کچھ روپے ہو خواہ فوری واجب الادا ہوں یا ابھی میعاد ادائیگی میں دیر ہو اور اس نے اپنے حق کے مانند مال اس سے چرالیا۔

تشریح:۔ ؎۱ قولہ ولا فی کلب ولا فہد الخ یعنی کتا اور چیتا چوری کیا جو کہ کسی کے مملوک تھے تو قطع کا حکم نہ ہوگا، اس لئے کہ دار الاسلام میں ان حیوانات کی جنس مباح پائی جاتی ہے تو یہ حقیر اشیاء میں داخل ہیں نیز کتے کی مالیت میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ، احمدؒ اور مالکؒ کے نزدیک ایک روایت میں اس کی مالیت نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس کی فروخت جائز نہیں رکھی اور امام ابو حنیفہؒ، صاحبین اور ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک اس کتے کی خرید و فروخت جائز ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ جو کہ مالیت کی دلیل ہے، لیکن اس اختلاف سے اس کی مالیت میں شبہ پڑ گیا اس لئے حد ساقط ہو گئی ۱۲، بنایہ

؎۲ قولہ ونبش الخ یعنی دفن کرنے کے بعد میت کا کفن چرانا امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک اس میں قطع نہیں چاہے دفن مقفل گھر میں ہو یا کھلے میدان میں اور خواہ قبر کھود کر صرف کفن چرائے یا درمی اور کوئی چیز، اس کی وجہ یہ ہے کہ حفاظت نہ ہونے کی بنا پر کفن چوری سرقہ نہیں ہے کیونکہ مردہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اور قبر مقام محفوظ نہیں ہے اور اس لئے کہ ملک میں بھی شبہ ہے کیونکہ میت کو تو حقیقۃً ملک نہیں ہوتی اور وارثوں کو بھی ملکیت نہیں کیونکہ تجہیز و تکفین کی ضرورت پوری کرنی وارثین کے حق پر مقدم ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ، لیس علی النباش قطع ۱۲، حواشی ہدایہ (باقی ص ۲ ضمیمہ پر)

ولو بمزید لانہ بمقدار حقہ یصیر شریکاً فیہ وما قطع فیہ وہو بحالہ ای لا یقطع بسرقۃ شیٔ قطع فیہ مرۃ ثم وصل الی مالکہ ثم سرقہ والحال انہ لم یتغیر عن حالہ وہذا عندنا واما عند ابی یوسف والشافعی یقطع لقولہ فان عاد فاقطعوہ ولنا ان عصمۃ المسروق قد سقطت علی ما یاتی فی مسألۃ القطع مع الضمان ثم اذا عاد المسروق الی مالکہ فالعصمۃ وان عادت فشبہۃ سقوطہا اسقطت القطع وقولہ فان عاد ای الی السرقۃ لا الی المسروق لئلا یعارض دلیل سقوط العصمۃ علا انہ مطعون طعنہ الطحاوی۔

ترجمہ:۔ اگرچہ زیادہ لے لیا ہو اس لئے کہ بقدر اپنے حق کے وہ اس مال میں شریک ہو جائے گا (اور شرکت کے مال کی چوری میں قطع نہیں) اور ایسے مال کے چرانے میں جس میں پہلے اس کا ہاتھ کٹ چکا ہو اور وہ مال بحالہ موجود ہو، یعنی قطع نہیں ہے ایسی چیز چرانے میں جس کی چوری پر ایک دفعہ اس کا ہاتھ کٹ چکا ہو پھر وہ چیز کو واپس مل گئی اب اس نے دوبارہ وہی چیز چوری کی بشرطیکہ وہ چیز بدستور رہو اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو۔ ایسی صورت میں ہاتھ کا نہ کاٹا جانا ہمارا مذہب ہے لیکن امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چور اگر دوبارہ چوری کرے تو پھر اس کا ہاتھ کاٹو۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مال مسروقہ کی عصمت ساقط ہو چکی جس کی تفصیل "قطع مع الضمان" کے مسئلہ میں آئیگی اب جب مال مسروق دوبارہ مالک کے قبضہ میں واپس آگیا تو اگرچہ اس مال کی عصمت بھی لوٹ آئی لیکن سقوط عصمت کا شبہ باقی ہے جو قطع ید کو ساقط کر دے گا اور حضور علیہ السلام کا فرمان مذکور کہ اگر وہ دوبارہ لوٹے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چوری کی حرکت دوبارہ کرے نہ یہ کہ وہی مال مسروق دوبارہ چرائے، یہ توجیہ اس لئے اختیار کی جائے گی تاکہ سقوط عصمت کی دلیل سے تعارض نہ رہے۔ علاوہ ازیں خود یہ حدیث مطعون ہے امام طحاوی نے اس پر طعن کیا ہے (اس لئے یہ قابل استدلال نہیں)

تشریح (بقیہ گذشتہ) اور وارثوں کو بھی ملکیت نہیں کیونکہ تجہیز و تکفین کی ضرورت پوری کرنی وارثین کے حق پر مقدم ہے حضرت ابن عباس کے قول سے ان کی تائید ہوتی ہے کہ "لیس علی النباش قطع" ۱۲ حواشی ہدایہ۔

تشریح:۔ [۱] قولہ ولو بمزید الخ بیان واو وصلیہ ہے یعنی اگرچہ حق سے زائد کا سرقہ ہو اس لئے کہ اپنی مقدار حق کے مطابق وہ اس میں حصہ دار بن گیا ایسا ہی حکم ہے اگر اس نے اپنے حق سے اعلیٰ کا سرقہ کیا، یہ تب ہے جبکہ اپنے قرضدار سے چوری کرے لیکن اگر اس نے اپنے باپ یا لڑکے کے قرضدار سے چوری کیا تو قطع ید ہوگا ۱۲۔

[۲] قولہ بحالہ الخ یعنی اگر اس میں تغیر آ گیا پھر چوری کی تو دوبارہ قطع ہوگا (مجتبیٰ) اور اگر وہ مال بذات خود نہیں بدلا بلکہ اس کے سبب میں تغیر آیا مثلاً مالک نے چور کے پاس بیچا پھر اس نے دوبارہ خریدا اس کے بعد اس چور نے دوبارہ چرایا تو مشائخ بخارا کے نزدیک دوبارہ قطع ہوگا اور مشائخ عراق فرماتے ہیں کہ قطع نہ ہوگا ۱۲

[۳] قولہ قد سقطت الخ۔ یعنی سرقہ کے وقت عصمت ختم ہو جاتی ہے البتہ ابن مالک نے شرح منار میں فرمایا کہ سرقہ منعقد ہونے کی حالت میں عصمت منتقل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ لیکن یہ بات ثابت ہوتی ہے جب اس کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ اللہ کا حق پوری طرح ثابت ہوتا ہے استیفاء حق کے ذریعہ اب جبکہ اس کا ہاتھ کٹ گیا تو معلوم ہو گیا کہ حق اللہ کی وجہ سے حرمت تھی اس لئے ضمان نہیں آئے گا، اور مبسوط میں ہے کہ ضمان ساقط ہونے کا حکم قضاء قاضی کے رو سے ہے لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ ضمان کا فتویٰ دیا جائے گا اور اگر ہاتھ نہ کاٹا گیا تو ظاہر ہو گیا کہ یہ بندے کا حق تھا۔ اس لئے اس صورت میں ضمان لازم آئے گی ۱۲

فان تغیر فسرق فقطع ثانیاً کغزلٍ قطع فیہ فنسج فسرق ولا ان سرق من ذی رحمٍ محرم منہ سواء کان المال مالہ او مال اجنبی للشبھۃ فی الحرز بخلاف مالہ من بیت غیرہ فانہ اذا سرق مالَ ذی رحم محرم من بیت اجنبیٍ یقطع لوجود الحرز و مالِ مرضعتہ سواء سرق من بیتھا او من بیت غیرھا فانہ یقطع خلافاً لابی یوسف لان الرضاع قلما یشتھر فلا انبساط ولا یکفی الاذن بالدخول شرعاً فانہ متحقق فی الاخت رضاعاً مع انہ یقطع ولا من زوجٍ وعرسٍ ولو من حرزٍ خاص لہ انما قال ھذا لان فیہ خلاف الشافعیؒ۔

ترجمہ:۔ اور اگر وہ مال بدل گیا ہو اور اس کے بعد چرائے تو دوبارہ ہاتھ کاٹا جائے گا، مثلاً پہلے سوت چرایا تھا اور اس میں ہاتھ کاٹا گیا، پھر وہ بنا گیا جس کے بعد اس نے اسے چرایا تو پھر ہاتھ کاٹا جائے گا) اور جو شخص کہ اپنے قریب محرم کے پاس سے مال چرائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ برابر ہے کہ اسی کا مال ہو یا غیر کا لیکن اس کے پاس رکھا ہو اس لئے کہ اس کے حرز و حفاظت میں شبہ ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ اپنے قریب محرم کا مال اجنبی کے گھر سے چرائے یعنی جب ذی رحم محرم کا مال اجنبی کے گھر سے چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اس لئے کہ یہاں پوری حرز و حفظ موجود ہے یا اپنی رضاعی ماں کا مال چرائے، خواہ اس کے گھر سے یا دوسرے کسی کے گھر سے بہر حال ہاتھ کاٹا جائے گا بخلاف امام ابو یوسف رح کے کہ ان کے نزدیک قطع ید نہیں، ہماری دلیل یہ ہے) کیونکہ رضاع کا رشتہ عموماً کم معلوم ہوتا ہے اس لئے باہمی آمد و رفت کی بے تکلفی نہیں ہوتی اور شرعاً صرف دخول دار کی اجازت دفع قطع کے لئے کافی نہیں اس لئے کہ دودھ بہن کے گھر میں جانا بھی تو جائز ہے حالانکہ اس کے مال کی چوری میں بالاتفاق قطع ہے۔ اور ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اگر چرائے شوہر اپنی منکوحہ کا مال یا منکوحہ اپنے شوہر کا مال اگرچہ ان کا مال الگ جگہ محفوظ ہو۔ یہ قید اس لئے بڑھائی گئی کہ حفظ خاص سے چرانے کی صورت میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔

تشریح۔ لہ قولہ کغزلٍ الخ۔ یعنی اس نے کتا ہوا سوت چرایا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر یہ سوت مالک کے پاس پہونچا اور اس نے اس کا کپڑا بن لیا پھر اسی چور نے یہ کپڑا چرایا تو دوبارہ اس پر قطع کا حکم نافذ ہوگا اس لئے کہ بنا ہوا کپڑا کتے ہوئے سوت سے بالکل مختلف چیز ہے پس یہ سرقہ سابق شئ کا سرقہ نہیں ہے اس لئے اس میں ایسا شبہ نہیں ہے جو کہ سقوط حد کا موجب ہو سکے ۱۲

سہ قولہ سواء کان الخ اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ ذی رحم محرم سے سرقہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز کا چرانا جو اس کے پاس ہے اور اس کے گھر میں ہے خود اس کا مال ہونا ضروری نہیں چنانچہ اگر اس نے ذی رحم محرم کے گھر سے غیر کا مال چرالیا تو بھی شبہ سقوط حد پائے جانے کی بنا پر قطع ید نہ ہوگا کیونکہ اس کے اور ذی رحم محرم کے ...... درمیان بے تکلفی اور حسب مرضی بلا اجازت اس کے گھر میں داخل ہونے کا حق ہونا مال کی پوری حفاظت میں مخل ہے امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا کہ اس پر قطع کس طرح نافذ ہو سکتا ہے جبکہ اس نے اپنے بھائی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ کا مال چرایا حالانکہ اگر وہ محتاج ہوتا یا معذور یا صغیر ہوتا تو اسے یوں ہی مال لینے کا حق ہے یا اگر وہ سب محتاج ہوں تو ان کے خرچہ کا وہ جبری طور پر ذمہ دار تھا تو گویا اس کے مال میں ان کا حصہ ہے اور ان کے مال میں اس کا حصہ ہے اب جس کے مال میں حصہ ہو اس کے سرقہ سے قطع کیسے ہو سکتا ہے ۱۲

ولا من سیدہ او عرسہ او زوج سیدتہ ولا من مکاتبہ و مضیفہ و مغنم و حمام وبیت اُذِنَ فی دخولہ فان[1] کان الاذن نهارًا فسرق لیلًا یقطع واعلم ان الحرز بالحافظ لا اعتبار لہ عند وجود الحرز بالمکان فاذا سُرِقَ فی الحمّام شیٔ ولہ حافظ فلا قطع لان الحمّام حرز وقد اختل بالاذن بالدخول ولا اعتبار بالحافظ فیہ فلا قطع بخلاف الحافظ فی المسجد فان المسجد لیس[2] بحرز فاعتبر الحافظ۔

ترجمہ:۔ اور قطع نہیں ہے اگر چرائے غلام اپنے مالک کا مال یا مالک کی زوجہ کا مال یا اپنے مالکہ کے خاوند کا مال یا اپنے مکاتب کا مال، یا مہمان چرائے میزبان کا مال یا چرایا غنیمت کے مال سے یا حمام سے یا ایسے گھر سے جس میں جانے کی عام اجازت ہو، تو اگر صرف دن کے وقت جانے آنے کی اجازت ہو اور رات کو چرائے تو ہاتھ کاٹا جائیگا واضح رہے کہ حرز بالمکان کے ہوتے ہوئے محافظ کے ذریعہ حفاظت کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے حمام میں اگر حفاظت کرنے والے کے ہوتے ہوئے کوئی چیز چرائی گئی تو بھی قطع ید نہ ہوگا کیونکہ حمام مکان حفاظت ہے لیکن داخلہ کی عام اجازت سے حفاظت میں کوتاہی آگئی اور یہاں محافظ کا اعتبار نہیں اس لئے قطع نہیں ہوگا بخلاف مسجد کے کہ وہ حفاظت کا مقام نہیں اس لئے محافظ کے ہونے کا اعتبار ہوگا۔

تشریح:۔ [1] قولہ فان کان الاذن الخ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عدم قطع کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ وقت اذن میں چوری کرے۔ مطلقا یہ حکم نہیں، اسی طرح ان کے لئے یہ حکم ہے جو اجازت یافتہ ہیں چنانچہ اگر اس نے ایک مخصوص جماعت کو ہی داخلہ کی اجازت دی پھر دوسرا کوئی ان کے ساتھ داخل ہوکر چوری کرے تو قطع کا حکم ہونا چاہیئے۔ کذا فی البحر ۱۲

[2] قولہ لیس بحرز الخ۔ اس لئے کہ مسجد اس غرض سے نہیں بنائی گئی ہے کہ اس میں مالوں کی حفاظت کی جائے بلکہ اس کی تعمیر اللہ کی یاد کرنے اور اللہ کی عبادت کرنے کے لئے ہوتی ہے بخلاف حمام کے کہ وہ حفاظت کا مقام ہے مگر اذن عام کی بنا پر حفاظت میں خلل پڑا ۱۲

اوسرق شيئاً ولم يخرجه عن الدار ودخل بيتاً وناول من هو خارج هذا عندنا

واما عند ابی يوسف والشافعیؒ ان اخرج يده وناول غيره فعليه القطع وان

ادخل الآخر يده وناوله فاخذ فعليه القطع وفی الذخيرة ان وضع فيما بين

الداخل والخارج فاخذه الآخر ففی رواية لايقطع وفی رواية يقطع يدهما اونقب

بيتاً فادخل يده فيه واخذ شيئاً هذا عندنا وعند ابی يوسفؒ يقطع كما فی

الصندوق قلنا ليس بهتك الحرز علی الكمال بخلاف الصندوق لان الممكن

ليس الا هذا اوطرّ صرّة خارجة من كمّ غيره۔

ترجمہ:۔ اور جو شخص کسی چیز کو چرائے مگر اس کو گھر سے باہر نہ لے جائے یا گھر میں داخل ہو کر اس شخص کو دیدے جو گھر سے باہر ہو تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا یہ ہمارا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اگر اس نے گھر کے باہر ہاتھ نکال کر دوسرے کے حوالہ کر دیا تو اس پر قطع ہے اور اگر دوسرے نے گھر کے اندر ہاتھ داخل کیا اور اندر والے نے اس کو دیدیا اور وہ لے کر چلتا بنا تو ہاتھ داخل کر کے لینے والے پر قطع ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر داخل ہونے والے نے مال مسروق کو جمع کر کے اپنے اور بیرونی شخص کی درمیانی جگہ میں رکھ دیا پھر بیرونی شخص نے اس کو لے لیا تو ایک روایت میں ہے کہ کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، اور اگر گھر میں سوراخ کر کے ہاتھ اندر دے کر کچھ لیلے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ یہ بھی ہمارا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائیگا جیسے صندوق کے اندر ہاتھ ڈال کر مال چرانے سے کاٹا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ گھر کے اندر داخل نہ ہو کر نقب سے ہاتھ ڈال کر لینے میں علی وجہ الکمال محفوظ مال میں تعدی نہیں پائی گئی۔ بخلاف صندوق کی صورت کے کہ یہاں تو ہاتھ ڈال کر نکالنے کے علاوہ اور کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ اور قطع نہیں ہے اگر کسی کے روپیہ کی تھیلی کاٹ لے جو اس کی آستین سے باہر تھی۔

تشریح:۔ سلہ قولہ او سرق الخ. خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی مکان میں داخل ہوا پھر اس نے کچھ چیز چرالی اور اسے گھر سے نہ نکالا تو اس پر قطع نہیں ہے ایسے ہی جب اسے خود نہ نکالے بلکہ دوسرے ایک شخص کو جو گھر سے باہر ہے یہ چیز پکڑا دے تو کسی پر قطع نہ ہو گا۔ باہر والے کا اس لئے قطع نہیں کہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور اندر والے کا اس لئے نہیں کہ اس نے اس مال کو باہر نہیں نکالا ہے اس لئے کسی سے بھی مکمل سرقہ نہیں پایا گیا ۱۲

سلہ قولہ وان ادخل الخ یعنی اگر اندر والے نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر بیرونی شخص کو حوالہ کیا تو داخل پر قطع ہو گا کیونکہ اس سے مال نکال کر لیجانا پایا گیا۔ اور اگر بیرونی شخص نے گھر کے اندر ہاتھ داخل کر کے اندر والے سے مال لیا تو خارج پر قطع ہو گا کہ مال نکال کر لیجانا اس سے پایا گیا۔ اور امام صاحب کی طرف سے جواب یہ ہے کہ جس نے نقب لگائی اور اندر داخل ہوا جب اس نے بیرونی آدمی کے حوالہ کر دیا تو اس سے مال نکالنا متحقق نہیں ہوا کیونکہ اس کے نکلنے سے پہلے مال مسروق پر دوسرے کا قبضہ معتبرہ ثابت ہو گیا۔ اور جس نے باہر رہ کر مال لیا ہے اس کی جانب سے مال محفوظ پر تعدی نہیں پائی گئی چاہے اس نے اندر ہاتھ داخل کیا ہو یا نہ کیا ہو اس لئے ان دونوں پر قطع کا حکم کس طرح لازم ہو سکتا ہے۔ ۱۲

سلہ قولہ قلنا الخ حاصل یہ کہ قطع اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ پوری طرح حفظ میں تعدی پائی جائے تاکہ عدم تعدی کا شبہ نہ رہے اور یہ بات اندر داخل ہو کر لینے ہی سے متحقق ہوتی ہے اور زیر بحث مسئلہ میں اس کا اعتبار ممکن ہے بلکہ یہی معتاد ہے بخلاف صندوق سے لینے کے کہ ہاتھ اندر داخل کر کے لینا ہی اس سے ممکن اور معتاد ہے اس کے اندر داخل ہو کر لینا نہ ممکن ہے اور نہ معتاد ہے اس لئے دونوں میں باہم فرق ہو گیا۔ ۱۲

هذا يشمل ما اذا كانت الصرة غير الكم او نفس الكم بأن جعل الدراهم فی الكم وربطها من خارج فبقی موضع الدراهم وهو شئ من الكم خارج ما فی الكم فاذا طرّ لا يجب القطع واعلم انه اذا كانت الصُّرة نفس الكم يأتی باربع صورٍ لانه اما ان جعل الدراهم فی داخل الكم والرباط من خارج او جعلها علی خارج الكم والرباط من داخلٍ وعلی التقديرين امّا ان طرّ او حلّ الرباط فان طرّ والرباط من خارج فلا قطع وهو ما مرّ قبل التقسيم وانّ طرّ والرّباط من داخل وذلك بان يُدخل يده فی الكم فيقطع موضع الدراهم فيخرج الدراهم مع الظرف فاخذ الدراهم من الكم فيُقطع للاخذ من الحرز وانّ حل الرباط وهو خارج قطع لانه اذا حل الرباط يبقی الدراهم فی الكمّ فلا بد من ان يدخل يده فی الكم فيأخذ الدراهم وان حل الرباط وهو داخل لا يقطع۔

ترجمہ:۔ یہ حکم شامل ہے دو صورتوں کو کہ (۱) جب تھیلی آستین کے علاوہ ہو یا (۲) آستین ہی کو تھیلی بنا ڈالے یعنی آستین کی پچھلی جانب میں دراہم رکھ کر باہر سے باندھ لے، اب دراہم کی جگہ جو آستین ہی کا حصہ ہے باہر سے باندھ لینے کی وجہ سے آستین سے جدا شمار ہوگی اور اس کو چیر کر روپیے لے لینے سے قطع نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ آستین ہی سے تھیلی کا کام لینے کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) دراہم آستین کے اندر سے رکھے جائیں اور باہر سے گرہ دیدیا جائے۔ (۲) یا دراہم آستین کے باہر سے رکھے جائیں اور اندر کی طرف گرہ دیدی جائے پھر ان دونوں صورتوں میں یا تو (۱) چور نے کاٹ کر لیا اور یا (۲) گرہ کھول کر چرایا۔ تو ۱۔ اگر تھیلی چیر کر لیا اور گرہ باہر کی جانب سے تھی تو اس پر قطع نہیں اور یہ وہی صورت ہے جو کہ اس تقسیم سے پہلے گذری ہے۔ ۲۔ اور اگر تھیلی کاٹ کر ہی لیا مگر گرہ اندر کی جانب تھی اور اس کی صورت یہ ہے کہ چور آستین کے اندر اپنا ہاتھ داخل کرے اور دراہم رکھے ہوئے جگہ کو کاٹ ڈالے جس سے پوٹلی سمیت دراہم نکل جائیں اس طرح وہ آستین سے دراہم نے لے اس صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے حرز کامل سے چرایا ہے۔ ۳۔ اور اگر اس نے گرہ کھول کر لیا ہو جبکہ گرہ باہر کی جانب سے تھی تو ہاتھ کاٹا جائے گا، کیونکہ جب اس نے بیرونی گرہ کھول لی تو دراہم آستین کے اندر محفوظ ہوں گے اب ان دراہم کو لینے کے لئے آستین کے اندر سے اس کے لئے ہاتھ داخل کرنا ضروری ہوگا۔ ۴۔ اور اگر گرہ اندرونی جانب تھی اور اس کو کھول کر اس نے دراہم لے لئے تو قطع نہ ہوگا۔

تشریح:۔ لہ قولہ او حل الخ۔ حا پر فتح اور لام پر تشدید کے ساتھ بمعنی کھولنا، خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں صورتیں یعنی جب دراہم آستین کے اندر کی طرف ہوں اور گرہ باہر سے یا تو جب کہ دراہم آستین کی بیرونی جانب ہوں اور گرہ اندر سے لگائے، دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو چور تھیلی کو چیر کاٹ کر دراہم لے لے اور یا گرہ کھول کر بغیر کاٹے لے جائے۔

لہ قولہ فلا قطع۔ الخ کیونکہ اس صورت میں جبکہ گرہ باہر کی جانب سے ہے تو کاٹنے کے بعد دراہم باہر ہی باہر سے لے لیگا۔ اور حرز توڑنا نہ ہوگا بخلاف اگلی صورت کے کہ گرہ جبکہ اندر کی طرف ہے تو شگاف لگا کر لینے سے حرز توڑنا لازم آئے گا۔ ۱۲ (باقی صفحہ آئندہ پر)

لانه ادخل يده في الكم فحل الرباط فيبقى الدراهم خارج الكم فاخذها من خارج وعند ابي يوسفؒ يقطع في الوجوه كلها لان الكم حرز وسرق جملا من قطار او حملا وقطع ان حفظه ربه[1] فان القائد والسائق والراكب لا يقصدون الا قطع المسافة دون الحفظ حتى لو كان هناك حافظ قطع سارق الجمل و الحمل او نام عليه[2] فان النوم على الحمل او نقرب منه حفظ له او شق[3] الحمل واخذ منه شيئًا.

(اى الجمل او الحمل ۱۲ عده) (اى حفظ الابل والحمل الذى عليه ۱۲ عده) (اى فيشقه بسكين عبر اسامنه ۱۲ عده)

ترجمہ:۔ کیونکہ اس صورت میں اس نے آستین کا اندر سے ہاتھ ڈال کر گرہ کھول دی اور دراہم آستین کے باہر رہ گئے اب اس نے باہر ہی سے غیر محفوظ حالت میں دراہم لے لئے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان سب صورتوں میں قطع ید ہے اس لئے کہ آستین ان کی رائے میں بہر صورت محفوظ مقام ہے۔ اسی طرح ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگر اونٹوں کی قطار میں سے ایک اونٹ یا اس کا بوجھ چرالے اور اگر اس کا مالک اس کی حفاظت کر رہا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ وجہ عدم قطع کی یہ ہے کہ اونٹوں کا راہبر اور ہنکا کر لیجانے والا اور سوار کا مقصد حفاظت نہیں بلکہ محض مسافت طے کرنا ہی منشا ہوتا ہے چنانچہ اگر وہاں مستقل کوئی محافظ ہوتو اونٹ یا بوجھ چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح ہاتھ کاٹا جائے گا اگر مالک بوجھ پر سو تا ہو اس لئے کہ بوجھ پر یا اس کے نزدیک سو جانا حفاظت ہی کے لئے ہوتا ہے اور اگر بوجھ چیر ڈالے اور اس سے سامان لے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) ؎ قولہ وان حل الخ. ہدایہ میں ہے کہ اگر کاٹنے کی بجائے گرہ کھول کر دراہم لے جائے تو دونوں صورتوں میں علت الٹ جانے کی وجہ سے حکم بھی برعکس ہوگا. چنانچہ بنایہ میں ہے کہ جب باہر کی طرف سے گرہ کھولے تو قطع ہوگا کیونکہ جب اس نے بیرونی گرہ کھول دی تو دراہم آستین کے اندر کی طرف رہ جائیں گے. اب وہ دراہم لینے کے لئے آستین کے اندر ہاتھ ڈالنے کا محتاج ہوگا اس لئے قطع ید ہوگا اور اگر گرہ اندر کی جانب تھی اور اُسے کھولدے تو قطع نہ ہوگا کیونکہ جب اس نے اندر ہاتھ ڈال کر گرہ کھول دی تو دراہم آستین کے باہر رہ گئے اس لئے حرز توڑنا نہیں پایا گیا، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی نقب لگا کر اپنا ہاتھ اندر داخل کرے اور کوئی چیز نکال لے جائے. ۱۲.

(حاشیہ صد ہذا) [1] قولہ فان القائد الخ. یہ ہاتھ نہ کاٹنے کی علت ہے جبکہ قطار میں سے اونٹ چرالے یا جانور پر لدا ہوا بوجھ چرالے اور اس شبہ کا جواب ہے کہ جب محافظ موجود ہے یعنی سوار یا راہبر یا ہنکا کر لے جانے والا تو پھر قطع کیوں نہ ہوگا؟ اور قائد و سائق کے درمیان فرق یہ ہے کہ قائد اسے کہتے ہیں جو لگام پکڑ کر جانور کو کھینچ لے جائے اور وہ جانور کے آگے آگے ہو اور سائق وہ ہے جو اُسے پیچھے سے چلائے۔
[2] قولہ او نام علیہ الخ اس میں اشارہ ہے کہ بوجھ کے اوپر سونا اس کی حفاظت کے لئے کافی ہے یہ ان مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں فقہاء نے بتایا ہے کہ سونے والے کا حکم ان میں جاگنے والے کے مانند ہے جن کی تفصیل الاشباہ والنظائر میں موجود ہے اور اس کی اصل وہ حدیث ہے جس میں بتایا گیا کہ حضرت صفوان بن امیہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ لی جسے ایک چور نے چرالیا پھر چور کو پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا آپ نے اس کے قطع ید کا حکم دیا۔ ۱۲ (موطا مالک، ابوداؤد، نسائی)
[3] قولہ او شق الخ یعنی بوجھ کو پھاڑ کر اس میں جو تھا وہ لے لیا اور اس صورت میں قطع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مال والے بستہ کی حفاظت پر اعتماد کرتے ہیں اس لئے پھاڑ کر لینے والا حفاظت توڑنے والا بن گیا۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ مال سمیت بستہ ہی اٹھالے جائے جیسا کہ خیمہ کے اندر سے کوئی چیز چرانے پر قطع ید ہے اور اگر خود خیمہ ہی چرالے تو قطع نہیں ہے ۱۲ بحر۔

فان الجوالق حرز او ادخل یدہ فی صندوق غیرہ او کمہ او جیبہ المراد ادخال الید فی الکم للاخذ لا لحل الرباط کما مر او اخرج من مقصورۃ دار فیہا مقاصیر الی صحنہا او سرق رب مقصورۃ من اخری فیہا ای فی دار موضعا کمدرسۃ اونحوھا فیہا حجرات یسکن فی کل منہا انسان لا تعلق لہ بالحجرۃ التی یسکن فیہا غیرہ لا کالدار التی صاحبہا واحد وہو بہا مشغولۃ بمتاعہ وخدامہ وبینہم انبساط او القی شیئا من حرز فی الطریق ثم اخذہ او حملہ علی حمار فساقہ واخرجہ من الحرز ہذا عندنا وعند الشافعیؒ یقطع سواء اخذہ او ترکہ فی الطریق وعند زفرؒ لا قطع فی الالقاء ولا فی الحمل فان الالقاء لیس باخراج کمناولۃ من ہو خارج وکما اذا القی ولم یاخذ۔

ترجمہ:۔ اس لئے کہ ٹاٹ وغیرہ کے تھیلوں میں ہونا اس کی حفاظت ہے اسی طرح اگر کسی کے صندوق یا آستین یا جیب میں ہاتھ ڈال کر مال چرالے تو ہاتھ کٹے گا۔ یہاں آستین میں ہاتھ داخل کرنے سے مراد یہ ہے کہ مال نکال لینے کے لئے ہاتھ ڈالا گرہ کھولنے کے لئے نہیں کیونکہ اس صورت میں قطع نہیں ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یا گھر کے حجروں میں سے کسی حجرہ سے نکال کر اس چیز کو صحن میں لائے، یا جو شخص کسی ایک حجرہ میں رہتا ہو اور وہ اسی گھر کے دوسرے حجرہ سے چرالے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس سے مراد مدرسہ وغیرہ کی طرح عمارت ہے جس میں متعدد حجرے ہوں اور ہر حجرہ میں رہنے والے انسان کو دوسرے حجرہ میں رہنے والے کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو ایسا گھر مراد نہیں جس کا مالک ایک ہی شخص ہو اور اس کے متعدد کمروں میں اس کے سامان اور ملازمین رہتے ہوں اور ان میں باہمی بے تکلفی ہو۔ یا کوئی چیز محفوظ جگہ سے نکال کر راستہ میں پھینک دے پھر اسے راستہ سے اٹھالے جائے یا کسی چیز کو گدھے پر لاد کر اسے ہانک دے اور محفوظ مقام سے باہر لے جائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا، یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا خواہ وہ مال راستہ سے اٹھالے جائے یا پڑا رہنے دے اور امام زفرؒ کے نزدیک پھینک دینے اور لاد کر لے جانے میں قطع نہیں ہے اس لئے کہ پھینک دینا نکال لے جانے کے حکم میں نہیں ہے جیسے اس شخص کو دیدینے سے جو کہ گھر کے باہر ہو یا مال راستہ میں پھینک دے اور نہ اٹھائے تو قطع نہیں ہوا۔

تشریح:۔ لہ قولہ فیہا الخ یعنی اگر ایک حجرہ سے چیز نکال کر صحن میں لے جائے یا دوسرے حجرہ میں لے جائے تو قطع ہوگا اس لئے کہ ہر حجرہ علیحدہ علیحدہ حرز ہے تو حرز سے نکالنا پایا گیا۔

لہ قولہ سواء اخذہ الخ۔ اس لئے کہ حرز سے نکالنے کا فعل پایا گیا اور ہم کہتے ہیں کہ جب وہ باہر نکلا اور اس مال کو نہ اٹھایا تو وہ اس مال کا ضائع کرنے والا ہوا، چوری کرنے والا نہیں ہوا۔ اور مال کو تلف اور ضائع کرنے والے پر قطع کا حکم نہیں آتا۔ جیسے کہ کوئی کسی کا مال لے کر سمندر میں پھینک دے یا کسی دوسرے طریق سے اسے تلف کر دے تو قطع نہیں ہوتا۔

لہ قولہ لا قطع فی الالقاء الخ القاء میں عدم قطع اس لئے ہے کہ القاء دراصل نکال لے جانے کے حکم میں نہیں ہے اس لئے اس صورت میں قطع نہیں ہے جبکہ راستہ میں پھینک دینے کے بعد چلا جائے۔ (باقی صد آئندہ پر)

قلنا اذا لم يطرأ عليه يدٌ حقيقةً كان في حكم يده فتم بالاخذ بعد الخروج من الدار بخلاف مسألتي المناولة وعدم الاخذ وفي مسألة الحمل وسير الدابة يضاف اليه۔

ترجمہ:۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک اس مال پر کسی اور کا حقیقۃً قبضہ نہیں ہوا وہ گویا اسی لینے والے کے ہاتھ میں سمجھا جائے گا۔ اب جب اس نے باہر نکل کر اس مال کو لے لیا تو اس کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ بخلاف دوسرے کے حوالہ کرنے یا اس مال کو راستہ سے نہ اٹھانے کے (کہ ان صورتوں میں قبضہ سرقہ مکمل نہیں ہوا) اور جانور پر لادنے اور اس کو لے چلنے کا فعل چور ہی کی طرف منسوب ہے (اس لئے قطع لازم ہوگا)

تشریح:۔ (بقیہ صدگذشتہ) اور مال نہ اٹھائے یا بیرونی آدمی کے ہاتھ میں دیدے جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے اور گدھے پر لادنے کی صورت میں قطع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مال کا نکالنا نہیں پایا گیا بلکہ چوپایہ اٹھا کر لے گیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا):۔ قولہ قلنا الخ یہ امام زفرؒ کے قول کا جواب ہے جو کہ امام شافعیؒ کا قول کہ جواب پر بھی مشتمل ہے، خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ اور دوسرے شخص کے حوالہ کرنے کے مسئلہ میں فرق ہے کہ حوالہ کرنے کی صورت میں دوسرے کا قبضہ آجانے کی وجہ سے اس کی طرف مال لے جانے کی نسبت باطل ہو گئی اس لئے قطع ید ساقط ہو جائے گا۔ بخلاف زیر بحث مسئلہ کے کہ اگرچہ اس نے راستہ میں پھینک دیا ہے مگر اس پر دوسرے کسی کا قبضہ طاری نہیں ہوا۔ اب جب اس نے اس کو اٹھا لیا تو اس سے فعل سرقہ مکمل ہو گیا اور اگر اس نے اسے چھوڑ دیا اور نہ اٹھایا، تو یہ ضائع کرنا ہوا چوری نہیں ہوئی، اور بوجھ لادنے کے مسئلہ میں چوپائے کا چلنا اسی کی طرف منسوب ہے اس لئے وہی لے جانے والا ہوا۔ ۱۲

یقطع یمین السارق من زندہ وتحسم ثم رجلہ الیسریٰ ان عاد فان عاد ثالثاً لا ویسجن حتی یتوب اما السجن فقط واما مع التعزیر عند بعض مشائخنا وعند الشافعیؒ یقطع یدہ الیسریٰ ثم رجلہ الیمنیٰ لقولہ من سرق فاقطعوہ فان عاد فاقطعوہ فان عاد فاقطعوہ فان عاد فاقطعوہ ومذہبنا ماثور عن علیؓ ولو کان الحدیث صحیحاً لما خالفہ ولما ابتدأ الصحابۃ بقولہ والطحاویؒ قد طعن فی الحدیث اوھو محمول علی السیاسۃ فان کان یدہ الیسریٰ او ابھامھا او اصبعاھا او رجلہ الیمنیٰ مقطوعۃ او شلاء او ردہ الی مالکہ قبل الخصومۃ او ملکہ بھبۃ او بیع او نقصت قیمتہ من النصاب قبل القطع۔

ترجمہ:۔ فصل۔ ہاتھ کاٹنے کے بیان میں۔ چور کا داہنا ہاتھ گٹے سے کاٹ کر داغ دیا جائے اور اگر پھر چوری کرے تو بایاں پیر کاٹا جائے اور اگر پھر چرائے تو کاٹا نہ جائے بلکہ قید کر دیا جائے یہاں تک کہ چوری سے توبہ کرلے خواہ محض قید پر اکتفا کیا جائے یا اس کے ساتھ تعزیر بھی لگائی جائے جیسا کہ ہمارے بعض مشائخ کا قول ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تیسری بار میں بایاں ہاتھ اور چوتھی بار میں داہنا پیر کاٹا جائے اس واسطے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کہ چوری کرے تو کاٹو اس کو پھر اگر چوری کرے تو کاٹو اس کو، پھر اگر چوری کرے تو کاٹو اس کو۔ پھر اگر چوری کرے تو کاٹو اس کو۔ الخ۔ اور ہمارا مذہب حضرت علیؓ سے منقول ہے چار بار کاٹنے کی حدیث اگر صحیح و ثابت ہوتی تو حضرت علیؓ ہرگز اس کے خلاف نہ کرتے اور نہ صحابہ کرام رضوان کے قول پر عمل کرتے امام طحاویؒ نے اس حدیث پر طعن کیا ہے، اور یا تو (بر تقدیر ثبوت حدیث یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ) وہ حدیث سیاست پر محمول ہے اور اگر چور کا بایاں ہاتھ یا انگوٹھا اس ہاتھ کا یا دو انگلیاں اس کی سوائے انگوٹھے کے کٹی ہوئی ہوں یا بیکار ہوں یا اس کا داہنا پیر کٹا ہو یا وہ چور نالش سے پہلے اس شئی مسروقہ کو مالک کے حوالہ کر دے یا ہبہ یا بیع کے ذریعہ وہ اس کا مالک ہو جائے یا ہاتھ کاٹنے سے پہلے اس شئی کی قیمت دس درہم سے کم ہو جائے۔

تشریح:۔ لہ قولہ یقطع یمین السارق الخ قطع ید توبص قرآن سے ثابت ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ"، باقی دایاں ہاتھ کی تخصیص ان احادیث کے ذریعہ ہے جو اس بارے میں وارد ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت کی بناء پر جس میں "فاقطعوا ایمانہما" موجود ہے اور یہ قرأت مشہورہ ہے بیہقی وغیرہ محدثین نے اس کی تخریج کی ہے اور مشہور روایت کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی اور اس کے مطلق کو مقید کرنا جائز ہے اس سے وہ اعتراض دور ہو گیا کہ یہاں خبر واحد سے اطلاق کتاب اللہ کا نسخ لازم آتا ہے جو کہ ہمارے نزدیک جائز نہیں۔

ﷺ قولہ او ہو محمول الخ یعنی اگر حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ تعزیر اور سیاست پر محمول کی جائے گی اس پر محمول نہ ہوگی کہ چوری کے لئے یہی حد مقدر و مقرر ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اوسرق فادعی ملکہ اواحد السارقین وان لم یبرھن اولم یطالب مالکھا وان اقرھو بھا فلا قطع لانہ لو قطعت الیمنی وقوۃ البطش فائتۃ فی الیسری یلزم تفویت جنس المنفعۃ وھو فی الحقیقۃ اھلاکہ وکذا ان کانت الرجل الیمنی مقطوعۃ اوشلاء لانہ اذا لم یکن للانسان ید ورجل فی طرف واحد فھو لا یقدر علی المشی اصلا واما من الطرفین فیضع العصا تحت ابطہ فیکون قائما مقام الرجل الفائتۃ واذا رد المسروق الی مالکہ قبل الخصومۃ لا یمکن الدعوی فلا یظھر السرقۃ وعند ابی یوسف یقطع وانما قال اوملکہ بھبۃ لیعلم ان المراد الھبۃ مع القبض وعند زفر والشافعی یقطع وکذا فی نقصان القیمۃ یقطع عندھما۔

ترجمہ:۔ یا چوری کے بعد اس شئ مسروقہ کی ملک کا دعوی کرے یا دو چوروں میں سے ایک چور اس کی ملک کا دعوی کرے اگرچہ ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہو یا ملک اس کا مطالبہ نہ کرے اگرچہ چور اس کا اقرار کرے تو ان سب صورتوں میں قطع نہیں ہے اس لئے کہ اگر بایاں ہاتھ میں قوت گرفت نہ ہو اور دایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے تو ہاتھ کی منفعت بالکل ہی ختم ہو جائے گی جو کہ درحقیقت اسے ہلاک کرنے کے حکم میں ہے اور یہی حال ہے جبکہ اس کا دایاں پیر کٹا ہوا یا لنجا ہو، کیونکہ جب آدمی کا ایک ہی جانب کا ہاتھ اور پیر نہ ہو تو وہ چلنے پر بالکل قادر نہ ہوگا۔ لیکن اگر دو طرف کے ایک ہاتھ اور ایک پیر نہ ہوں تو ممکن ہے کہ وہ بغل کے نیچے چھڑی رکھ کر چل سکے، ایسی صورت میں وہ چھڑی ضائع شدہ پیر کے قائم مقام ہو جائے گی اور اگر چور چوری کردہ مال حاکم کے روبرو نالش کرنے سے پہلے واپس کردے تو اب صاحب مال کی طرف سے دعوی دائر کرنا ممکن نہیں اور سرقہ ظاہر نہ ہو سکے گا، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، اور مصنف رحمہ اللہ نے ہبہ کے ساتھ ملکیت کی قید اس لئے لگائی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ہبہ کے ساتھ قبضہ بھی ہو چکا ہو، لیکن امام زفر رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں قطع ہے اسی طرح قیمت گھٹ جانے کی صورت میں بھی ان کے نزدیک قطع ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی واقعہ بھی اسی سیاست و تعزیر پر محمول ہوگا۔ کہ انہوں نے چور کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کٹوا دیئے۔ جیساکہ مؤطا مالک میں ہے۔

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ فادعی ملکہ الخ یعنی کسی نے کچھ چرایا پھر دعوی کیا۔ کہ وہ اس کا مالک ہے یا چوروں کی جماعت میں سے ایک نے مالک ہونے کا دعوی کیا۔ اور اس کے دوسرے ساتھی خاموش رہے چاہے گواہوں سے اس دعوی کو ثابت کرے یا نہ کرے قطع ساقط ہو جائیگا کیونکہ محض دعوی ہی سے شبہ پیدا ہو گیا اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

لہ قولہ لایقدر علی المشی الخ یعنی شرع نے چور کی سزا قطع مقرر کی ہے اُسے ہلاک کرنے کی سزا مقرر نہیں کی ہے اور اس کے اعضا کی ایک پوری جنس کے منافع کو ختم کر دینا حکمی طور پر اُسے ہلاک ہی کرنا ہے، اب اگر اس کے دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اس کا دایاں پاؤں پہلے ہی سے بیکار ہو کہ اس سے چلا نہ جاسکے تو چلنے کی منفعت اس سے مطلقاً فوت ہو جائے گی کیونکہ ایک ہی سمت کے ہاتھ پاؤں چاہے دائیں طرف کے ہوں یا بائیں طرف کے ہوں۔ (باقی صد آئندہ پر)

وانما لا يقطع عندنا لان النصاب لما كان شرطاً يكون شرطاً عند ظهور السرقة وهو حال القضاء وقد ذكر في كتبنا[الكتب الحنفية كالهداية وغيرها ١٢ عمه] انه لا يندفع القطع عند الشافعيؒ بمجرد[١] دعوى السارق ان المسروق ملكه لانه لا يعجز سارق عن ذلك[اي دعوى الملك ١٢ عمه] فيؤدي الى سد باب الحد لكن في الوجيز[٢] ذكر خلاف هذا[اي خلاف المذكور في كتبنا ١٢ عمه] وعلل بانه صار خصماً[٣] في المال فكيف يقطع بحلف غيره وقوله[اي الماتن] او لم يطالب مالكها وان اقر هو بها فلا قطع اي ان لم يطالب مالك السرقة اي المسروق فلا قطع وان اقر السارق بالسرقة لانه لما كان الدعوى شرطاً لابد من مطالبة المدعي.[لظهور السرقة ووجوب الحد ١٢ عمه]

ترجمہ:۔ اور ہمارے نزدیک ہاتھ نہ کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ نصاب قطع ید کی شرط ہے جو کہ ظہور سرقہ کے وقت پائی جانی چاہیے اور سرقہ کا ثبوت وظہور ہوتا ہے قضاء قاضی کے وقت، اور کتب احناف میں مذکور ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مال مسروق کے بارے میں چور کا محض یہ دعویٰ کہ وہ اس کا مالک ہے مانع قطع نہیں ہوگا کیونکہ یہ علم ہونے سے ہر چور ایسا دعوٰی کر سکتا ہے پھر تو حد سرقہ کا دروازہ ہی بند ہو جائیگا لیکن خود شوافع کی کتاب "وجیز" میں اس کے خلاف مذکور ہے، اور علت یہ بتائی گئی کہ اس مال کی ملکیت کا دعوٰی کر کے چور ایک فریق بن گیا، اب دوسرے فریق کی قسم کھالینے سے کس طرح اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور مصنف کا قول "اولم یطالب مالکہا وان اقر ہو بہا فلا قطع" کا مطلب یہ ہے کہ مالک سرقہ یعنی مال مسروق کا مالک اگر دعویٰ نہ کرے تو قطع نہیں ہے اگرچہ چور، چوری کا اقرار کرے، کیونکہ حد سرقہ قائم ہونے کے لئے جبکہ دعوٰی شرط ہے تو مدعی کی طرف سے دعوٰی کا پیش ہونا ضروری ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) نہ رہنے سے آدمی چلنے سے بالکل معذور ہو جاتا ہے، لیکن اگر مختلف جانب کے ایک ہاتھ اور ایک پیر نہ ہوں تو چلنا ممکن ہوتا ہے اگرچہ تکلیف کے ساتھ ہو، اسی لئے دوسری بار کی چوری میں دایاں ہاتھ کٹ جانے کے بعد بایاں پاؤں کاٹنا ممنوع نہیں۔ ایسے ہی اگر اس کا بایاں ہاتھ پہلے ہی سے بالکل بیکار ہو تو اب اگر چوری کی سزا میں اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے تو گرفت کا فائدہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی دلیل حضرت علی وغیرہ صحابہ کا دایاں پیر اور بایاں ہاتھ کاٹنے سے باز رہنا ہے تیسری اور چوتھی دفعہ چوری کرنے پر جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ۱۲

[۵] قولہ نقصان القیمۃ الخ۔ یعنی مسروقہ چیز کی قیمت کم ہو جائے مثلاً سرقہ کے وقت اس کی قیمت دس درہم یا اس سے زیادہ ہو پھر حد نافذ ہونے سے پہلے اس کی قیمت گر جائے اور دس درہم سے کم ہو جائے تو قطع نہیں ہے چاہے فیصلۂ قاضی کے بعد قیمت میں کمی ہو۔

(حاشیہ صہ ہذا) [۱] قولہ بمجرد دعوی الخ ہدایہ اور نہایہ میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چوری کا اقرار کرنے والا اگر اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو بالاتفاق اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے بوجہ شبہ پیدا ہو جانے کے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہر اقراری چور ایسا کر سکتا ہے اس کے باوجود اگر یہ شبہ کے باب میں معتبر ہے تو مالک ہونے کا دعوٰی بھی یقیناً موجب شبہ ہوگا چاہے وہ اسے حجت سے ثابت نہ کر سکے اس لئے اس سے بھی حد ساقط ہو جائے گی ۱۲

[۲] قولہ لکن فی الوجیز الخ۔ یہ فن فقہ کی کتاب ہے جو کہ بسیط اور وسیط کا ملخص ہے اور یہ تینوں کتابیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مؤلف احیاء العلوم اور کیمیا سعادت کی تالیفات میں سے ہیں ان کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی ہے۔

[۳] قولہ صار خصماً الخ حاصل یہ کہ جب چور نے دعوٰی کیا کہ یہ مسروقہ چیز میری ملکیت ہے تو وہ اس مال میں ایک فریق بن گیا۔ اور اس کے اور مدعی اول کے درمیان خصومت واقع ہو گئی اس لئے قطع کا حکم جاتا رہے گا کیونکہ اگر وہ بینہ لے آئے تو اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور چوری کا الزام ساقط ہو جائے گا۔ (باقی صہ آئندہ پر)

فان سرقا وغاب احدهما فشهدا على سرقتهما قطع الأخر وقطع بخصومة ذي يد حافظة كمودع وغاصب وصاحب ربوا اي باع ديناراً بدينارين و قبضهما فسُرقا من يده ومستعير ومستاجر ومضارب وقابض على سَوْم الشراء ومرتهن وبخصومة المالك من سرق منهم اعلم ان الدعوى شرط لظهور السرقة ولقطع اليد وان كان من حقوق الله تعالى لانه لا شك ان المسروق منه اعرف بحقيقة الحال من الشهود وكذا من السارق المقر به اذ يمكن ان يكون ملكاً للسارق بطريق الارث او ملكاً لذي رحم محرم وهو غير عالم به ففي ترك المسروق منه الدعوى وكذا في غيبته مظنة عدم وجوب القطع امّا غيبة المزنية۔

ترجمہ:۔ اور اگر دو آدمی ایک چیز چرائے اور ایک ان میں سے غائب ہو جائے اور گواہی سے دونوں کے ذمہ چرانا ثابت ہو تو وہ چور موجود ہے اس کا ہاتھ کٹے گا۔ اور ہاتھ کٹے گا صاحب قبضہ اور محافظ مال کے مطالبہ سے مثلاً اگر امانت کا مال امانت دار سے یا غصب کا مال غاصب سے یا سود کا مال سود خوار سے، یعنی کسی نے ایک دینار کے بدلے میں دو دینار لئے اور وہ چرا لے جائے، یا مثلاً عاریت کا مال عاریت لینے والے سے، یا کرایہ کا مال کرایہ لینے والے سے، یا مضاربت کا مال، مضارب سے یا خریدنے کے ارادہ سے لانے والے کا مال، اس کے قبضہ سے۔ یا رہن کا مال، مرتہن سے چرا لے۔ (تو ان کے دعوی پر ہاتھ کاٹا جائے گا) اور اگر مال ان لوگوں کے پاس سے چوری ہو جائے اور اصل مالک اس چور سے مطالبہ کرے تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ واضح رہے کہ قطع ید اگرچہ حقوق اللہ میں سے ہے لیکن ظہور سرقہ اور قطع ید کے حکم جاری ہونے کے لئے دعوی اور مطالبہ شرط ہے اس لئے کہ گواہوں کے مقابلہ میں بلاشبہ وہ شخص حقیقت حال سے زیادہ آگاہ ہے جس کے پاس سے مال چرایا گیا۔ اور اسی طرح اس چور سے بھی زیادہ واقف ہے جو کہ خود چوری کا اقرار کرے، کیونکہ اس کے اقرار کے باوجود اس کا امکان ہے کہ وہ مال بطور میراث چرانے والے کی ملک ہو یا اس کے کسی ذو رحم محرم کی ملک ہو اور وہ اس بات کو نہ جانتا ہو، تو جس کے پاس سے مال چرایا گیا اس کی طرف سے دعوی نہ ہونے، اسی طرح اس کے غائب رہنے کی صورت میں چور پر قطع ید واجب نہ ہونے کے گمان کی پوری گنجائش ہے۔ لیکن (زنا کی صورت اس سے مختلف ہے کہ اگر مزنیہ عورت غائب ہو۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اگر بینہ قائم نہ کر سکے اور خصم سے حلف کا مطالبہ کرے تو اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو دعوی ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر قسم کھائی کہ اس مال کا مالک وہ شخص نہیں ہے تو اس کی قسم کے باعث قطع کا حکم نہ ہو گا اس لئے کہ آدمی پر دوسرے کی قسم کی بنا پر قطع ید کا حکم نہیں ہوتا

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ (قطع بخصومۃ الخ) اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۔ قطع ید کے لئے مطالبہ کا ہونا لازمی ہے۔ ۲۔ مالک مال ہی کی طرف سے مطالبہ کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس کے قائم مقام کی طرف سے مطالبہ کافی ہے اور قائم مقام سے مراد وہ شخص ہے جس کا مال پر صحیح قبضہ حاصل ہے اور وہ مال کی حفاظت کرنے والا ہے۔ چنانچہ اگر اس نے امین سے مال چرایا تو اس کی طرف سے مطالبہ کافی ہے اس لئے کہ امانت کی حفاظت اس کے ذمہ واجب ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وان کان فیہا توہم انہا لو کانت حاضرۃ ادّعت امرًا یُسقط الحدّ فلا اعتبار بہ

لان المزنیۃ راضیۃ بالزنا فتکون متّہمۃ فی دعوی ما یسقط الحدّ فہذا ہو الفرق

الذی وعدتُّہ فی باب شہادۃ الزنا ثم عطف علی الضمیر المستکن فی قولہ وقطع

قولہ لا من سرق من سارقٍ قُطع ای لا یقطع بطلب المالک والسارق لو سرق

من سارق بعد القطع لما سیاتی من سقوط عصمتہ۔

ترجمہ :۔ تو یہاں اگرچہ اس کا احتمال ہے کہ اگر وہ حاضر رہتی تو ممکن ہے کہ ایسے امر کا دعویٰ کرتی جس سے حد ساقط ہو جاتی مگر اس احتمال کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ جس عورت سے زنا کیا جائے وہ خود فعل زنا سے خوش اور راضی ہوگی اس لئے وہ اپنی رضامندی کی بنا پر متہم شمار ہوگی ایسے امر کے دعویٰ میں جو حد ساقط کرنے کا موجب ہو سکتا ہے (پس یہاں ایسے دعویٰ کے احتمال کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اور چوری کے معاملہ میں مسروق منہ پر اپنی غرض کی تہمت نہیں آسکتی اس لئے حد واجب نہ ہونے کے احتمال کا اعتبار ہوگا۔ آگے شارح فرماتے ہیں کہ) یہی وہ فرق ہے (چوری اور زنا کے درمیان) جس کے بیان کرنے کا، شہادت زنا کے باب میں نے وعدہ کیا تھا۔ پھر ماتن نے اپنے سابق قول ،، وقطع ،، کی ضمیر مستتر پر اگلے قول کا عطف کیا ہے کہ "اور ہاتھ نہ کٹے گا اس چور کا جس نے ایسے چور سے مال چرایا جس کا ہاتھ کٹا جا چکا ہے (چوری کی سزا میں) یعنی مالک یا اول چور کے مطالبہ پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے اول چور کے ہاتھ کاٹے جانے کے بعد اس سے چوری کی ہو، کیونکہ اس مال کی عصمت باقی نہ رہی جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آجائے گی۔

تشریح :۔ (بقیہ صد گذشتہ) تو اس کی چوری ہو جانے پر مطالبہ کا حق بھی اسی کو ہوگا۔ ایسے ہی غاصب پر مال مغصوب کی حفاظت واجب ہے اب اگر اس کے پاس سے مال مغصوب چرا لیا جائے تو اس کی خصومت کافی ہوگی اس دوسری صورتوں کو قیاس کر لیا جائے ۱۲

سلہ قولہ ملحقۃ الخ یعنی جب تک مسروق منہ یعنی مال کا مالک یا قابض و محافظ چور پر چوری کا دعویٰ نہ کرے یا تو وہ غائب ہے تو اس صورت میں عدم وجوب قطع کا احتمال ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ مال خود چور کا مملوک ہو یا تو اس کے کسی ذی رحم محرم کا مملوک ہو، اس احتمال کی بنا پر مسروق منہ کی طرف سے دعویٰ کے بغیر قطع ید لازم نہ ہوگا۔

سلہ قولہ الا غیبۃ المزنیۃ الخ۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مسروق منہ کا مطالبہ نہ کرنا یا غائب ہو جانا جبکہ سرقہ میں قطع ید لازم نہیں کرتا۔ تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ زنا میں بھی مزنیہ غائب ہونے سے زانی پر حد لازم نہ ہو، حالانکہ یہاں ایسا حکم نہیں ہے بلکہ اگر زنا کے گواہ گواہی دیدیں اور مزنیہ عورت غیر حاضر ہو تو بھی زانی پر حد لازم ہوتی ہے، حالانکہ یہاں بھی تو اس کا احتمال ہے کہ اگر وہ حاضر رہتی تو ممکن ہے کہ ایسے کسی امر کا دعویٰ کرتی جس سے دونوں کے اوپر سے حد ساقط ہو جائے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ زنا کرانے والی چونکہ زنا پر راضی ہوتی ہے اس لئے اس کی طرف سے ایسی بات کے دعویٰ کرنے میں جس سے حد ساقط ہو جائے خود غرضی کی تہمت پائی جاتی ہے لہذا اس احتمال کا کوئی اعتبار نہ ہوگا ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ لا من سرق الخ ہدایہ میں ہے کہ چور کے قبضہ سے جب مال چرایا جائے تو دو حال سے خالی نہیں۔ ۱۔ سارق اول کے قطع ید سے پہلے یہ سرقہ ہوگا۔ ۲۔ یا قطع ید کے بعد ہوگا۔ تو اگر قطع سے پہلے چوری ہو جائے تو سارق اول کی خصومت کے باعث دوسرے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس لئے کہ اس صورت میں سارق اول بمنزلہ غاصب کے ہوگا اور غاصب کے قبضہ سے مال چوری ہونے پر اس کے دعویٰ سے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور اگر سارق اول کے قطع ید کے بعد دوسری چوری ہو تو یہ چوری موجب قطع نہیں ہے دو وجہوں سے۔ ۱۔ قطع ید کے بعد مال پر سارق اول کا قبضہ نہ بحیثیت مالکانہ ہے اور نہ بحیثیت ضمان و امانت ہے اور ایسے شخص کا دعویٰ دوسرے چور کے قطع ید کے بارے میں قابل اعتبار نہیں۔ ۲۔ سرقہ اسی وقت موجب قطع ہوتا ہے جبکہ معصوم مال کی چوری ہو اور سارق اول کے قطع ید کے بعد وہ مال معصوم نہیں رہتا ہے نہ مالک کے حق میں اور نہ سارق اول کے حق میں ۱۲ مبسوط، محیط۔

وقُطِع عبد اقرّ بسرقة وردّت الی مالکها هذا[1] عند ابی حنیفة رح من غیر تفصیل وعند زفر رح لا یقطع من غیر تفصیل لانّ اقرار العبد بالحدّ و دو القصاص لا یصح عنده وان کان ماذونًا فان الاذن لم یتناولهما امّا فی ردّ المال فانّ کان ماذونًا یصح فیردّ المال وان کان محجورًا لا وامّا عندهما فان کان ماذونًا یقطع ویردّ المال وان کان محجورًا فالمسروق ان کان هالکًا یصح اقراره لانّ الواجب لیس الّا القطع واقراره به صحیح وان کان قائمًا فعند ابی حنیفة یُقطع ویردّ المسروق وعند ابی یوسف رح یُقطع ولا یردّ المسروق وعند محمد لا یُقطع ولا یردّ فنقول لزفر رح انّ اقراره بما یوجب تلف نفسه او اعضائه وانّ کان یتضرر به المولی فهو غیر متهم فیه لانّ ضرره فوق ضرر المولی۔

ترجمہ:۔ اور اگر غلام نے کسی کے مال کی چوری کا اقرار کیا تو اس کا ہاتھ کٹے گا اور وہ مال اس کے مالک کو واپس دیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رح کا مذہب ہے اور اس میں کوئی تفصیل اور تفریق نہیں ہے اور امام زفر رح کے نزدیک بدون کسی تفصیل کے اقرار سرقہ سے غلام کے ہاتھ کاٹے نہ جائیں گے، کیونکہ حدود اور قصاص میں غلام کا اقرار ان کے نزدیک معتبر نہیں اگرچہ عبد ماذون ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اذن ان امور کے اقرار پر مشتمل نہیں البتہ مال واپس کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر عبد ماذون ہو تو اس کا اقرار معتبر ہوگا اور مالک کو مال واپس دلایا جائے گا۔ اور اگر وہ اجازت یافتہ نہ ہو تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک اگر وہ ماذون ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور مال بھی واپس کیا جائے گا اور اگر غلام محجور ہو اور مال مسروق تلف ہو گیا ہو تو اس کا اقرار صحیح ہے اس لئے کہ مال ہلاک ہو جانے کے بعد اقرار سے صرف قطع واجب ہو سکتا ہے اور موجب قطع کے بارے میں غلام کا اقرار صحیح ہے اور اگر مال مسروق موجود ہو تو امام صاحب کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا اور مال مسروق واپس کر دیا جائے گا۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک ہاتھ تو کاٹا جائے گا لیکن مال مسروق واپس نہیں کیا جائے گا۔

اور امام محمد رح کے نزدیک نہ قطع ید ہوگا اور نہ مال واپس دلایا جائے گا۔ امام زفر رح کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ایسے اقرار پر غلام کو متہم قرار نہیں دیا جا سکتا ہے جو اس کی جان یا عضو کے تلف کا باعث ہو اگرچہ آقا کو بھی اس سے نقصان پہونچتا ہے لیکن آقا کے ضرر سے غلام کا ضرر یقیناً بڑھ کر ہے۔ (اس لئے اس بدگمانی کی گنجائش نہیں کہ مالک کو نقصان پہونچانے کے لئے اس نے جھوٹ موٹ اقرار کر لیا ہے)

تشریح:۔ [1] قولہ ہذا عند ابی حنیفۃ رح من غیر تفصیل الخ یعنی عبد محجور اور ماذون کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ بنایہ میں مبسوط کے حوالہ سے ہے کہ غلام اگر چوری کا اقرار کرے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ ماذون ہوگا یا محجور ہوگا پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ۱۔ مال تلف ہو چکا ہو۔ ۲۔ مال بعینہ اس کے قبضہ میں موجود ہو۔ اب اگر غلام ماذون ہو اور تلف شدہ مال کی چوری کا اقرار کرے تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر مال بعینہ موجود ہو تو بھی ہمارے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور مال مسروق منہ کو واپس کیا جائے گا اور امام زفر رح فرماتے ہیں کہ مال تو واپس کیا جائے گا لیکن ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر غلام محجور ہو اور تلف شدہ مال کی چوری کا اقرار کرے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور امام زفر رح کے نزدیک نہیں کاٹا جائے گا اور اگر موجود مال کی چوری کا اقرار کرے تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور مال واپس کیا جائے گا اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا اور مال اس کے آقا کا ہوگا اور امام محمد و زفر رح کے نزدیک نہ قطع ہے اور نہ مال کی واپسی ہے بلکہ مال آقا کا ہوگا۔ ۱۲

وان تخالج فی صدرك ان خبث نفوس بعض المماليك يصل الى غاية يؤثرون اهلاك نفوسهم بتضرربه مواليهم فذلك شئ نادر لا يصلح ان تبتنى عليه الاحكام ثم بعد ذلك الاصل عند محمد رد العين والقطع تبع له لشرطية الدعوى وثبوت المال بلا قطع من غير عكس واقرار العبد المحجور بالمال لا يصح فلا يثبت تبعه وهو القطع قلنا القطع ليس تبعا لرد العين لان رد المال ضمان المحل والقطع جزاء الفعل فابو يوسف لم يجعل احدهما تبعا للاخر فيعتبر اقراره فی حق نفسه وهو القطع لا فی حق المولى وهو رد المال وابو حنيفة جعل الفعل اصلا لان المحال كالشروط۔

ترجمہ:۔ اور اگر تمہارے دل میں یہ خیال گذرے کہ بعض غلاموں کے نفس کی خباثت اس حد تک پہونچ جاسکتی ہے کہ مالک کو نقصان پہونچانے کی ضد میں اپنی جان کو بھی ہلاک کرنے کا راستہ اختیار کریں تو (اگرچہ ایسا ہونا ممکن نہیں لیکن) ایسی بات بالکل شاذ و نادر ہے جس پر احکام شرعیہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ پھر یہ بات صاف ہو جانے کے بعد (کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود و قصاص میں غلام کا اقرار فی نفسہ صحیح ہے۔) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عین مال کا واپس کرنا اقرار کا اصل تقاضا ہے اور اس کے ضمن میں قطع ید ثابت ہوتا ہے تبعاً کیونکہ اس کے لئے مطالبہ مالک کی شرط لگی ہوئی ہے اور بسا اوقات بدون قطع ید کے مال لازم ہوتا ہے مگر اس کے عکس نہیں ہوتا کہ قطع ثابت ہو اور رد مال واجب نہ ہو۔ بہرحال جب یہ بات متعین ہوگئی کہ چوری کے اقرار کا اصل مفاد ہے لزوم مال، اور عبد محجور کا اقرار بالمال درست نہیں تو جب اصل کے حق میں اس کا اقرار معتبر نہ ہوا تو اس کا تابع یعنی قطع ید بھی ثابت نہ ہوگا (شیخین کی طرف سے اس کے جواب میں) ہم کہیں گے کہ قطع ید دراصل عین مال واپس کرنے کے تابع نہیں ہے (بلکہ یہ مستقل بنیاد پر قائم ہے) کیونکہ مال کا واپس کرنا محل سرقہ (یعنی مال محفوظ) کا ضمان ہے اور قطع ید فعل غیر مشروع کی سزا ہے۔ تو امام ابو یوسفؒ نے ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کے تابع قرار نہیں دیا۔ اس لئے ان کے نزدیک اپنی ذات کے حق میں۔ یعنی قطع ید کے متعلق اس کا اقرار معتبر ہوگا۔ اور مولی کے حق میں۔ یعنی مال واپس کرنے کے بارے میں۔ اس کا اقرار معتبر نہ ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ فعل ہی کو اصل قرار دیتے ہیں۔ (اور مال تبعاً ثابت ہوتا ہے) کیونکہ محل سرقہ (یعنی مال محفوظ کا ہونا فعل سرقہ متحقق ہونے کے لئے) بمنزلہ شرط کے ہے (اور شروط اصل کے تابع ہوا کرتی ہے اس لئے عبد محجور کے اقرار سے ثبوت اصل کے ضمن میں تبعاً رد مال بھی ثابت ہوگا۔)

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) ؎ قولہ لان الواجب الخ حاصل یہ کہ مال مسروق اگر تلف ہو جائے تو اب چوری کا اقرار درحقیقت صرف ایسی بات کا اقرار ہے جس سے قطع ید لازم آتی ہے اور غلام کی طرف سے موجب قطع کا اقرار بہرحال درست ہے۔ البتہ عبد محجور کا اقرار بالمال معتبر نہیں اور قطع کے ساتھ ضمان جمع نہیں ہوا کرتا جیسا کہ عنقریب آجائے گا۔

؎ قولہ وہو غیر متہم فیہا الخ۔ لہٰذا اس کا اقرار معتبر ہوگا، اگر اس پر تم یہ اعتراض کرو کہ اگرچہ اس میں وہ متہم نہ ہو لیکن یہ تو غیر پر اقرار ہوگا کیونکہ غلام پورا کا پورا آقا کی ملکیت ہے اب اس کے اقرار سے آقا کا نقصان ہو رہا ہے اس لئے یہ اقرار معتبر نہ ہونا چاہیئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے اس کا اقرار صحیح ہے یہ دوسری بات ہے کہ مالیت کی طرف بھی یہ متعدی ہوتا ہے تو مال ہونے کے لحاظ سے یہ بھی ضمناً صحیح ہوگا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ قولہ لشرطیۃ الدعوی الخ اس لئے کہ یہ گذر چکا ہے کہ چوری ظاہر ہونے اور قطع ید کے لئے مسروق منہ کی طرف سے مطالبہ شرط ہے اور یہ بات اس کی علامت ہے کہ مال اصل ہے اور قطع ید اس کے تابع ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وماقطع به ان[1] بقی رُدَّ والّا لایضمن وان اتلف انماقال وان اتلف احترازاً عن

(ای وان لم یبق ۱۲ عمدہ) (المراد وعلیہ ۱۲ عمدہ)

روایۃ الحسنؒ عن ابی حنیفۃؒ انہ یجب الضمان فی الاستہلاک وعند الشافعیؒ

یضمن فی الہلاک والاستہلاک فعندہ القطع والضمان یجتمعان لان

الضمان بناءٌ علی عصمۃ المال ونحن نقول بانتقال العصمۃ الی اللہ تعالیٰ معناہ

ان المال کان معصوماً حقاً للعبد فاذا ورد علیہ السرقۃ اوجب الشارع الحدّ

(ای قبل السرقۃ ۱۲ عمدہ) (ہو مالک المال ۱۲ عمدہ) (اشارہ ان انتقال العصمۃ قبل السرقۃ ۱۲ عمدہ)

وھو حق الشرع فالجنایۃ وردت علی حق الشرع ففی حالۃ السرقۃ صار المال

معصوماً حقاً للشرع فلم یبق معصوماً لحق العبد فلا یجب الضمان ولا یضمن

من سرق مرّات فقطع بکلھا اوبعضھا شیئاً منھا۔

ترجمہ:۔ اور مال مسروق جس کی وجہ سے قطع ید ہوا اگر موجود ہو تو مالک کو رد کیا جائے گا۔ اور اگر موجود نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا اگرچہ اس نے خود اسکو تلف کردیا ہو اور یہ نیز اگرچہ اس نے خود اس کو ہلاک کردیا ہو" اس لئے بڑھائی تاکہ حسن کی اس روایت سے احتراز ہوجائے جو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کی ہے کہ "اگر اس نے خود ہلاک کیا ہو تو ضمان لازم آئے گا" اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ خود ہلاک ہوا ہو یا ہلاک کیا ہو ہر صورت تاوان لازم آئے گا، یعنی ان کے نزدیک قطع ید اور ضمان دونوں جمع ہوں گے کیونکہ ضمان مال کی عصمت پر مبنی ہے (اور ہلاک واستہلاک دونوں حالتوں میں مال کی عصمت پر تعدی تو یقیناً پائی گئی فیجب الضمان مطلقاً) اور ہم کہتے ہیں کہ چوری کردہ مال کی عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتقل ہوجاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک (چوری سے پہلے) مال مسروق معصوم تھا بحیثیت حق العبد کے پھر جب اس پر چوری طاری ہوئی تو شارع نے حد واجب کردی اور حد بلاشبہ حق شرع ہے تو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ چوری کی جنایت حق شرع میں پائی گئی، اب (یہ ماننا پڑے گا کہ) چوری کے وقت حق العبد کی حیثیت سے مال معصوم نہیں رہا بلکہ حق اللہ کی حیثیت سے معصوم بن گیا (اور حق اللہ پر تعدی سے ضمان نہیں آتا) اس لئے ضمان واجب نہ ہوگا۔ اور اگر ایک شخص نے کئی مرتبہ کتنی جگہ چوری کی اس کے بعد ان سب آدمیوں (کی نالش) کے سبب سے یا بعض کے سبب سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو کسی چوری کے مال کا وہ ضامن نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کیونکہ قطع ید تو حق اللہ اس کے ثبوت کے لئے بندہ کی طرف سے دعویٰ کی شرط خلاف اصل ہے۔ ۱۲

[1] قولہ وثبوت المال الخ شرطیہ پر اس کا عطف ہے مطلب یہ کہ کبھی کبھی مال ثابت ہوتا ہے اور قطع نہیں ہوتا مثلاً ایک مرد اور دو عورتیں چوری کی شہادت دیں تو مال ثابت ہو جائے گا کہ نصاب شہادت مکمل ہے مگر قطع ثابت نہ ہوگا کہ حدود میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں، یا اگر چور، چوری کا اقرار کرکے پھر رجوع کرے تو اقرار ثابت ہونے پر مال کا ضامن ہوگا لان الانسان ماخوذ باقرارہ، لیکن قطع ید نہ ہوگا کیونکہ رجوع سے شبہ پیدا ہوگیا اور "الحدود تندری بالشبہات"

[2] قولہ جعل الفعل اصلا الخ۔ اس دلیل سے کہ سارق کے قطع ید سے مال کی عصمت ختم ہوجاتی ہے جیسے کہ گذر چکا ہے اور یہ بات سامنے آرہی ہے کہ ہمارے نزدیک قطع اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوسکتے، اب سارق کے حق میں مال کی عصمت اور متقوم ہونے کی صفت کا ساقط ہوجانا اس بات پر دال ہے کہ مال تابع ہے اس لئے کہ اگر وہ اصل ہوتا تو اس کے ابتدائے حال میں تبدیلی نہ ہوتی یعنی متقوم ہونے کی صفت بدل کر وہ غیر متقوم نہ ہوتا۔ ۲۔ اور اس وجہ سے کہ مال تلف ہوجانے کے بعد قطع ید سے سزا پوری ہوجاتی ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ ان بقی الخ یعنی جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور شئ مسروق بعینہ موجود ہو چاہے اس کے قبضہ میں نہ ہو مثلاً اس نے بیچ دیا۔ یا ہبہ کردیا اور مشتری یا موہوب لہ کے پاس موجود ہے تو مالک کو واپس کرنا ہوگا، کیونکہ جب یہ چیز بعینہ موجود ہے (باقی صفحہ آئندہ پر)

المسروق منہم ان حضروا حتی کان القطع للکل لایضمن لاحد اصلاً وان حضر البعض
(ای تضمن ہلاک المسروق فان کان قائماً رد الی مالکہ ۱۲ عمدہ)
حتی قطع لاجلہم فکذا عند ابی حنیفۃ واما عندہما یسقط ضمان من قطع لاجلہ

ولا قاطع یسار من امر بقطع یمینہ بسرقۃ ولو عمداً او قطع من شق ما سرق فی الدار
(یسار کان ان انقاطع ہو الذی امرہ القاضی بالقطع او غیرہ ۱۲ عمدہ) (وملیہ ۱۲ عمدہ) (متعلق بقولہ شق ۱۲ عمدہ)
ثم اخرجہ وانما یقطع اذا بلغ المشقوق نصاب السرقۃ وعند ابی یوسف لا یقطع
لان الثوب صار ملکاً للسارق بسبب الخرق الفاحش لہما ان الاخذ لیس
(ای مثل ہذا الاخذ ۱۲ عمدہ)
سبباً للملک وانما یقول بالملک ضرورۃ اداء الضمان لئلا یجتمع البدلان فی ملک
(ای بملک السارق المسروق ۱۲ عمدہ)
شخص واحد ومثلہ لا یورث الشبہۃ۔
(ای مثل ہذا الاخذ ۱۲ عمدہ) (ای الموافقۃ للقطع ۱۲ عمدہ)

ترجمہ :۔ یعنی جن کا مال اس نے چرایا ہے اگر وہ سب دعوٰی لے کر حاضر ہو جائیں یہاں تک کہ سب کی چوری کے باعث اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو کسی کے مال کا ضمان اس پر نہیں آئے گا اور اگر ان میں سے بعض حاضر ہوں اور ان کے دعوٰی کی بنا پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باقی آدمیوں کے مال کا بھی ضامن نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک صرف ان لوگوں کے مال کا ضمان ساقط ہوگا جن کی نالش سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا (اور باقی مالکوں کے مال کا ضمان دے گا) اور اگر قاضی نے چور کے داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم کیا اور کاٹنے والے نے اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا اگرچہ قصداً کاٹا ہو تو اس پر کوئی ضمان (دیت) لازم نہ آئیگا اور اگر کپڑے کو چور اگر گھر ہی میں اسے چیر پھاڑ ڈالے اس کے بعد اسے باہر نکال لے جائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم اس وقت ہے جبکہ کٹے ہوئے کپڑے کی قیمت نصاب سرقہ (دس درہم) کو پہنچ جائے اور امام ابو یوسف رحؒ کے نزدیک نہ کاٹا جائے گا کیونکہ پوری طرح کاٹ لینے کے سبب سے چرانے والا (ضمان غضب کے بدلہ) اس کا مالک بن گیا (اور اپنی مملوکہ شئی چرانے سے قطع نہیں ہوتا) طرفین فرماتے ہیں کہ اس طرح لینا دراصل سبب ملک نہیں، البتہ ادائیگی ضمان کی ضرورت پر ہم ملک سارق کا حکم لگاتے ہیں تاکہ ایک ہی شخص کی ملک میں بدل اور مبدل منہ جمع نہ ہو جائیں اور ایسی ضرورت کی بنا پر ملک ثابت کرنا موجب شبہ نہیں (کہ قطع کا حکم نہ ہو)

تشریح :۔ (بقیہ صر گذشتہ) مالک کی ملکیت بھی اس کے ساتھ قائم ہے، اور اگر تلف ہو جائے تو ضمان نہیں آئیگا خواہ خود ہلاک ہو جائے یا چور کے فعل سے ہلاک ہو۔ یہ امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے امام ابو حنیفہؒ سے اور یہی مشہور ہے۔ ۱۲

[۱] قولہ یختلفان الخ اس لئے کہ قطع اور ضمان دو حق ہیں جو باعتبار محل، استحقاق اور سبب کے مختلف ہیں۔ کیونکہ قطع کا محل ہاتھ ہے اور ضمان کا محل ذمہ ہے اور قطع کا مستحق اللہ اور (اس کے اذن سے) اس کا نائب ہے اور ضمان کا مستحق مسروق منہ ہے اور قطع کا سبب حق اللہ پر جنایت ہے اور ضمان کا سبب مالک مال کو نقصان پہونچانا ہے اور جب دونوں مختلف ہوئے تو ایک کے وجوب سے دوسرا ساقط نہ ہوگا۔ اور اس کی نظیر حرم کے اندر مملوک شکار کا تلف کرنا ہے کہ یہاں دو قسم کے تاوان واجب ہوتے ہیں۔ ۱۔ مالک کو قیمت دینی ہوگی ۲۔ اور شکار ہلاک کرنے پر دوسری قیمت بطور جزا واجب ہے۔ ۱۲

[۲] قولہ فالجنایۃ وردت الخ۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ بیان صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ مال مسروق اگر بعینہ موجود ہو تو وہ مالک کو واپس کرنا واجب نہ ہونا چاہیئے۔ حالانکہ حکم تو ایسا نہیں ہے بلکہ واپس کرنا لازم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واپس کرنا اس لئے واجب ہے کہ اس کے مال کی صوری مشابہت موجود ہے نیز جب تک مال موجود رہتا ہے مالک کی ملکیت بھی اس کے ساتھ قائم رہتی ہے اگرچہ مال کی عصمت اللہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو واپسی بقاء ملک پر مبنی ہے نہ کہ بقاء عصمت پر۔ ۱۲

(حاشیہ صر ہذا) [۱] قولہ لان الثوب الخ حاصل یہ کہ خرق کثیر کے باعث وہ اس کپڑے کا مالک بن گیا ملک کا سبب پائے جانے کی وجہ سے، کیونکہ اس پھاڑنے کی وجہ سے اس پر قیمت واجب ہو جاتی ہے اور وہ شئی مضمون کا مالک ہو جاتا ہے جیسا کہ کتاب الغصب میں بتایا گیا ہے۔ (باقی صر آئندہ پر)

لا من سرق شاۃ فذبحها فاخرج لان السرقۃ تمت علی اللحم ولا قطع فیہ ومن جعل ما سرق دراھم او دنانیر قطع وردّت ای انقطع والرد ۱۲ عدہ ھذا عند ابی حنیفۃ وعندھما لایجب[1] ردھا لان الصنعۃ متقومۃ عندھما فصارت شیئا اٰخر فان حمّرہ فقطع فلا ردّ ولا ضمان وان سوّدہ ردّ ای ان سرق ثوبا وصبغہ احمر فقطع لا یجب ردّ الثوب ای الی المالک ۱۲ عدہ وان ھلک فلا ضمان وعند محمد یؤخذ الثوب ویعطی ما زاد الصبغ عند السارق ۱۲ عدہ وان سوّدہ ردّ عند ابی حنیفۃ لکون السواد نقصانا فلا ینقطع حق المالک وکذا عند محمد لا زیادۃ کالحمرۃ ۱۲ عدہ کما فی الحمرۃ فان الصبغ لا یقطع حق المالک وعند ابی یوسف لا یردّ فان السواد زیادۃ کالحمرۃ.

فیردالثوب ویعطی ما زاد السواد فیہ ۱۲ عدہ

ترجمہ:۔ اور اگر کسی نے بکری چرائی اور اسی جگہ اسے ذبح کرکے باہر نکال لے جائے تو ہاتھ نہ کٹے گا۔ کیونکہ چوری مکمل ہوئی ہے گوشت لے جانے پر اور گوشت چرانے میں قطع نہیں ہے، اور اگر چاندی یا سونا چرا کر اس کے روپے یا اشرفی بنالئے تو ہاتھ کٹے گا اور روپے اشرفی مالک کو واپس دلایا جائے گا یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین رح کے نزدیک واپس نہ دیئے جائیں گے کیونکہ صنعت مستقل قیمت رکھتی ہے اس لئے وہ دوسری چیز بن گئی۔ اور اگر کپڑا چرا کر اس کو سرخ رنگا اور ہاتھ کاٹا گیا تو نہ اس پر کپڑے کا لوٹانا واجب ہے اور نہ ضمان لازم ہے اور اگر اسے سیاہ رنگا تو واپس کرنا لازم ہے یعنی اگر کوئی شخص کپڑا چرائے اور اسے سرخ رنگ سے رنگائے پھر اس چوری کے باعث اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو یہ کپڑا مالک کو لوٹانا واجب نہ ہوگا اور اگر کپڑا ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان لازم نہ ہوگا۔ اور امام محمد رح کے نزدیک کپڑا مالک کو دلایا جائے گا اور جو دام رنگ کی وجہ سے بڑھے ہیں وہ مالک سے وصول کیا جائے گا اور اگر کپڑے کو سیاہ رنگے تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک کپڑا واپس دلایا جائے گا کیونکہ سیاہ رنگ نقصان شمار ہوتا ہے اس لئے اس سے مالک کا حق منقطع نہ ہوگا امام محمد رح کے نزدیک بھی یہی حکم ہے جیسا کہ سرخ رنگ کی صورت میں کیونکہ ان کے نزدیک رنگنے سے مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا (خواہ رنگ موجب نقصان ہو یا موجب زیادت) اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک سیاہ رنگنے کی صورت میں بھی کپڑا واپس نہیں دلایا جائے گا کیونکہ سیاہ رنگ سے بھی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح کہ سرخ رنگ میں اضافہ ہوتا ہے۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اب مالک بننے کے بعد اخراج کا فعل پایا گیا اور اپنا مال چرانے سے قطع ید کی سزا نہیں آتی بلکہ غیر کا مال چرانے پر قطع ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ اس نے پہلے وہاں سے نکالا پھر پھاڑا کیونکہ یہاں سرقہ مکمل ہونے کے بعد تعرف پایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چیز کا لینا سبب ضمان ہے سبب ملک نہیں البتہ ادائے ضمان کی ضرورت سے چور کے لئے ملکیت ثابت ہوتی ہے اب جب مالک نے کپڑے کے نقصان کا ضمان لینا پسند کیا اور ضمان وصول کر لیا تو ایک کی ملک میں دو بدل کا اجتماع لازم نہیں آیا ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) [1] قولہ ومن جعل الخ یعنی اگر اس نے سونا یا چاندی چرانے کے اس کے دراہم یا دینار بنا لئے تو قطع ید لازم ہوگا اور امام صاحب کے نزدیک یہ دراہم اور دینار بعینہٖ اصل مالک کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر اس نے تانبہ وغیرہ چرانے کے بعد ان سے برتن بنالئے اگر ان برتنوں کو تول کر فروخت کیا جاتا ہے تو امام صاحب کے نزدیک یہی حکم ہے اور صاحبین رح کا اس میں اختلاف ہے اور اگر شمار کے حساب سے فروخت کیا جاتا ہو تو یہ بالاتفاق سارق کے ہو جائیں گے اس لئے کہ صنعت کے باعث اس کا عین ہی بدل گیا اور نام بھی بدل گیا جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے متعلق ربوا کا حکم بھی بدل جاتا ہے کیونکہ یہ وزنی ہونے سے نکل گیا۔ بخلاف سونا اور چاندی کے کہ ان کا نام باقی رہتا ہے اور حکما عین بھی باقی رہتا ہے ۱۲ فتح۔

[1] قولہ لایجب ردھا الخ۔ اور صاحبین رح کے نزدیک کیا قطع لازم ہوگا؟ ایک قول میں لازم نہیں (باقی صد آئندہ پر)

بابُ[1] قطعِ الطریق

من قصدہ معصومًا علی معصوم ای حال کون القاصد معصومًا ای مسلمًا
قولہ علی معصوم[2] ای ہو متعلق بقصدہ ای قاصد قطع الطریق ۱۲ عمدہ

اوذمیًا فاُخذ قبل اخذ شیءٍ وقتلٍ حُبس[3] حتی یتوب ای یظہر فیہ سیماء
قولہ فاخذ ای اخذہ الامام قبل ان یاخذ شیئا من الاموال و ان یقتل ۱۲ عمدہ — ای بعد التعزیر بالضرب وغیرہ ۱۲ عمدہ

الصالحین وان اخذ مالًا یُصیب لکل واحدٍ منہ نصابُ السرقۃ قطع یدہٗ ورجلہ
ای القاطع ۱۲ عمدہ — ای النقد او الذی یبلغ قیمتہ للسرقۃ الصغری وہو عشرۃ دراہم ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ ڈکیتی اور رہزنی کا بیان۔ اگر کوئی شخص جس کی جان ومال شرعًا محفوظ ہے ڈکیتی کا ارادہ کرے ایسے شخص پر جس کی جان ومال محفوظ ہے یعنی درآں حالیکہ رہزنی کا قصد کرنیوالا معصوم الدم ہو۔ مطلب یہ کہ وہ مسلمان یا ذمی ہو اور مال لینے یا قتل کرنے سے پہلے وہ گرفتار ہو جائے تو اسے جیل کی سزا دیجائے گی یہاں تک کہ اس ارادہ سے توبہ کرے یعنی نیکیوں کی علامتیں ظاہر ہونے تک اسکو قید میں رکھا جائے اور اگر وہ مال لوٹ لے (اور اس کے بعد گرفتار ہو) اور (ڈاکوں کی جماعت میں سے) ہر ایک کو چوری کے نصاب (یعنی دس درہم) کی مقدار مال کا حصہ ملے تو ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں۔

تشریح:۔ اس لئے کہ وہ پہلے سے اس کا مالک ہو چکا ہے اور ایک قول میں قطع لازم ہے اس لئے کہ صنعت کے باعث دوسری چیز بن گئی لہذا وہ اس کے عین کا مالک نہ بنا اور امام صاحب کے قول پر حد کا واجب ہونا بالکل ظاہر ہے اس لئے کہ چور اس کا مالک نہیں ہوتا ۱۲ بنایہ
[3] قولہ یوخذ الثوب الخ یعنی مالک اسے لے لے گا اور رنگ کرنے کی وجہ سے قیمت میں جو اضافہ ہوا ہے وہ چور کو واپس کر دے گا کیونکہ رنگ کرنے سے خصوصًا سرخ رنگ سے کپڑے کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اس کی نظیر غصب کا مسئلہ ہے کہ غصب کے بعد اگر سرخ رنگ کر لیا تو غاصب سے کپڑا واپس لیا جائے گا اور رنگ سے جو قیمت بڑھ گئی ہے وہ غاصب کو دے گا اس کا اصل نکتہ یہ ہے کہ کپڑا اصل ہے اور رنگ اس کے تابع ہے اس لئے تابع کے سبب سے اصل کو واپس لینا ممتنع نہ ہوگا۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ رنگ صورت اور معنی ہر لحاظ سے قائم ہے اور مالک کا حق کپڑے میں صرف صورۃً قائم ہے معنی نہیں ہے اور جو چیز ہر اعتبار سے موجود ہو اس کا لحاظ مقدم ہے اُس سے جو بعض اعتبار سے موجود ہے اسی بنا پر ہم نے چور کے پہلو کی ترجیح دی اور واپس نہ کرنے اور ضمان نہ آنے کا حکم دیا ۱۲ ہدایہ، بنایہ۔
[4] قولہ فلا ینقطع الخ اس لئے کہ مالک کا حق قیمت بڑھ جانے ہی سے منقطع ہوتا ہے قیمت گھٹنے سے منقطع نہیں ہوتا ۱۲۔
[5] قولہ زیادۃ کالحمرۃ الخ ایسے ہی امام محمدؒ کے نزدیک سیاہ رنگ سے کپڑے کی قیمت بڑھ جاتی ہے صاحبین اور امام صاحب کے درمیان سیاہ رنگ سے سرخ رنگ کی طرح قیمت بڑھ جانے اور کپڑے کی قیمت گھٹ جانے کے بارے میں اختلاف، حالات اور مذاق زمانہ کے اختلاف پر مبنی ہے نہ کہ دلیل کے اختلاف پر۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں لوگ سیاہ کپڑے پہننے سے احتراز کرتے تھے اور صاحبینؒ کے زمانہ میں اس کا پہننا عام اور مرغوب ہو گیا ۱۲ فتح۔

(حاشیہ صہٰذا) [1] قولہ باب قطع الطریق الخ۔ اس کا مطلب یہ ہے "قطع المارۃ والمسافرین عن الطریق" یعنی راہ گذار اور مسافروں کا راستہ روک کر لوٹنا، تو قطع کے اصل مضاف الیہ کو حذف کر کے متعلق کی طرف اضافت کر دی گئی ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ یہاں طریق سے مراد ہے، گذرنے والے یعنی محل بول کر حال مراد ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ اضافت بمعنی فی ہے یعنی "قطع فی الطریق" اور اسکو سرقہ کبری بھی کہا جاتا ہے۔ بنایہ میں ہے کہ قطع طریق کے لئے چند شرائط ہیں ۱۔ ڈاکوؤں میں اتنی قوت وشوکت ہو کہ گذرنے والے ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں۔ ۲۔ شہر سے باہر دور جگہ میں واقع ہو۔ ۳۔ دار الاسلام کے اندر ہو۔ ۴۔ جیسا ہوا مال قدر نصاب ہو۔ ۵۔ تمام ڈاکو اجنبی ہوں چنانچہ اگر ان میں کوئی ذو رحم محرم ہو تو حد نہیں آئے گی ۶۔ توبہ سے پہلے گرفتار کرلئے جائیں ۱۲
[2] قولہ حبس الخ۔ اس باب میں اصل سورہ مائدہ کی یہ آیت ہے "انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض ذٰلک لہم خزی فی الدنیا

من خلافٍ وان قتل بلا اخذٍ قتل حدًّا لا قصاصًا ای هذا القتل بطریق الحد

لا بطریق القصاص فذکر ثمرۃ هذا بقوله فلا یعفوه ولی وان قتل واخذ قطع
ای ثمرۃ کونہ حدا لا قصاص ۱۲ عدہ

ثم قتل او صلب او قتل او صلب حیًّا فقوله او قتل عطفٌ علی قطع ای ان شاء
عطف علی قطع او قتل الثانی ۱۲ عدہ

قطع ثم قتل او صلب وان شاء قتل او صلب حیًّا من غیر قطع ویبعج برمح

حتی یموت البعج شق البطن ویترک ثلثۃ ایام وما اخذ فتلف لا یضمن ای اذا
بفتح الباء والموحدۃ ۱۲ عدہ — ای یترک المصلوب علی حالہ ۱۲ عدہ

قتل قاطع الطریق فلا یجب ضمان ما تلف کما فی السرقۃ الصغری وبقتل احدهم
اضافۃ الی الفاعل کا اشار الیہ

حدًّا ای ان باشر القتل احدهم یجب الحد علی الجمیع۔

ترجمہ:۔ مخالف جانب سے کاٹا جائے گا یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں، اور اگر اس نے کسی کو جان سے مار ڈالا اور مال نہیں لیا تو اسے بطور حد قتل کیا جائے گا قصاص کے طور پر نہیں، یعنی یہ قتل، حد کی رو سے ہوگا قصاص کی رو سے نہیں۔ آگے ماتن نے حد کے اعتبار کا ثمرہ اپنے اس قول سے بیان فرمایا کہ اسی وجہ سے ولی مقتول اس قتل کو معاف نہیں کر سکتا ہے (بخلاف قصاص کے کہ ولی کے معاف کر دینے سے معاف ہو جاتا ہے) اور اگر وہ ڈاکو کسی کو جان سے مارے اور مال بھی لیوے تو اس کا ہاتھ پاؤں کاٹا جائے پھر اسے قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا تو صرف قتل کر دیا جائے یا فقط سولی دی جائے تو ماتن کا قول "او قتل" اس کا عطف ہے "قطع" پر مطلب یہ کہ ۱. اگر چاہے پہلے ہاتھ پاؤں کاٹ دے پھر قتل کرے یا سولی دیدے ۲. یا چاہے تو ہاتھ پاؤں کاٹے بغیر صرف قتل کر دے ۳. اور چاہے تو فقط سولی دیدے اور (سولی دینے کی صورت میں) اس کا پیٹ نیزے سے پھاڑ دے یہاں تک کہ وہ مر جائے اور "بعج" خاص کر پیٹ چیرنے یا پھاڑ کو کہتے ہیں اور تین دن تک اس کی لاش سولی پر رہنے دے اور جو مال اس نے لیا اور تلف ہو گیا اس کا تاوان نہ دے گا یعنی جب ڈاکو کو بطور حد قتل کر دیا جائے تو اس پر تلف شدہ مال کا ضمان لازم نہ ہوگا جیسا کہ معمولی چوری میں ضمان نہیں آتا۔ اور ایک کے قتل کرنے سے سب پر حد پڑے گی، یعنی اگر ان ڈاکوؤں میں سے ایک نے قتل کیا تو سب پر حد لازم ہوگی۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) ولهم فی الآخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم۔ اس آیت میں اَوْ کا کلمہ بعض کے نزدیک تخییر کے لئے ہے یعنی حاکم کو اختیار ہے کہ ڈاکو کو ان میں سے جو سزا چاہے دے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اَوْ اس جگہ اختلاف حالات کے مطابق تقسیم کے لئے ہے حضرت ابن عباس سے یہی منقول ہے (اخرجہ الشافعیؒ فی الام وعبد الرزاق وابن ابی شیبہ والبیہقی وغیرہم) پھر بعض کے نزدیک آیت کے اندر نفی سے مراد دار الاسلام سے نکال دینا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں حبس وقید مراد ہے کیونکہ نکال دینے سے نہ زجر ہوتا ہے اور نہ شر دفع ہوتا ہے بلکہ وہ تو دوسرے شہر میں جا کر اور ڈاکہ ڈالنے کا موقع پائے گا ۱۲ فتح۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ قطع ثم قتل الخ یعنی ڈاکو اگر قتل کرے اور مال بھی لوٹے تو حاکم کو اختیار ہے کہ ۱. داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دے پھر قتل کرے ۲. ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد سولی پر چڑھا دے ۳. قطع ید ورجل، قتل اور سولی تینوں کو جمع کرے ۴. صرف قتل پر اکتفا کرے ۵. صرف سولی دینے پر اکتفا کرے۔

۲؎ قولہ ثلثۃ ایام الخ۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اسے اپنی حالت میں چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو جائے تاکہ لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہوتی رہے مگر ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ رکھ دینے سے عام لوگوں کو اس کی بدبو سے اذیت ہوگی اس لئے اسی پر اکتفا کیا جائے گا ۱۲

۳؎ قولہ علی الجمیع الخ اس لئے کہ یہ ڈکیتی کی سزا ہے اور ڈکیتی سب ہی سے متحقق ہوتی ہے کیونکہ اس کارروائی میں ایک دوسرے کا مددگار رہتا ہے چنانچہ اگلے لوگ ناکام ہو جائیں تو پیچھے کے ساتھیوں سے مل کر قوت حاصل کرتے ہیں البتہ ان میں سے کسی ایک سے قتل کا سرزد ہونا حد قتل کے لئے شرط ہے ۱۲ فتح

وحجرٌ وعصاً الهم كسيف فان جُرِح واخذ قطع وهدر جرحُه وان جرح فقط
(بقدر ما يجرح وتر او سيف ۱۲ عده) (اي القطاع الطريق ۱۲ عده)

او قتل عمداً ان تاب اي تاب قبل ان يوخذ او كان منهم غير مكلّف او ذو رحمٍ
(اي لقطاع الطريق ۱۲ عده)

محرم من المارّة او قطع بعضُ المارّة على البعض او قطع الطريق ليلاً او نهاراً

في مصرٍ او بين مصرين فلاحدّ وللولي قَود او ارشه او عفوه اي في الصّور
(القود بفتحتين القصاص ۱۲ الارش بفتح الهمزة الدية ۱۲ عده)

المذكورة لايجب الحدّ بل ان كان القتل عمداً فللولي القود وان كان غير
(اي القتل ۱۲ عده)

عمد فالدّية ويكون للولي العفو وعند ابي يوسف اذا كان بعضهم غير مكلّف
(اي بلغ القطاع ۱۲ عده)

اي صبيّاً او مجنوناً فباشر العقلاء يحدّ الباقون اما في المصر او بين المصرين
(اي غير الصبي والمجنون ۱۲ عده)

اذا كانا قريبين كالكوفة والحيرة بحيث يلحقه الغوث غالباً.

ترجمہ:- اور پتھر اور لاٹھی سے مار ڈالنے کا حکم تلوار کا سا ہے اور اگر ڈاکو کسی کو زخمی کرے اور مال لے لے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور زخم کرنے کا قصاص جاتا رہے گا، اور اگر ڈاکو صرف زخمی کرے (اور مال نہ لے) یا جان سے مار ڈالے پھر رہزنی سے توبہ کرے یعنی پکڑے جانے سے پہلے ہی توبہ کرے یا ان رہزنوں میں بعض غیر مکلف ہوں یا جس قافلہ پر رہزنی کی ہے اس کے ساتھ دو رحم محرم کی قرابت ہو قافلہ کے بعض لوگ اپنے دوسرے ساتھیوں پر ڈکیتی کریں یا رات کو خواہ دن کو شہر کے اندر یا قریبی دو شہروں کے بیچ میں رہزنی کریں تو ان سب صورتوں میں حد لازم نہ ہوگی البتہ ولی مقتول کو اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت وصول کرے یا معاف کردے. یعنی مذکورہ صورتوں میں حد واجب نہ ہوگی بلکہ اگر قتل عمد ہے تو ولی کو اختیار ہے کہ قصاص لے اور اگر عمد نہیں تو دیت ہے اور ولی کو عفو کا اختیار ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ان رہزنوں میں سے بعض غیر مکلف ہوں یعنی نابالغ بچے یا مجنون ہوں لیکن عاقل بالغ افراد ہی ڈاکہ ڈالیں (مال لوٹیں یا قتل کریں) تو ان مکلفین پر حد قائم ہوگی. اور شہر کے اندر یا ایسے دو شہروں کے درمیان رہزنی جو کہ باہم بالکل قریب ہیں مثلاً کوفہ اور حیرہ کے بیچ میں ڈکیتی کریں جہاں ان قریب شہروں سے مدد پہونچنے کا غالب امکان ہے.

سلہ قولہ فان جرح الخ یہ ڈاکے کی پانچویں حالت ہے یعنی اگر کوئی ڈاکو زخمی کرے اور مال بھی لوٹے تو پھر اس کے مخالف سمت کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور زخم کا تاوان اس پر نہیں آئے گا اس لئے کہ حد اور ضمان دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے جیسا کہ پہلے گذر چکا ۱۲

سلہ قولہ فللولی الخ یعنی جن صورتوں میں حد نہیں ہوتی ان میں ولی کو اختیار حاصل ہوگا چنانچہ قتل کی صورت میں وہ قصاص لے سکتا ہے اور جن اعضاء میں قصاص ہوتا ہے ان کے کاٹنے میں اعضاء کا قصاص لے گا اور جن میں دیت ہے ان میں دیت لے گا اور چاہے تو اپنا حق معاف کردے سکتا ہے اس لئے کہ جب اللہ کا حق یعنی حد واجب نہ ہو وہاں بندے کا حق ثابت ہوگا ۱۲

سلہ قولہ اما فی المصر الخ. ہدایہ میں ہے کہ جو رات یا دن کو شہر میں یا کوفہ اور حیرہ جیسے قریبی شہروں کے درمیان ڈاکے ڈالے تو استحساناً اسے ڈاکہ نہ کہا جائے گا اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی ڈاکہ میں شمار ہو چنانچہ امام شافعیؒ کا قول یہی ہے کیونکہ ڈاکہ کی حقیقت موجود ہے اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ حد لازم ہوگی جبکہ شہر سے باہر کا واقعہ ہو چاہے قریبی جگہ کیوں نہ ہو اس لئے کہ وہاں اسے مدد نہیں مل سکتی اور ان سے دوسری روایت میں ہے کہ ڈاکو اگر شہر کے اندر بھی دن کے وقت اسلحہ سے حملہ کریں یا رات کے وقت اسلحہ یا لاٹھی پتھر وغیرہ سے حملہ کریں تو وہ ڈاکو شمار ہوں گے اور حد قائم ہوگی اس لئے کہ ہتھیار استعمال کی صورت میں مدد پہونچنے کا دفعہ نہیں ملتا اور رات کو مدد دیر سے پہنچتی ہے. ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ قطع طریق اصل میں کہا جاتا ہے گذرنے والا قافلہ پر ڈاکہ ڈالنا اور یہ بات عموماً شہر اور اس کے قرب وجوار میں واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ وہاں سرعت سے مدد مل سکتی ہے. (باقی صفحہ آئندہ پر)

ففیہ خلاف الشافعیؒ وعند ابی یوسفؒ اذا قاتلوا نھارًا بالسلاح حُدّوا وکذا فی اللیل سواء بالسلاح او غیرہ وفی الخنق دیۃ ومن اعتادہ قتل بہ سیاسۃ الخنق من صور القتل بالمثقل وفیہ القصاص عند غیر ابی حنیفۃ رحمہ اللہ۔

(حاشیہ متن: فعندہ یکون ہو قطع الطریق ویقام عدہ ۱۲ عمدہ — ای کان فی المصر او بین مصرین ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ تو اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (یعنی ان کے نزدیک یہ بھی رہزنی ہے اور اس پر حد قائم ہوگی) اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک (مذکورہ صورۃ میں) اگر دن کو ہتھیار سے رہزنی کریں تو ان پر ڈکیتی کی حد قائم ہوگی اور اسی طرح رات کو ڈکیتی کرنے سے حد قائم ہوگی خواہ ہتھیار استعمال کریں یا لاٹھی پتھر وغیرہ۔ اور جو کسی کا گلا گھونٹ کے مار ڈالے تو اس پر دیت لازم ہوگی اور جس سے ایسی حرکت بار بار سرزد ہو تو مصلحت عامہ کی خاطر اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ گلا گھونٹ کر مارنا بھاری چیزوں سے قتل کرنے کی صورتوں میں شامل ہے جس پر امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے نزدیک قصاص ہے (اور صرف امام صاحب کے نزدیک دیت واجب ہے)

تشریح:۔ (بقیہ مرگذشتہ) البتہ انہیں گرفتار کیا جائے گا مال واپس لینے کے لئے تاکہ مستحق کو اپنا حق مل جائے اور اس جرم پر ان کو قید وغیرہ کی سزا دی جائے گی اور اگر وہ کسی کو قتل کریں تو ولی مقتول کو حق ہوگا کہ وہ قصاص لے یا معاف کر دے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ ومن اعتادہ الخ یعنی جو لوگوں کے گلا گھونٹنے کا عادی ہو اور ایسی حرکت بار بار کرے تو امام کو اختیار ہے کہ تعزیر کے طور پر اسے قتل کر دے اس لئے کہ وہ زمین پر فساد پھیلانے والا بن گیا۔ اس لئے ممکن حد تک اس برائی کو دور کرنا چاہیئے ۱۲

۲؎ قولہ وفیہ القصاص الخ سید شریف جرجانیؒ نے بتایا کہ وجوب قصاص کا تعلق قتل عمد سے ہے اور عمد یہ ہے کہ کسی کو قصدًا مارے ہتھیار سے یا جو بدن کو گھائل کرنے میں ہتھیار کے قائم مقام ہو مثلاً تیز دھار لکڑی یا پتھر سے مارا اور اس پر گناہ اور قصاص لازم آتا ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر وہ ایسی چیز کے ساتھ عمدًا مارے جس سے عمومًا انسان قتل ہو جاتا ہے چاہے وہ دھار نہ ہو مثلاً بڑے پتھر سے مارا تو یہ بھی قتل عمد ہے اور جس قتل سے کفارہ لازم ہوتا ہے وہ یا تو شبہ عمد ہے مثلاً ایسی چیز سے قصدًا مارے جس سے عمومًا قتل نہیں کیا جاتا ہے اور اس کا حکم دونوں قولوں کے مطابق عاقلہ قاتل پر دیت اور لزوم گناہ وکفارہ ہے قصاص نہیں ہے اور یا قتل خطأ ہے مثلاً شکار پر تیر مارا اور غلطی سے کسی انسان کو لگ گیا، یا نیند میں کروٹ لیا اور کسی پر ایسا گرا کہ وہ ہلاک ہو گیا یا جس سواری پر سوار تھا اس نے کسی کو روند ڈالا وغیرہ۔ اور اس کا حکم کفارہ ہے اور دیت ہے عاقلہ پر اور اس میں گناہ نہیں ہے ۱۲

كتابُ الجهاد

هو فرض كفاية بدأ أي ابتداءً وهو ان يبدأ المسلمون بمحاربة الكفار ان (احتراز عما اذا بدأ الكفار)
قام به بعض سقط عن الباقين فان تركوا أثموا الا على صبيٍّ وعبدٍ وامرأة (وبرهم الا اذا اراة الا عده)
واعمى ومقعد واقطع وفرض عين ان هجموا فتخرج المرأة والعبد بلا اذن (هو هنا طوع اليد عه)
فانه اذا هجم الكفار على ثغر من الثغور يصير فرض عين على من كان يقرب
منه وهم يقدرون على الجهاد واما على من ورائهم فاذا بلغ الخبر اليهم يصير (اي خبر هجوم الكفار على الثغر ١٢ عده)
فرض عين عليهم اذا احتيج اليهم بان خيف على من كان يقرب منهم بانهم
عاجزون عن المقاومة او بان لم يعجز والكن تكاسلوا ثم وثم الى ان يصير
فرض عين على جميع اهل الاسلام شرقًا وغربًا۔

جہاد کا بیان

ترجمہ :۔ جہاد کا بیان۔ جہاد کی ابتدا کرنی فرض کفایہ ہے یہاں بدأ بمعنی ابتدا ہے یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خود کافروں سے لڑائی کا آغاز کریں تو اگر بعض مسلمان اس فرض کو ادا کرلیں گے باقی سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی نہ کرے گا تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے اور جہاد لڑکے اور غلام اور عورت اور اندھے اور اپاہج اور ہاتھ پاؤں کٹے پر فرض نہیں۔ اور جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اگر کافر چڑھ آدیں تو اس صورت میں عورت بدون اجازت اپنے شوہر کے اور غلام بدون اجازت مالک کے جہاد کو نکلیں چنانچہ دار الاسلام کی سرحدوں میں سے جس سرحد پر کفار حملہ کردیں تو وہاں کے قرب و جوار کے تمام لوگوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ جبکہ ان میں جہاد کرنے کی قدرت ہو اور ان سے پچھلے لوگوں پر بھی جہاد فرض عین ہو جائے گا جب وہ خبر پادیں اور ان کی حمایت کی ضرورت ہو یعنی قرب و جوار کے لوگوں کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دشمن کی مدافعت سے عاجز ہوں گے یا عاجز تو نہیں مگر سستی کا مظاہرہ کرنے لگیں۔ پھر ان لوگوں پر فرض ہوگا جو ان سے قریب ہیں اسی طرح درجہ بدرجہ مشرق و مغرب کے جمیع اہل اسلام پر فرض ہو جائے گا۔

تشریح۔ ؎ قولہ وفرض عین الخ فرض کفایہ پر اس کا عطف ہے خلاصہ یہ کہ جب دشمن مسلمانوں کے علاقہ پر چڑھ آئے اور اس پر تسلط ہو جائے تو ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے اس حالت کو نفیر عام کہا جاتا ہے۔ شرح سیر کبیر میں امام سرخسی نے بتایا اصل نکتہ یہ ہے کہ جہاد کی فرضیت اس کے حسن ذاتی کی بنا پر نہیں کیونکہ اس سے اللہ کے بندوں کو عذاب دینا اور آبادی کو برباد کرنا ہوتا ہے جس میں بذات خود کوئی خوبی نہیں۔ ہاں یہ فرض ہوا ہے صرف اعلاء کلمۃ اللہ اور اللہ کے بندوں سے شر و فساد دور کرنے کے لئے اور جو امر غیر کے سبب سے فرض ہو وہ مقصد اگر بعض کے ذریعہ حاصل ہو جائے تو وہ فرض کفایہ رہتا ہے اور جب بعض سے حاصل نہ ہو تو سب پر فرض ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں تشریف لے جاتے لیکن مدینہ کے ہر آدمی کو اپنے ہمراہ نکلنے کا پابند نہ کرتے اور نفیر عام کے علاوہ پیچھے رہ جانے والوں پر ملامت نہ فرماتے تو جب کفار سب مل کر کسی علاقہ پر چڑھ آئیں اور بعض اہل اسلام سے جہاد کا مقصد یعنی دفع شر کفار حاصل نہ ہو تو پھر ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے حتیٰ کہ غلام پر آقا کے اذن کے بغیر عورت پر خاوند کی اجازت کے بغیر اور بالغ لڑکے پر والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے نکل پڑنا فرض ہو جاتا ہے کیونکہ اوائے فرض کے لئے بندے کی اجازت کی ضرورت نہیں اور اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں جیسا کہ صراحۃً حدیث میں وارد ہے (ترمذی) بلکہ اس حالت میں جو جہاد سے منع کرے گا وہ گنہگار ہوگا ۱۲

؎ قولہ وہم یقدرون علی الجہاد الخ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جہاد کی فرضیت قدرت پر معلق ہے اور قدرت سے مراد ضروری ہتھیار۔ سواری اور زاد راہ وغیرہ ۱۲

وهذا نظير صلوة الجنازة تصير فرضا على جيرانه دون من هو بعيد عن الميت

وكذا التجهيز والتكفين والدفن ونحو ذلك ۱۲ عده — اى جيران الميت ۱۲ عده — من المقيم فى بلاد اخرى ۱۲ عده

فان قام بها الاقربون او بعضهم سقط عن الكل وان بلغ الى الابعد انّ الاقربين

ضيّعوا[1] حقّه فعلى الابعد ان يقوم بها فان ترك الكل فكل من بلغ اليه خبر موته

من الاقارب والاباعد ۱۲ عده

يصير آثما وكره الجُعل مع[2] فيءٍ وبدونه لا الجُعل ما يُجعل للعامل على عمله والمراد

بترك فرض ۱۲ عده

انه اذا كان فى بيت المال شئ لا يجعل الامام على ارباب الاموال شيئا من غير

اى اغنياء رعيته ۱۲ عده

طيب انفسهم ليتقوى به الغزاة اما[3] اذا لم يكن فيه شئ فيفعل ذلك فان

متعلق بالجعل المنفى ۱۲ عده

حوصروا اى الكفار بان حاصرهم المسلمون دُعُوا[4] الى الاسلام فان أبوا فالى

اى عرضوا عن الاسلام ۱۲ عده

الجزية فان قبلوا فلهم ما لنا وعليهم ما علينا۔

اى اداء الجزية ۱۲ عده

ترجمہ: ۔ اوراس کی نظیر نماز جنازہ ہے کہ اہل میت کے ہمسایہ پر فرض ہوتی ہے دور کے لوگوں پر نہیں تو اگر قرب وجوار کے لوگ یا ان میں سے بعض یہ فرض ادا کرلیں تو سب کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گی اور اگر دور والوں کو خبر پہونچے کہ قریب والوں نے میت کا حق ضائع کر دیا تو دور والوں پر ضروری ہے کہ وہ نماز جنازہ ادا کریں اور اگر سب نے ترک کر دی تو جن لوگوں تک اس کی موت کی خبر پہونچی وہ سب گنہگار ہوں گے۔ اور جہادی ٹیکس وصول کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ بیت المال میں فئ (کی آمدنی) موجود ہو ورنہ مکروہ نہیں۔ جعل وہ مال ہے جو عامل کو اس کے عمل کے معاوضہ میں دینے کے لئے مقرر کیا جائے اور یہاں جعل مکروہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب بیت المال میں جہاد پر خرچ کرنے کے لائق مال موجود ہو تو حاکم وقت مجاہدین کی مدد معاش کی غرض سے ملک کے مالداروں پر کوئی جبری ٹیکس نہ لگائے۔ ہاں اگر بیت المال خالی ہو تو ایسا کرنا درست ہے پس اگر دشمن کا محاصرہ کیا جائے یعنی اگر مسلمان دشمنان کفار کا محاصرہ کریں تو اولا ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کریں اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کے لئے وہی حقوق ہیں جو ہمارے لئے ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہیں جو ہم پر ہیں۔

تشریح:

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ ضیعوا حقہ الخ۔ یعنی انہوں نے اس کے کفن دفن اور جنازہ کا کوئی اہتمام نہیں کیا اور اس کی طرف انہوں نے بالکل توجہ نہیں دی ہے ۱۲

[2] قولہ مع فیئ الخ۔ فا کے زبر کے ساتھ شئ کے وزن پر فیئ اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے بغیر حاصل ہو جیسے خراج اور جزیہ وغیرہ اور جنگ کے ذریعہ حاصل ہونے والے مال کو غنیمت کہا جاتا ہے لیکن یہاں فیئ کا لفظ عام ہے جو غنیمت وغیرہ سب کو شامل ہے جیسا کہ شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ جہادی ٹیکس کی کراہت صرف غنیمت کے بالمقابل فیئ کے موجود ہونے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کا دار ومدار بیت المال میں قدر ضرورت مال موجود ہونے پر ہے خواہ غنیمت ہو یا فیئ یا دوسرے ذریعہ کی آمدنی ۱۲

[3] قولہ اما اذا لم یکن فیہ شئ الخ یعنی بیت المال کا موجود مال سامان فوج کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو تو امام کے لئے ملک کے اغنیاء پر بغرض جہاد ٹیکس مقرر کرنا جائز ہے بلکہ امام کو چاہیئے کہ لوگوں کو ترغیب دے کہ ایک دوسرے کی مساعدت ومعاونت کریں جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک میں ترغیب دینی ثابت ہے یہی غزوہ جیش العسرہ کے نام سے مشہور ہے ۱۲

[4] قولہ دعوا الی الاسلام الخ یعنی امام اور اس کے ساتھی انہیں اسلام کی دعوت دیں اگر وہ اسلام قبول کرلیں تب تو پھر جنگ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے بھی طریقہ ثابت ہے (باقی صد آئندہ پر)

اعلم انه لايراد هٰذا الحكم على العموم حتى يدل على انه يجب عليهم من العبادات وغيرها ما يجب علينا لانّ الكفار لا يخاطبون بالعبادات عندنا وامّا عند من يقول بانهم مخاطبون فالذمي وغيره في ذٰلك سواء وعند قبول الجزية لا نأمرهم بالعبادات كما نأمر المسلمين بل يراد انه يجب لهم علينا ويجب لنا عليهم اذا تعرضنا لدمائهم واموالهم او تعرضوا لدمائنا واموالنا ما يجب لبعضنا على بعض عند التعرض وذٰلك لان قبل قبول الجزية كنا نتعرض لدمائهم واموالهم وكانوا يتعرضون لدمائنا واموالنا فقبول الجزية ليس الا لزوال هٰذا التعرض تؤيد ذٰلك انهم جعلوا الدليل على هٰذا الحكم قول علي رضي الله عنه انما بذلوا الجزية ليكون دماؤهم كدمائنا واموالهم كاموالنا.

(حواشی بین السطور: اي باداء اتباعنا ۱۲ عده — اي اذا تعرضنا نحن على الاسلام اي بعض — اي بالقتل والنهب والغارة ۱۲ عده — من ابتذل بمعنى العرف والاعطار اي انما بذل الكفار الجزية ۱۲ عده)

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ یہ حکم علی العموم مراد نہیں تاکہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ ہماری طرح ان پر بھی عبادات وغیرہ واجب ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک کفار مخاطب بالعبادات نہیں اور جو حضرات کفار کو عبادات کا مخاطب مانتے ہیں ان کے یہاں ذمی اور غیر ذمی اس معاملہ میں برابر ہیں اور قبول جزیہ کے وقت ان کے نزدیک بھی ہم ان کو مسلمانوں کی طرح ادائے عبادات کا حکم نہیں کر سکتے۔ (اس لئے کسی کے نزدیک حکم علی العموم نہیں) بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا حق ہم پر واجب ہے جبکہ ہم ان کی جان و مال سے تعرض کریں اور ہمارا حق ان پر واجب ہے جب وہ ہماری جان، و مال پر تعدی کریں جس طرح ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر ان حقوق میں تعدی کرنے سے واجب ہوتا ہے اور اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جزیہ قبول کرنے سے پہلے جس طرح وہ ہماری جان و مال سے تعرض کرتے تھے ہم بھی ان کی جان و مال سے تعرض کرنے کا حق رکھتے تھے تو اب جزیہ قبول کرنے کا منشا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس تعرض سے حفاظت ہو جائے اس مطلب کے تعیین کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فقہاء نے حکم مذکور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ "کفار اسی غرض سے جزیہ دیتے ہیں۔ تاکہ ان کی جانیں ہماری جانوں کی طرح اور ان کے مال ہمارے مالوں کی طرح محفوظ ہو جائیں۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ جب بھی آپ نے کسی قوم سے جنگ کیا تو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی (حاکم عبدالرزاق، طبرانی، مسند احمد وغیرہم)

(حاشیہ صفحہ ھذا) ؎۱ قولہ لان الکفار لا یخاطبون الخ یہ اپنے قول لا یراد کی علت ہے۔ خلاصہ یہ کہ علماء کا اتفاق ہے کہ کفار پر حالت کفر میں عبادات ادا کرنی لازم نہیں، البتہ وہ لوگ ایمان اور حد شرب خمر کے علاوہ جمیع احکام عقوبات کے مخاطب ہیں اسی طرح خرید و فروخت بیع کے علاوہ دوسرے اوامر معاملات کے بھی مخاطب ہیں اور عبادات کے متعلق مشائخ سمرقند کا قول یہ ہے کہ کفار نہ ان کی ادا کے مخاطب ہیں اور نہ اعتقاد کے اور مشائخ بخارا کی رائے میں وہ ادا کے مخاطب نہیں البتہ اعتقاد کے مخاطب ہیں اور عراقیوں کا مسلک یہ ہے کہ وہ عبادات کے بھی مخاطب ہیں۔ چنانچہ عبادات ادا نہ کرنے اور ان کے حق ہونے کا اعتقاد نہ رکھنے کی بنا پر انہیں سزا دی جائے گی اصول فقہ کی کتابوں میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ۱۲

؎۲ قولہ یؤید ذٰلک الخ یعنی عبادات کے شامل نہ ہونے یا صرف جان و مال کے بارے میں عدل و انصاف کے ساتھ مقید ہونے کی تائید ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ جہاں فقہاء نے قبول جزیہ کے بعد یہ حکم لگایا ہے "لھم مالنا وعلیھم ما علینا" وہاں انہوں نے حضرت علی کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "جب ذمی لوگ جزیہ دینا قبول کریں۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ولا يقاتل من لم تبلغه الدعوة وندبت اى الدعوة اى ندب تجديد الدعوة لمن بلغته فان ابوا اى عن الجزية حُورِبوا بمنجنيق وتحريقٍ وتغريقٍ ورمي ولو معهم مسلمٌ وتترسوا به بنيتهم لا بنيته وقطع شجرٍ وافساد زرعٍ بلا غدرٍ وغلولٍ ومثلة قال فى الهداية الغدر الخيانة ونقض العهد وقد قال الحرب خدعةٌ فتشتبه على الناس التفرقة بين الغدر وبين خدعة الحرب فاقول مادام الحرب قائمة لا يحرم الخداع بان نريهم انا لا نحاربهم فى هذا اليوم حتى امنوا فنحاربهم فيه او نذهب الى صوب اٰخر حتى غفلوا فناتيهم بياتاً ونحو ذلك بخلاف ما اذا جرى بيننا وبينهم قرار على ان لا نحارب فى هذا اليوم حتى امنوا فانه لا تجوز المحاربة۔

(حواشی: بفتح الدال ١٢ عده — اى بنية الكفار لا بنية قتل المسلم ١٢ عده — د و كان مثمرا ١٢ عده — بفتح الغين المعجمة وسكون الدال المهملة ١٢ عده — الذى نهى عنه ١٢ عده — بالفتح اى جانب آخر ١٢ عده — عدوًا فى الكفار الاخبار — اى من الامن ١٢ عده)

ترجمہ:۔ اور لڑائی جائز نہیں ان کے ساتھ جن کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی۔ اور مستحب ہے، دعوت، یعنی آغاز جنگ سے پہلے از سرنو اسلام کی دعوت دینی مستحب ہے، جن کو پہلے دعوت پہونچ چکی ہو (بہر حال) پھر بھی اگر وہ انکار کریں یعنی جزیہ دینے سے تو ان سے جنگ کی جائے توپ وتفنگ کے ذریعہ اور جلا کر اور ڈبو کر اور تیر برسا کر اگرچہ ان کے ساتھ مسلمان ہوں اور کفار بعض مسلمانوں کو ڈھال بنالیں ایسی صورت میں کفار کے مارنے کی نیت ہو نہ کہ مسلمان کو مارنے کی۔ اور ان کے درخت کاٹے جائیں گے اور کھیتیاں برباد کی جائیں گی۔ البتہ غدر اور غلول اور مثلہ جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے کہ غدر خیانت اور عہد شکنی کو کہتے ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ "الحرب خدعۃ" (لڑائی مکر و فریب ہے) اب لوگوں کی نظر میں اشتباہ ہو سکتا ہے کہ غدر اور خداع حرب میں فرق کیا ہے (تو شارح فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ جب تک لڑائی جاری رہے اس دوران میں دشمن کو دھوکہ دینا حرام نہیں مثلاً ہم اپنے رویہ سے کفار پر یہ ظاہر کریں کہ آج اور ہم ان سے لڑنے والے نہیں یہاں تک کہ وہ جب بالکل مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں اچانک ہم ان پر ٹوٹ پڑیں یا ہم کفار کا رُخ چھوڑ کر دوسری طرف کو چلے جائیں یہاں تک کہ وہ بالکل غافل ہو جائیں (اور یہ خیال کریں کہ مقابلہ چھوڑ کر ہم چلے گئے ہیں) پھر ہم (دوسری طرف سے) آکر اچانک رات کے وقت ان پر چھاپہ ماریں، اس قسم کی تدبیروں کو خداع کہا جاتا ہے (جو حدیث میں وارد اور جائز ہے) بخلاف اس صورت کے جبکہ ہمارے اور دشمن کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہو جائے کہ ہم ان سے آج اور لڑائی نہ کریں گے یہاں تک کہ وہ بالکل مطمئن ہو گئے ایسی حالت میں پھر لڑنا جائز نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) تو ہمارے ذمہ ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور ان سے تعرض کرنا جائز نہیں، اس لئے پتہ چلا کہ "لہم مالنا وعلیہم ما علینا" سے ان کی مراد یہی ہے کہ ان کے جان و مال سے تعرض نہ کیا جائے اور ہرگز یہ مراد نہیں کہ عبادات وغیرہ بھی ان پر واجب ہیں۔ جس طرح کہ ہم پر واجب ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ قولہ ولا یقاتل الخ مجہول کا صیغہ ہے یعنی جسکو اسلام کی دعوت نہ پہونچی ہو ان سے جنگ کرنا حلال نہیں مگر یہ کہ جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم مال لوٹنے یا قیدی پکڑنے کے لئے جنگ نہیں کر رہے اس لئے اب بھی اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو پھر جنگ کی کوئی ضرورت نہ رہے گی۔ اسی پر محمول ہیں وہ احادیث جن میں جنگ سے پہلے اسلام کی طرف دعوت دینے کا حکم وارد ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

لِاَنّ هٰذا استيمان وعهد فالمحاربة نقض العهد وهٰذا ليس من خداع الحرب بل خداع فی حال السّلم فيكون غدرًا والغلول السّرقة من المغنم والمثلة اسمٌ من مثل به يمثُل مثلًا كقتل يقتُل قتلًا ای نكل به معناه جعله نكالًا وعِبرةً لغيره مثل قطع الاعضاء وتسويد الوجه يقال مثل بالقتيل ای قطع انفه ومُثلة العرنيين نُسِخَتْ

(ای طلب الامان ۱۲ عده — الصلح ۱۲ عده — بفتح السین وکسرہا بمعنی الصلح ۱۲ عده — بضم المیم اسم مصدر ۱۲ عده — بکسر السین ۱۲ عده — ای جعلہ اسود ۱۲ عده)

ترجمہ:۔ اس لئے کہ یہ تو عہد و امان ہے جس کے بعد لڑنا سراسر عہد شکنی ہے ایسا اقدام دوران لڑائی کے خداع یا داؤں میں سے نہیں بلکہ یہ تو صلح و امان کی حالت میں دھوکہ دہی ہے اس لئے یہ عہد شکنی اور خیانت ہوگی اور غلول مال غنیمت میں سے چرانے کو کہتے ہیں اور "مثلۃ" کا لفظ اسم مصدر ہے مثل بہ یمثل مثلاً سے جو کہ قتل یقتل قتلاً کے باب سے ہے۔ تو مثل بہ کے معنی نکل بہ یعنی اسکو ایسی سزا دی جو دوسروں کے لئے عبرتناک اور سبق آموز ہو مثلاً اس کے اعضا کاٹ دیئے اور چہرہ سیاہ کر دیئے چنانچہ کہا جاتا ہے "مثل بالقتیل" یعنی مقتول کی ناک کاٹ ڈالی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کو جو مثلہ کیا تھا وہ منسوخ ہے

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) ہدایہ میں ہے کہ اگر دعوت الی الاسلام سے پہلے جنگ کی تو گنہگار ہوگا۔ لیکن دین یا دار کی حفاظت میں نہ ہونے کی بنا پر کوئی تاوان یا خونبہا لازم نہیں آئے گا، جیساکہ دوران جنگ میں عورتیں یا بچے قتل ہو جانے پر کوئی تاوان نہیں آتا ۱۲

لہ قولہ وتحریق الخ یعنی ان کے جان و مال کو آگ سے جلانا اور پانی میں ڈبو دینا بھی جائز ہے کیونکہ ان امور کا منشاء یہ ہے ان کو غیظ دلانا، ان کی قوت و شوکت توڑنا اور ان کی جمعیت کو بکھیر دینا اسی غرض سے ان کے درختوں کو کاٹنا بھی جائز ہے اور اس باب میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "ما قطعتم من لینۃ او ترکتموہا قائمۃ علی اصولہا فباذن اللہ ولیخزی الفاسقین" ابو داؤد اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طائف کا محاصرہ کیا تو آپ نے ان پر منجنیق نصب فرمایا اور صحاح ستہ میں ہے کہ مدینہ منورہ کے یہودی قبیلہ بنو نضیر کو جبکہ آپ نے جلاوطن فرمایا تو ان کے درخت کاٹ دیئے اور ان میں آگ لگا دی گئی ۱۲

سلہ قولہ فالقول الخ یعنی دونوں کے درمیان فرق بیان کرنے کے سلسلہ میں جس میں ایک کا جواز اور دوسرے کا عدم جواز ظاہر ہو جائے۔ خلاصہ فرق یہ ہے کہ غدر کہتے ہیں ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد و پیمان طے ہو چکا یا جو صلح قرار پا چکی ہے اُسے توڑ دینا، چنانچہ ابو داؤد ترمذی اور نسائی میں ہے کہ حضرت معاویہ رضہ اور رومیوں کے درمیان ایک عہد صلح ہوا تھا جب اس عہد کی مدت پوری ہونے کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اس طرف فوج کشی شروع کر دی تاکہ عہد پورے ہوتے ہی ساتھ ساتھ حملہ کر دیں گے یہ خبر پا کر ایک شخص گھوڑے یا ٹٹو پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے اللہ اکبر، اللہ اکبر وفاءً لا غدر" لوگوں نے دیکھا کہ یہ حضرت عمرو بن عنبسہ رضہ ہیں تو حضرت معاویہ نے ان کو بلایا اور دریافت فرمایا آپ نے جواب میں کہا کہ میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس کا دوسری قوم کے ساتھ کوئی عہد ہو تو وہ اس کی مدت ختم ہونے یا علی الاعلان عہد واپس کرنے سے پہلے نہ تو کوئی گرہ باندھے اور نہ کوئی گرہ کھولے (یعنی پیش قدمی اور خلاف ورزی نہ کرے) یہ سنکر حضرت معاویہ لوگوں کو لے کر واپس ہو گئے۔ اور جنگ میں خداع در اصل اس چال کا نام ہے جو جنگ چلنے کے درمیان دشمن کے خلاف اختیار کیا جائے تاکہ لڑائی کی کامیابی میں مدد ملے

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ ومثلۃ العرنیین الخ یہ اس اشکال کا جواب ہے کہ مثلہ کی ممانعت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ عرنیین کے واقعہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے ان کا مختصر قصہ یہ ہے کہ عکل اور عرینہ قبیلہ کے کچھ آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام کی بیعت کی، مدینہ کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی وہ بیمار ہو گئے (باقی صد آئندہ پر)

بقوله لا تغلّوا ولا تغدروا ولا تمثّلوا وفي المثلة تغيير خلق الله تعالى فتحرم
اخرجه مسلم وغيره علي اذكره ۱۲ عده

وقتلُ غيرِ مكلّفٍ وشيخٍ فانٍ واعمى ومقعدٍ وامرأةٍ الّا مَلِكةً اومقاتلاً

منهم اوذامالٍ يحثّ به اوذا رأيٍ في الحرب وابٍ كافرٍ بدأ فيقتله
بحيث يكون من يثير الناس ۱۲ عده

غير ابنه اي لا يقتل الابن الاب الكافر ابتداءً وهو احترازٌ عمّا

اذا قصد الاب قتله بحيث لا يمكنه دفعه الا بقتله فانه لا بأس
اي قتل ابنه ۱۲ عده — اي لا يمكن للابن دفع ابيه عن نفسه الا بالقتل ۱۲ عده

بقتله وقوله فيقتلَه بالنصب اي لان يقتله غيره فالفعل المضارع

ينتصب بأنْ مقدرةٍ بعد الفاء اذا كان ما قبلها سببًا لما بعدها
اي ما قبل الفاء ۱۲ عده

اي بعد[2] عدّة اشياء منها النفي

ترجمہ:- آپ کے اس ارشاد سے "لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا" (غلول نہ کرو، عہد نہ توڑو اور مثلہ نہ کرو) علاوہ ازیں مثلہ میں اللہ کی خلقت کے اندر تبدیلی ہے (جو بنص قرآن حرام ہے) اس لئے بھی مثلہ حرام ہوگا۔ اور غیر مکلف (لڑکے پاگل) اور بڑھے فرتوت اور اندھے اور اپاہج کو اور عورت کو قتل کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ جب کوئی ان میں سے حاکم ہو یا لڑتا ہو یا صاحب مال ہو اور اپنے مال کے ذریعہ کافروں کو لڑائی پر ابھارتا ہو یا لڑائی کے امور میں مشورہ دیتا ہو (تو اسے قتل کرنا جائز ہے) اور منع ہے کہ مسلمان لڑکا اپنے باپ مشرک کو ابتداءً قتل کرے بلکہ لڑکے کے علاوہ دوسرا کوئی شخص اس کو قتل کر دے یعنی اگر دشمنوں میں کافر باپ شامل ہو تو لڑکا اس کے قتل میں اقدام نہ کرے اور "ابتداء" کی قید میں اس سے احتراز مقصود ہے جبکہ باپ اس کے قتل کا قصد کرے اور اس کو اس سے بچنے کی سوائے قتل کے کوئی صورت نہ بن سکے تو اس حالت میں کافر باپ کو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ماتن کا قول "فیقتلہ" نصب کے ساتھ ہے اَنْ مقدرہ کی بنا پر یعنی تقدیر عبارت یوں ہے "لان یقتلہ غیرہ" اور فعل مضارع فاء کے بعد اَن مقدرہ سے منصوب ہوتا ہے جبکہ فاء کے ماقبل سبب ہو اس کے مابعد کا، یعنی ان چند چیزوں کے بعد واقع ہو (جو کہ کتب نحو میں مذکور ہیں) جن میں سے ایک نفی ہے۔

تشریح (بقیہ ص گذشتہ) اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی آپ نے انہیں مدینہ سے باہر جہاں صدقہ کے اونٹ تھے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان کے دودھ اور پیشاب پیؤ۔ آخر وہ صحت مند ہو گئے پھر انہوں نے چرواہوں کو قتل کیا اسلام سے مرتد ہو گئے اور اونٹ ہنکا کر لے گئے جب آپ کو خبر ملی تو ان کے پیچھے بعض صحابہ کو بھیجا اور وہ پکڑ لئے گئے۔ آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور انہیں اس حال میں حرۂ مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ کہ تڑپ تڑپ کر مر گئے (بخاری ومسلم) شارح فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ابتداء اسلام کا ہے بعد میں قول حدیث سے یہ منسوخ ہو گیا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ وقتل غیر مکلف الخ یعنی ان میں سے غیر مکلف بچے اور پاگل کو قتل نہ کیا جائے ایسے ہی شیخ فانی اور عورت کو کیونکہ حدیث میں ہے "تم قتل نہ کرو شیخ فانی، بچے اور عورتوں کو" (ابوداؤد) اور صحیحین میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غزوہ میں ایک کافرہ عورت کو قتل شدہ دیکھا تو آپ نے اس پر نکیر کیا اور ارشاد فرمایا افسوس! اسے کیوں قتل کیا گیا یہ تو لڑنے والی نہیں تھی اس باب میں اصل بات یہ ہے کہ جہاد کی غرض بلا ضرورت دنیا کو تباہ کرنا اور بندوں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور کفار کے شر و فساد کو دفع کرنا ہے تو جن سے شر و فساد کا خطرہ ہو ان ہی کو قتل کیا جائے گا معذور و مجبور کو قتل نہیں کیا جائے گا ۱۲

[2] قولہ بعد عدۃ اشیاء الخ۔ یعنی فاء کے بعد اَن مقدرہ ماننے کے لئے اس فاء سے پہلے ان چھ چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا لازمی ہے۔

(باقی صفحہ آئندہ پر)

فینبغی ان یصیر عدم قتل الابن اباہ سببًا لقتل غیر الابن اباہ بان یشغلہ ویلبثہ لیجیٔ اٰخر فیقتلہ واخراج[1] مصحف وامرأۃ الا فی جیش یؤمن
(ومثلہ کتب حدیث و فقہ وغیر یا لا ینبغی اخراجہا ۱۲ عدہ) (ای من انفرادۃ ۱۲ عدہ)

علیہم وصولحوا اِنْ خیرا ویؤخذ منہم مال ان لنا بہ حاجۃ ونبذ اِنْ ھو
(ای ان کان بال الاسلام احتیاج الی المال فان لم یکن حاجۃ فلا یکون المقصود اعلاء کلمۃ اللہ تعالٰی ۱۲ عدہ)

انفع نقوتلوا لفظ کان مضمر فی قولہ اِن خیرا او ان لنا بہ حاجۃ ونبذ
(بکسر الہمزۃ شرطیۃ فی مواضع الثلٰثۃ ۱۲ عدہ)

ان ھو انفعُ النبذ نقض المصالحۃ مع اخبارھم بذٰلک وقبل نبذٍ

لو خانوا ابدأً ای قوتلوا قبل نبذٍ ان بدؤا بالخیانۃ وصولح المرتد
(ای ابتدأ ۱۲ عدہ)

بلا مالٍ ولا ردٍّ ان اخذنا یعنی یجوز لنا ان نصالح المرتد ولا نعجّل
(ای المال من المرتد ۱۲ عدہ)

فی قتلہ لان اسلامہ مرجوٌّ لکن لا ناخذ منہ شیئًا لانہ یکون جزیۃ۔

ترجمہ:۔ اس لئے بیٹے کا اپنے باپ کو قتل نہ کرنا سبب ہونا چاہئے دوسرے کسی کے اس کو قتل کرنے کا جس کی صورت یوں ہوسکتی ہے کہ بیٹا باپ کو کسی طرح الجھائے رکھے یا روکے رکھے تاکہ اس وقفہ میں دوسرا کوئی آئے اور اسے قتل کر دے اور جہاد میں قرآن شریف اور عورتوں کو ہمراہ لے جانا ممنوع ہے ہاں اگر ایسا بڑا لشکر ہو کہ جس سے ان کے بارے میں اطمینان ہو کہ دشمن کا ان پر دسترس نہیں ہوسکتا تو ساتھ لے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں اور کافروں سے صلح کی جاسکتی ہے اگر امام اس میں بہتری سمجھے اور (مصالحت کے موقعہ پر) اُن سے مال لینا بھی جائز ہے اگر مسلمان حاجتمند ہوں۔ اور عہد توڑ دے اگر اس میں مصلحت ہو، اس کے بعد کفار سے لڑائی لڑی جائے۔ ماتن کا قول "اِن خیرا" اور "ان لنا بہ حاجۃ" اور "ان ھو انفع" میں تینوں جگہ "اِن شرطیہ کے بعد" "کان" فعل ناقص مقدر ہے اور "نبذ" کے معنی ہیں دشمن کو اطلاع دے کر مصالحت ختم کر دینا، اور اگر کافر پہلے ہی خیانت کر ڈالیں تو پھر اپنی طرف سے نقض عہد کی اطلاع دیئے بغیر جنگ کی جاسکتی ہے، یعنی اگر خیانت کی ابتداء ان سے ہو تو اطلاع سے پہلے ان سے لڑی جاسکتی ہے .... اور مرتدوں سے صلح کی جاسکتی ہے لیکن ان سے مال نہ لیا جائے اور اگر لے لیا جائے تو پھر ان کو واپس نہ دیں، یعنی ہمارے لئے مرتد سے صلح کرنا اور ان کے قتل میں عجلت سے کام نہ لینا جائز ہے کیونکہ ان سے قبول اسلام کی توقع ہے، لیکن ہم اُن سے (مصالحت کے بدلہ میں) کوئی مال وصول نہ کریں گے کیونکہ یہ تو جزیہ کے حکم میں ہوگا۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) ۱۔ امر مثلاً "زرنی فاکرمک" یعنی میری جانب سے زیارت ہو تو میری جانب سے اکرام واحترام ہوگا۔ ۲۔ نہی۔ مثلاً لا تشتمنی فاضربک، ان دونوں میں دعائیہ جملہ بھی شامل ہے مثلاً یوں کہے "اللہم اغفرلی فافوزہ ولا تواخذلی فاہلک" ۳۔ استفہام مثلاً "ہل عندکم ماءٌ فاشربہ"، ۴۔ نفی مثلاً "ما تاتینا فتحدثنا"، اور اس میں تحضیض اور مطالبہ بھی داخل ہے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "لولا نزل علیہ ملک فیکون معہ نذیرا"، ۵۔ تمنی مثلاً "لیت لی مالا فانفقہ"، ترجی بھی اس میں داخل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی الٰہ موسٰی"، ۶۔ عرض ودرخواست مثلاً۔ الا تاتینا فتحدثنا، یا توالا تنزل بنا فتصیب خیرا۔ ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) [1] قولہ واخراج مصحف الخ کیونکہ حدیث میں ہے، قرآن ہمراہ لے کر سفر نہ کرو اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ میں نہ آجائے (مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی سرزمین میں قرآن مجید لیکر سفر کرنے سے منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم) ہدایہ میں ہے کہ جب لشکر عظیم ہو اور اس کے محفوظ رہنے پر پورا اطمینان ہو تو قرآن مجید اور عورتیں ہمراہ لے کر جہاد کے لئے جانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسے موقع میں سلامتی کا گمان غالب ہے اور غالب کو متحقق مانا جاتا ہے ۱۲ محمد مختصر۔

(باقی صد آئندہ پر)

ولا يجوز اخذ الجزية من المرتد لكن لو اخذ نا لا نرد اليه لانه مال غير معصوم ولا يباع[1] سلاح وخيل وحديد منهم[اى الكفار ۱۲ عمدہ] ولو بعد صلح وصح امان حرّ وحرّة فان كان شرًّا[2] نبذ وادّب ولغا امان الذمّى واسير[اى مسلم ۱۲ عمدہ] وتاجر معهم[اى مسلم ۱۲ عمدہ] ومن اسلم ثمه[دار الحرب ۱۲ عمدہ] ولم يهاجر الينا[اى الى بلاد الاسلام ۱۲ عمدہ] وصبى وعبد الا ماذونين ومجنون[وجه عدم صحة الامان فقدان عقله ۱۲ عمدہ] المراد بالاسير مسلم اسير فى يد الكفار وبالتاجر تاجر مسلم معهم

ترجمہ:۔ اور مرتد سے جزیہ لینا جائز نہیں لیکن اگر ان سے مال لے لیا جائے تو پھر وہ واپس نہیں کریں گے اس لئے کہ ان کا مال معصوم و محفوظ نہیں اور کافروں کے ہاتھ اسلحے، گھوڑے اور لوہا نہ بیچے جائیں، اگرچہ صلح کے بعد ہی کیوں نہ ہو اور جس کافر کو آزاد مسلمان مرد یا عورت پناہ دے تو اس کی امان صحیح ہے ہاں اگر حاکم اسلام اس کو خلاف مصلحت سمجھے تو علی الاعلان اسے توڑ دے اور امان دینے والے کو تادیب کرے اور اگر کوئی ذمی یا قیدی یا تاجر جو کفار کے ساتھ ہے یا جو دار الحرب میں اسلام لایا ہے اور ہماری طرف ہجرت کر کے نہیں آیا یا لڑکا یا غلام یا مجنون امان دے تو ان سب کی امان باطل ہے ہاں لڑکا یا غلام اگر اپنے ولی یا آقا کی اجازت سے جنگ میں شریک ہوں تو ان کی امان معتبر ہے، قیدی سے مراد وہ مسلمان قیدی جو کافروں کے قبضہ میں ہو اور تاجر سے مراد مسلمان تاجر جو دار الحرب میں کافروں کے ساتھ ہو۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) سلہ قولہ ان ہو انفع الخ یعنی اگر صلح مسترد کرنا مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو مسترد کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب مصلحت بدل جائے تو مسترد کر دینا ہی جہاد ہے اور وعدہ پورے کرنے پر رہنا حقیقتاً ترک جہاد ہے البتہ غدر سے بچنے کے لئے صلح ختم کرنے کی خبر ان کو دینی ضروری ہے اور خبر پہونچنے کے بعد بھی اتنی مدت توقف کرنا چاہیئے کہ صلح رد کرنے کی خبر ان سب کو پہونچ جائے اور اس کے لئے اتنی مہلت کافی ہے کہ صلح رد کرنے کی خبر ان کے بادشاہ تک پہنچنے کے بعد اس مدت میں تمام اطراف مملکت میں اس خبر کا پہونچنا ممکن ہو لیکن اگر اپنی جانب سے صلح نہ توڑی جائے بلکہ کافروں کی غداری اور خیانت کی بنا پر توڑی جائے تو پھر کافروں کو اس کی اطلاع دینا ضروری نہیں اس لئے کہ وہ خود ہی عہد شکنی بن چکے ہیں اب ہمارے لئے نقض عہد کی ضرورت نہیں کہ پھر اس کی خبر انہیں دینی پڑے ۱۲ ہدایہ

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ ولا یباع الخ اور اسی طرح نہ انہیں ادھار دیا جائے اور نہ ہی ان کو ہبہ کیا جائے اور اس بارے میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" اور ان اشیاء کو ان کے ہاتھ فروخت کرنے اور انہیں ان کا مالک بنانے میں مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے پر ان کو قوت پہونچانی ہوگی، اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ "آپ نے فتنہ کے موقع میں اسلحہ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے (بیہقی، طبرانی وغیرہ) البتہ انہیں کھانا پہونچانا ما کسانا جائز ہے ۱۲

سلہ قولہ فان کان شرا الخ یعنی لشکر میں سے کوئی آدمی امان دیدے اور امام اسکو مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف سمجھے تو اس کافر کو مطلع کر کے امان مسترد کر دے جیسا کہ نقض صلح کا حکم ہے اور امن دینے والے کو اس کی خود رائی پر سزا دے ۱۲

بَابُ الْمَغْنَمِ وَقِسْمَتِهٖ

قسّم الامام بين الجيش ما فتح عَنْوَةً او اقرّ اهله عليه بجزية وخراج

قوله او اقرّ عطفٌ على قوله قسّمَ الامام ثمّ عطف على احد الامرين

وهو قسّما و اقرّ قوله وقتل الاسارى او استرقّهم او تركهم احرارًا ذمّةً

لنا اى ليكونوا اهل ذمّة لنا و نُفِيَ مَنُّهم و فداهم المَنّ ان يُترك

الاسيرُ الكافرُ من غير ان يُأخذ منه شيئًا والفداء ان يترك و

يأخذ منه مالًا او اسيرًا مسلمًا منهم فى مقابلته ففى المَنّ خلاف

الشافعىؒ.

مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا بیان

ترجمہ:- مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا بیان۔ جو ملک بزور قوت فتح ہو حاکم اسلام اُسے لشکر اسلام کے درمیان بانٹ دے یا اس ملک کے باشندوں کو اس پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ اور (ان کی زمین پر) خراج مقرر کردے ماتن کا قول "او اقرّ" کا عطف ہے "قسّم الامام" پر پھر اس تقسیم یا برقراری میں سے ہر ایک شق پر عطف کیا ہے اگلے قول کو "اور قیدیوں کو چاہے مار ڈالے اور چاہے ان کو غلام بنالے اور چاہے آزاد چھوڑ دے ہمارے ذمی کی حیثیت سے" یعنی وہ جزیہ کر کے مسلمانوں کے ذمی بن جائیں۔ اور یہ جائز نہیں کہ ان قیدیوں کو مفت احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں "منّ" یہ ہے کہ کافر قیدی کو کچھ مال لئے بغیر چھوڑ دیا جائے۔ اور "فداء" یہ کہ مال لیکر اسے چھوڑ دیا جائے یا مسلمان قیدی کے بدلہ میں چھوڑا جائے منّ (احسان) کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک اگر امام مصلحت سمجھے تو بلا معاوضہ بھی چھوڑ سکتا ہے)

تشریح:- ۱؎ قوله باب المغنم الخ۔ میم پر زبر غین ساکن پھر نون مفتوح، مغنم اور غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو غازیوں کی قوت سے لڑائی کے ذریعہ کفار سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور خراج جزیہ وغیرہ جو بغیر لڑائی کے کفار سے حاصل ہو اسے فئی کہا جاتا ہے۔ غنیمت کا پانچواں حصہ امام کے اختیار میں ہوتا ہے اور باقی چار حصے مجاہدین کا حق ہے جو سامنے آنے والی تفصیل کے مطابق ان میں تقسیم کئے جائیں گے اور فئی میں خمس نہیں ہوتا بلکہ یہ بیت المال میں جمع ہوگا اور حسب مصالح خرچ کیا جائے گا ۱۲

۲؎ قوله بجزية وخراج الخ جزیہ جیم کے کسرہ کے ساتھ اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو امام کفار کے اشخاص پر ماہانہ یا سالانہ مقرر کرتا ہے اور خراج خاء کے فتحہ کے ساتھ اس لگان کو کہتے ہیں جو ان کی زمینوں پر مقرر کیا جاتا ہے ۱۲

۳؎ قوله ونُفِيَ الخ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی کافر قیدیوں پر احسان کرنا جائز نہیں۔ کہ انہیں قتل کرنے یا غلام بنانے یا ان پر جزیہ لگانے کے بغیر مفت چھوڑ دیا جائے اسی طرح ان سے فدیہ لینا بھی جائز نہیں۔ لیکن امام محمدؒ نے سیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت اور ضرورت ہو وہ بدر کے قیدیوں کے واقعۂ فدیہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اس لڑائی میں جو ستر کافر گرفتار ہوئے تھے ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا ۱۲

واما الفداء فقبل ان تضع الحرب اوزارها يجوز بالمال لا بالاسير المسلم وبعده لا يجوز بالمال باجماع علمائنا وبالنفس لا يجوز (اى بعد انفراغ من الحرب ۱۲ عمده) عند ابی حنيفة ويجوز عند محمد وعن ابی يوسف روايتان (فى الجواز وعدمه ۱۲ عمده) وعند الشافعى يجوز مطلقاً وردهم الى دارهم وعقر دابة (الجملة صفة الدابة ۱۲ عمده) يشق نقلها وذبحت (اى تلك الدابة ۱۲ عمده) وحرقت (اى بعد الذبح ۱۲ عمده) وقسمة مغنم ثمه (اى فى دار الحرب ۱۲ عمده) الا ايداعاً فيرد ههنا (اى فى دار الاسلام ۱۲ عمده) فيقسم وردء ومدد لحقهم ثمه كمقاتل فيه اى فى المغنم لا سوقى لم يقاتل ولا من مات ثمه لانه بالاحراز يصير ملكاً لنا (اى مال المغنم ۱۲ عمده) وعند الشافعى يصير ملكاً باستقرار هزيمة الكفار فمن مات بعد ذلك يورث نصيبه۔

ترجمہ:۔ اور فدیہ کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ لڑائی موقوف ہونے سے پہلے مال لے کر چھوڑنا جائز ہے لیکن مسلمان قیدی کے بدلے میں چھوڑنا جائز نہیں اور لڑائی موقوف ہونے کے بعد بالاجماع ہمارے علماء مال کے عوض میں چھوڑنا جائز نہیں، اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں بھی امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک چھوڑنا جائز نہیں البتہ امام محمد رح کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف رح سے اس باب میں دو روایتیں ہیں اور امام شافعی رح کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ اور جائز نہیں کافر قیدیوں کو دار الحرب میں واپس بھیج دینا اور مویشیوں کی کوچیں کاٹنا جبکہ انہیں دار الاسلام میں لانا مشکل ہو بلکہ ان کو ذبح کرکے جلا دیا جائے اور دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم نہ کریں البتہ اگر لشکر والوں کو مال اس لئے بانٹ دیں تاکہ ان کے پاس امانت رہے کہ دار الاسلام میں پہونچ کر تقسیم کی جائے گی تو جائز ہے۔ اور معین و مددگار جو کہ مسلمان کو پہونچے دار الحرب میں تو وہ لڑنے والوں کے مانند اس میں حصہ دار ہوں گے یعنی مال غنیمت میں یہ مددگار ان کے شریک ہوں گے۔ مگر بازاری شخص جو لڑائی میں شریک نہیں ہوا وہ حصہ دار نہ ہوگا اور وہ مجاہد بھی غنیمت میں شریک نہ ہوگا جو کہ دار الحرب میں مرجائے اس لئے کہ دار الاسلام میں بحفاظت لے آنے کے بعد ہی اس پر ہماری ملکیت ثابت ہوتی ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک کفار کی شکست متعین ہوجانے کے بعد ملکیت ثابت ہوجاتی ہے تو جو شخص اس کے بعد مرے اس کے وارثوں کو ملے گا۔

تشریح[1] قولہ وردہم الی دارہم الخ۔ منہم پر اس کا عطف ہے جیسا کہ اگلا جملہ "وعقر دابۃ" اور "قسمۃ مغنم" کا عطف ہے اور یہ سب نفی کے تحت داخل ہیں۔ مطلب یہ کہ کافر قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے کافروں کو قوت حاصل ہوگی ۱۲

[2] قولہ وردء ومدد الخ رِدْءٌ را مکسور، دال ساکن پھر ہمزہ کے ساتھ، بمعنی معین و مددگار اور را پر فتحہ ہو تو مصدر ہوگا چنانچہ کہا جاتا ہے۔ رَدَءَہٗ رَدْءًا یعنی اس نے اس کی مدد کی۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی جماعت دار الحرب میں مجاہدین کی مدد و نصرت کے لئے جاملے تو وہ بھی ان کے ساتھ غنیمت میں شریک ہوجائے گی ۱۲

[3] قولہ لا سوقی الخ سوق کی طرف نسبت ہے بمعنی بازاری یعنی جو شخص لشکر اسلام کے ساتھ بغرض تجارت گیا ہو وہ غنیمت میں حصہ دار نہ ہوگا البتہ اگر وہ بھی لڑائی میں شریک ہو جائے تو اس کو غنیمت کا حصہ ملے گا، کیونکہ وہ قتال کی نیت سے دار الحرب میں داخل نہیں ہوا۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

ویورث قسطُ من مَاتَ ھنا وحلّ[1] لنا ثمہ طعامٌ وعَلفٌ وحطبٌ ودھنٌ
وسلاحٌ بہ حاجۃ بلا قسمۃ لا بعد الخروج منھا ولا بیعُھا وتموّلھا[2]
وردّ الفضل الی المغنم ومن اسلم ثمہ عَصِمَ نفسہ وطفلہ لانہ
صار مسلمًا تبعًا ومالًا معہ او اودعہ معصومًا ای مالًا وضعہ
امانۃ عند مسلم او ذمیّ لا ولدہ کبیرًا وعِرسہ وحملھا و
عُقارہ لانّ العقار من جملۃ دار الحرب وھو فی ید اھل الدار
ففیہ خلاف الشافعیؒ وعبدہ مقاتلًا ومالہ مع حربیّ بغصب
او ودیعۃ ویعتبر وقت المجاوزۃ[3]۔

(ای فی دار الاسلام ۱۲ عدہ — ای فی دار الحرب ۱۲ — بکبراہین ع الزوجۃ ۱۲ عدہ — بالفتح ای ارضہ ۱۲ عدہ — حال من العبد ۱۲ عدہ — دکذا مع مسلم او ذمی غصبا ۱۲ عدہ)

ترجمہ:۔ اور جو شخص دار الاسلام میں آن کر مرے گا اس کا حصہ (سب کے نزدیک) وارثوں کو دلایا جائے گا اور مسلمانوں کے لیے دار الحرب میں مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کھانا، گھاس، لکڑیاں، تیل، ہتھیار جن کی ضرورت ہو استعمال میں لانا جائز ہے اور دار الحرب سے نکل آجانے کے بعد ان کا استعمال جائز نہیں اور ان کا بیچنا اور اپنے لئے جمع کرکے رکھنا بھی جائز نہیں۔ اور واپسی کے بعد جو بچ جائے وہ مال غنیمت میں واپس کردے اور دار الحرب میں جو مسلمان ہو جائے محفوظ ہو جائے گی ہمارے نصرت سے اس کی جان اور اس کا نابالغ بچہ، کہ وہ بھی باپ کی تبعیت میں مسلمان شمار ہوتا ہے اور اس کا مال جو اپنے پاس ہو یا ایسے شخص کے پاس امانت رکھی ہو جس کا خون محفوظ ہے یعنی کسی مسلمان یا ذمی کے پاس جو مال بطور امانت رکھی ہو وہ بھی غنیمت ہو جانے سے محفوظ رہے گا۔ لیکن (اس کے مسلمان ہو جانے سے) محفوظ نہ ہوگی اس کی اولاد کبار اور اس کی بیوی اور اس کا حمل اور زمین کیونکہ زمین تو دار الحرب ہی کا حصہ ہے جو کہ دار الحرب والوں کے قبضہ میں ہے البتہ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور محفوظ نہ ہوگا اس کا لڑنے والا غلام اور جو مال اس کا حربی کے پاس بطور غصب یا امانت ہو۔ اور حصہ غنیمت کے استحقاق میں سرحد پار ہونے کے وقت کا اعتبار ہوگا۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اس لئے اس کے حق میں سبب ظاہر کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ حقیقی سبب یعنی قتال میں شرکت کا اعتبار ہوگا اور یہی مراد ہے حضرت عمرؓ کے اس قول کا «الغنیمۃ لمن شہد الوقعۃ» (ابن ابی شیبہ) ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] قولہ وحل لنا ثمہ الخ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے کسی کے لئے اپنا حصہ فروخت کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے غنیمت کو فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ البتہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ مال غنیمت میں کھانے کی جو چیزیں ہیں ان میں سے کھائیں اور چارہ اور جو وغیرہ اپنے جانوروں کو کھلائیں یہاں تک کہ بوقت ضرورت غنیمت کی گائیں اور بکریاں ذبح کرکے کھا سکتے ہیں، کھانے اور چارے میں استعمال کی چیزوں پر خمس نہیں ہے چنانچہ صحابہ کرام ایسا کرتے تھے البتہ کوئی کچھ فروخت نہ کرتا تھا اگر کوئی فروخت کردے تو اسے اس میں سے کھانا حلال نہیں اور نہ ہی اس سے نفع اٹھانا درست ہے بلکہ اسے غنیمت میں واپس کردے رخصت صرف کھانے اور چارہ دینے میں ہے اگر کوئی اس سے تعدی کرے تو وہ خیانت شمار ہوگی ۱۲

[2] قولہ وتموّلھا الخ یعنی مالدار بننے کی غرض سے ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں مثلاً اپنے پاس جمع رکھے اور اپنا مال قرار دے لے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے نفع اٹھانا ضرورت کی بنا پر مباح ہے اس لئے صرف ضرورت کی حد تک اباحت محدود رہے گی ۱۲

(باقی صفحہ آئندہ پر)

اى يعتبر لاستحقاق سهم الفارس والرّاجل وقت مجاوزة الدّرب وهو الباب الواسع على السِكّة والمَضِيق من مضايق الرّوم والمراد ههنا مدخل دار الحرب وعند الشافعیؒ يعتبر وقت شهود الوقعة فمن دخل دارهم فارسًا فنفق فرسه اى مات فشهد الوقعة راجلًا فله سهمان سهم فارس ومن دخلها راجلًا فشرى فرسًا فله سهم راجلٍ هٰذا عندنا واما عند الشافعیؒ فعلى العكس وسهم الفارس عنده اربعة اسهم ولا يسهم الالفرسٍ اى فرس واحد فعلم من هٰذا انّه لا يسهم للبغل والراحلة۔

(بین السطور: ہو من معہ فرس ۱۲ عدہ — ہو من یقاتل ماشیا علی رجلیہ لا فرس معہ ۱۲ عدہ — الطریق الضیق ۱۲ عدہ — ہو کنصر وعلم بمعنی ہلک ومات ۱۲ عدہ — ای الحکمان المذکوران فی الصورتین ۱۲ عدہ)

ترجمہ:۔ یعنی گھوڑے سوار اور پیدل کا اپنے اپنے حصہ کے مستحق ہونے میں درّہ پار ہونے کے وقت کا اعتبار ہوگا (یعنی جو سوار ہوکر پار ہوا وہ سوار کا حصہ پائے گا اور جو پیادہ داخل ہوا وہ پیادے کا حصہ پائے گا) اور (درّہ یا) درب وہ دروازہ ہے جو روم کے شاہراہ اور اس میں داخل ہونے کے تنگ راستہ پر واقع ہے اور یہاں اس سے مراد دار الحرب میں داخل ہونیکا مقام ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک استحقاق حصہ میں معرکۂ قتال میں شرکت کے وقت کا اعتبار ہوگا تو جو شخص کہ (دار الاسلام سے) دار الحرب میں داخل ہونے کے وقت سوار ہو اگرچہ اس کے بعد اس کا گھوڑا مرجائے اور وہ پیادہ لڑائی میں شرکت کرے پھر بھی اس کے لئے دو حصے ہوں گے یعنی سوار کے حصے ملیں گے اور جو پیادہ دار الحرب میں داخل ہوا اور وہاں پہونچکر سواری کے لئے گھوڑا خرید لے پھر بھی اس کا ایک حصہ ہوگا یعنی پیدل کا حصہ ملے گا۔ یہ حکم ہمارے نزدیک ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک حکم اس کے برعکس ہے اور سوار کے لئے ان کے نزدیک چار حصے ہیں اور حصہ لگایا جائے گا صرف گھوڑے کا یعنی ایک ہی گھوڑے کا حصہ لگایا جائے گا اس سے معلوم ہوگیا کہ خچر اور اونٹ کے حصے نہیں ہوں گے۔

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) ؎ قولہ یعتبر وقت الخ یعنی میدان لڑائی میں حاضر ہونے کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ اور ان سے دوسری ایک روایت میں اختتام جنگ کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ غنیمت کے استحقاق کا سبب غلبہ اور قتال ہے اس لئے غازی کے اس وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا اگر اس وقت سوار ہو تو فارس کا حصہ اور پیادہ ہو راجل کا حصہ دیا جائے گا۔ اور سرحد سے تجاوز کرنا درحقیقت سبب تک پہونچنے کا وسیلہ ہے جس طرح دار الحرب کی طرف قتال کی غرض سے اپنے گھر سے نکلنا سبب نہیں بلکہ سبب تک پہونچنے کا وسیلہ ہے اس لئے غازی کے اس حال کا بالاتفاق اعتبار نہیں کیا جاتا ہے تو اسی طرح سرحد سے تجاوز کے وقت کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ دار الحرب میں داخل ہونا ہی حکمًا قتال ہے، نیز ہر آدمی کے حق میں حقیقی قتال کا معلوم کرنا دشوار امر ہے اس لئے مجبورًا سرحد سے تجاوز ہی کو قتال کے قائم مقام قرار دیا جائے گا کیونکہ یہی قتال کی نوبت پیش آنیکا ظاہری سبب ہے، ہدایہ وحاشیہ

(حاشیہ صہ ہذا) ؎ قولہ سہمٌ الخ اس میں تنوین وحدت کی ہے۔ پیدل کے حصہ کی طرف اشارہ ہے یعنی اس کے لئے صرف ایک حصہ ہے اس سے زیادہ نہیں جس پر تقریبًا تمام ائمہ کا اجماع ہے اور اس بارے میں بکثرت احادیث مروی ہیں البتہ سوار کے حصہ کے بارے میں روایات کے اندر اختلاف ہے چنانچہ طبرانی، واقدی، ابن مردویہ، ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے حضرت مقداد، زبیر، عائشہ اور ابو امامہ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو حصے اور راجل کو ایک حصہ دیئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے ان ہی روایتوں سے استدلال کیا ہے اور عقلی طور پر یہ وجہ بتاتے ہیں۔

(باقی صہ آئندہ پر)

ولا لعبد وصبيٍّ وامرأة وذمّيٍّ ورُضخ لهم الرضخ اعطاء القليل والمراد ههُنا اقلّ من سهم الغنيمة والخمس للمسكين واليتيم وابن السبيل وقُدِّم فقراء ذوي القربى عليهم ولا شئ لغنيهم وذكر الله تعالى للتبرك وسهم النبي عليه السلام سقط بموته كالصّفي هذا عندنا امّا عند الشافعيُّ فيقسم على خمسة اسهمٍ سهم الرسول عليه السلام للخليفة وعندنا سقط بموته كما سقط الصّفي فانّه كان للنبي عليه السلام ان يصطفي لنفسه شيئًا من الغنيمة وسهم ذوي القربى لهم اي لبني هاشم وبني المطلب اعلم ان النبي عليه السلام هو محمّدُ بنُ عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف وكان لعبد مناف اربعة بنين۔

ترجمہ:۔ اور حصہ نہ دیا جائے گا غلام، بچے، عورت اور ذمی کو البتہ (اگر وہ جنگ میں اعانت کریں تو) ان کو عطیہ دید یا جائیگا۔ اور یہاں رضخ سے مراد تھوڑا سا کچھ دید ینا، جو حصۂ غنیمت سے کم ہو۔ اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ مسکینوں کا ہے اور یتیموں کا اور مسافروں کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے فقراء ان (اقسام ثلثہ) پر مقدم رکھے جائیں گے اور جو لوگ ان میں سے غنی ہوں اس پانچویں حصہ میں ان کا حق نہیں اور (مصارف خمس میں آیت قرآنی کے اندر) اللہ تعالیٰ کا ذکر محض تبرکاً ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی وفات کے سبب سے ساقط ہوگیا جیسے کہ صفی کا حق ساقط ہوگیا۔ یہ ہمارا مذہب ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور وہ خلیفہ کو ملے گا اور ہمارے نزدیک آپکا حصہ آپکی وفات سے ساقط ہوگیا ہے جس طرح کہ آپ کے انتقال کے بعد صفی موقوف ہوگیا یعنی غنیمت میں سے وہ مال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس نفیس کے لئے پسند فرماتے تھے اور ذوی القربیٰ کا حصہ آپ کے قرابتداروں کے لئے ہے یعنی بنی ہاشم اور بنی المطلب کو ملیگا۔ جاننا چاہیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب یوں ہے، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف اور عبدمناف کے چار بیٹے تھے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) کہ جانور کا حصہ آدمی سے زیادہ ہونا قرین قیاس نہیں اور امام ابو یوسف "و محمد" اور امام شافعیؒ کے نزدیک فارس کے تین حصے ہیں اور راجل کا ایک حصہ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ، جابرؓ، ابوہریرہؓ، سہل ابن ابی حثمہ وغیرہم سے مرفوع روایات صحاح وغیرہ میں وارد ہیں تفصیل کے لئے فتح القدیر، نصب الرایہ وغیرہ مبسوطات کی طرف رجوع کیا جائے ۱۲

سه قوله اربعة اسهم الخ اکثر نسخوں میں ایسا ہی ہے اور یہ بلاشبہ غلط ہے اور صحیح "ثلثة اسہم" ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے یعنی گھوڑے کے دو حصے اور سوار کا ایک مجموعہ تین حصے فارس کو ملیں گے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) له قوله والخمس الخ مال غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے غازیوں میں تقسیم کا طریقہ بتلانے کے بعد اب بقیہ خمس کی تقسیم کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ اس بارے میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل" اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خمس غنیمت کے چھ حصے کئے جائیں گے۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں اللہ کا ذکر تبرک کے لئے ہے اس لئے اللہ اور رسول کا حصہ دراصل ایک ہی ہے تو خمس کے پانچ حصے ہوں گے۔

(باقی صہ آئندہ پر)

هاشم والمطلب وعبد شمس ونوفل ولما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم غنائم خيبر قسم خمس ذوی القربٰی بین بنی هاشم وبنی المطلب وکان عثمان من اولاد عبد شمس وجبیر بن مطعم من اولاد نوفل فکلّما رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالا لا ننکر فضل بنی هاشم لمکانك الذی وضعك الله فیهم ولکن نحن واصحابنا من بنی المطلب الیك فی النسب سوٓاء فما بالك اعطیتهم وحرمتنا فقال علیه السلام انهم لم یفارقونی فی الجاهلیة ولا فی الاسلام وشبّك بین اصابعه فالشافعیؒ یقسم کما قسم النبی علیه السلام ونحن نقول له علّل رسول الله صلی الله علیه وسلم بصحبتهم ونصرتهم ایّاه فلم تبق بوفاته علیه السلام فیستحقون بعد وفاته علیه السلام بالفقر حیث.

ای ذوی القربیٰ

ترجمہ:۔ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل، تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی غنیمتوں کو بانٹا، تو ذوی القربیٰ کا پانچواں حصہ صرف ہاشم اور مطلب کی اولاد میں تقسیم فرمایا ادھر حضرت عثمانؓ بن عفان عبد شمس کی اولاد میں سے اور جبیر بن مطعم، نوفل کی اولاد میں سے تھے تب ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اولاد ہاشم کی بزرگی کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں رکھا یعنی آپ ان ہی کی اولاد میں سے ہوئے لیکن ہم اور ہمارے ساتھی (یعنی بنی عبد شمس و بنی نوفل) بنی المطلب کی طرح آپ کی طرف نسبت میں برابر ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے ان کو دیا اور ہمیں محروم رکھا، تو آپ نے فرمایا کہ انہوں نے مجھ کو نہیں چھوڑا زمانۂ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں (اس باہمی اتحاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ نے تشبیک فرمائی (یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کے انگلیوں میں داخل کیں) تو امام شافعیؒ اب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافق تقسیم کرتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دینے کی وجہ بیان فرمائی کہ بنی مطلب نے میری اعانت و نصرت کی اور یہ بات آپ کی وفات کے بعد باقی نہیں رہی اس لئے اب وہ اقارب بسبب فقر کے اس خمس کے مستحق ہوں گے۔

تشریح:۔ (بقیہ صہ گذشتہ) اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یتیم، مسکین اور مسافر بلا شبہ مصارف خمس ہیں اور اس کے حصے باقی ہیں البتہ رسول اور ذوی القربیٰ کے حصہ کے معاملہ میں اختلاف ہے، امام طحاوی نے شرح معنی الآثار میں ائمہ کے اقوال اور دلائل بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے من شاء الاطلاع فلیرجع الیہ ۱۲

لـه قوله للخلیفة الخ یعنی سلطان اور امام کے لئے آپ کے بعد، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت امام اس کے مستحق تھے تو آپ کے بعد جو بھی امام ہوگا وہ اس حصہ کا مستحق ہوگا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ و علیؓ سہم رسول لینے کے زیادہ حقدار تھے۔ حالانکہ ان کا لینا ثابت نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا استحقاق رسول ہونے کی حیثیت سے تھا امام ہونے کی حیثیت سے نہیں ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) لـه قوله سوا الخ کیونکہ مطلب، عبد شمس، اور نوفل یہ سب عبد مناف کے لڑکے ہیں تو ان کی اولاد آپ کے ساتھ قرابت اور نسب کے لحاظ سے برابر ہیں اس لئے تقسیم خمس غنیمت کے معاملہ میں بھی برابر کے حقدار ہوں گے اب کیا وجہ ہے کہ بنی المطلب کو تو عطا فرمایا اور ہم کو محروم

لـه ونحن نقول الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب حضرت عثمانؓ و جبیرؓ نے (باقی صہ آئندہ پر)

قال علیہ السلام وعوّضکم منہا بخمس الخمس ولما کان عوضاً عن الزّکوٰۃ یستحقہ من یستحق الزکوٰۃ وقد نُقل ان الخلفاء الرّاشدین کانوا یقسمون علٰی نحو ما قلنا وکذٰلک عمرؓ یعطی فقراءھم ومن دخل دارھم فلغار خُمّس[۲] الامن لا منعۃ لہ ولا اذن لانّ الخمس انّما یؤخذ من الغنیمۃ والغنیمۃ ما اُخذ من الکفار قھراً او ھٰذا بالمنعۃ فان لم یکن لہ منعۃ لکن وجد اذن الامام فھو فی حکم المنعۃ لان الامام بالاذن التزم نصرتہ وللامام .... ان یُنفّل وقت القتال حثّاً فیقول من قتل قتیلاً فلہ سَلَبُہٗ التنفیل اعطاء شئ زائد علی سھم الغنیمۃ والترکیب یدل علی الزیادۃ قولہ من قتل قتیلاً فلہ سلبہ سمّاہ قتیلا لقربہ الی القتل۔

ترجمہ :۔ چنانچہ آپ نے فرمایا " اللہ تعالٰی نے تم کو زکوٰۃ کے بدلہ میں خمس کا خمس دیا ہے " اور جبکہ یہ زکوٰۃ کا بدلہ ہوا تو زکوٰۃ کا جو مستحق ہوگا وہ اس کا بھی مستحق ہوگا ، اور منقول ہے کہ خلفاء راشدین ہمارے بتلائے ہوئے طریق پر مال غنیمت تقسیم کرتے تھے اور حضرت عمرؓ فقراء ذوی القربٰی کو دیتے تھے اور اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت دار الحرب میں داخل ہو کر ان پر اچانک حملہ کرکے مال غنیمت لائے تو اس کا خمس لیا جائے گا ۔ لیکن اگر وہ فوجی تیاری اور امام کی اجازت کے بغیر گئی ہو تو خمس نہیں لیا جائے گا اس لئے کہ خمس غنیمت سے لیا جاتا ہے اور غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے قہر و غلبہ کے ذریعہ لیا جائے اور یہ غلبہ و قہر لشکر کے ساتھ ہوتا ہے اب اگر داخل ہونے والوں میں لشکری قوت نہ ہو لیکن حاکم اسلام کی اجازت پائی جائے تو یہ بھی لشکر کے حکم میں ہوگی ۔ کیونکہ حاکم نے اپنی اجازت سے گویا نصرت و مدد کی ذمہ داری لی ہے ۔
اور امام کو اختیار ہے کہ جنگ کے موقع پر مال غنیمت سے زائد کوئی چیز لشکر کے لئے مقرر کرے لڑائی پر ابھارنے کے لئے مثلاً یوں کہے کہ جو کوئی کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کا اسباب اسی قاتل کو ملے گا ۔ " تنفیل " کہتے ہیں مال غنیمت کے حصہ کے علاوہ زائد کوئی چیز عطا کرنا ۔ یہ لفظ " نفل " سے بنا ہے جس کے معنی زیادتی کے ہیں ، اور " من قتل قتیلا " میں ابھی جو قتل نہیں ہوا اس کو مجازاً قتیل کہا گیا ہے (مایؤل کے اعتبار سے) چونکہ وہ قتل ہونے کے قریب ہے ۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) شکایت کی تب آپ نے بنی ہاشم و بنی المطلب کو عطا کرنے کی علت مصاحبت اور نصرت بیان فرمائی اور یہ امتیاز انہیں حضورؐ کی زندگی میں حاصل تھا تو آپؐ کی وفات کے بعد صرف فقر ہی سے ان کا استحقاق ثابت ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ وغیرہ خلفاء نے اسی پر عمل کیا ۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] قولہ علی نحو ما قلنا الخ یعنی یہ حضرات خمس غنیمت کو تین مصارف پر تقسیم فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے باعث آپ کا حصہ اور اسی طرح ذوی القربٰی کا حصہ ساقط ہو گیا البتہ حضرت عمرؓ فقراء ذوی القربٰی کو دیتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجہ استحقاق قرابت نہیں بلکہ فقر و حاجتمندی ہے ۔
[۲] قولہ خمس الخ یہ تخمیس سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے مطلب یہ کہ امام ان کے حاصل کردہ مال کا خمس لے لے اور باقی حملہ کرنیوالوں کا حق ہے بشرطیکہ ان میں قوت دفاع ہو یا امام کی اجازت سے حملہ کئے ہوں ، کیونکہ جب اس نے اجازت دی ہے تو ان کی نصرت و مدد بھی اس کی ذمہ داری میں سے ہے جیسا اس جماعت کی مدد کرنی امام پر ضروری ہے ۔ جو اگرچہ بلا اجازت حملہ آور ہوئی ہے ۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اولسریّۃ جعلتُ لکم الربعَ بعد الخمس ای بعد ما رُفع الخمس جعلتُ لکم ربع الباقی او ثلثہ او نحو ذٰلك لابعد الاحراز ھٰھُنا ای بدار الاسلامؐ

(ای اربعۃ اخماس الغنیمۃ ۱۲ عمدہ) (لہ)

لانّہ ؏ صار ملکاً للغانمین الامن الخمس وسَلَبُہٗ ما معہ حتی مرکبہ وما علیہ وھو للکلّ ان لم ینفل خلافاً للشافعیؒ فانّ السلب عندہ للقاتل

(ای الامام ۱۲ عمدہ) (ای علی مرکوبہ ۱۲ عمدہ)

ان کان من اھل ان یسھم لہ وقد قتلہ مقبلاً لقولہ علیہ السَّلام من قتل قتیلاً فلہ سلبہ ونحن نحمل ھٰذا علی التنفیل لا علی وضع الشریعۃ۔

ترجمہ: ۔ یاشلاً چھوٹے لشکر سے کہے کہ میں نے تمہارے واسطے غنیمت کا خمس نکالنے کے بعد اس کا ایک چوتھائی حصہ مقرر کر دیا یعنی تمہارے حاصل کردہ مال غنیمت میں سے خمس علیحدہ کرنے کے بعد میں نے بقیہ مال غنیمت میں سے مثلاً ایک چوتھائی یا ایک تہائی یا اس طرح کا ایک زائد حصہ تمہارے لئے مقرر کر دیا، لیکن ہمارے یہاں مال غنیمت آجانے کے بعد کسی کے لئے زائد حصہ کا اعلان نہیں کر سکتا ہے یعنی دار الاسلام میں آجانے کے بعد کیونکہ اب اس میں سب مجاہدین کا حق قائم ہو چکا ہے البتہ خمس غنیمت میں سے دے سکتا ہے اور اس کے اسباب سے مراد وہ سب سامان ہیں جو کہ مقتول کے ساتھ ہوں یہاں تک کہ اس کی سواری اور اس پر لدے ہوئے اسباب بھی اس میں داخل ہونگے۔
اور اگر امام قاتل کو بطور نفل دیئے جانے کا اعلان نہ کرے تو مقتول کا اسباب سب غانمین میں بٹ جائے گا بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک مقتول کا اسباب . . . . ہر حال قاتل کو ملے گا بشرطیکہ (۱) قاتل حصہ پانیکا اہل ہو (یعنی مثلاً مجنون یا کبس نہ ہو) اور (۲) اس حال میں قتل کیا ہو کہ وہ بھی حملہ آور تھا، ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو وہی اس کے اسباب کا حقدار ہے ۱۲ اور ہمارے نزدیک یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ امام نفل کا اعلان کرے یہ شرعی ضابطہ نہیں ہے کہ ہر حال میں مستحق ہو جائے،

تشریح (بقیہ صہ گذشتہ) مگر اس میں قوت دفاع ہے تاکہ دین وملت کی رسوائی نہ ہو۔ تو امام کی پشت پناہی حاصل ہونے کی بنا پر غارت گری کرنے والوں کو لٹیرا قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس طرح زبردستی حاصل شدہ مال غنیمت میں شمار ہوگا ۱۲

لہ قولہ ان ینفل الخ یہ تنفیل سے مضارع کا صیغہ ہے نفل زائد کو کہتے ہیں چنانچہ تطوع کو نفل کہا جاتا ہے اور امام جب غازی کو اس کے حصہ سے زائد کچھ عطا کرے تو اسے نفل کہتے ہیں الغرض تنفیل بھی تقسیم غنائم کی ایک قسم ہے، البتہ اس کا کوئی مقررہ ضابطہ نہیں بلکہ یہ امام کی رائے پر مفوض ہے ۱۲ فتح۔

(حاشیہ صہ ہٰذا) لہ قولہ الا من الخمس الخ یعنی مال غنیمت جمع کر کے دار الاسلام میں لے آنے کے بعد امام خمس غنیمت میں سے نفل دے سکتا ہے اس لئے کہ اس میں غانمین کا حق نہیں ہے امام جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اگر یہ شبہ ہو کہ اس طرح تو مساکین وغیرہ کے حق کا ابطال یا نقصان لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصناف ثلثہ مصارف خمس ہیں ان کا کوئی لازمی حق نہیں ہے چنانچہ امام کو اس کی اجازت ہے کہ ایک ہی صنف پر تقسیم کر دے، مصارف زکوٰۃ میں اس کی نظیر گذر چکی ۱۲
لہ قولہ وسلبہ ما معہ الخ یعنی مقتول کے ساتھ جو کچھ بھی سواری، بدن کا لباس، اسلحہ، انگوٹھی اور کمربند وغیرہ ہو، نیز اس کی سواری پر جو سونا، چاندی، زین، تھیلے اور ان کے اندر جو کچھ سامان ہو وہ سب سلب میں داخل ہیں البتہ جو مال اس کے غلام اور دوسرے چوپائے پر ہو کہ جس پر وہ سوار نہیں ہے تو وہ سلب میں داخل نہ ہوگا ۱۲ نہر۔

بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّار

اذا سَبى بعضُهم بعضًا واخذوا مالَهم او بعيرًا ندَّ اليهم او غلبوا على مالنا واحرزوه بدارهم مَلَكوه هٰذا عندنا وامّا عند الشافعيؒ لايملك الكفار مالنا بالاستيلاء لما ذُكر في اصول الفقه ان النهي عن الافعال الحسية يوجب القبح لعينه والقبيح لعينه لايفيد حكمًا شرعيًّا وهو الملك قلنا انما يملكون لاستيلائهم على مالٍ غير معصوم في زعمهم وليس لنا ولاية الالزام فسقط النهي في حق الدنيا اذ العصمة انما كانت ثابتة مادام محرزًا بدارنا ليتيقن التمكن من الانتفاع فاذا زال الاحراز سقط العصمة لاحُرّنا ومدبّرنا وامّ ولدنا ومكاتبنا وعبدنا ابقاوان اخذوه.

كفار کے تسلط کا بیان

ترجمہ:۔ اگر بعض کافر دوسرے کافروں کو قید کرلیں اور ان کا مال لے لیں، یا ہمارے اونٹ بھاگ کر ان کے پاس چلے جائیں یا مسلمانوں کے مالوں پر وہ غلبہ ہو جائیں اور ان مالوں کو دار الحرب میں لے جائیں. تو وہ ان کے مالک ہو جائیں گے. یہ ہمارا مذہب ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک تسلط کی بنا پر کافر مسلمانوں کے مال کے مالک نہ ہوں گے کیونکہ اصول فقہ کا یہ مسلہ مسئلہ ہے کہ حسی افعال کی نہی سے قبح لعینہ ثابت ہوتا ہے اور جو فعل قبیح لعینہ ہو وہ کسی حکم شرعی کا فائدہ نہیں دیتا. اور یہاں حکم شرعی سے مراد ثبوت ملک ہے. ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ وہ اس بنا پر مالک ہو جائیں گے کہ اپنے گمان کے مطابق انہوں نے مال مباح غیر معصوم پر غلبہ حاصل کیا ہے اور ان پر حکم شرعی لاگو کرنے کا کوئی حق ہم کو نہیں پہونچتا اس لئے دنیوی معاملات میں حکم نہی ان پر عائد نہ ہوگا کیونکہ مال کی عصمت اسی وقت ثابت رہتی ہے جب تک کہ ہمارا مال دار الاسلام میں محفوظ رہے تاکہ مالک یقینی طور پر اس سے نفع حاصل کرسکے اب جبکہ کفار کے تسلط کے باعث دار الاسلام کی حفاظت سے نکل گیا تو اس کی عصمت بھی ساقط ہو گئی. اور وہ مالک نہ ہوں گے ہمارے آزاد اور مدبر اور ام ولد اور مکاتب اور مفرور غلام کے اگرچہ وہ اس کو پکڑ کر قید کرلیں۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ استیلاء الکفار الخ یہ اضافت مفعول کی طرف نہیں بلکہ فاعل کی طرف ہے، مصنفؒ جب کفار پر مسلمانوں کے غلبہ کے مسائل بیان کرنے سے فارغ ہو چکے تو اب ہم پر کفار کے غلبہ کے احکام اسی طرح کفار کا باہم ایک دوسرے پر تسلط کے مسائل بیان کر رہے ہیں ۱۲
۲؎ قولہ ملکوہ الخ اس کی وجہ سامنے آتی ہے البتہ معارف نص کے ذکر کر اس سلسلہ میں سورہ حشر کی آیت "للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم" میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہاں ان صحابہ کو جنہیں کافروں نے مکہ سے نکالدیا اور ان کے مکانات و اموال چھین لئے فقراء قرار دیا گیا حالانکہ وہ مکہ میں مال دار تھے تو بطور اشارۃ النص معلوم ہوا کہ جب کافر ان کے مالوں پر قابض ہوئے تو وہ مالک بھی ہو گئے اور یہ حضرات فقیر بن گئے کہ اب وہ اموال صدقات کے مستحق ہوں گے ۱۲
۳؎ قولہ قلنا الخ. یہ امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے کے مال پر تسلط کی حرمت لعینہ نہیں بلکہ بغیرہ ہے اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ تو اس متفق علیہ قاعدہ کے خلاف ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

انما قال ان اخذوہ لان الخلاف فیما اخذوہ وقہروہ وقیدوہ ففی ہٰذہ الصورۃ
لایملکونہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ خلافاً لہما (ای بین ابی حنیفۃ وصاحبیہ ۱۲ عفی عنہ) لکن ان لم یاخذوہ فہم لایملکونہ
اتفاقاً لہما ان عصمتہ کانت لحق المولیٰ وقد زالت فصار مباحاً وقع فی
ایدیہم وَ لہ انّ العصمۃ التی کانت لحق المولیٰ لما زالت ظہرت عصمتہ التی
قد کانت باعتبار الآدمیۃ فصار بمنزلۃ الاحرار فلا یملکونہ و نملک بالغلبۃ (فان الآدمی خلق بنفسہ حراً معصوماً ۱۲ عفی عنہ)
حُرَّہم وما ہو ملکہم ومن وجد منّا مالہ ای فی ید الغانمین بعد ما غلبنا (ای من اہل الاسلام ۱۲ عفی عنہ)
علیہم ولم یذکر ہٰذا لانہ یفہم من قولہ اخذہ بلا شیٔ ان لم یُقسّم
ای بین الغانمین وبالقیمۃ ان قُسّمَ وبالثمن ان شراہ منہم تاجر وان
اخذ اُرش عینہ مفقوءۃً۔

ترجمہ:۔ اور مصنف نے پکڑنے کی قید اس لئے لگائی کہ اس صورت میں ہمارے ائمہ کے مابین اختلاف ہے جبکہ وہ غلام کو پکڑ لیا ہیں اور قہرا قید کر ڈالیں چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی وہ مالک نہ ہوں گے۔ بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک وہ مالک ہو جائیں گے لیکن اگر زبردستی پکڑ کر نہ لے جائیں تو بالاتفاق کسی کے نزدیک کافر مالک ہوں گے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ غلام کی عصمت حق مولیٰ کی بنا پر تھی اور دار الحرب میں چلے جانے کی وجہ سے وہ عصمت ختم ہو گئی تو اب مال مباح کی حیثیت سے وہ کفار کے قبضہ میں آگیا اس لئے وہ مالک ہو جائیں گے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ کے حق کی بنا پر جو عصمت تھی اس کے ختم کے ساتھ ساتھ اس کی وہ عصمت لوٹ آئے گی جو آدمی ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل تھی تو وہ مباح الاصل کے حکم میں نہ ہوگا بلکہ آزاد آدمی کے مانند ہو جائے گا جس کے وہ مالک نہیں ہو سکتے اور اگر ہم ان پر غلبہ پائیں تو ان کے آزاد آدمیوں کے اور ان کے مالوں کے مالک ہو جائیں گے اور جو مسلمان اپنا مال بجنسہ پا جائے یعنی کفار پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اگر کوئی مسلمان غانمین کے ہاتھ میں اپنا مال پائے مصنف رحمہ اللہ نے اس قید کو واضح طور پر بیان نہیں کیا کیونکہ ان کی اگلی عبارت سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے تو اس مال کو بلا عوض لے لیگا اگر تقسیم نہ ہوئی ہو۔ یعنی مجاہدین پر تقسیم ہونے سے پہلے اور قیمت ادا کر کے لے سکتا ہے اگر تقسیم کے بعد پائے۔ اور اگر کسی سوداگر نے کافروں سے وہ چیز مول لی ہو تو جتنے دام سے اس نے لئے اس قدر دے کر لے لے اگرچہ اس غلام کی کسی نے آنکھ پھوڑ دی ہو اور اس کا تاوان اس تاجر نے لے لیا ہو۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ فعل حسی سے ممانعت قبح بعینہ کی مقتضی ہے کیونکہ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ حکم اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ اس کے خلاف ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ استیلاء کا قبح لغیرہ ہے اگرچہ یہ فعل حسی میں سے ہے اس لئے اس پر قبح لغیرہ کے احکام مرتب ہوں گے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) لہ ولہ ان العصمۃ الخ۔ خلاصہ یہ کہ آقا کے حق کے باعث غلام میں جو عصمت تھی وہ اس کے بھاگ جانے کی وجہ سے زائل ہو گئی اب وہ خود اپنے اوپر مالک ہو گیا کیونکہ اس پر مولیٰ کا قبضہ قائم رہنے کی بنا پر خود مختاری کا اعتبار ممکن نہ تھا تاکہ آقا اس سے نفع حاصل کر سکے اب جبکہ مولیٰ کا قبضہ ختم ہو گیا تو اس کا اپنا قبضہ لوٹ آیا اور بذات خود معصوم ہو گیا اس لئے اب وہ ملکیت کا محل نہ رہا۔ بخلاف اس غلام کے جو آقا سے بھاگ کر دار الاسلام میں گھوم پھر رہا ہو اس لئے کہ اس پر ابھی تک حکماً آقا کا قبضہ موجود ہے تو اگر وہ غلام کو دار الاسلام سے پکڑ کر دباتی صفحہ آئندہ پر

اى ان فُقِئت عينُه فى يد التاجر فاخذ اَرْشَهٗ فالمالك القديم ياخذ منه بكل الثمن ان شاء ولا يُحَطُّ من الثمن شئٌ بازاء ما اخذ من الاَرش فان أُسِرَ عبدٌ فبيع ثم كذا فللمشترى الاول اخذه من الثانى بثمنه ثم... لسيده اخذه منه بثمنين وقبل اخذ الاول لا عبد اُسِرَ من زيد فاشتراه عمرو بمائة ثم اُسِرَ منه فاشتراه بكر بمائة فعمرو ياخذه من بكر بمائة ثم ياخذه زيد من عمرو بمائتين۔

(حاشیہ: اى التاجر ۱۲ عده — اى لا ينقص ۱۲ عده — بحصة الجزء اى بمقابلته ۱۲ عده — اى سيدا لعبد وهو المالك القديم ۱۲ — من العدو ۱۲ عده — هو المشترى الاول ۱۲ عده — هو المشترى الثانى ۱۲ عده۔)

ترجمہ:- یعنی اگر اس تاجر کے قبضہ میں آنے کے بعد غلام کی آنکھ کسی نے پھوڑ دی اور تاجر نے اس سے آنکھ کی دیت حاصل کی تو بھی اب مالک قدیم اگر چاہے تو پورے دام دے کر غلام کو لے سکتا ہے لیکن جو تاوان اس نے لیا ہے اس کے مقابلہ میں دام کے اندر کوئی کمی نہ ہوگی اور اگر کفار نے غلام قید کرکے بیچ یا پھر دوبارہ اس خریدار سے چھین کر قید کرکے فروخت کردیں تو مشتری اول اس کا دام دے کر دوسرے خریدار سے لے سکتا ہے اس کے بعد اس کا پہلا مالک دونوں دام دے کر مشتری اول سے لے سکتا ہے لیکن مشتری اول اگر نہ لے تو پہلا مالک مشتری ثانی سے نہیں لے سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کافر زید کے غلام کو پکڑ کر لے گئے اور عمرو ان سے سو روپے کو خرید لایا۔ پھر دوبارہ اس غلام کو کافر پکڑ لے گئے اب بکر نے ان سے سو روپے میں خریدا، تو عمرو اس غلام کو بکر سے اس کا سو روپے دے کر واپس لے سکتا ہے اور زید اگر عمرو سے لینا چاہے گا تو دو سو روپے دینے پڑیں گے۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) لے جائیں تو مالک بن جائیں گے جیسے کہ دوسرے اموال کا حکم ہے اور اونٹ وغیرہ اگر بھاگ کر ان کی طرف چلے جائیں تو استیلاء سے اس بنا پر مالک ہو جاتے ہیں کہ جانوروں کی کوئی خود مختاری نہیں ہے جو کہ دار الاسلام سے نکل جانے پر ظاہر ہوگی بخلاف غلام کے کہ وہ حر الاصل اور معصوم ہے ۱۲ ہدایہ۔

سلہ قولہ ومن وجد منا مالہ الخ یعنی کفار ہمارے اموال پر قبضہ کرکے انہیں دار الحرب میں لے جائیں۔ پھر مسلمان ان پر غلبہ حاصل کرکے ان کے اموال غنیمت میں حاصل کریں جن میں مذکورہ اموال پر قبضہ کرکے انہیں دار الحرب میں لے جائیں پہلے ٹھیک ٹھیک اپنا مال مل جائے وہ بلا کسی معاوضہ کے اپنا مال لے لیگا اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ احراز اور قبضہ کے باوجود کافروں کی ملکیت اس میں ثابت نہیں ہوتی ورنہ مالک کو واپس لے لینے کا حق نہ ہوتا، کیونکہ ہم جواب میں کہیں گے کہ اس مال کو لے لینے کے لئے اپنی ملکیت کا باقی رہنا ضروری نہیں دیکھئے ہبہ کرنے والے کو موہوبہ چیز کی واپسی کا حق ہوتا ہے جبکہ وہ چیز بعینہ موجود ہو، حالانکہ ہبہ کے بعد وہ چیز قطعی طور پر موہوب لہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے ۱۲

سلہ قولہ وبالقیمۃ الخ یعنی غانمین میں تقسیم ہونے کے بعد اگر مالک اول اپنا بعینہ مال پائے تو غانم کو جس دن ملا ہے اس وقت کی قیمت ادا کرکے وہ اپنا مال حاصل کر سکتا ہے یعنی اسے لینے اور نہ لینے کا اختیار رہے اگر چاہے نہ لے اور لینا چاہے تو قیمت ادا کرکے لے سکتا ہے اس اختیار دینے میں دونوں جانب میں دفع ضرر کی رعایت ہے کہ وہ مالک گویا کہ غانم اکیلا ضرر کا شکار نہ ہو بخلاف پہلی صورت کے جبکہ تقسیم نہ ہوئی ہو اس لئے کہ اس میں بغیر معاوضہ لے لینے سے کچھ ضرر نہیں کیونکہ ابھی تک وہ کسی غانم کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ منہ یعنی پہلے خریدار سے اور اسے یہ حق حاصل نہیں کہ ثمن دے کر دوسرے خریدار سے لے لے اس لئے کہ یہ قید آقا کی ملکیت سے نہیں ہوئی بلکہ پہلے خریدار کی ملکیت سے ہوئی ہے ۱۲

سلہ قولہ بثمنین الخ اس لئے کہ پہلے خریدار کو غلام کے بدلے دو دام دینے پڑے ایک وہ دام جو اس نے پہلی دفعہ کافر فروخت کنندہ کو ادا کیا، دوسرا وہ دام جو اس نے دوبارہ لینے کے لئے دوسرے خریدار کو دیا ۱۲

لانہ قام علی عمرو بمائتین ولو لم یأخذہ عمرو فلیس لزید ان یأخذہ من بکر لان بکرًا[1] اشتری عبدًا اُسر من عمرو وبعد ما اشتراہ عمرو فلو اخذہ زید من بکرٍ لضاع الثمن الذی اعطاہ عمرو فلا یأخذہ زید قبل اخذ عمرو فلو ابق بمتاع فاخذ ھما الکفار فشراھما منھم رجل اُخذ العبدُ[1] مجّانًا وغیرہ بالثمن لما مرّ انھم لا یملکون العبد الابق وعُتق عبدٌ[2] مُسلمٌ شراہ مستامنٌ ھٰھنا وادخلہ دارھم ھٰذا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وعندھما لا یعتق لانّ[3] الواجب ان یجبر فی دارنا علی بیعہ وقد زال اذ لا ید لنا علیھم فبقی عبدٌ فی ایدیھم قلنا اذا زالت ولایۃ الجبر اُقیم الاعتاق مقامہ تخلیصًا للمسلم عن ایدی الکفار کعبدٍ لھم اسلم ثمہ فجاء نا او ظھرنا علیھم۔

ترجمہ:- اس لئے کہ عمرو کے اس پر دو سو لگے ہیں اور اگر عمرو نے بکر سے نہیں لیا تو زید کو اس کا اختیار نہیں کہ بکر سے سو روپے دے کر غلام کو لیلے کیونکہ بکر نے غلام کو اس حال میں خریدا کہ وہ عمرو کے پاس سے اس کے خریدنے کے بعد قید کیا گیا تھا اب اگر زید اُسے براہ راست بکر سے لے لے تو اس صورت میں عمرو کا دیا ہوا دام ضائع ہو جائے گا اس لئے عمرو کے واپس لینے سے پہلے زید اس غلام کو بکر سے نہیں لے سکتا ہے۔ اور اگر کوئی غلام اپنے مالک کا اسباب لے کر کافروں کی طرف بھاگ جائے اور کفار غلام اور مال دونوں پر قبضہ کرلیں پھر وہ غلام اور سامان کوئی شخص ان کافروں سے خرید لے تو مالک اس غلام کو سوداگر سے مفت لے لیگا اور غلام کے علاوہ اور سامان دام دے کر لے سکتا ہے کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کافر ہمارے بھاگے ہوئے غلام کے مالک نہیں ہوتے اور اگر کوئی کافر امن لے کر آیا ہو اور دار الاسلام میں کسی مسلمان غلام کو خرید کرے اور اپنے ملک میں لے جائے تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہ ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایسی صورت میں حاکم اسلام پر واجب ہے کہ یہ غلام دار الاسلام ہی میں بیچ دینے پر اس کافر کو مجبور کرے اور دار الحرب میں پہنچ جانے کی وجہ سے ولایت جبر ختم ہو گئی کیونکہ دار الحرب میں ہمارا حکم نہیں چلتا لہٰذا وہ ان کے قبضہ میں بدستور غلام رہ جائیگا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ جب ولایت جبر زائل ہو گئی تو عتق حکمی اس کے قائم مقام ہو جائے گا تاکہ کفار کے ذلت ناک قبضہ سے مسلمان کو چھٹکارا مل جائے جیسے وہ غلام آزاد ہو جاتا ہے جو حربی کا ہو اور دار الحرب ہی میں مسلمان ہو کر ہماری طرف چلا آئے یا ہم مسلمان ان کافروں پر فتح یاب ہو جائیں۔

تشریح [1] قولہ اُخذ العبد الخ یعنی آقا بغیر عوض کے غلام لے لیگا۔ اور سامان کا دام دے کر اس تاجر سے لے سکتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر لینا چاہے تو دونوں ہی دام دے کر لے سکتا ہے ورنہ چھوڑ دے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کے حکم میں باہمی اختلاف ہے کہ جب کفار اسے زبردستی پکڑ لیں .... تو کیا وہ ان کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے یا نہیں جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے ۱۲

[2] قولہ وعتق الخ یہ کسی کے آزاد کئے بغیر خود بخود آزادی ہے اسی طرح اگلی صورت کی آزادی ہے اس لئے یہ حکمی عتق ہے جس کی وجہ سے کسی کو اس پر حق ولاء نہیں ہوگا ۱۲

[3] قولہ لان الواجب الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی کافر کسی مسلمان یا ذمی کو خریدے تو قاضی پر واجب ہے کہ اس کافر کو اُسے فروخت کر دینے پر مجبور کرے (باقی صفحہ آئندہ پر)

باب المستأمن

هو یشمل مسلمًا دخل دارهم بامان وکافرًا دخل دارنا بامان لایتعرض تاجرنا
ای المستامن بالطلاقہ ۱۲ عمدہ — ای دار الحرب ۱۲ عمدہ — ای دار الاسلام ۱۲ عمدہ

تمہ لدمهم ومالهم الا اذا اخذ ملکهم ماله اوحبسه اوغیره بعلمه ومااخرجه ای
ای من دار الحرب ۱۲ عمدہ — ای غیر السلطان بعلم السلطان ورضاه ۱۲ عمدہ — ضمیر اللہ یعنی السلطان ۱۲ عمدہ

بطریق التعرض ملکه ملکًا حرامًا فیتصدق به انما یملکه لانه ظفر بمال مباح وانما

کان حرامًا للغدر فان اداته حربی ای باشر تصرفًا اوجب الدین فی ذمة
ای مع التاجر المسلم ۱۲ عمدہ

التاجر۔

مستامن کا بیان

ترجمہ:۔ مستامن کا بیان۔ مستامن اس مسلمان کو کہا جاتا ہے جو امن لے کر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس کافر کو بھی جو امن حاصل کر کے دار الاسلام میں آوے۔ پس اگر کوئی مسلمان تاجر دار الحرب میں جائے تو وہ کافروں کی جان و مال سے تعرض نہ کرے مگر اس صورت میں جب کافروں کا بادشاہ اس کا مال لے لے یا اس کو قید کر دے یا دوسرا کوئی کافر اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے اور ان کا بادشاہ جانتا ہو۔ اب اگر کوئی مسلمان ان کا کچھ مال نکال لائے یعنی ناحق طور پر تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا حرمت کے ساتھ اس لئے ایسی چیز فقیروں کو خیرات کر دینی چاہیئے۔ (خود استعمال میں نہ لائے) بہرحال مالک تو اس لئے ہو جائے گا کہ وہ اہل حرب کے مال مباح پر قابض ہوا ہے اور حرام اس بنا پر ہوگا کہ اس نے غدر و خیانت کی راہ سے اس مال کو حاصل کیا ہے اور اگر مسلمان تاجر کے ساتھ کسی حربی نے قرض معاملہ کیا یعنی ایسا کوئی کاروبار کیا جس سے مسلمان تاجر کے ذمہ قرض آتا ہو۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اُسے دار الاسلام سے باہر نہ نکلنے دے تاکہ اسلام کی ذلت نہ ہو کیونکہ اسلام اونچا رہنے کے لئے آیا ہے نیچا ہونے کو نہیں آیا پھر بھی اگر وہ اُسے لے کر دار الحرب میں چلا گیا تو اس پر جبر کرنے کا اختیار منقطع ہو گیا اب وہ اس کے قبضہ میں غلام ہی رہے گا ۱۲
سلہ قولہ کعبد الخ یعنی اگر کوئی غلام مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آجائے یا دار الحرب ہی میں ہمارے لشکر سے آملے یا ہم دار الحرب پر فاتحانہ غالب آجائیں تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس نے پہلی اور دوسری صورت میں آقا کی مرضی کے برخلاف ہماری طرف آکر اپنی خود اختیاری حاصل کرلی اور تیسری صورت میں مسلمانوں کی قوت و شوکت میں شامل ہو کر اپنی آزادی کا حق دار ہو گیا اس کی اصل یہ واقعہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں سے ابوبکرہ ثقفی وغیرہ مسلمان ہو کر لشکر اسلام کی طرف نکل آئے تو حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں بیہقی وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ لایتعرض الخ یعنی ہمارا تاجر اگر دار الحرب میں امان لے کر حاضر ہو تو ان کے مال، جان اور عزت وناموس کسی چیز سے تعرض کرنا حرام ہے۔ کیونکہ امان حاصل کر کے اس نے اس بات کی ضمانت دیدی ہے کہ ان کے جان و مال وغیرہ پر دست درازی نہیں کرے گا اب اگر تعرض کرے تو یہ غدر شمار ہوگا۔ جو کہ قطعاً ممنوع اور حرام ہے چنانچہ غدر اور جنگ کے موقع میں خداع کے درمیان فرق بتاتے ہوئے اس کی بحث اوپر گذر چکی ہے ہاں اگر ان کا بادشاہ ہی دھوکہ کرے یا دوسرا آدمی اس کی اجازت سے دھوکہ دے مثلاً اسکو بیجا قید کرلے یا اس کا مال چھین لے تو اس وقت اس کے لئے بھی تعرض کرنا جائز ہے کیونکہ اب کافروں کی طرف سے عہد شکنی ہوئی اور دار الحرب میں قیدی کا مسئلہ اس سے مختلف ہے قیدی کے لئے تعرض حرام نہیں۔ کیونکہ اس کے اور ان کے درمیان کوئی متفقہ معاہدہ نہیں ہوا ہے اس لئے اگر قیدی کو موقع ملے تو ان کو قتل بھی کر سکتا ہے اور ان کا مال بھی چھین سکتا ہے ۱۲ ہدایہ
سلہ قولہ فیتصدق الخ۔ یعنی فقراء پر تقسیم کر دے ثواب کی نیت سے نہیں بلکہ ملک خبیث سے اپنے ذمہ کی خلاصی کے لئے کیونکہ اللہ تعالی پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے ۱۲۔

اوادّان حربیًّا اوغصب احدھما من الآخر وجاء الینا لم یقض لاحدھما بشیٔ
لانہ لاولایۃ لنا علی المستامن وکذا لو فعل ذلک حربیان وجاء امستامنین
لانہ لاولایۃ لنا علیھما فان جاء امسلمین قضی بینھما بالدین لا الغصب لان الادّانۃ
وقعت صحیحۃ لتراضیھما بخلاف الغصب لانہ لا تراضی ولا عصمۃ فان قتل مسلم
مستامنٌ مثلہ ثمہ عمدًا اوخطأً ودّی من مالہ وکفّر للخطاء لانہ لم یجب القصاص
وقت القتل لتعذر الاستیفاء لانہ بالمنعۃ فتجب الدیۃ لوجود العصمۃ فی مالہ
لاعلی العاقلۃ اذ الوجوب علیھم باعتبار النصرۃ والتقصیر فی الصیانۃ الواجبۃ
علیھم وقد سقط ذلک بتباین الدارین وفی الاسیرین کفّر فقط فی الخطاء۔

ای فی دار الحرب ۱۲ عمدہ — ای فی دار الاسلام ۱۲ عمدہ — ای فی دار الحرب ۱۲ عمدہ — الواقع فی دار الحرب ۱۲ عمدہ — ای النصرۃ والصیانۃ ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ یا مسلمان تاجر نے حربی کے ساتھ قرض کا معاملہ کیا یا ان میں سے ایک نے دوسرے سے کوئی چیز غصب کرلی پھر وہ دونوں دار الاسلام میں آ گئے تو ان میں سے کسی کے دعوی پر اس کا حق دلانے کا فیصلہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ ہمارے حاکم اسلام کو دار الحرب میں مستامن پر کوئی اختیار نہیں (اس لئے وہاں کے حقوق کی ڈگری دار الاسلام میں آنے کے بعد نہیں دی جائے گی) اور یہی حکم ہے اگر دو کافر دار الحرب میں ایسا معاملہ کرکے امن لے کر دار الاسلام میں آ جائیں اس لئے کہ ہمیں ان دونوں پر ولایت حاصل نہیں تھی ہاں اگر دونوں مسلمان ہوکر آئیں تو باہمی قرض کا حق دلایا جائے گا لیکن غصب کا دعوی نہیں سنا جائے گا کیونکہ باہمی رضامندی کی وجہ سے قرض کا معاملہ صحیح تھا بخلاف غصب کے کہ اس میں نہ باہمی رضامندی ہے اور نہ ان کے مال کی عصمت موجود تھی۔ اور اگر دو مسلمان امن لے کر دار الحرب میں جائیں اور ایک ان میں سے دوسرے کو قصدًا یا خطأً قتل کر ڈالے تو اس کے مال میں سے دیت واجب ہوگی اور خطاء کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا۔ اس لئے کہ دار الحرب میں قتل کے وقت اس پر قصاص واجب نہیں کیونکہ وہاں حکم اسلام جاری نہ ہونے کی بنا پر قصاص لینا ناممکن ہے اب لامحالہ معصوم جان ہلاک کرنے پر دیت واجب ہوگی اس کے مال میں سے اس کے عاقلہ پر واجب نہ ہوگی کیونکہ عاقلہ پر دیت اس لئے واجب ہوتی ہے کہ وہ اس کے مددگار ہیں اور اس حفاظت میں کوتاہی کے باعث جو ان پر واجب تھی اور اختلاف دار کی صورت میں نصرت و حفاظت کا اعتبار ساقط ہوگیا اور اگر دو مسلمان دار الحرب میں کفار کے ہاتھوں قید ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو صرف خطا کی صورت میں کفارہ ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ لم یقض الخ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی قاضی ان دونوں میں سے کسی پر کوئی چیز لازم نہیں کرے گا۔ امام زیلعی فرماتے ہیں کہ قضاء ولایت چاہتی ہے اور قرض لین دین کے وقت اصلاً ولایت نہیں تھی کیونکہ دار الحرب والوں پر قاضی کا کوئی اختیار نہیں اور ادائے قرض کے وقت مستامن پر بھی اس کا اختیار نہیں اس لئے کہ امان کے ذریعہ ماضی کے افعال پر اس نے اسلام کے احکام کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ مستقبل کے افعال میں التزام کیا ہے اور دار الحرب میں غصب مفید ملک ہے اب یہ بھی قرض کے حکم میں ہوگیا ۱۲

[2] قولہ عمدًا او خطأً الخ ان دونوں کا فرق قطع الطریق کے باب کے آخر میں گذر چکا ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ عمد موجب گناہ اور قصاص ہے اور خطاء کا موجب دیت ہے عاقلہ پر اور کفارہ جو کہ قرآن مجید کی سورہ نساء میں مذکور ہے یعنی ایک مؤمن غلام کو آزاد کرے اس پر قادر نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے ۱۲

[3] قولہ لانہ بالمنعۃ الخ یعنی غلبہ اور قوت ہونے ہی سے قصاص لیا جا سکتا ہے جو امام اور جمعیت مسلمین کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور دار الحرب میں یہ بات موجود نہیں اگر یہ شبہ ہو کہ اگرچہ قتل کے وقت قصاص لینا ممکن نہیں لیکن آخر کار جبکہ قاتل دار الاسلام میں آ جائے اس وقت تو ممکن ہے اس لئے اب قصاص لینا واجب ہونا چاہیئے (باقی صد آئندہ پر)

اى لايجب شئ الا الكفارة فى الخطاء عند ابى حنيفة رح وعندهما تجب الدية فى العمد والخطاء لان العصمة لا تبطل بالاسر كما لا تبطل بالاستيمان وله ان الاسير صار تبعًا لهم بقهرهم اياه فيبطل الاحراز فسقط العصمة المقومة وهى مايوجب المال عند التعرض فلم تجب الدية لا فى العمد ولا فى الخطاء لكن العصمة المؤثمة وهى مايوجب الاثم عند التعرض باقية فيجب الكفارة فى الخطاء ولا يمكن حربى هنا سنة وقيل له ان اقمت هنا سنة او شهرا نضع عليك الجزية فان رجع قبل ذلك جزاء الشرط محذوف اى فبها ونحوه والا فهو ذمى لا يترك ان يرجع اى ان لم يرجع قبل المدة المضروبة فهو ذمى واعلم ان من لامساس له بالعربية يتوهم ان الا للاستثناء ولم يعلم انه كلمة ان مع لا ادغم احدهما فى الاخرى.

اى فى الاثم ۱۲ عده — مصدر مجهول اى بكونه ماسورا ۱۲ عده — لبقاء الآدمية ۱۲ عده — اى المقررة من جهة الامام ۱۲ عده — بكسر الهمزة شرطا ۱۲ عده

ترجمہ:۔ یعنی قتل عمد یا خطاء میں دیت وغیرہ کچھ بھی واجب نہیں صرف خطا کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا، امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اور صاحبین رح کے نزدیک دیت واجب ہوگی قصداً اور خطاء میں اس لئے کہ قید ہونے سے اس کے جان ومال کی عصمت باطل نہیں ہوتی جس طرح کہ مستامن ہونے کی حالت میں باطل نہیں ہوتی۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قیدی کفار کا تابع بن گیا ان کے غلبہ اور تسلط کے باعث اس لئے اس کا احراز وحفاظت باطل ہوجائے گی اور عصمت مقومہ نہیں رہے گی جس عصمت پر دست درازی کرنے سے مال واجب ہوتا ہے بنابریں قتل عمد یا خطاء میں دیت (جوکہ معاوضہ عصمت مقومہ ہے) واجب نہ ہوگی لیکن اس کی عصمت مؤثمہ باقی رہتی ہے یعنی وہ عصمت جس پر دست درازی کرنے سے گناہ لازم آتا ہے وہ باقی ہے اور خطاءً گناہ قتل کے ارتکاب پر کفارہ ہے اس لئے صرف قتل خطاء میں محض کفارہ لازم آئے گا اور مستامن کو جو دار الحرب سے دار الاسلام میں آئے کامل ایک سال رہنے نہ دیا جائے اور امام اس کو کہہ سکتا ہے کہ اگر تو ایک برس یا ایک ہی مہینہ رہے تو ہم تجھ پر جزیہ مقرر کردیں گے تو اگر اس مدت سے پہلے وہ چلا گیا۔ اس شرط کی جزاء محذوف ہے مثلاً چلا جائے تو بہتر اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ ورنہ وہ ذمی ہوجائے گا اور دار الحرب میں جانے نہ دیا جائے گا۔ یعنی اگر مقررہ معیاد سے پہلے وہ دار الحرب میں واپس نہ گیا تو ذمی ہوجائے گا۔ واضح رہے کہ جو قواعد عربیت سے ناواقف ہے وہ گمان کرتا ہے کہ "الّا" ہر جگہ استثناء کے لئے ہوتا ہے اور اسے یہ خبر نہیں کہ یہاں یہ کلمہ "اِن" اور "لا" سے مرکب ہے نون کو لام سے بدل کر ایک کو دوسرے میں ادغام کردیا گیا ہے (اس لئے یہاں مستثنیٰ منہ مقدم ماننے کی ضرورت نہیں)

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب قتل کے وقت قصاص لینا متعذر ہوا حالانکہ قتل ہی موجب قصاص ہے تو اس سے سقوط قصاص کا شبہ پیدا ہوگیا۔ اور قصاص شبہ سے ساقط ہوجاتا ہے اس لئے آلا بھی کلی طور پر ساقط ہوجائے گا ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ ولہ ان الاسیر الخ۔ ہدایہ اور اس کے حواشی میں اس کی توضیح یہ کی گئی کہ مسلمان قیدی قید کے سبب سے کفار کا تابع بن گیا کیونکہ یہ تمام ان کے قبضہ میں بلا اختیار ہے اس لئے وہ ان کے سفر کے باعث مسافر شمار ہوتا ہے اور ان کی اقامت کے باعث مقیم سمجھا جاتا ہے اور متبوع یعنی اہل حرب (باقی صد آئندہ پر)

کما لو اشتری ارضًا فوضع علیہ خراجھا ای ان اشتری المستامن ارض[1] خراج فوضع علیہ خراجُھا یصیر ذمیًّا لانہ اذا التزمہ التزم المقام فی دارنا
(ای فی دار الاسلام ۱۲ عمدہ)

ولا یصیر ذمیًّا بمجرد الشراء لانہ ربما یُشتری للتجارۃ وعلیہ جزیۃ سنۃ من وقت وضع الخراج او نکحت حربیۃ ذمّیًّا ھٰھنا وفی عکسہ لا ای ان نکح الحربی ذمیۃ لا یصیر الزوج ذمیًّا اذ یمکن ان یطلّق فیرجع بخلاف الاول حیث صارت تبعًا للزّوج.
(فی دار الاسلام ۱۲ عمدہ) (ای تلک الذمیۃ ۱۲ عمدہ)

ترجمہ: جیسے کوئی مستامن دار الاسلام میں زمین خریدلے اور اس پر خراج مقرر کر دیا جائے یعنی اگر کوئی مستامن دار الاسلام میں اگر خراجی زمین خریدے پھر اس پر اس زمین کا خراج مقرر کیا جائے تو وہ مستامن ذمی ہو جائے گا اس لئے کہ جب اس نے خراج دینے کو قبول کر لیا تو گویا اس نے دار الاسلام میں سکونت کو اختیار کر لیا اور جو کافر دار الاسلام میں سکونت اختیار کرے وہ ذمی ہو جاتا ہے) البتہ محض زمین خریدنے سے وہ ذمی نہ ہوگا کیونکہ زمین بسا اوقات بغرض تجارت خریدی جا سکتی ہے اور اس کے ذمہ ایک سال کا جزیہ ہے خراج معین کرنے کے وقت سے اسی طرح وہ مستامنہ عورت ذمی بن جائے گی۔ جو دار الاسلام میں اگر کسی ذمی سے نکاح بیٹھ جائے اور اس کے برعکس میں نہیں یعنی اگر مستامن مرد دار الاسلام میں اگر کسی ذمیہ سے نکاح کر لے تو یہ نکاح کرنے والا ذمی نہ ہوگا کیونکہ اس کے لئے تو ہر وقت اس کا امکان ہے کہ بیوی کو طلاق دیکر وطن واپس چلا جائے، بخلاف پہلی صورت کے کہ عورت نکاح بیٹھ کر شوہر کی تابع ہو گئی (اپنے اختیار سے نہیں جا سکتی)

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) جبکہ معصوم نہیں تو ان کے فروع وتوابع کا حکم بھی ایسا ہی ہوگا اس مسلمان کے مانند جو دار الحرب میں مسلمان ہو جائے اور ہماری طرف ہجرت کر کے نہ آئے بخلاف مستامن کے کہ امان حاصل کرنے کے بعد اب ان کا تابع نہیں رہا اس لئے اس کی عصمت باطل نہ ہوگی ۱۲۔
[2] قولہ سنۃ الخ ہدایہ میں ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ حربی ہمارے دار میں اسی وقت مستقل سکونت کر سکتا ہے جبکہ اسے غلام بنا لیا جائے یا وہ جزیہ دینا قبول کرے کیونکہ اس طرح رہنے دینے سے وہ ہمارے خلاف جاسوسی کر سکتا ہے یا دشمن کی مدد کر سکتا ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے البتہ تھوڑی سی مدت رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے اس لئے کہ یہ بھی بند کر دینے سے غلہ وغیرہ ضروری اشیاء کی آمد اور تجارت کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اس مصلحت سے ایک سال کی مدت کا اعتبار کیا گیا اس لئے کہ اس مدت میں جزیہ لازم آتا ہے اب اقامت ہوگی تو جزیہ کی مصلحت سے ہوگی ۱۲
[3] قولہ لا یترک الخ یعنی امام اسے دار الحرب میں واپس جانے کی اجازت نہ دے گا کیونکہ اس کی واپسی میں مسلمانوں کا نقصان ہے کہ وہ جا کر ہمارے خلاف لڑے گا حربیوں کی قوت میں اضافہ کرے گا اور جزیہ بھی منقطع ہو جائے گا اور واپسی سے مراد ایسی واپسی کہ اپنوں کے ساتھ مل جانے کے بعد دوبارہ لوٹ کر آنے کا امکان نہ ہو لیکن اگر محض تجارت وغیرہ کی غرض سے جانا چاہے اور یہ معلوم ہو کہ یہ امانت دار ہے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا ۱۲

حاشیہ صد ہذا [1] قولہ ارض خراج الخ یعنی جس زمین میں خراج واجب ہو کیونکہ زمینیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جس میں عشر واجب ہو اور دوسری وہ جس میں خراج لازم ہو، البتہ ہم کتاب الزکوٰۃ میں بتا چکے ہیں کہ کافر کی زمین پر صرف خراج ہی لازم آتا ہے نہ کہ عشر اگرچہ وہ عشری زمین ہی خریدے اس لئے شارح کو چاہیئے تھا کہ صرف ارضا کہتے غالبًا شارح نے مصنف کے قول خراجہا کی اضافت سے اس قید کا استنباط کیا ہے مگر یہ ضعیف استنباط ہے ۱۲

فان رجع المستامن الی دارہ حَلَّ[1] دمُہ فان اُسر او ظُہِرَ علیہم فقُتل سقطَ دینٌ کان لہ علی معصوم ای مسلمٍ او ذمیٍّ واُوْ فِیَ[2] ودیعۃ لہ عندہ ای صار فیئًا کُلُّ ودیعۃٍ لہ عند معصوم فی دارنا وان مات او قُتِل بلا غلبۃ علیہم فہما لورثتہ ای دینٌ کان لہ علی معصوم او ودیعۃ لہ عندہ وذلک لان الامان باقٍ فی مالہ فیرد علیہ ان کان حیًّا وعلی ورثتہ ان مات او قتل بلا غلبۃ لکن لو قتلَ بعد ما ظہرنا علیہم صار مالہ غنیمۃ بتبعیتہ حربیٌّ[3] ہنا ولہ ثمہ عرسٌ واولادٌ وودیعۃ مع معصوم وغیرہ فاسلم ثم ظہر علیہم فکلہ فیٔ۔

اشارۃ بہذا التفسیر الی ان اُودِی مجہول ۱۲ عدہ

ای کونہما لورثتہ ۱۲ عدہ

مجہول من الرد ۱۲ عدہ

ای لو دیعۃ دخول ۱۲ عدہ

ای الزوجۃ ۱۲ عدہ

ترجمہ:۔ اور جب مستامن دار الحرب میں واپس چلا جاتا ہے تو اس کا خون بھی حلال ہو جاتا ہے پھر اگر وہ حربی مستامن قید کر کے لایا جائے یا لشکر اسلام کا ان پر غلبہ ہو جائے اور اُسے قتل کر دیا جائے تو اس کا جو قرض کسی صاحب عصمت یعنی مسلمان یا ذمی پر تھا وہ ساقط ہو جائے گا اور اس کا جو مال ان کے پاس بطور امانت تھا وہ مال غنیمت ہو جائے گا یعنی اس کی ہر وہ امانت جو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس دار الاسلام میں ہو وہ فئی ہو جائے گی اور اگر وہ خود سے مر گیا یا بدون ان پر غلبہ کے مارا گیا۔ تو دونوں اس کے وارثوں کو ملیں گے۔ یعنی اس کا وہ قرض جو مسلمان یا ذمی کے پاس ہو یا اس کی جو امانت ان کے پاس ہو وہ وارثوں کو ملے گی۔ کیونکہ مستامن کے واپس چلے جانے سے بھی اس کے مال کا امان باقی رہ جاتا ہے اس لئے اگر وہ زندہ ہو تو مال اسی کو دلایا جائے گا اور اگر مر گیا یا بدون غلبہ اہل اسلام کے اسکو قتل کر دیا گیا تو اس کے وارثوں کو ادا کیا جائے گا .... لیکن اگر کفار پر غلبہ کے بعد اسکو قتل کیا جائے تو (جیسے بسبب غلبہ وہ خود غنیمت بن گیا تھا) اس کے تابع ہو کر اس کا مال بھی غنیمت ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی حربی امن لے کر دار الاسلام میں آیا اور دار الحرب میں اس کی بی بی اور بچے اور کوئی مال بطور امانت کسی معصوم (مسلمان یا ذمی) یا غیر معصوم (یعنی حربی) کے پاس ہے اور وہ یہاں اگر مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد ان کافروں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو اس کے تمام اشیاء مذکورہ داخل غنیمت ہوں گی۔

تشریح سلہ قولہ حل دمہ الخ یعنی دوسرے حربیوں کی طرح یہ بھی مستحق قتل ہو جاتا ہے اور جب تک دار الاسلام میں تھا اس کا خون حرام تھا اس لئے کہ اس کے ساتھ امن کا عہد تھا لیکن اپنے وطن یا دار الحرب کے کسی علاقہ میں چلے جانے کے بعد عہد امان ختم ہو جانے کی بنا پر حلال الدم ہو جاتا ہے ۱۲

سلہ قولہ واودِعَ الخ یعنی اس کا جو مال بھی کسی مسلمان یا ذمی کے پاس بطور امانت ہو گا وہ فئی بن جائے گا ایسے ہی اس کا جو مال اس کے شریک یا مضارب کے پاس ہو یا دار الاسلام میں اس کے گھر میں جو مال ہو وہ سب فئی ہے امانت وغیرہ کا مال اس لئے فئی ہوگا کہ مال تقدیری طور پر اسی کے قبضہ میں ہے کیونکہ امانت دار کا قبضہ حکماً امانت رکھنے والے کا قبضہ ہے اس لئے اس کی ذات کی طرح تبعًا اس کا مال بھی فئی ہو جائے گا اور اگر یہ دار میں کوئی مسلمان اس سے کچھ چھین لے یا کوئی معصوم کسی چیز کی اجازت پا اس سے اجرت لے لے تو یہ مال بھی ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ قرض کی طرح اس پر بھی اس کا قبضہ پہلے قائم ہو چکا ہے۔

سلہ قولہ حربیٌ الخ یعنی جب حربی امن لے کر دار الاسلام میں آئے اور دار الحرب میں اس کی بیوی اور چھوٹے بڑے بچے ہوں اور اس کے مال بھی ہیں جو اس نے امانت رکھی ہے کسی ذمی کے پاس یا حربی کے پاس یا مسلمان کے پاس پھر وہ یہاں مسلمان ہو جائے اس کے بعد اس کے دار پر قبضہ ہو جائے تو یہ سب چیزیں فئی ہو جائے گی۔ ہدایہ میں ہے کہ بیوی اور بڑی اولاد کا حکم تو ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ تو اہل حرب ہیں اور اس کے تابع نہیں اسی طرح بیوی اگر حاملہ ہے تو اس کے تابع ہو کر بچہ بھی اسی کے حکم میں ہوگا۔ باقی رہ گئے اس کے چھوٹے نابالغ بچے (باقی صہ آئندہ پر)

امّا العرس والاولاد الكبار فلعدم التبعية واما غير ذلك فلانه ليس في يده (اي في يد الحربي) فاسلامه لا يوجب عصمته وان اسلم ثمه فجاء فظهر عليهم فطفله حرّ مسلم[1] وودیعته مع معصوم له وغیره فئ فقوله وديعته مبتدأ و مع معصوم صفته وله خبره اي للحربي الذي اسلم ومن اسلم ثمه وله ورثته هنالك (اي في دار الحرب) فقتله مسلم فلا شئ عليه الا الكفارة الخطاء اي له ورثة مسلمون في دار الحرب فان كان القتل عمدًا فلا يجب شئ وان كان خطأً لا يجب الا الكفارة وعند الشافعيؒ يجب القصاص في العمد والدية في الخطاء (اي مع الكفارة) واخذ الامام[2] دية مسلم لا ولي له اي مسلم قتل خطأً و لا ولي له ومستامن اسلم ههنا من عاقلة قاتله خطأً۔

ترجمہ:۔ بیوی اور بالغ لڑکے تو اس لئے کہ وہ اسلام میں اس کے تابع نہیں شمار ہوتے اور چھوٹے بچے اور مال اس لئے غنیمت ہو جائیں گے کہ یہ اس کی حمایت اور قبضے میں نہیں ہیں اور اس کا اسلام (ایسی حالت میں) موجب عصمت نہیں۔ اور اگر دار الحرب میں مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آیا پھر کافروں پر غلبہ ہو جائے تو اس کا چھوٹا بچہ آزاد ہے اور مسلمان ہے اور اس کی جو امانت مسلمان یا ذمی کے پاس ہوگی وہ اسی کو ملے گی اور ان کے سوا اور چیزیں غنیمت ہو جائیں گی۔ تو ماتن کا قول "ودیعۃ" مبتدا اور "مع معصوم" اس کی صفت ہے اور "لہ" اس کی خبر ہے، ضمیر سے مراد وہ حربی ہے جو مسلمان ہو کر آیا اور جو حربی مسلمان ہوا دار الحرب میں تو اس قاتل پر سوائے کفارہ کے خطا میں اور کچھ واجب نہ ہوگا۔ یعنی دار الحرب میں اس کے مسلمان وارث ہیں۔ تو اگر قتل عمد ہے تو کچھ بھی واجب نہ ہوگا اور اگر قتل خطا ہے تو بھی کفارہ کے سوا کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قتل عمد میں قصاص اور خطا میں دیت واجب ہوگی اور امام ایسے مقتول مسلم کی دیت لے جس کا کوئی ولی وارث نہیں ہے یعنی وہ مسلمان جسے خطاءً قتل کیا جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور اس مقتول مستامن کی جو دار الاسلام میں آکر مسلمان ہو گیا تھا دیت لے قاتل خطاء کے عاقلہ سے۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) یہ تو باپ کے تابع ہو کر مسلمان سمجھے جاتے ہیں جبکہ وہ اس کے قبضہ اور تولیت میں ہوں اور اختلاف دارین کی وجہ سے یہ بات متحقق نہیں اسی طرح تباین دار کی وجہ سے جان کی عصمت کے تابع ہو کر مال کی عصمت حاصل نہ ہوگی بنابریں یہ سب کچھ فئ میں داخل ہوگا۔ نہایہ میں ہے کہ حضورؐ کا فرمان عصموا دماءہم واموالہم ان چیزوں پر محمول ہے جو کہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) [1] قولہ فطفلہ حر مسلم الخ۔ اس لئے اس سے کسی قسم کے تعرض جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ جب دار ایک ہو تو چھوٹے بچے اسلام میں والدین کے تابع ہوتے ہیں تو جب وہ دار الحرب میں مسلمان ہوا اس کے بچے بھی تبعًا مسلمان ہو گئے اور معصوم بن گئے، بخلاف زوجہ اور بڑی اولاد کے کہ وہ معصوم نہ ہوں گے اس لئے وہ سب فئ میں داخل ہوں گے اسی طرح اس کا جو مال حربی کے پاس ہو وہ بھی فئ ہوگا کیونکہ حربی کا قبضہ محترم قبضہ نہیں، البتہ مسلم یا ذمی کے پاس اس کی جو امانت ہو وہ فئ نہ ہوگی کیونکہ یہ قابل احترام قبضہ میں ہے ۱۲
[2] قولہ واخذ الامام الخ یعنی کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان کو قتل کرے جس کا کوئی ولی نہ ہو اور قتل بھی خطاءً ہو تو اس کی دیت امام وصول کر کے بیت المال میں جمع کر دے گا۔ (باقی صد آئندہ پر)

ای جاء حربیٌّ بامان فاسلم ولا ولی لہ فقتل خطأً فالامام یأخذ الدیۃ من عاقلۃ قاتلہ (الی دار الاسلام ۱۲ عمدہ) وقتل او اخذ الدیۃ فی عمدٍ (عطف) ولا یعفوہ ای ان کان القتل عمداً فالامام بالخیار (ای الامام ۱۲ عمدہ) اما ان یستوفی القود او یاخذ الدیۃ لکن لیس لہ ولایۃ العفو۔ (ای قتل المسلم)

ترجمہ :- یعنی کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور مسلمان ہوگیا اور اس کا کوئی ولی نہیں پھر خطأً قتل کیا گیا تو امام قاتل کے عاقلہ سے اس کی دیت لے۔ اور قتل عمد کی صورت میں قصاصاً قتل کرے یا دیت لے اور اس کو معاف نہیں کر سکتا ہے۔ یعنی مذکورہ صورتوں میں اگر قتل عمداً ہوا ہو تو امام کو اختیار ہے کہ قاتل سے قصاص لے یا تو دیت لے لیکن اسکو یہ حق نہیں ہے کہ بالکل معاف کردے۔

تشریح (بقیہ مدگذشتہ) کیونکہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی امام ہوا کرتا ہے اور کفارہ واجب ہونے کی بات اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ کتاب الجنایات سے عیاں ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ بھی کتاب الجنایات یا کتاب الدیات سے متعلق تھا تاہم یہاں مستامن کے حکم کے ساتھ تبعاً ذکر کر دیا۔ حکم مستامن ہی اس باب میں اصل مقصود ہے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) ۱؎ قولہ او اخذ الدیۃ الخ یعنی قاتل کی رضامندی سے بطور صلح دیت لے سکتا ہے کیونکہ قتل عمد کا اصل موجب قصاص ہے البتہ مصالحۃً دیت بھی لے سکتی ہے باقی امام معاف نہیں کر سکتا ہے اگرچہ وارث کو معاف کرنے کا حق ہے کیونکہ امام کی ولایت عام لوگوں کے حق کی حفاظت کی خاطر ہے اور بلا عوض معاف کرنے میں ان کے حقوق کی حفاظت اور نگرانی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو اضاعت حقوق ہے ۱۲

بَابُ الوظائف

ارضُ العرب وما اسلم اهلُہ او فتح عَنْوَۃً وقُسِّم بین جیشنا والبصرۃ
بالفتح ای قہرا الاصلاح ١٢ عدہ

عشریۃٌ والسَّوادُ وما فتح عَنْوَۃً وَاُقِرَّ اهلُہ علیہ او صالحہم خراجیۃ

ارض العرب ما بین العُذَیب الی اقصی حجر بالیمن بمَہرۃ الی حدّ الشام

وسواد عراق العرب ما بین العُذیب الی عقبۃ حُلوان ومن الثعلبیۃ
بفتح المیم وسکون الہاء اسم موضع وہو بدل من قولہ

ویقال من العَلْث الی عبّادان ومَواتٌ احیی یُعتبر بقُربہ وخراجٌ وضعہ

عمر رضی اللّٰہ عنہ علی السّواد لکل جریب یبلغہ الماء صاعٌ من بُرٍّ او

شعیرٍ ودرهمٌ ولجریب الرَّطبۃ خمسۃ دراهم ولجریب الکرم والنخلۃ
ہو بالفتح العنب والنخلۃ شجر التمر ١٢ عدہ

متصلۃ ضعفہا.

محصول کا بیان

ترجمہ:- عرب کی زمین اور وہ زمین جہاں کے رہنے والے مسلمان ہو گئے ہوں یا غلبہ کے طور پر مفتوح ہو کر لشکر اسلام کو بانٹ دی گئی ہو اور بصری کے زمین عشری ہیں اور سواد عراق کی زمین اور وہ زمین جو غلبہ کے طور پر فتح کی گئی اور پھر اس کے باشندے کو اس میں برقرار رکھا گیا ہو یا امام نے ان کے ساتھ صلح کر لی ہو وہ سب خراجی ہیں عرب کی زمین سے مراد عُذیب سے لے کر انتہائے حجر (منتہائے سنگستان) تک اور یمن کے مقام مُہرہ سے لے کر حدود شام تک اور سواد عراق عرب سے مراد عُذیب سے عقبۂ حلوان تک اور ثعلبیہ سے عبادان تک اور بعضوں نے کہا ہے عَلث سے عبادان تک اور اگر کوئی شخص مردہ (غیر مملوکہ ویران) زمین آباد کرے تو اس کی قریبی زمین کا اعتبار ہوگا (اگر قریبی زمین عشری ہو تو یہ بھی عشری ہوگی اور خراجی ہو تو خراجی ہوگی) اور وہ خراج جس کو حضرت عمرؓ نے سواد عراق پر مقرر کیا تھا یہ ہے جو زمین کہ (قابل زراعت ہو اور) وہاں پانی پہنچ سکے اس کے (پیداوار میں سے) ہر جریب پر ایک صاع گیہوں یا جو اور ایک درہم لیا جائے اور ترکاری کی زمین سے ہر جریب پر پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے باغ سے جس کے درخت گنجان ہوں ہر جریب پر دس درہم۔

تشریح:- ؎۱ قولہ باب الوظائف الخ:- یہ وظیفہ کی جمع ہے یعنی وہ چیز جو کسی پر یا کسی کے لئے مقرر کی جائے۔ کافروں کی ذات پر جو محصول مقرر کیا جائے اس کا نام جزیہ ہے اور جو زمینوں پر عائد کیا جائے اسے عشر یا خراج کہا جاتا ہے۔ روزینہ مدد معاش، تنخواہ، جاگیر وغیرہ کو بھی وظیفہ کہا جاتا ہے ١٢
؎۲ قولہ بین جیشنا الخ اس سے احتراز ہے اس صورت سے جبکہ کافروں پر تقسیم کی جائے کہ وہ زمین خراجی ہوگی اور اگر غانم لشکر کے علاوہ دوسرے مسلمانوں پر یہ تقسیم ہو تو بھی یہ زمین عشری ہوگی۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ابتداءً مسلمان پر خراج مقرر نہیں ہوتا اس کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے خراج کافروں کے ساتھ مختص ہے اور عشر ابتداءً مسلمان پر مقرر ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں ١٢
؎۳ قولہ عشریۃ الخ عرب کی زمین کی پیداوار پر خراج کے بجائے صرف عشر واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی عرب کی زمین سے خراج وصول کیا ہو۔ اگر آپ یا آپ کے اصحاب میں سے کسی نے ایسا کیا ہوتا تو ضرور اس کی نقل ملنی چاہئے ضعیف سند ہی سے کیوں نہ ہو اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب کے حق میں اور کوئی بات قبول نہیں سوائے اسلام یا قتل کے، ان کے اشخاص پر جزیہ عائد نہیں ہوتا اس لئے ان کی زمینوں پر بھی خراج عائد نہ ہوگا اس لئے کہ زمین کا خراج آدمی کے خراج کی طرح ہوتا ہے اور ان میں سے جو مسلمان ہو گئے (باقی صفحہ آئندہ پر)

(باقی صفحہ آئندہ پر)

ولما سواه كزعفران وبستانٍ ما يطيق الجريب ستون ذراعاً في ستين ذراعاً وفي كتب الفقه ذراع الكرباس سبع قبضات وذراع المساحة سبع قبضات واصبع قائمة وعند الحساب الذراع اربعة وعشرون اصبعاً والاصبع ست شعيرات مضمومة بطون بعضها الى بعض ونصف الخارج غاية الطاقة ونقص ان لم تطق وظيفتها ولا يزاد ان اطاقت عند ابي يوسف وجاز عند محمد ولا خراج لو انقطع الماء عن ارضه او غلب عليها او اصاب الزرع آفة ويجب ان عطلها مالكها ويبقى ان اسلم المالك او شراها مسلم ولا عشر في خارج ارضه۔

(ای ارض زعفران ۱۲ عدہ) (ای منزلة ۱۲ عدہ) (ای الزیادة ۱۲ عدہ) (ای مالک الارض الخراجیة ۱۲ عدہ)

ترجمہ:۔ اور ان کے علاوہ (دوسرے پیداواروں) میں مثل زعفران اور (متفرق درختوں کے) باغ وغیرہ کے جو اس کی طاقت کے مناسب ہو لیا جائے۔ اور جریب ساٹھ گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا ہوتا ہے اور کتب فقہ میں ہے کہ کپڑے کا گز سات مٹھی کا ہوتا ہے اور زمین پیمائش کا گز سات مٹھی اور ایک انگلی کھڑی ہوئی اور اہل حساب کے نزدیک گز چوبیس انگل کا اور انگل چھ جَو کا ہوتا ہے اس طرح پر کہ ہر جَو کا بطن دوسرے جَو کے بطن سے ملا ہوا ہو۔ اور آدھی پیداوار طاقت کا انتہائی درجہ ہے (اس سے زیادہ خراج میں کبھی نہ لیا جائے) اور اگر مقررہ مقدار محصول ادا کرنے کی سکت نہ ہو تو اس سے کم کر دیا جائے اور مقررہ مقدار سے بڑھ کر نہ لیا جائے اگرچہ طاقت ادا ہو یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نصف سے زیادہ کرنا بھی جائز ہے اور اس زمین پر خراج نہیں جس پر پانی ہونا بند ہو جائے یا پانی زمین کو بالکل ڈبو دے یا آفت سے اس کی کھیتی برباد ہو جائے اور اگر مالک اپنی زمین کو یوں ہی بیکار پڑی رہنے دے تو خراج واجب ہوگا اور خراج برقرار رہے گا اگر مالک زمین مسلمان ہو جائے یا کوئی مسلمان خراجی زمین کو خرید کرے اور اس زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

تشریح:۔ بقیہ صہ گذشتہ) ان کی زمینیں عشری بن کر ان کے قبضہ میں رہ جائیں گی، اور قیاس کا تقاضا تھا کہ بصری کی زمینیں خراجی ہوتیں کیونکہ وہ خراجی علاقہ کی اسامی ہیں مگر صحابہ نے ان پر عشر مقرر کیا تو ان کے اجماع کے باعث قیاس ترک کر دیا گیا ۱۲

سلہ قولہ وموات الخ میم کے فتحہ کے ساتھ مبتدا مرصرف اس کی صفت اُحْیِیَ صیغۂ مجہول احیاء سے ہے اور یعتبر بقربہ خبر ہے کتاب الخراج میں ہے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا، جو کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ہے جبکہ امام اسے اجازت دے اور جو امام کی اجازت کے بغیر زندہ کرے وہ اس کی نہ ہوگی اور امام کو حق ہوگا کہ اس کے قبضہ سے لے کر جیسا چاہے فیصلہ کرے ۱۲

(حاشیہ صہ ہذا) سلہ قولہ ولا یزاد الخ یعنی جب زمین کی قوت پیداوار کے مطابق اس پر خراج عائد کیا جائے پھر زمین کی پیداوار بڑھ جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک خراج بڑھا دینا جائز ہے جس طرح پیداوار کم ہو جانے سے کم کر دیا جاتا ہے اس لئے قوت پیداوار کا اعتبار ہے، قوت بڑھ جائے خراج بڑھ جائے گا اور کم ہونے سے خراج کم ہو جائے گا مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زیادہ نہ ہوگا اس لئے کہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ جب انہیں زمین کی قوت بڑھ جانے کی خبر دی گئی تو انہوں نے خراج میں اضافہ نہیں کیا جیسے کہ عبدالرزاق وغیرہ نے روایت کی ہے ۱۲

سلہ قولہ ویجب الخ۔ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ عشر میں حقیقی نمو کا اعتبار ہے اور خراج میں تقدیری نمو کا۔ تو مالک جب قابل زراعت زمین کو خود خالی چھوڑ دے اور کھیتی نہ کرے۔ (باقی صہ آئندہ پر)

ای ارض الخراج وھذا عندنا وعند الشافعیؒ یجب ویتکرر[۱] العشر بتکرر الخارج بخلاف الخراج فانہ لا یتکرر واعلم ان الخراج نوعان خراج موظف وھو الوظیفۃ المعینۃ (ای فی سنۃ واحدۃ ۱۲ العمدۃ) التی توضع علی الارض کما وضع عمر رضی اللہ عنہ علی سواد العراق (ای عشرۃ دراہم فی کل مقدار ۱۲ عینی) وخراج المقاسمۃ کربع الخارج وخمسہ ونحوھما فالذی لا یتکرر ھو الموظف اما خراج المقاسمۃ فھو یتکرر (ای بتکرر الخارج ۱۲) کالعشر۔

ترجمہ:۔ یعنی خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک عشر بھی لیا جائے اور عشر مکرر واجب ہوتا ہے پیداوار مکرر ہونے سے بخلاف خراج کے کہ وہ سال میں دو بار نہیں لیا جائے گا۔ واضح رہے کہ خراج دو طرح کا ہوتا ہے۔ خراج مؤظف۔ یعنی وہ معین محصول جو زمین پر مقرر کیا جاتا ہے جیساکہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی زمین پر مقرر فرمایا تھا۔ خراج مقاسمہ (یعنی جو پیداوار کے حصہ کے طور پر معین ہو) مثلاً پیداوار کی چوتھائی یا پانچواں حصہ وغیرہ تو جو خراج مکرر نہیں ہوتا وہ خراج مؤظف ہے لیکن خراج مقاسمہ مکرر ہوتا ہے جس طرح کہ عشر مکرر ہوا کرتا ہے۔

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) تو عشر لازم نہ ہوگا لیکن خراج لازم ہوگا کیونکہ زمین میں صلاحیت موجود تھی اور امکان زراعت کی بنا پر خراج اس کے ذمہ میں واجب ہے، فتاوٰی خانیہ میں ہے کہ اگر خراجی زمین بنجر ہو جو لائق زراعت نہیں یا اس میں پانی نہ پہونچتا ہو۔ اب اگر اس کی اصلاح ممکن تھی مگر اس نے اصلاح نہیں کی تو اس پر خراج لازم ہوگا اور اگر ناقابل اصلاح ہو تو خراج لازم نہ ہوگا اور اگر مالک اپنی قوت اور اسباب نہ ہونے کے باعث زراعت کرنے سے عاجز ہو تو امام کو حق حاصل ہے کہ وہ زمین کسی دوسرے آدمی کو مزارعت پر دیدے تاکہ مالک کے حصہ میں سے خراج وصول کر سکے اور باقی مالک کو دیدے اور چاہے تو اجرت پر کھیتی کرائے اور اجرت میں سے خراج وصول کرے اور بیت المال کی طرف سے بھی کھیتی کرا سکتا ہے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے فروخت کر دے اور اس کی قیمت سے خراج وصول کرلے ۱۲ بنایہ

(حاشیہ صد ہذا) [۱] قولہ ویتکرر: یعنی اگر ایک سال میں متعدد بار زمین کی پیداوار ہو تو عشر بھی متعدد بار لازم ہوگا اس لئے کہ یہ ہر پیداوار پر لازم ہوا کرتا ہے بخلاف خراج کے کہ یہ سال بھر میں مالک کے ذمہ ایک بار لازم ہے اس لئے پیداوار متعدد بار ہونے سے بھی خراج مکرر نہ ہوگا، تو خراج کے حکم میں اس لحاظ سے تو سختی ہے کہ زراعت کی صلاحیت ہی سے خراج واجب ہے چاہے کھیتی نہ ہو۔ اور اس لحاظ سے آسانی ہے کہ پیداوار متعدد بار ہونے سے بھی خراج ایک ہی دفعہ لازم ہے اور عشر میں اس لحاظ سے سختی ہے کہ جتنی بار پیداوار ہوگی عشر لازم ہوگا اور اس اعتبار سے سہولت ہے کہ پیداوار ہونے ہی سے عشر واجب ہوگا چنانچہ اگر مالک نے زمین کو خالی چھوڑ دے تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا ۱۲ فتح۔

فصل الجزية

اعلم أن الجزية نوعان جزية وضعت بالتراضي تتقدر بحسب ما يقع عليه الاتفاق[1] وجزية يبتدئ الامام وضعها اذا غلب عليهم ما وضعت بصلح لا تغير وحين غلبوا واقروا على املاكهم توضع[2] على كتابي ومجوسي ووثني عجمي ظهر غناه فيه خلاف الشافعي فانه لا توضع عليه عنده لكل سنة ثمانية واربعون درهما يأخذ في كل شهر اربعة دراهم وعلى المتوسط نصفها وعلى فقير يكسب ربعها وعند الشافعي يوضع على كل حالم وحالمة دينار الفقير والغني سواء لا على وثني عربي فان ظهر عليه فعرسه وطفله فيء ولا مرتد ولا يقبل منهما.

جزیہ کا بیان

ترجمہ:- واضح رہے کہ جزیہ کی دو قسمیں ہیں. ایک یہ کہ جو طرفین کی رضامندی سے مقرر ہو تو جتنی مقدار پر باہمی اتفاق ہوا ہو اسی میں محدود رہے گا. (کم یا زیادہ نہیں لیا جاسکتا ہے) دوسری قسم یہ کہ کفار پر غلبہ پانے کے بعد امام اپنی جانب سے ابتداءً مقرر کرے تو جو جزیہ باہمی مصالحت اور رضامندی سے مقرر ہوا ہو اس میں کوئی تغیر نہیں کیا جاسکتا ہے اور جب کفار مغلوب ہو جائیں اور ان کو ان کی املاک پر برقرار رکھا جائے تو اہل کتاب، مجوس اور عجمی بت پرستوں پر جزیہ مقرر کیا جائے گا جبکہ ان کا مالدار ہونا ظاہر ہو. بت پرستوں پر جزیہ کے بارے میں امام شافعی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا. سالانہ اڑتالیس درہم کے حساب سے. چنانچہ امام یا اس کا نائب ہر مہینہ چار درہم وصول کرے گا. اور متوسط الحال پر اس کا آدھا (چوبیس درہم سالانہ) اور کمانے والا فقیر پر اس کی چوتھائی (بارہ درہم سالانہ) مقرر کی جائے گی. اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر بالغ مرد وعورت پر سالانہ ایک دینار مقرر کیا جائے اور اس میں فقیر وغنی سب برابر ہیں اور عرب کے بت پرست پر جزیہ نہیں، تو اگر امام ان پر غالب ہو تو ان کی عورتیں اور بچے مال غنیمت ہو جائیں گے اور مرتد پر بھی جزیہ نہیں ہے اور نہ قبول کیا جائے گا ان دونوں سے.

تشریح [1] قولہ الاتفاق الخ یعنی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نجران کے عیسائیوں کے ساتھ دو ہزار جوڑوں پر مصالحت فرمائی تھی کہ ان میں سے نصف ماہ صفر میں اور باقی ماہ رجب میں وہ مسلمانوں کو ادا کریں گے ان کے علاوہ تیس زرہیں تیس گھوڑے تیس اونٹ اور دوسرے اسلحہ کی ہر قسم میں سے تیس تیس عدد ، بطور رعایت کے دیں گے جن سے مسلمان جہاد کریں گے ۱۲

[2] قولہ توضع الخ اس باب میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے " فقاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون " حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو غزوۂ تبوک کا حکم دیا گیا تھا (ابن ابی شیبہ، ابن جریر) ابن شہاب فرماتے ہیں کہ قریش اور عرب کے کفار کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی " وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله " اور اہل کتاب کے بارے میں وہی آیت نازل ہوئی چنانچہ اہل نجران نے سب سے پہلے جزیہ ادا کیا (ابن منذر) بہر حال اس آیت میں یہود ونصاریٰ سے جزیہ لینے کا تذکرہ ہے. فتح القدیر میں ہے کہ ان کے اندر سامری گروہ بھی شامل ہے اس لئے کہ وہ بھی دین موسوی کے اتباع کا دعویدار ہے. اگرچہ فی الواقع اس کا خلاف کرتا ہے. (باقی صفحہ آئندہ پر)

ای من الوثنی العربی والمرتد الا الاسلام او السیف وعند الشافعی یسترق مشرکو العرب ولا علی راھب لا یخالط وعند ابی یوسف وھو روایۃ محمد عن ابی حنیفۃ توضع ان کان قادرا علی العمل وصبی وامرأۃ ومملوک واعمیٰ وزمن وعند ابی یوسف تجب اذا کان لہ مال وفقیر لا یکسب وعند الشافعی تجب وتسقط بالموت والاسلام خلافا للشافعی فیھما وتداخل بالتکرر ھذا عند ابی حنیفۃ خلافا لھما۔

ترجمہ :۔ یعنی مشرکین عرب اور مرتد سے کہ اسلام یا تلوار اور امام شافعیؒ کے نزدیک مشرکین عرب کو بھی غلام بنایا جا سکتا ہے۔ اور جزیہ نہیں ہے ایسے راہب پر جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور یہی ایک روایت ہے امام محمد کی ابو حنیفہؒ سے کہ راہب پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے اگر وہ کمانے پر قادر ہو، اسی طرح جزیہ نہیں ہے بچے، عورت، غلام، اندھے اور اپاہج پر اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اپاہج پر جزیہ ہے جبکہ اس کے پاس مال ہو، اور اس فقیر پر جو کچھ کماتا نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے فقیر سے بھی لیا جائے۔ اور جزیہ ساقط ہو جاتا ہے موت سے اور اسلام سے۔ امام شافعی ان دونوں صورتوں میں اختلاف کرتے ہیں (ان کے نزدیک سابقہ واجب جزیہ موت یا اسلام سے ساقط نہیں ہوتا) اور جزیہ میں تداخل ہو جاتا ہے دوسرا سال آجانے سے (یعنی ایک ہی سال کا جزیہ لیا جائے گا) یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے صاحبین اس سے اختلاف کرتے ہیں (ان کے نزدیک ہے

تشریح :۔ (بقیہ مدگذشتہ) اسی طرح فرنگی بھی ان میں شامل ہیں۔ صابئین کے بارے میں اختلاف ہے جنہوں نے ان کو اہل کتاب مانا انہوں نے یہود و نصاریٰ میں شامل قرار دیا اور جنہوں نے انہیں ستارہ پرست قرار دیا انہوں نے بت پرستوں میں شمار کیا ۱۲
[2] قولہ لا علی وثنی عربی الخ۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب کے لوگوں سے جہاد کیا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں اور ان سے اسلام کے علاوہ اور کچھ قبول نہیں ۱۲ اور یہی اس وقت کا افضل ترین جہاد تھا پھر دوسرے درجہ میں اہل کتاب سے جہاد شروع ہوا (ابو الشیخ۔ ابن ابی شیبہ) اور حضرت مجاہد سے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کی کہ بت پرستوں سے اسلام قبول کرنے تک جہاد ہے اور اہل کتاب سے جزیہ قبول کرنے تک، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عربوں میں سے تھے اور قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا۔ اس لئے عربوں کا کفر دوسرے کفار سے زیادہ شدید ہے بنابریں اسلام کے علاوہ ان سے اور کچھ قبول نہ ہوگا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] وفقیر لا یکسب الخ یعنی جو کمانے اور کام پر قادر نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس زمین میں قوت پیداوار نہ ہو اس پر خراج لازم نہیں آتا ایسے ہی فقیر کے خراج کا حکم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب عثمان بن حنیف کو عراق کی طرف بھیجا۔ تب انہوں نے کام کے قابل لوگوں پر جزیہ لگایا، لیکن یہ ثابت نہیں کہ غیر عامل پر جزیہ لگایا ہو البتہ ہر بالغ مرد اور عورت پر جزیہ ہے" والی حدیث جس کے اطلاق سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اس کے بارے میں گذر چکا ہے کہ یہ صلح پر محمول ہے اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس میں حالمہ (بالغ عورت) کا ذکر ہے نیز اس سے جس طرح اندھا وغیرہ مستثنیٰ ہے اسی طرح فقیر بے روزگار بھی مستثنیٰ ہے ۱۲
[2] قولہ وتتداخل الخ یعنی جس سے ابھی اس سال کا جزیہ نہ لیا گیا ہو اور دوسرا سال آجائے تو امام صاحب کے اس سے صرف ایک ہی جزیہ لیا جائے گا بخلاف صاحبین، کہ ان کے نزدیک مکرر لیا جائے گا زمین کے خراج میں بھی یہی اختلاف ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس میں بالاتفاق تداخل نہیں ہوتا کیونکہ اس کے اندر حالت بقا میں عقوبت کا پہلو ملحوظ نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ خراجی زمین جب مسلمان خریدتا ہے تو اس پر بھی خراج واجب ہوتا ہے اس لئے خراج میں تداخل نہ ہونا جائز ہوگا۔ بخلاف جزیہ کے کہ وہ ابتداءً و بقاءً ہر حال میں سزا ہی ہے ۱۲ عنایہ۔

ولا تحدث بيعة وكنيسة هنا ولهم اعادة المنهدمة[1] ومُيّز الذمي منّا فی زيّه[2] ومركبه وسرجه وسلاحه فلا يركب خيلا ولا يعمل بسلاح و يظهر الكستيج وهو خيط غليظ بقدر الاصبع من الصّوف يشدّه الذمي على وسطه وهو غير الزنّار من الابريسم ويركب على سرج كالاكاف ومُيّزت نساؤهم فی الطريق والحمام ويُعلّم على دورهم لئلا يستغفر لهم ونقض عهده[3] ان غلب على موضع لحربنا او لحق بدارهم وصاركمرتد فی الحكم بموته بلحاقه لكن لو اُسر يسترق والمرتد يقتل لا ان[4] امتنع عن الجزية او زنى بمسلمة او قبّلها او سبّ النبی عليه السّلام وعند الشافعی سبّ النبی عليه السّلام هو نقض العهد۔

ترجمہ:۔ اور دار الاسلام میں نئے طور پر گرجا یا معبد بنانے نہیں دیا جائے گا، ہاں منہدم شدہ کی مرمت و تعمیر کر سکتے ہیں اور تمیز رکھی جائے ذمی کی ہم مسلمانوں سے لباس میں، سواری میں، زین میں اور ہتھیار میں، اس طرح کہ وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور ہتھیاروں کا استعمال نہ کریں اور کھلا رکھیں کستیج کو یعنی اس تاگے کو جو اون کا انگلی برابر موٹا ہوتا ہے جسے ذمی اپنی کمر میں باندھتے ہیں یہ ریشمی لگون سے مختلف ہوتا ہے اور ایسے زین پر سوار ہوں جو پالان کی شکل کا ہو۔ اور ان کی عورتوں میں بھی تمیز رکھی جائے راستہ چلنے اور حمام (وغیرہ) میں اور ان کے گھروں پر علیحدہ نشان رکھا جائے تاکہ گذرنے والا (مسلمان) کافر سمجھ کر ان کے لئے استغفار نہ کرے اور ذمی کا عہد ذمہ ٹوٹ جائے گا اگر وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے کسی مقام پر جمع ہو کر تسلط حاصل کرلیں یا دار الحرب میں چلے جائیں، اور وہ حکم میں بمنزلہ مرتد کے ہو جائے گا کہ دار الحرب میں چلے جانے سے اسے میت کے حکم میں قرار دیتے ہیں۔ (چنانچہ اس کا مال وارثوں میں تقسیم کر دیں گے) لیکن اگر ذمی دوبارہ ماخوذ ہوا تو غلام بنایا جائے گا اور مرتد (اگر ماخوذ ہو تو اسے) قتل کر دیا جائے گا اور اگر ذمی جزیہ دینے سے انکار کرے یا مسلمان عورت سے زنا کرے یا اس کا بوسہ لے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو ان امور سے اس کا عہد ذمہ نہیں ٹوٹتا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا نقض عہد ہے (اور وہ واجب القتل ہے)

تشریح [1] قولہ اعادۃ المنہدمۃ الخ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ منہدم شدہ عمارت پہلی کی طرح بنا سکتے ہیں اس پر زیادتی یا اضافہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اگر وہ پہلی حالت سے زیادہ خوبصورت اور شاندار بنانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں دی جائے گی، اسی طرح اگر امام مصلحت سے گرا دے تو بھی دوبارہ بنانے کی اجازت نہ ہوگی اور اگر وہ خود ہی اسے گرا دیں تو دوبارہ بنانے کی اجازت ہے ۱۲

[2] قولہ زیہ الخ۔ کسرہ زا اور تشدید یا کے ساتھ ہیئت و شکل کو کہتے ہیں یہاں مراد لباس ہے۔ چنانچہ انہیں پگڑی وغیرہ جو علماء و شرفاء کا لباس ہے پہننے سے منع کیا جائے گا ۱۲

[3] قولہ ونقض عہدہ الخ یعنی ان کا عہد ذمہ باطل ہو جائے گا جبکہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے کسی مقام پر غلبہ حاصل کرلیں یا دار الاسلام سے نکل کر دار الحرب میں چلے جائیں۔ کیونکہ عہد ذمہ کا مقصد جنگ کی شرارت دور کرنا ہے جب یہ ہی نہ رہا تو وہ عہد بھی نہ رہے گا ۱۲

[4] قولہ لا ان امتنع الخ۔ یعنی جزیہ ادا کرنے سے انکار کے باعث عہد نہیں ٹوٹے گا، ایسا ہی اگر وہ کہے کہ میں نے عہد توڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا یہ قول اور جزیہ ادا کرنے سے انکار، سابقہ قبول جزیہ کی نفی نہیں کرتا۔ (باقی صد آئندہ پر)

ویؤخذ من مال بالغٍ تغلبی وتغلبیةٍ ضعفُ زکوتنا ومن مولاه الجزیة
ای المعتق التغلبی بلغۃ انذار ۱۲ عمدہ
والخراج خلافاً لزفرؒ فانہ یؤخذ منہ ضعف زکوتنا وھو الخمس فی الاراضی
ای کعبد مولا التغلبی ۱۲ عمدہ
ونصف العشر فی غیرھا مما یجب فیہ الزکوٰۃ کمولی القرشی فانہ یوخذ منہ
ہو نصف ربع العشر الواجب فی اموالنا ۱۲ عمدہ
الجزیۃ والخراج فقولہ علیہ السلام مولی القوم منھم انما یعمل بہ فی حرمۃ
دفع دخل مقدر وجواب عن الاستدلال زفر ۱۲ عمدہ
الصدقۃ فیجعل مولی الھاشمی کالھاشمی فی ھذا الحکم لان الحُرُمات یثبتُ
بالشبھات ومصرف الجزیۃ والخراج ومال التغلبی وھدیتھم للامام وما اخذ منھم
ای ما یؤخذ منہ وہو ضعف زکاتنا ۱۲ عمدہ
بلاحرب مصالحُنا کسدّ ثغور وبناء قنطرۃٍ وجسرٍ القنطرۃ ما یکون مرکبًا
والجسر خلافہ مثل ان یسدّ السُّفُن۔

ترجمہ :۔ اور بنی تغلب کے بالغ مرد اور عورت سے اہل اسلام کی زکوٰۃ سے دوچند لیا جائے گا اور ان کے آزاد کردہ غلاموں سے جزیہ اور خراج لیا جائے گا۔ اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ان کے آزاد کردہ غلام سے بھی ہماری زکوٰۃ کا دوگنا لیا جائے۔ یعنی زمین کی پیداوار میں سے خمس اور اس کے علاوہ جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان میں سے بیسواں حصہ لینا چاہیئے۔ (مگر ہمارے نزدیک ان کا حکم ایسا ہے جیسے قریشیوں کے آزادکردہ غلاموں کا حکم ہے کہ ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "مولی القوم منھم" (کسی قوم کا آزادکردہ غلام اسی قوم کا ایک فرد شمار ہوتا ہے) محض حرمت صدقہ کے باب میں کارگر ہے چنانچہ ہاشمی کا آزادکردہ غلام صدقہ قبول کرنے کے حکم میں ہاشمی کے مانند ہے اور وجہ یہ ہے کہ حرمت شبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے (مگر جمیع احکام میں وہ اپنے مولی کے مانند نہیں ہوتا) اور جزیہ کا مال، زمین کا خراج، بنی تغلب سے وصول شدہ مال، اور وہ ہدایا وتحفہ جو ان کی طرف سے امام کے پاس آئے اور جو مال ان سے بدون جنگ کے حاصل ہو، ان سب کا مصرف مسلمانوں کی مصالح اور رفاہ عام ہے۔ مثلاً سرحدوں کی حفاظت اور پل اور راستے کی تعمیر، قنطرہ وہ پل ہے جو مستحکم بنیادوں پر ہمیشہ کے لئے بنایا جائے اور اس کے برخلاف جسرؔ جو عارضی طور پر باندھا جائے مثلاً کشتیوں کو جوڑ کر پل تیار کی جائے۔

تشریح :۔ (بقیہ صد گذشتہ) جس کے سبب سے اس کو قتل کرنا ممنوع ہو گیا اس لئے اب جبراً اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا ہاں اگر وہ قبول جزیہ ہی سے باز رہے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا جیسے اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے جو تبعاً عہد ذمہ میں داخل ہو پھر خود عہد کا اہل ہو جائے مثلاً بچہ اور پاگل کہ جب وہ صحیح الدماغ ہو جائے یا بچہ بالغ ہو جائے آغاز سال میں تو اس پر مستقلاً جزیہ عائد ہوگا اب اگر انکار کر دے تو اس کے ساتھ عہد نہ رہے گا ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ خلافاً لزفرؒ الخ ان کی دلیل یہ حدیث ہے "مولی القوم منھم" (ابو داؤد وترمذی) اور اسی وجہ سے جس طرح بنو ہاشم کے لئے صدقہ حلال نہیں ان کے آزادکردہ غلام کے لئے بھی صدقہ حلال نہیں، ہم کہتے ہیں کہ بنو تغلب پر دوگنا صدقہ دراصل تخفیف ہے اس لئے کہ اس میں وہ ذلت نہیں جو کہ جزیہ اور خراج میں ہوتی ہے اس لئے اس تخفیف میں ان کے آزادکردہ غلام ان کے آزاد ان کے ساتھ شامل نہ ہوں گے اور بنو ہاشم کے موالی پر صدقہ اس لئے حرام ہے کہ حرمت شبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس لئے حکم حرمت میں فرع اصل کے ساتھ ملحق رہے گی ۱۲

سلہ قولہ وہدیتھم للامام الخ۔ جوہرہ میں ہے کہ امام کو کافروں سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جبکہ وہ اس یقین سے دیں کہ ہماری جنگ دین ہے دنیا کی خاطر نہیں، ہاں اگر یہ توقع ہو کہ ہدیہ واپس کر دینے سے (باقی صد آئندہ پر)

وکفایۃ العلماء والقضاۃ والعُمّال ورزق المقاتلۃ وذراریھم ومن مات فی نصف السنۃ حرُم من العطاء فانّہ صلۃ فلا یُملك قبل القبض ویسقط بالموت واھل العطاء فی زماننا القاضی والمفتی والمدرس۔

(حاشیہ: بالفم مجمع القاضی ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ اور عالموں، قاضیوں اور عُمّال حکومت کے وظائف اور مجاہدین اور ان کی اولاد کے روزینے (میں خرچ کیا جائے) اور مذکورہ مستحقین میں سے جو وسط سال میں مرجائے وہ سرکاری سالانہ وظائف سے محروم ہو جائے گا اس لئے کہ یہ عطیہ ہے تو قبضہ سے پہلے ملکیت ثابت نہ ہوگی اور ایسا حق موت سے ساقط ہو جاتا ہے۔ (اب وارثین کو سال بھر کے وظیفہ کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔) اور ہمارے زمانہ میں ایسے وظائف کے مستحق قاضی، مفتی اور مدرس ہیں۔

تشریح (بقیہ صدگذشتہ) وہ ایمان کیطرف مائل ہو سکتے ہیں تو امام کو چاہیئے کہ ایمان لانے کی امید پر ان کا ہدیہ واپس کر دے، صحاح کی روایتوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا کفار سے ہدیہ قبول فرمایا ہے ۱۲

سلہ قولہ وبناء تنطرۃ الخ یہ لفظ فعللۃ کے وزن پر ہے، دریا یا نہر پار ہونے کے لئے جو مستحکم پل بنایا جاتا ہے اسے تنطرۃ کہتے ہیں اور نہر وغیرہ عبور کرنے کے پل کو جسر کہتے ہیں۔ خواہ باقاعدہ بنا ہو یا عارضی ہو (مغرب) اور تنطرہ کے حکم میں ہے، مساجد، حوض اور مسافرخانوں کی تعمیر اور نہروں کی کھدائی اور مصارف مسجد کی خرچ برداری اسی طرح اقامت شعار اسلام پر خرچ کرنا مثلاً امام اور موذن وغیرہ کے مشاہرے ادا کرنے میں خرچ کرنا ۱۲ بحر۔

(حاشیہ صد ہذا) لے قولہ فلا یملک قبل القبض الخ۔ اسی لئے اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اسی طرح قبضہ سے پہلے، ہبہ، تقسیم وغیرہ کچھ بھی درست نہ ہوگا۔ یہی حکم ہر سالانہ یا ماہانہ عطیہ کا ہے۔ لیکن جو زمین امام مالک بناکر دیدے اس میں وہ تمام معاملات درست ہوں گے جو کہ سخت ملکیتوں میں جاری ہوتے ہیں ۱۲ (احکام الاراضی)

باب المرتد

من ارتدّ والعیاذ باللہ عُرض علیہ الاسلام وکُشفت شبھتہ فان استمھل حُبس ثلثۃ ایام فان تاب فیھا والّا قتل ای ان تاب فیھا وان لم یتب قتل ومعنی فیھا ای فبالخصلۃ الحسنۃ اخذ وکلمۃ والّا معناھا وان لا ولیست للاستثناء وھی ای التوبۃ بالتبرّی عن کل دینٍ سوی دین الاسلام اوعمّا انتقل الیہ وقتلہ قبل العرض ترک ندبٍ بلا ضمانٍ لانہ استحق للقتل بالارتداد وعند الشافعیؒ یجب ان یُمھلہ الامام ثلثۃ ایام ولا یحل قتلہ قبل ذلک ویزول ملکہ عن مالہ موقوفًا فان اسلم عاد وان مات او قتل اولحق بدارھم وحُکم بہ عتق مدبّرہ وام ولدہ وحلّ دَینٌ علیہ۔

(حواشی بین السطور: ای فی السجن وغیرہ وذلک لئلا یلزم ۱۲ عمدہ — ای المرتد ۱۲ عمدہ — ای قبل مضی ہذہ المدۃ ۱۲ عمدہ — ما یجی من الملحق ای صار ذریۃ حالا ۱۲ عمدہ)

مرتد کا بیان

ترجمہ:- جو شخص خدانخواستہ اسلام سے پھر جائے تو اس پر دوبارہ اسلام پیش کیا جائے اور دین سے متعلق اس کے دل میں جو شبہے ہوں وہ دور کئے جائیں تو اگر وہ مہلت طلب کرے تو اسے تین دن تک قید میں رکھا جائے اگر اس عرصہ میں توبہ کرلے تو بہتر ورنہ قتل کردیا جائے، یعنی اگر توبہ کرلے تب تو ٹھیک ہے اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے اور فیھا کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اچھی بات اختیار کی اور لفظ "الّا" کے معنی "وان لا" (اگر قبول نہ کرے) یہاں لفظ "الّا" استثناء کے لئے نہیں ہے اور وہ یعنی مرتد کی توبہ یہ ہے کہ دین اسلام کے سوا سب دینوں سے ناراضی اور بیزاری ظاہر کرے یا اس دین سے بیزاری ظاہر کرے جسے اس نے اسلام ترک کرکے اختیار کیا ہو۔ اور اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کرڈالنا ترکِ استحباب ہے اس کی وجہ سے کوئی ضمان نہیں آئے گا۔ کیونکہ ارتداد کی وجہ سے وہ قتل کا مستحق ہوچکا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک حاکم اسلام پر واجب ہے کہ وہ مرتد کو تین دن کی مہلت دے اس سے پہلے اُسے قتل کرنا جائز نہیں اور مرتد ہونے سے اس کی ملک اس کے مال سے موقوفًا جاتی رہتی ہے کہ اگر وہ پھر اسلام قبول کرلے تو اس کی ملکیت بھی دوبارہ لوٹ آئے گی اور اگر مرجائے یا اُسے قتل کردیا جائے یا دارالحرب میں چلا جائے اور اس کے چلے جانے پر فرمانِ حکومت جاری ہوجائے تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہوجائیں گے اور اس کے میعادی قرض کی مدت ختم ہوجائے گی

تشریح:- ؎۱ قولہ فان استمھل الخ یعنی مرتد پر اسلام پیش کرنے کے بعد اگر وہ غور وفکر کرنے کے لئے کچھ مہلت مانگے الخ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مہلت صرف اس وقت دی جائے گی جبکہ وہ خود مہلت کا مطالبہ کرے ورنہ اسے فورًا قتل کردیا جائے اس لئے کہ حدیث میں صریح حکم ہے کہ "جو اپنا دین بدل دے اُسے قتل کردو" (بخاری وغیرہ) ۱۲

؎۲ قولہ بالتبری الخ یعنی اسلام کے سوا باقی ہر دین سے اعلان برأت کرے یا اسلام چھوڑ کر جس دین میں داخل ہوا تھا اس سے برأت کا اعلان کرے دوسری صورت میں اس پر یہ کہنا بھی لازم ہے کہ "میں مذہب اسلام میں داخل ہوا" چنانچہ بدائع اور شرح سیر کبیر میں ہے کہ محض کلمۂ شہادت پڑھ لینے سے مرتد کے اسلام کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس دین سے برأت کا اظہار نہ کرے جسکو اس نے قبول کرلیا تھا اور جب تک کہ صاف طور پر اسلام میں داخل ہونے کا اعلان نہ کرے کیونکہ محض برأت میں اس کا احتمال ہے کہ مثلاً یہودیت سے برأت ظاہر کررہا ہے نصرانیت میں داخل ہونے کے لئے ابن ہمام نے فرمایا کہ مرتد کا اسلام قبول کرنے کے لئے اظہار برأت اور اعلان کی شرط اس لئے ہے (باقی صفحہ آئندہ پر)

فانه في حكم الميّت فالدَّين المؤجل يصير حالاً بموت المديون وعند
(ای المرتد اللاحق بدار الحرب ۱۲ عده) (یجب اداؤه من ماله في الحال ۱۲ عده)

الشافعي رح يبقى مالهٗ موقوفًا كما كان وكسبُ اسلامه لوارثه المسلم وكسب

ردته فيءٌ هٰذا عند ابي حنيفة وعندهما كلاهما لوارثه المسلم وعند

الشافعي كلاهما فيءٌ وقضى دينُ كل حالٍ من كسب تلك اي دين حال الاسلام
(ای من حالیه الکفر والاسلام ۱۲ عده)

يُقضى من كسب حال الاسلام ودين حال الردة من كسب حال الردة و

وبطل نكاحه وذبحه وصح طلاقه واستيلاده فانه قد انفسخ النكاحُ

بالرّدة فتكون المرأةُ معتدةً فانِ طلّقها يقع وكذا اذا ارتدا معًا فطلّقها

فاسلما معًا فانه لم ينفسخ النكاح فيقع الطلاق۔
(ای المرتد ان ۱۲ عده)

ترجمہ:۔ کیونکہ دارالحرب میں چلے جانے سے وہ بحکم میت ہوگیا۔ اور قرضدار کی موت سے اس کا میعادی قرض فوری واجب الادا قرض بن جاتاہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک اب بھی اس کا مال موقوف رہے گا جیسے پہلے تھا۔ اور اس کا جو مال مسلمانی کی کمائی کا ہوگا وہ اس کے مسلمان وارث کا ہو جائے گا اور جو مال اس کے زمانۂ ردت کی کمائی کا ہوگا وہ غنیمت ہو جائے گا یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے اور صاحبین رح کے نزدیک دونوں حالت کے مال اس کے مسلمان وارث کے ہوں گے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں حالت کے مال غنیمت ہو جائیں گے اور ہر حالت کا قرض اس وقت کے کسب سے ادا کیا جائے گا یعنی حالت اسلام کا قرض زمانۂ اسلام کی کمائی سے ادا کیا جائے گا اور زمانۂ ردت کا قرض اس زمانۂ ارتداد کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ اور مرتد کا نکاح اور ذبح باطل ہے البتہ اس کی طلاق اور ام ولد بنانا صحیح ہے طلاق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ (۱) نکاح تو ٹوٹ گیا ارتداد کی وجہ سے اب عورت فسخ نکاح کی عدت میں ہوگی اب اس عدت کے اندر اگر طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوگی (۲) اسی طرح اگر دونوں اکٹھے مرتد ہو جائیں اور اسی زمانۂ ارتداد میں میاں بیوی کو طلاق دیدے پھر دونوں اکٹھے مسلمان ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکاح نہیں ٹوٹا اس لئے طلاق واقع ہوگی۔

تشریح:۔ (بقیہ صفحہ گذشتہ) تاکہ اس پر اسلام کے احکام جاری ہو سکیں ورنہ اصل ایمان کے تحقق کے لئے یہ شرط نہیں اگر اس نے دل سے عقیدہ رسالت و توحید کو مانا اور کلمہ پڑھ لیا تو وہ عنداللہ مؤمن ہے ۱۲

سلہ قولہ فان مات الخ یعنی مرتد دارالاسلام میں مر جائے یا بوجہ ردت قتل کر دیا جائے یا دارالحرب میں چلا جائے تو اس کی تمام ملکیتیں زائل ہو جائیں گی پہلی دونوں صورتوں میں تو زوال ملکیت ظاہر ہے اور تیسری صورت میں جبکہ کفار دارالحرب کے زمرہ میں داخل ہو گیا تو ہمارے حق میں اسلامی احکام نہ ہو سکنے کی بنا پر وہ کالاموات ہے البتہ قضائے قاضی کی شرط اس لئے لگائی کہ یوں ہر وقت واپس کا احتمال ہے اور سرکاری حکم کے بعد اب اس کا اہل حرب میں سے شمار ہونا متعین ہوگیا

(حاشیہ صدر بذا ہامہ) قولہ وکسب اسلامہ الخ یعنی اس کی حقیقی یا حکمی موت کے بعد اس کا مال اس کے مسلمان وارثین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور ظاہری روایت کی رو سے دارالحرب میں چلے جانے کے وقت کے وارثین کا اعتبار ہوگا یہی امام محمدؒ کا قول ہے اس لئے کہ لحاق ہی اصل سبب ارث ہے اور حکم لحاق واپسی کا احتمال منقطع کر کے سبب کو مستحکم کرنے کے لئے ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک حکم لحاق کے وقت کا اعتبار ہے اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ لاحق ہونے کے وقت اس کا کوئی وارث ہوا اور وہ وارث حکم لحاق سے پہلے مر جائے یا مرتد ہو جائے تو امام ابویوسف رح کے نزدیک وہ وارث نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک وارث ہوگا اسی طرح اگر لاحق ہونے کے وقت اس کا کوئی قریبی کافر ہوا اور وہ حکم سے پہلے مسلمان ہو جائے تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک وارث ہوگا بخلاف امام محمد رح کے نزدیک وارث نہ ہوگا ۱۲ حاشیہ ہدایہ۔

سلہ قولہ وبطل نکاحہ وذبحہ الخ کیونکہ یہ دونوں وجود ملت پر مبنی ہیں اور مرتد کی کوئی ملت نہیں ہوتی۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وتوقف مفاوضتہ وبیعہ وشراؤہ وھبتہ واجازتہ وتدبیرہ وکتابتہ ووصیتہ

ان اسلم نفذ وان مات او قتل اولحق بدارھم وحکم بہ بطل اعلم ان النکاح

والذبح باطلان اتفاقا والطلاق والاستیلاد صحیحان اتفاقا والمفاوضۃ

موقوفۃ اتفاقا والباقی موقوف عند ابی حنیفۃ ونافذ عندھما فان جاء

مسلما قبل الحکم فکانہ لم یرتد وان جاء بعدہ ومالہ مع ورثتہ اخذہ ولا

تقتل مرتدۃ خلافا للشافعیؒ وتحبس حتی تسلم وصح تصرفھا وکسبھا لورثتھا

فان ولدت امۃ لہ فادعاہ فھو ابنہ حر ارثہ فی المسلمۃ مطلقا ان مات اولحق

بدارھم وکذا فی النصرانیۃ الا اذا جاءت بہ لاکثر من نصف حول منذ ارتد۔

ترجمہ:۔ اور مرتد کی طرف سے شرکت مفاوضہ، اور بیچنا اور خریدنا اور ہبہ کرنا اور اجارہ اور مدبر کرنا اور مکاتب کرنا اور وصیت یہ سب تصرفات موقوف رہیں گے اگر وہ اسلام قبول کرلے تو نافذ ہو جائیں گے اور اگر مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دار الحرب میں چلا جائے اور اس کے جانے کے متعلق حکم نافذ ہو جائے تو مذکورہ تمام تصرفات باطل شمار ہوں گے۔ واضح رہے کہ نکاح اور ذبح دونوں بالاتفاق باطل ہیں اور طلاق اور ام ولد بنانا بالاتفاق درست ہیں اور عقد مفاوضہ بالاتفاق موقوف رہے گا۔ اور باقی تصرفات امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک موقوف رہیں گے اور صاحبین کے نزدیک نافذ ہیں۔ اب اگر وہ مرتد قاضی کے حکم لگانے سے پہلے مسلمان ہو کر آجائے تو گویا وہ مرتد ہی نہیں ہوا۔ اور اگر حکم لگانے کے بعد آیا تو اس کا جو مال اس کے وارثوں کے پاس ہے وہ واپس لے سکتا ہے اور اگر عورت مرتد ہو جائے تو وہ قتل نہیں کی جائے گی بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک قتل کی جائیگی لیکن (ہمارے نزدیک) قید کیا جائیگی جب تک کہ اسلام قبول نہ کرلے اور اس کا تصرف صحیح ہوگا اور (اسلام اور ردت دونوں حالتوں کی (۱) اسکی کمائی اس کے وارثوں کو ملے گی اور اگر مرتد کی مسلمان لونڈی کچھ جنی ...... اور مرتد نے اس ولد کا دعوی کیا تو وہ اس کا آزاد بیٹا ہوگا اور وارث ہوگا مطلقاً جس وقت مرتد مرجائے یا دار الحرب میں چلا جائے اور اگر باندی نصرانی ہو تو بھی حکم ایسا ہی ہے لیکن اگر وقت ارتداد سے چھ ماہ سے زیادہ مدت میں بچہ جنی تو وہ مرتد کا وارث نہ ہوگا۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر ملت سے مراد اسلام ہو تو یہ دعوی ٹوٹ جاتا ہے اہل کتاب سے نکاح اور ان کے ذبیحوں سے کیونکہ یہ دونوں درست ہیں حالانکہ ان میں اسلام نہیں، اور اگر ملت سے مطلقاً آسمانی مذہب مراد ہوں تو مجوسیوں اور مشرکین کے باہمی نکاح سے ٹوٹ جاتا ہے کہ یہ قانوناً درست ہے حالانکہ وہ آسمانی ملت کے پیرو نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ملت سے مراد ایسا دین ہے جس کی رو سے باہمی نکاح درست ہو اور اس نکاح پر اس طرح بر قرار رکھا جائے کہ ان میں توارث جاری ہو اور غرض نکاح توالد و تناسل حاصل ہو اور مرتد کو اس حیثیت کی کوئی ملت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اگر مرد ہے تو واجب القتل ہے اور اگر عورت ہے تو اس کے لئے حبس دائمی ہے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) ۱ہ قولہ وتوقف الخ یعنی یہ معاملات موقوف رہیں گے عقد مفاوضہ کا موقوف رہنا اتفاقی مسئلہ ہے اور یہ وہ شرکت ہے کہ جس میں مال، تصرف اور قرض سب برابر سرابر ہوں جس کی تفصیل انشاء اللہ کتاب الشرکت میں آئے گی وجہ توقف یہ ہے کہ اس کا انحصار مساوات باہمی پر ہے اور مسلمان اور مرتد کے درمیان کوئی مساوات نہیں۔ البتہ باقی معاملات امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک موقوف رہیں گے اور صاحبین کے نزدیک وہ نافذ ہوں گے ۱۲

۲ہ قولہ اخذہ الخ یعنی قضاء قاضی یا وارث کی رضامندی سے لے سکتا ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

قوله مطلقًا ای سواء کان بین الارتداد والولادۃ اقل من ستۃ اشهر او اکثر
ای ارتداد ام الولد ... ای ولادۃ الامۃ ۱۲ عمدہ

لان الولد یتبع خیر الابوین دینًا فیتبع الامّ فیکون مسلمًا والمسلم یرث

المرتد واما اذا کانت الام نصرانیۃ فان کان بین الارتداد والولادۃ اقل من ستۃ اشهر یرث وان کان اکثر من ستۃ اشهر لا یرث لان الولد یتبع الاب

هناك ولا یتبع الام لانّ الاب یجبر علی الاسلام فیکون اقرب الی الاسلام
ای المرتد ۱۲ عمدہ

من النصرانیۃ وان لحق بماله ای لحق بدار الحرب مع ماله فظهر علیه فهو فیئٌ فان رجع فلحق بماله ای لحق بدار الحرب بلا مالٍ وحکم القاضی باللحاق ثم رجع ثم
ای من دار الحرب ۱۲ عمدہ

لحق بدار الحرب مع ماله۔

ترجمہ:۔ مصنف رح کا قول مطلقا کا مطلب یہ ہے کہ چاہے ارتداد آنا اور ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم کی مدت ہو یا زیادہ کیونکہ بچہ والدین میں سے دین کے لحاظ سے جو بہتر ہو اس کے تابع ہوتا ہے تو جس صورت میں لونڈی مسلمان ہے بچہ بھی اس کے تابع ہو کر مسلمان شمار ہوگا اور مسلمان مرتد کا داس کی حالت اسلام کی کمائی کا، وارث ہوتا ہے لیکن اگر ... نصرانی ہو تو ارتداد اور ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم مدت ہونے پر وارث ہوگا اور چھ ماہ سے زیادہ مدت ہو تو وارث نہ ہوگا اس لئے کہ بچہ اس صورت میں باپ کے تابع ہوگا اور ماں کے تابع نہ ہوگا کیونکہ مرتد باپ کو قبول اسلام پر مجبور کیا جائے گا اس لئے باپ کے تابع قرار دینے میں وہ زیادہ اسلام سے قریب تر ہوگا بہ نسبت نصرانی ماں کے تابع قرار دینے کے۔ اور اگر مرتد مال سمیت لاحق ہو جائے یعنی مع اپنے مال کے دار الحرب میں چلا جائے پھر مسلمان اس پر غالب ہوں تو وہ مال مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوگا اور اگر وہ مرتد واپس آکر مال لے کر چلا جائے یعنی مرتد پہلی مرتبہ بغیر مال کے دار الحرب میں چلا جائے اور قاضی اس کے لحاق کا فیصلہ کر دے پھر دار الاسلام میں آکر مال لے کے دار الحرب میں چلا جائے۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ جب قاضی نے اس کے لحاق کا فیصلہ دیدیا تو اس کا مال وارثوں کی ملک بن گیا اب یہ مال قاضی کے فیصلہ یا وارثین کی رضامندی ہی سے اس کو واپس مل سکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ نے کسی مردہ کو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا دیا تو اسے وارثوں کے قبضہ سے اپنا مال واپس لینے کا حق ہوگا ۱۲ بحر۔

سلہ قولہ وصح تصرفہا الخ. اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کی عصمت ذات کی عصمت کے تابع ہے تو جب ارتداد کی وجہ سے عورت کی ذات کی عصمت زائل نہیں ہوتی کہ اسے قتل نہیں کیا جا سکتا ہے تو اس کے مال کی عصمت بھی زائل نہ ہوگی. چنانچہ اس کے دونوں زمانوں کی کمائی اسکی ملکیت میں رہے گی اس لئے اس کے تصرفات موقوف نہوں گے بلکہ صحیح ہوں گے. اور اس کی موت حقیقی یا حکمی ہی کے بعد اس کا مال اس کے وارثوں کو ملے گا ۱۲ بنایہ، عنایہ۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) قولہ اقرب الخ اس لئے کہ ممکن ہے کہ جبر کرنے سے وہ مسلمان ہو جائے تو لڑکا اس کے اسلام کی وجہ سے مسلمان شمار ہوگا. اور نصرانیہ عورت پر اسلام کے بارے میں جبر نہیں کیا جا سکتا ہے اب اگر لڑکا ماں کے تابع ہو تو وہ ہمیشہ کے لئے کافر رہے گا۔ اس لئے اس صورت میں اس کا باپ کے تابع ہونا ماں کے تابع ہونے سے بہتر ہے کیونکہ باپ کے ایمان کی توقع ہے اور جب اُسے باپ کے تابع قرار دیا گیا تو اب وہ اس کا وارث نہ ہوگا اس لئے کہ مرتد، مرتد کا وارث نہیں ہوتا ہے۔

سلہ قولہ فہو فیئٌ الخ یعنی اس کا مال غنیمت ہے بیت المال میں رکھا جائے گا اور اس مال میں وارثوں کا کچھ حصہ نہ ہوگا، البتہ اس کی ذات فئی نہ بنے گی کیونکہ مرتد کو غلام نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اگر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور ذات کی بجائے مال کے فئی ہونے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ مشرکین عرب کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے ۱۲ بحر۔

فظهر عليه فهو لوارثه قبل قسمته اى قبل قسمته بين الغانمين لان القاضى
اى مال المرتد الذى ظهر عليه المسلمون ۱۲ عمدہ

اذا حكم بلحاقه فكان الوارث كالمالك القديم فكان اولى فان قضى بعبد مرتدٍ
اى وارث المرتد ۱۲ عمدہ — بصیغۃ المجہول ۱۲ عمدہ

لحق لابنه فكاتبه فجاء مسلمًا فبدلها والولاء للاب العبد مضاف الى المرتدّ
اى مال الکتابۃ ۱۲ عمدہ بفتح الواو اى لارث المکاتب ۱۲ عمدہ

ولحق صفة للمرتدّ اى لحق بدار الحرب ولابنه متعلق بقضى فكاتبه
لا موصوف ۱۲ عمدہ

اى كاتبه الابن فجاء اى فجاء الاب المرتدّ وانما كان البدل للاب والولاء

له لان الكتابة وقعت جائزةً والابنُ خليفة الاب فاذا جاء الاب مسلمًا
یعنی ضمیر کاتب الی الابن والضمیر البارز الی العبد ۱۲ عمدہ

صار الابن كالوكيل من الاب فالبدل له والعتق واقع عنه۔
الی دار الاسلام ۱۲ عمدہ — ای للاب ۱۲ عمدہ

ترجمہ:۔ اس کے بعد مسلمانوں کو غلبہ میں وہ مال ہاتھ لگے تو وہ مال قبل تقسیم کے اس مرتد کے وارث کو ملے گا۔ یعنی غانمین میں تقسیم کرنے سے پہلے وارثین کو مل جائے گا کیونکہ قاضی نے جب اس کے دار الحرب میں مل جانے کا فیصلہ کر دیا تو وارثین بمنزلہ مالک قدیم کے ہو گئے اس لئے دوسروں پر ان کا حق مقدم ہوگا اور اگر مرتد دار الحرب میں جا ملے اور اس کا غلام بحکم قاضی اس کے بیٹے کا ہو جائے اور وہ اس کو مکاتب کر دے پھر وہ مرتد مسلمان ہو کر چلا آوے تو بدل کتابت اور ولاء دونوں باپ ہی کو ملیں گے۔ مصنف کی عبارت میں "عبد" مضاف اور "مرتد" مضاف الیہ اور "لحق" "مرتد" کی صفت ہے، یعنی دار الحرب میں جا ملا۔ اور "لابنہ" متعلق ہے "قضی" کے اور "کاتبہ" کا مطلب ہے کہ بیٹا اس کو مکاتب کر دے اور "جاء" کا مطلب یہ ہے کہ مرتد کا باپ واپس آئے اور بدل کتابت اور ولاء دونوں باپ کو اس لئے ملیں گے کہ اس کو مکاتب بنانا درست ہوا ہے اس لئے کہ بیٹا باپ کا قائم مقام ہے اب جب باپ مسلمان ہو کر واپس آگیا تو بیٹا باپ کی جانب سے بمنزلہ وکیل کے ہو گیا اور بدل کتابت اسی کو ملے گا اور اسی کی جانب آزادی واقع ہوگی (لہٰذا وہ ولاء کا بھی مالک ہوگا)

تشریح: [1] قولہ فان قضی الخ یعنی جب مرتد دار الحرب میں چلا جائے اور دار الاسلام میں اس کا کوئی غلام ہو اور قاضی اس کی موت حکمی کی بنا پر فیصلہ کر دے کہ یہ غلام مرتد کے بیٹے کا ہے جو دار الاسلام میں مسلمان ہے اب بیٹے نے مال کے عوض اس غلام سے عقد کتابت کر لیا پھر وہ مرتد جو کہ اس کا پر انا آقا ہے مسلمان ہو کر واپس آگیا تو یہ مکاتبت جائز ہوگی کیونکہ اس کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ یہ تو جائز دلیل سے نافذ ہوئی ہے کہ تقاضا غلام بیٹے کا ہو گیا تھا لیکن اب جبکہ وہ مسلمان ہو کر آگیا ہے تو مکاتب کا بدل کتابت اور ولاء باپ کا ہوگا۔ اس لئے کہ یہاں بیٹا ایک لحاظ سے وکیل تھا کیونکہ جب وہ دار الحرب چلا گیا تو گویا اس نے اپنے بیٹے کو اپنے مال پر مسلط کر دیا اور تصرف کے سلسلہ اسے اپنا قائم مقام بنا دیا پھر جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کے لئے زندوں کا حکم ثابت ہو گیا اور موت کا حکم باطل ہو گیا۔ اور عقد کتابت میں حقوق عقد مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں تو باپ کی جانب سے عتق واقع ہوگا اور جس کی طرف سے عتق واقع ہو ولاء بھی اسے حاصل ہوتی ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ بدل کتابت ادا کرنے کے بعد باپ مسلمان ہو کر واپس آئے کیونکہ اس صورت میں اس کی جو ملک تھی وہ باقی نہ رہی ۱۲

[2] قولہ والابن خلیفۃ الاب الخ اس لئے کہ اس کی جانب سے تسلیط پائی جانے کی بنا پر اس نے قائم مقامی کی اس کے مال میں اب باپ کی واپسی تک وکیل کی طرح ہوا، اب باپ کو یہ کتابت فسخ کرنے کا حق نہیں اس لئے کہ یہ ولایت شرعیہ سے صادر ہوئی ہے ۱۲ زیلعی، بحر۔

ومن قتله مرتدٌ خطأً فلحق او قُتل فديته في كسب الاسلام لان الدّية لا تكون على العاقلة لعدم النصرة فتكون في ماله فعند ابي حنيفة رح تكون في كسب الاسلام لان كسب الردّة فئٌ وعندهما في الكسبين ومن قطع يده عمدًا فارتد والعياذ بالله ومات منه اولحق بدار الحرب فجاء مسلمًا فمات منه ضمن القاطع نصف الدّية في ماله لوارثه لان القطع حل محلًا معصومًا والسّراية حلّت محلًا غير معصوم فاعتُبر القطع لا السّراية فيجب نصف الدية وانما تجب في ماله لان العمد لا يتحمله العاقلة وانما لا يجب القصاص لوجود الشبهة وهو الارتداد وقوله اولحق بدار الحرب فقضى به وان اسلم ههُنا فمات ضمن كلها اي فمات من ذلك القطع.

ترجمہ :۔ اور اگر مرتد کسی کو بطور خطا مار ڈالے اور دار الحرب میں جا ملے یا قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت مرتد کے اس مال میں سے ادا کی جائے گی جو حالت اسلام میں کمایا ہو، اس لئے کہ یہ دیت عاقلۂ قاتل پر واجب نہ ہوگی کیونکہ مرتد کے حق میں ان کی طرف سے نصرت متحقق نہیں تو لامحالہ اسی کے مال سے دی جائے گی اور یہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اس کے اسلام کی حالت کی کمائی سے ادا ہوگی کیونکہ زمانۂ ردت کی کمائی تو غنیمت ہے (جماعت المسلمین کی) اس لئے اس سے ادا نہیں کی جا سکتی اور صاحبین کے نزدیک دونوں حالتوں کی کمائی سے ادا کی جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ عمداً کاٹ دے پھر جس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ نعوذ باللہ وہ مرتد ہو جائے اور اسی زخم میں مر جائے یا دار الحرب میں ملجائے پھر وہاں سے مسلمان ہوکر واپس آئے اور اس زخم میں مر جائے تو مرتد کے ورثا کو ہاتھ کاٹنے والے کے مال سے نصف دیت دلائی جائے گی کیونکہ قطع ید اس وقت ہوا جبکہ محل قطع معصوم تھا اور اس کے اثر کی سرایت اس وقت ہوئی جبکہ محل غیر معصوم ہو گیا تو قطع ید کی جنایت کا اعتبار ہوگا سرایت کا اعتبار نہ ہوگا اس لئے نصف دیت واجب ہوگی اور دیت قاطع ہی کے مال میں اس لئے واجب ہوگی کیونکہ عمد اجنایت کا تاوان عاقلہ پر عائد نہیں ہوتا اور قصاص اس لئے واجب نہ ہوگا کہ ارتداد کی وجہ سے عصمت میں شبہ پیدا ہو گیا (اور شبہ مانع قصاص ہے) اور مصنف کا قول "اولحق" سے مراد یہ ہے کہ دار الحرب سے جاملا اور قاضی نے لحاق کا فیصلہ کر دیا اور اگر دار الاسلام ہی میں رہ کر پھر مسلمان ہو جائے۔ اور اس زخم سے مر جائے تو ہاتھ کاٹنے والا پورے خونبہا کا ضامن ہوگا یعنی اگر وہ اسی کاٹنے کے اثر سے مر جائے

تشریح۔ [1] قولہ ومن قتلہ الخ یعنی دار الحرب میں لاحق ہونے سے پہلے، کیونکہ اگر لاحق ہونے کے بعد قتل کیا پھر ارتداد سے توبہ کر کے واپس آ گیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، یہی حکم ہے جبکہ لحاق کے بعد غصب یا قذف کا مرتکب ہو اس لئے کہ وہ تو حربی کے حکم میں ہے۔ ۱۲ بحر

[2] قولہ ضمن القاطع الخ حاصل یہ کہ دونوں صورتوں میں قاطع پر صرف ہاتھ کی دیت لازم ہوگی جو کہ جان کی دیت کے نصف ہے اور اس پر جان کی دیت لازم نہ ہوگی اس پر بنا کرتے ہوئے کہ قطع کے باعث موت واقع ہوئی ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ کاٹ دے پھر وہ اسی زخم سے مر جائے اور درمیان میں ارتداد پیش نہ آئے تو پوری جان کی دیت لازم آئے گی کیونکہ اس صورت میں اثر زخم کی سرایت کا بھی اعتبار ہوگا۔ ۱۲

[3] قولہ من ذلک القطع الخ اس قید کو اگرچہ مصنف نے ذکر نہیں فرمایا مگر ان کے سیاق کلام سے سمجھ میں آتی ہے کیونکہ یہ سابق مسئلہ کا تتمہ ہے اور اس قید کا لحاظ کئے بغیر چارہ نہیں اس لئے کہ اگر اس زخم کے اثر سے اس کی موت نہ ہو یعنی اس کا زخم اچھا ہو جائے پھر وہ کسی دوسرے سبب موت سے مرے تو قاطع پر بالاتفاق کسی صورت میں دیت لازم نہ ہوگی کیونکہ سرایت نہیں پائی گئی اور اس کے فعل سے ہلاکت واقع نہیں ہوئی ہے۔

وانما یجب کل الدیۃ لکونہ معصوماً وقت القطع وکذا وقت السرایۃ
ای المرتد ۱۲ عمدہ — وانما لم یجب القصاص لوجود الشبہۃ بتخلل الارتداد

ھذا عند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ وعند محمدؒ یجب النصف ھٰھنا لان الارتداد
ای وجوب کل الدیۃ فی ہذہ الصورۃ ۱۲ عمدہ — ای فی ہذہ الصورۃ کما فی صورۃ

اھدر السرایۃ فلا ینقلب بالاسلام الی الضمان ومکاتبٌ ارتد فلحق
نا خذ بمالہ فقتل فبدل لھا السیدہ وما بقی لوارثہ زوجان ارتدا
فلحقا فولدت ھی ثم الولد فظھر علیھم فالولد ان فیءٌ والاول یجبر
ای بدار الحرب ۱۲ عمدہ — ای علی الزوجین والاول ۱۲ عمدہ
علی الاسلام لاولدہ وفی روایۃ الحسنؒ یجبر ولد الولد ایضاً وھذا
بناءٌ علی ان ولد الولد لا یتبع الجد فی الاسلام فی ظاھر الروایۃ
فلا یکون مسلماً باسلام جدہ فقط ۱۲ عمدہ
ویتبعہ فی روایۃ الحسن وصح ارتداد صبیٍ یعقل واسلامہ ویجبر
علیہ ولا یقتل ان ابی۔

ترجمہ:۔

اس صورت میں پوری دیت اسلئے واجب ہوگی کہ وہ کاٹے جانے کے وقت معصوم تھا اسی طرح اس کی سرایت سے مرنے کے وقت بھی معصوم تھا یہ شیخین کا قول ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک نصف دیت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ ارتداد نے سرایت کے حکم کو باطل کر دیا ہے اب دوبارہ اسلام قبول کرنے سے وجوب ضمان کی طرف حکم نہیں بدلے گا۔ اور جو مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب میں جا ملے پھر مال سمیت پکڑا جائے اور قتل کیا جائے تو بدل کتابت مالک کو ملے گا اور جس قدر زائد بچے گا وہ مکاتب کے وارثوں کو ملے گا اور جو میاں بیوی دونوں مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جائیں اور وہاں ان کے بیٹا ہوا اور اس بیٹے کا بیٹا پیدا ہو پھر مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور یہ پکڑے جاویں تو مرتد کا بیٹا اور پوتا مال غنیمت شمار ہوں گے اور بیٹے پر مسلمان ہونے کے لئے جبر کیا جائے گا مگر پوتے پر نہ کیا جائے گا اور امام حسن کی روایت میں پوتے پر بھی جبر کیا جائے گا اور یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ ظاہر روایت کی رو سے پوتا حکم اسلام میں دادا کے تابع نہیں ہوتا۔ اور حسن کی روایت میں دادا کے تابع ہوتا ہے۔ اور جو لڑکا سمجھ بوجھ رکھتا ہے اس کا مرتد ہونا اور اسلام لانا دونوں صحیح ہیں اور ایسے مرتد لڑکے پر اسلام قبول کرنے کے لئے جبر کیا جائے گا لیکن اگر انکار کرے تو جان سے نہ مارا جائے گا۔

تشریح:۔ لہ قولہ فالولدان فیءٌ الخ یعنی جس طرح ان کے اصول (باپ اور دادا) فیء ہیں اس طرح یہ بھی فیء ہوں گے لڑکے کا فیء ہونا تو بالکل ظاہر ہے کیونکہ رقیت اور حریت میں اولاد ماں کے تابع ہوتی ہے البتہ پوتا کے بارے میں وجہ مختلف ہے کیونکہ وہ تو دادا یا دادی کے تابع شمار نہیں ہوتا اور نہ باپ کا کیونکہ وہ تو خود ہی تابع ہے اور جو خود تابع ہو وہ دوسرے کو اپنا تابع نہیں بنا سکتے تو اس کا فیء ہونا اس لحاظ سے ہے کہ دار الحرب میں پیدا ہو کر حربی کے حکم میں ہو گیا ۱۲

لہ قولہ یجبر علی الاسلام الخ اس لئے کہ وہ ارتداد اور اسلام میں اپنے والدین کے تابع ہے اور وہ دونوں مجبور کئے جاتے ہیں اس لئے بیٹا بھی بحیثیت تابع کے مجبور کیا جائے گا اور دوسرا لڑکا یعنی پوتا پر جبر نہ ہوگا۔ کیونکہ پوتا اسلام اور ارتداد میں دادی کے تابع نہیں ہوا کرتا۔ ۱۲

لہ قولہ یعقل الخ یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ عقل و تمیز والا نہ ہو تو اس کا ارتداد معتبر نہیں اس لئے کہ اس کا اقرار عقیدہ کی تبدیلی پر دلالت نہیں کرتا۔ یہی حکم ہے پاگل اور بدمست کا جس کی عقل زائل ہو گئی ہو (ہدایہ) اور طرطوسی نے انفع المسائل میں بتایا صبی عاقل وہ ہے جو یہ سمجھ رکھتا ہو کہ اسلام سبب نجات ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

هذا عندنا والشافعیؒ وزفرؒ لایصح ارتداده ولا اسلامه ولنا انّ علیاً رضی اللہ عنه اسلم فی صباه وصحح النبی علیه السلام اسلامه وافتخاره بذلك مشهورٌ حیث قال علیؓ شعر سبقتکم علی الاسلام طرًّا ؛ غلاما مابلغتُ اوانَ حُلُم ؛

ترجمہ:- یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی اور زفر کے نزدیک نہ اس کا ارتداد صحیح ہے اور نہ اسلام، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ لڑکپن میں اسلام لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام لانے کو صحیح قرار دیا۔ اور اس بچپنے کے اسلام لانے پر آپ کا اظہار فخر مشہور معروف ہے چنانچہ حضرت علی کا قول ہے۔
شعر:- میں نے تم سب پر قبول اسلام میں سبقت کی ؛ حالانکہ اس وقت میں لڑکا تھا ابھی تک حد بلوغ کو نہیں پہونچا تھا

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) اور اچھے برے اور میٹھے کڑوے کی تمیز رکھتا ہو اور صاحب مجتبیٰ نے عمر کے لحاظ سے اس کا اندازہ بنایا۔ یعنی جب وہ سات برس کا ہو جائے تو عاقل شمار ہوگا، ان کا قول اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ تم اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو جبکہ وہ سات برس کے ہو جائیں ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ وصحح النبیؐ الخ۔ چنانچہ ان پر اسلام کے احکام مرتب ہوئے جس کی بنا پر وہ اور ان کے بھائی حضرت جعفرؓ اپنے باپ ابو طالب کے وارث نہیں ہوئے جبکہ وہ کفر کی حالت میں مرے اور طالب اور عقیل وارث ہوئے کہ یہ دونوں باپ کی موت کے وقت کافر تھے البتہ طالب تو کفر کی حالت میں مرے اور عقیل بعد میں مسلمان ہو گئے ۱۲ موطا مالک۔

باب البغاۃ

قوم مسلمون خرجوا عن طاعۃ الامام دعاھم الی العود وکشف شبھتہم فان تحیزوا مجتمعین حل لنا قتالھم بدءًا ای انحازوا یعنی مالوا الی فئۃ من المسلمین لیستعینوا واجتمعوا واتخذوا حیزًا ای مکانًا واجتمعوا فیہ حل لنا قتالھم بدءًا خلافًا للشافعیؒ فان قتل المسلم لایجوز ابتداءً ونحن نقول الحکم یدار علی دلیلہ وھو تعسکرھم واجتماعھم فان صبر الامام الی ان یبدؤا فربما لایمکن دفع شرھم ونجھز علی جریحھم اجھز علی الجریح ای اتم قتلہ وفیہ خلاف الشافعیؒ ایضًا ونتبع مولیھم ان لھم فئۃ ای ان کان لھم فئۃ وفیہ خلاف الشافعیؒ ایضًا

ای الامام ۱۲ عدہ — ای انحازوا وافتقوا واجتمعوا ۱۲ عدہ — ای ابتداء قبل بدئھم القتال ۱۲ عدہ — ای علی مخالفۃ الامام الحق ۱۲ عدہ — ای البغاۃ بالقتال ۱۲ عدہ — بکسر الہمزۃ شرطیۃ ۱۲ عدہ

باغیوں کا بیان

ترجمہ:۔ جو مسلمان گروہ امام المسلمین کی اطاعت سے کھلے طور پر منحرف ہوجائے (اسے باغی کہا جاتا ہے) تو امام ان کو ازسرنو اپنی اطاعت کے لئے دعوت دے اور اطاعت امام میں جو شبہات ان کو لاحق ہوئے ہیں انہیں دور کرے پھر بھی اگر وہ اکٹھے ہوکر (مقابلہ کے لئے) ایک جگہ میں جمع ہوجائیں تو ہمارے لئے درست ہے کہ ابتداءً ان کے ساتھ جنگ کا آغاز کردیں یعنی وہ جدا ہو جائیں اس طرح پر کہ مسلمانوں کا ایک گروہ لے کر جمع ہوجائیں تاکہ ان کی مدد سے مقابلہ کریں اور ایک مقام کو وہ منتخب کریں کہ وہاں سب اکٹھے ہوں تو ہمارے لئے ابتداءً ان کے ساتھ لڑنا جائز ہے بہ خلاف امام شافعیؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو ابتداءً قتل کرنا جائز نہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ حکم کا مدار اس کی دلیل اور قرینہ پر ہوتا ہے اور یہاں ان کی فراہمی لشکر اور اجتماع لڑنے کا واضح قرینہ ہے ایسی حالت میں اگر امام ان کے ابتدائی حملہ کا انتظار کرے تو بسا اوقات ان کی شرارت کا دفاع ناممکن ہوسکتا ہے۔ اور ہم باغیوں کے زخمیوں کا کام تمام کریں گے "اجھز علی الجریح" کہا جاتا ہے اسکو پوری طرح قتل کردینا، اس بارے میں بھی امام شافعیؒ اختلاف کرتے ہیں۔ اور ان کے بھاگنے والوں کا بھی تعاقب کریں گے اگر ان کے پیچھے کوئی جماعت ہو کہ یہ لوگ ان کے ساتھ مل کر دوبارہ قوت حاصل کریں گے اس مسئلہ میں بھی امام شافعیؒ اختلاف کرتے ہیں۔

تشریح:۔ لہ قولہ خرجوا الخ یعنی وہ یہ دعویٰ کریں کہ حق امام کے ساتھ نہیں بلکہ ہم حق پر ہیں لیکن اگر وہ امام کے ظلم کی وجہ سے اطاعت سے نکل جائیں تو وہ باغی شمار ہوں گے ۱۲ عنایہ۔

سہ قولہ ونحن نقول الخ حاصل یہ کہ حکم کا دار و مدار دلیل پر ہوا کرتا ہے جہاں وہ پائی جائے گی وہاں حکم بھی پایا جائے گا اور یہاں قتال کی دلیل ان کا اجتماع اور امام کی اتباع سے باز رہنا موجود ہے اس لئے ان سے قتال جائز ہوگا اگرچہ حقیقۃً ان سے قتال نہ پائے جائے ۱۲

سہ قولہ ونجھز الخ یہ جمع متکلم کا صیغہ ہے اسی طرح نتبع بھی جمع متکلم ہے اجہاز اور اتباع مصدر سے یعنی ان کے زخمیوں کو پوری طرح قتل کریں گے۔ اور بھاگنے والوں کا تعاقب کریں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قتال کا مقصد دفع شر ہے اور زخمی سے خطرہ ہے کہ اچھا ہو کر پھر ہمارے ساتھ لڑے گا اور بھاگنے والے سے خطرہ ہے کہ وہ اپنے گروہ سے مل کر پھر حملہ کرے گا اس لئے ان کے فتنہ کا دفعیہ اسی صورت سے ہوسکتا ہے کہ زخمی کو بھی پوری طرح قتل کردیا جائے اور بھاگنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ۱۲

ومن لہ لا فلا ای من لا فئۃ لہ لا تجھز علیہ حال کونہ جریحاً ولا نتبعہ حال کونہ مولیاً لانہ لا یخاف ان یلحق بالفئۃ فلا ضرورۃ فی قتلہ فلا یقتل لکونہ مسلماً ولا نسبی ذریتہم ونحبس مالہم الی ان یتوبوا ونستعمل سلاحہم وخیلہم عند الحاجۃ خلافاً للشافعیؒ ولا یجب شیٔ بقتل باغٍ مثلہ ان ظہر علیہم لان ولایۃ الامام منقطعۃ عنہم وان غلبوا علی مصرٍ فقتل رجل من اہلہ آخر منہ فظہر علیہم قتل بہ ھٰذا اذا لم تجر البغاۃ فی ذلک المصر احکامہم فح لا تنقطع ولایۃ الامام عن ذلک المصر فیجری احکامہ وباغٍ قتل عادلاً مدعیاً حقیقتہ یرثہ۔

ترجمہ:۔ اور جن کا ایسا کوئی گروہ نہ ہو ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جائے گا یعنی جن کے پیچھے مضبوطی حاصل کرنے کے لائق کوئی گروہ نہ ہو ان کے زخمیوں کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ان کے بھاگتے ہوؤں کا تعاقب کریں گے کیونکہ اب اس کا اندیشہ نہیں کہ وہ اپنی جماعت سے مل کر قوت حاصل کرے گا اس لئے اب قتل کی ضرورت نہیں رہی اور بلا ضرورت مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم ان کی اولاد کو قیدی نہیں بنائیں گے اور ان کے مالوں کو روکے رکھیں گے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں البتہ ان کے گھوڑوں اور ہتھیاروں کو بوقت حاجت استعمال میں لا سکتے ہیں اس میں بھی امام شافعیؒ کا خلاف ہے اور اگر ایک باغی دوسرے باغی کو قتل کر دے پھر ان پر مسلمانوں کا غلبہ ہو جائے تو قاتل پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ بوقت قتل امام برحق کی ولایت ان سے منقطع تھی اور اگر باغی کسی شہر پر قبضہ کرلیں اور شہر والوں میں سے کوئی شہری دوسرے شہری کو مار ڈالے پھر وہ شہر فتح ہو تو شہری قاتل اس مقتول کے قصاص میں مارا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس شہر میں باغیوں کے احکام جاری نہ ہوئے ہوں ایسی حالت میں اس شہر سے امام وقت کی ولایت منقطع نہیں ہوتی اس لئے اس کے احکام نافذ ہوں گے اور اگر باغی حاکم اسلام کے فرمانبردار شخص کو قتل کر ڈالے اور اس کا دعویٰ یہ ہو کہ میں برحق ہوں تو قاتل اس مقتول کا وارث ہوگا۔

تشریح:۔ لہ قولہ ومن لا فلا الخ یعنی جن باغیوں کے پیچھے ایسی جماعت نہ ہو جس سے وہ جا ملے اور مدد حاصل کر سکیں ان کے زخمیوں کو قتل کرنا اور ان کے بھاگنے والوں کا تعاقب کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور اس کے بغیر مقصود حاصل ہو گیا۔ اس کا راز یہ ہے کہ باغیوں سے مسلمان ہونے کے باوجود اس لئے قتال جائز ہے تاکہ ان کی شوکت ختم کر کے اور قوت توڑ کر شر وفتنہ دفع کیا جائے اور فساد کا قلع قمع کر دیا جائے اور جہاں یہ مقصد قتال کے بغیر حاصل ہو جائے وہاں اس کی ضرورت نہیں یہی وجہ ہے کہ قتال سے پہلے امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ ان کے شبہات کو دور کرے۔ اس امید سے کہ شاید دفع شبہ کے بعد وہ دوبارہ اطاعت قبول کریں ۱۲ عمدہ

سلہ قولہ ذریتہم الخ یعنی ان کے چھوٹے بچے اور ایسے ہی ان کی عورتوں کو قیدی نہیں بنائیں گے۔ اس باب میں اصل وہ طریق کار ہے جو حضرت علیؓ نے بارہا باغیوں کے بالمقابل میں مقاتلہ کرتے ہوئے اختیار فرمایا۔ ۱۔ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گروہ کے ساتھ جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے اور بصرہ میں واقع ہوا تھا۔ ۲۔ دوسری دفعہ حضرت معاویہ کے گروہ کے ساتھ جو ایک مقام صفین میں واقع ہونے کی وجہ سے جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ ۳۔ تیسری دفعہ خوارج کے ساتھ جو حرورار نامی مقام میں جمع ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے جمل کے روز فرمایا۔ کہ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرنا، زخمیوں کو نہ مارنا اور جو ہتھیار ڈالدے اسکو امن ہے (ابن ابی شیبہ، وکتاب الخراج لابی یوسف رحؒ)

هذا عند ابی حنیفة و محمد و عند ابی یوسف والشافعی لا یرث[1] الباغی العادل سواء ادعی حقیقته او اقر انه علی الباطل کعکسه ای کما یرث العادل الباغی فان اقر انه علی الباطل لا ای ان اقر الباغی انه علی الباطل لا یرثه و بیع السلاح[2] من رجل ان علم انه من اهل الفتنة کره والا فلا۔

(حواشی بین السطور: ای لا یرث القاتل المدعی حقیقته ۱۲ عمدہ — الباغی ۱۲ عمدہ — ای الباغی القاتل ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ یہ طرفین کا مذہب ہے اور امام ابویوسف" و شافعی" فرماتے ہیں کہ باغی فرمانبردار کا وارث نہ ہوگا خواہ اپنے برحق ہونیکا دعویٰ کرے یا خود باطل پر ہونے کا اقرار کرے جس طرح اس کے برعکس کا حکم ہے یعنی جس طرح مطیع امام، باغی کو قتل کر دینے سے وارث ہوتا ہے ہاں اگر وہ باطل پر ہونے کا اقرار کرے تو وارث نہ ہوگا یعنی اگر باغی اس کا اقرار کرے کہ وہ باطل پر تھا تو وارث نہ ہوگا۔ اور ایسے شخص کے ہاتھوں ہتھیاروں کی بیع مکروہ ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اہل فتنہ اور بغاوت میں سے ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح [1] قولہ لا یرث الخ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تاویل فاسد۔ دفع ضمان میں تو معتبر ہے وراثت کے استحقاق کے مسئلہ میں معتبر نہیں ہو سکتی ہے اس لئے میراث سے مطلقاً محروم ہوگا کیونکہ اس نے ناحق قتل کیا ہے اور طرفین فرماتے ہیں کہ جس طرح بضرورت دفع ضمان میں معتبر ہے اسی طرح حرمان وراثت کو دور کرنے میں بھی اس کے اعتبار کی ضرورت ہے کیونکہ سبب ارث یعنی قرابت تو موجود ہے ۱۲

[2] قولہ و بیع السلاح الخ اسی طرح اس کا ہبہ کرنے اور دوسرے اسباب تملیک سے مالک بنانے کا حکم ہے لیکن جن مواد سے اسلحہ بنایا جاتا ہے مثلاً لوہا وغیرہ کا بیچنا ممنوع نہیں اس کی نظیر باجہ کے آلات کی بیع کہ یہ مکروہ ہے مگر اس لکڑی کی بیع مکروہ نہیں جس سے باجے بنائے جاتے ہیں اسی بنا پر انگور کے شیرہ کی بیع تو جائز ہے مگر خمر کی بیع جائز نہیں ۱۲ فتح۔

کتاب اللقیط

رفعہ احب[1] وان خیف ھلاکہ یجب کاللقطۃ وھو حر[2] الا بحجۃ رقہ ونفقتہ[3]

وجنایتہ فی بیت المال وارثہ لہ ولا یوخذ ممن اخذہ ونسبہ ممن ادعاہ

ولو رجلین او ممن یصف منھما علامۃ بہ ای لو ادعی رجلان نسبہ فان وصف احدھما علامۃ

فی جسدہ وکان فی ذلک صادقاً فالنسب منہ والا فھما سواء ثم عطف علی

قولہ ولو رجلین قولہ او عبداً وکان حراً ای ان کان المدعی عبداً یثبت

نسبہ منہ لکن اللقیط یکون حراً لان الاصل فی دار المسلمین الحریۃ

او ذمیا وکان مسلماً ان لم یکن فی مقرھم ای فی مقر الذمیین وذمیا ان کان فیہ

لاوارث بچہ کا بیان

ترجمہ :- لاوارث بچہ کا اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت اٹھانا واجب ہے جیسے لقطہ کا حکم ہے اور بچہ آزاد رہے گا مگر جب کوئی حجت قائم ہو اس کے مملوک ہونے پر اور اس کا خرچ اور جنایتوں کا تاوان بیت المال پر عائد ہوگا. اور اس کی میراث بھی بیت المال کو ملیگی۔ اور اٹھانے والوں سے اس کو کوئی نہیں لے سکتا۔ اور اگر کوئی دعوی کرے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہوگا گو مدعی دو شخص ہوں .... اگر ان دونوں میں سے کوئی اس بچہ میں ایسی کوئی نشانی بتلائے جو اس میں موجود ہو تو اس سے نسب ثابت ہوگا۔ یعنی اگر دو شخص نسب کا دعوی کریں اور ان میں سے ایک اس بچہ کے بدن میں ایسی کوئی نشانی بتلائے جس میں وہ تحقیق سے سچا ثابت ہوا تو نسب اسی سے قائم ہوگا ورنہ دونوں برابر ہوں گے پھر مصنف نے اپنے قول " ولو رجلین " پر اگلی بات کو بطور عطف بیان کیا۔ یا چاہے دعوی کرنے والا غلام ہو البتہ وہ بچہ آزاد ہوگا یعنی اگر دعوی کرنے والا غلام ہو تو اس سے نسب ثابت ہوگا لیکن اٹھایا ہوا بچہ آزاد ہوگا اس لئے کہ اصل دار الاسلام میں آزاد ہونا ہے یا دعوی کرنے والا ذمی ہو البتہ وہ بچہ مسلمان شمار ہوگا اگر ان کی بستی سے نہ اٹھایا گیا ہو یعنی اگر ذمیوں کی بستی میں نہ پایا گیا ہو اور ذمی ہوگا اگر وہاں پایا گیا ہو۔

تشریح :- [1] قولہ کتاب اللقیط الخ فتح میں ہے کہ لقیط اور لقطہ جہاد کے بعد ذکر کیا کیونکہ اس میں بھی جان اور مال خطرۂ ہلاکت میں ہوتا ہے اور لقیط کو لقطہ پر مقدم کیا کیونکہ لقیط کا تعلق جان سے ہے جو کہ مال سے مقدم ہے لغۃً اس کے معنی وہ چیز جو زمین سے اتفاقی بجائے فعیل بمعنی مفعول ہے، گرے پڑے بچے کو لقیط کہا جاتا ہے جسے افلاس یا تہمت زنا کے اندیشۂ انجام سے اٹھایا جاتا ہے ۱۲

[2] قولہ ونفقتہ الخ اس سے مراد اس کی ہر ضرورت کی چیز کھانا پینا، لباس و رہائش وغیرہ حتی کہ حاکم جب اس کا نکاح دے تو مہر بھی اس میں داخل ہے (بحر) بیت المال کے ذمہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ لقیط ایسا مسلمان ہے جو کہ کمانے سے عاجز نہ اسکے پاس مال ہے نہ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار تو وہ اس اپاہج کی طرح ہوگیا جس کا کچھ مال نہیں مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ نے لقیط پر بیت المال سے خرچ کیا ایسا ہی حضرت عمرؓ سے منقول ہے (موطا، بیہقی، مسند احمد) اور تنویر الابصار میں ہے کہ اگر اس کا مال ہو یا قرابت دار ہو تو اس کا خرچہ اس کے مال سے یا قرابت دار سے ادا کیا جائے گا ۱۲

[3] قولہ او ذمیا الخ یعنی اگر نسبت کا مدعی ذمی ہو تو نسب اس سے ثابت ہو جائے گا لیکن دار الاسلام کی تبعیت میں لقیط

(باقی حاشیہ آئندہ پر)

ای کان ذمیًّا ان ادّعی نسبہ ذمّی وقد وُجد فی مقرّ اھل الذمّۃ وما شُدّ علیہ فھولہ وصُرف الیہ بامر قاضٍ وقیل بدونہ وللملتقطِ قبض ھبتہ و تسلیمہ فی حرفۃ لا انکاحُہ وتصرفُ مالہ ولا اجارتُہ فی الاصحّ۔

ترجمہ:۔ یعنی اگر ذمی اس بچہ کے نسب کا دعویٰ کرے اور بچہ ذمیوں کے مستقر میں پایا گیا ہو تو وہ ذمی شمار ہوگا۔ اور اگر اس بچہ کے ساتھ کچھ بندھا ہوا مال پایا جائے تو وہ اس بچہ ہی کا ہے اور اس کی حاجتوں میں خرچ کیا جائے گا بحکم قاضی اور بعضوں کے نزدیک حکم قاضی کے بغیر بھی صرف کیا جا سکتا ہے اور اگر اس کو کوئی کچھ ہبہ کرے تو اس کی جانب سے اٹھانے والا قبضہ کر سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بچہ کو کسی حرفہ میں لگا دے البتہ صحیح مذہب کے مطابق اس کو نکاح دینا اور اس کے مال میں تصرف کرنا اور اس کے مال کو اجارہ پر دینا درست نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) مسلمان شمار ہوگا جبکہ وہ مسلمانوں کے کسی شہر یا گاؤں میں پایا جائے یہ حکم استحسانی ہے کیونکہ اس کے دعویٰ کا ایک جز نسب ہے جس کے ثبوت میں بچہ کا نفع ہے اور دوسرا جز دار الاسلام کے باعث ثابت شدہ اسلام کی نفی ہے جس کے ماننے میں اس کا نفع ہے تو جس جز میں اس کا نفع اس میں اس کا دعویٰ صحیح ہوگا اور جس میں ضرر ہے اس میں صحیح نہ ہوگا ۱۲ ہدایہ۔

کتاب اللقطة

هی امانة ان اشهد علی اخذها لیردها علی ربها والا ضمن ان جحد المالك اخذها للرد اعلم ان الواجد ان اقر انه اخذها لنفسه ضمن بالاجماع وان لم یقر بهذا فان اشهد انه اخذه للرد لا یضمن وان لم یشهد ضمن عند ابی حنیفة ومحمد وعند ابی یوسف لا یضمن بل القول قوله فی انه اخذها للرد والاشهاد ان یقول من سمعتموه ینشد لقطة فدلوه علی فقوله والا ضمن ای ان لم یشهد انه اخذه للرد ضمن وعرفت فی مكان وجدت وفی المجامع مدة لا تطلب بعدها فی الصحیح۔

فلا یجب علیہ ضمانہا عند ہلاکہا بلا تعد علی ما ہو حکم الودائع ۱۲ عدہ — متعلق بالاخذ ۱۲ عدہ — ای المالک ۱۲ عدہ — ای باخذہ لنفسہ ۱۲ عدہ — او یقول عندی ضالة او شیئ ۱۲ عدہ

پڑی ہوئی چیز پانیکا بیان

ترجمہ:۔ پڑی ہوئی چیز امانت ہے پانیوالے کے ہاتھ میں اگر اس پر گواہ کرلے کہ میں اسے اس واسطے لیتا ہوں تاکہ بحفاظت اس کے مالک تک پہونچادوں ورنہ تاوان دینا پڑے گا اگر مالک اس کا انکار کرے کہ اس نے لوٹانے کے لئے وہ چیز اٹھائی تھی۔ واضح رہے کہ اگر پانیوالا یہ اقرار کرے کہ اس نے اپنے واسطے یہ چیز اٹھائی تھی تو بالاجماع وہ اس چیز کا ضامن ہوگا اور اگر اس کا اقرار نہ کرے بلکہ اس پر گواہی پیش کردے کہ اس نے واپسی کی غرض سے اٹھائی تھی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس نے کسی کو گواہ نہ بنایا تو طرفین کے نزدیک وہ ضامن ہوگا لیکن امام ابویوسف کے نزدیک ضامن نہ ہوگا بلکہ پانیوالے کا قول مع الیمین معتبر ہوگا کہ اس نے لوٹانے کی غرض سے اٹھائی تھی اور گواہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ کہے "اے لوگو جسے تم گم کردہ چیز تلاش کرتے سنو اسے میرا پتہ بتادو تو مصنف رح کا قول "والا ضمن" کا مطلب یہ ہے کہ اگر اٹھانے والا لوٹادینے کی غرض سے اٹھانے پر گواہ نہ کرے تو وہ ضامن ہوگا اور لقطہ کا اعلان کیا جائے جس مقام میں پایا گیا ہو وہاں اور جہاں لوگوں کا اجتماع رہتا ہے اتنی مدت تک جس کے بعد اور اس کی تلاش و جستجو کی امید نہ رہے صحیح مذہب یہی ہے۔

تشریح:۔ لہ قولہ ان اشہد الخ۔ یہ اشہاد سے امر کا صیغہ ہے یعنی اس پر گواہ بنائے کہ یہ مال گرا ہوا ملا ہے جس کا مالک معلوم نہیں۔ اس کی اصل یہ حدیث ہے کہ جس کو لقطہ ملے اسے چاہیئے کہ دو عادلوں کو گواہ بنالے "اسحق بن راہویہ نے یہ حدیث تخریج کی ہے

لہ قولہ بل القول قولہ الخ یعنی اگر مالک دعوی کرے کہ اٹھانیوالے نے اسے غصب و تعدی کے طور پر اٹھایا ہے اور ملتقط انکار کرے اور کہے کہ میں نے واپس کرنے کے ارادہ سے اٹھایا ہے تو اس کا قول مع یمین معتبر ہے اس لئے کہ اس نے سبب ضمان کا انکار کیا ہے اور منکر کا قول مع یمین معتبر ہوتا ہے اور ظاہر حال بھی ملتقط کی تائید میں ہے کیونکہ مسلم کی شان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے فعل کو حسبۃً لوجہ اللہ اختیار کرنے پر محمول کیا جائے نہ کہ ارادہ گناہ پر اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے سبب ضمان کا اقرار کرلیا ہے یعنی غیر کا مال لیا ہے پھر اس نے ایسا دعوی کیا ہے جس سے اس کی برأت ہوجائے یعنی مالک کو واپس کرنے کے ارادہ سے لیا ہے اور اس دعوی کی صحت میں شبہ ہے اس لئے برأت نہ ہوگی ۱۲ ہدایہ وحواشیہ۔

سہ قولہ وعرفت الخ یہ تعریف سے مجہول کا صیغہ یعنی لقطہ کا بلند آواز سے اعلان کرنا۔ ہدایہ میں بحوالہ تدوری مذکور ہے کہ اگر اس کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو چند روز تک اس کی منادی کرے اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت ہو تو ایک سال تک اعلان کرے، صاحب ہدایہ نے فرمایا یہ امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول ہے اور ایام سے مراد جتنے دن امام مناسب سمجھے اور امام محمد رح نے کم و زیادہ میں فرق کئے بغیر ایک سال مقرر کیا ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

قوله وعرفت اى يجب تعريفها والمراد بالتعريف ان ينادى انى وجدت لقطة لاادرى مالكها فليات مالكها وليصفها لاردها عليه واختلفوا فى مدة التعريف والصحيح انها غير مقدرة بمدة معلومة بل هى مفوضة الى رأى الملتقط فيعرفها الى ان يغلب على ظنه انها لاتطلب بعد ذلك وقدرها محمد ومالك والشافعي بحول من غير فصل سواء اخذت من الحل او الحرم هذا احتراز عن قول الشافعي فانه يقول لقطة الحرم يجب تعريفها الى ان يجئ صاحبها وما لايبقى الى ان يخاف فساده اى عرف مالايبقى كالاطعمة المعدة للاكل وبعض الثمار ثم تصدق فان جاء ربها اجازه وله اجره اى ثواب التصدق.

(حواشی: اى مدة يجب فيها التعريف ۱۲ عده — بكسر القاف ۱۲ عده — اى اللقطة ۱۲ عده — اى مدة التعريف ۱۲ عده — اى مالك اللقطة ۱۲ — اى بعد التصدق ۱۲ عده)

ترجمہ:۔ مصنف کا قول " وعرفت " سے مراد لقطہ کا اعلان کرنا واجب ہے اور اعلان کی صورت یہ ہے کہ یہ کہکر آواز دے کہ " مجھے ایک گری پڑی چیز ملی ہے جس کا مالک مجھے معلوم نہیں جو بھی اس کا مالک ہو وہ آکر اپنی چیز کی علامت بتلائے تاکہ میں اس کی چیز اُسے واپس کر دوں "۔ اس اعلان کی مدت میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اس کی کوئی خاص مدت مقرر نہیں بلکہ یہ اٹھانے والے کی صوابدید پر محول ہے کہ وہ اتنے دنوں تک اعلان کرتا رہے جب تک کہ اس کا یہ غالب گمان نہ ہو جائے کہ اتنے عرصہ بعد اب اس کی تلاش کرنے والا کسی کو پانے کی امید نہیں البتہ امام محمدؒ و مالکؒ و شافعیؒ نے بلا فرق ایک سال کی مدت مقرر کی ہے۔ برابر ہے کہ وہ چیز حل سے اٹھائی گئی ہو یا حرم سے، یہ اس لئے فرمایا تاکہ امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہو جائے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ حرم کے لقطہ کا اعلان اس وقت تک کرتے رہنا واجب ہے جب تک کہ اس کا مالک نہ ملے اور جو چیزیں دیر تک رہنے والی نہیں انہیں یہاں تک اعلان کرے کہ بالکل بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو یعنی جو چیزیں باقی رہنے والی نہیں مثلاً پکا یا ہوا تیار کھانا اور سڑ جانے والے پھل جب تک خراب ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوا اعلان کرے پھر اس چیز کو خیرات کر دے اب اگر مالک آجائے تو اسے اختیار ہے چاہے اس کے خیرات کر دینے کو درست رکھے اور خود ثواب حاصل کرے یعنی صدقہ کرنے کا ثواب اس کو ملے۔

تشریح:۔ (بقیہ مد گذشتہ) اور یہی قول امام شافعیؒ و مالکؒ کا ہے بوجہ اس حدیث کے کہ آپ نے فرمایا جو پڑی ہوئی چیز اٹھائے وہ ایک سال تک اعلان کرے اس میں کوئی تفصیل نہیں اور بعضوں نے فرمایا کہ صحیح ہے کہ کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ اٹھانے والے کی رائے پر ہے تا آنکہ اسے ظن غالب ہو جائے کہ اب اس کا مالک طلب نہیں کرے گا پھر اسے صدقہ کر دے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) ؎۱ قولہ الی ان یجئ صاحبہا الخ یعنی چاہے سال سے زیادہ گذر جائے ان کی دلیل حدیث کا اطلاق ہے یعنی حرم کا لقطہ صرف وہ اٹھائے جو اس کی تشہیر کرے بخاری و مسلم نے یہ روایت تخریج کی ہے اور ان کی دوسری روایت میں ہے کہ حرم مکہ کی گری پڑی چیز اٹھانا حلال نہیں مگر اعلان کرنے والے کے لئے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اس حکم میں حل و حرم دونوں برابر ہیں اس لئے تعیین مدت میں بھی دونوں برابر ہوں گے ۱۲

؎۲ قولہ ثم تصدق الخ۔ یعنی اعلان و تشہیر کے بعد اگر اصل مالک نہ آئے اور یہ آدمی غنی ہو ورنہ اسے خود فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔ نہر میں ہے کہ گواہ بنانے اور اعلان کرنے کے بعد اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ اسے ظن غالب ہو کہ مالک اسے طلب کرنے نہیں آئے گا مطلب یہ کہ فائدہ اٹھانا یا صدقہ کرنا جائز ہے اور اسے اس کا بھی اختیار ہے کہ اصل مالک کے لئے روک رکھے، خلاصہ میں ہے کہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ وہ اسے فروخت کر دے اور اس کی قیمت روکے رکھے یا وہ چیز قاضی کے

اوضمن الاخذ كما فی بهيمة وجدت ای لا فرق عندنا فی اللقطة بين
ان يكون بهيمة او غيرها وعند مالك والشافعیؒ اذا وجد بعيرا او
بقرة فی الصحراء فالترك افضل وما انفق عليها بلا اذن حاكم تبرع
باذنه دين علی ربها واجر القاضی ماله منفعة وانفق عليها منه كالآبق
وما لا منفعة له اذن بالانفاق عليها بشرط الرجوع علی ربها فی الاصح
ان كان هو الاصلح والا باعها وامر بحفظ ثمنها انما قال فی الاصح لان
هنا رواية اخری وهی ان الامر بالانفاق يكفی لولاية الرجوع علی صاحبها
لكن الاصح انه لا يكفی بل لا بد ان يشترط الرجوع والضمير فی قوله ان
كان هو الاصلح يرجع الی الامر بالانفاق وشرط الرجوع وللمنفق حبسها
لاخذ نفقته ای نفقة المنفق فان هلكت بعد حبسه سقطت۔

ترجمہ:۔ اور چاہے تو پانیوالے سے ضمان وصول کرلے اور یہی حکم ہے چوپایہ جانور کا جو بھٹکا ہوا مل جائے یعنی ہمارے نزدیک چوپایہ جانور اور دوسرے اموال کے لقطہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں اور امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک اگر اونٹ یا گائے خالی میدان میں پائے تو اس کا چھوڑ دینا افضل ہے اور لقطہ پر جو خرچ کیا جائے (اس کے کھلانے یا حفاظت میں) حاکم کی اجازت کے بغیر وہ تبرع ہے (وہ مالک سے وصول نہیں کیا جا سکتا ہے) اور جو حاکم کی اجازت سے ہو وہ اس کے مالک کے ذمہ قرض ہوگا۔ اور لقطہ سے اگر نفع مل سکتا ہو تو قاضی اسے اجرت پر دے سکتا ہے اور اس میں سے اس کا خرچ ادا کرے مثلاً بھاگا ہوا غلام (کوئی اپنی حفاظت میں رکھے تو اسے اجارہ دینا درست ہے) اور جس لقطہ سے منفعت نہ ہو تو قاضی اگر مناسب سمجھے تو اس پر خرچ کرنے کی اجازت دے اس شرط پر کہ جب مالک آئے تو اس سے خرچہ لے لیا جائے، صحیح قول یہی ہے اور اگر اس پر خرچ کرنا مناسب نہ سمجھے تو قاضی اسے فروخت کرا دے اور اٹھانے والے کو اس کے دام حفاظت سے رکھنے کی ہدایت کر دے۔ مصنفؒ نے فی الاصح اس لئے کہا کہ اس بارے میں اور ایک روایت ہے اور وہ یہ کہ حاکم کی طرف سے انفاق کا حکم ہی کافی ہے مالک سے خرچہ وصول کرنے کے سلسلہ میں لیکن زیادہ صحیح یہ قول ہے کہ محض انفاق کا حکم حق رجوع کے لئے کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ رجوع کا حق حاصل ہونے کی شرط بھی لگائی جائے، اور "ان کان ہو الاصلح" کے قول میں ضمیر "ہو" امر بالانفاق اور شرط رجوع کی طرف راجع ہے اور خرچ کرنے والا ملتقط کو اس کا حق ہے کہ مالک سے جب تک اپنا خرچہ وصول نہ کرے تب تک اس چیز کو روک رکھے یعنی منفق اپنا نفقہ وصول کئے بغیر نہ دے تو اگر اس کے روک رکھنے کے بعد وہ چیز تلف ہو گئی تو ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: اسلئے قولہ وما لا منفعۃ لہ الخ یعنی اگر لقطہ ایسی چیز ہے کہ اس سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ اسے کرایہ پر دینا ممکن ہے تو قاضی ملتقط کو اذن دے گا کہ وہ لقطہ پر خرچ کرے اور اصل مالک سے یہ اخراجات وصول کرلے لیکن یہ تب ہوگا جبکہ اس کے لقطہ ہونے پر گواہ قائم کرلے اس لئے کہ یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ غصب کی چیز ہو اور قاضی اس پر انفاق کا حکم نہ کرے وہ تو امانت ہی کی صورت میں انفاق کی اجازت دے گا اور اگر ملتقط کہے کہ میرے پاس بینہ نہیں تو قاضی کو چاہیئے کہ اسے کہے کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو اس پر خرچ کرو۔ (باقی صد آئندہ پر)

ای النفقة لانه اذا حبسها للنفقة صارت کالرهن وهو مضمون بالدين
(ای الملتقط ۱۲ عده)
وقبله لا ای ان هلکت قبل الحبس لا يسقط النفقة فان بيّن مدّعيها علامتها
(عدم وجود ما يسقط ۱۲ عده)
حل الدفع ولا يجب بلا حجة هذا عندنا وعند الشافعیؒ يجب الدفع
(ای عدم الوجوب بلا حجة ۱۲ عده)
ان بين العلامة وينتفع بها فقيرا والا ای وان لم يکن فقيرا تصدق
(ای الملتقط ۱۲ عده)
ولو علی اصله وفرعه وعرسه.
(الاباء والصلبية ۱۲ عده) (بالکسر ای زوجته ۱۲ عده)

ترجمہ:- یعنی اب نفقہ نہیں لے سکتا اس لئے کہ جب ملتقط نے اسے نفقہ کی خاطر روکا تو یہ بمنزلہ رہن کے ہوگیا اور رہن دین کے مقابلہ میں مرتہن کے ذمہ میں ہوتا ہے (کہ اگر دین اس کے پاس ہلاک ہوجائے تو راہن کے ذمہ سے دین ساقط ہوجاتا ہے) اور اگر اس سے پہلے ہو تو ساقط نہ ہوگا یعنی اگر خرچہ کے مقابلہ میں روکے رکھنے سے پہلے وہ چیز تلف ہوجائے تو اٹھانے والے کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ اب اگر پائی ہوئی چیز کا دعویٰ کرنیوالا اس چیز کی علامت ٹھیک ٹھیک بتادے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دینا درست ہے مگر بدون حجت شہادت کے حوالہ کرنا واجب نہیں۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر وہ علامت بتلادے تو حوالہ کرنا واجب ہے اور پائی ہوئی چیز (کا اگر مالک نہ ملے تو اس) سے اٹھانے والا نفع اٹھا سکتا ہے اگر وہ محتاج ہو ور(نہ یعنی اگر محتاج نہ ہو تو کسی فقیر پر) صدقہ کردے خواہ وہ اس کی اصل یا فرع یا بیوی ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح:- (بقیہ صد گذشتہ) تاکہ اگر سچا ہے تو مالک سے اخراجات وصول کریگا۔ اور اگر غاصب ہے تو کچھ بھی رجوع نہ کرسکیگا۔

سه قوله وللمنفق الخ۔ یعنی جب مالک آجائے اور آکر اپنا مال طلب کرے تو ملتقط کو حق ہے کہ اسے خرچہ ادا کرنے تک روکے رکھے اس لئے کہ لقطہ خرچہ کے ذریعہ باقی رہتا ہے تو گویا مالک نے خرچ کرنے والے کی طرف سے ملکیت کا فائدہ حاصل کیا اس لئے یہ مبیع سے مشابہ ہوگیا ۱۲۔

(حاشیہ صد ہذا) سله قوله مدعيها علامتها الخ یعنی لقطہ کی علامت بتادے جس سے اسکی پہچان ہوجاتی ہو جیسے وزن، عدد، ظرف اور اس کے بندھن وغیرہ کی کیفیت اس طرح دیدینا جائز ہے جب ملتقط مالک کی تصدیق کرے خواہ وہ علامت بتائے یا نہ بتائے البتہ علامت بتانے کی صورت میں تمام باتوں میں مطابقت ضروری ہے بعض علامت کا صحیح ہونا کافی نہیں۔ اور اگر دو آدمی دعویٰ کریں اور دونوں صحیح علامات بتائیں تو دونوں کے حوالہ کر دینا درست ہے اور اگر کسی ایک کو علامت بتانے یا تصدیق کرنے پر دیدیا پھر دوسرے نے بینہ قائم کردیا کہ یہ چیز میری ہے اب اگر وہ شئ موجود ہے تو وہ اسے لے لے اور اگر ہلاک ہوچکی ہو تو دونوں میں سے جس پر چاہے ضمان ڈال دے اگر قابض کو ضامن بنایا تو وہ اور کسی پر رجوع نہیں کرسکتا ہے اور اگر ملتقط کو ضامن بنایا تو وہ قابض سے رجوع کرسکتا ہے اس لئے کہ اگرچہ اس نے تصدیق کردی تھی مگر بذریعہ بینہ اس کے خلاف فیصلہ ہوجانے پر شرعاً اسکی تکذیب ہوگئی ۱۲ بحر۔

سه قوله علی اصله الخ یعنی ملتقط کو جائز ہے کہ وہ اپنے اصول جیسے ماں باپ پر اور فروع جیسے لڑکے اور لڑکیوں پر اور اپنی بیوی پر صدقہ کردے جبکہ یہ محتاج ہوں اس لئے کہ یہ صدقہ ہر اعتبار سے زکوٰۃ کے حکم میں داخل نہیں کہ ان پر حرام ہونے نیز یہاں ملتقط تو اصل مالک کا نائب ہوکر صدقہ کررہا ہے اپنی طرف سے صدقہ نہیں کررہا اس لئے یہاں اس کے اصل یا فرع یا قرابت زوجیت کا ہونا مضر نہیں ۱۲

كتاب الآبق

ندب[1] اخذه لمن قوي عليه وترك الضالّ قيل احبّ (وقيل اخذه احب كالآبق ١٢ عده) الآبق هو المملوك الذي فرّ من مالكه قصداً والضالّ المملوك الذي ضلّ الطريق الى منزله من غير قصد وانما كان تركه احبّ (اي الضال ١٢ عده) لانه لايبرح من مكانه فياتي مالكه فيأخذه وان عرف الواجد (اي واجد الضال ١٢ عده) بيت مالكه فالافضل ان يوصله اليه ولرادّه[2] اي الآبق قنّاً او مدبّراً او امّ ولدٍ من مدة سفر اربعون درهماً وان لم يعد لها ان اشهد انه اخذه للردّ ومن اقل منها (اي من مدة السفر ١٢ عده) بقسطه هذا عندنا وعند الشافعيؒ لايجب شئ بلا شرط فان ابق منه لم يضمن فان لم[3] يشهد فلا شئ له۔

بھاگے ہوئے غلام کا بیان

ترجمہ:۔ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنا مستحب ہے اس شخص کے لئے جو اسکو پکڑ رکھنے پر قادر ہو اور گم کردہ راہ کو چھوڑ دینا بقول بعض افضل ہے "آبق" وہ غلام ہے جو اپنے مالک سے بقصد وارادہ بھاگ جائے اور "ضال" وہ غلام ہے جو بلا ارادہ اپنے مالک کے گھر کا راستہ بھول جائے اسکو چھوڑ دینا اس لئے افضل ہے کہ یہ تو بھٹکے ہوئے مقام سے نہیں نکلے گا تو ایک نہ ایک وقت اس کا مالک اُسے ڈھونڈتا ہوا آکر لے جائے گا، البتہ اگر ایسے غلام کو پانیوالا اس کے مالک کے مکان کو جانتا ہو تو وہاں تک اسکو پہونچا دینا افضل ہے۔ اور جو شخص پکڑ لائے اسکو یعنی بھاگے ہوئے غلام کو یا مدبر یا ام ولد کو مدت سفر (تین دن تین رات کے فاصلہ) سے، تو اسے چالیس درہم بخشش ملے گی۔ اگرچہ غلام کی قیمت اس کے برابر نہ ہو جبکہ اس نے گواہ کر لئے ہوں کہ بھاگا ہوا غلام اس کے مالک کو پہونچانے کی خاطر پکڑا ہے اور جو مدت سفر سے کم فاصلہ سے پکڑ کر لائے تو اسی حساب سے بخشش ملے گی۔ یہ مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بلاشرط کوئی چیز واجب نہ ہوگی پھر اگر پکڑ لانے والے کے ہاتھ سے غلام بھاگ جائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا اور اگر اس نے گواہ نہیں تو اس کو کچھ نہ ملے گا۔

تشریح:۔ [1] قولہ ندب اخذہ الخ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی مستحب ہے اس میں اشارہ ہے کہ اس کو پکڑنا واجب نہیں، لیکن فتح القدیر میں ہے کہ اس میں بھی وہی تفصیل آسکتی ہے جو لقطہ میں ہے یعنی اگر پانیوالا کا گمان غالب ہے کہ اگر نہ پکڑے تو آقا کا یہ غلام ضائع ہو سکتا ہے اور اسے اس کی حفاظت کی پوری قدرت بھی ہے تو پکڑ رکھنا واجب ہے ورنہ نہیں ۱۲

[2] قولہ ولرادّہ الخ یعنی جو بھاگے ہوئے کو واپس لائے، یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جُعل کا مستحق کون ہوگا یہ لفظ جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے کی اجرت اور بخشش پر بولا جاتا ہے البتہ بادشاہ اس کا نائب، شہر کا محافظ، پہرہ دار اور اس کے عیال کا آدمی اور مددگار اور احد الزوجین اور شریک غلام کو جُعل نہیں ملیگا ۱۲ تبیین، والراجیۃ ۱۲

[3] قولہ فان لم یشہد الخ یعنی اگر واپس کرنیوالا پکڑتے وقت گواہ نہ بنائے کہ اس نے واپسی کے لئے اُسے پکڑا ہے تو اُسے واپسی کے وقت کچھ جُعل نہ ملے گا۔ اس لئے کہ گواہ نہ بنانا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اسے اپنے لئے پکڑا ہے، ایسی صورت میں اگر وہ اس سے بھاگ جائے تو ضامن ہوگا اس لئے کہ وہ اب غاصب کے حکم میں ہے ۱۲

وضمن ان ابق منه وعلى المرتهن جعل الرهن اى لو ابق العبد المرهون فرُدّ من مدة السفر فالجُعل على المرتهن هذا اذا كانت قيمته مثل الدّين او اقل منه وان كانت اكثر من الدين فبقدر الدين عليه والباقى على الراهن وامر نفقته كاللقطة والله اعلم.

ترجمہ:۔ اور ایسی صورت میں اگر اسکے ہاتھ سے بھاگ جائے تو اسے تاوان دینا ہوگا اور اگر غلام رہن ہو اور بھاگ جائے تو یہ بخشش مرتہن کے ذمہ ہوگی، یعنی اگر عبد مرہون بھاگ جائے اور مدت سفر کی مسافت سے اسے پکڑ کر لایا جائے تو اسکی بخشش مرتہن کو ادا کرنی پڑے گی اور یہ جب ہے کہ اس غلام کی قیمت رہن کی رقم کے برابر یا اس سے کم ہو اور اگر رہن کی رقم سے اس کی قیمت زیادہ ہو تو بقدر دین کے اجرت مرتہن پر ہوگی اور باقی راہن پر، اور بھاگے ہوئے غلام پر کچھ خرچ کرنے کا حکم ایسا ہے جیسے لقطہ پر خرچ کرنے کا، واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

تشریح سلہ قولہ کاللقطۃ الخ یعنی اگر پکڑنے والے نے قاضی کے حکم کے بغیر اس پر خرچ کیا تو یہ تبرع اور صدقہ ہوگا رجوع کا حق نہیں اور اگر قاضی کے اذن کے بعد شرط رجوع کے ساتھ خرچ کیا تو تمام خرچہ مالک سے وصول کر سکتا ہے ۱۲

كِتَابُ المفقُود

غائبٌ لم يُدرَ اثرُهُ حيٌّ في حق نفسه فلا تنكح عِرسه ولا يُقسم ماله ولا يفسخ اجارته ويقيم القاضي من يقبض حقّه ويحفظ ماله ويبيع ما يخاف فساده وينفق على ولده وابويه وعرسه وميت في حق غيره فلا يرث من غيره اي يوقف قسطه من مال مورثه الى تسعين سنة اختلف في المدة فقيل الارفق ان تقدر بتسعين سنة وظاهر الرواية ان تقدر بموت الاقران فان في هٰذا العصر قلما يعيش المرءُ تسعين سنة فان ظهر حيًّا قبلها فله ذلك وبعدها اي بعد المدة يحكم بموته في ماله يوم تمت المدة فتعتدّ عرسه للموت.

گم شدہ شخص کا بیان

ترجمہ:۔ گم شدہ شخص جس کا کوئی نشان معلوم نہ ہو وہ اپنی ذات کے حق میں زندہ ہے تو اس کی بیوی کو دوسرے سے نکاح نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ اس کا مال وارثوں میں بانٹا جا سکتا ہے اور نہ اس کا اجارہ فسخ ہوگا اور قاضی ایک آدمی مقرر کر دے کہ وہ اس کا حق جو لوگوں کے ذمہ ہو وصول کرے اور اس کے مال کی حفاظت کرے اور جس مال کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو اس کو بیچ ڈالے اور اس کی اولاد پر اور ماں باپ پر اور بیوی پر خرچ کرے اور وہ اپنے غیر کے حق میں مردہ ہے اس لئے وہ دوسرے سے وارث نہ ہوگا یعنی اپنے مورث کے مال سے اس کا حصہ موقوف رکھا جائے گا نوے سال گذرنے تک۔ مدت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے بعضوں نے یہ فرمایا کہ نوے سال کی مدت مقرر کرنے ہی میں آسانی ہے اور ظاہر روایت یہ ہے کہ جب اس کے ساتھی ہم عمر مر جائیں تو اس کی موت کا حکم کیا جائے کیونکہ اس زمانہ میں آدمی نوے برس تک ہی کم جیتا ہے تو اگر اس مدت کے پوری ہونے سے پہلے اس کا زندہ ہونا ظاہر ہو جائے تو موقوف حصہ اس کو ملے گا اور اس کے بعد یعنی مدت پوری ہونے کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے گا اس کے مال کے بارے میں جس دن کہ اس کی مدت پوری ہوئی ہے چنانچہ اب اس کی بیوی عدت گزارے گی۔

تشریح:۔ لہ قولہ حیٌ فی حق نفسہ الخ یعنی اپنی ذات کے حق میں زندہ اور دوسرے کے حق میں مردہ سمجھا جائے گا اور اس میں اصل یہ ہے کہ جن احکام میں اسے ضرر پہونچتا ہے اور ان کا اجراء اس کے ثبوت موت پر موقوف ہوں ان میں اسے زندہ شمار کیا جائے گا۔ اور جن احکام میں اس کو زندہ ماننے سے اس کا تو نفع ہوتا ہے مگر دوسرے کو ضرر پہونچتا ہے ان میں اُسے مردہ شمار کیا جائے گا ...... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کے سابق حال بدلنے کی کوئی دلیل نہیں ہے تو در اصل اب تک وہ زندہ ہے جیسا کہ پہلے تھا اسی کو استصحاب کہتے ہیں، مگر یہ استصحاب دلیل ضعیف ہے جس میں دفع کی تو صلاحیت ہے یعنی جو اب تک ثابت نہیں اس کے ثبوت کو دفع کر سکتی ہے لیکن اس میں نئی چیز ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں جس کی تفصیل انشاء اللہ سامنے آجائے گی ۱۲

سلہ قولہ فلا یرث الخ۔ یہ اس پر تفریع ہے کہ مفقود دوسرے کے حق میں مردہ شمار ہوتا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفقود اپنے ان اقارب کا مطلقاً وارث نہ ہوگا جو اس کے غائب ہونے کے زمانہ میں فوت ہو جائیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے اس لئے شارح نے یوقف ... کے ذریعہ اس کی وضاحت کر دی اور اشارہ کر دیا کہ مطلق طور پر عدم وراثت مراد نہیں اگرچہ وہ زندہ واپس آجائے بلکہ اس کے مورث کے مال میں سے اس کا حصہ موقوف رہے گا اگر وہ زندہ لوٹ آتا تو اسے لے گا اور یا تو اس کی موت معلوم ہونے یا مدت مکمل ہونے تک انتظار کیا جائے گا۔ چنانچہ فرائض سراجیہ میں ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

(باقی صفحہ آئندہ پر)

ويقسم ماله بين من يرثه الآن وفي مال غيره من حين فقده فيرد ما وقف له الى من يرث الغير عند موته الاصل عندنا ان ظاهر الحال وهو الاستصحاب حجة للدفع لا للاثبات فاذا تمت المدة فهو في مال نفسه حي قبل المدة فلا يرثه الوارث كان حيًا وقت فقده ثم مات بعد ذلك لان الظاهر انه كان حيًا فيصلح حجة لدفع ان يرثه الغير وفي مال غيره ميت لان الظاهر لا يصلح حجة لايجاب ارثه من الغير فيرد ما وقف للمفقود الى من يرث من مورثه يوم موته.

(حواشی: ای لمفقود الحکم بموته ۱۲ عده — ای مورثه ۱۲ — ای موت ذلک الغیر ۱۲ عده — ای تسعون سنة ۱۲ عده — ای مورثه ۱۲ عده — ای النصیب الذی جعله موقوفا له من — فرث مفعوله یرث ۱۲ عده)

ترجمہ:- اور اس کا مال اُن وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا جو اب موجود ہیں اور غیر کے مال میں اس کے گم ہونے کے وقت سے جو حصہ موقوف رکھا تھا وہ اس غیر کی موت کے وقت جو وارث ہوئے تھے ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ ظاہر حال یعنی استصحاب حالت ماضیہ دفع مظنون کے لئے تو حجت ہے مگر اثبات مظنون کے لئے حجت نہیں اب جب اس کے گم ہونے کی مدت (نوے سال) پوری ہوئی تو اس مدت سے قبل وہ اپنے مال میں استصحابًا زندہ شمار ہوگا اس لئے مفقود کا وارث جو اس کے گم ہونے کے وقت زندہ ہوا اور بعد میں مر جائے وہ مفقود کا وارث نہ ہوگا۔ کیونکہ ظاہر حال کی رو سے وہ زندہ ہے تو یہ بات دوسرے کے وارث ہونے کے حق میں دفع کرنے کے لئے حجت ہو سکتی ہے اور غیر کے مال کے وارث ہونے کی بابت وہ مردہ شمار ہوگا۔ کیونکہ ظاہر حال میں یہ صلاحیت نہیں کہ غیر سے حق ارث کے اثبات کے بارے میں حجت بن سکے اس لئے غیر کا جو مال مفقود کے لئے موقوف رکھا گیا تھا وہ ان وارثین میں تقسیم کر دیا جائے گا جو اس غیر کی موت کے وقت اس کے وارث تھے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تشریح:- کہ مفقود دوسرے کے حق میں موقوف الحکم ہے اس لئے اس کے مورث کے مال میں سے اس کا حصہ روک لیا جائے گا جس طرح کہ حمل میں توقف کا حکم ہے ۱۲

سلہ قولہ فتعتد عرس الخ فقہاء احناف کا یہ مسلک ہے کہ مفقود کی بیوی تب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے جب تک کہ اس کو طلاق مینے یا موت کی خبر نہ آئے۔ یا اس کی موت کے فیصلہ کی مدت نہ گذر جائے اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب چار برس گذر جائے تو قاضی اس کی بیوی کو جدا کر دے اور وہ عورت عدت پوری کر کے جس سے چاہے نکاح کرے ان کی دلیل حضرت عمر کا یہ قول ہے کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور وہ نہ جانے کہ کہاں ہے تو وہ چار برس تک انتظار کرے پھر چار مہینہ دس دن عدت گذار کر حلال ہو جائے (موطا، ابن ابی شیبہ) متأخرین علماء احناف نے بضرورت اس قول کو اختیار کیا ہے ملاحظہ ہو الحیلۃ الناجزہ ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ الاصل الخ اس سے مقصود اس کی توجیہ کرنی ہے کہ کیا بات ہے مفقود کو اپنے مال کے بارے میں تو مدت گم شدگی (نوے سال) پوری ہونے کے وقت سے مردہ شمار کیا جاتا ہے اور غیر کے مال میں گم ہونے کے وقت سے مردہ شمار کیا جاتا ہے ۱۲

سلہ قولہ وہو الاستصحاب الخ بنایہ میں ہے کہ استصحاب کہتے ہیں "جو چیز جس حالت پر تھی اسی حالت پر اسے باقی رہنے دینا اس لئے کہ اس حالت کے بدلنے والی کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے یہ حالت ہمارے نزدیک نئی بات کو رد کرنے کی حجت تو ہو سکتی ہے۔ مگر استحقاق کی دلیل نہیں ہو سکتی اس بنا پر مفقود کو اپنے مال میں زندہ اور غیر کے مال میں مردہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس کے مال کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ خود دوسرے کا وارث ہوگا بلکہ اس کا حصہ موقوف رہے گا اب اگر مدت گذر گئی یا اس کی موت کا علم ہو گیا تو اس کی وجہ سے اس کے مورث کا جو حصہ موقوف رکھا گیا تھا وہ اس مورث کے دوسرے وارثین کو بانٹ دیا جائیگا ۱۲

كتاب الشركة

هي ضربان شركة ملك وهي ان يملك[1] اثنان عينا وكلٌّ[2] كاجنبي في مال صاحبه وشركة عقد وركنها الايجاب والقبول وشرطها عدم[3] ما يقطعها كشرط[4] دراهم مسماة من الربح لاحدهما فان هذا يقطع الشركة لاحتمال ان لا يبقى بعد هذه الدراهم المسماة ربحٌ يشتركان فيه وهي اربعة اوجه مفاوضةٌ وهي شركة متساويين مالا وتصرفا ودينا المراد المساواة في المال الذي يصح فيه الشركة ولا بأس بزيادة مال لا يجري فيه الشركة فلا تصح الا بين متحدين[5] حرية وحلما وملة.

حواشی: [1] نے قہستانی ۱۲ عمدہ — [2] او قال متعددون مالکان اولیٰ لیشمل الشرکۃ ما فوق الاثنین ۱۲ عمدہ — [3] ای عدم امر قاطع للشرکۃ معناہ ۱۲ عمدہ — [4] ای اجر الضرب الثانی ۱۲ عمدہ — ای الدراہم المسماۃ التی شرطت لاحد ۱۲ عمدہ — ای الشرکۃ المنعقدۃ ۱۲ عمدہ — کالعروض والعقار والدیون ۱۲ عمدہ

شرکت کے کاروبار کا بیان

ترجمہ:۔ شرکت دو طرح پر ہے ایک شرکت ملک کہ دو شخص ایک چیز کے مالک ہو جائیں اور اس شرکت میں ہر ایک دوسرے کے مال میں اجنبی ہوتا ہے (کہ بلا اجازت دوسرے کے حصہ میں تصرف جائز نہیں) دوسری قسم شرکت عقد ہے اور ایجاب وقبول اس کا رکن ہے اس شرکت کی شرط یہ ہے کہ کوئی امر ایسا نہ ہو جو اس عقد کو قطع کر دے مثلاً احد الشریکین نفع میں سے کچھ مقررہ دراہم اپنے لئے خاص کر لے کیونکہ ایسی شرط لگانے سے شرکت ختم ہو جائے گی اس لئے کہ ایسی صورت میں اس کا احتمال ہے کہ ان متعینہ دراہم کے علاوہ اور کچھ نفع نہ ہو جس میں دونوں شریک ہوں اس شرکت کی بھی چار قسمیں ہیں (۱) ایک کو شرکت مفاوضہ کہتے ہیں اور وہ یہ کہ ایسے دو شخص کاروبار میں شرکت کریں مال اور تصرف اور دین میں برابر ہوں۔ مال میں برابر ہونے سے مراد وہ مال ہے جس میں شرکت کا اعتبار کیا گیا ہے اور ایسا مال جس میں شرکت جاری نہیں ہوتی اس کا کم زیادہ ہونا مضر نہیں۔ تو یہ شرکت درست نہ ہوگی مگر ایسے دو شخص کے درمیان جو حریت، بلوغ اور ملت میں متحد ہوں۔

تشریح:۔ [1] قولہ ان یملک الخ۔ اسباب ملک میں سے جس سبب سے بھی مالک ہوں خواہ اختیاری سبب ہو جیسے بیع یا ہبہ خواہ جبری سبب ہو جیسے وراثت اور پہلی قسم میں وہ صورت بھی داخل ہے جب دونوں کسی حربی کے مال پر غلبہ حاصل کریں یا دونوں اپنے مال کو اس طرح ملائیں کہ تمیز نہ ہو سکے یا ان کے لئے وصیت کردہ متعین چیز کو قبول کریں اور دوسری قسم میں یہ صورت بھی ہے کہ ان میں سے کسی کے فعل بغیر ہی دونوں کا مال خود بخود مل جائے ۱۲ بحر۔

[4] قولہ کشرط دراہم مساۃ الخ۔ یعنی مقررہ دراہم ہوں مثلاً ایک کہے کہ میں نے تیرے ساتھ اس شرط پر شرکت کی کہ نفع میں سے ایک سو تو میرے ہوں گے اور باقی مشترک ہوں گے تو اس لئے یہ درست نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ایک سو سے زیادہ نفع ہی نہ ہو تو شریک آخر بالکل محروم رہے گا ۱۲

[5] قولہ بین متحدین الخ تو آزاد اور غلام کے درمیان صحیح نہ ہوگی چاہے غلام مکاتب یا ماذون ہو اس لئے کہ تصرف میں مساوات نہیں۔ کہ مملوک آقا کے اذن کے بغیر تصرف اور کفالت کا مجاز نہیں اسی طرح بچے اور بالغ کے درمیان صحیح نہیں کیونکہ بچہ ولی کی اجازت کے بغیر تصرف کا مجاز نہیں لیکن بالغ مختار ہے اسی طرح مسلمان اور کافر کے درمیان صحیح نہیں ہاں کافروں کے آپس میں اور مسلمانوں کے آپس میں جائز ہے چاہے وہ کسی مذہب کے ہوں چنانچہ شافعی وحنفی کے درمیان تصرف میں اختلاف کے باوجود جائز ہے چنانچہ متروک التسمیہ عمداً کے ذبیحہ میں شوافع کے نزدیک تصرف جائز ہے حنفی کے نزدیک جائز نہیں ۱۲ منح الغفار۔

ای لابد ان یکونا حرین بالغین ملتهما واحدة فلا تصح بین مسلم و کافر وتجوز بین مسلمین بالغین وبین کافرین سواء کان احدهما کتابیا والاخر مجوسیا فان الکفر کله ملة واحدة وهذا عند ابی حنیفة ومحمد وعند ابی یوسف تجوز بین المسلم والکافر وعند مالک والشافعی لا تجوز المفاوضة اصلا وتتضمن الوکالة والکفالة ای کل واحد وکیل الاخر فی المعاملة وکذا کل واحد کفیل عن الاخر فاذا اشتری احدهما شیئا فللبائع مطالبة الثمن من الشریک الاخر ومشتری کل لهما الا طعام اهله وکسوتهم وکل دین لزم احدهما بما تصح فیه الشرکة کالشراء والبیع والاستیجار۔

ترجمہ:- یعنی ضروری ہے کہ دونوں آزاد ہوں دونوں بالغ ہوں دونوں کا مذہب ایک ہو تو شرکت مفاوضہ صحیح نہ ہوگی مسلمان اور کافر کے درمیان اور جائز ہوگی دو بالغ مسلمانوں کے درمیان اور دو کافروں کے درمیان خواہ ان میں ایک یہودی یا نصرانی ہو اور دوسرا مجوسی اس لئے کہ کفر کو ایک ہی مذہب شمار کرتے ہیں یہ طرفین کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شرکت مسلمان اور کافر کے درمیان بھی درست ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور شافعیؒ کے نزدیک شرکت مفاوضہ سرے سے درست نہیں۔ اور یہ شرکت باہمی وکالت اور کفالت کو شامل ہے۔ یعنی ہر شخص معاملہ میں دوسرے کا وکیل ہو جاتا ہے اسی طرح ہر ایک دوسرے کی طرف سے ضامن ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شریک نے اگر کوئی چیز خریدی تو بائع کو حق پہنچتا ہے کہ دوسرے شریک سے اس کے دام کا مطالبہ کرے اور ہر ایک کا خریدا ہوا دونوں میں مشترک ہوگا مگر اپنے گھر والوں کی خوراک اور پوشاک البتہ مشترک نہ ہوگی اور جو قرضہ ان میں سے ایک پر لازم ہو بسبب ایسے معاملہ کے جس میں شرکت صحیح ہے مثلاً خرید یا فروخت یا کرایہ لینے کے باعث۔

تشریح:- ؎۱ قولہ کلہ ملة واحدة۔ الخ۔ کیونکہ اگرچہ کفار کے مذاہب مختلف ہیں اور ان میں بہت سے فرقے ہیں مگر کفر میں سب اکٹھے ہیں اس لئے ان کے مابین وراثت جاری ہوتی ہے جیسے اسلام ایک ملت ہے چاہے اہل اسلام کے مسلک اور مشرب جدا جدا ہوں گے۔
؎۲ قولہ ومشتری الخ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی جو مال دونوں میں سے ایک خریدے گا وہ دونوں میں مشترک رہے گا البتہ ضروریات ذاتی اس سے مستثنیٰ رہے گی مثلاً اپنے اہل وعیال کے لئے کھانا اور ان کا لباس اور شریک کی اجازت کے ساتھ وطی کے لئے لونڈی اس لئے کہ دلالت حال سے جو معلوم ہے وہ قول کے ساتھ مشروط کے حکم میں ہے۔
؎۳ قولہ وکل دین الخ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اگلا جملہ "ضمنہ الآخر" اور لزم احدہما کا جملہ دین کی صفت ہے یعنی شریکین میں سے ایک جس کا التزام کرے دوسرا اس کا ضامن ہوگا۔ ہدایہ میں ہے کہ جس چیز میں اشتراک صحیح ہے اس کے بدلہ میں جو دین ایک کے ذمہ لازم آئے دوسرا بھی اس کا ضامن ہوگا تاکہ مساوات ہو جائے چنانچہ صحت اشتراک میں خرید و فروخت کرایہ پر لینا داخل ہے اور دوسری قسم جس میں اشتراک صحیح نہیں جنایت نکاح، خلع اور صلح دم عمد یا نفقہ وغیرہ ہے ۱۲

فیہ احترازعن لزوم دین بسبب لاتصح فیہ الشرکۃ کالجنایۃ والنکاح و
(ای قولہ لاتصح فیہ الشرکۃ ۱۲ عمدہ)

الخلع والصلح عن دم عمد وکالنفقۃ او[1] بکفالۃ بامر ضمنہ الاٰخر وبغیر امر
(ای بما یتعلق بکفالۃ ۱۲ عمدہ)

لاھو الصحیح ای اذا لزم احدھما دین بسبب الکفالۃ من غیر امر المکفول
(ای احد المتفاوضین ۱۲ عمدہ)

عنہ فالصحیح ان ھٰذا الدین لایضمنہ الشریک الاٰخر فان کان بامر المکفول

عنہ یضمنہ الشریک الاٰخر وان ورث[2] احدھما او وُھب لہ مایصح فیہ الشرکۃ

وقبض صارت عناناً القبض یشترط فی الھبۃ وفی العرض والعقار بقیت
(ای الموھوب لہ ۱۲ عمدہ)

مفاوضۃ ای فی ارث العرض والعقار بقیت مفاوضۃ لان مال الشرکۃ لم

یزد ثم شرع فی الوجہ الثانی من الشرکۃ فقال وعنان[3]۔
(من الوجوہ الاربعۃ ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ شرکت صحیح ہونے کی قید سے ایسے قرضہ سے احتراز ہوگیا جو ایسے سبب سے لازم ہو جس میں شرکت صحیح نہیں۔ جیسے بوجہ جنایت یا نکاح یا خلع یا قتل عمد سے صلح کی بناپر یا نفقہ دا جبہ کی حیثیت سے یا لازم ہو بسبب کفالت کے جب مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو دوسرا بھی اس کا ضامن ہوگا اور اگر بغیر حکم کے ہو تو دوسرا ضامن نہ ہوگا یہی صحیح ہے یعنی اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفالت کے باعث ایک شریک پر قرضہ لازم ہوا تو صحیح قول کے مطابق اس قرضہ کا دوسرا شریک ضامن نہ ہوگا اور اگر مکفول عنہ کے حکم سے لازم ہوا تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر ایسا مال جس میں شرکت معاوضہ صحیح ہے ایک شریک کو ورثہ میں ملا یا کسی نے اسکو ہبہ کیا اور اس نے اس کو قبضہ کر لیا تو (معاوضہ نہ رہا بلکہ) شرکت عنان ہوگئی۔ قبضہ کی شرط ہبہ میں ہے (ورثہ میں نہیں کیونکہ اس میں بغیر قبضہ کے بھی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے) اور اگر اسباب یا زمین ہبہ یا ورثہ میں ایک کو ملے تو شرکت مفاوضہ باقی رہے گی یعنی سامان یا جائداد کے وارث ہونے کی صورت میں مفاوضہ باقی رہے گا اس لئے کہ ان سے شرکت مفاوضہ کے مال میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اب مصنف شرکت عقد کی دوسری قسم کا ذکر کر رہے ہیں چنانچہ فرمایا اور (۲) شرکت عنان ہے۔

تشریح:۔ [1] قولہ او بکفالۃ الخ اس کا عطف بانصح فیہ الشرکۃ پر ہے یعنی مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کے باعث ایک کو لازم آنے والا دین دوسرے پر بھی لازم ہوگا یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دوسرے پر لازم نہ ہوگا کیونکہ کفالت تبرع ہے اور تبرع میں دوسرا شامل نہیں ہوا کرتا ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ آغاز میں تبرع ہے اور آخر میں معاوضہ ہے اس لئے کہ کفیل مکفول عنہ کو ضامن بنائے گا اگر اس کے حکم سے ہو بخلاف کفالت ذات کے کہ وہ آغاز و انجام دونوں حالتوں میں تبرع ہے ایسے ہی کفالت مال اگر بغیر حکم کے ہو تو دوسرے پر لازم نہ ہوگا کیونکہ اس میں معاوضہ کی حقیقت معدوم ہے ۱۲

[2] قولہ وان ورث الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ میں شریکین کی ملکیت میں مساوات شرط ہے اب ایک کے پاس ارث یا ہبہ کے ذریعہ مال زائد آنے سے مساوات ختم ہوگئی تو شرکت بھی باطل ہو جائے گی اور شرکت عنان میں برابری شرط نہیں۔ جیساکہ اسکی تفصیل آئندہ آئے گی ۱۲

[3] قولہ وعنان الخ۔ اس کا عطف مفاوضہ پر ہے یعنی اول شرکت مفاوضہ دوسری عنان تیسری شرکت صنائع اور چوتھی شرکت وجوہ ان دونوں کا ذکر آئندہ آئے گا اور عنان میں عین پر کسرہ ہے اور فتحہ بھی مروی ہے یہ "عنّ لہ کذا عناناً" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ظاہر ہونا مطلب یہ کہ اس کے لئے یہ مصلحت ظاہر ہوئی کہ دوسرے کو اپنے بعض مال میں شریک کرے ۱۲

وهو شركتهما في كل تجارة او في نوع ولا تتضمن الكفالة وتصح[1] ببعض مال ومع فضل مال احدهما (اي احد الشريكين ۱۲ عبده) وتساوي ماليهما لا الربح اي يصح بان يشترطا ان يكون المال مساويا ولا يكون الربح مساويا خلافا لزفر والشافعي وكون احد (اي مال الشريكين ۱۲ عبده) دراهم والآخر دنانير وبلا خلط خلافا لزفر والشافعي وكل مطالب بثمن (اي بثمن مبيعه الذي اشتراه ۱۲ عبده) مشريه لا غير اي لا غير المشتري بناء على انه لا يتضمن الكفالة ثم يرجع على شريكه بحصته منه ان اداه من ماله ولا تصح (اي العنان ۱۲ عبده) الا بالنقدين (اي الدراهم والدنانير ۱۲ عبده) و الفلوس النافقة والتبر والنقرة ان تعامل[2] الناس بهما التبر ذهب غير مضروب والنقرة فضة غير مضروبة۔

ترجمہ:۔ اور وہ یہ کہ دو آدمیوں کی ہر قسم کی تجارت یا بعض خاص قسم کی تجارت میں شرکت ہو اور یہ شرکت ایک دوسرے کی کفالت پر مشتمل نہیں ہوتی اور شرکت عنان درست ہے اگر بعض مال میں شرکت ہو اور بعض میں نہ ہو یا ایک کا مال زیادہ ہو دوسرے سے یا مال دونوں کے برابر ہوں اور نفع برابر نہ ہو۔ یعنی اس شرط کے ساتھ بھی صحیح ہے کہ دونوں شریکوں کا مال برابر ہو اور نفع کا حصہ کسی کو زیادہ ملے اور کسی کو کم۔ اس میں زفرؒ و شافعیؒ خلاف کرتے ہیں۔ (ان کے نزدیک سرمایہ برابر ہونے سے نفع میں بھی برابری ضروری ہے) اور یہ بھی درست ہے کہ ایک شریک سرمایہ میں دراہم لگائے اور دوسرا اشرفی اور ہر ایک ان میں سے اپنے مال کو دوسرے کے مال کے ساتھ نہ ملا دے ہر طرح صحیح ہے۔ بخلاف امام زفر و شافعیؒ کے (کہ ان کے نزدیک سرمایہ ایک جنس کا اور مخلوط ہونا لازمی ہے) اور اس شرکت میں جو شریک کوئی چیز مول لے گا اس کی قیمت کا مطالبہ صرف اس مشتری سے کیا جائے گا دوسرے شریک سے نہیں یعنی جس نے خود نہیں خریدا ہے اس سے مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس شرکت میں باہمی کفالت و ضمانت نہیں ہوتی۔ البتہ خریدنے والے شریک اگر اپنے مال میں سے اس چیز کی قیمت بائع کو ادا کرے تو بقدر حصہ شریک غیر مشتری سے وصول کرلے گا۔ اور شرکت عنان و مفاوضہ درست نہیں سوائے دراہم و دنانیر اور چالو سکے کے یا سونا چاندی کے ایسے ٹکڑوں کے جن کا لین دین لوگوں میں مروج ہو۔ تبر۔ سونے کی ڈلی اور "نقرہ" چاندی کے قطعہ کو کہا جاتا ہے جبکہ ان کو ڈھال کر سکہ نہ بنایا گیا ہو۔

تشریح:۔ [1] قولہ وتصح ببعض مالہ الخ یعنی شرکت عنان میں دونوں کے مالوں کا برابر ہونا شرط نہیں چنانچہ بعض مال میں شرکت یا کل مال میں مگر ایک کا زیادہ ہو یا دونوں کے مال برابر ہوں مگر نفع برابر نہ ہو یا اس کے برعکس تمام صورتیں جائز اسی طرح جو کفیل بننے کے لائق نہیں مگر توکیل کا اہل ہے اس کے ساتھ یہ شرکت جائز ہے مثلاً بچہ یا فاتر العقل جو بیع کو سمجھتا ہے۔
[2] قولہ ان تعامل الناس بہما الخ یعنی سونے یا چاندی کی ڈلی سے۔ اس لئے اگرچہ سونا چاندی کی خلقت تجارت کے لئے ہے مگر ان کی ثمنیت مخصوص مہر لگنے سے متعین ہے اس لئے جب تک ڈالا ہوا سکہ نہ ہو ان میں شرکت جائز نہیں کیونکہ یہ سامان کے حکم میں ہے ہاں اگر بے ڈھلے ہوئے ثمن کے طور پر استعمال پایا جاتا ہو تو جائز ہے کہ رواج عام بمنزلہ سکہ کے ثمن قرار دینے کے لئے کافی ہے اس لئے عقد شرکت میں راس المال ہو سکتا ہے ۱۲

وبالعرض بعد ان باع کل نصف عرضہ بنصف عرض الاخر اعلم انہ لایخلو
ای متاع غیر ماذکر کالسلعیات والموزونات ۱۲ عدہ
اما ان تکون قیمۃ متاعھما متساویۃ فحینئذ یبیع کل واحد منھما نصف
ای الشریکین ۱۲ عدہ
متاعہ بنصف متاع الاخر ثم یعقدان عقد الشرکۃ واما ان تکون قیمۃ
ای شرکۃ العنان ۱۲ عدہ
متاعھما متفاوتۃ کما اذا کان قیمۃ متاع احدھما الفا وقیمۃ متاع الاخر
الفین یبیع صاحب العقل ثلثی متاعہ بثلث متاع الاخر لیکون[1] کل واحد
بینھما اثلاثا ثلثاہ لصاحب الاکثر وثلثہ لصاحب الاقل ثم یعقدان
ای باعا العرضین ۱۲ عدہ
عقد الشرکۃ فیکون الربح ھھنا بقدر الملک وانما یحتاج الی عقد الشرکۃ لیکون کل واحد
وکیلا من الاخر وانما یکون الربح ھھنا بقدر الملک لان الربح ھھنا نماء المال۔

ترجمہ :۔ اور اسباب وغیرہ سے بھی شرکت درست ہے جبکہ ہرایک اپنے آدھے سامان کو دوسرے کے آدھے سامان کے بدلہ ایک دوسرے کے پاس فروخت کردے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ اگر دونوں کے سامان کی قیمتیں مساوی ہوں تو ہرایک اپنے نصف سامان کو دوسرے کے نصف سامان کے عوض بیچ کر پھر باہم شرکت عنان کا عقد کریں، لیکن اگر دونوں کے سامان کی قیمتوں میں تفاوت ہو مثلاً ایک کے سامان کی قیمت ہزار روپیہ ہے اور دوسرے کے سامان کی قیمت دو ہزار ہے (اور دونوں شرکت کے ساتھ کاروبار کرنا چاہیں) تو کم قیمت والا اپنے سامان کے دو ثلث کو زیادہ قیمت والے کے ایک ثلث کے سامان کے بدلہ بیچ ڈالے اس طرح تین ہزار کے سامان کا سرمایہ دونوں کے درمیان تین حصوں میں بٹ جائے گا کہ دو ہزار والا مجموعہ میں سے دو ثلث کا مالک ہوگا اور ایک ہزار والا مجموعہ میں سے ایک ثلث کا مالک ہوگا پھر دونوں مشترکہ کاروبار کا عقد کریں اب اس کاروبار میں جو نفع ہوگا وہ ہرایک کو اپنی ملکیت کی مقدار کے مطابق ملے گا۔ ان میں شرکت کے باوجود کاروباری شرکت کا عقد اس لئے ضروری ہے تاکہ ہرایک دوسرے کا وکیل قرار ہوسکے۔ اور اس صورت میں نفع بقدر ملک اس لئے ہوتا ہے کہ یہاں نفع درحقیقت راس المال کے اندر اضافہ ہے ذکر جس نسبت سے راس المال ہے اسی نسبت سے نفع کا حساب ہوگا۔

تشریح :۔ [1] قولہ لیکون کل واحد الخ۔ واضح رہے اکثر اصحاب متون نے سامان میں جواز شرکت کا یہ حیلہ بتایا ہے کہ دونوں میں سے ہرایک اپنا نصف سامان دوسرے کے نصف کے عوض فروخت کردے۔ اس اطلاق کو شارحین نے محمول کیا ہے اس صورت پر جب دونوں کا مال قیمت میں مساوی ہو اور فرق کی صورت میں یہ شکل بتائی کہ کم والا اتنا فروخت کردے جس سے شرکت ثابت ہوسکے۔ شارح نے اس کی ایک مثال بتائی کہ اگر ایک کا مال ہو ہزار کا اور دوسرے کا مال دو ہزار کا، تو کم والا اپنے سامان کی دو تہائی زیادہ والے کے ایک تہائی کے عوض فروخت کردے تاکہ دونوں شریکوں کے درمیان اس مال میں شرکت تین بٹا ایک اور تین بٹا دو کے حساب سے ہوجائے ۱۲

[2] قولہ وانما یحتاج الخ یہ اس اشکال کا جواب ہے کہ جب ہرایک نے اپنا نصف مال مثلاً دوسرے کے نصف مال کے بدلہ فروخت کردیا تو اب مال میں خود ہی شرکت ثابت ہوگئی اس کے بعد پھر شرکت کی کیا ضرورت؟ جواب کے خلاصہ یہ ہے کہ پھر بھی بطور مفاوضہ یا عنان کے عقد شرکت کی اس لئے ضرورت ہے تاکہ ہرایک دوسرے کا وکیل ہونا بھی ثابت ہوجائے کیونکہ عقد شرکت کے بغیر صرف ملک میں شریک ہونا ثابت ہوتا ہے اور شرکت ملک سے کفالت یا وکالت ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ۱۲

بخلاف ما اذا كان رأس المال احد النقدين فان الربح حينئذٍ يستحق بالشرط

اى الدراهم والدنانير ۱۲ عمدہ

وايضًا الدراهم والدنانير لا يتعينان[1] فى العقد فالربح لا يكون نماء لرأس

بل يكون مستحقا بالشرط كما لا يخفى ۱۲ عمدہ

المال و[2]هلاكُ مالها او مال احدهما اى هلاك مال الشركة او مال احد الشريكين

قبل الشراء يبطلها وهو على صاحبه اى الهلاك على صاحب المال قبل

الخلط هلك فى يده او فى يد الأخر وبعد الخلط عليهما فان هلك مال

اى سواء تلف المال فى يد المالك او فى يد شريكه ۱۲ عمدہ

احدهما بعد شراء الأخر بماله فمشريه لهما ورجع على الأخر بحصته

الا وهو الذى هلك ماله ۱۲ عمدہ

من ثمنه اى رجع المشترى على احدهما الذى هلك ماله بحصته من الثمن

لان الشراء قد وقع لهما فلا يتغير بهلاك المال وعبارة الهداية هكذا

ولو اشترى احدهما بماله۔

ترجمہ:۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ راس المال احد النقدین (درہم یا دینار) ہو تو اس وقت نفع کا استحقاق شرط کے مطابق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں درہم و دینار عقود میں متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے اس لئے ان سے جو نفع حاصل ہو گا وہ راس المال کا اضافہ شمار نہ ہو گا۔ اور ہلاک ہو جانا اس مال کا یا کسی ایک کے مال کا، یعنی شرکت کے کل سرمایہ کا یا کسی ایک شریک کے سرمایہ کا تلف ہو جانا کسی چیز کے خریدنے سے پہلے باطل کر دیتا ہے شرکت کے معاملہ کو اور یہ صاحب مال کے ذمہ ہے یعنی وہ مال جو ہلاک ہوا ہے صاحب مال کا ہو گا۔ اگر مال مل جل نہ کیا گیا ہو برابر ہے کہ اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہو یا دوسرے شریک کے ہاتھ سے اور اگر وہ مال مل جل گیا ہو تو وہ دونوں شریکوں کا ہو گا اور اگر دونوں شریکوں میں سے ایک اپنے مال کے عوض میں کچھ اسباب خریدے اور خریدنے کے بعد دوسرے کا مال تلف ہو جائے تو جو اسباب خرید ہوا ہے وہ دونوں میں مشترک ہو گا اور جس نے مول لیا ہے وہ اپنے شریک کے حصہ کے موافق اسباب کی قیمت اس سے وصول کرلے۔ یعنی خریدنے والا اپنے دوسرے شریک سے جس کا مال ہلاک ہو گیا ہے بقدر حصۂ ثمن اس سے رجوع کرے اس لئے کہ یہ خریداری دونوں کی طرف سے واقع ہوئی ہے تو مال تلف ہو جانے کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ اور ہدایہ کی عبارت اس مقام میں اس طرح ہے کہ اور اگر دونوں شریکوں میں سے ایک اپنے مال سے خریدے۔

تشریح:۔ [1] قولہ فی العقد الخ یہ قید اس لئے بڑھائی تاکہ غصب، امانت وغیرہ سے احتراز ہو جائے کیونکہ ان میں دراہم و دنانیر بھی متعین ہوتے ہیں البتہ معاملات میں متعین نہیں ہوتے چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے ان دس درہموں سے یہ چیز خریدی تو اسے حق ہے کہ وہ ان کے عوض دوسرے دراہم ادا کر دے بخلاف دوسرے اسباب کے کہ وہ معاملات میں بھی متعین ہوتے ہیں یہ ایک ایسا اصولی قاعدہ کلیہ ہے جس سے بہت سے جزئیات نکلتے ہیں ۱۲

[2] قولہ وہلاک الخ ہدایہ میں ہے کہ جب شرکت کا کل مال یا دونوں کے مالوں میں سے ایک کا مال کچھ خریدنے سے پہلے تلف ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی کیونکہ معقد شرکت میں معقود علیہ مال تھا اور وہ عقد میں متعین ہوتا ہے جیسا کہ ہبہ اور وصیت میں ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ معقود علیہ ہلاک ہونے سے عقد باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے بخلاف معاملہ مضاربت یا محض وکالت کے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وهلك مال الآخر قبل الشراء فالمشتری بينهما على ما شرطا فهٰهنا محلٌ ان يغلط في الفهم ويفهم انه هلك مال الآخر قبل شراء احدهما لكن يجب ان لا يفهم هٰذا فان وضع المسألة فيما اذا كان هلاك مال الآخر بعد شراء احدهما بماله بدليل قوله ولا يتغير الحكم بهلاك مال الآخر بعد ذلك وبدليل قوله هٰذا اذا اشترى احدهما باحد المالين اولا ثم هلك مال الآخر فيجب ان يفهم وهلك مال الآخر قبل ان يشتری هٰذا الآخر بماله شيئا وانما ذكرتُ هٰذا لانه موضع الغلط وان هلك قبل شراء الآخر ان وكله حين الشركة صريحًا فمشتریه لهما شركة ملك ورجع بحصته ثمنه والا فله۔

اي صاحب الهداية ۱۲ عمده

اي مقام ان يغلط فيه احد لو الفهم ۱۲ عمده

اي المشتري على البائع باله ۱۲ عمده

ترجمہ :۔ اور دوسرے کا مال خریداری سے پہلے ہلاک ہو جائے تو خرید کردہ شئی دونوں کے درمیان ان کی شرط کے مطابق مشترک ہوگی۔ تو اس عبارت سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ دوسرے کا مال کسی ایک کی خریداری سے پہلے تلف ہو گیا ہو لیکن ایسا سمجھنا غلط ہے کیونکہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ ایک نے اپنے مال سے کچھ سامان خریدنے کے بعد دوسرے شریک کا مال تلف ہوا خود صاحب ہدایہ کے اس قول میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ " اس خریدنے کے بعد اگر شریک آخر کا مال ہلاک ہو تو بھی حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی اور یہ قول بھی اس پر قرینہ ہے کہ " یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ دونوں میں سے ایک شریک اول اپنے مال سے کچھ خریدے پھر دوسرے کا مال تلف ہو جائے اس لئے عبارت بالا کا مطلب اس طرح سمجھنا ضروری ہے کہ " دوسرے شریک کا مال تلف ہو جائے اس دوسرے شریک کے اپنے مال سے کچھ خریدنے سے پہلے " یہ تفصیل اس لئے کر دی کیونکہ یہاں غلط فہمی کا امکان ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک کا مال دوسرے کے خریدنے سے پہلے تلف ہو جائے تو جس کا مال تلف ہوا ہے اس نے اگر دوسرے شریک کو بوقت شرکت وکیل صریح بنایا ہو تو اب وہ اسباب جو خریدا گیا ہے دونوں میں مشترک ہو جائے گا شرکت ملک کے طور پر اور جس نے مول لیا ہے وہ اپنے شریک کے حصہ کے موافق اس سے قیمت وصول کریگا۔ اور اگر اس نے وکیل صریح نہیں بنایا تھا تو کل اسباب اسی کا ہوگا جس نے خریدا ہے۔

تشریح :۔ (بقیہ گزشتہ) کہ ان میں دراہم و دنانیر باوجود تعیین کے متعین نہیں ہوتے ہاں قبضہ کے بعد متعین ہو تے ہیں بہر حال جب دونوں کے مال تلف ہو جائیں تب تو مسئلہ بالکل ظاہر ہے اور اگر ایک کا تلف ہو تو بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ یہ شخص اپنے مال میں دوسرے کی شرکت پر اس بنا پر راضی ہوا تھا کہ وہ بھی اس کے مال میں شریک ہوگا اب جب اس کا مال ہی نہ رہا تو وہ اس کی شرکت پر کس طرح راضی ہوگا ۱۲

ؔ قولہ علی صاحبہ الخ یعنی دونوں کے مال ملانے سے پہلے اگر ہلاک ہو تو جسکا مال ہلاک ہوا صرف اس کے مالک پر اس کا خسارہ آئیگا۔ دوسرے شریک سے تلف شدہ کے نصف کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے اور اگر خلط کے بعد تلف ہوا تو مشترکہ سرمایہ پر خسارہ آئیگا کیونکہ جب اس طرح مخلوط ہوا کہ امتیاز نہیں ہو سکتا تو ہلاک ہونا دونوں کے مالوں ہی میں شمار ہوگا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؔ قولہ فہہنا محل الخ مذکورہ عبارت کا ظاہری مطلب مقصود کے خلاف تھا اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک نے اپنے مال سے کچھ خریدا اور دوسرے شریک کا مال خریدنے والے شریک کے خریدنے سے پہلے تلف ہو جائے حالانکہ مقصود یہ نہیں اس لئے شارح نے اس شبہ کو دور کرنے اور مراد واضح کرنے کی طرف توجہ دی ۱۲

ؔ قولہ ان وکلہ الخ یعنی جس شریک کا مال ہلاک ہوا اگر اس نے اس شریک کو جس نے مال خریدا ہے صراحۃً وکیل بنایا ہو تو خریدا شدہ مال میں (باقی صفحہ آئندہ پر)

اى ان هلك مال احدهما ثم اشترى الآخر شيئًا بماله فان الشركة قد بطلت
بما اشترى لم يهلك ماله ۱۲ عمدہ
بهلاك المال فبطلت الوكالة الثابتة فى ضمن عقد الشركة فان وكل احدهما
الآخر بالشراء توكيلا صريحًا فيقول كلما اشتريته بالمال الذى معك فاشتر
فى بعض النسخ كل ما ۱۲ عمده
نصفه لى فيكون المشترى بينهما شركة ملك فللمشترى ان يرجع على الآخر
بحصته من الثمن وان لم يوكله فالمشترى يكون للمشترى [1] ولكل من شريكى
بصيغة الفاعل ۱۲ عمده
مفاوضة وعنان ان يبضع ويودع ويضارب اى يدفع المال مضاربة [2]
ويوكل اى يوكل اجنبيًّا بالبيع والشراء ونحوهما والمال فى يده امانة [3]
اى فى يد كل واحد من الشريكين امانة حتى لا يضمنه بلا تعد۔
تفريع على كونه امانة ۱۲ عمده

ترجمہ :۔ یعنی اگر ایک شریک کا مال ہلاک ہو جائے اس کے بعد دوسرا شریک کچھ سامان اپنے مال سے خریدے تو یہ سامان اسی کا ہوگا۔ کیونکہ خریدنے سے پہلے ایک کا مال ہلاک ہونے کے باعث شرکت باطل ہو گئی اس لئے عقد شرکت کے ضمن میں جو وکالت تھی وہ بھی باطل ہو جائے گی ۔ ہاں اگر اس نے بوقت شرکت دوسرے شریک کو وکیل صریح بنایا ہو مثلاً یوں کہا ہو کہ جب بھی تو جو چیز اپنے مال سے خریدیگا تو اس کا آدھا میرے واسطے بھی خریدنا تو ایسی صورت میں خریدا ہوا اسباب دونوں میں مشترک ہو جائے گا شرکت ملک کے طور پر اور اب خریدنے والا اپنے شریک کے حصہ کے موافق اسی سے قیمت لے لیگا ۔ اور اگر وکیل نہیں بنایا تھا۔ تو وہ کل خریدا ہوا سامان خریدنے والے کی ملک ہوگا اور مذکورہ شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کو اس کا اختیار ہے کہ مال مشترک کسی اور شخص کو بطور بضاعت (یعنی مالک کے لئے کل نفع حاصل ہونے کی شرط پر) حوالہ کرے یا کسی کے پاس امانت رکھے یا کسی سے مضاربت کرے، یعنی کسی کو یہ مال مضاربت کے طور پر دیدے یا کسی کو وکیل کر دے یعنی کسی اجنبی شخص کو بیع وشراء وغیرہ تصرف کے لئے وکیل بنا دے اور مال شریک کے قبضہ میں امانت ہے یعنی عقد شرکت میں دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کے قبضہ میں مال بطور امانت کے ہوگا یعنی اگر اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہ ہوگا۔

تشریح :۔ (بقیہ صد گذشتہ) شرکت ملک ہو جائے گی اس لئے کہ اس کا مال تلف ہونے سے شرکت عقد باطل ہو گئی البتہ وکالت صریحہ باقی رہ گئی ۔ اب خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان شرکت ملک کے طور پر مشترک باقی رہے گی اس لئے اب ایک شریک دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنے کا مختار نہ ہوگا ۱۲

(حاشیہ صد ہٰذا) [1] قولہ ولکل من الخ یہاں سے اس کا بیان ہے کہ شرکت مفاوضہ وعنان میں شریک کو کیا کیا تصرف کرنا جائز اور کیا کیا تصرف کرنا ناجائز ہے اس میں اصل یہ ہے کہ ہر دونوں شریک کو وہ تمام تصرفات جائز ہیں جو تجارت کے توابع اور معاملات تجارت میں معین ہوں مگر یہ اجازت تب ہے کہ دوسرا منع نہ کرے لیکن اگر اس کا شریک کسی امر سے منع کر دے تو پھر اسے اس کام کا اختیار نہیں ۱۲
[2] قولہ مضاربۃ الخ ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو شریکوں میں سے مال ایک کا ہو اور عمل دوسرے کا مگر نفع میں دونوں شریک ہوں اس معاملہ میں مالک مال کو "رب المال" اور عمل کرنے والے کو مضارب کہتے ہیں ۱۲
[3] قولہ امانۃ الخ اس لئے کہ اس نے مالک کے اذن سے مال پر قبضہ کیا ہے بدل اور وثیقہ کے طور پر قبضہ نہیں کیا اب یہ ودیعت کی طرح ہو گیا ۔ بخلاف اس مال کے جس پر خریداری کے نام قبضہ کیا کہ یہ بدل ادا کرنے کی شرط پر قبضہ ہے (باقی صد آئندہ پر)

وشركة الصّنائع والتقبل هٰذه هي الوجه الثالث من الشركة وهي ان يشترك صانعان كخياطين او خياط وصباغ و يتقبلا العمل لاجر بينهما صحت وان شرطا العمل نصفين والمال اثلاثا اى الاجرة اثلاثا بينهما هٰذا عندنا وعند الشافعيؒ لا يجوز هٰذه الشركة وعند مالكؒ وزفرؒ لا يجوز الا عند اتحاد العمل ولزم كلاً عملٌ قبله احدهما فيطالبُ كل بالعمل ويطالب الاجر اى يطالب كل واحد اجر عملٍ عمله احدهما و يبرأ الدافع بالدفع اليه اى بدفع الاجر الى كل واحد منهما والكسب بينهما وان عمل احدهما فقط وشركة الوجوه هٰذه هي الوجه الرابع من الشركة وهي ان يشتركا بلا مال ليشتريا بوجوههما و يبيعا۔

ترجمہ:۔ اور (۳) شرکت صنائع وتقبل ہے، شرکت عقد کی یہ تیسری قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو کاریگر مثلاً دو درزی یا ایک درزی اور ایک رنگریز مشترک طور پر کام کریں اور دونوں کام کی فرمائش قبول کریں اس شرط پر کہ اجرت میں دونوں شریک ہوں گے تو یہ صحیح ہے اگرچہ یہ شرط کریں کہ دونوں مساوی طور پر کام کریں گے اور آمدنی تین جگہ تقسیم ہوگی یعنی مال اجرت ایک کو دو تہائی ملے اور ایک کو ایک تہائی یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ شرکت سرے سے جائز نہیں اور امام مالکؒ وزفرؒ کے نزدیک جب عمل متحد ہو تو جائز ہے اور مختلف ہو تو جائز نہیں۔ اور اس شرکت میں اگر ایک شخص کوئی کام منظور کرلے گا تو دونوں پر وہ کام کرنا لازم ہوگا، تو کام دینے والے کو ہر ایک سے مطالبہ کا حق پہنچتا ہے اور اسی طرح ہر ایک اجیر کا مطالبہ کرسکتا ہے یعنی ہر دو شریک کو حق پہونچتا ہے کہ کام دینے والے سے اپنے شریک عمل کے تمام کی اجرت طلب کرے اور جب کام دینے والا ایک کو اجرت دیدے تو وہ بری ہو جائے گا یعنی دونوں میں سے کسی کو بھی اجرت دیدے بری ہو جائے گا۔ اور جو کمائی ہوگی وہ دونوں میں مشترک ہوگی اگرچہ ایک ہی نے کام کیا ہو اور (۴) شرکت وجوہ ہے یہ شرکت عقد کی چوتھی قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص بدون مال کے شریک ہوں اس طرح کہ اپنے اعتبار وعزت سے مال خریدیں اور بیچیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اس لئے ہلاک ہونے پر ضمان آئیگا، ایسے ہی رہن کا حکم ہے کہ مرتہن اپنے قرض کی آدائیگی پر اعتماد حاصل کرنے کے لئے قبضہ کرتا ہے اس لئے یہ بھی موجب ضمان ہوگا ۱۲ فتح۔

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ العمل الخ بحر وغیرہ میں اس کے ساتھ یہ قید لگائی کہ یہ کام شرعاً حلال ہو اور عقد اجارہ سے حاصل کرنے کے قابل ہو۔ چنانچہ دو دلالوں یا دو گانے والے کی شرکت جائز نہیں اسی طرح مجلس تعزیہ کے مرثیہ خوانوں کی شرکت، واعظوں کی شرکت اور بھیک کرنے والوں کی شرکت جائز نہیں، تفصیل قنیہ اور اشباہ میں ہے۔ ۱۲

سہ قولہ وان عمل الخ۔ واو وصلیہ ہے، خلاصہ یہ کہ عمل سے حاصل ہونے والی اجرت دونوں کے درمیان ان کی طے شدہ شرط کے مطابق مشترک ہوگی خواہ کام میں دونوں کا اشتراک ہو یا ایک نے کام کیا۔ اور دوسرا فارغ رہا چاہے عذر کے باعث یا بلا عذر، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرط مطلق عمل ہے چاہے جس سے بھی متحقق ہو ۱۲

سہ قولہ وشرکۃ الوجوہ الخ یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ مال نہ ہونے کی بنا پر چہرے کا تعارف بجائے مال کے استعمال ہوتا ہے ایک قول

(باقی صد آئندہ پر)

اى ليشتريا بلا نقد الثمن بسبب وجاهتهما ويبيعا فما حصل من الثمن يدفعان منه الثمن الى بائعهما فان فضل شئ يكون مشتركا بينهما وهذه الشركة لا يجوز عند الشافعيؒ فتصح مفاوضة بان يشترط المساواة فى الامور التى تجب مساواتها فى المفاوضة ومطلقها عنانٌ وكلٌ وكيل للاخر فى الشراء اى اذا كان عقد الشركة مطلقا امّا ان شرطت فيها المفاوضة فكل وكيل الاخر وكفيله فان شرطا مناصفة المشترى او مثالثته فالربح كذالك وشرط الفضل باطل اى ان شرطا ان المشترى يكون بينهما نصفين او اثلاثا وربح احدهما زائد على قدر ملكه فذالك الشرط باطل لان الربح يكون بقدر الملك لئلا يؤدى الى ربح مالم يضمن۔

ترجمہ:۔ یعنی لوگوں میں جان پہچان اور عزت وشرف ہونے کی جہت سے مال بطور قرض خریدیں اور بیچیں اور نقد کچھ نہ لگائیں اب اس مال کی جو قیمت حاصل ہو اس میں سے اصل دام مالک کے حوالہ کر کے جو کچھ باقی بچے اسکو دونوں بانٹ لیں لیکن یہ شرکت امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ اور صحیح ہے یہ شرکت بطور شرکت مفاوضہ کے بایں صورت کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک ان امور میں مساوات کی شرط لگائے جن میں شرکت مفاوضہ کے اندر مساوات ضروری ہے اور مطلق عقد شرکت بحکم شرکت عنان ہے اور ان شرکتوں میں ہر شریک خریداری میں دوسرے کا وکیل ہوگا یعنی جب عقد شرکت مطلقا ہو لیکن اگر شرط لگائی گئی کہ یہ شرکت بطور مفاوضہ ہوگی۔ تو دونوں شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل اور کفیل ہوگا اور اگر شرکت وجوہ کی صورت میں نصفا نصفی کی شرط پر مال خریدیں یا تین بٹا دو تہائی ایک کا اور ایک تہائی دوسرے کے لئے ہونے کی شرط پر خریدیں تو نفع بھی اسی حساب سے بٹ جائے گا۔ اور نفع میں حصہ خرید سے زیادتی کی شرط باطل ہے۔ یعنی اگر یہ شرط لگائیں کہ خرید کردہ شئ دونوں میں نصفا نصف ہوگی یا تین بٹا حساب سے ایک ایک تہائی کا اور دوسرا دو تہائی کا مالک ہوگا اور نفع ایک کا اس کی ملک کی مقدار سے زیادہ ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ نفع بقدر ملک ہوا کرتا ہے تاکہ غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا لازم نہ آئے (جو کہ درست نہیں)

تشریح (بقیہ صد گذشتہ) یہ ہے کہ مال نہ ہونے کی بنا پر دونوں بیٹھ کر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہتے ہیں۔ کہ کس کی قیمت سے کام بنے اور بعضوں نے یہ وجہ بتائی کہ چونکہ جس کے پاس مال نہ ہو اس کے ساتھ لوگ ادھار پر معاملہ نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ صاحب وجاہت اور شرف وجاہ کا مالک ہو اسی وجاہت کی رعایت سے شرکت وجوہ نام پڑ گیا۔ اور جاہ کا لفظ بھی دراصل وجہ کا پلٹا ہوا روپ ہے کہ عین کلمہ کی جگہ واؤ رکھدی اور فا کلمہ کو بدل دیا ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ لا یجوز الخ کیونکہ نفع ان کے نزدیک مال کی فرع ہے جب اصل یعنی مال ہی نہیں تو شرکت بھی منعقد نہ ہوگی۔ اور ہمارے نزدیک نفع میں شرکت کا مدار ومدار عقد پر ہے مال پر نہیں۔ علی امرتی
سلہ قولہ فتصح مفاوضۃ الخ یعنی شرکت وجوہ اور ایسے ہی شرکت تقبل، مفاوضہ ہو کر صحیح ہوگی، شرکت تقبل میں مفاوضہ کی شرائط جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ دونوں صانع اس بات میں شرکت کریں (باقی صد آئندہ پر)

بخلاف العنان اذا کان رأس المال غیر العروض فان رأس المال ح لا یتعین بالتعیین فلا یکون الربح نماء رأس المال علی ما مر ولا یجوز الشرکۃ فی الاحتطاب والاحتشاش والاصطیاد وما حصل لکل فلہ وما اخذاہ معًا فلہما نصفین وما حصل لہ باعانۃ الاخر فلہ۔

(ای النقدان ۱۲ عمدہ) (ای لمن حصل لہ للعین ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ بخلاف شرکت عنان کے جبکہ راس المال اسباب نہ ہو (کہ احد النقدین ہو) کیونکہ ایسی صورت میں راس المال (جبکہ احد النقدین ہو تو) متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتا ہے اس لئے اس پر نفع راس المال کے اندر اضافہ شمار نہ ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اور شرکت جائز نہیں لکڑیاں جمع کرنے اور گھاس کاٹنے اور شکار کرنے میں تو جس نے جو کچھ کسب کیا ہو وہ اسی کا ہوگا اور جس چیز کو دونوں نے ایک ساتھ حاصل کیا ہو وہ ان دونوں کو آدھی آدھی ملے گی اور جو ایک نے حاصل کیا اور دوسرے نے مدد کی تو وہ چیز حاصل کرنے والے ہی کی ہوگی۔

تشریح (بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ دونوں مل کر تمام اعمال قبول کریں گے اور دونوں کام کا برابر ضامن ہونگے اور نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوں گے اور دونوں میں سے ہر ایک شرکت کے متعلقہ امور میں ایک دوسرے کے کفیل ہوں گے اور شرکت وجوہ میں مفاوضہ کی صورت یہ ہے کہ دونوں کفالت کے اہل ہوں اور خریدی ہوئی چیز کا دام دونوں میں نصفا نصفی ہو۔ اور لفظ مفاوضہ بھی زبان سے ادا کریں اور نفع دونوں میں مساوی ہو۔ ۱۲ کفایہ۔

سلہ قولہ فان شرطا الخ ہدایہ میں ہے کہ اگر دونوں شرط لگائیں کہ خریدی چیز دونوں کے درمیان نصفا نصفی ہے اور نفع بھی ایسا ہی ہے تو جائز ہے اور اس میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی اور اگر دونوں شرط کریں کہ خریدی ہوئی چیزیں دونوں کے درمیان ⅓ اور ⅔ ہوگی تو نفع بھی اسی حساب سے ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع صرف مال، یا عمل، یا ضمان سے ملتا ہے چنانچہ رب المال مال کی وجہ سے حقدار ہے اور مضارب عمل کی وجہ سے اور استاذ جو کہ شاگرد کو کام سکھاتا ہے نصف پر وہ ضمان کے باعث لیتا ہے اور اس کے سوا دوسرا کوئی حقدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرے کو کہے کہ تم اپنے مال میں تصرف کرو اس شرط پر کہ نفع میرا ہوگا تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ ان باتوں میں سے کوئی بات اس میں نہیں پائی گئی اور شرکت وجوہ میں ضمان کی وجہ سے نفع کا استحقاق ہوتا ہے جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے اور خریدی ہوئی چیزیں ضمان بقدر ملکیت ہوتا ہے اب قدر ملک سے زائد نفع غیر مضمون پر نفع ہوگا اس لئے مضاربت کی صورت کے علاوہ اس کی شرط لگانی درست نہ ہوگی اور شرکت وجوہ میں یہ بات نہیں پائی جاتی بخلاف شرکت عنان کے کہ اس میں مضاربت کی حقیقت موجود ہے اس طرح پر کہ ہر ایک اپنے شریک کے مال میں عمل کرتا ہے اس لئے اس کے ساتھ ملحق ہو سکتی ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) سلہ قولہ ولا یجوز الخ اصل یہ ہے کہ مباح چیز حاصل کرنے میں اشتراک جائز نہیں اس لئے کہ شرکت کے ضمن میں وکالت پائی جاتی ہے اور مباح چیز حاصل کرنے میں کسی کو وکیل بنانا باطل ہے کیونکہ توکیل کا تقاضا یہ ہے کہ موکل کا حکم صحیح ہو اور یہاں اس کا حکم اپنے دائرہ اختیار سے باہر ہونے کی بنا پر صحیح نہیں علاوہ ازیں یہاں تو موکل کے حکم کے بغیر ہی وکیل اس شئی محض قبضہ سے مالک ہو جائے گا کیونکہ جو مباح چیز ہوتی ہے جس کا اس پر سب سے پہلے قبضہ حاصل ہو۔ اسی لئے فقہاء نے فرمایا کہ مجلس نکاح میں اگر مٹھائیاں یا دراہم بکھیرے جائیں تو جو بھی اٹھالے وہ اسی کی ہے دوسرے کو حق نہیں کہ وہ اس سے لیلے۔ اور جو شخص غیر کے حکم کے بغیر ہی کسی چیز کا مالک ہوتا ہے اس کو اس چیز کے مالک ہونے میں غیر کا نائب بننا درست نہیں ۱۲ عنایہ۔

سلہ قولہ نصفین الخ۔ اس لئے کہ جب دونوں نے اکٹھے حاصل کیا تو نصف نصف کا حقدار ہونا ہی ظاہر ہے چنانچہ فتاویٰ خیریہ میں ہے کہ اگر ایک مکان میں خاوند اس کی بیوی اور بیٹا جمع ہو جائیں اور ہر ایک مستقل طور پر کمائی کر کے باہم اکٹھے کرتے جاتے اور کمائی میں امتیاز نہ رہے اور نہ برابری یا کمی بیشی کا کچھ علم ہو تو مال میں ان کا حصہ برابر ہوگا اسی طرح اگر چند بھائی اپنے باپ کے ترکہ میں کام کرتے رہیں اور مال بڑھ جائیں تو وہ ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اگرچہ ان کی رائیں اور عمل میں اختلاف پایا جاتا ہو یہ حکم باپ بیٹے کے اجتماع کے علاوہ صورتوں میں ہے چنانچہ قنیہ میں ہے کہ اگر باپ بیٹا ایک ہی قسم کے عمل کریں اور دونوں کی کوئی پونجی نہ ہو تو ساری کمائی باپ کی ہوگی جبکہ بیٹا اس کے عیال میں ہو اس لئے کہ وہ باپ کا مددگار ہے ۱۲

مثل ان يقلع احدهما ويجمع الآخر يكون للقالع وللآخر اجر مثله بالغا ما بلغ عند محمد ولا يزاد على نصف ثمنه عند ابي يوسف ولا في الاستسقاء بان كان لاحدهما بغل وللآخر راوية فاستسقى احدهما فالكسب للعامل وعليه اجر مثل مال الآخر والربح في الشركة الفاسدة على قدر المال كما اذا شرط في الشركة دراهم مسماة من الربح لاحدهما فتفسد الشركة فيكون الربح بقدر الملك حتى لو كان المال نصفين وشرط الربح اثلاثا فالشرط باطل ويكون الربح نصفين وتبطل الشركة بموت احد الشريكين ولحاقه بدار الحرب مرتدا اذا قضى به ولم يزك احدهما مال الآخر بلا اذنه اي لا يجوز لاحدهما ان يؤدي زكوة مال الآخر بلا اذنه.

ترجمہ:۔ مثلاً ایک نے لکڑی اکھاڑی اور دوسرے نے اکٹھا کی تو لکڑی اکھاڑنے والے کی ہوگی اور مدد کرنے والے کو اس قدر مزدوری ملے گی جتنا اس نے کام کیا یہ مزدوری جتنی بھی ہو جائے امام محمدؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس چیز کی آدھی قیمت سے زیادہ اسکو مزدوری نہ دیں گے اور اسی طرح شرکت جائز نہیں پانی کھینچنے میں مثلاً ایک کا خچر ہوا اور دوسرے کی مشک اور پانی ایک نے کھینچا تو اس پانی سے سیرابی کے ذریعہ جو آمدنی ہوگی وہ سب پانی کھینچنے والے کو ملیگی اور اس کے ذمہ اجرت مثل لازم ہوگی اس چیز کی جو دوسرے کی ہوگی (یعنی اگر پانی کھینچنے والے کی مشک ہے تو خچر کی اجرت اور خچر ہے تو مشک کی اجرت دینی لازم ہوگی) اور اگر کسی سبب سے عقد شرکت فاسد ہو جائے تو دونوں میں نفع کا حصہ مال کی مقدار کے موافق ہوگا۔ مثلاً شرکت میں ایک شریک نے اپنے لئے نفع کی ایک مقررہ مقدار کی شرط کر لی تو شرکت فاسد ہو جائے گی اب جو نفع ہوگا وہ بقدر ملک ہر ایک کو ملے گا چنانچہ اگر مال شرکت دونوں کا آدھا آدھا ہوا اور نفع کے بارے میں یہ شرط کریں کہ ایک کو دو تہائی اور ایک کو ایک تہائی ملے گا تو یہ شرط باطل ہوگی اور نفع آدھا آدھا ملے گا۔ اور شرکت باطل ہو جائے گی دونوں شریکوں میں سے کسی کے مر جانے سے یا مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جانے سے جبکہ قاضی بھی اس کے چلے جانے کا حکم دیدے۔ اور عقد شرکت میں کوئی شریک دوسرے کے مال کی زکوٰۃ اس کی اجازت کے بغیر نہ دے۔ یعنی کسی شریک کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کے حصۂ مال کی زکوٰۃ اس کی اجازت کے بغیر ادا کر دے

تشریح:۔ [1] قولہ علی قدر المال الخ اس لئے کہ نفع اصل میں تابع ہوتا ہے عقد کے جبکہ عقد صحیح ہوا اور جب عقد فاسد ہو جائے تو نفع مال کے تابع ہو جاتا ہے تو اب نفع دونوں کے درمیان ان کے مال کی مقدار پر تقسیم ہوگا۔ اور کسی کو اجرت نہیں ملے گی کیونکہ عمل مشترک میں شریک عامل کی اجرت نہیں ہوتی، یہ تب ہے جب دونوں کا مال ہو لیکن اگر بغیر مال شرکت ہو تو اس کا حکم گذر چکا۔ کہ نفع تمام تر عامل کا ہوگا۔ اور مدد کرنے والے کو اجرت مثل ملیگا اور اگر ایک کا مال ہو تو نفع رب المال کا ہوگا۔ اور دوسرے کو اجرت ملے گی۔ مثلاً ایک آدمی اپنا جانور دوسرے کو اجرت پر دینے کے لئے حوالہ کرے کہ یہ اجرت دونوں میں مشترک ہوگی تو یہ آمدنی کل مالک کو ملیگی اور اس شخص کو اپنی محنت کا اجر مثل ملیگا ۱۲ نہر۔

[2] قولہ بلا اذنہ الخ یعنی صریح طور پر کیونکہ زکوٰۃ امور تجارت میں سے نہیں اس لئے تجارت کی اجازت ادائے زکوٰۃ کی اجازت پر مشتمل نہ ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے نیت شرط ہے۔ اس لئے صریح اذن ہونا لازمی ہے تاکہ اس کی جانب سے نیت متحقق ہونا متعین ہو جائے۔

فان اذن کل واحد صاحبہ فادّیا ولاءً ضمن الثانی وان جہل باداء الاول ہذا عند ابی حنیفۃؒ واما عندہما اذا جہل باداء الاول لایضمن وان ادّیا معًا ضمن کل قسط الآخر مثل ان ادّی کل واحد بغیبۃ صاحبہ واتفقا اداؤہما فی زمان واحد او لا یُعلم تقدّم احدہما علی الآخر ضمن کل واحد نصیب الآخر فان شریٰ مفاوضٌ امۃً باذن شریکہ لیطأ فہی لہ بلاشئ ہذا عند ابی حنیفۃؒ واما عندہما یرجع الشریک علی المشتری بنصف الثمن لان المشتری ادّی نصف دینہ من مال الشرکۃ ولابی حنیفۃؒ ان الجاریۃ دخلت فی الشرکۃ حال الشراء ثم الاذن بالشراء للوطی اقتضی الہبۃ۔

ترجمہ:۔ پس اگر ہر ایک نے دوسرے کو اپنے مال کی زکوٰۃ دیدینے کی اجازت دیدی اور دونوں نے یکے بعد دیگرے کل مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو پچھلے شخص کو اول کے حصہ کی زکوٰۃ کا تاوان لازم ہوگا اگرچہ اول کے ادا کرنے سے وہ واقف نہ ہو۔ یہ امام صاحب کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر وہ اول کے ادا کرنے سے واقف نہ ہو تو اس پر تاوان نہیں آئے گا اور اگر دونوں نے ایک ساتھ زکوٰۃ ادا کر دی تو ہر ایک دوسرے کے حصہ کا ضامن ہوگا مثلاً ہر ایک نے دوسرے کی غیبوبت میں زکوٰۃ ادا کی اور اتفاق سے دونوں کی ادائیگی ایک ہی وقت میں ہوئی یا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے پہلے ادا کی اور کس نے بعد میں ادا کی تو ہر دو صورت میں ہر ایک دوسرے کے حصہ کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اور شرکت مفاوضہ میں اگر دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کی اجازت سے وطی کرنے کی غرض سے ایک باندی خریدی تو یہ لونڈی اسی خریدنے والے کی ہوگی اور اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک اجازت دینے والا شریک خریدنے والے سے باندی کی نصف قیمت وصول کرے گا کیونکہ خریدنے والے نے اس کا آدھا دام مشترکہ سرمایہ سے ادا کیا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے باندی خریدی تو وہ مال مشترکہ بن گئی پھر شریک کی جانب سے بغرض وطی خریدنے کی اجازت اس کی طرف سے ہبہ کو متقضی ہے۔

تشریح:۔ ۱؎ قولہ ہذا عند ابی حنیفۃؒ الخ ہدایہ میں ہے کہ اس طرح اختلاف ہے اس مسئلہ میں جبکہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے ادا زکوٰۃ پر مامور ہوا اس کے بعد آمر نے خود ہی اپنی زکوٰۃ ادا کر دی۔ پھر مامور بھی اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ وہ تو فقیر کو مالک بنانے پر مامور ہے اور یہی کام اس نے انجام دیا تو وہ موکل کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ تو صرف مالک بنانے کی طاقت رکھتا ہے زکوٰۃ واقع کرنا اس کے بس میں نہیں۔ اس لئے کہ اس کا تعلق موکل کی نیت سے ہے اس سے تو صرف اسی امر کا مطالبہ ہو سکتا ہے جس کی اُسے طاقت ہے اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ تو زکوٰۃ ادا کرنے پر مامور تھا اور ادا شدہ رقم زکوٰۃ نہیں بنی اس لئے یہ خلاف امر ہوا کیونکہ امر کا مقصود اپنے آپ کو واجب کی ذمہ داری سے سبکدوش کرنا ہے اس لئے کہ آدمی دفع ضرر ہی کے لئے کسی ضرر کا التزام کرتا ہے اور یہ مقصد اس کے خود ادا کرنے سے ادا ہو گیا اور اب مامور کی ادائیگی اس مقصد سے خالی ہے اس لئے وہ معزول ہو جائے گا خواہ وہ جانے یا نہ جانے یہ عزل حکمی ہے جس کے لئے علم شرط نہیں۔ ۲؎ قولہ ثم الاذن الخ۔ یہ اس اشکال کا جواب ہے کہ خریداری کے وقت جب باندی شرکت میں داخل ہو گئی تو اب خریدار کو اس سے وطی کرنا کس طرح حلال ہو سکتا ہے کیونکہ مشترکہ باندی سے کسی شریک کو وطی کرنا حلال نہیں حاصل جواب یہ ہے کہ وطی کا حلال ہونا اذن کی بنا پر ہے جو کہ ہبہ کو متقضی ہے گویا اس نے اپنے شریک کو یوں کہا کہ تو ایک لونڈی خرید لے جو میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگی اور میں نے اس میں سے اپنا حصہ تجھے ہبہ کر دیا۔ ۱۲

لانہ لاطریق لحل الوطی الا الھبۃ لانہ لو باع نصیبہ من شریکہ یصیر ھذا النصیب مشترکا بینھما فلا یحل الوطی واذا اقتضی الھبۃ لا یکون علی المشتری شیٔ واخذ کلٌّ بثمنھا ای للبائع ان یطالب الثمن من ایھما شاء لان المفاوضۃ تتضمن الکفالۃ۔

ترجمہ ۱۔ کیونکہ ہبہ کے بغیر وطی حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں اس لئے کہ اس اجازت کو اگر بیع پر محمول کریں تو حصہ پھر دونوں کے درمیان مشترک ہو جائے گا اور وطی حلال نہ ہو گی اور جب ہبہ کا تقاضا مسلّم ہو گیا تو پھر مشتری پر اس کے نصف کے عوض کچھ بھی دینا نہ پڑے گا۔ اور ہر ایک سے اس کی قیمت کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔ یعنی بائع کو حق ہے کہ دونوں شریکوں میں سے جس سے چاہے باندی کی قیمت کا مطالبہ کرے اس لئے کہ شرکت مفاوضہ ایک دوسرے کی کفالت کو شامل ہوتی ہے۔

كتاب الوقف

هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة كالعارية و عندهما هو حبس العين على ملك الله تعالى فلو وقف على الفقراء او بنى سقاية او خانًا لبني السبيل او رباطًا وجعل ارضه مقبرة لا يزول ملك الواقف عنه وان علق بموته نحو ان مت فقد وقفت في الصحيح قد ذكر ان الخلاف بين ابي حنيفة وصاحبيه في جواز الوقف فان الوقف لا يجوز عنده بناء على انه تصدق بالمنفعة وهي معدومة لكن على الاصح ان الخلاف انما هو في اللزوم فان الوقف غير لازم عنده وان علق بالموت ففي التعليق بالموت روايتان عنه في رواية يصير لازمًا وفي رواية لا واختار في المتن هذا واما عندهما فالوقف لازم وعليه الفتوى

وقف کا بیان

ترجمہ :- وقف کہتے ہیں کہ کوئی شخص (یعنی واقف) کسی چیز کو اپنی ملک میں روکے رکھے اور اس کا نفع خیرات کر دے جیسے عاریت میں ہوتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وقف اسکو کہتے ہیں کہ روک رکھنا کسی چیز کا اللہ تعالیٰ کی ملک میں تو (امام صاحب کے مذہب کے موافق) اگر کسی نے وقف کیا کسی چیز کو فقیروں پر یا بنایا (رفاہ عام کے لئے) حوض وغیرہ یا مسافر کے لئے سرائے خانہ یا رباط (اترنے کا مسافر خانہ) یا اپنی زمین کو مقبرہ کر دیا تو وقف کرنے والے کی ملک اس سے زائل نہ ہوگی اگرچہ اس کو اپنی موت پر معلق کرے مثلاً یہ کہ اگر میں مر جاؤں تو اسکو میں نے وقف کیا صحیح قول یہی ہے بعضوں نے یہ بتایا ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان نفس وقف کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک وقف سرے سے درست نہیں اس بنا پر کہ منفعت خیرات کرنے کا نام وقف ہے اور منفعت معدوم ہے (اور معدوم کا صدقہ کرنا درست نہیں) لیکن صحیح قول یہ ہے کہ وقف لازم ہونے کے بارے میں اختلاف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک وقف لازم نہیں اگرچہ اپنی موت کے ساتھ معلق کرے البتہ جب موت کے ساتھ معلق کرے تو اس میں اُن سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں لازم ہو جاتا ہے اور ایک روایت میں لازم نہیں ہوتا۔ متن میں اس آخری روایت کو اختیار کیا ہے اور صاحبین رح کے نزدیک وقف بہر حال لازم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

تشریح :- ؎ قولہ فی جواز الوقف الخ مبسوط کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے کہ "امام ابو حنیفہ رح وقف کو جائز نہیں رکھتے" قاضی خاں رح نے بتلایا کہ بعض ان ظاہری الفاظ سے متمسک کیا۔ اور کہدیا کہ امام ابو حنیفہ رح وقف کو جائز نہیں رکھتے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں بلکہ یہ جائز ہے ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک اور ثابت ہے احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ سے البتہ امام صاحب کے نزدیک وقف علی الاطلاق لازم نہیں ہوتا ۱۲

والاصل فیہ وقفُ الخلیل صلوٰۃ اللّٰہ علیہ الکعبۃ وعند ابی حنیفۃؒ انما
یلزم باحد الشیئین وھو ما قال الّا ان یحکم بہ حاکم والا فی مسجد بُنی
وافرز بطریقہ واذن للناس بالصلوٰۃ فیہ وصلّی واحد وان جُعل تحتہ
سرداب لمصالحہ اختلف فی شرائط صیرورۃ المکان مسجدًا فعند ابی یوسفؒ
یکفی مجرد قولہ جعلتہٗ مسجدًا لان التسلیم لیس بشرط للزوم الوقف
عندہ وعند محمدؒ لابد من ان یصلی فیہ بجماعۃ وعند ابی حنیفۃؒ
یکفی صلوٰۃ واحد ثم جعلُ السرداب تحتہ لمصالح المسجد لا یمنع کونہ مسجدا

ای الی لزوم الوقف وکونہ مسجدا ۱۲ عدہ

ترجمہ:۔ اور اصل اس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا کعبہ شریف کا وقف کرنا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف کا لزوم دو باتوں میں سے ایک بات سے ہوتا ہے جیسے مصنف نے آگے بتایا مگر یہ کہ حاکم اس کی لزوم (لازم) رہنے کا حکم کر دے یا مسجد کے لئے وقف کر کے گھر بنا دے اور اس کا راستہ جدا کر دے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے اور کم از کم ایک شخص بھی اس میں نماز پڑھ لے اگرچہ اس مسجد کے تلے مسجد کی ضروریات کے لئے کوئی تہ خانہ بنایا گیا ہو اس میں اختلاف ہے کہ کسی مکان کا مسجد ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فقط یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اس مقام کو مسجد بنا لیا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک لزوم وقف کے لئے کسی کے حوالہ کرنا شرط نہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک وقف ہونے کے لئے اس میں با جماعت نماز پڑھنا شرط ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں ایک شخص کا بھی نماز پڑھ لینا کافی ہے پھر مصالح مسجد کی خاطر اس کے نیچے تہ خانہ بنانا شرعا اس کا مسجد ہونے سے مانع نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) سلہ قولہ فالوقف الخ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جب انہوں نے اپنی کسی زمین کو وقف کرنا چاہا کہ اے عمرؓ تم اس کی اصل کو صدقہ کر دو اس شرط پر کہ یہ نہیں بیچی جا سکتی اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور نہ اسے ہبہ کیا جائے گا شیخین اور اصحاب سنن وغیرہ نے یہ روایت تخریج کی ہے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) سلہ قولہ الکعبۃ الخ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبہ تو اس سے پہلے وقف تھا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے بنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے بنایا اور انہوں نے اس کا طواف کیا پھر حضرت آدم نے بھی اس کا طواف کیا، آپ کے بعد طوفان نوح علیہ السلام میں وہ بالکل منہدم و بے نشان ہو گیا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے از سر نو دو بارہ تعمیر کی تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ کعبہ کی زمین اگرچہ پہلے سے وقف تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملک میں نہ تھی مگر اس کی دیواریں اور عمارت ان کی ملک کی چیز ہے جسے انہوں نے اللہ کے نام پر ہمیشہ کے لئے وقف کر دیا اب عمارت کے لحاظ سے وقف کعبہ کی نسبت حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہوتی ہے ۱۲

سلہ قولہ الا ان یحکم بہ الخ یعنی ملک واقف زائل ہونے اور لزوم وقف کا فیصلہ دیدے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے جس میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے اب ایسے مسئلہ میں جبکہ حاکم مجتہد لزوم وقف کا فیصلہ دیدے تو پھر اختلاف کی گنجائش نہ رہے گی اور امام صاحب کے نزدیک بھی واقف کی ملک اس سے زائل ہو جائے گی اگرچہ مطلق وقف ان کے نزدیک لازم نہیں۔ اور نہ اس سے مالک کی ملک زائل ہوتی ہے قاضی کے فیصلہ کی صورت یوں ہو سکتی ہے کہ واقف متولی کے پاس وقف کی چیز سپرد کر دے پھر وہ قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کرے کہ اس نے وقف سے رجوع کر لیا ہے۔ (باقی صد آئندہ پر)

فان جعل لغیرہا او وسط دارہ مسجدًا او اذن بالصلوٰۃ فیہ فلا ای ان جعل

(ای السرداب ۱۲ عمدہ)

تحت المسجد سہ داب لغیر مصالح المسجد لا یصیر المسجد مسجدًا

وکذا اذا جعل وسط دارہ مسجدًا او اذن بالصلوٰۃ فیہ لا یصیر مسجدًا

لعدم افراز الطریق وعند ابی یوسف یزول بنفس القول ای یزول ملک

(لم ینقطع حق العبد عنہ ولم یخلص اللہ تعالیٰ ۱۲ عمدہ)

الواقف عن الوقف بنفس القول وعند محمدؒ تسلیمہ الی المتولی و قبضہ

(ای الشئ الموقوف ۱۲ عمدہ) (ای المتولی ۱۲)

شرط ثم ذکر فروع ہذا الاختلاف فقال فصح وقف المشاع المشاع ان

(بین ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ ۱۲ عمدہ)

لم یحتمل القسمۃ ففی المسجد والمقبرۃ لا یجوز الوقف عند ابی یوسفؒ ایضًا۔

ترجمہ:۔ اور اگر مسجد بنا کر اور کاموں کے لئے اس کے نیچے تہ خانہ بنایا یا اپنے گھر کے اندر مسجد بنائی اور اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت دی تو وہ مسجد شرعاً مسجد نہ ہوگی۔ یعنی اگر مسجد کے نیچے مصالح مسجد کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے تہ خانہ بنایا تو وہ مسجد، مسجد نہ ہوگی، اسی طرح اگر اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنائی اور اس میں نماز کے لئے عام اجازت دی تو بھی وہ مسجد شرعی نہ ہوگی اس لئے کہ اس کے لئے اس نے اپنی ملک سے علیحدہ مستقل کوئی راستہ نہیں دیا ہے (جو شرعاً مسجد ہونے کے لئے شرط ہے) اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف زبان سے کہہ دینے سے ملک زائل ہو جاتی ہے یعنی وقف کرنے والے کی فقط زبان کے کہنے سے (کہ میں نے اسکو وقف کیا) موقوفہ چیز سے اس کی ملک جاتی رہتی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملک زائل ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ وقف کردہ چیز کو متولی کے سپرد کر دے اور متولی اس پر قبضہ کر لے۔ آگے مصنفؒ اس اختلاف پر مبنی بعض فروعی مسائل بیان فرماتے ہیں تو صحیح ہے (امام ابو یوسفؒ کے نزدیک) مشاع (یعنی غیر منقسم مشترک) چیز کا وقف کرنا، البتہ مشاع اگر ایسی چیز ہو جو قابل تقسیم نہیں تو مسجد و مقبرہ میں اس کا وقف کرنا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی درست نہیں۔

تشریح:۔ (بقیہ صد گذشتہ) اور وہ اسے واپس لینا چاہتا ہے کیونکہ وقف لازم نہیں ہوا کرتا ہے مگر متولی واپس دینے سے انکار کرے پھر قاضی اس مقدمہ میں لزوم وقف کا فیصلہ کر دے تو اس صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک بھی وقف لازم ہو جائے گا کیونکہ قضائے قاضی ایک جہت کو متعین کر کے اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔ ۱۲

سہ قولہ وافرز الخ یعنی اس کا راستہ بنا دے اور اسے ہر طرح اپنی ملکیت سے جدا اور ممتاز کر دے اب اگر اوپر مسجد اور نیچے دکانیں ہوں جن کا مسجد سے کوئی تعلق نہ ہو یا اس کے برعکس ہو تو اس کی ملک زائل نہ ہوگی کیونکہ بندہ کا حق اس سے متعلق ہے (کافی) اور قنیہ میں ہے کہ اگر اس نے اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنا دی اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ اگر اس نے راستہ بھی دیدیا تو سب کے نزدیک وہ مسجد ہو جائے گی اور راستہ نہیں دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد نہیں بنے گی۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مسجد بن جائے گی اور مسجد کے حق کے طور پر اسے راستہ بلا شرط دینا پڑے گا جیسا کہ وہ اپنی زمین اجرت پر دے مگر راستہ کی شرط نہ رکھے ۱۲

(حاشیہ صد ہذا) لہ قولہ لغیر مصالح الخ مثلاً اس نے وہ اپنی جائے رہائش بنالی۔ اور ایسا ہی اگر وہ مسجد کے اوپر اپنے لئے مکان بنائے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر اس کے اوپر مسجد کے امام کے لئے مکان بنائے تو کچھ حرج نہیں اس لئے کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے۔ البتہ اگر مسجد مکمل ہو جائے اور پھر وہ اس کے اوپر مکان بنانا چاہے تو اس کو اس سے روکا جائے گا ۱۲

(باقی صد آئندہ)

وفي غيرهما يجوز الوقف عند محمد ايضاً وان احتمل القسمة فهو محل الاختلاف فيصح عند ابي يوسف لا عند محمد ويفتى بقول ابي يوسف

وجعل غلة الوقف او الولاية لنفسه وشرط ان يستبدل به ارضاً اخرى اذا شاء عند ابي يوسف خاصة فان شرط الاستبدال لا يمنع صحة الوقف عند ابي يوسف خاصة اذ منافاة بين صحة الوقف وبين الاستبدال عنده فانه يجوز الاستبدال في الوقف من غير شرط اذا ضعفت الارض عن الريع ونحن لا نفتي به۔

(حواشی بین السطور: ای لا یجوز عند ابی یوسف ۱۲ عمدہ — ای الموقوف ۱۲ عمدہ — ای لا عند محمد ۱۲ عمدہ — بفتح الراء المهملة يعني الغلة اي النماء والزيادة ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:۔ اور مسجد و مقبرہ کے علاوہ دوسرے امور میں ناقابل تقسیم مشاع کا وقف امام محمدؒ کے نزدیک بھی جائز ہے تو قابل تقسیم شئی ہی محل اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا وقف درست ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک درست نہیں اور فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے اسی طرح اگر واقف وقف کی پیداوار کو اپنی ذات کے لئے کرلے یا وقف کی ولایت اپنے لئے حاصل رکھے یا یہ شرط کرے کہ جب چاہوں اس زمین کے بدلہ دوسری زمین وقف کردوں تو یہ سب درست ہیں۔ خاص کر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، کہ ان کے نزدیک شرط استبدال صحت وقف کے لئے مانع نہیں کیونکہ ان میں باہمی کوئی منافات نہیں۔ اسی لئے وہ بدون شرط کے بھی وقف کے بدل دینے کو جائز رکھتے ہیں جب کہ زمین موقوف خراب ہوجائے (اور اس میں پیداوار کی صلاحیت نہ رہے) لیکن ہم اس پر فتویٰ نہ دیں گے

تشریح:۔ (بقیہ مد گذشتہ) ؎۱ قولہ وقف المشاع الخ یعنی جو مشترک اور غیر منقسم ہو، فتح میں ہے کہ اختلاف کی بنیاد وقف سپرد کرنے کی شرط پر ہے چونکہ امام محمدؒ نے شرط لگائی تو غیر منقسم کے وقف کو غیر صحیح قرار دیا اس لئے کہ تقسیم سے قبضہ مکمل ہوتا ہے اور قبضہ ضروری ہے اس لئے تقسیم لازمی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تسلیم شرط نہیں اس لئے جس سے تسلیم پوری ہوتی ہے یعنی منقسم ہونا وہ بھی شرط نہ ہوگی، تو جنہوں نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو لیا ہے یعنی مشائخ بلخ۔ انہوں نے غیر منقسم کے وقف کو جائز رکھا اور جنہوں نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا۔ یعنی مشائخ بخارا۔ انہوں نے وقف مشاع کو جائز نہیں رکھا۔

(حاشیہ مد ہذا) ؎۱ قولہ وجعل الخ اس کا عطف "وقف المشاع" پر ہے یعنی وقف کی آمدنی مثلاً باغ کے پھل اور زمین کی فصل اور کرایہ دینے کی صورت میں اس کی اجرت اگر واقف اپنی ذات کے لئے رکھ لے تو جائز ہے ایسے ہی جائز ہے کہ واقف خود اس کے متولی ہونے کی شرط لگائے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان میں سے کوئی بات جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وقف کو متولی کے سپرد کرنا اور اپنے قبضہ سے نکالنا شرط ہے اور تولیت یا آمدنی اپنے لئے رکھ لینے سے یہ بات فوت ہوجاتی ہے۔ بحر اور فتح میں ہے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے ۱۲

؎۲ قولہ وشرط الخ اس کا بھی "وقف المشاع" پر عطف ہے یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے کہ واقف وقف کے وقت یہ شرط لگادے کہ وہ اس زمین کو دوسری زمین سے بدل سکتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وقف جائز ہے اور شرط باطل ہے کیونکہ یہ شرط زوال ملک میں مانع نہیں اور وقف اس کے بغیر ہی مکمل ہے ۱۲ عنایہ۔

؎۳ قولہ جعلوہ الخ۔ کہ انہوں نے اپنے اوقاف کا تبادلہ کیا اس خیال سے کہ استبدال جائز ہے اس طرح انہوں نے وقف کو برباد کیا اور واقفین کے مقصد کو ضائع کردیا ۱۲

فقد شاهدنا فی الاستبدال من الفساد ما لا یُعدّ ولا یُحصٰی فان ظلمۃ

بیان مقدم لما ۱۲ عدہ — ای قدر الا یدخل تحت العدد و عد الاحصار ۱۲ عدہ

القضاۃ جعلوہ حیلۃ الی ابطال اکثر اوقاف المسلمین وفعلوا ما فعلوا

وشرط لتمامہ ذکر مصرفٍ مؤبد وقال ابو یوسفؒ یصح بدونہ واذا انقطع

ای یصح الوقف بدون ذکر التابید ۱۲ عدہ

صُرف الی الفقراء وصح وقف العقار لا المنقول وعن محمدؒ صح وقف

بالتبع ای الارض مع البناء او بدونہ ۱۲ عدہ

منقول فیہ تعاملٌ کالفاس والمرّ والقدوم والمنشار والجِنازۃ وثیابھا

والقِدر والمرجل والمصحف وعلیہ اکثر فقہاء الامصار فاذا صح

ای علی قول محمد ۱۲ عدہ

الوقف لا یُملک ولا یُملّک اعلم ان بعض المتاخرین جوّزوا بیع بعض

الوقف اذا خرب لعمارۃ الباقی.

ترجمہ :- کیونکہ ہم نے اس استبدال میں بہت طرح کے فساد اور خرابیوں کا مشاہدہ کیا کہ ظالم حکام نے اس مسئلہ کو مسلمانوں کے بہت سے اوقات باطل کرنے کا ایک حیلہ بنا ڈالا اور پھر وہ مظالم کئے جو نا قابل بیان ہیں ۔ اور وقف کے اتمام و تکمیل کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا دائمی مصرف ذکر کیا جائے ۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دائمی مصرف نہ بتلانے پر بھی وقف صحیح ہے اور جب یہ مصرف نہ رہے جس پر وقف کیا تھا تو فقیروں پر صرف کیا جائے گا اور وقف صحیح ہے غیر منقولہ جائداد کا منقول کا وقف درست نہیں اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ ان اشیاء منقول کا وقف کرنا جائز ....

ہے جن کے وقف کرنے کا معمول لوگوں میں پایا جاتا ہے جیسے کلہاڑی، کدال، بسولا، آرہ، مردہ اٹھانے کی کھٹیا اور اس کے کپڑے دیگ، دیگچی اور مصحف اسی پر عمل ہے اکثر شہروں کے فقہاء کا ۔ اور جب وقف صحیح ہو جائے تو نہ وہ پھر اس کا مالک ہو سکتا ہے نہ کسی اور کو اس کا مالک بنایا جا سکتا ہے ۔ واضح رہے کہ بعض فقہاء متاخرین نے جبکہ موقوفہ مکان خراب ہونے لگے تو اس کے بعض حصہ کو بیچ دینا بقیہ حصہ کی تعمیر کے لئے جائز رکھا ہے

تشریح :- ۱ قولہ وشرط لتمامہ الخ یعنی وقف مکمل اور لازم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایسا مصرف ذکر کرے جو دائمی اور غیر منقطع ہو جیسے مساکین یا مساجد وغیرہ یا مثلاً کہے کہ میں نے فلاں فلاں پر پھر فقراء پر وقف کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف چاہتا ہے کہ اس سے ملک اس طرح زائل ہو کہ کسی اور کی ملکیت اس میں ثابت نہ ہو اب اگر مصرف منقطع ہونے کا احتمال ہو مثلاً یہ کہے کہ میں نے اس کی اولاد پر وقف کیا تو وقف کا تقاضا پورا نہیں ہو گا ۔ یہی وجہ ہے کہ وقف مؤقت باطل ہے مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنا مکان دس سال کے لئے وقف کیا ہے ۱۲ ہدایہ وغیرہ

۲ قولہ فاذا صح الوقف الخ یعنی شرائط پائی جانے کی وجہ سے جب صحیح ہو جائے، اور یہ صاحبین کے نزدیک ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک مالک ہونے یا مالک بنانے کے قابل نہ رہنا لزوم وقف کے بعد ہوتا ہے محض صحیح ہونے سے نا قابل تملک و تملیک نہیں ہوتا ۔ لا یملک مجہول کا صیغہ ملک سے ہے یعنی واقف کی ملکیت میں نہیں جائے گا اس لئے کہ یہ بات گذر چکی ہے کہ وقف کرنے سے موقوف چیز واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے ولا یملک بھی مجہول کا صیغہ تملیک سے ہے یعنی بیع وغیرہ کے ذریعہ دوسرے کو بھی مالک نہیں بنایا جا سکتا ہے چنانچہ وقف کی بیع و شراء درست نہیں اور نہ ہبہ ہو سکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے نہ وقف کی چیز عاریت پر دی جا سکتی ہے اور نہ ہی رہن رکھی جا سکتی ہے اس لئے کہ یہ سب ملکیت کا تقاضا کرتے ہیں ۱۲

والاصح انه لا يجوز فان الوقف بعد الصحة لا يقبل الملك كالحر لا يقبل الرقية وقد شاهدنا فيه مثل ما شاهدنا في الاستبدال[1] ولكن يجوز قسمة المشاع عند ابي يوسف فان القسمة في غير المثليات يغلب فيها جهة التمليك لا جهة الافراز ومع هذا يجوز قسمة المشاع عند ابي يوسف مع انه لا يجوز التمليك في الوقف فيجعل جهة الافراز غالبة في الاوقاف فان[2] وقف نصيبه من عقار مشترك يجوز للواقف ان يقسمه مع الشريك فان وقف نصف عقار كله له فالقاضي يقسم مع الواقف لكن[3] لا يجوز قسمة الوقف بين المصارف ويبدأ من ارتفاعات الوقف بعمارته.

ترجمہ:۔ لیکن اصح قول یہ ہے کہ اس غرض سے بعض حصہ کی بیع جائز نہیں کیونکہ وقف صحیح ہو جانے کے بعد ملکیت کو قبول نہیں کرتا جس طرح آزاد پر پھر رقیت طاری نہیں ہوتی اور ہم نے اس پر گنجائش دینے کے اندر بھی ایسے ہی خرابیاں دیکھی ہیں جیسی خرابیاں استبدال وقف میں مشاہدہ کیں۔ اور مشاع جائداد کا وقف کرنے کے بعد تقسیم کرنا جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، بلاشبہ غیر مثلی چیزوں کی تقسیم کے اندر اپنی ملکیت کے افراز و امتیاز کے مقابلہ میں مالک بنانے کا پہلو غالب ہے اس کے باوجود امام ابو یوسفؒ نے تقسیم مشاع کو جائز رکھا حالانکہ وقف میں تملیک بالاتفاق جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ باب وقف میں تقسیم کے اندر افراز کے پہلو ہی کو غالب قرار دیا جائے گا (نظرا لمصلحۃ الوقف) اگر کسی شخص نے زمین مشترک میں سے اپنا حصہ وقف کیا تو اس واقف کے لئے جائز ہے کہ اپنے شریک کے ساتھ اسکو بانٹ لے اور اگر اپنی ساری زمین سے آدھی کو وقف کیا تو واقف کے ساتھ قاضی تقسیم کرا دے گا (واقف خود تقسیم نہیں کر سکتا ہے) لیکن یہ جائز نہیں کہ وقف کو تقسیم کر دیں اس کے مستحقین کے درمیان۔ اور جو وقف کہ نیک دوں پر ہو تو اس کی آمدنی کو اول اس کی مرمت اور درستی میں صرف کیا جائے گا۔

تشریح:۔ [1] قولہ ولکن یجوز الخ یہ استدراک ہے لا یملک کے قول سے اس لئے کہ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ موقوف مشاع کی تقسیم جائز نہ ہوگی اس لئے کہ تقسیم میں تملیک کا مفہوم پایا جاتا ہے خاص کر زمین میں اس لئے اس کا استدراک کرتے ہوئے بتایا کہ مشاع کی تقسیم جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کو اس لئے خاص کیا کہ انہوں نے ہی وقف مشاع کو جائز رکھا ہے ۱۲

[2] قولہ فان وقف الخ یعنی جب زمین دو آدمی کے درمیان مشترک ہو اور ایک اپنا حصہ وقف کر دے تو اس صورت میں واقف کو حق ہے کہ اپنے شریک سے تقسیم کرالے اور اپنا حصہ اس کے حصہ سے جدا اور ممتاز کرالے کیونکہ اس کی تولیت واقف کو حاصل ہے اور اس کی موت کے بعد اگر اس کا شریک تقسیم کا مطالبہ کرے تو اس کے وصی کو اس کی ولایت حاصل ہوگی البتہ اگر زمین ایک ہی آدمی کی ملکیت ہو پھر اس نے اس کا ایک حصہ وقف کر دیا مثلاً اس کی زمین سو گز تھی اور اس نے اس میں سے پچاس گز وقف کر دی تو اس صورت میں واقف تقسیم نہیں کرا سکتا ورنہ لازم آئے گا کہ ایک ہی شخص مطالبہ کرنے والا اور مطالبہ ادا کرنے والا بن جائے اب تقسیم کے مطالبہ کا حق قاضی کو ہوگا جسکو ولایت عامہ حاصل ہے ۱۲

[3] قولہ لکن لا یجوز الخ یہ استدراک ہے مشاع موقوف کی تقسیم کے حکم سے، یعنی اگرچہ وقف مشاع کی تقسیم جائز ہے چاہے تقسیم کرنے والا واقف ہو یا قاضی ہو مگر یہ جائز نہیں کہ موقوفہ چیز کو اس کے مصارف پر یعنی جن مستحقین پر وقف کیا گیا ہے ان پر تقسیم کر دیا جائے چاہے وہ اس کا مطالبہ کریں البتہ بعض فقہاء نے اس کو جائز رکھا ہے تاکہ ہر ایک اپنے حصہ سے مکمل استفادہ کر سکے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

وان لم یشترطها الواقف ان وقف علی الفقراء وان وقف علی معین واٰخره للفقراء فهی فی ماله فان امتنع او کان فقیرا اجره الحاکم وعمّره باجرته ثم ردّه الی مصرفه ونقضه یصرف الی عمارته او یدّخر لوقت الحاجة الیها وان تعذر صرفه الیها بیع وصرف ثمنه الیها ولا یقسم بین مصارفه۔

(بین السطور: واحدا کان او کثیرا ۱۲ عمدہ — ہو الذی وقف الواقف ۱۲ عمدہ — ای صرف النقض الی العمارۃ ۱۲ عمدہ)

ترجمہ:- اگرچہ واقف نے اس بات کی شرط نہ کی ہو کہ مطلقاً فقراء پر وقف کیا ہو اور اگر کسی شخص معین پر وقف کیا اور یوں کہا ہو کہ اس کے بعد فقیروں کے لئے ہے تو اس کی تعمیر اس معین شخص کے ذمہ ہے اب اگر وہ مرمت نہ کرے یا وہ بالکل مفلس ہو تو حاکم اس کو کرایہ پر دیدے اور زر کرایہ سے اس کی تعمیر و مرمت کرے، مرمت ہو جانے کے بعد اسکو موقوف علیہ کے حوالہ کر دے۔ اور اگر موقوف ٹوٹ جائے تو اس کی ٹوٹی پھوٹی چیزوں کو اس کی تعمیر و مرمت میں لگایا جائے اگر سر دست ضرورت نہ ہو تو وقت حاجت کے لئے ذخیرہ کر کے رکھ دیا جائے اور اگر اس عمارت میں صرف کرنے کے قابل نہ ہو تو ان کو بیچ دیں اور قیمت موقوف کی تعمیر میں صرف کریں لیکن وقف کے مستحقوں کو تقسیم نہ کریں۔

تشریح:- (بقیہ صر گذشتہ) لیکن صحیح یہ ہے کہ مستحقین پر تقسیم جائز نہیں اس لئے کہ عین میں اس کا حق نہیں بلکہ اس کے منافع میں ان کا حق ہے ۱۲

سکہ قولہ ویبدأ الخ یعنی موقوف چیز کی آمدنی سے سب سے پہلے اس کی عمارت کی مرمت ہو گی پھر جو اس کی سے قریب تر اور اس کی عمومی مصلحت سے متعلق ہو اس پر آمدنی سے خرچ ہو گا مثلاً امام مسجد اور مدرس مدرسہ پر ان کی ضرورت کی کفایت کے مطابق خرچ کیا جائے گا پھر چراغ، چٹائی ایسے ہی دوسرے مصالح پر خرچ کیا جائے گا یہ تب ہے جبکہ وقف کے مستحق معین نہ ہو اور اگر وقف کا مصرف معین ہو تو اس کی مرمت کے بعد معین مصرف پر خرچ کیا جائے گا۔ تجرد وغیرہ میں ہے کہ سراج سے مراد قندیلیں اور ان کا تیل ہے اور بساط سے مراد چٹائی فرش وغیرہ اور ان کے ساتھ ان کا خادم چراغ جلانے والا اور فراش بھی شامل ہے۔ اور امام میں خطیب بھی داخل ہے اس لئے کہ وہ جامع مسجد کا امام ہے اور مسجد کے مصالح میں موذن اور دربان شامل ہے ۱۲

(حاشیہ ھذا) لے قولہ واٰخرہ للفقراء الخ یعنی یوں کہے میں نے یہ گھر اپنی اولاد یا فلاں کی اولاد پر وقف کیا پھر ان کے بعد فقراء کے لئے وقف ہے ۱۲

تمت الطبع

بحمد اللہ و منہ و کرمہ بقلم احقر الخلق عبید الحق بن مولانا ظہور الحق جلال آبادی
صدر المدرسین مدرسۃ عالیہ ڈھاکہ

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ ۲۹ جون ۱۹۸۴ء

میر محمد، کتب خانہ مرکزِ علم و ادب آرام باغ کراچی